

اس نمبر کی خاص لیکھ

کدھہ بھٹک ؟

— ڈاکٹر بھگوانداس

چون کا مہم سوار آندوانن

— آء ہریچننم پریس

مہنہ آندوانن

— مہا مہا بھگوانداس

مہا مہا والہ کا مہم

— آء مہنہ

نمبہ کا ایک مہم بھگوانداس

— پندت مہنہ

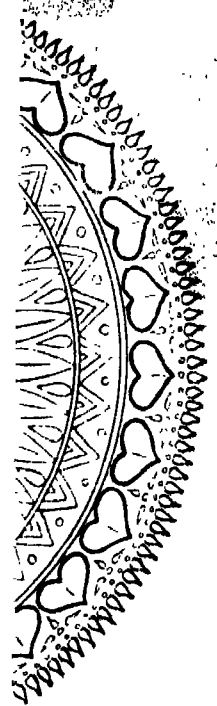
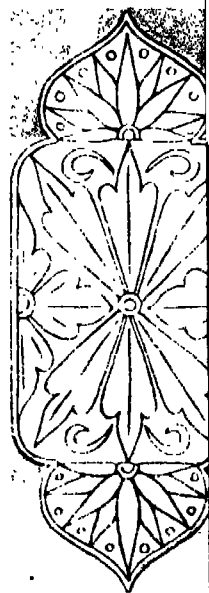
پرم، بھگوانداس و مہم

— بھگوانداس

بھگوانداس

بھگوانداس کے مہم پر ہمارے مہم سے بھگوانداس کی مہم

بھگوانداس کے مہم پر ہمارے مہم سے بھگوانداس کی مہم



کلتھر سوسائٹی، ایلہاہاڈ (کلتھر سوسائٹی، ایلہاہاڈ)

جولائی 1955

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, AL-LAHABAD-3.

نیا ہند

ضابطہ اشاعت دہلی

نمبر 1 نمبر 1 جلد 20 جلد 20
5 AUG 1955

جولائی 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈیگنج، ایلاہاباد

145 مئی گنج، ایلاہاباد

جولائی 1955 جولائی

کس سے	صفحہ	کیا کس سے
ہاں بٹکے ؟		1. کہاں بٹکے ؟
—ڈاکٹر بھگوانداس	1	—ڈاکٹر بھگوان داس
بین کا بھیم سوار آندولن		2. چین کا بھومی سدھار آندولن
—شری ہریشللمہ پریکھ	6	—شری ہری ولیہ پریکھ
ایڈورٹ آئینسٹائن		3. ایڈورٹ آئینس ٹاین
—مہاتما بھگواندین	16	—مہاتما بھگوان دین
ہری ماں بولی کا رپ		4. میری ماں بولی کا رپ
—شری مہدن گوپال	21	—شری مہدن گوپال
ہمبہ کا ایک دھبہ نچارا		5. ہمبہ کا ایک دھبہ نچارا
—پنڈت سندرلال	27	—پنڈت سندرلال
اچھ جیون		6. اچھ جیون
—لکھک—سب ڈا۔ ہریشاد دےسائی		—لکھک—سورگیہ ڈاکٹر ہری پوساد دیسانی
—انوادک—شری گنونت مہتا	32	—انوادک—شری گنونت مہتا
پرم، ویوگ اور ورا		7. پرم، ویوگ اور ورا
—ویشوہر ناٹھ پانڈے	37	—ویشوہر ناٹھ پانڈے
ہماری راتھ	45	8. ہماری راتھ
ایڈمی جنگ کے خلاف سائنس دانوں کی اپیل—		اپیل—
گوشا کا سترامہ اور اس سے سبق—		بی. سی. جی. کا ٹیکا—کانہور کے مزدوروں کی
جی. کا ٹیکا—کانہور کے مزدوروں کی		ہوٹال—سندرلال .

کہاں بٹکے ؟

کہاں بٹکے ؟

ڈاکٹر بھگوان داس

ڈاکٹر بھگوان داس

ہم دو छोटी और सुन्दर कहानियाँ नीचे देते हैं, एक हिन्दू धर्म की किताबों से और दूसरी इसलामी किताबों से. हैं अबे एक ऐसी जगह पहुंचे जहाँ एक हाथी खड़ा हुआ था. वह हाथी के रूप के बारे में एक दूसरे से मगड़ने लगे. एक ने हाथी की दुम को टटोलकर कहा कि हाथी एक झाड़ू की तरह है. दूसरे ने हाथी की सूँड़ को टटोलकर कहा कि हाथी एक बड़े अजगर की तरह है. तीसरे का हाथ हाथी के कान पर पड़ा. वह कहने लगा कि हाथी एक बड़े छाज की तरह है. चौथे ने हाथी के पेट को टटोलकर कहा कि हाथी एक बड़े ढोल की तरह है. पाँचवें ने हाथी की टांग को थपथपा कर देखा और कहा कि हाथी एक मोटे खंभे की तरह है. छठे ने हाथी के एक दाँत को छूकर कहा कि हाथी एक बड़े सोटे की तरह है. सबको अपनी अपनी बात का पक्का विश्वास था. हर एक दूसरे की बात को गलत मान रहा था. हठ और मगड़ा बढ़ने लगा. इतने में एक सातवाँ आदमी उधर से निकला. उसके आँखें थीं. वह देख और समझ सकता था. उसने उनमें से हरेक को समझाया कि हाथी उन सबके अलग अलग खयालों का मेल है. उसने उन्हें यह भी बतलाया कि हाथी कोई बेजान मिट्टी या लकड़ी की चीज नहीं है. वह एक प्राणी है जो अपने इन सब अंगों से काम लेता है.

इसी तरह हमारी सब अलग अलग माही साइसें इस माही (भौतिक) दुनिया के किसी एक पहलू से वास्ता रखती हैं. दुनिया का हरम ज़हब आत्मा या परमात्मा की किसी एक सिफ़त या एक पहलू पर जोर देता है. लेकिन वह चीज़ जिसे हम तसवुफ़, वेदान्त और ज़िन्दगी की असली फ़िलोसोफी कहते हैं और जिसे मजहबी साइन्स या साइन्सी मजहब भी कहा जा सकता है वह इन सब धर्मों के अलग अलग पहलुओं को मिलाकर उनका संगम या समन्वय करती है.

दूसरी कहानी यह है—चार मुसाफ़िर, एक रूमी, एक अरब, एक ईरानी और एक तुर्क ज़िन्दगी की सड़क पर साथ साथ चले जा रहे थे. रेतीली, पथरीली, कंटीली, कहीं बरफ़ की तरह ठंडी और कहीं जलती हुई राहों पर चलते चलते उन चारों को भूख और प्यास सताने लगी. उन्हें किसी ऐसे जगह की ज़रूरत थी जिससे उन्हें शांति और

هم در چپونی اور سند کہانیاں نیچے دیتے ہیں، ایک ہندو دھرم کی کتابوں سے اور دوسری اسلامی کتابوں سے . چہ اندھے ایک ایسی جگہ پہونچے جہاں ایک ہاٹی کھڑا ہوا تھا . وہ ہاٹی کے روپ کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے . ایک نے ہاٹی کی دم کو ٹٹول کر کہا کہ ہاٹی ایک جھارڑ کی طرح ہے . دوسرے نے ہاٹی کی سونڈ کو ٹٹول کر کہا کہ ہاٹی ایک بڑے اجگر کی طرح ہے . تیسرے کا ہاتھ ہاٹی کے کان پر پڑا . وہ کہنے لگا کہ ہاٹی ایک بڑے چھاج کی طرح ہے . چوتھے نے ہاٹی کے پیٹ کو ٹٹول کر کہا کہ ہاٹی ایک بڑے ڈھول کی طرح ہے . پانچویں نے ہاٹی کی ٹانگ کو تھپ تھپ کر دیکھا اور کہا کہ ہاٹی ایک موٹے کھمبے کی طرح ہے . چھٹے نے ہاٹی کے ایک دانت کو چھو کر کہا کہ ہاٹی ایک بڑے سوٹے طرح ہے . سب کو اپنی اپنی بات کا پکا وشواس تھا . ہر ایک دوسرے کی بات کو غلط مان رہا تھا . ہٹ اور جھگڑا بڑھنے لگا . انے میں ایک ساتواں آدمی ادھر سے نکلا . اُسکے آنکھیں تھیں . وہ دیکھ اور سمجھ سکتا تھا . اُسنے ان میں سے ہر ایک کو سمجھایا کہ ہاٹی ان سب کے الگ الگ خیالوں کا ممل ہے . اُسنے انہیں یہ بھی بتایا کہ ہاٹی کوئی بیجان مٹی یا لکڑی کی چیز نہیں ہے . وہ ایک پرانی ہے جو اپنے ان سب انگوں سے کام لیتا ہے .

ایسی طرح ہماری سب الگ الگ مادی سائنسیں اس مادی (بیونک) دنیا کے کسی ایک پہلو سے واسطہ رکھتی ہیں . دنیا کا ہر مذہب انما یا پرما انما کی کسی ایک صفت یا ایک پہلو پر زور دیتا ہے . لیکن وہ چیز جسے ہم تصوف، ویدانت اور زندگی کی اصلی فلاسفی کہتے ہیں اور جسے مذہبی سائنس یا سائنسی مذہب بھی کہا جا سکتا ہے وہ ان سب دھرموں کے الگ الگ پہلوؤں کو ملاکر اُنکا سنگم یا سملوے کرتی ہے .

دوسری کہانی یہ ہے—چار مسافر، ایک رومی، ایک عرب، ایک ایرانی اور ایک ترک زندگی کی سڑک پر ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے . ریتیلی، پتھریلی، کٹیلی، کھین برف کی طرح ٹھنڈی اور کہیں جلتی ہوئی راہوں پر چلتے چلتے ان چاروں کو بھوک اور پیاس ستانے لگی . انہیں کسی ایسے کھانے کی ضرورت تھی جس سے انہیں شانتی اور

शाकि मिले. वह एक दूसरे की बोली नहीं समझते थे. उंगलियों से इशारा करके उन्होंने अपने चारों के पास के सब दाम विरम जमा किए, इसलिए कि उससे कुछ खाना खरीदें. पर सबाल हुआ कि क्या चीज खरीदी जाय. अरब ने कहा कि 'अनब' खरीदा जाय. तुर्क ने गुर्गर कहा 'उजम' खरीदो. ईरानी ने कहा 'अंगूर' खरीदना चाहिए. रूमी ने कड़क कर कहा 'अस्ताकील' लिये जायें. वे मगड़ने लगे. आँखें लाल हो गईं. मुट्टियाँ मिचने लगीं. हाथापाई की नौबत आ गई. इतने में एक फेरी लगाकर फल बेचने वाला पास से निकला. इस तरह के फेरी लगाने वाले आम तौर पर बहुत सी जवानों के खास खास शब्दों से वाकिफ होते हैं. उन्हें तरह तरह के गाहकों से बास्ता पड़ता है. उन चारों के बीच में जाकर उसने अपना टोकरा जिसमें जीवन का मेवा भरा हुआ था उनके सामने खोलकर रख दिया. मुट्टियाँ ढीली पड़ गईं. आँखें नरमा गईं. आवाज में मिठास आ गई, चेहरे मुस्कुराने लगे. चारों को उस टोकरे के अंदर अपनी दिल चाही चीज दिखाई दे गई. अरबी अनब, तुर्की उजम, ईरानी अंगूर, रूमी अस्ताकील, पहलवी दाख, संस्कृत द्राक्ष और अंग्रेजी ग्रेप सबके एक ही मानी हैं, सब एक ही मीठे फल को जाहिर करते हैं.

हम में से हरेक ने दूसरों को बाहर रखने के लिए अपने चारों तरफ एक दायरा खींच लिया है. हमारे अपने दायरे से बाहर सब हमें नास्तिक, काफिर, मलेच्छ और गौर दिखाई देते हैं. प्रेम ने ज्ञान के साथ मिलकर एक बड़ा दायरा खींचा जिसके अंदर सब छोटे दायरे समा गए. सूफी कहता है कि :—

फ़क़त तफ़ावत है नाम ही का,
दर अस्त सब एक ही हैं, यारो !
जो आबे साफ़ी कि मौज में है,
उसी का जलवा हवाब में है !

यानी केवल नामों का फरक है. ऐ यारो ! हकीकत में सब एक हैं. जो साफ़ पानी दरिया की लहर में चमक रहा है उसी की चमक बुलबुले के अंदर भी है.

प्यारे भाइयो और बहनो ! कहाँ कहाँ से, कोई दूर से और कोई नजदीक से आकर हम यहाँ ज़िन्दगी की राह पर मिल गए हैं. हम सब भूखे और प्यासे हैं. सबको उस खाने और उस पानी की ज़रूरत है जो हमें सच्ची ज़िन्दगी दे सके. वह खाना और पानी 'प्रेम' है. यह प्रेम आदमी के अपने अंदर उबलता है, पर उस समय उबलता है जब आदमी इस बात को महसूस करने लगे कि एक ही जान, एक ही परमात्मा सब जगह और घट घट के अंदर मौजूद है. पर हममें से बहुत सों के अंदर अभी सच्ची प्यास की कमी है.

शुकी मले. وہ ایک دوسرے کی بولی نہیں سمجھتے تھے. انگلیوں سے اشارہ کر کے انہوں نے اپنے چاروں کے پاس کے سب دام درم جمع کئے. اس لئے کہ اس سے کچھ کھانا خریدیں. پر سوال ہوا کہ کیا چیز خریدی جائے. عرب نے کہا کہ 'عنب' خریدا جائے. ترک نے غرا کر کہا 'عظم' خریدو. ایرانی نے کہا 'انگو' خریدنا چاہئے. رومی نے ٹوک کر کہا اُسطافیل لے جائیں. وہ جھگڑنے لگے. انہیں لال ہو گئیں. منہاں بیچنے لگیں. ہاتھ پائی کی نوبت آگئی. اُنہ میں ایک پھری لگا کر پھل بیچنے والا پاس سے نکلا. اِس طرح کے پھری لگانے والے عام طور پر بہت سی زبانوں کے خاص خاص شبدوں سے واقف ہوتے ہیں. انہیں طرح طرح کے گلفوں سے واسطہ پڑتا ہے. اُن چاروں کے بیچ میں جاکر اس نے اپنا ٹوکرا جس میں جیوں کا میوہ بھرا ہوا تھا اُن کے سامنے کھول کر رکھ دیا. منہاں ڈھیلی پڑ گئیں. انہیں نرم گئیں. آواز میں مٹھاس آگئی. چہرے مسکرائے گئے. چاروں کو اُس ٹوکرے کے اندر اپنی دل چاہی چیز دکھائی دے گئی. عربی 'عنب' ترکی 'عظم' ایرانی 'انگو' رومی 'اُسطافیل' پہلوی 'داکھ' سلسکرت 'دراکش' اور انگریزی 'گریپ' سب کے ایک ہی معنی ہیں. سب ایک ہی میٹھے پھل کو ظاہر کرتے ہیں.

ہم میں سے ہر ایک نے دوسروں کو باہر رکھنے کے لئے اپنے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچ لیا ہے. ہمارے اپنے دائرے سے باہر سب ہمیں 'ناستک' کا ذر' ملتی ہے اور غیر دکھائی دیتے ہیں. پریم نے گیان کے ساتھ مل کر ایک بڑا دائرہ کھینچا جس کے اندر سب چھوٹے دائرے سما گئے.

صوفی کہتا ہے کہ:—

نقط تفاوت ہے نام ہی کا
دراصل سب ایک ہیں، یارو !
جو آب صافی کہ موج میں ہے
اُسی کا جلوہ حباب میں ہے !

یعنی کیول ناموں کا فرق ہے. اے یارو ! حقیقت میں سب ایک ہیں. جو صاف پانی دریا کی لہر میں چمک رہا ہے اُسی کی چمک ہلے کے اندر بھی ہے.

پیارے بھائیو اور بہنو ! کہاں کہاں سے، کوئی دور سے اور کوئی نزدیک سے آکر ہم یہاں زندگی کی راہ پر مل گئے ہیں. ہم سب بھوکے اور پیاسے ہیں. سب کو اُس کھانے اور اُس پانی کی ضرورت ہے جو ہمیں سچی زندگی دے سکے. وہ کھانا اور پانی 'پریم' ہے. یہ پریم آدمی کے اپنے اندر اُبلتا ہے، پر اُس سے اُبلتا ہے جب آدمی اُس بات کو محسوس کرے کہ ایک ہی پرماں سب جگہ اور گھٹ گھٹ کے اندر موجود ہے. پر ہم میں سے بہت سوں کے اندر ابھی سچی پیاس کی کمی ہے.

میلانا روم نے کہا ہے :—

“پانی मत دूँद, पहले अपने अंदर प्यास पैदा कर. जब सच्ची प्यास पैदा होगी तो पानी अपने आप तेरे आगे और पीछे, ऊपर और नीचे फव्वारों की तरह फूटने लगेगा.”

بڑے لوگ جنکے دل دیا اور پریم سے لبالب بھرے تھے جن کے لئے کوئی غیر نہ تھا، بڑے بڑے دھرموں کی پاک کتابوں کو لکھنے اور ترتیب دینے والے، جواب بھی ہمیشہ پریم کے ساتھ منشیہ جاتی پر اسی طرح نگاہ رکھتے ہیں جس طرح ماٹیں اپنے چھوٹے بچوں پر نگاہ رکھتی ہیں، وہ بڑے لوگ ہمارے لئے جیوں کے اچھے سے اچھے مہوں اور مہنت سے مہنت پھلوں کے باغ لگا کر چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کی لگائی ہوئی انکوروں کی بیلیں بارہ ماسی بیلیں ہیں۔ اُن کے انکور جتنے ادھک توڑے جاویں اُنہی ہی پھلتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ اُن کی اِن سدا بہار بیلوں سے ہم نے کچھ گچھے چن کر جمع کر دیئے ہیں، تاکہ سب اُن میں برابر کا حصہ بٹا سکیں، سب اُن کا اُند لے سکیں۔ اور جب کبھی ہم باہر پردیس جاویں یا اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں تو اُن پھلوں کی مٹھاس ہماری زبانوں اور ہمارے ہونٹوں پر بنی رہے۔ ہم جہاں جاویں اِس ایکٹا اور پریم کے سندھ بیج ہمارے ساتھ ہوں اور ہم یہاں وہاں اور سب جگہ اُن بیجوں کو بکھیرتے رہیں۔

ایک ہندستانی سنت نے کہا ہے :—

“اب ہوں کسوں بئر کروں،
”گھٹ گھٹ پکارت پر بہو نیچ مکہ تے
”گھٹ گھٹ ہوں وھروں،
”آپ سمان سبے جک لیکھنوں،
”بھکتن ادھک دتروں،
”اب ہوں کسوں بئر کروں۔“

کبیر صاحب نے کہا ہے :—

”گھٹ گھٹ رمتا رام رمھا۔

کلک بچن مت بول ! تو ہے رام ملیں گے۔“

ایک انگریز کوئی نے کہا ہے :—

“So many castes, so many creeds,
“So many paths that wind and wind,
“When all, the sad world needs,
“Is the art of being kind !”

یعنی بہت سی جات پات ہیں، بہت سے الگ الگ دھرم ہیں، بہت سے راستے ہیں جن پر لوگ چکر کھاتے رہتے ہیں۔ پر اُس دکھی دنیا کو جس ایک چیز کی ضرورت ہے وہ ہے سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ !

سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ کرنا تبھی اُسکا ہے جب ہم محنت کے ساتھ اُس بڑی سچائی کو اپنے دلوں

میلانا روم نے کہا ہے :—

“پانی मत दूँद, पहले अपने अंदर प्यास पैदा कर. जब सच्ची प्यास पैदा होगी तो पानी अपने आप तेरे आगे और पीछे, ऊपर और नीचे फव्वारों की तरह फूटने लगेगा.”

بڑے لوگ جنکے دل دیا اور پریم سے لبالب بھرے تھے جن کے لئے کوئی غیر نہ تھا، بڑے بڑے دھرموں کی پاک کتابوں کو لکھنے اور ترتیب دینے والے، جواب بھی ہمیشہ پریم کے ساتھ منشیہ جاتی پر اسی طرح نگاہ رکھتے ہیں جس طرح ماٹیں اپنے چھوٹے بچوں پر نگاہ رکھتی ہیں، وہ بڑے لوگ ہمارے لئے جیوں کے اچھے سے اچھے مہوں اور مہنت سے مہنت پھلوں کے باغ لگا کر چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کی لگائی ہوئی انکوروں کی بیلیں بارہ ماسی بیلیں ہیں۔ اُن کے انکور جتنے ادھک توڑے جاویں اُنہی ہی پھلتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ اُن کی اِن سدا بہار بیلوں سے ہم نے کچھ گچھے چن کر جمع کر دیئے ہیں، تاکہ سب اُن میں برابر کا حصہ بٹا سکیں، سب اُن کا اُند لے سکیں۔ اور جب کبھی ہم باہر پردیس جاویں یا اپنے اپنے گھروں کو لوٹیں تو اُن پھلوں کی مٹھاس ہماری زبانوں اور ہمارے ہونٹوں پر بنی رہے۔ ہم جہاں جاویں اِس ایکٹا اور پریم کے سندھ بیج ہمارے ساتھ ہوں اور ہم یہاں وہاں اور سب جگہ اُن بیجوں کو بکھیرتے رہیں۔

ایک ہندستانی سنت نے کہا ہے :—

“اب ہوں کسوں بئر کروں،
”گھٹ گھٹ پکارت پر بہو نیچ مکہ تے
”گھٹ گھٹ ہوں وھروں،
”آپ سمان سبے جک لیکھنوں،
”بھکتن ادھک دتروں،
”اب ہوں کسوں بئر کروں۔“

کبیر صاحب نے کہا ہے :—

”گھٹ گھٹ رمتا رام رمھا۔

کلک بچن مت بول ! تو ہے رام ملیں گے۔“

ایک انگریز کوئی نے کہا ہے :—

“So many castes, so many creeds,
“So many paths that wind and wind,
“When all, the sad world needs,
“Is the art of being kind !”

یعنی بہت سی جات پات ہیں، بہت سے الگ الگ دھرم ہیں، بہت سے راستے ہیں جن پر لوگ چکر کھاتے رہتے ہیں۔ پر اُس دکھی دنیا کو جس ایک چیز کی ضرورت ہے وہ ہے سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ !

سب کے ساتھ پریم کا برتاؤ کرنا تبھی اُسکا ہے جب ہم محنت کے ساتھ اُس بڑی سچائی کو اپنے دلوں

एक हिन्दुस्तानी संत ने कहा है :—

“अब हौं कासों बैर करौं,
“कहत पुकारत प्रभु निज मुखते
“घट घट हौं विहरौं,
“आप समान सबै जग लेख्यौं,
“भक्तन अधिक डरौं,
“अब हौं कासों बैर करौं”

कबीर साहब ने कहा है :—

“घट घट रमता राम रमैया

“कटुक बचन मत बोल ! तोहे राम मिलेंगे.”

एक अंग्रेज कवि ने कहा है :—

“So many castes, so many creeds,
“So many paths that wind and wind,
“when all, the sad world needs,
“Is the art of being kind !”

यानी बहुत सी जात पात हैं, बहुत से अलग अलग धर्म हैं, बहुत से रास्ते हैं जिन पर लोग चक्कर खाते रहते हैं. पर इस दुखी दुनिया को जिस एक चीज की जरूरत है वह है सब के साथ प्रेम का बरताव !

सब के साथ प्रेम का बरताव करना तभी आ सकता है जब हम मेहनत के साथ इस बड़ी सच्चाई को अपने दिलों

اور دھڑپیں میں جمالیں کہ ایک ہی ہے انت، انت اور وہاں ایک
 آتیا ہمارے اپنے اور سب کے اندر رمی ہوئی ہے۔ جیوں کا ایک
 سمبلیز ہے چر، لگانا، بہ رہا ہے۔ وہی پریم ہے، وہی ایشور ہے، پریم
 ہی ایشور ہے، ایشور پریم ہے، کیوں کہ ایشور سب کے اندر موجود
 ہے۔ اِس ایکٹا کو انوہو کرنا ہی ایشور بھگتی یا عشق حقیقی
 ہے۔

اُپنشد میں لکھا ہے :—

’ایدا چرم و آو کشم . ویشٹ اشیفتی مانواہ

”ندا دیوم آو گیائے دہسیتہ انتو بہر شہتی“

یعنی جس دن لوگ مارے آکلش کو ایک چٹائی کی طرح لپٹ کر اپنے ہاں میں لے لیئے اُس دن یہی دن سب کے اندر ایک ایسور کو دیکھے دنیا کے دکھ کا انت ہو سکیگا ۔

صوفی کہتا ہے :-

”شاد باش! اے عشق! خوش سوداے ما!

”اے دو آنے جملہ علمتھائے ما ا

”آءِ علّٰجِ نَخوتِ دُمارِوسِ ما ا

”آء تو اطلالون و جالهنوس ما !

”وید اوستا“ القرآن“ انجیل نیز“

”لعبه“ و ”بتخانه“ و ”آتشکده“

”قلب من“ مقبول کردہ جملہ چیز‘

”چوں مراجز عشق نے دیگر خدا!“

یعنی اے میرے پیارے باگن پن ! اے پریم ! خوش رہو۔
 تم ہی میری ساری بیماریوں کی دوا ہو ! تم ہی میرے گھمنڈ
 اور میری خودی کا علاج ہو ! میرے اندر کے روگوں کے لئے تم
 انطلس فلا سفر ہو اور تم ہی میری باغر کی بیماریوں کے لئے
 جالینوس حکیم ہو ! دین، زند اوستا، فران، انجیل، کعبہ،
 پست خاںہ اور آتشکدہ، میرے دل نے اُن سب کو اپنا لیا ہے،
 چونکہ میرے لئے اب سوا 'پریم' کے اور کوئی مذہب ہی
 نہیں رہا۔

شیخ سعدی نے اپنی مشہور کتاب 'مہمقیماں' میں لکھا ہے: —

”قابہ اموختام اہجد عشق

”رقم غیر ازین نمی دانیم

”کہ یہ چشمانِ دل مہیں جز دوست

”هرچه بدنی بدان که مظهر اوست !

”چوں کہ واقف شدیم زیدوئے راز

ہم ہم آئین قرآنہ میگوئیم

”کہ بہ چشمانِ دل مہیوں جز دوست

”ہر جہ پینے ہواں کہ مظهر اوست!“

یعنی جب تم ہم نے پریم کی اف، پے، نے، پہنچی ہے تب سے سوا اسی ایک بات کے اور نونے بات ہم جانتے ہی نہیں کہ بدل کی انہوں سے کسی کو بھی سوائے درست کے

اور کچھ نہیں دیکھا چاہئے۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے سمجھ لے کہ سب اسی ایک ایشور کا جلوہ ہے۔ جب سے ہم بھید کے پردے سے واقف ہوئے ہیں تب سے ہر دم ہم یہی راگ گڑھے ہیں کہ دل کی آنکھوں سے کسی کو بھی سوائے دوست کے اور کچھ نہیں دیکھنا چاہئے۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے سمجھ لے کہ سب اسی ایک ایشور کا جلوہ ہے۔

’ورلڈ فیلوشپ آف فیتھس‘ میں جو کچھ سب دھرموں کی طرف سے لکھا گیا تھا اوسکا مطلب یہ ہے :—

”دنیا کے سب رہنے والے भाई भाई ہیں !

”سب کے بھلے میں ہرے کا بھلا ہے۔

”سب کا نیکاس ایک سے ہے، ایک ईश्वर سب کا ईश्वर ہے۔

”ایک کائنات سب کے ऊपर ہے۔

”ایک مंजیل سب کے سامنے ہے۔

”ایک جیون سب کو لپٹے ہے۔

”سب کا راستا پریم ہے۔

”لوم، لالچ، ڈر، غمناک اور نافرست

”ہنہونے बहुत दिनों हमें वीरान किए रक्खा,

”ہنکا राज अब खतम हुआ.

”نسل، رنگ، سंप्रदाय और जात पात,

”सब एक बीते हुए बुरे सपने की तरह मुरझा गए.

”आदमी ने आखिर जागकर यह सीख लिया

”कि सबके अंदर एक ही जान है !”

وہ جس سے میں سب کی طرف سے نیچے لکھی پڑتھنا کی گئی تھی :—

”अमन और खुशहाली लोगों में फिर से वापस आ जाँ !

”सब मिलकर काम करें, एक प्रेम सब को बाँधे हुए हो !

”एक भाई चारा सबको लिए हुए हो, सबको धीरज हो !

”सबमें आत्म संयम का बल हो !

”सब एक दूसरे की पिछली बातों को भूल जाँ,

”सब सबके भविष्य को बनाना अपना पोक कर्ज समझें,

”अमन और खुशहाली सब में लौट आवें !”

कुरान में ईश्वर سے प्रार्थना کی गई है :—

”اھدینا سیراتل مستقیم”

یانی ہے ईश्वर ! हम सबको सीधी राह दिखता.

वेद में लिखा है :—

”अग्ने ! नय सुपथा !”

یانی ہے ईश्वर हमें सीधे रास्ते पर ले चल !

महाभारत में लिखा है :—

”सर्वस्तरतु दुर्गाणि सर्वो भद्राणि पश्यतु !

”सर्वः सद् बुद्धिमाप्रोतु सर्वः सर्वत्र नंदतु !”

یانی سب अपनी अपनी कठिनाइयों का पार कर सकें, सबको भलाई ही भलाई दिखाई दे, सबको नेक समझ हो, और सब सब जगह खुश रहें ! यही सीधा रास्ता है.

ओम् ! आमीन ! एमन !

’ورلڈ فیلوشپ آف فیتھس‘ میں جو کچھ سب دھرموں کی طرف سے لکھا گیا تھا اوسکا مطلب یہ ہے :—

”دنیا کے سب رہنے والے भाई भाई ہیں !

”سب کے بھلے میں ہر ایک کا بھلا ہے۔

”سب کا نکاس ایک سے ہے، ایک ایشور سب کا ایشور ہے۔

”ایک فائرن سب کے اوپر ہے۔

”ایک منزل سب کے سامنے ہے۔

”ایک جیون سب کو لپٹے ہے۔

”سب کا راستہ پریم ہے۔

”لویج، لالچ، ڈر، گھمنڈ اور نفرت

”انہوں نے بہت دنوں ہمیں ویران کئے رکھا۔

”ان کا راج اب ختم ہوا۔

”نسل، رنگ، سہو، داند اور جات پات،

”سب ایک ہیٹے ہوئے بڑے سہنے کی طرح مرجھا گئے۔

”آدمی نے آخر جاگ کر یہ سیکھ لیا

”کہ سب کے اندر ایک ہی جان ہے !”

اُس جلیسے میں سب کی طرف سے نیچے لکھی پڑتھنا کی گئی تھی :—

”अमन और خوشहाली लोगों में फिर से वापस आ जाँ !

”सब मिल कर काम करें, एक प्रेम सब को बाँधे हुए हो !

”एक भाई चारा सबको लिए हुए हो, सबको धीरज हो !

”सबमें आत्म संयम का बल हो !

”सब एक दूसरे की पिछली बातों को भूल जाँ,

”सब सबके भविष्य को बनाना अपना पोक कर्ज समझें,

”अमन और खुशहाली सब में लौट आवें !”

कुरान میں ईश्वर سے پڑتھنا کی گئی ہے :—

”اھدینا الصراط المستقیم !

یعنی ہے ایشور ! ہم سب کو سیدھی راہ دکھا !

وید میں لکھا ہے :—

”अग्ने ! नये सुपथा !”

یعنی ہے ایشور ہمیں سیدھے راستے پر لے چل !

مہابھارت میں لکھا ہے :—

”सर्वस्तरतु दुर्गाणि सर्वो भद्राणि पश्यतु !

”सर्वः सद् बुद्धिमाप्रोतु सर्वः सर्वत्र नंदतु !”

یعنی سب اپنی اپنی دشمنائیوں کو پار کر سکیں، سب کو

بھلائی ہی بھلائی دہانی دے، سب کو نیک سمجھ ہو، اور سب

سب جگہ خوش رہیں ! یہی سیدھا راستہ ہے۔

اوم ! آمین ! آمین !

شری हरिवल्लभ परीख

شری हरवल्लभ परीख

[लेखक सितम्बर 1954 में शुमेच्छु मंडल के सदस्य की हैसियत से चीन गये थे. इस लेख में उनका भाँखों देखा वर्णन है—एडीटर]

[लिखक सितम्बर 1954 में शुमेच्छु मंडल के सदस्य की حیثیت سے چین گئے تھے. اس لیکم میں ان کا آنکھوں دیکھا ورنن ہے—اڈیٹر]

आपके पास कितनी जमीन है ? 2.6 माउ के हिसाब से 15 माउ जमीन है. मुस्कराते हुये दक्षिण चीन के एक बौध मठाधीरा ने कहा. चीन में आप कहीं भी चले जाइये पूर्व से पश्चिम तक और उत्तर से दक्षिण तक जमीन के बारे में आप चाहे किसान से पूछें, जमीनदार से पूछें, संत या महंत से पूछें—एक ही जबाब मिलेगा, 2.6 माउ. इस 2.6 माउ में क्या कमाल है, यह हमें विस्तार से समझना होगा.

चीन के भूमि सुधार आन्दोलन को हमें दो हिस्सों में बांटना होगा—एक जमीन का फिर से समान बटवारा और दूसरा ज्यादा पैदावार. अब हम इन दोनों सबालों पर सिलसिले बार विचार करें.

चीन भारत की तरह खेती प्रधान देश है. चीन की 60-70 फीसदी जनता खेती पर ही गुजारा करती है. स्वाभाविक रूप से चीन के नेताओं ने जमीन के सबाल को सबसे पहले हाथ में लिया. उनका ऐसा करना मुनासिब और जरूरी था. किसी भी लोकशाही सरकार के अपने बहुजन समुदाय की मांगों को उनके सुख दुःख को समझने व सुलझाने की कोशिश सबसे पहले करनी ही चाहिये.

जनता का जीवन जमीन के साथ जुड़ा हुआ था. जमीन अधिकतर जमीनदारों के हाथ में थी. जमीन पर मजदूरी करने वाले किसानों को तबाह करने व शोषण करने के अनेक अधिकार भी जमीनदारों को हासिल थे. यारज यह कि साधन सम्पत्ति और हुकूमत पर जमीनदारों का कब्जा था. यही जरिया था जिससे वह चीन की मेहनतकश जनता का बेरोक टोक शोषण कर सकते थे.

1949 में लोकराज कायम हुआ. उसने अपनी जमीन सम्बन्धी नीति साफ की. जमीनदारों की सदियों से चली आती ताकत को यह सबसे बड़ी चुनौती थी. सियासी ताकत लोगों के हाथ में आ चुकी थी. हुकूमत पर जनता ने अधिकार पा लिया था. अब सबाल साधन और दौलत

अप के पास कتنی زمين है ? 2.6 माؤ के حساب से 15 माؤ زمين है. مسکراتے ہوئے دکھن چین کے ایک بونہ مٹھا دھیش نے کہا. چین میں آپ کہیں بھی چلے جائیے پورب سے پچم تک اور اتر سے دکھن تک زمین کے بارے میں آپ چاہے کسی سے پوچھیں, زمیندار سے پوچھیں, سنت یا مہنت سے پوچھیں, ایک ہی جواب ملے گا—2.6 ماو. اس 2.6 ماؤ میں کیا کمال ہے, یہ ہمیں وستر سے سمجھنا ہو گا.

چین کے بھومی سدھار آندولن کو ہمیں دو حصوں میں بانٹنا ہوگا—ایک زمین کا پھر سے سمان بٹوارہ اور دوسرا زیادہ پیداوار. اب ہمارے دونوں سوالوں پر سلسلے وار وچار کریں.

چین بھارت کی طرح کھیتی پر دھان دیش ہے. چین کی 60-70 فیصدی جنتا کھیتی پر ہی گزارہ کرتی ہے. سواہواک روپ سے چین کے فیکٹاؤں نے زمین کے سوال کو سب سے پہلے ہاتھ میں لیا. ان کا ایسا کرنا مناسب اور ضروری تھا. کسی بھی لوک شاہی سرکار کے اپنے بھوجن سمودایہ کی مانگیں کو ان کے سکھ دکھ کو سمجھنے و ساجھانے کی کوشش سب سے پہلے کرنی ہی چاہئے.

جنتا کا جیون زمین کے ساتھ جڑا ہوا تھا. زمین اھک تر زمینداروں کے ہاتھ میں تھی. زمین پر مزدوری کرنے والے کسانوں کو تباہ کرنے و شوشن کرنے کے انیک ادھیکار بھی زمینداروں کو حاصل تھے. غرض یہ کہ سادھن, سمپتی اور حکومت پر زمینداروں کا قبضہ تھا. یہی ذریعہ تھا جس سے وہ چین کی محنتکش جنتا کا پوروک ٹوک شوشن کر سکتے تھے.

1949 میں لوک راج قائم ہوا. اس نے اپنی زمین سمبندھی نہتی صاف کی. زمینداروں کی صدیوں سے چلی آتی طاقت کو یہ سب سے بڑی چنوتی تھی. سیاسی طاقت لوگوں کے ہاتھ میں آچکی تھی. حکومت پر جنتا نے ادھیکار پا لیا تھا. اب سوال سادھن اور دولت

کو जनता के हाथ में पहुंचाने का था. 1949 से ही चीनी अगुवाओं ने ज़मीन के प्रश्न पर जनमत तैयार करना शुरू कर दिया था. 1950 में ज़मीन सुधार कानून बना दिया. इस कानून में ज़मीन सम्बन्धी सारे प्रश्नों पर क्रान्तिकारी तरीके से विचार किया गया. ज़मीन पर जोतने वाले का अधिकार, समान रूप से माना गया. आज तक के ज़मीन सम्बन्धी पुरतैनी अधिकारों को इससे ज़बरदस्त चोट पहुंची. यहां एक महत्वपूर्ण सवाल खड़ा होता है. 1950 में इसे कानून का रूप देने में चीनी अगुवाओं ने जल्दबाजी से काम लिया है क्योंकि एक वर्ष में जनमत तैयार होना संभव नहीं माना जाता. यह प्रश्न सब को सूझेगा. हमने भी इस सवाल की सफाई मांगी. इसकी सफाई मैं आपको चीन के महान किसान नेता और मौजूदा लोकराज के कृषि मंत्री के मुख से सुनाऊंगा. कृषि मंत्री श्री लियाओ-डू-मेन ने बताया :--

“लोगों का मन बदले बिना कोई कानून कारगर साबित नहीं हो सकता, और इस ज़मीन सम्बन्धी कानून को तो उन सदियों पुरानी परम्परा का विरोध करना था जो अबाधित रूप से आज तक सत्ता पर आसीन थी. इसका मुकाबला जन जाग्रति के बिना असंभव था. सिर्फ कानून बनाकर हम इस सवाल का हल नहीं पा सकते थे. मैं यहां एक चीज साफ करना चाहूंगा. ज़मीन सुधार कानून के लिये लोकमत अनुकूल था काफ़ी से ज्यादा. मैं आगे चलकर यह भी कहना चाहूंगा कि लोक या जनता का अर्थ जिस देश के शब्दकोश में आम जनता, करोड़ों मेहनतकश किसान मजदूर होता हो, उन सब देशों में जीवन के इस बुनियादी हक को हासिल करने के लिये जनमत एकदम अनुकूल है. यह दूसरा सवाल है कि कहीं इसे हल करने वाला नेतृत्व शोरदार रहा हो, कहीं कमजोर, कहीं इस अधिकार में हकाबट डालने वाले सत्ताधारी हैं, कहीं इनकी सत्ता टूटती जा रही है. प्यासों की जमात को यह पूछना कि आपका मत पानी पीने का हो तो आपको पानी दिया जायेगा, इसमें जितनी अत्रलमन्दी है, उतनी ही अत्रलमन्दी इस दलील में है कि जनमत तैयार होने पर जोतने वाले मेहनतकश मजदूरों को ज़मीन दिलाने का कदम उठाया जायेगा. रोटी जन साधारण की बुनियादी ज़रूरत है. इसे पूरा करने के लिये ज़मीन का जातने वाले के पास होना भी उतना ही ज़रूरी है. जब उसे ज़मीन मिलती है तो जनता का खुश होना और उसके उत्साह में बढ़ती होना स्वाभाविक ही है. इसीलिये हमने एक वर्ष में ही कानून बनाया. इसका इतिहास बहुत पुराना है. जन आन्दोलन के इतिहास के साथ साथ इसका इतिहास चला है. इस प्रश्न पर हमारा तज़रिया बरसों पहले तय हो चुका था. जनता के

को जितने हाथों में پہنچانے کا تھا. 1949 سے ہی چینی اگواؤں نے زمین کے پرشن پر جنمت تیار کرنا شروع کر دیا تھا. 1950 میں زمین سدھار قانون بنا دیا. اس قانون میں زمین سبندھی سارے پرشنوں پر کرانتکاری طریقے سے وچار کیا گیا. زمین پر جوٹنے والے کا ادھیکار، سمان روپ سے مانا گیا. آج تک کے زمین سبندھی پشتینی ادھیکاروں کو اس سے زبردست چوت پہنچی. یہاں ایک مہتمیون سوال کھڑا ہوتا ہے. 1950 میں اسے قانون کا روپ دینے میں چینی اگواؤں نے جلدی بازی سے کام لیا ہے کیونکہ ایک برس میں جنمت تیار ہونا سمبھو نہیں جانا جاتا. یہ پرشن سب کو سوچھ گا. ہم نے یہی اس سوال کی صفائی مانگی. اس کی صفائی میں آپ کو چین کے یہاں کسان نہتا اور موجودہ لوک راج کے کرسی منتری کے مکے سے سناؤں گا. کرسی منتری شری لیا او. ہو. میں نے بتایا:—

”لوگوں کا من بدلے بنا کوئی قانون کرگر ثابت نہیں ہو سکتا، اور اس زمین سبندھی قانون کو تو ان صدیوں پرانی پرمرہا کا وردھ کرنا تھا جو اہادعت روپ سے آج تک ستا پر آسہن تھی. اس کا مقابلہ جن جاگرتی کے بنا آسہو تھا. صرف قانون بناکر ہم اس سوال کا حل نہیں پا سکتے تھے. میں یہاں ایک چیز صاف کرنا چاہوں گا. زمین سدھار قانون کے لئے لوک مت انوکول تھا کافی سے زیادہ. میں آگے چل کر یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ لوک یا جنتا کا ارٹھ جس دیش کے شبدکوش میں عام جلتا، کروڑوں محنت کش کسان مزدور ہوتا ہو، ان سب دیشوں میں جیون کے اس بنیادی حق کو حاصل کرنے کے لئے جنمت ایک دم انوکول ہے. یہ دوسرا سوال ہے کہ کہیں اسے حل کرنے والا نیقترتو زوردار رہا ہو کہیں کمزور، کہیں اس ادھیکار میں رکاوٹ ڈالنے والے ستادھاری ہیں، کہیں ان کی ستا ٹوٹتی جا رہی ہے. پیاسوں کی جماعت کو یہ پوچھنا کہ آپ کا مت پانی پینے کا ہو تو آپ کو پانی دیا جائے گا، اس میں جتنی عقلمندی ہے، اتنی ہی عقلمندی اس دلیل میں ہے کہ جنمت تیار ہونے پر جوٹنے والے محنت کش مزدوروں کو زمین دلانے کا قدم اٹھا یا جائے گا. روٹی جن سدھارن کی بنیادی ضرورت ہے. اسے پورا کرنے کے لئے زمین کا جوٹنے والے کے پاس ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے. جب اسے زمین ملتی ہے تو جنتا کا خوش ہونا اور اس کے اتساہ میں بڑھتی ہونا سرباھارک ہی ہے. اس لئے ہم نے ایک برس میں ہی قانون بنا یا. اس کا اتبھاس بہت پرانا ہے. جن آندولن کے اتبھاس کے ساتھ ساتھ اس کا اتبھاس چلا ہے. اس پرشن پر ہمارا نظریہ برسوں پہلے طے ہو چکا تھا. جنتا کے

سامنے ساکھ تھا۔ اسی لئے زمین ہمارے کا قانون اتنا سہل ہو سکا اور لوگ پرہیز بنا۔ جنت ہمارے ساتھ ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا پرمان ہے۔“

اس چتر لوگ نایک کی بات سے ہمیں چین کی بھومی کو آگے کی پوزیشن مل جاتی ہے۔ اب ہم اس بھومکا کی روشنی میں ان ساری باتوں کی جانچ پڑتال کر سکیں گے جو اس اندولن کے کارن آپسٹھت ہوئیں؛ مثلاً زمینداروں کے آپسٹھت کیا پروڈکٹریا ہوئی؟ دہلی کسانوں نے کسکا ساتھ دیا؟ غریب کسانوں، مزدوروں و ادیبوں دھندے والوں نے کس طرح سٹکٹھت ہوکر کرکشن کی؟ شہر کی بدھ جیویوں نے دیہاتی شہر جمہوں کے اس اندولن کو کیسے اپنایا؟ 11 کروڑ 50 لاکھ ایکڑ زمین کس طرح بے زمین و کم زمین کسانوں میں بانٹی گئی؟

سب سے پہلے چین کے آگواواؤں نے ملک کے سامنے ایک بات پیش کی۔ اسی میں انہوں نے صاف بتایا کہ جب تک غلے کی پیداوار دیش میں بڑھے گی نہیں تب تک دیش میں اودبویگی کرن کبھی سہیل نہیں ہو سکتے گا۔ دیش کی خوشحالی کا پورا دارومدار غلے کی پیداوار پر ہے۔ ان اتھان بڑھے تو ہی دیش کا جیون مان بڑھے گا۔ جیون مان کے بڑھنے سے جنتا کی مانگیں بڑھیں گی اور انہیں پورا کرنے کے لئے اودبویگی کرن ضروری ہوگا اور سہیل بھی۔ اس لئے زمین سدھار آندولن کو سہیل بنانے میں ہمیں جی جان سے جت جانا چاہئے اس اپیل کا چینی جنتا نے سواکت کیا اور ہر دئے سے اس کام کو پورا کرنے میں سب کدھے سے کدھا ملا کر چٹ گئے۔ پانچ پچیس نہیں، سو ہزار نہیں، 30-30 لاکھ مرد عورتوں نے جن میں مل مزدور سے لگا کر مل کے منیجر بھی شامل تھے، ویدوان تھے، پروفسر تھے، پردھان اور پردھان کی پتنیاں بھی تھیں، ہر ایک طبقے کے بدھجیوی لوگ تھے، اس طرح سب کوئی زمانے کی مانگ کو پورا کرنے کے لئے میدان میں آ کھڑے ہوئے۔ ان 30 لاکھ سینکڑوں کو کوریا کے لڑائی کے مورچے پر نہیں بھیجا گیا۔ اس مہا فوج کو دھاتوں کی اور کوچ کروایا گیا۔ اس فوج کا نام دیا گیا ”بھومی سدھار دل“۔ ان دلوں کو انیک فکریوں میں بانٹا گیا۔ صوبہ، ضلع، تحصیل و دیہات تک کی یوجنا بنالی گئی۔ ہر ٹولی کو یوجنا پروک حصہ سونپ دیا گیا۔ بھومی سدھار دلوں کام مہیمہ کا تھا دھاتوں میں کسان سپناؤں کی رچنا کرنا۔ ان کسان سپناؤں کو اپنے ادھکار و فرض کا پھان کروانا۔ برسوں سے دیے، کچلے دھاتوں میں ہست پیدا کر کے انہیں آگے بڑھانا، اور زمینداروں کے دانوں بیج سے بچانا۔

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

بہت بڑے زمیندار چانگ-کائی-شیک کے ساتھ بھاگ چکے

ہے۔ جو بچے بچے چلنے والے تھے انہوں نے شروع شروع میں اپنی شعاعی ہر زمین سدھار آندولن کو ناکامیاب بنانے کی کوشش کی۔ طرح طرح کے پرینچ رچے۔ کہیں کہیں کسان سپاہ کے گریہ کرتاں کو پسے اور استریوں دوارا خرید لیا۔ یہ سب بارے کی تیز دھار کو لائی سے روکے جیسا مورخ پرینٹ ٹامپٹ ہوا۔ وہاں کی جلتا جاگ اٹھی تھی۔ اسے یوگتہ پتہ مل چکا تھا۔ پرانی سماج وپوستہ کو ختم کرنے کے لئے 30 لاکھ سماج سرگرمیوں کا دل بادل کی طرح گرج کر ٹوٹ پڑا تھا۔ پریم اور شکتی کا مانوتا روپی مہاسگر آج آشا کے آکاش پر سے اُتر پڑا تھا۔ آج تک کی نوبل جنتا 30 لاکھ ساتھیوں کے سہارے چلنے کے لئے سبل ہو اٹھی تھی۔

زمین سدھار دل کے سینک تین تین مہینے تک دوہاتوں میں باری باری سے ٹھہرتے تھے۔ انیک کھٹ جھلنے تھے۔ جلتا ٹیٹل نوچاگرتی پھیلاتے تھے۔ سرکار کے بھومی سدھار نیٹی کا پورا ساتھ دیتے تھے ملک کس راہ پر جا رہا ہے، جانا چاہتا ہے، اس کی پوری تصویر جنتا کے سامنے پیش کرتے تھے۔

شروع کے دنوں کی کچھ گزری کو چھوڑ کر ادھرتو زمینداروں نے زمانے کی مانگ کو سمجھ لیا۔ ہوا کے انوکھل اپنے نو بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ کچھ زمیندار اب بھی ایسے باقی تھے جن کا استیقتو کسانوں کو اکھر رہا تھا۔ جن کو دیکھ کر کسانوں کے دل آگ بکولا ہو اٹھتے تھے۔ یہ وہ زمیندار تھے جنہوں نے کسانوں کی بہن بیٹیوں کی عزت لوٹی تھی۔ آج بھی ایسی نیک بیٹیاں ان لوگوں کے گھر میں داس کنھاؤں کے روپ میں سرکار کٹ رہی تھیں، ان میں سے کچھ زمینداروں نے انیک بانوں سے ان کے پتر چھین لئے تھے۔ انیک سدھواؤں کو بدھوا بنایا تھا؛ دو دو چار چار سال کے معصوم بچوں سے ان کے ماں باپ چھین لئے تھے۔ بچوں کو سدا کے لئے اُتات بنا دیا تھا۔ یہ کچھ زمینداروں کا استیقتو مکتی کے بعد لوگوں کو حد سے یادہ کھینچے گا۔ انہوں نے نئے لوکراج کے سامنے دھول اُڑانے کا درس لیس کر کے اپنے سرورقش کو ٹیوتا دیا۔ جنتا اور پیناؤں نے محسوس کیا کہ جانم وکس کے مارگ میں یہ بہت سی آچن کھڑی کر رہے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے جنتا کے لوں سے درد اور تر کو نکال پھانکا ہوگا۔ چھٹی نیتاؤں نے ایسے چھ ظالم زمینداروں کو عام سپاہ کے سامنے پیش کیا۔ کسانوں و کہا کہ تیر ہو کر اپنی باتیں پیش کرو۔

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا! بولو

جمنی زمیندار کی طرف بٹنگلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا! بولو

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا! بولو

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا! بولو

ایک استری نے زمیندار کی طرف اُنکلی اُٹھا کر ہاتھ بٹاؤ۔ تم نے ہی میری پانچ ماں زمین چھین لی ہے نہ؟ جب میرا پتی بسترے پر بھار پڑا تھا، تم نے ہی جاپانہوں کو اسے مہاروگی بنا کر زندہ چلا دیا! بولو

یہ سچ ہے یا نہیں؟“ ایسے کچھ وشیش انتہاچاریوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ زیادہ تر زمینداروں کو سدھرنے کا موقع دیا گیا۔ ان کو بھی 2.6 ماو کے حساب سے زمین دی گئی تاکہ وہ بھی محنت کر کے گزارہ کر سکیں۔ مسجیدار اور اچھے زمینداروں کا گرام وکس ہو جانا میں اہمک کر لیا گیا۔

زمینداروں کی ادھنکتر جائداد کو بے زمین کسانوں میں بانٹا گیا۔ ضرورت سے زیادہ جو سادھن سہتی تھی وہ بھی ضرورت مندوں کے پاس پہنچائی گئی۔ بٹوارے میں مسجیدار کسانوں کو نہ بہت لایا ہوا اور نہ نقصان۔ غریب کسان اور بے زمین مزدوروں کو جن کی تعداد کافی تھی لایا پہنچا۔ اس پرکار 11 کروڑ 55 لاکھ ایکڑ زمین 30 کروڑ کسانوں میں بانٹی گئی۔ بیکاری و بے روزگاری کی ایک بہت بڑی سمسیا اس سے حل ہو گئی۔ لین دین و بھومی سمبندھی جو بھی کٹنی دستاویز موجود تھے ان سب کی عام جگہ پر ہولی جلائی گئی۔

پورے چین میں کسان سभाओं کی رचना نے نیا उत्साह و साहस पैदा किया, जनता को अपनी शक्ति का खयाल हुआ और यह विश्वास भी पैदा हुआ कि हम भी कुछ कर सकते हैं. अब इन किसान सभाओं का सब से पहला काम था गांव में वर्गीकरण करने का. गांव को मोटे तौर पर पांच वर्गों में बांटा गया. जमीन की समस्या हल करने के लिये वर्गीकरण आवश्यक था :—

1. जमीनदार :—वह जो खुद काशत न करता हो, किन्तु ज्यादा जमीन का मालिक हो.
2. धनी किसान :—वह जो खुद काशत करता हो, किन्तु अधिक जमीन दूसरों को उठवाता हो.
3. मझोला किसान :—जिसके पास जमीन अपनी हो, और किसी तरह गुजारा कर लेता हो.
4. गरीब किसान :—नाम मात्र की जमीन हां, काशत करने पर भी जो भूखा रहता हो.
5. जो दूसरों की जमीन पर मजदूरी करते हों और पूरी मेहनत करने पर भी जिन्हें भर पेट रोटी न मिलती हो.

इसके आधार पर ग्राम सभाओं ने 1950 में बने जमीन सुधार कानून के अनुसार बंटवारे का कार्य शुरू किया. यह 1953 तक चलता रहा. आज पूरे चीन में जमीन का समान रूप से बंटवारा हो गया है. 2.6 माउ जमीन हर व्यक्ति को मिली जो बंटवारे के दिन तक ज़िन्दा था या पैदा हो चुका था. इस 2.6 माउ ने जादू का काम किया. यही वह जादू है जिसने चीन की जनता के मुर्माथे हुये चेहरों में फिर से जान भर दी. इस क्रान्ति ने जनता में उत्साह पैदा किया. उत्पादन काफी से ज्यादा बढ़ने लगा. 1949 से 1952 में 45 फीसदी उत्पादन बढ़ा. लड़ाई से

1. زمیندار :—وہ جو خود کاشت نہ کرتا ہو، کنتو زیادہ زمین کا مالک ہو.

2. دھنی کسان :—وہ جو خود کاشت کرتا ہو، کنتو ادھک زمین دوسروں کو اٹھواتا ہو.
3. مچھولا کسان :—جس کے پاس زمین اپنی ہو اور کسی طرح گزارہ کر لیتا ہو.
4. غریب کسان :—نام मात्र کی زمین ہو، کاشت کرنے پر بھی جو بھوکا رہتا ہو.
5. جو دوسروں کی زمین پر مزدوری کرتے ہوں اور پوری محنت کرنے پر بھی جنہیں بھر پوت روٹی نہ ملتی ہو.

اس کے آدھار پر گرام سبھاؤں نے 1950 میں بھہ زمین سدھار قانون کے انوسار بٹوارے کا کاریہ شروع کیا. یہ 1953 تک چلتا رہا. آج پورے چین میں زمین کا سمان روپ سے بٹوارہ ہو گیا ہے. 2.6 ماو زمین ہر دیکتی کو ملی جو بٹوارے کے دن تک زندہ تھا یا پیدا ہو چکا تھا. اس 2.6 ماو نے جادو کا کام کیا. یہی وہ جادو ہے جس نے چین کی جنتا کے مرجھائے ہوئے چہروں میں پھر سے جین بوردی. اس کرانتی نے جنتا میں اُتساہ پیدا کیا. اُتھادن کافی سے زیادہ بڑھنے لگا. 1949 سے 1952 میں 45 فیصدی اُتھادن بڑھا. لڑائی سے

پہلے کے 1937 کے اکرے کو لے کر 1952 میں 9 کراسی کی پیداوار بڑھا۔ اس سے کسانوں کی خرید کرنے کی شکتی میں 76 فیصد کی بڑھوتری ہوئی۔ جن دکانوں پر سوا زمینداروں کے بی نظر نہیں آتا تھا وہاں آج کسانوں کے چھتے کے چھتے تھے ہیں۔

اب آندولن کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جسے ہم بھومی بھار و آندولن بڑھانے والا حصہ کہیں گے۔ ہاں، تو زمین کا تقوارہ ہوجانے سے زمین کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو گئے۔ ہارت میں بھودان آندولن کے کل زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور ہل سرورپ دیہی کے آندولن کو نقصان پہونچے گا، دلیل ہمارے ہارت کے ارتھ شاستروں نے کی تھی اور بڑا نورمچا دیا تھا۔ چین کے ہنوارے نے یہ ثابت کر دکھایا کہ بڑے مالے پر بھی چھوٹے ٹکڑے ہونے سے آندولن بڑھتا نہیں گھٹتا ہے۔ ہارت کے بھومی آندولن کا بھی یہی اندیشہ ہو رہا ہے۔

سماجیاد کا आधार योजना ہے۔ وہ योजनापूर्वک آگے بڑھتا ہے۔ زمین کے بٹوارے کے مائیکے پر उसने समाज को पांच वर्गों में बांटा۔ ठीक वैसे ही उत्पादन बढ़ाने के लिये भी उसने किसानों को चार विभागों में बांट दिया۔

व्यक्तिगत खेती :—जिनके पास पूरे साधन हों, जो खुद काशत करते हों, इसमें धनी किसानों का क़रीब क़रीब सारा वर्ग शामिल हुआ۔ उसके लिये यह अनुकूल योजना थी۔

सहयोगी दल खेती :—इसे मिच्युअल एंड टीम्स के नाम से प्रचारित किया। पुराने छोटे किसान व मजदूरों के पांच पांच दस दस कुटुम्बों को इकट्ठा करके उनकी सहयोगी टोलियां बनाई गईं। क्योंकि बटवारے में सब को सब प्रकार के साधन व जानवर नहीं मिल सके थे इन टोलियों द्वारा वह कमी पूरी की गई। शुरू में गांव में ऐसी एक दो टोलियां मुश्किल से बनी थीं। मगर इसकी शान देखकर गांव गांव में टोलियों की धूम सी मच गई। कहीं कहीं तो ऐसी 15-20 टोलियां एक ही देहात में बन गई हैं। ज़मीन और साधनों पर का अधिकार इन दोनों क्रिस्म की खेती में किसान का ही रहता है। चीन में 60 फीसदी किसान आज इन सहयोगी दलों की खेती में शामिल हैं। व्यक्तिगत खेती से इस सहयोगी दल खेती में 20 फीसदी उत्पादन अधिक बढ़ा है।

खेती उत्पादक सहकारी मंडलियां :—इसमें मगोलो किसान व पुराने ज़मींदार ज़्यादा शरीक हुए। जो आज के पहले खुद काशत नहीं करते थे उनके लिये इसमें शरीक होना लाभदायक था। 10, 15 और कहीं कहीं अधिक कुटुम्बों की ऐसी मंडलियां हैं। खाद बीज आदि सारी खेती संबंधी बातों का खयाल मंडली का व्यवस्थापक मंडल करता है। शामिल खेती होती है। उत्पादन को तीन हिस्सों में बांटा जाता है। (1) रिज़र्व फंड, जो नये मशीन साधन व खरीदने के काम

لے کے 1937 کے اکرے کو لیں تو بھی 1952 میں 9 فیصدی پیداوار بڑھا۔ اس سے کسانوں کی خرید کرنے کی شکتی میں 76 فیصدی کی بڑھوتری ہوئی۔ جن دکانوں پر سوا زمینداروں کے بی نظر نہیں آتا تھا وہاں آج کسانوں کے چھتے کے چھتے تھے ہیں۔

اب آندولن کا دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے جسے ہم بھومی بھار و آندولن بڑھانے والا حصہ کہیں گے۔ ہاں، تو زمین کا تقوارہ ہوجانے سے زمین کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو گئے۔ ہارت میں بھودان آندولن کے کل زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، اور ہل سرورپ دیہی کے آندولن کو نقصان پہونچے گا، دلیل ہمارے ہارت کے ارتھ شاستروں نے کی تھی اور بڑا نورمچا دیا تھا۔ چین کے ہنوارے نے یہ ثابت کر دکھایا کہ بڑے مالے پر بھی چھوٹے ٹکڑے ہونے سے آندولن بڑھتا نہیں گھٹتا ہے۔ ہارت کے بھومی آندولن کا بھی یہی اندیشہ ہو رہا ہے۔

* سماجیاد کا ادھار یोजना ہے۔ وہ یोजना پورے آگے بڑھتا ہے۔ زمین کے ہنوارے کے موقع پر اُسنے سماج کو پانچ درجوں میں انقا۔ ٹھیک ویسے ہی آندولن بڑھانے کے لئے بھی اُسنے کسانوں و چار و بیگاؤں میں بانٹ دیا۔

ویکتی گت کھیتی :—جن کے پاس پورے ساधन ہوں، جو خود کاشت کرتے ہوں، اِس میں دھنی کسانوں کا قریب قریب سارا ورگ شامل ہوا۔ اُسکے لئے یہ انوکھل یोजना تھی۔

سہیوگی دال کھیتی :—اُسے سوچوئیل ایڈ ٹیمس کے نام سے رینچارت کیا۔ پرانے چھوٹے کسان و مزدوروں کے پانچ پانچ دس دس گھمبروں کو اکٹھا کر کے اُنکی سہیوگی ٹولیاں بنائی گئیں۔ لیونکہ ہنوارے میں سب کے سب پرکار کے ساधن و جانور نہیں مل سکے تھے اِن ٹولیاں دروازہ وہ کمی پوری کی گئی۔ شروع میں گاؤں میں ایسی ایک دو ٹولیاں مشکل سے بنی تھیں۔ مگر اُسکی شان دیکھ کر گاؤں گاؤں میں ٹولیاں کی دھوم سی مچ گئی۔ کہیں کہیں تو ایسی 15-20 ٹولیاں ایک ہی دیہات میں بن گئی ہیں۔ زمین اور ساधنوں پر کا ادھار اِن دونوں قسم کی کھیتی میں کسان کا ہی رہتا ہے۔ چین میں 60 فیصدی کسان آج اِن سہیوگی دالوں کی کھیتی میں شامل ہیں۔ ویکتی گت کھیتی سے اِس سہیوگی دال کھیتی میں 20 فیصدی آندولن ادھک بڑھا ہے۔

کھیتی آنداک سہکاری مڈلیاں :—اِس میں مجبورہ کسان و پرانے زمیندار زیادہ شریک ہونے۔ جو آج کے پہلے خود کاشت نہیں کرتے تھے اُنکے لئے اِس میں شریک ہونا لاہدایک تھا۔ 10-15 اور کہیں کہیں ادھک گھمبروں کی ایسی مڈلیاں ہیں۔ کھاد، بھج آدی ساری کھیتی سمبندھی باتوں کا خیال مڈلی کا ویستھاپک مڈل کرتا ہے۔ شامل کھیتی ہوتی ہے۔ آندولن کو تین حصوں میں بانٹا جاتا ہے۔ (1) رزرو فنڈ، جو نئے مشین ساधن و خریدنے کے کام

जमीन पर एक ही प्रकार का टेक्स लिया जाता है। यह टेक्स अनाज के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के 7 से 10 कीसदी तक होता है।

चीनी गाँव की मॉडेली:—किसी भी चीज की सच्ची कल्पना उसके परिणामों पर से ही हो सकती है। चीन के भूमि सुधार आन्दोलन का क्या नतीजा हुआ, इसे समझने के लिये हमें चीन के देशों की जांच करनी होगी। जेनचेन गाँव में 332 कुटुम्ब हैं। गाँव की कुल आबादी 1542 व्यक्तियों की है। कुल जमीन 4300 माउ यानी 715 एकड़ है। 20 जमीनदार 22 माझदार किसान, 60 मझोले किसान, 110 गरीब किसान और 120 खेत मजदूर हैं। बंटवारे से पहले 95 कीसदी जमीन 45 कुटुम्बों के पास थी। बाकी के 290 कुटुम्ब सिर्फ 5 कीसदी जमीन पर गुजारा करते थे। 60 कीसदी मकान और 10 कीसदी खेती के साधन भी 42 कुटुम्बों के पास ही थे। बंटवारे के बाद सारा नक्शा बदल गया। सब को 2.6 माउ के हिसाब से फी व्यक्ति जमीन मिली। अधिक मकान व साधनों का बंटवारा भी बेजामीन किसानों के बीच किया गया। बंटवारे का सारा काम ग्राम सभा ने ही पूरा किया।

मुक्ति से पहले यहाँ 1 माउ जमीन में 200 केटी: 1 1/4 रबल अनाज पैदा होता था। बंटवारे के बाद 1952 में एक माउ जमीन में 340 केटी अनाज हुआ। 1953 में 469 केटी। 1951 में 7 सहकारी दल थे। 1952 में 18 बने। 1943 में खेती उत्पादक मन्डली की स्थापना की गयी। इसमें 34 कुटुम्ब शरीक हुए। मन्डली ने 7 मकान पशुओं के लिये बनाये। 12 मकान रास्ला जमा करने के गोदाम के लिये बनाये। मुक्ति से पहले गाँव में 7 कमरे थे, मुक्ति के बाद आज 22 कमरे हैं। 7 वर्ष से उपर के बच्चे स्कूल में पढ़ते हैं। रात्री वर्ग में जवान और बूढ़े भी। एक गाँव सभा है जो हर साल निश्चित सदस्यों द्वारा गाँव का कारोबार चलाती है। गाँव का सारा कारोबार गाँव सभा ही कर लेती है। जमीनदारों को ग्रामसभा में बोट देने का अधिकार नहीं है। किन्तु गाँव सभा ऐसा अधिकार दे सकती है, जब उसे यह महसूस हो कियह व्यक्ति समाज के हित में ही काम करेगा। जेनचेन गाँव सभा ने 24 में से 10 जमीनदारों को ऐसा अधिकार दे रखा है।

सहकारी उत्पादन खेती मन्डली के पास 1400 माउ जमीन है! सहकारी दलों के पास 180 माउ जमीन है। 2720 माउ व्यक्तिगत किसानों के पास है।

गाँव में एक खी मंडल है। वह मंडल गाँव की खी सुधार आन्दोलन को संचालन करता है। निरक्षर स्त्रियों को पढ़ाने का काम मंडल करता है। छोटे छोटे घरेलू उद्योगों की वालीम भी यही मंडल देता है। सेना में जिन के पति गये हुए हैं, या जिनके बेटे सेना में गये हैं

जमीन पर एक ही प्रकार का टेक्स लिया जाता है। यह टेक्स अनाज के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के रूप में इकट्ठा किया जाता है। यह टेक्स उत्पादन के 7 से 10 कीसदी तक होता है।

चीनी गाँव की मॉडेली:—किसी भी चीज की सच्ची कल्पना उसके परिणामों पर से ही हो सकती है। चीन के भूमि सुधार आन्दोलन का क्या नतीजा हुआ, इसे समझने के लिये हमें चीन के देशों की जांच करनी होगी। जेनचेन गाँव में 332 कुटुम्ब हैं। गाँव की कुल आबादी 1542 व्यक्तियों की है। कुल जमीन 4300 माउ यानी 715 एकड़ है। 20 जमीनदार 22 माझदार किसान, 60 मझोले किसान, 110 गरीब किसान और 120 खेत मजदूर हैं। बंटवारे से पहले 95 कीसदी जमीन 45 कुटुम्बों के पास थी। बाकी के 290 कुटुम्ब सिर्फ 5 कीसदी जमीन पर गुजारा करते थे। 60 कीसदी मकान और 10 कीसदी खेती के साधन भी 42 कुटुम्बों के पास ही थे। बंटवारे के बाद सारा नक्शा बदल गया। सब को 2.6 माउ के हिसाब से फी व्यक्ति जमीन मिली। अधिक मकान व साधनों का बंटवारा भी बेजामीन किसानों के बीच किया गया। बंटवारे का सारा काम ग्राम सभा ने ही पूरा किया।

मुक्ति से पहले यहाँ 1 माउ जमीन में 200 केटी: 1 1/4 रबल अनाज पैदा होता था। बंटवारे के बाद 1952 में एक माउ जमीन में 340 केटी अनाज हुआ। 1953 में 469 केटी। 1951 में 7 सहकारी दल थे। 1952 में 18 बने। 1943 में खेती उत्पादक मन्डली की स्थापना की गयी। इसमें 34 कुटुम्ब शरीक हुए। मन्डली ने 7 मकान पशुओं के लिये बनाये। 12 मकान रास्ला जमा करने के गोदाम के लिये बनाये। मुक्ति से पहले गाँव में 7 कमरे थे, मुक्ति के बाद आज 22 कमरे हैं। 7 वर्ष से उपर के बच्चे स्कूल में पढ़ते हैं। रात्री वर्ग में जवान और बूढ़े भी। एक गाँव सभा है जो हर साल निश्चित सदस्यों द्वारा गाँव का कारोबार चलाती है। गाँव का सारा कारोबार गाँव सभा ही कर लेती है। जमीनदारों को ग्रामसभा में बोट देने का अधिकार नहीं है। किन्तु गाँव सभा ऐसा अधिकार दे सकती है, जब उसे यह महसूस हो कियह व्यक्ति समाज के हित में ही काम करेगा। जेनचेन गाँव सभा ने 24 में से 10 जमीनदारों को ऐसा अधिकार दे रखा है।

सहकारी उत्पादन खेती मन्डली के पास 1400 माउ जमीन है! सहकारी दलों के पास 180 माउ जमीन है। 2720 माउ व्यक्तिगत किसानों के पास है।

गाँव में एक खी मंडल है। वह मंडल गाँव की खी सुधार आन्दोलन को संचालन करता है। निरक्षर स्त्रियों को पढ़ाने का काम मंडल करता है। छोटे छोटे घरेलू उद्योगों की वालीम भी यही मंडल देता है। सेना में जिन के पति गये हुए हैं, या जिनके बेटे सेना में गये हैं

یہی پستوں اور ماتوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوششیں بھی اس سلسلہ کی رہی ہیں۔

زمین کے بارے میں اب کوئی جھگڑا نہیں ہے، اور نہ اب سرکل انسپکٹر یا پولیس کی ہی ضرورت ہے۔ سارا کام گرام سبھا کرتی ہے۔ کو بھی گرام سبھا ہی سرکاری گہداسوں پر پہنچاتی ہے۔ گز کے ... ب چھوٹے چھوٹے جھگڑے گرام سبھا میں ٹھیک جاتے ہیں۔ پولیس کے بارے میں پوچھتے ہی لوگ ہتھ ہیں کہ اب پولیس کیوں آئے لی۔ اب تو چانگ کی سرکار بھاگ چکی ہے۔

زمینداروں کو شروع شروع میں کچھ بے چینی رہی۔ اب وہ بھی آند سے نشہ چنت ہو کر رہنے لگے ہیں۔ محنت مشقت کرنے لگے ہیں۔ اب انہیں یہ وشواس ہو گیا ہے کہ ہم بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اب جہاں وہ ہیں، وہاں سے انہیں کوئی سرکار نہچے نہیں پھینک سکتی۔ اب وہ دعوائے پر ہیں جہاں سے وہ کہیں نہیں گر سکتے۔ محنت کی روٹی آند کی پریرک ہوتی ہے، اسلئے اب چھین کے زمینداروں میں ایک نیا اتساہ اور اتم وشواس دیکھنے کو ملتا ہے۔ زمیندار، سادھارن کسان، دھنی کسان، کھیت مزدور سب آند پرورک اپنے دن بتا رہے ہیں۔ ملک کس راہ پر جا رہا ہے، جتنا چاہتا ہے، اسکا سب کو گمان ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے، جو ہم نے چھین کے سبھی دیہاتیوں و کامداروں میں دیکھی۔ چھین کی خوشحالی کا مکھیاکارن ایک ہی ہے، اور وہ ہے، ایک دھیت، ایک سوارتھ، سوارتھ کی دھنتا ہی سنگرشوں کو جنم دیتی ہے۔ جہاں سوارتھ سامان ہوتا ہے، ایک ہوتا ہے، وہاں سب کوئی ایک ہی دشا میں پورے زور سے کوشش کرتے ہیں۔ سماج کے سک کی یہ گرو چاہی ہے۔

بھومی سوار آندولن کا فلیتارث یہ آیا کہ 30 کروڑ لوگوں کو کام ملا۔ 11 کروڑ 50 لاکھ ایکڑ زمین کا سامان بنوڑا ہوا جو چھین کی قابل کاشت زمین کا آدھا حصہ ہے۔

14 کروڑ من غلہ جو کئی طرح کے لگانوں کے روپ میں زمیندار وصول کرتے تھے، یہ کسانوں کے گھر میں بچا۔

کسانوں کو محنت کرنے کے سادھن ملے۔ اناج اگلے لائق زمین ملی، دھلے کے لئے گھر ملے۔

غلے کے دام ملے کرنے کے کام سٹے باجوں کے ہاتھ سے نکل کر کسان پانچائیکوں کے ہاتھ میں آیا، یہ بھی ایک مہتورون بات ہے جسے آندادن کے بڑھانے میں یوگ دیا ہے۔

فالتو سے میں چلنے والے گرام میں دھندھوں و گرا آدیوگوں کے لئے بازار ملے کر دیا۔ اُسے مل آدیوگ کے ساتھ ہوز لینے کی ضرورت ہے اور نہ لاجاری سے اپنا

بھومی سوار آندولن کا فلیتارث یہ آیا کہ 30 کروڑ لوگوں کو کام ملا۔ 11 کروڑ 50 لاکھ ایکڑ زمین کا سامان بنوڑا ہوا جو چھین کی قابل کاشت زمین کا آدھا حصہ ہے۔

14 کروڑ من غلہ جو کئی طرح کے لگانوں کے روپ میں زمیندار وصول کرتے تھے، یہ کسانوں کے گھر میں بچا۔

کسانوں کو محنت کرنے کے سادھن ملے۔ اناج اگلے لائق زمین ملی، دھلے کے لئے گھر ملے۔

غلے کے دام ملے کرنے کے کام سٹے باجوں کے ہاتھ سے نکل کر کسان پانچائیکوں کے ہاتھ میں آیا، یہ بھی ایک مہتورون بات ہے جسے آندادن کے بڑھانے میں یوگ دیا ہے۔

فالتو سے میں چلنے والے گرام میں دھندھوں و گرا آدیوگوں کے لئے بازار ملے کر دیا۔ اُسے مل آدیوگ کے ساتھ ہوز لینے کی ضرورت ہے اور نہ لاجاری سے اپنا

کسانوں کو محنت کرنے کے سادھن ملے۔ اناج اگلے لائق زمین ملی، دھلے کے لئے گھر ملے۔

غلے کے دام ملے کرنے کے کام سٹے باجوں کے ہاتھ سے نکل کر کسان پانچائیکوں کے ہاتھ میں آیا، یہ بھی ایک مہتورون بات ہے جسے آندادن کے بڑھانے میں یوگ دیا ہے۔

فالتو سے میں چلنے والے گرام میں دھندھوں و گرا آدیوگوں کے لئے بازار ملے کر دیا۔ اُسے مل آدیوگ کے ساتھ ہوز لینے کی ضرورت ہے اور نہ لاجاری سے اپنا

مال بچانے کی۔ بس وہ ہلکا چلا جائے۔ سرکار و ساج اُسے وگتہ قیمتوں پر خرید لینے کے لئے ہادھیہ ہے، اِس چیز نے اُنک غریب بے کار کاریروں میں جان فک دے۔ جسے ہمیشہ اپنی ظاہر کے لئے در در گھومنا پڑتا تھا اور آخر میں سستی قیمتوں پر بچانے کے لئے مجبور ہونا پڑتا تھا، ہات ہلکے ختم ہوگئی۔ اِس سے گرامین دھندوں میں بہتری ہوئی۔

یہ سب چیزیں ہیں جو کسی بھی ساج کے سبکی و دھکی بونے کی بات بتاتی ہیں۔ یہ سب چیز ہوتے ہوئے بھی جان ہوگ نہیں ہلا ہے۔ اُسے ابھی بگلی لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اِننا ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ٹھیک دشا میں تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

یہ سب چیزیں ہیں جو کسی بھی ساج کے سبکی و دھکی بونے کی بات بتاتی ہیں۔ یہ سب چیز ہوتے ہوئے بھی جان ہوگ نہیں ہلا ہے۔ اُسے ابھی بگلی لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اِننا ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ٹھیک دشا میں تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

یہ سب چیزیں ہیں جو کسی بھی ساج کے سبکی و دھکی بونے کی بات بتاتی ہیں۔ یہ سب چیز ہوتے ہوئے بھی جان ہوگ نہیں ہلا ہے۔ اُسے ابھی بگلی لمبا سفر طے کرنا ہے۔ اِننا ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آج ٹھیک دشا میں تیزی سے چلا جا رہا ہے۔

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

مہاتما بھگواندین

مہاتما بھگواندین

کچھ اर्थوں میں ایلبرٹ آئنسٹاइन شانتی کے ہونے کے لئے جتنی بے جتنی بھارت کے مہاتما گاندھی . جسے کوئی لگتی تھی سے یہ تھا نہیں ہو سکتا کہ وہ کبھی کوئی ایسی بات کہیں کہ جس سے کوئی آدمی آفت میں پڑ جائے، ویسے ہی آئنسٹائن مہاتما سے ایسی اُسا نہیں کی جا سکتی . گاندھی جی دنیا کو آفت میں ڈالیں، کیا دنیا کا کوئی بھی آدمی ایسا سوچ سکتا ہے ؟ آئنسٹائن کے بارے میں بھی ایسا نہیں سوچا جا سکتا . پر، سوچیں، آئنسٹائن کے سادہانہ کے سادہانہ سادہانہ نے امریکہ کو ایٹم بم بنانے کے لئے بہت دیر لگائی . لیکن ایٹم بم کے بن جانے پر آئنسٹائن نے کوشش کی کہ اسکا استعمال نہ ہو، پر وہ روک نہ پائے .

ان شانتی کے دیوتا آئنسٹائن کا سادہانہ سادہانہ بہت بڑی چیز ہے . اُس پر کتابوں پر کتابیں لکھی جا چکی ہیں . اُس سادہانہ کے ٹھیک ٹھیک جانکا، اُن گئے ہیں . پھر یہی گنتی کے ایک سمکھن میں اُنکے سادہانہ کا جو نچوڑ ہے، وہ ایسا ضرور ہے جو معمولی آدمی کی سمجھ میں آجائے . یہی وہ نچوڑ ہے جس نے ایٹم بم کو جنم دیا . اسی نے شانتی کے دیوتا ایلبرٹ آئنسٹائن کی شانتی کی سفید چادر پر ایک دھبہ ڈال دیا .

اُس سمکھن کا خلاصہ یہ ہے :—

جتنی ماترا ہے یعنی جتنی کوئی چیز ہے، اگر اسکو پرکاش کی چال کے ورگ سے گنا کیا جائے تو جو گنتی پیل ہوگا، اتنی ہی شکتی اُس چیز سے پیدا ہوگی . دوسرے شبدوں میں اسے یوں سمجھئے، ایک گرام ماترا میں نو کھرب ورگ کی شکتی چھپی رہتی ہے . یعنی ایک گرام پدارت، جو بجلی پیدا کرے گا وہ تھائی کروڑ کلووات گھنٹوں کے برابر ہوگی . کلووات کو صاف صاف سمجھنے کے لئے اتنا کہنا کافی ہے کہ لکھنؤ کا ریڈیو اسٹیشن پچاس کلووات طاقت سے چلایا جاتا ہے . اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آئنسٹائن نے دنیا کے لوگوں کے ہاتھ شکتی کے کلمے بڑے خزانے کی کوٹھری کے نالے کی کلبھی سوئچ دی .

امریکہ نے اِس کلبھی سے نالا کھلا اور جاپان پر ایٹم بم گرا کر اُس لڑائی کا انت کر دیا جو اُن لڑائیوں میں سب سے بڑی تھی چنکا انہیں میں ذکر آتا ہے .

اس سمیकरण کا खुलासा यह है :—

जितनी मात्रा है यानी जितनी कोई चीज है, अगर उसको प्रकाश की चाल के वर्ग से गुणा किया जाय तो जो गुणनफल होगा, उतनी ही शक्ति उस चीज से पैदा होगी. दूसरे शब्दों में इसे यों समझिये, एक ग्राम मात्रा में नौ सरब अर्ग की शक्ति छिपी रहती है. यानी एक ग्राम पदार्थ, जो बिजली पैदा करेगा, वह ढाई करोड़ किलोवाट घंटों के बराबर होगी. किलोवाट को साफ-साफ समझने के लिए इतना कहना काफी है कि लखनऊ का रेडियो स्टेशन पचास किलोवाट ताकत से चलाया जाता है. इसी से आप अंदाजा लगा सकते हैं कि आइन्सटाइन ने दुनिया के लोगों के हाथ शक्ति के कितने बड़े खजाने की कोठरी के ताले की कुंजी सौंप दी.

अमरीका ने इसी कुंजी से ताला खोला और जापान पर एटम बम गिरा कर उस लड़ाई का अन्त कर दिया जो उन लड़ाइयों में सबसे बड़ी थी जिनका इतिहास में बिक्र आता है.

बहुत से लोगों ने लड़ाई की विजय का आनन्द माना होगा, पर अमरीकी आइन्स्टाइन का दिल तो धक रह गया होगा।

आइन्स्टाइन जैसे आदिमियों को किसी देश का निवासी कहना भला नहीं मालूम होता। वे दुनिया भर को प्यार करते थे और सारी दुनिया उनका आदर करती है। आइन्स्टाइन थे तो जर्मनी निवासी, पर न जाने क्यों हिटलर को मालूम हुआ कि वह उनकी आँख का काँटा है। दूसरी लड़ाई छिड़ने पर उनका जर्मनी से देश निकाला हो गया और वह अमरीका पहुँच गये। कुछ वर्षों से वह अमरीका वासी बन गये थे। इसलिये उन्हें अमरीकी कहना पड़ता है।

आइन्स्टाइन ने अपने जीवन से यह सिद्ध कर दिया कि विज्ञान की सड़क की आखिरी मंजिल वही है जो धर्म की सड़क की। विज्ञान सत्य की खोज में लगता है। यही हाल धर्म का है। गाँधी जी के शब्दों में यदि सत्य परमात्मा है, तब यह कहा जा सकता है कि हर विज्ञानी परमात्मा की खोज में लगा हुआ है।

अपने को हिम्मत के साथ महात्मा कहने वाले बर्नार्डशा का तो यह कहना है कि 'जिन लोगों ने जगत का भेद खोला, आइन्स्टाइन उनमें से एक थे' और शा ने ऐसे कुल तीन आदिमी गिनाये हैं—एक पाइथागोरस, दूसरे न्यूटन, तीसरे आइन्स्टाइन। (हमारे लिये इनके प्यारे नाम ये हो सकते हैं—बाबा पीथागोरस, महात्मा नवतन, महर्षि अंशतनु।) एशिया आमतौर से और भारत खास तौर से अपने नायकों को भगवान कहने लगता है, अवतार कहने लगता है। अगर कहीं आइन्स्टाइन ने हमारे यहाँ जन्म लिया होता तो क्या उनकी गिनती अवतारों में नहीं हुई होती ?

आइन्स्टाइन अपने समय के ऐसे प्रकाश थे जो उन आँखों में चकाचौंध डाल देते थे जो उल्टी राह चल रही होती थीं। तभी तो वह जर्मनी से निकाले गये और अमरीका में बंदी रहे, सीधे अर्थों में वह बंदी भले ही न हों। जितनी स्वाधीनता उन्हें मिलनी चाहिये, उतनी तो अमरीका उन्हें दे ही नहीं सकता था, क्योंकि अमरीका के पास उतनी स्वाधीनता है ही नहीं। पर दुख तो यह है कि उनको उतनी भी स्वाधीनता प्राप्त नहीं थी जितनी कि एक मामूली अमरीकी को है या जितनी हमें-तुम्हें भारत में हासिल है।

अमरीका में ऊँचे दर्जे का विज्ञानी होना और पराधीनता की कोठरी का बंदी होना एकार्थ वाची है। हो सकता है अमरीका वाले अपने देश के विज्ञानियों को सबसे बड़ा सम्मान दें और उन्हें आदिमियों में हीरा मानते हों, पर इससे क्या ? हीरा बनना कौन अच्छी बात है ? हमारे देश के संत कबीर का कहना है :—

हीरा पाय गांठ गठयायो,
बार-बार वाय खोले क्यों ?

बहुत से लोगों ने लड़ाई की विजय का आनन्द माना होगा, पर अमरीकी आइन्स्टाइन का दिल तो धक रह गया होगा।

आइन्स्टाइन जैसे आदिमियों को किसी देश का निवासी कहना भला नहीं मालूम होता। वे दुनिया भर को प्यार करते थे और सारी दुनिया उनका आदर करती है। आइन्स्टाइन थे तो जर्मनी निवासी, पर न जाने क्यों हिटलर को मालूम हुआ कि वह उनकी आँख का काँटा है। दूसरी लड़ाई छिड़ने पर उनका जर्मनी से देश निकाला हो गया और वह अमरीका पहुँच गये। कुछ वर्षों से वह अमरीका वासी बन गये थे। इसलिये उन्हें अमरीकी कहना पड़ता है।

आइन्स्टाइन ने अपने जीवन से यह सिद्ध कर दिया कि विज्ञान की सड़क की आखिरी मंजिल वही है जो धर्म की सड़क की। विज्ञान सत्य की खोज में लगता है। यही हाल धर्म का है। गाँधी जी के शब्दों में यदि सत्य परमात्मा है, तब यह कहा जा सकता है कि हर विज्ञानी परमात्मा की खोज में लगा हुआ है।

अपने को हिम्मत के साथ महात्मा कहने वाले बर्नार्डशा का तो यह कहना है कि 'जिन लोगों ने जगत का भेद खोला, आइन्स्टाइन उनमें से एक थे' और शा ने ऐसे कुल तीन आदिमी गिनाये हैं—एक पाइथागोरस, दूसरे न्यूटन, तीसरे आइन्स्टाइन। (हमारे लिये इनके प्यारे नाम ये हो सकते हैं—बाबा पीथागोरस, महात्मा नवतन, महर्षि अंशतनु।) एशिया आमतौर से और भारत खास तौर से अपने नायकों को भगवान कहने लगता है, अवतार कहने लगता है। अगर कहीं आइन्स्टाइन ने हमारे यहाँ जन्म लिया होता तो क्या उनकी गिनती अवतारों में नहीं हुयी होती ?

आइन्स्टाइन अपने समय के ऐसे प्रकाश थे जो उन आँखों में चकाचौंध डाल देते थे जो उल्टी राह चल रही होती थीं। तभी तो वह जर्मनी से निकाले गये और अमरीका में बंदी रहे, सीधे अर्थों में वह बंदी भले ही न हों। जितनी स्वाधीनता उन्हें मिलनी चाहिये, उतनी तो अमरीका उन्हें दे ही नहीं सकता था, क्योंकि अमरीका के पास उतनी स्वाधीनता है ही नहीं। पर दुख तो यह है कि उनको उतनी भी स्वाधीनता प्राप्त नहीं थी जितनी कि एक मामूली अमरीकी को है या जितनी हमें-तुम्हें भारत में हासिल है।

अमरीका में ऊँचे दर्जे का विज्ञानी होना और पराधीनता की कोठरी का बंदी होना एकार्थ वाची है। हो सकता है अमरीका वाले अपने देश के विज्ञानियों को सबसे बड़ा सम्मान दें और उन्हें आदिमियों में हीरा मानते हों, पर इससे क्या ? हीरा बनना कौन अच्छी बात है ? हमारे देश के संत कबीर का कहना है :—

हीरा पाये गांठ गठयायो,
बार बार दाने कुल्ले क्यों ?

• ٹیکہ اسی طرح امریکہ والے اپنے وگیاںہوں کو لگاتے گھماتے رکھتے ہیں۔

21 مئی کی واشینگٹن کی خبر ہے کہ ایڈورٹ انسٹائن ایک ویل یا نی بستیوت کرکے بھوڈ گئے ہیں۔ اس ویل کا ایکویکویوٹر یا نی آمیل انھوں نے مسٹر آوٹونیتھن کو بناایا ہے۔ آوٹونیتھن نیو یارک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ ویل کو پورا کرنے کے لیے آوٹونیتھن کو ایک بار یورپ جانا ضروری ہے۔ آوٹونیتھن نے یہ سب باتیں لکھ کر امریکا کی سرکار کو یورپ کے پاس-پورٹ کے لیے لکھا۔ امریکا کی سٹیت ڈیپارٹمنٹ نے پاس-پورٹ دینے سے اس ویل پر انکار کر دیا کہ آوٹونیتھن کسی کسی ویمانے میں جرمین کمنیونسٹ پارٹی کے ممبر رہ چکے ہیں اور اس لیے وہ کمنیونسٹ وچاروں سے سہاوتی رکھتے ہیں۔

پروفیسر آوٹونیتھن نے کہا ہے کہ اس انکار کے کارن وہ سرگرمی آئنسٹائن کی وصیت کو پورا نہیں کر سکتے۔ (21 مئی کے نری پریس جرنل سے)

امریکا اس تیر سے، دنیا کے اور دیش آم تیر سے اپنے اچے کے وگیاںہوں کے ساتھ یا وگیاںہوں کے ساتھ کیسا ہرناؤ کرتے ہیں، اسے ہمارے پانک اچی طرح سمجھ لیں۔ یہ آزاد کھلانے والے ملک کتنے آزاد ہیں اور آزادی کے کتنے گہرے پانی میں ہیں، اس سے پتہ لگ سکتا ہے۔

آئنسٹائن کی وصیت کے ساتھ جب یہ وگیاںہوں رہا ہے تو آئنسٹائن کے ساتھ امریکا کا کیا وگیاںہوں رہا ہوگا، اس سے انومان کیا جا سکتا ہے۔

گھرنا اور ہنس کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل ہماری رائے میں سدا کاٹھتا ہوا ملیگا۔ اس کے وپریت پریم یا انفسا کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل استہر اور اٹل ملیگا، پروپکار میں لگا ملیگا، سبکو شرن دیتا ملیگا۔ ہنسک شیر پے حد تریوک ہونا ہے؛ پتے کی کھڑ کھڑاٹ سے بھاگتا ہے۔ جیسے وہ شکار کی تاک میں رہتا ہے۔ ویسے ہی وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کوئی اس کی تاک میں ہے۔ اسلئے وہ تیرنا ہے اور سترک رہتا ہے۔ اس کے وپریت انفسا پرانی کم تریوک ہوتے ہیں۔ جتنے اشوں میں وہ دوسروں کو ستاتے ہیں، اتنے انہوں میں وہ بھی تریوک ملیگے۔ ہمنے حال ہی میں کسی پتر میں پڑھا ہے کہ ایک آدمی کا یہ انویو ہے کہ کیسا ہی جنگلی جانور کہیں نہ ہو، اگر کوئی اس کے پاس ندر ہو کر پریم بھاؤ سے جانگا تو وہ جانور اسے کبھی نہیں ستائے گا، انکا ہار کرنے لکے گا۔ امریکا، جو اتنا تیرا ہوا ہے (اگر ایسا نہیں ہوتا تو کیا اپنے وگیاںہوں کے ساتھ ایسا وگیاںہوں کرتا؟) تبھی تو اسے اپنے دیش میں تیر

21 مئی کی واشینگٹن کی خبر ہے کہ ایڈورٹ انسٹائن ایک ویل یا نی بستیوت کرکے بھوڈ گئے ہیں۔ اس ویل کا ایکویکویوٹر یا نی آمیل انھوں نے مسٹر آوٹونیتھن کو بناایا ہے۔ آوٹونیتھن نیو یارک یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ ویل کو پورا کرنے کے لیے آوٹونیتھن کو ایک بار یورپ جانا ضروری ہے۔ آوٹونیتھن نے یہ سب باتیں لکھ کر امریکا کی سرکار کو یورپ کے پاس-پورٹ کے لیے لکھا۔ امریکا کی سٹیت ڈیپارٹمنٹ نے پاس-پورٹ دینے سے اس ویل پر انکار کر دیا کہ آوٹونیتھن کسی کسی ویمانے میں جرمین کمنیونسٹ پارٹی کے ممبر رہ چکے ہیں اور اس لیے وہ کمنیونسٹ وچاروں سے سہاوتی رکھتے ہیں۔

پروفیسر آوٹونیتھن نے کہا ہے کہ اس انکار کے کارن وہ سرگرمی آئنسٹائن کی وصیت کو پورا نہیں کر سکتے۔ (21 مئی کے نری پریس جرنل سے)

امریکا اس تیر سے، دنیا کے اور دیش آم تیر سے اپنے اچے کے وگیاںہوں کے ساتھ یا وگیاںہوں کے ساتھ کیسا ہرناؤ کرتے ہیں، اسے ہمارے پانک اچی طرح سمجھ لیں۔ یہ آزاد کھلانے والے ملک کتنے آزاد ہیں اور آزادی کے کتنے گہرے پانی میں ہیں، اس سے پتہ لگ سکتا ہے۔

آئنسٹائن کی وصیت کے ساتھ جب یہ وگیاںہوں رہا ہے تو آئنسٹائن کے ساتھ امریکا کا کیا وگیاںہوں رہا ہوگا، اس سے انومان کیا جا سکتا ہے۔

گھرنا اور ہنس کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل ہماری رائے میں سدا کاٹھتا ہوا ملیگا۔ اس کے وپریت پریم یا انفسا کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل استہر اور اٹل ملیگا، پروپکار میں لگا ملیگا، سبکو شرن دیتا ملیگا۔ ہنسک شیر پے حد تریوک ہونا ہے؛ پتے کی کھڑ کھڑاٹ سے بھاگتا ہے۔ جیسے وہ شکار کی تاک میں رہتا ہے۔ ویسے ہی وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کوئی اس کی تاک میں ہے۔ اسلئے وہ تیرنا ہے اور سترک رہتا ہے۔ اس کے وپریت انفسا پرانی کم تریوک ہوتے ہیں۔ جتنے اشوں میں وہ دوسروں کو ستاتے ہیں، اتنے انہوں میں وہ بھی تریوک ملیگے۔ ہمنے حال ہی میں کسی پتر میں پڑھا ہے کہ ایک آدمی کا یہ انویو ہے کہ کیسا ہی جنگلی جانور کہیں نہ ہو، اگر کوئی اس کے پاس ندر ہو کر پریم بھاؤ سے جانگا تو وہ جانور اسے کبھی نہیں ستائے گا، انکا ہار کرنے لکے گا۔ امریکا، جو اتنا تیرا ہوا ہے (اگر ایسا نہیں ہوتا تو کیا اپنے وگیاںہوں کے ساتھ ایسا وگیاںہوں کرتا؟) تبھی تو اسے اپنے دیش میں تیر

گھرنا اور ہنس کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل ہماری رائے میں سدا کاٹھتا ہوا ملیگا۔ اس کے وپریت پریم یا انفسا کی نیو پر کھڑا شکتی کا محل استہر اور اٹل ملیگا، پروپکار میں لگا ملیگا، سبکو شرن دیتا ملیگا۔ ہنسک شیر پے حد تریوک ہونا ہے؛ پتے کی کھڑ کھڑاٹ سے بھاگتا ہے۔ جیسے وہ شکار کی تاک میں رہتا ہے۔ ویسے ہی وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ کوئی اس کی تاک میں ہے۔ اسلئے وہ تیرنا ہے اور سترک رہتا ہے۔ اس کے وپریت انفسا پرانی کم تریوک ہوتے ہیں۔ جتنے اشوں میں وہ دوسروں کو ستاتے ہیں، اتنے انہوں میں وہ بھی تریوک ملیگے۔ ہمنے حال ہی میں کسی پتر میں پڑھا ہے کہ ایک آدمی کا یہ انویو ہے کہ کیسا ہی جنگلی جانور کہیں نہ ہو، اگر کوئی اس کے پاس ندر ہو کر پریم بھاؤ سے جانگا تو وہ جانور اسے کبھی نہیں ستائے گا، انکا ہار کرنے لکے گا۔ امریکا، جو اتنا تیرا ہوا ہے (اگر ایسا نہیں ہوتا تو کیا اپنے وگیاںہوں کے ساتھ ایسا وگیاںہوں کرتا؟) تبھی تو اسے اپنے دیش میں تیر

दिखाई दे रहा और दूसरे देशों से डर की कौजें आती दिखाई दे रही हैं।

महर्षि अंशतनु ! आप धन्य हैं ! आप अमरीका में थे, पर अपनी मर्षी से नहीं। शेर का बरा चलता तो क्या वह पिंजरे में रहता ? आप अमरीका में बंदी थे, अपनी मर्षी से नहीं। प्रकाश का बल चलता तो क्या वह चिमनी के अंदर बंद रहता और रंग-बिरंगी चिमनियों का शिकार बनता ? आप जिन अंशों में आज्ञाद थे, उन अंशों में दुनिया के लिए आप आदर्श हैं। इसराइल ने आपके सामने प्रेसीडेन्टी भेंट की। आपने उसे छूकर लौटा दिया और कह दिया कि "मैं प्रेसीडेन्टी के लिए पैदा नहीं हुआ हूँ। मैं जिस काम के लिए पैदा हुआ हूँ, उसमें खुश हूँ।" आप त्याग के लिए आज्ञाद थे। त्याग आपका स्वभाव बन गया था। त्याग करने के लिये आपको तनिक भी ज़ोर नहीं लगाना पड़ता था। पार्सल पर लिपटे हुए कागज़ को उतारने में किसी को प्रयास भी क्यों करना पड़े ? वह गोंद से चिपका हुआ होता ही नहीं। वही हाल आपका था। आप में ममता मोह नाम के लिए थे। जो कुछ आपके पास था या व्यवहार के नाते आपका समझा जा सकता था, वह सब परिग्रह तो था, पर उसके पीछे न मोह था न ममता थी। तो फिर उसके अलग होते हुए आपको दुख-सुख भी क्या होता ?

देह छोड़ते समय हम आपके पास नहीं थे, पर विश्वास के साथ कह सकते हैं कि आपने देह ऐसे ही छोड़ी होगी जैसे कबीर ने। "दास कबीर जतन से आँधी, ज्यों की त्यों धर दीनी चढ़रिया।" इस दुनिया को छोड़ते समय अगर कोई भारतीय आपके पास होता तो वह इस पहलू पर नज़र डालता। भला अमरीकी क्यों इस पहलू को देखने लगे ?

महर्षि अंशतनु ! आप इस दुनिया में ऐसे उलट-फेर कर गये, जो जहाँ एक ओर बड़े-बड़े विद्वानों के परे हैं, वहाँ दूसरी ओर ऐसे भी हैं, जो हर चलते-फिरते की समझ में आ सकते हैं। आपने यह कहकर कितनी बड़ी बात कह दी कि शक्ति और पदार्थ एक ही चीज़ है, यानी मेटर और इनर्जी एक ही चीज़ के दो पहलू हैं, एक द्रव्य की दो पर्याय हैं। इतनी बड़ी हिम्मत कौन कर सकता था ? और यह सब सुझाया आपको आपकी पैनी निगाह ने। अब तक लोग यही समझे हुये थे कि सेर भर पानी सेर भर भाप बन जाता है। यह आप ही को पता चला कि नहीं, कुछ कम सेर भाप बनता है। वह कभी कितनी ही कम क्यों न हो, वही शक्ति है। तभी तो आप कह सके कि इतना पानी भाप बनाकर क्यों नष्ट करते हो ? जितनी ताक़त इस भाप में है, उतनी ताक़त तो एक बूँद पानी के लाखवें हिस्से में मौजूद है।

दक़्क़ाई दे रहा है और दूसरे दिशों से टर्की नुज्जिन आती दक़्क़ाई दे रही हैं।

मهرشی انشتو ! آپ دغنیہ ہیں ! آپ امریکہ میں تھے، پر اپنی مرضی سے نہیں۔ شیر کا ہل چلتا تو کیا وہ پنجرے میں رہتا ؟ آپ امریکہ میں بندی تھے، اپنی مرضی سے نہیں۔ پرکش کا بل چلتا تو کیا وہ چمکی کے اندر بند رہتا اور رنگ برنگی چمکیوں کا شکار بنتا ؟ آپ جن انشوں میں آزاد تھے، ان انشوں میں دنیا کے لئے آپ آدرش ہیں۔ اسرائیل نے آپ کے سامنے پریسیڈینٹ کی بھینٹ کی۔ آپ نے اسے چھوڑ کر لوٹا دیا اور کہہ دیا کہ "میں پریسیڈینٹ کے لئے پیدا نہیں ہوا ہوں۔ میں جس کام کے لئے پیدا ہوا ہوں، اُس میں خوش ہوں۔" آپ تیاگ کے لئے آزاد تھے۔ تیاگ آپکا سوہاؤ بن گیا تھا۔ تیاگ کرنے کے لئے آپکو تنگ بھی زور نہیں لگانا پڑتا تھا۔ پارسل پر لپٹے ہوئے کاغذ کو اُتارنے میں کسی کو پریاس بھی کیوں کرنا پڑے ؟ وہ گوند سے چپکا ہوا ہوتا ہی نہیں۔ یہی حال آپکا تھا۔ آپ میں ممتا مود نام کے لئے تھے۔ جو کچھ آپ کے پاس تھا یا دیوار کے ناتے آپکا سمجھا جا سکتا تھا، وہ سب پریرکہ تو تھا، پر اُسکے پیچھے نہ مود تھا نہ ممتا تھی۔ تو پھر اُسکے الگ ہوتے ہوئے آپکو دکھ سکھ بھی کیا ہوتا ؟

دبہ چھوڑتے سمئے ہم آپکے پاس نہیں تھے، پر وشواس کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ آپنے دبہ ایسے ہی چھوڑی ہوئی جیسے کبیر نے "داس کبیر جتن سے اڑھی" جیوں کی تھوں دھر دینی چڈیا۔ اس دنیا کو چھوڑتے سمئے اگر کوئی بھاریہ آپ کے پاس ہوتا تو وہ اس پہلو پر نظر ڈالتا۔ بھلا امریکی کیوں اس پہلو کو دیکھنے لگے ؟

مهرشی انشتو ! آپ اس دنیا میں ایسے اُٹ پھیر کر گئے، جو جہاں ایک اور بڑے بڑے درانوں کے پرے ہیں، وہاں دوسری اور ایسے بھی ہیں، جو ہر چلتے پھرتے کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ آپ نے یہ کہہ کر کتنی بڑی بات کہہ دی کہ شکتی اور پدارتھ ایک ہی چیز ہے، یعنی میٹر اور انرجی ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں، ایک درویہ کی دو بریایہ ہیں۔ اتنی بڑی ہمت کون کر سکتا تھا ؟ اور یہ سب سمجھایا آپ کو آپ کی پینی نگاہ نے۔ اب تک لوگ یہی سمجھے ہوئے تھے کہ سیر پھر پانی سیر پھر بھاپ بنتا ہے۔ یہ آپ ہی کو پتہ چلا کہ نہیں، کچھ کم سیر بھاپ بنتا ہے۔ وہ کبھی کتنی ہی کم کیوں نہ ہو، وہی شکتی ہے۔ تبھی تو آپ کہہ سکے کہ اتنا پانی بھاپ بنا کر کیوں نشت کرتے ہو ؟ جتنی طاقت لس بھاپ میں ہے، اُننی طاقت تو ایک بوند پانی کے لاکھوں حصہ میں موجود ہے۔

یہ سب وچار کرائی نہیں تو کیا ہے ؟ اس کے لئے ہم آپکو جتنا برا سمجھیں، اتنا توہرا ۔

آکاش اور کال، ایک دروبہ کی دو پریاں ہیں، ایک سیک کے دو پہلو ہیں، دونوں ایک ہیں—اس بات کو آپنے ایسے کہہ ڈالا، جیسے کوئی کہہ بیٹھا ہے کہ ایک اور ایک دو ہوتے ہیں۔ پر یہ کتنی بڑی بات ہے ! بڑے بڑے وکیانوں کے گلے اترنے میں اتنی تھی ! پر آج ہے کہ اُسے ہما شما سمجھ لیتا ہے ۔ اس کے بارے میں آپکا کہنا ہے کہ کال کے بنا آکاش کی بات ہی نہیں کی جا سکتی۔ اکیلے کال کو کبھی جگہ ہی نہیں ہے ۔ ”اُنہ گھنٹے میں“ کہہ کر ہمیں یہ کہنا ہی پڑیگا، ”اُنہ دور گئے۔“ کال کی بات کہی کہ آکاش آیا۔ اب تو دوری بھی گھنٹوں میں نہیں ناپی جانے لگی !

یہ وچار کرائی نہیں تو کیا ہے ؟ آپ کے یہ اہسان کبھی بھیلائے جاسکتے ہیں ؟

18 اپریل سن 1955 کو آپ ہمیں چھوڑ کر چل دیئے ۔ اب آپ ہم میں نہیں ہیں ۔ یوں وچاروں سے آپ ساری دنیا میں موجود ہیں ۔ اب ہم میں سے کچھ آپکے گیت گاسکتے ہیں ۔ آپکی یادگار کہی کر سکتے ہیں ۔ اُنے گئے آپکے جیون کا انوکھ کر سکتے ہیں، اُس سے بھی کم اُس راہ لگ سکتے ہیں، جس راہ آپ چلے تھے ۔ دے ستیہ کی اور کچھ ۔ قدم بڑھ سکتے ہیں اور دنیا کو اُس اور لے جا سکتے ہیں ۔

آپ کے لئے ہم کیا پرا رتھنا کریں، یہ ہم کچھ نہیں جانتے ۔ اِس بارے میں آپ ہمیں کچھ نہیں بتا گئے ۔ ہاں، اپنی چندریا کا ایک کونا یعنی اپنا سر آپ ڈاکڑوں کے سپرد کر گئے ہیں، اُسے ادھیں کر کے، دیکھیں ڈاکڑ لوگ کیا کہتے ہیں ؟

امن یا جنگ

”اگر دنیا کی جنیتا امن قائم رکھنے اور آخر تک امن کی رکشا کرنے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے لے تو امن قائم رہے گا اور مضبوطی پکڑے گا۔ لیکن اگر جنگ کی باتیں پھیلانے والے دنیا کی عام جنیتا کو جھوٹی باتوں کے جال میں پھنسانے، انہیں دھوکا دینے اور ایک نئی بڑی جنگ میں گھسٹ لائے میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے جنگ نہ ٹل سکے۔“

—اسٹالین

امن یا جنگ

”اگر دنیا کی جنیتا امن قائم رکھنے اور آخر تک امن کی رکشا کرنے کا کام خود اپنے ہاتھ میں لے لے تو امن قائم رہے گا اور مضبوطی پکڑے گا۔ لیکن اگر جنگ کی باتیں پھیلانے والے دنیا کی عام جنیتا کو جھوٹی باتوں کے جال میں پھنسانے، انہیں دھوکا دینے اور ایک نئی بڑی جنگ میں گھسٹ لائے میں کامیاب ہو گئے تو ممکن ہے جنگ نہ ٹل سکے۔“

—اسٹالین

मेरी मां बोली का रूप

میری ماں بولی کا روپ

श्री मदन गोपाल

شری مدن گوپال

मेरी मां मुजफ्फरनगर के जिले की थी. उसकी बोली मुजफ्फरनगर के जिले में ही नहीं आस पास के कुछ जिलों में लगभग सब लोग बोलते हैं. कुछ तिजारी, कुछ तबारीखी और बहुत कुछ जुगुराफ़्द कारनों से यह बोली धीरे धीरे, चुपके चुपके देस में ऐसी फैली कि सारे हिन्दुस्तान और पाकिस्तान में समझी जाने लगी और उस पुल की वजह से अब यह मुमकिन हो गया कि एक आम अनपढ़ आदमी इस देस के किसी कोने में जाकर गुजारा कर सकता है. इसलिये गो उसे देस की आम बोली हम कह सकते हैं, उसे क़ौमी बोली या राष्ट्रभाषा कहना ठीक नहीं. क़ौमी बोली तो वह ही हो सकती है जो सारे देस के कम से कम सत्तर फ़ीसदी अपने घरों में बोलते हों. यहां उल्टा हिसाब है. यहां सत्तर से भी ज्यादा फ़ीसदी अपने कुनबों में अपनी अपनी और बोली बोलते हैं. इसलिये अगरचे यह देस की आप बोली है, उसे देस बोली कहना ठीक नहीं.

उस बोली के नाम के बारे में कुछ मतभेद है. चूँकि मैं यहां नाम के झगड़े में नहीं पड़ना चाहता इसलिये इस लेख में उसे मेरी मां-बोली या मेरी बोली कहूँगा. और बोलियों की तरह मेरी बोली भी गिन्ती की कुछ खास आवाजों के जोड़ से बनी हुई है, इसलिये उसका रूप परखने के लिये उसकी खास आवाजों और उनके जोड़-तोड़ का इल्म जरूरी है. मेरी बोली में कहने को तो दस लेकिन असल में कुल छै स्वर हैं. कहने को तो अ, आ, इ, ई, उ, ऊ, ए, ऐ और ओ, औ दस स्वर हैं लेकिन सिवाय छोटे और बड़े अ के जोड़े के बाक़ी के चारों जोड़े आपस में भेदरू नहीं हैं. भेदरू उन आवाजों को कहते हैं जिनके आपस में बदल जाने से सैकड़ों लफ़्ज़ों के माने कुछ के कुछ हो जाते हैं, मसलन कल काल, खल खाल ऐसे बहुत से जोड़े लफ़्ज़ों के मेरी बोली में हैं जिनके माने सिर्फ़ छोटे और बड़े अ के हेरफेर से बदल जाते हैं. बाक़ी चार जोड़ों में यह भेद बहुत कम पाया जाता है. मैं जानता हूँ कि कुछ जोड़े मेरी बोली में ऐसे आ गये हैं जिनके छोटी बड़ी इ, उ वग़ैरा के हेरफेर से माने बदल जाते हैं, लेकिन यह जोड़े बहुत कम ही नहीं उनमें से अकसर ऐसे हैं जो हम पढ़े हुए लोगों की राफ़लत से या शोखी से हमारे पढ़े हुआ की बोली में आ गये हैं, लेकिन जो बहुत दिन मेरी बोली में टिक नहीं सकते. वजह

मेरी मां मुजफ़्फ़रनगर के ضلع کی تھی۔ اسکی بولی مظفرنگر کے ضلع میں ہی نہیں آس پاس کے کچھ ضلعوں میں لگ بگ سب لوگ بولتے ہیں۔ کچھ تجارتی، کچھ تواریتی اور ہت۔ کچھ جغرافیائی کارنوں سے یہ بولی دھیرے دھیرے، چپکے چپکے، بس میں ایسی پھیلی کہ سارے ہندستان اور پاکستان میں سمجھی جانے لگی اور اس پل کی وجہ سے اب یہ ممکن ہو گیا کہ ایک عام انپڑھ آدمی اس دیس کے کسی کوٹے میں جا کر اذارہ کر سکتا ہے۔ اسلئے گو اسے دیس کی عام بولی ہم کہہ سکتے ہیں، اسے قومی بولی یا راشٹر بھاشا کہنا ٹھیک نہیں۔ وہی بولی تو وہ ہی ہوسکتی ہے جو سارے دیس کے کم سے کم ستر فیصدی اپنے گھروں میں بولتے ہوں۔ یہاں اُلٹا حساب ہے۔ یہاں ستر سے بھی زیادہ فیصدی اپنے کنبوں میں اپنی اپنی اور بولی بولتے ہیں۔ اسلئے اگرچہ یہ دیس کی عام بولی ہے، سے دیس بولی کہنا ٹھیک نہیں۔

اس بولی کے نام کے بارے میں کچھ متبہد ہے۔ چونکہ میں یہاں نام کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا اسلئے اس لکھ میں اسے میری ماں بولی یا میری بولی کہوں گا۔ اور بولیوں کی طرح میری بولی بھی گنتی کی کچھ خاص آوازوں کے جوڑ سے بنی ہوئی ہے، اسلئے اسکا روپ پرکھنے کے لئے اسکی خاص آوازوں اور انکے جوڑ توڑ کا علم ضروری ہے۔ میری بولی میں کہنے کو تو دس لیکن اصل میں کل چھ سواریں ہیں۔ کہنے کو تو 'ا، آ، اِ، اِی، اُ، اُی، اے، ائے اور او، او، اوس سواریں ہیں لیکن سوائے چھوٹے اور بڑے ا کے جوڑے کے باقی کے چاروں جوڑے آپس میں بھیدر نہیں ہیں۔ بھیدرو ان آوازوں کو کہتے ہیں جنکے آپس میں بدل جانے سے سینکڑوں لفظوں کے معنے کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں، مثلاً 'کل کال'، 'کل کال' ایسے بہت سے جوڑے لفظوں کے میری بولی میں ہیں جنکے معنے صرف چھوٹے اور بڑے ا کے ہیر پھیر سے بدلجاتے ہیں۔ بانی چار جوڑوں میں یہ بھید بہت کم پایا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ جوڑے میری بولی میں ایسے آگئے ہیں جنکے چھوٹی پڑی 'اِی' اور وغیرہ کے ہیر پھیر سے معنی بدلجاتے ہیں لیکن یہ جوڑے بہت کم ہی نہیں انمیں سے اکثر ایسے ہیں جو ہم پڑھے ہوئے لوگوں کی غفلت سے یا شیشی سے ہمارے پڑے ہوئے کی بولی میں آگئے ہیں، لیکن جو بہت دن میری بولی میں تک نہیں سکتے۔ وجہ

ساک ہے۔ مہری بولی اتنی سہل سہل گئی ہے کہ اسکی آوازیں کم ہوتے ہوتے گنتی کی رہ گئی ہیں۔ سہری سہری !

یہ ایک عجیب لہجہ اگر ذرا سوچو تو ایک قدرتی قانون یا نظم علم بولی کا ہے کہ جتنی کسی دیس کی سہیتا پرانی ہے اتنی ہی اس دیس کی عام بولی کی آوازیں گنتی میں کم اور اس کے لفظ اور اسکی گرامر گھس گھس کر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ اسوقت دنیا میں سب سے پرانی سہیتا چین کی ہے اور اسلئے جتنی بولی اسکی نکری، دنیا کی کوئی اور بولی نہیں نکری۔ گرامر تو اسمیں نام کو بھی نہیں۔ لفظ ایک کڑی کے چھوٹے اور اسکی آوازیں گنتی کی۔ شروع شروع میں جبکہ علم بولی پچھم میں ابھی پیدا ہی ہوا تھا، پچھم ودوانوں کی یہ رائے تھی کہ چینی ایک بگڑی ہوئی بولی ہے۔ لیکن جب علم بولی پلا پھلا اور ہزاروں بولوں کے آگے، بڑھنے، پھلنے کی خوب جانچ پڑتال کی گئی تو انہوں نے چینی کو 'لؤل' فارسی کو دوسرے اور مہری بولی کو تیسرے نمبر پر ٹھہرایا۔ سو چو تو سہی، پچھم ودوان مہری بولی کو خوبصورتی میں دنیا بھر کی ہزاروں بولوں میں سے تیسرا درجہ دیتے ہیں۔ سب سے بڑی تعریف جو انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسکی گرامر ایک پوسٹکارڈ پر لکھی جا سکتی ہے اور یہ کہ اسمیں دنیا بھر کی سامانجک، دھارمک اور ادبی کتابیں—وید، قرآن، انجیل، نائک اور کہانیاں بلا کسی اور زبان کی مدد کے آسانی سے بخوبی ادا ہو سکتی ہیں۔ ایسی بولی ہر جتنا آدمی گھمڈ کرے تھوڑا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے اسکولوں میں اتنا پڑھایا جاتا ہے، ہمارے انجان پنڈت اور لہذہ اسے بگاڑنے پر تلم ہوتے ہیں۔ کہیں نہ ہوں، اتنی آنکھوں پر سنسکرت اور انگریزی جیسی بھدی زبانوں کا چشمہ چڑھا ہوا ہے۔ یہاں سنسکرت کو اسبھیہ کہنا تو الگ، یہ سچ بھی کہنا کہ سنسکرت نہ کبھی بولی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ہزاروں کے چہتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ سنسکرت کی کرپا سے ہمارے پنڈت بولی کا آرنہ بھی نہیں جانتے۔ بولی صرف اس زبان کو کہہ سکتے ہیں جسکے ذریعہ دنیا کے اسی حصہ کے لوگ نہیں تو اسی فیصدی آدمی اپنا کام دھندا چلاتے ہوں۔ ورنہ وہ زبان چاہے اسے پنڈت آپس میں بولتے ہوں یا ٹیس، اسکی حیثیت چور بولی سے زیادہ نہیں۔ ایسی بولی کو انگریزی میں سلینگ (Slang) کہتے ہیں چاہے اسمیں لائم کتابیں لکھی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہماری یونیورسٹیوں میں بہت سی بولیاں سکھائی جاتی ہیں کسی میں علم بولی نہیں سکھایا جاتا، اور نہ جب تک سنسکرت کا بھوت ہمارے سر پر سوار ہے یہ مضمون کبھی سکھایا جائیگا، کیونکہ اسکے سیکھنے سے سنسکرت کی پول کھل جاتی ہے۔

صاف ہے۔ مہری بولی اتنی سہل سہل گئی ہے کہ اسکی آوازیں کم ہوتے ہوتے گنتی کی رہ گئی ہیں۔ سہری سہری !

یہ ایک عجیب لہجہ اگر ذرا سوچو تو ایک قدرتی قانون یا نظم علم بولی کا ہے کہ جتنی کسی دیس کی سہیتا پرانی ہے اتنی ہی اس دیس کی عام بولی کی آوازیں گنتی میں کم اور اس کے لفظ اور اسکی گرامر گھس گھس کر چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ اسوقت دنیا میں سب سے پرانی سہیتا چین کی ہے اور اسلئے جتنی بولی اسکی نکری، دنیا کی کوئی اور بولی نہیں نکری۔ گرامر تو اسمیں نام کو بھی نہیں۔ لفظ ایک کڑی کے چھوٹے اور اسکی آوازیں گنتی کی۔ شروع شروع میں جبکہ علم بولی پچھم میں ابھی پیدا ہی ہوا تھا، پچھم ودوانوں کی یہ رائے تھی کہ چینی ایک بگڑی ہوئی بولی ہے۔ لیکن جب علم بولی پلا پھلا اور ہزاروں بولوں کے آگے، بڑھنے، پھلنے کی خوب جانچ پڑتال کی گئی تو انہوں نے چینی کو 'لؤل' فارسی کو دوسرے اور مہری بولی کو تیسرے نمبر پر ٹھہرایا۔ سو چو تو سہی، پچھم ودوان مہری بولی کو خوبصورتی میں دنیا بھر کی ہزاروں بولوں میں سے تیسرا درجہ دیتے ہیں۔ سب سے بڑی تعریف جو انہوں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ اسکی گرامر ایک پوسٹکارڈ پر لکھی جا سکتی ہے اور یہ کہ اسمیں دنیا بھر کی سامانجک، دھارمک اور ادبی کتابیں—وید، قرآن، انجیل، نائک اور کہانیاں بلا کسی اور زبان کی مدد کے آسانی سے بخوبی ادا ہو سکتی ہیں۔ ایسی بولی ہر جتنا آدمی گھمڈ کرے تھوڑا ہے۔ لیکن چونکہ ہمارے اسکولوں میں اتنا پڑھایا جاتا ہے، ہمارے انجان پنڈت اور لہذہ اسے بگاڑنے پر تلم ہوتے ہیں۔ کہیں نہ ہوں، اتنی آنکھوں پر سنسکرت اور انگریزی جیسی بھدی زبانوں کا چشمہ چڑھا ہوا ہے۔ یہاں سنسکرت کو اسبھیہ کہنا تو الگ، یہ سچ بھی کہنا کہ سنسکرت نہ کبھی بولی ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ہزاروں کے چہتے میں ہاتھ ڈالنا ہے۔ سنسکرت کی کرپا سے ہمارے پنڈت بولی کا آرنہ بھی نہیں جانتے۔ بولی صرف اس زبان کو کہہ سکتے ہیں جسکے ذریعہ دنیا کے اسی حصہ کے لوگ نہیں تو اسی فیصدی آدمی اپنا کام دھندا چلاتے ہوں۔ ورنہ وہ زبان چاہے اسے پنڈت آپس میں بولتے ہوں یا ٹیس، اسکی حیثیت چور بولی سے زیادہ نہیں۔ ایسی بولی کو انگریزی میں سلینگ (Slang) کہتے ہیں چاہے اسمیں لائم کتابیں لکھی گئی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہماری یونیورسٹیوں میں بہت سی بولیاں سکھائی جاتی ہیں کسی میں علم بولی نہیں سکھایا جاتا، اور نہ جب تک سنسکرت کا بھوت ہمارے سر پر سوار ہے یہ مضمون کبھی سکھایا جائیگا، کیونکہ اسکے سیکھنے سے سنسکرت کی پول کھل جاتی ہے۔

मेरी बोली में बाप को बाप कहते हैं न कि पित्र, पिदर, फादर. लड़की को बेटी कहते हैं न कि दोहत्तर, दुस्तर, डाटर. मां को मां कहते हैं न कि मात्र, मादर, मदर. ऐसे निजी रिश्तों के नाम से जाहिर है कि आर्यभाषा का संस्कृत, फारसी और अंग्रेजी पर ज्यादा असर पड़ा है, मेरी बोली पर कम. मेरी बोली ने बहुत सी बोलियों के लफ्ज लिये, आर्य भाषा के भी लिये, लेकिन उसकी जमीन रही हमेशा देसी बोली की यानी उस देसी बोली की जो आर्यों के यहां आने से पहले बोली जाती थी. अगरचे जमीन संस्कृत की भी देसी बोली की है लेकिन चूंकि उसमें कुछ आर्य भाषा के ज्यादा लफ्ज लिये गये और खास कर इस वजह से कि देसी बोली के भी जो लफ्ज उसमें लिये गये उन्हें संस्कृत बनानेवालों ने बिगाड़ कर आर्य शकल दी. इसलिये हमारे देस में यह गलत कयाल आम फैला हुआ है कि संस्कृत एक शुद्ध आर्य भाषा है. जमीन दोनों की द्रावड़ी होने की वजह से संस्कृत के बहुत लफ्ज मेरी बोली के लफ्जों जैसे हैं, इसलिये बहुत लोग गलती से मेरी बोली को एक आर्य भाषा कहते हैं. असल में मेरी बोली द्रावड़ी है. कहने को मद्रास की बोलियों का द्रावड़ी कहा जाता है, लेकिन उनमें से कोई भी इतनी द्रावड़ी नहीं जितनी मेरी बोली. लिपि बनने से पहले आर्य भाषा में क्या आवाजें शामिल थीं वल्कि कौन कौन सी उसमें शामिल न थीं कहना मुश्किल

مہوری بولی میں باپ کو باپ کہتے ہیں نہ کہ پتر، پدر، فادر۔ لڑکی کو بیٹی کہتے ہیں نہ کہ دوتھر، دختر، ڈاٹر۔ ماں کو ماں کہتے ہیں نہ کہ ماتر، مادر، مدر۔ ایسے نجی رشتوں کے نام سے ظاہر ہے کہ آریہ بھاشا کا سنسکرت، فارسی اور انگریزی پر زیادہ اثر پڑا ہے، مہوری بولی پر کم میوری بولی نے بہت سی بولوں کے لفظ لئے، آریہ بھاشا کے بھی لئے، لیکن اسکی زمین دھی ہمیشہ دیسی بولی کی یعنی اس دیسی بولی کی جو آریوں کے یہاں آئے سے پہلے بولی جاتی تھی۔ اگرچہ زمین سنسکرت کی بھی دیسی بولی کی ہے لیکن چونکہ اسمیں کچھ آریہ بھاشا کے زیادہ لفظ لئے گئے اور خاص کر اسوجہ سے کہ دیسی بولی کے بھی جو لفظ اسمیں لئے گئے انہیں سنسکرت بنانے والوں نے بگاڑ کر آریہ شکل دی۔ اسلئے ہمارے دیس میں یہ غلط خیال عام پھیل ہوا ہے کہ سنسکرت ایک شدہ آریہ بھاشا ہے۔ زمین دونوں کی دراوڑی ہونے کی وجہ سے سنسکرت کے بہت لفظ میوری بولی کے لفظوں جیسے ہیں، اسلئے بہت لوگ غلطی سے میوری بولی کو ایک آریہ بھاشا کہتے ہیں۔ اصل میں مہوری بولی دراوڑی ہے۔ کہنے کو مدراس کی بولیں کو دراوڑی کہا جاتا ہے، لیکن انہیں سے کوئی بھی اتنی دراوڑی نہیں جتنی میوری بولی۔ لہی ہند سے پہلے آریہ بھاشا میں کیا آوازیں شامل تھیں بلکہ کون کون سی اسمیں شامل نہ تھیں کہنا مشکل

व्यंजन भी मेरी बोली में गिन्ती के हैं. क, ख, ग, घ,

دینجن بھی مڑی بولی میں گنتی کے ہیں۔ ک، گ، م،

'55 

کی۔ فرائیج کی 350 کھڑیاں آسٹریا میں ایک منٹ میں بولی جاتی ہیں، جاپانی کی 310، جرمنی کی 250 اور انگریزی کی صرف 220۔ میرا خیال ہے کہ سنسکرت اور اسکی نقلی ہندی کی 150 بھی نہیں۔ شاید میری بولی غریب کو بھی مات کرتی ہے، لیکن اسطرح کون دیکھائی دے؟ کیا رکھا ہے ان باتوں میں؟ منٹ کی ہاتھ کھسکتی ہے ہمارا علم کا شوق!

میری بولی کے رُپ میں 21 व्यंजन, सब शुद्ध, انमें कोई मिलावट या जोड़ नहीं, और इसलिये वह एक भीठी, सुरीली, बहती मौसीकी है. खूबसूरती में सारी दुनिया की बोलियों में उसे तीसरा दर्जा दिया गया है. अगर उसमें जिन्स (लिंग) की बीमारी न होती तो दूसरी गिनी जाती. ग्रामर न होने के बराबर, सीधी सादी सुन्दरी जिसे गहने पाते से नफरत, बोलने में आसान, समझने में आसान, सीखने में आसान. उसकी इस आसानी ने उसे फैलने में बहुत कुछ मदद दी. बड़ी खराबी उसमें है तो यह कि उसमें एक आदमी दूसरे का आसानी से धोका नहीं दे सकता, और हमारे लीडर चाहते हैं ऐसी ज़बान जिसमें वह धोका दे सकें या कम से कम लارے लपे लगा सकें. यही लीडर कहते हैं यहां है जनता का राज! सब धोका, कहने की बात! जिस देस में इस देस की आम बोली या उसकी राजधानी की बोली, सरकारी बोली नहीं है, वहां कोई चीज जनता की नहीं हो सकती.

میری بولی کے (دہا) میں 21 سوریں, سب شدد, انمیں کوئی ملاوٹ یا جوڑ نہیں اور اسلئے وہ ایک میٹھی, سربلی, بہتی, موسیقی ہے. خوبصورتی میں ساری دنیا کی بولیوں میں اسے تیسرا درجہ دیا گیا ہے. اگر اسمیں جنس (لنگ) کی بیماری نہ ہوتی تو دوسری گنی جاتی. گرامر نہ ہونیکے برابر, سیدھی سادی سادری جسے کہنے پاتے سے نفرت, ہولے میں آسان, سمجھنے میں آسان, سیکھنے میں آسان. اسکی آسانی نے اسے پھیلنے میں بہت کچھ مدد دی. بڑی خرابی اسیں ہے تو یہ کہ اسمیں ایک آدمی دوسرے کو آسانی سے دھوکا نہیں دے سکتا, اور ہمارے لیڈر چاہتے ہیں ایسی زبان جس میں وہ دھوکا دے سکیں یا کم سے کم لارے لگا سکیں. یہی لیڈر کہتے ہیں یہاں ہے جنتا کا راج! سب دھوکا, کہنے کی بات! جس دیس میں اس دیس کی عام بولی یا اسکی راجدھانی کی بولی, سرکاری بولی نہیں ہے وہاں کوئی چیز جنتا کی نہیں ہو سکتی.

एक खास भिषाद के अन्दर हर सूबे की अदालतों और असेम्बलियों का काम काज उसी सूबे की भाषा में जारी होना चाहिये. अपील की आखिरी अदालत की ज़बान हिन्दुस्तानी करार दी जाय, लिखावट चाहे देवनागरी हो या फ़ारसी. सेन्ट्रल गवर्नमेन्ट और असेम्बलियों की भाषा भी हिन्दुस्तानी ही हो. अन्तर्राष्ट्रीय राज ब्योहार की भाषा अंगरेज़ी रहे. मुझे भरोसा है कि अगर आपको यह तजवीज़ अपने विचार के मुताबिक़ नज़र न आई और आपने यह खयाल किया कि मैं स्वराज की इच्छा में हद से बाहर चला गया हूँ तो भी आप छूटते ही इसकी हंसी न उड़ाने लगेंगे.

—महात्मा गांधी

ایک خاص مہیاد کے اندر ہر صوبے کی عدالتوں اور اسمبلیوں کا کام کاج اسی صوبے کی بھاشا میں جاری ہونا چاہیئے. اپیل کی آخری عدالت کی زبان ہندستانی قرار دی جائے, لکھارت چاہے دیوناگری ہو یا فارسی. سینٹرل گورنمنٹ اور اسمبلیوں کی بھاشا بھی ہندستانی ہی ہو. انٹرنیشنل راج بیوہار کی بھاشا انگریزی رہے. مجھے یوروسہ ہے کہ اگر آپ کو یہ تجویز اپنے وچار کے مطابق نظر نہ آئی اور آپ نے یہ خیال کیا کہ میں سراج کی چھا میں حد سے باہر چلا گیا ہوں تو بھی آپ چھوٹے ہی اس کی ہلسی قہ اڑانے لگیں گے.

—مہاتما گاندھی

بمبئی کا ایک دکھ بھرا نظارہ

بمبئی کا ایک دکھ بھرا نظارہ

شری سندرلال

شری سندرلال

شری بی. جی. خیر کئی سال تک بمبئی کے چیف منسٹر رہ چکے ہیں۔ اسکے بعد وہ انگلینڈ میں بھارت کے ہائی کمشنر تھے۔ ہم انہیں ایک زمانے سے اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہمارے دل میں اُن کا بڑا آدر ہے۔

شری بی. جی. کھڈر کو اُن کے ساتھی 'بالا صاحب' کہتے ہیں۔ بمبئی کے پچھلے درجے میں ہمیں بالا صاحب سے کئی بار ملنے کا سہواگیتہ پڑا ہے۔ پہلی بار ہم اُن سے اُن کے کھار کے مکان پر ملے۔ قریب گھنٹے تک وہ ہمیں بڑے شوق کے ساتھ یہ بتاتے رہے کہ آجکل وہ اپنا سمنے کس کام میں خرچ کرتے ہیں۔ اُن کی سہوا کا میدان آجکل بمبئی کے اندر غریب لوگوں کی کچھ بستیاں ہیں۔ اگلے دن صبح ہم نے اُن کے ساتھ جاکر ان بستیوں کی حالت اور بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے کام کو دیکھا۔ اس میں تین گھنٹے سے اوپر خرچ ہوئے۔ شام کو پھر انہیں نے ہمیں اپنے کام کی بابت اور ادھک جانکاری کرائی۔

بمبئی کی میونسپلٹی آجکل ایک بڑی میونسپلٹی ہے جسے گریٹر بمبے یانی بڑی بمبئی کہتے ہیں۔ اس بڑی بمبئی کے اندر باندرا کے بچھڑانے سے ملتا ہوا دور تک फैلا ہوا ایک علاقہ ہے جس میں ہزار ہا مرد عورت اور بچے بستے ہیں۔ اس میں الگ الگ کئی بستیاں ہیں۔ ان لوگوں کی غریبی، ان کی مصیبتوں اور اُن کے رہنے سہنے کو دیکھ کر ہمیں بالکل یہ خیال آیا کہ سچ مچ اگر ترک کہیں دھرتی پر ہو سکتا ہے تو یہیں ہے۔

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے ہوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے ہوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے ہوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے ہوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور

یہ لگ بھگ سارا علاقہ نچلیں میں ہے۔ وہاں کی ادھک تر دھرتی پانی اور کچھ سے بھری ہوئی ہے۔ بیس ہزار کی آبادی میں کہیں کہیں تھوڑی اونچائی پر سو پچاس مکان ایسے ہیں جو آدمیوں کے رہنے کے مکان کہلا سکتے ہیں۔ یہ عام طور پر اُن لوگوں کے ہیں جو پاس کے ہوچرخانے میں ٹھیکے داری وغیرہ کا کام کرتے ہیں یا ریل کے ملازم ہیں جن میں سے کچھ کے لئے ریلوے نے کوارٹر بنوا دیئے ہیں۔ یہ لوگ خوش حال یا کم سے کم کھاتے پیتے کہہ جاسکتے ہیں۔ باقی ہزاروں جھونپڑوں اور

اچھے ہونگے۔ نہ دیواروں میں نہ دروازے، نہ کھڑکیاں نہ فرش، نہ چھت، کچھ ختوں میں سے پڑنے والے ٹین یا ڈاٹ کے ٹکڑے جمع کر کے ایک طرح کی جھونپڑیاں سی ڈال لی گئی ہیں جن میں سے ایک ایک میں چار چار اور پانچ پانچ آدمیوں کا کنبہ رہتا ہے۔ اکثر جگہ نیچے کیچڑ ہے۔ اینٹ پتھروں کے ٹکڑوں پر لکڑی وغیرہ رکھ کر اُسے کسی طرح سولے بیٹھنے کے کام کا کر لیا گیا ہے۔ کسی اوسط گاؤں کے لوگ اپنے جانوروں کو اُس طرح کے مکانوں میں نہیں رکھ سکتے۔

ان لوگوں کے لئے کوئی پاخانے نہیں ہیں۔ پاس کوئی کھل چنل ہی نہیں ہے۔ ایک جھونپڑی سے دوسری جھونپڑی یا ایک چھوٹی بستی سے دوسری بستی جانے کے لئے کوئی ٹھیک راستہ بھی نہیں ہیں۔ بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے ہمراہ جب ہم ان بستیوں کو دیکھتے ہوئے پھر رہے تھے تو چھوٹے چھوٹے راستوں پر ہمیں سنبھال سنبھال کر پیر رکھنے پڑتے تھے۔ یہ ہزاروں مرد، عورت اور بچے جہاں چاہے پاخانے کے لئے بیٹے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے بالا صاحب سے شکایت کی تو انہوں نے بڑے درد کے ساتھ ہم سے کہا:—”یہ بیچارے اور کر بھی کھا سکتے ہیں؟ اور کہاں بیٹھیں؟“

ان بیس ہزار لوگوں میں سے بہت سے مسلمان ہیں، کچھ عیسائی، کچھ ہریجن اور کچھ دوسری جاتوں کے ہندو۔ کچھ ایسے غریب مسلمان بھی ہیں جو ہندو مسلم دونوں کے دونوں میں شہر کے دوسرے حصوں سے بھاگ بھاگ کر یہاں آکر بس گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ شہر میں جگہ جگہ چاکر مزدوروں کرتے ہیں بشرطیکہ مزدوری مل جائے۔ کچھ شہر سے پھل کی دکانیں یا چھوٹے خرید کر یا جمع کر کے انہیں بیچ لیتے ہیں، کچھ ناداری سے منجبر ہو کر ادھر ادھر چوری چھاری بھی کر لیتے ہیں۔ غریبی کی تصویر اس سے بڑھ کر شاید ہی دنیا میں کہیں اور دیکھنے کو مل سکے اور یہ اُس ”بڑی بمبلی“ کے ٹھیک اندر جو ہنگلوں، آفیسروں اور محلوں سے بھری ہوئی ہے۔

ان بستیوں تک پہنچنے کا راستہ ریل کی کئی چوڑی لٹلیں پار کر کے ملتا ہے۔ نہ کوئی پل ہے، نہ کوئی سڑک۔ ہم شری بی۔ جی۔ کھیر کے ساتھ جہاں تک موٹر سے جاسکتے تھے گئے۔ شری بی۔ جی۔ کھیر نے ہم سے پھر بڑے درد کے ساتھ کہا کہ ریل کے پٹاؤں کو کھولنے کے لئے، تاکہ موٹر ادھر سے ادھر جاسکے، انہیں کبھی کبھی تیز دیر تھکے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اُس فاصلے کے لئے جو شاید سو گز بھی نہ ہوگا۔ اگر ان بستیوں سے کسی بیمار کو شہر کے کسی اسپتال تک لانے کی کوشش کی جائے یا بچہ ہونے کی صورت میں کسی کو لہتی ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہو تو ایک دو فرلانگ پار کرنے کے

ان لوگوں کے لئے کوئی پاخانے نہیں ہیں۔ پاس کوئی کھل چنل ہی نہیں ہے۔ ایک جھونپڑی سے دوسری جھونپڑی یا ایک چھوٹی بستی سے دوسری بستی جانے کے لئے کوئی ٹھیک راستہ بھی نہیں ہیں۔ بالا صاحب اور اُن کے ساتھیوں کے ہمراہ جب ہم ان بستیوں کو دیکھتے ہوئے پھر رہے تھے تو چھوٹے چھوٹے راستوں پر ہمیں سنبھال سنبھال کر پیر رکھنے پڑتے تھے۔ یہ ہزاروں مرد، عورت اور بچے جہاں چاہے پاخانے کے لئے بیٹے جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم نے بالا صاحب سے شکایت کی تو انہوں نے بڑے درد کے ساتھ ہم سے کہا:—”یہ بیچارے اور کر بھی کھا سکتے ہیں؟ اور کہاں بیٹھیں؟“

ان بیس ہزار لوگوں میں سے بہت سے مسلمان ہیں، کچھ عیسائی، کچھ ہریجن اور کچھ دوسری جاتوں کے ہندو۔ کچھ ایسے غریب مسلمان بھی ہیں جو ہندو مسلم دونوں کے دونوں میں شہر کے دوسرے حصوں سے بھاگ بھاگ کر یہاں آکر بس گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ شہر میں جگہ جگہ چاکر مزدوروں کرتے ہیں بشرطیکہ مزدوری مل جائے۔ کچھ شہر سے پھل کی دکانیں یا چھوٹے خرید کر یا جمع کر کے انہیں بیچ لیتے ہیں، کچھ ناداری سے منجبر ہو کر ادھر ادھر چوری چھاری بھی کر لیتے ہیں۔ غریبی کی تصویر اس سے بڑھ کر شاید ہی دنیا میں کہیں اور دیکھنے کو مل سکے اور یہ اُس ”بڑی بمبلی“ کے ٹھیک اندر جو ہنگلوں، آفیسروں اور محلوں سے بھری ہوئی ہے۔

ان بستیوں تک پہنچنے کا راستہ ریل کی کئی چوڑی لٹلیں پار کر کے ملتا ہے۔ نہ کوئی پل ہے، نہ کوئی سڑک۔ ہم شری بی۔ جی۔ کھیر کے ساتھ جہاں تک موٹر سے جاسکتے تھے گئے۔ شری بی۔ جی۔ کھیر نے ہم سے پھر بڑے درد کے ساتھ کہا کہ ریل کے پٹاؤں کو کھولنے کے لئے، تاکہ موٹر ادھر سے ادھر جاسکے، انہیں کبھی کبھی تیز دیر تھکے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اُس فاصلے کے لئے جو شاید سو گز بھی نہ ہوگا۔ اگر ان بستیوں سے کسی بیمار کو شہر کے کسی اسپتال تک لانے کی کوشش کی جائے یا بچہ ہونے کی صورت میں کسی کو لہتی ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہو تو ایک دو فرلانگ پار کرنے کے

ان بستیوں تک پہنچنے کا راستہ ریل کی کئی چوڑی لٹلیں پار کر کے ملتا ہے۔ نہ کوئی پل ہے، نہ کوئی سڑک۔ ہم شری بی۔ جی۔ کھیر کے ساتھ جہاں تک موٹر سے جاسکتے تھے گئے۔ شری بی۔ جی۔ کھیر نے ہم سے پھر بڑے درد کے ساتھ کہا کہ ریل کے پٹاؤں کو کھولنے کے لئے، تاکہ موٹر ادھر سے ادھر جاسکے، انہیں کبھی کبھی تیز دیر تھکے انتظار کرنا پڑا ہے۔ یہ اُس فاصلے کے لئے جو شاید سو گز بھی نہ ہوگا۔ اگر ان بستیوں سے کسی بیمار کو شہر کے کسی اسپتال تک لانے کی کوشش کی جائے یا بچہ ہونے کی صورت میں کسی کو لہتی ڈاکٹر کی مدد کی ضرورت ہو تو ایک دو فرلانگ پار کرنے کے

ہرے پورے دن لگ سکتا ہے۔ ان آہاگوں کے لئے شاید دلہیا کی یہ سہولیاتیں ہیں ہی نہیں۔ کہیں کہیں ان تک پہنچنے کے لئے بمبئی وائر درکس کے موٹے موٹے بمبوں (میلنس) پر سے کود کود کر جانا پڑتا ہے۔

اس پر کہا جاتا ہے کہ بمبئی میونسپلٹی ان لوگوں سے اسی حساب سے ٹیکس وصول کرتی ہے جس طرح سڑک کے دوسری طرف کے اتاری والوں سے ہالا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے ہمیں بتایا کہ اس علاقے سے قریب ایک لاکھ ٹیکس وصول ہوتا ہے اور ان پر خرچ صرف قریب دو ہزار روپیہ سالانہ۔ یہی ایک ٹیکس جمع کرنے والا ہے جس کو قریب سو روپیہ مہینہ دیا جاتا ہے۔ ممکن ہے ان آنکڑوں میں تھوڑی بہت غلطی ہو۔ یہ ہمیں رہائی کھول یاد سے بتاتے گئے تھے۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر ہالا صاحب کے شہدوں میں ”چوری اور رشوت خوری“ بھی وہاں خوب چلتی ہے۔ کچھ غذا قسم کے انسان بھی وہاں اسی غرض کے لئے رہتے دکھائے گئے ہیں۔ ہمیں بتایا گیا کہ اس بستی کے ایک حصے سے کوئی ایک آدمی خلف قانون ان غریبوں سے لگ بھگ چودہ سو روپیہ مہینہ وصول کر لیتا ہے۔ حال میں سنا ہے اس پر مقدمہ بھی قائم ہو گیا ہے۔ نتیجہ جو کچھ ہو۔ بڑے آدمیوں کے جرم بڑے جرم ہوتے ہیں۔ ان کے پاپ اونچے اتاریوں اور مضمحل کے گدوں میں چھو رہے ہیں۔ غریبوں، ناداروں اور بدستوں کے چھوٹے چھوٹے گناہ اور گندے جرم ان کی غریبی کے ساتھ لپٹ کر چمکتے ہیں۔ کئی دکھ بھری گھٹائیں اس بستی کے رہنے والوں کی ہم نے ان تین گنتوں کے اندر ہلاچی اور ان کے ساتھیوں سے سنیں۔ ہمارا دل برداشت نہیں کرتا کہ ہم انہیں یہاں دھراویں۔

ان لوگوں کی تندرستی کی یہ حالت ہے کہ اور بیماروں کو چھوڑ دیجئے حال میں ہالا جی اور ان کے ساتھیوں نے جو ان بستیوں کی سروے کرائی اس میں معلوم ہوا کہ قریب ایک ہزار بیمار ان بستیوں میں ایسے ہیں جن پر کورز کا شک ہے۔ جانکروں کی رائے ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو تھوڑے دنوں میں یہ سارا علاقہ ایک بڑا کورز خانہ ہو جائیگا۔ جن حالتوں میں وہ رہ رہے ہیں ان کا اور کچھ نتیجہ ہو بھی کیسہ سکتا ہے۔ شری بی۔ جی۔ ٹھہر نے اس بارے میں بمبئی سرکار کے ڈاکٹری کے انسروں سے پترو پتھر شروع کر رکھا ہے۔ اس کا جب اور جو کچھ نتیجہ نکل سکے۔

انگلینڈ سے لوٹنے کے کچھ دنوں بعد ہالا صاحب کا دھیان ان بستیوں کی طرف گیا۔ انہوں نے ان کی حالت کو جا کر اچھی طرح دیکھا۔ اس علاقے کا تین سنسٹھاؤں سے سمبندھ ہے—ایک بمبئی میونسپلٹی، دوسرے بمبئی سرکار اور تیسرے ریلوے۔ ہالا صاحب نے انہیں کے ساتھ

ان لوگوں کی تندرستی کی یہ حالت ہے کہ اور بیماروں کو چھوڑ دیجئے حال میں ہالا جی اور ان کے ساتھیوں نے جو ان بستیوں کی سروے کرائی اس میں معلوم ہوا کہ قریب ایک ہزار بیمار ان بستیوں میں ایسے ہیں جن پر کورز کا شک ہے۔ جانکروں کی رائے ہے کہ اگر اسے روکا نہ گیا تو تھوڑے دنوں میں یہ سارا علاقہ ایک بڑا کورز خانہ ہو جائیگا۔ جن حالتوں میں وہ رہ رہے ہیں ان کا اور کچھ نتیجہ ہو بھی کیسہ سکتا ہے۔ شری بی۔ جی۔ ٹھہر نے اس بارے میں بمبئی سرکار کے ڈاکٹری کے انسروں سے پترو پتھر شروع کر رکھا ہے۔ اس کا جب اور جو کچھ نتیجہ نکل سکے۔

انگلینڈ سے لوٹنے کے کچھ دنوں بعد ہالا صاحب کا دھیان ان بستیوں کی طرف گیا۔ انہوں نے ان کی حالت کو جا کر اچھی طرح دیکھا۔ اس علاقے کا تین سنسٹھاؤں سے سمبندھ ہے—ایک بمبئی میونسپلٹی، دوسرے بمبئی سرکار اور تیسرے ریلوے۔ ہالا صاحب نے انہیں کے ساتھ

پتر ویدھار شروع کیا۔ یہ پتر ویدھار فضول نہیں گیا پر اس سے بالا صاحب کو ادھک آمد بھی نہیں بندھی۔ پتر ویدھار جاری ہے۔ ہم سے باتیں کرتے کرتے ایک بار پتر انہوں نے بڑی مایوسی سے کہا—“کوئی پرવાہ نہیں کرتا!” پر اس حالات میں بالا ساہب نے بڑی سمجھداری اور ہمت سے کام لیا۔ انہوں نے ہم سے کہا—“لوگوں کو یہ سب کام سرکار ہی پر نہیں ڈھونڈنا چاہئے۔ ہمیں اپنا کام خود کرنا چاہئے۔” اس اصول کے انوسار انہوں نے ان اہیگی ہستیوں کی حالت سدھارنے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ آجکل ان کا لگ بھگ سب سمنے اسی میں بہتتا ہے۔ کچھ بہت اچھے نیاہیگی لوگوں سے کام کرنے والے بھی ان کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ بالا صاحب نے اپنی نجی پونجی کی ایک خاصی بڑی رقم یعنی لگ بھگ سب کچھ جو ان کا اپنا تھا اس کام کے لئے دے دیا ہے۔ بستی کے بچوں کے لئے اب ایک چھوٹا سا اسکول وہاں بن گیا ہے جس میں آجکل لگ بھگ چار سو لڑکے اور لڑکیاں لکھنا پڑھنا سیکھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے دھنوں کے لئے کہیں کہیں زمین کو ذرا اونچا کر کے اس طرح کے سیدھے سادے مکان بھی نمونے کے طور پر بنا دیئے گئے ہیں جن میں انسان رہ سکیں۔ ایک چھوٹا سا کامن ہال یعنی پنچائنت گھر ان کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ بالا صاحب اور ان کے ساتھی ان لوگوں کے لئے روزگار کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔ پاس کے ہوچرخانے میں جو بھیڑیں کتنی ہیں ان کی اون کی کٹ کر ابھی تک ملک کے باہر بھیج دی جاتی تھی۔ بالا صاحب اور ان کے ساتھیوں نے اب اس اون کو خرید کر وہیں رکھنا شروع کر دیا ہے۔ وہ اون انہیں لوگوں سے کٹوانی جاتی ہے اور ہاتھ کرکھوں پر انہیں سے اس سے کمبل اور کوٹنگ کا کپڑا بنوایا جاتا ہے۔ ہم نے ان کا حال کا بنا ہوا ایک کمبل اور ایک کوٹنگ کا تھان بھی دیکھا۔ مال بہت سندر تھا۔ پر یہ کام ابھی تو من میں چھوٹا تک بھی نہیں۔ روٹی سے چرخوں پر سوٹ کاتنے اور اس سے کپڑے بننے کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ ہاتھ کا کاغذ بنانے اور صابن بنانے کا کام بھی بہت جلدی شروع ہونے والا ہے۔ بالا صاحب اور ان کے ساتھیوں کے کام میں ہندو، مسلمان، ہریجن ہیں، اونچ نیچ کے فرق کی کہیں گندھ تک نہیں ہے۔ ان کے ساتھیوں میں بھی سب دھرموں کے اور سب طرح کے لوگ بڑی خوشی سے شامل ہیں۔ بالا صاحب نے ہمیں وشواس دلایا کہ پانچ برس کے اندر وہ اس ساری بستی کو ایک “گرڈین سٹی” یعنی سندر بستی اور ہراہرا باغ بنادینگے۔

ہم نے بالا صاحب سے پوچھا کہ وہ بنا کئی دھن کے یا سرکاری مدد کے اس اتنے بڑے کام کو کیسے پورا کر سکیں گے؟ انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ جواب دیا کہ “جب ہم نے اپنے پاس کا پیسہ ختم ہو جائے گا تب میں

ہم نے بالا صاحب سے پوچھا کہ وہ بنا کئی دھن کے یا سرکاری مدد کے اس اتنے بڑے کام کو کیسے پورا کر سکیں گے؟ انہوں نے بڑی ہمت کے ساتھ جواب دیا کہ “جب ہم نے اپنے پاس کا پیسہ ختم ہو جائے گا تب میں

سرکار سے بھی مانگوں گا اور لوگوں سے بھی مانگوں گا اور مجھے
بیماری ہے کہ تب دونوں مجھے مدد دیں گے۔“

بالا صاحب چھپا سٹو برس پورے کر چکے۔ انہیں دل کی
ہماری ہے جسے ڈاکٹر تھامبوسس آف دی ہارٹ کہتے ہیں۔
انہیں چلتے چلتے تھکنے لگتے ہیں۔ اُس دن صبح
کو بھی وہ تھکنے لگے۔ انہوں نے سادے سیاہ ہمارے کدھے
رہا تو رک لیا۔ کچھ دور چلتے کے بعد ہم نے اُنہی ہی سادے
سیاہ اُن سے کہا کہ—”بالا صاحب! آپ کو اب چلتے میں لکڑی
مکمل کرنی چاہئے، اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔“ انہوں نے
مکمل ہی ایک دم اپنا ہاتھ ہمارے کدھے پر سے ہٹا لیا اور کہنے
کہ—”میں نے لگ بھگ تیس برس جوانی کے دنوں میں
نوبتہ چھٹی ہاتھ میں رکھی ہے۔ اب میں طے کر چکا ہوں کہ
اسی چیز کا سہارا لے کر نہ چلوں گا۔“ سچ مچ اُن دکھیوں کی
دیوا کرتے ہیں بالا صاحب اپنے تھامبوسس کو بھول جاتے ہیں۔

بات بات میں بالا صاحب نے ہم سے یہ بھی کہا—
”سندھ لال جی! میں اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ جتنے
مال میں نے چیف منسٹری کی وہ سال میں لے گئے۔ ہم لوگوں
نے لئے کام تو یہ ہے۔“ ہم نے سنا ہے کہ پچھلے دنوں بالا صاحب
و سرکار کی طرف سے کسی پردیش کی گورنری آفر کی گئی
ہی، انہوں نے اس کام کو ہاتھ میں لے لینے کے کارن اُس سے
نکار کر دیا۔ کانگریس سنگتوں کی ذمہ داری بھی اُن پر ڈالنے
کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اُس سے بھی انکار کر دیا۔ حال
میں ہندی کمیشن کی صدارت انہوں نے اپنے پرانے ساتھیوں کے
بہت مدد کرنے پر اور اُس طرح کی صاف شرطوں پر منظور
کر لی ہے کہ جن سے اُن کے اس دیوا کام میں فرق نہ پڑے۔

بالا صاحب بمبئی کے اپنے اس سارے پوراگرام کو ایک
طرح کا ”پریشرمالے“ قائم کرنا کہتے ہیں۔ ”پریشرمالے“ نام
انہیں ونو باجی نے سجایا ہے۔ پریشرمالے کا اوتھ ہے ”مشقت
خانہ“۔

الہ آباد کے ایک سچین جو لگ بھگ پینتیس برس سے
بمبئی میں وہ کم مزدوروں اور غریبوں کی دیوا کر رہے ہیں ہم سے
کہتے تھے کہ کم یا ادھک اس طرح کی بستی بمبئی میں یہ
ایک ہی نہیں ہے۔ بالا صاحب اور اُن کے ساتھی اس بات کو
بھی جانتے ہیں کہ اس طرح کے پریشرمالوں کی بھارت بھر
میں جگہ جگہ ضرورت ہے۔ اُن کی یوجنا بہت بڑی ہے۔ وہ
اس طرح کے ستر ہزار پریشرمالے بھارت بھر میں کھول دینا چاہتے
ہیں، یعنی ہر دس گلوں پچھلے ایک ناکہ دیش سے بے روز
گاری اور بیک منگاپن مٹ سکے۔ بمبئی کے اُس پانس کی کچھ
جگہوں سے لوگوں نے اُنہیں بلانا بھی شروع کر دیا ہے۔ بہتوں
نے مدد کا وعدہ بھی کیا ہے ہماری دل سے اچھا ہے کہ بالا صاحب
کی یہ مہم کاشا پوری ہو۔

लेखक—स्व. डा. हरि प्रसाद देसाई

लेखक—سرگندہ ڈاکٹر ہری پرساد دیسائی

अनुवादक—श्री गुनवंत मेहता

انواندک—شوری گنونت مهتا

पहला दिन

پہلا دن

विस्तर में आधी जागृति और आधी नींद में आलसी अवस्था में पड़े रहने से कुछ फायदा नहीं; जागते ही कौरव छठ बैठो! हमारा सबसे बड़ा जिस्मानी दुश्मन आलस्य (काहिली) है।

بستر میں آدھی جاگرتی اور آدھی نیند میں آنسی اوستھا میں پڑے رہنے سے کچھ فائدہ نہیں؛ جاگتے ہی فوراً اٹھ بیٹھو! ہمارا سب سے بڑا جسمانی دشمن آلسیہ (کاہلی) ہے۔

تھیں-دیل سے इस्तजा करो कि 'सब इन्सानों की तरफ़्ती हो! सचवाई के राहगीरों को हे भगवान! ताक़त दो कि वे क्यादा हिम्मत और मेहनत से कार्य करते रहें और वे इन्द्रियों के विकारों के गुलाम न बनकर साबित क़दक रहें!'

تہ دل سے التجا کرو کہ 'سب انسانوں کی ترقی ہو! سچائی کے راہیگروں کو ہے بھگوان! طاقت دو کہ وہ زیادہ محنت اور ہمت سے کاریہ کرتے رہیں اور وہ اندریوں کے وکاروں کے ظلم نہ بنکر ثابت قدم رہیں!'

फिर अपने इष्ट देवता का सुमिरन करो, ध्यान धरो, सच्चे भक्ति भाव से भगवान से प्रार्थना करो कि, 'हे भगवान! आज के दिन तक क़स्मे के क़ाबिल काम न करके और न करने के काम करके मैंने जो जो पाप किये हैं, उन सबको माफ़ करो!' [इस अवसर पर ऐसे कामों की जाँच-पड़ताल भी करो और जितने याद आयें उन सबको भगवान के सामने निवेदन करो.]

پھر اپنے ایشٹ دیوتا کا سمرن کرو، دھیان دھرو، سچے بھکتی بھاؤ سے بھگوان سے پراتھنا کرو کہ، 'ہے بھگوان! آج کے دن تک کرنے کے قابل کام نہ کر کے اور نہ کرنے کے کام کر کے میں نے جو جو پاپ کئے ہیں، ان سب کو معاف کرو!' [اس اوسر پر ایسے کاموں کی جانچ پڑتال بھی کرو اور جتنے یاد آئیں ان سب کو بھگوان کے سامنے نویدن کرو.]

इतना करने से मन की एकाग्रता बढ़ेगी, आत्म परीक्षा करना आएगा, हृदय पवित्र होगा और उच्च जीवन के लिये आग्रह बँधेगा. इसका मतलब यह नहीं कि तुम सारे दिन गंभीर और भारी बने हुए फिरा करो. मासूम हँसी-बिस्लगी में वक्त गुज़ारना तो जीवन विकास में निहायत जरूरी है.

اتنا کرنے سے من کی ایکاگرتا بڑھیکی، آتم پریشکا کرنا آئیگا، ہر دے پوتر ہوگا اور اُدچ جہوں کے لئے آکرہ بندھے گا. اسکا مطلب یہ نہیں کہ تم سارے دن گمبھیر اور بھاری بنے ہوئے پھرا کرو. معصوم ہنسی دالمگی میں وقت گزارنا تو جہوں کے وکس میں نہایت ضروری ہے.

सिर्फ़ हैवान के माफ़िक न रहकर मानव जीवन का मुकम्मिल विकास करके, उच्च जीवन हासिल करने का आज से ही पूरा इरादा करलो. इस बात को गाँठ में बांध लेने की खास जरूरत है.

صرف حیوان کے موافق نہ رہ کر مانو جیون کا مکمل وکس کر کے، اُدچ جہوں حاصل کرنے کا آج سے ہی پورا ارادہ کرلو. اس بات کو گانٹہ میں باندھ لینے کی خاص ضرورت ہے.

हातुन करते वक्त और नहाते समय भी पाक-साफ़ विचार बराबर जारी रहने दो. पक्का इरादा करो कि, 'मेरी जिस्मानी गंदगी के साथ-साथ मेरी दिली गंदगी भी दूर हो!'

دائین کرتے وقت اور نہاتے سمٹہ بھی پاک صاف وچار برابری جانی رہنے دو. پکا ارادہ کرو کہ، 'میری جسمانی گندگی کے ساتھ ساتھ میری دلی گندگی بھی دور ہو!'

भोजन करते समय भी यह बात ध्यान में रहे कि खुराक केवल जिस्म की परवरिश के लिये और सेहत के लिये है, सिर्फ़ खानी खाए के लिये नहीं है. भूखद बनकर

بوجن کرتے سمٹہ بھی یہ بات دھیان میں رہے کہ خوراک کھول جسم کی پرورش کے لئے اور صحت کے لئے ہے، صرف زبانی سواد کے لئے نہیں ہے. بھوک بنکر

कभी मत खाना. पेट में जितनी भूक लगी हो उससे ज़रा कम खाना. खाने के बाद अचेतन-सा बन जाना कि जिससे तुरन्त काम न हो सके; ऐसी स्थिति लज्जास्पद है.

भगवान का उपकार मानना कि, जब हज़ारों इन्सान के पूरे पेट भी नहीं पलते तब उन्हें भोजन मिलता है. भोजन के समय इरादा करना कि, 'खुराक बराबर हज़म हो जाओ और जिस्म अपने फर्ज अदा करो और रूहानी नीयतों के रास आओ! बुरे विकार या मनहूस विचार पैदा न हो!'

खाने के बाद फिर आत्म परीक्षा करो, चारित्र में बसे हुए ऐबों का खयाल करो. ऐब कितना मनहूस करने वाले है, यह सोचते रहो. उनमें से मिलता हुआ सुख कितना क्षणिक है, इस बात का चिंतन करो!

आईदा ऐसे ऐबों के मातहत न हाने का मजबूत इरादा करो.

ऐसे आत्म निरीक्षण से भगवान, जो कि तुम्हारे ही अंतर में न्यायाधीश की सूरत में बैठा है, उनसे अपनी चाल-ढाल का न्याय कराने से तुम्हारी कल्पना से भी ज़्यादा रूहानी तरक्की होने लगेगी.

सारे दिन चलते-फिरते, काम करते करते, जब समय मिले तब आज के बारे में विचार शुद्धि की क्रिया जारी रखो.

शाम के वक्त सैर या मर्दानगी भरे खेल कूद में रहो. पाबंदी और व्यायाम से बदन को चंगा और हट्टाकट्टा करो. तमाम धम अदा किये जा सकने के बल पर पहिले-पहल बदन तो तंदुरुस्त होना ही चाहिये.

दुनिया भर के तमाम मंदिरों में देह जैसा चमत्कारक व आलीशान मंदिर दूसरा एक भी नहीं है.

सो जाने से पहले प्रातःकाल के माफ़िक फिर प्रार्थना करो. सारे दिन में तुमने जो कुछ किया हो, उन सबकी अंतर्धामी की गवाही में तीन दफा तलाश करो. विचारों में किये गये कुछ पापों को ढूँढ़ निकालो. क्रोध, राग, द्वेष, ईर्ष्या, असत्य, व्यभिचार, लोभ या मोह का गोया अनजाने में संग हुआ हो, समय का दुरुपयोग किया हो इत्यादि को खबरदार पहरेगीर की तरह जाँचो, बार बार तलाश करो या तो डायरी में सविस्तार लिख डालो. वह पढ़ जाओ. क्रसूर और गुनाहों के लिये परचाताप करा [तोबा करी] भगवान से क्षमा माँगो और 'फिर ऐसे विचारों से या कर्मों से दोष नहीं करूँगा' ऐसा मन में ठानो.

'कल से ही मैं आज से ज़्यादा नेक बनूँगा' ऐसा इरादा करने के बाद सो जाओ.

कभी मत खाना. पेट में जितनी भूक लगी हो उससे ज़रा कम खाना. खाने के बाद अचेतन-सा बन जाना कि जिससे तुरन्त काम न हो सके; ऐसी स्थिति लज्जास्पद है.

भगवान का उपकार मानना कि, जब हज़ारों इन्सान के पूरे पेट भी नहीं पलते तब उन्हें भोजन मिलता है. भोजन के लिये इरादा करना कि, 'खुराक बराबर हज़म हो जाओ और जिस्म अपने फर्ज अदा करो और रूहानी नीयतों के रास आओ! बुरे विकार या मनहूस विचार पैदा न हो!'

खाने के बाद फिर आत्म परीक्षा करो, चारित्र में बसे हुए ऐबों का खयाल करो. ऐब कितना मनहूस करने वाले है, यह सोचते रहो. उनमें से मिलता हुआ सुख कितना क्षणिक है, इस बात का चिंतन करो!

आईदा ऐसे ऐबों के मातहत न हाने का मजबूत इरादा करो.

ऐसे आत्म निरीक्षण से भगवान, जो कि तुम्हारे ही अंतर में न्यायाधीश की सूरत में बैठा है, उनसे अपनी चाल-ढाल का न्याय कराने से तुम्हारी कल्पना से भी ज़्यादा रूहानी तरक्की होने लगेगी.

सारे दिन चलते-फिरते, काम करते करते, जब समय मिले तब आज के बारे में विचार शुद्धि की क्रिया जारी रखो.

शाम के वक्त सैर या मर्दानगी भरे खेल कूद में रहो. पाबंदी और व्यायाम से बदन को चंगा और हट्टाकट्टा करो. तमाम धम अदा किये जा सकने के बल पर पहिले-पहल बदन तो तंदुरुस्त होना ही चाहिये.

दुनिया भर के तमाम मंदिरों में देह जैसा चमत्कारक व आलीशान मंदिर दूसरा एक भी नहीं है.

सो जाने से पहले प्रातःकाल के माफ़िक फिर प्रार्थना करो. सारे दिन में तुमने जो कुछ किया हो, उन सबकी अंतर्धामी की गवाही में तीन दफा तलाश करो. विचारों में किये गये कुछ पापों को ढूँढ़ निकालो. क्रोध, राग, द्वेष, ईर्ष्या, असत्य, व्यभिचार, लोभ या मोह का गोया अनजाने में संग हुआ हो, समय का दुरुपयोग किया हो इत्यादि को खबरदार पहरेगीर की तरह जाँचो, बार बार तलाश करो या तो डायरी में सविस्तार लिख डालो. वह पढ़ जाओ. क्रसूर और गुनाहों के लिये परचाताप करा [तोबा करी] भगवान से क्षमा माँगो और 'फिर ऐसे विचारों से या कर्मों से दोष नहीं करूँगा' ऐसा मन में ठानो.

'कल से ही मैं आज से ज़्यादा नेक बनूँगा' ऐसा इरादा करने के बाद सो जाओ.

آتم پریکشا، آتم ستمان اور آتم विश्वास
जिन्हों ने पाये हैं, वे सब अपने देह रूपी राज्य के बादशाह
हैं. प्रथम अपने आप पर स्वराज्य हासिल करो.

آتم پریکشا، آتم ستمان اور آتم وشواس جنہوں نے پائے ہیں،
وہ سب دیہہ روپی راجیہ کے بادشاہ ہیں۔ پرتم اپنے آپ پر
سوراجیہ حاصل کرو۔



दूसरा दिन

‘टाईम-टेबुल’ यानी समय-पत्रक तैयार करो और
बा-पाबंदी उसका पालन करो. व्यायाम, पढ़ाई, कर्तव्य-कर्म,
आराम और नींद के लिये समय को बराबर बाँट कर
मुक़र्रर कर दो. इस युग के आज्ञा व उम्दा व्रत-नियम टाईम-
टेबुल के अनुसार चलने में हैं।

शरीर को साफ़ रखो. हर रोज़ दंत मंजन के साथ दातुन
करो. ख़ूब कुल्ले करो. दो दफ़ा स्नान करो. वस्त्र बहुत ही
साफ़ सुथरे रखो.

अपना कमरा साफ़ और सुन्दर बनाओ. सारा घर
भगवान के मंदिर जैसा साफ़, सुशोभित और सुन्दर रहना
चाहिये. पाख़ाने में बदबू न रहे, नालियां साफ़ रहें और
घर-आंगन व गलियां साफ़ व आकर्षक (दिलकश) बनना
चाहिये. गंदगी की वजह से मानो भगवान आजकल हमसे
रूठ गये हैं. जब स्वच्छता, शांभा, सौंदर्य, फूल व पेड़ और
धूप-दीप से हमारे घर-आंगन पवित्र बनेंगे तब रूठे हुए
भगवान मन जायेंगे. फिर जहाँ चौबीस घंटों तक ख़ुद
भगवान विराजमान होने वाले हैं तब तो वहाँ हमें अपनी
गलियाँ, आंगन, घर का हर एक कमरा साफ़, सुन्दर और
दिलकश बनाना चाहिये. महा पुरुषों की, देवों की और
सृष्टि-सौंदर्य के नजारों की प्रेरक तस्वीरें घर के हर कमरे
में लगा दो. अपनी शक्ति के अनुसार पुस्तकालय रखो. चुनी
हुई बढ़िया पुस्तकों की पढ़ाई, इस युग में गुरुओं की
रहनुमाई के बराबर है. अच्छे अख़बार, महावारी पर्व
और सामयिक पढ़ते रहो. मित्रों के साथ का समय ज्ञान
चर्चा में बिताओ. हमारी आत्मोन्नति हां, ऐसी एकाध गंभीर
पुस्तक भी मननपूर्वक पढ़ते रहो.

और बाद में पढ़े हुए पर ख़ूब सोच-विचार करो. सिर्फ़
पढ़ा हुआ याद रखने से कुछ नहीं होने का. श्रवण और
पाठन के मानी जो जो सुना और पढ़ा हुआ हो, हर एक
के बारे में मनन और लगातार चिंतन करने की बहुत
ज़रूरत है. मनन के मानी हैं गहरा सोचने की आदत.
पुस्तकों में जो कुछ भी हो, वह सब सही ही हो, ऐसा मान
लेना नहीं चाहिये. हर एक राय पर हम अपने स्वतंत्र निजी
विचार करके जीवन के और देश के महान प्रश्नों के बारे में
हमें अपने सिद्धान्त रचने चाहियें.

دوسرا دن

ٹائم ٹیبل یعنی سٹم پٹرک تیار کرو اور با پابندی
اسکالین کرو. ویایام، پڑھائی، کرتوبہ کرم، آرام اور نیند کے لیٹے
سٹم کو برابر بانٹ کر مقرر کردو. اس یگ کے اعلیٰ و عدہ
ورت نیم ٹائم ٹیبل کے انوسار چلنے میں ہیں.

شریر کو صاف رکھو. ہر روز دنت منجن کے ساتھ داتون کرو.
خوب فلی کرو. دو دفعہ اسنان کرو. وستر بہت ہی صاف
ستھرے رکھو.

اپنا کمرہ صاف اور سندر بنائو. سارا گھر بھکوان کے مندر
جیسا صاف، سرشوبہت اور سندر رہنا چاہیئے. پادانہ میں بدبو
نہ رہے، نا لیاں صاف رہیں اور گھر آنکھن دگلیاں صاف و آکرشک
(دلکش) بننا چاہیئے. گندگی کی وجہ سے مانو بھکوان
آجکل ہم سے روٹے گئے ہیں. جب سوچھتا، شوپھا،
سوندریہ، پھول و پھڑ اور دھوپ دیپ سے ہمارے گھر آنکھن
پوتر بنوگے تب رونے ہوئے بھکوان من جانگیئے. پھر جہاں
چوبیس گھنٹوں تک خود بھکوان دراجمان ہونے والے ہیں تب
تو یہاں ہمیں اپنی گلیاں، آنکھن، گھر کا ہر ایک کمرہ
صاف، سندر اور دلکش بنانا چاہیئے. مہاپرشوں کی، دیوں
کی اور سرشت سوندریہ کے نظاروں کی پریک تصویریں گھر کے
ہر کمرے میں لگادو. اپنی شکتی کے انوسار پسکالیہ رکھو.
چنی ہوئی بڑھیا پستکوں کی پڑھائی. اس یگ میں گروہ
کی رہنمائی کے برابر ہے. اچھے اخبار، ماہواری پرچے اور
سامک پڑھتے رہو. متروں کے ساتھ کا سمہ گلیاں چرچا میں
بتاؤ. ہماری آتمونتی ہو، ایسی ایک آدہ گمبھیر پستک بھی
منن پرورک پڑھتے رہو.

اور بعد میں پڑھے ہوئے پر خوب سوچ وچار کرو. صرف
پڑھا ہوا یاد رکھنے سے کچھ نہیں ہونے کا. شروں اور پائین کے
معنی جو جو سنا اور پڑھا ہوا ہو، ہر ایک کے بارے میں منن اور
لگاتار چنتن کرنے کی بہت ضرورت ہے. منن کے معنی ہیں گہرا
سوچنے کی عادت. پستکوں میں جو کچھ بھی ہو، وہ سب
سہی ہی ہو، ایسا مان لینا نہیں چاہیئے. ہر ایک رائے پر ہم اپنے
سوئلتر تجوی وچار کر کے چٹون کے اور دیہ کے مہان پرشنوں کے
بارے میں ہمیں اپنے سدھانت رچنے چاہیئے.

एकान्त में अपने मन के साथ अकेला रहने की आवृत्त बालो. तुम्हारे सिवा तुम्हारा अपना उद्धार और कोई नहीं कर सकेगा, इस भावना को हृदय में क्रायम करो. राहु या शनि की ग्रहदशा तुम्हारी राह का रोड़ा नहीं बनती. अपना मित्र या दुश्मन तुम अपने आप ही हो. जैसे विचार तुम करोगे वैसे बनोगे. कामनाएँ नेक करोगे तो नेक बनोगे और जैसे कर्म करोगे वैसे फल पाओगे. क्रिस्मत के हामी न बनो, पुरुषार्थ के हामी बनो. स्वार्थ के लिये नहीं, बल्कि ज्ञान की खातिर आत्मज्ञान हासिल करना चाहिये. ज्ञान के लिये प्रीति होनी चाहिये. सच्चा ज्ञान दिखावे के लिये नहीं बरन् हमारे अपने विकास के लिये है. ज्ञान से हम में लियाकत तो आती है पर जो जो कर्म संसार में करने का है, हर एक को आला तरीके से कर सकते हैं, लेकिन सच्चा फल आत्मोन्नति है. इससे विवेक वृत्ति बढ़ती है, तसल्ली होती है और आत्मा-परमात्मा के दर्शन होते हैं.

ज्ञानी या भक्त संसार के लिये ना-क्राबिल हो जाता है, यह बात गलत है. सच्चा ज्ञानी या सच्चा भक्त तो संसार के लिये ज्यादा शक्तिवान और ज्यादा क्राबिल बनता है.

हमारे अन्दर बसे हुए हमारे अंतर्धामी प्रभु ही प्रेम, सत्य, न्याय, दया, और शक्ति का स्वरूप हैं. उस पर ही हमें हर वृम अपना प्रेम रखना चाहिये, उस पर पहाड़ की नाई अविचल श्रद्धा होनी चाहिये. सच्चा विश्वास भी हम उसका ही रख सकेंगे. जब जगत हमारा त्याग करेगा तब उसकी ही शरण हमारे काम आनेवाली है. वह हमारे हाथ-पैरों से और श्वासोच्छ्वास से भी नजदीक है और हमेशा हम को सन्मार्ग पर चलने की हिदायत करता है. उसकी धीमी कोमल आवाज को पहचानो.

हमेशा वह हमारे साथ बोलता रहता है, लेकिन खास तौर पर जब हम कुछ खोटा काम करने को पाप के मार्ग की ओर अग्रसर होने के लिये आमादा होते हैं तब तो वह हमको अवश्य रोकता है. जब बुद्धि सारासार वस्तु नहीं समझ सकती, तब अंतर्धामी के हुक्म के मुताबिक चलना श्रेयस्कर है.

एक ही बार तुम उस आवाज को अगर इच्छत करोगे तो बार बार वह तुम्हारी मदद के लिये दौड़कर खड़ी रहेगी और अधिक से अधिक स्पष्ट बनती जायेगी. लेकिन सुनते हुए भी अगर तुमने अनसुनी कर दी, एक, दो, या तीन बार उस मधुर नाद को ठुकरा कर तुम पाप-मार्ग पर जाओगे तो फिर न रहेगा बांस और न बजेगी बांसुरी. फिर वह कल्याणकारी आवाज तुम को नहीं सुनाई देगी. कान हांते हुए भी तुम बहरे हो जाओगे और आहिस्ता आहिस्ता पतन

अिकान्त में अपने मन के साथ अकेला रहने की आवृत्त. तुम्हारे सिवा तुम्हारा अपना उद्धार और कोई नहीं कर सकेगा, इस भावना को हृदय में क्रायम करो. राहु या शनि की ग्रहदशा तुम्हारी राह का रोड़ा नहीं बनती. अपना मित्र या दुश्मन तुम अपने आप ही हो. जैसे विचार तुम करोगे वैसे बनोगे. कामनाएँ नेक करोगे तो नेक बनोगे और जैसे कर्म करोगे वैसे फल पाओगे. क्रिस्मत के हामी न बनो, पुरुषार्थ के हामी बनो. स्वार्थ के लिये नहीं, बल्कि ज्ञान की खातिर आत्मज्ञान हासिल करना चाहिये. ज्ञान के लिये प्रीति होनी चाहिये. सच्चा ज्ञान दिखावे के लिये नहीं बरन् हमारे अपने विकास के लिये है. ज्ञान से हम में लियाकत तो आती है पर जो जो कर्म संसार में करने का है, हर एक को आला तरीके से कर सकते हैं, लेकिन सच्चा फल आत्मोन्नति है. इससे विवेक वृत्ति बढ़ती है, तसल्ली होती है और आत्मा-परमात्मा के दर्शन होते हैं.

गिानी या भक्त संसार के लिये नाताबल होजाना है, ये बात غلط है. सच्चा गिानी या सच्चा भक्त तो संसार के लिये ज्यादा शक्तिमान और ज्यादा ताबल बनता है.

हमारे अन्दर बसे हुए हमारे अंतर्धामी प्रभु ही प्रेम, सत्य, न्याय, दया, और शक्ति का स्वरूप हैं. उस पर ही हमें हर वृम अपना प्रेम रखना चाहिये, उस पर पहाड़ की नाई अविचल श्रद्धा होनी चाहिये. सच्चा विश्वास भी हम उसका ही रख सकेंगे. जब जगत हमारा त्याग करेगा तब उसकी ही शरण हमारे काम आनेवाली है. वह हमारे हाथ-पैरों से और श्वासोच्छ्वास से भी नजदीक है और हमेशा हम को सन्मार्ग पर चलने की हिदायत करता है. उसकी धीमी कोमल आवाज को पहचानो.

हमेशा वह हमारे साथ बोलता रहता है, लेकिन खास तौर पर जब हम कुछ खोटा काम करने को पाप के मार्ग की ओर अग्रसर होने के लिये आमादा होते हैं तब तो वह हमको अवश्य रोकता है. जब बुद्धि सारासार वस्तु नहीं समझ सकती, तब अंतर्धामी के हुक्म के मुताबिक चलना श्रेयस्कर है.

एक ही बार तुम उस आवाज को अगर इच्छत करोगे तो बार बार वह तुम्हारी मदद के लिये दौड़कर खड़ी रहेगी और अधिक से अधिक स्पष्ट बनती जायेगी. लेकिन सुनते हुए भी अगर तुमने अनसुनी कर दी, एक, दो, या तीन बार उस मधुर नाद को ठुकरा कर तुम पाप-मार्ग पर जाओगे तो फिर न रहेगा बांस और न बजेगी बांसुरी. फिर वह कल्याणकारी आवाज तुम को नहीं सुनाई देगी. कान हांते हुए भी तुम बहरे हो जाओगे और आहिस्ता आहिस्ता पतन

کی راہ میں پھسل جاؤ گے ! پاپ کے آلودہ بنے ہوئے کلمے ہی آدمیوں نے انٹر یامی کے اس ناد کو ٹھکرا دیا ہے ۔ ویسی دردناک تمہاری نہ ہو !

جنت اور جہنم دونوں اس پرتھوی پر ہی ہیں ۔ جہنم نے انٹر یامی کے ناد کو ٹھکرایا ہے اور جو سچی سچا چاری جہنم گزارتے ہیں وہ جیتے جی جہنم میں ہیں ۔ وہ کسی نہ کسی دن ضرور پچھتاؤں کے اور اس پچھتاؤں کی آگ ان کی نس میں سما جائیگی ۔ ” اوہ ! مجھے زہر لے سائیں نے تس لیا ! “ ایسا انکو محسوس ہوگا ۔ آخر کار وہ پچھتاؤں کی آگ سے شدہ ہو کر اس انٹر یامی کی شرر دہندہ کی تو ضرور — تو دین دیا ہو ، کرونا ساگر ہے ، پت پان ہے — وہ پھر تمہیں سنگارگ ہو چڑھا دیگا اور پہلے کی بیانی کی آواز سنائے گا ۔

جو انٹر یامی کا ناد سنتے ہیں اور اُسے انو سار چلتے ہیں وہ جیتے جی جنت میں ہیں ۔ جیسا کہ گویوں کو شری کرشن کی مدھو ہنسی سنکر ہونا تھا ویسا ہی سکھ ہمیشہ انکو ملتا ہے ۔

” یسونا پر بچ رہی بانسوریا “ وہ صبر سنتوش نہ رالا ہے ۔

جنت اور جہنم دونوں اس پرتھوی پر ہی ہیں ۔ جہنم نے انٹر یامی کے ناد کو ٹھکرایا ہے اور جو سچی سچا چاری جہنم گزارتے ہیں وہ جیتے جی جہنم میں ہیں ۔ وہ کسی نہ کسی دن ضرور پچھتاؤں کے اور اس پچھتاؤں کی آگ ان کی نس میں سما جائیگی ۔ ” اوہ ! مجھے زہر لے سائیں نے تس لیا ! “ ایسا انکو محسوس ہوگا ۔ آخر کار وہ پچھتاؤں کی آگ سے شدہ ہو کر اس انٹر یامی کی شرر دہندہ کی تو ضرور — تو دین دیا ہو ، کرونا ساگر ہے ، پت پان ہے — وہ پھر تمہیں سنگارگ ہو چڑھا دیگا اور پہلے کی بیانی کی آواز سنائے گا ۔

جو انٹر یامی کا ناد سنتے ہیں اور اُسے انو سار چلتے ہیں وہ جیتے جی جنت میں ہیں ۔ جیسا کہ گویوں کو شری کرشن کی مدھو ہنسی سنکر ہونا تھا ویسا ہی سکھ ہمیشہ انکو ملتا ہے ۔

” یسونا پر بچ رہی بانسوریا “ وہ صبر سنتوش نہ رالا ہے ۔

میں یہ ماننا ہوں کہ انکو کوئی یوجنا اس طرح بنائی جائے جس میں کسی دیش کے کچے حال کو تو خوب کام میں لایا جائے پر وہاں کی زبردست آبادی کی رتی بھر بھی پرواہ نہ کی جائے تو وہ یوجنا نہیں ہے مذاق ہے... ہندوستان کے لئے وہی یوجنا بگدی ٹھیک ہو سکتی ہے جو یہاں کی کل کی کل آبادی سے اچھے سے اچھا کام لے اور یہاں کے کچے مال کو یہاں کے لاکھوں گلوں میں تقسیم کر دے ۔ ایسی ہی یوجنا سے ہندوستان کا سچا منت ہو سکتا ہے ۔

—مہاتما گاندھی

—مہاتما گاندھی

وشرمبہر ناتھ پانڈے

وشرمبہر ناتھ پانڈے

ورشا ریتو آتی ہے اور جلی تہی دھرتی کو نئی زندگی میں شراہور کر جاتی ہے۔ انسان ہی نہیں پشو، پکٹی پیڑ اور پردھ، نہن کے ستائے ہوئے سبھی ہرسات کی پھوہاروں میں چین کی سانس لینے لگتے ہیں۔ ہمارے دیش میں ورشا رت کو 'ورشا منگل' کا نام دیا گیا ہے۔ مہا کوئی والیک، کوئی گرو کانیداس، کوئی بھکت تلسی داس اور کوئی سمرات رویندر ناتھ سب نے ورشا کو اپنی کویتاؤں کے تالے تالے میں بنا دیا ہے۔ کھڑی بولی کے آدمی کو بھارتیندو باہو ہریشچندر 'سارن من بھاون' میں اپنے آپ کو بھولنے کا اُپدیش دیتے ہیں۔ ہندی اور اُردو کوئیوں اور شاعروں کی کویتائیں اور نظمیں ورشا کی مدھو پھوہاروں میں رس سے پگی ہوئی لگتی ہیں۔

بھارتیندو باہو ہریشچندر سارن کے مہینے کی مادکتا کا ورنن کرتے ہوئے کہتے ہیں—

یہ سارن ماس سوعاوں ہے، من بھاون یا میں نہ شوک کرو، جمونا پہ چلو جو سبے مل کے، آگائے بچائے کے شوک ہرو۔ اور وے صرف یہیں تک نہیں رے۔ مریدادہ کے بندن لائے کر وہ نو بھونائوں سے بنتی کرتے ہیں—

ہریشچندر کی تم سوں یہی بنتی یہی پاکھیں پتی ورت ناکھیں دھرو۔

تیکا کار اور آلوچک شاید کہیں نہ یہاں کوئی کی پتی ورت سے مراد آنم سندیم سے ہے، ناس کشی سے ہے؛ مگر کیا ہونڈیوں کے تار سب کچھ بھلا دینے والے نہیں ہوتے؟ سارن کی چبڑی سے ایک سماں بندھ جا نا ہے اور شاعر کھینچ کر کاپنا کی دنہا میں سیر کرتے لگتا ہے۔

گرو دیو رویندر ناتھ نے سارن بھادوں کی اندھیری گھٹا ٹوپ راتوں کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا ہے—

ششی تارا ہیفا اندہ تامسی یامنی، کہاں آج وسمرت دھول پھرتی ساری پور کمنی؟ چمکے دیوت دامن، شونہ پڑیں ہیں ساری شیا، کہاں گئیں پور کمنی؟

یعنی—اندھیری گھٹی رات جس میں نہ چاند ہے نہ تارے، ایسی اس رات میں کھوئی ہوئی سی ویا کل گاؤں کی بالائیں کہاں پور رہی ہیں؟

یہ سارن ماس سوعاوں ہے، من بھاون یا میں نہ شوک کرو، جمونا پہ چلو جو سبے مل کے، آگائے بچائے کے شوک ہرو۔ اور وے صرف یہیں تک نہیں رے۔ مریدادہ کے بندن لائے کر وہ نو بھونائوں سے بنتی کرتے ہیں—

ہریشچندر کی تم سوں یہی بنتی یہی پاکھیں پتی ورت ناکھیں دھرو۔

تیکا کار اور آلوچک شاید کہیں نہ یہاں کوئی کی پتی ورت سے مراد آنم سندیم سے ہے، ناس کشی سے ہے؛ مگر کیا ہونڈیوں کے تار سب کچھ بھلا دینے والے نہیں ہوتے؟ سارن کی چبڑی سے ایک سماں بندھ جا نا ہے اور شاعر کھینچ کر کاپنا کی دنہا میں سیر کرتے لگتا ہے۔

گرو دیو رویندر ناتھ نے سارن بھادوں کی اندھیری گھٹا ٹوپ راتوں کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا ہے—

ششی تارا ہیفا اندہ تامسی یامنی، کہاں آج وسمرت دھول پھرتی ساری پور کمنی؟ چمکے دیوت دامن، شونہ پڑیں ہیں ساری شیا، کہاں گئیں پور کمنی؟

बिजली प्रकाश के साथ चमक रही है,
सेवें सूनी पड़ी हैं, और यह प्राम वधुयें गईं कहीं ?
संस्कृत के कवियों ने ऐसी भयंकर बरसाती रात में इन
पुर कामिनियों को कड़कती हुई बिजलियों, गरजते हुए
बादलों और बरसती हुई मूसलाधारों के बीच भी अपने
प्रियतमों से अभिसार के लिये घरों से निकाला है.

गुरुदेव रबीन्द्रनाथ अपनी एक कविता में कहते हैं—

बर्षा आई है, नई बर्षा !

बर्षा क्या है ? रस में पगी हुई मोहब्बत है.

बन और बारां में सन-सन पवन बह रहा है.

आज पेड़ और लताएँ सबने हरियाली की चादरें ओढ़ ली हैं.

हे कवि ! यह बादल हज्जारों-हज्जारों युगों से आकाश में

इसी तरह आते हैं और छाते हैं.

हवाएँ नशे में भूम-भूम कर गुल-शोर कर रही हैं.

बर्षा क्या है ? हज्जारों हज्जारों युग का स्नेह से सना हुआ

प्रेम का एक गीत है.

बर्षा अगर वियोगी और वियोगिनों की सुधबुध हरती
है तो दूसरी ओर बर्षा का राजा सावन बहनों और बेटियों
को मैके की याद में बिलखाता है. सुसराल में बैठी हुई बहन
अपने मैके में नीम की डाल पर पड़े हुए भूलों की पेंग को
याद करती है. रह-रह कर उसका मन सलूनो के लिये
मचलता है और वह आहें भर कर कहती है—

बिरन ! मेरो सावन बीतो जाय !

दूसरी ओर एक साजन-बिहीना बर्षा को नये संदेशों
का साधन समझ कर अपने साजन को निमंत्रण देते हुए
कहती है—

आ, मिल गाएँ गीत !

नीली-नीली बदली छाई,

ठन्डी-ठन्डी वायु आई,

हल्की-हल्की बूँदें बरसें,

नैन तेरे दर्शन को तरसें,

आ, मिल गाएँ गीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

आ, हिल-मिल कर भूला भूलें,

जग के सारे संकट भूलें,

सैर करें हम प्रेमनगर की,

आजा, बरखा की यह रितु भी,

जाय न यों ही बीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

और जब इस बिनती पर भी साजन नहीं आता तो
वियोगन दुख से भर कर कहती है—

किस विध वीतेगी, उन बिन काली रात !

बिजली पल-पल छिन-छिन तड़पे,

बादल कड़-कड़, कड़-कड़, कड़के,

पानी रिमरिम-रिमरिम बरसे,

आई यौवन पर बरसात !

बिजली प्रकाश के साथ चमक रही है,

संस्कृत के कवियों ने ऐसी भयंकर बरसाती रात में इन
पुर कामिनियों को कड़कती हुई बिजलियों, गरजते हुए
बादलों और बरसती हुई मूसलाधारों के बीच भी अपने
प्रियतमों से अभिसार के लिये घरों से निकाला है.

गुरुदेव रबीन्द्रनाथ अपनी एक कविता में कहते हैं—

बर्षा आई है, नई बर्षा !

बर्षा क्या है ? रस में पगी हुई मोहब्बत है.

बन और बारां में सन-सन पवन बह रहा है.

आज पेड़ और लताएँ सबने हरियाली की चादरें ओढ़ ली हैं.

हे कवि ! यह बादल हज्जारों-हज्जारों युगों से आकाश में

इसी तरह आते हैं और छाते हैं.

हवाएँ नशे में भूम-भूम कर गुल-शोर कर रही हैं.

बर्षा क्या है ? हज्जारों हज्जारों युग का स्नेह से सना हुआ

प्रेम का एक गीत है.

बर्षा अगर वियोगी और वियोगिनों की सुधबुध हरती
है तो दूसरी ओर बर्षा का राजा सावन बहनों और बेटियों
को मैके की याद में बिलखाता है. सुसराल में बैठी हुई बहन
अपने मैके में नीम की डाल पर पड़े हुए भूलों की पेंग को
याद करती है. रह-रह कर उसका मन सलूनो के लिये
मचलता है और वह आहें भर कर कहती है—

बिरन ! मेरो सावन बीतो जाँ !

दूसरी ओर एक साजन-बिहीना बर्षा को नये संदेशों
का साधन समझ कर अपने साजन को निमंत्रण देते हुए
कहती है—

आ, मिल गाँव गीत !

नीली-नीली बदली छाई,

ठन्डी-ठन्डी वायु आई,

हल्की-हल्की बूँदें बरसें,

नैन तेरे दर्शन को तरसें,

आ, मिल गाँव गीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

आ, हिल-मिल कर भूला भूलें,

जग के सारे संकट भूलें,

सैर करें हम प्रेमनगर की,

आजा, बरखा की यह रितु भी,

जाय न यों ही बीत, साजन ! प्रीत हमारी रीत.

और जब इस बिनती पर भी साजन नहीं आता तो
वियोगन दुख से भर कर कहती है—

किस विध वीतेगी, उन बिन काली रात !

बिजली पल-पल छिन-छिन तड़पे,

बादल कड़-कड़, कड़-कड़, कड़के,

पानी रिमरिम-रिमरिम बरसे,

आई यौवन पर बरसात !

کھانا جانے کھانا گھوڑے منہ پر،
جی بھرا تا ہے رہ رہ کر،
ایسا سونا ہے ان بن گھر،
جیسے کوئی روک نہ پاوے !

ایک دوسری نایکا کا پریتم پردیس میں تو نہیں ہے،
لیکن پھر بھی اتنا نردنی ہے کہ بھری ہرسات میں اپنی پریتما
کو چھوڑ کر جانا چاہتا ہے اور وہ دم کی ماری اس سے ملت
کوئی ہے۔

پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات جیسا بھراؤ،
آج کی رات گئی کب آئے،
سن جا من کی بات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !
بھلی کر کے بادل برسے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات دھڑکا دھڑکا،
آج کی رات آؤں موری فڈکے،
جوڑ رہی ہوں ہات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !

اور اس کے پریتم کا دل بھی کھل گیا ہے کہ وہ منتیں کرے
پر بھی نہیں رکتا اور چلا جاتا ہے۔ رہ جاتی ہے دیو گن جسے
تسلی دینے والا اور کوئی نہیں سوانہ پوچھے، جسکی کوک
سن کر آہیں بھرتی ہوتی وہ کہتی ہے۔

کوک پپیہے کوک !
بادل گر جے رین آؤں،
سُنی-سُنی دُنیا مَری،
جینا مَرا ہا گیا دُہر،
آؤں لگے نا بھوک، کوک پپیہے کوک !

تو بن باسی خول کر روئے،
مَرا رونا مُکے ڈبوئے،
تَری تَرہ سے نہ لگایا،
چُک گئی مَیں چُک، کوک پپیہے کوک !
مَیں بھی اکیلے تو بھی اکیلا،
مُہ کا ساگر دُخ کا رَلا،
تَری گلے مَیں پی کا فندا،
مَری من مَیں بھوک، کوک پپیہے کوک !

اور تب وہ ہرے میں بھر کر اپنے پریتم کو پانی لکھتی
—

ہم گھڑی جی میں بٹ رہی ہے،
بٹاؤں بھیر-بھیر کے بٹا رہی ہے،
پڑوسین بھولنے کو بھولا،
بھنے-بھنے بن کو جا رہی ہے۔

کھا جائے کھا گئے منہ پر،
جی بھرا تا ہے رہ رہ کر،
ایسا سونا ہے ان بن گھر،
جیسے کوئی روک نہ پاوے !

ایک دوسری نایکا کا پریتم پردیس میں تو نہیں ہے،
لیکن پھر بھی اتنا نردنی ہے کہ بھری ہرسات میں اپنی پریتما
کو چھوڑ کر جانا چاہتا ہے اور وہ دم کی ماری اس سے ملت
کوئی ہے۔

پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات جیسا بھراؤ،
آج کی رات گئی کب آئے،
سن جا من کی بات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !
بھلی کر کے بادل برسے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
آج کی رات نکل نہیں گھر سے،
پریتم ! رہ جا آج کی رات !
آج کی رات دھڑکا دھڑکا،
آج کی رات آؤں موری فڈکے،
جوڑ رہی ہوں ہات، پریتم ! رہ جا آج کی رات !

اور اس کے پریتم کا دل بھی کھل گیا ہے کہ وہ منتیں کرے
پر بھی نہیں رکتا اور چلا جاتا ہے۔ رہ جاتی ہے دیو گن جسے
تسلی دینے والا اور کوئی نہیں سوانہ پوچھے، جسکی کوک
سن کر آہیں بھرتی ہوتی وہ کہتی ہے۔

کوک پپیہے کوک !
بادل گر جے رین آؤں،
سُنی-سُنی دُنیا مَری،
جینا مَرا ہا گیا دُہر،
آؤں لگے نا بھوک، کوک پپیہے کوک !

تو بن باسی خول کر روئے،
مَرا رونا مُکے ڈبوئے،
تَری تَرہ سے نہ لگایا،
چُک گئی مَیں چُک، کوک پپیہے کوک !
مَیں بھی اکیلے تو بھی اکیلا،
مُہ کا ساگر دُخ کا رَلا،
تَری گلے مَیں پی کا فندا،
مَری من مَیں بھوک، کوک پپیہے کوک !

اور تب وہ ہرے میں بھر کر اپنے پریتم کو پانی لکھتی
—

اُمک ایک جی میں آؤں رہی ہے،
گھٹائیں گھر گھر کے چھا رہی ہیں،
پڑوسین بھولنے کو بھولا،
گھٹے گھٹے بن کو جا رہی ہیں۔

کہیں پہ با دل برس رہے ہیں،
کہیں پہ بجلی چمک رہی ہے،
ہری-ہری ڈالیاں پہ چڑیاں،
کڑک رہی ہیں، چھک رہی ہیں۔

لگا ہے ساون دھیرا ہے بادل،
پڑا ہے مولا لگی ہیں لڑیاں،
بڑے بڑے پتنگ چل رہے ہیں،
پڑوسلیں گیت گا رہی ہیں۔

دھر پپیہ کی پی-کھاؤں،
بھرتی ہے بٹے بیٹا مومکو،
دھر نیگوڈی یہ کوئلے،
اور مہی جی جلا رہی ہیں۔

جھاؤں-جھاؤں پڑ چکا ہے پانی،
مہی دھڑے ہیں بھاؤں کی مہلیاں،
اور اس میں جا کر سہاگنیں سب،
میل لپٹا لپٹا نہا رہی ہیں۔

ہمیں نہیں چن بیلن تومہارے،
اکہلے دھر میں چل رہی ہیں۔
پھاڑ سے دین سوتا رہے ہیں،
سودھانی راتوں رات رہی ہیں۔

ہو توں توں پردیس میں اے ساجن،
میں کسے کاٹوں گی ان دینوں کو،
اے میرے پیارے تومہاری باتوں،
بھٹ کھلے جا دھوا رہی ہیں۔

اور جب اس پانی پانے کے بعد بھی ساجن نہیں آتا
اور ساون بیٹا جاتا ہے تب وہ دکھی اور کانر دیوگن اپنی
سہیلی سے کہتی ہے—

ساون بیٹا جاو سجنی، پریتم دھر نہیں آو،
کسے کاٹوں رات بیرھ کی ناگین بن-بن خواہ،
ٹنڈی ٹنڈی پوروا سنے کے بادل دیر-دیر لپٹا،
نہیں نہں بوندے تپکے اور بیجلی لہراو،

یاو پیوا کی میرے دل کو رہ-رہ کر تڑپاؤ،
ساون بیٹا جاو سجنی پریتم دھر نہیں آوے۔

مور، پپیہا، مہیگور، سارس میل کر شور مچاؤ،
ناچیں، کودیں، کریں کلویں، پھولے نہیں سناؤں،
کنج کنج میں پڑے ہیں چھوٹے مل کر سکھیاں چھوٹیں،
پتنگ بڑھائیں، تان اڑائیں اپنے من میں پھولیں،

ہنسی خوشی کی بات یہ میرے من کو اور چلائے،
ساون بیٹا جاو سجنی، پریتم دھر نہیں آوے۔

ورشا کے تار دھرتی کو چل مکن بنا رہے ہیں۔ سردھا
کی تپن تو مٹ چکی مگر دیوگن کی تپن کون

بھوکا ؟ وہ اپنے کو کوستی ہوئی کہتی ہے—

آگ لگے اس من کو آگ !
لو فیر رات بھر کی آگ،
چاروں آسروں کی آگ،
جان میری تن میں بھرا دے،
اپنی قسمت اپنے بھاگ !

کالی اور برساتی رین،
وہ بھین نیند کو ترسے نین،
جس کے ساتھ گیا سوچ چھو،
وہ کی یاد کہے اب جاگ !

جس دن سے وہ پاس نہیں ہے،
کوئی خوشی کی آس نہیں ہے،
جینے تک کی آس نہیں ہے،
جان کو ہے اب تن سے لاگ !

کون جیتے اور کس کے سہارے،
میٹھے میٹھے بول سہارے،
گیت کھاؤں وہ پیارے-پیارے،
اب وہ تان نہ اب وہ راگ !

اور تب پھر اپنے کو ملامت کرتی ہوئی کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو ڈھپ جاوے،
کون ایسے سے پریت لگائے،
کیوں اپنی کوئی دشا سنائے،
چھوڑو مہربانی کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

مگر طعنہ دیکر کہا کبھی دیوگ کے من کو شانتی ملتی ہے ؟
سونا گھر اور آداس راتیں اُسے کھائے جانی ہیں ۔ وہ کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو ڈھپ جاوے،
کون ایسے سے پریت لگائے،
کیوں اپنی کوئی دشا سنائے،
چھوڑو مہربانی کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

میں بھوکا رہا پریٹ کی ماری،
پڑ گئی سوکھ پے بیپدا ماری،
من میں سولگ رہی بھنگاری،
کون بھوکا دل کی پیاس !

آگ لگے اس من کو آگ !
لو فیر رات بھر کی آگ،
چاروں آسروں کی آگ،
جان میری تن میں بھرا دے،
اپنی قسمت اپنے بھاگ !

کالی اور برساتی رین،
وہ بھین نیند کو ترسے نین،
جس کے ساتھ گیا سوچ چھو،
وہ کی یاد کہے اب جاگ !

کون جیتے اور کس کے سہارے،
میٹھے میٹھے بول سہارے،
گیت کھاؤں وہ پیارے-پیارے،
اب وہ تان نہ اب وہ راگ !

اور تب پھر اپنے کو ملامت کرتی ہوئی کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو ڈھپ جاوے،
کون ایسے سے پریت لگائے،
کیوں اپنی کوئی دشا سنائے،
چھوڑو مہربانی کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

مگر طعنہ دیکر کہا کبھی دیوگ کے من کو شانتی ملتی ہے ؟
سونا گھر اور آداس راتیں اُسے کھائے جانی ہیں ۔ وہ کہتی ہے—

درس دیکھا کر جو ڈھپ جاوے،
کون ایسے سے پریت لگائے،
کیوں اپنی کوئی دشا سنائے،
چھوڑو مہربانی کا خدراگ !
آگ لگے اس من کو آگ !

میں بھوکا رہا پریٹ کی ماری،
پڑ گئی سوکھ پے بیپدا ماری،
من میں سولگ رہی بھنگاری،
کون بھوکا دل کی پیاس !

آگ لگے اس من کو آگ !
لو فیر رات بھر کی آگ،
چاروں آسروں کی آگ،
جان میری تن میں بھرا دے،
اپنی قسمت اپنے بھاگ !

اور اسکا پریم بھی کسے درد ہے جو سدھ ہی نہیں
لہتا ! دیدنا کی لمبی رانیں آئے بے چین کر دیتی ہیں ۔ وہ
نراہی ہو کر کہتی ہے—

سوس نوا کر چرنا رونے،
خوڑ کے उत्तम دےس۔
اسکی بینتا رامہی جانے،
جیسکا پی پردےس۔
ساہن اور پھر کالی بدلی،
بُدنیاؤں کے تار۔
ریت جگت کی پریٹ سے خالی،
سپنا ہے سنسار !

بلیوگن کے من میں ایک پرتیکریا پیدا ہوتی ہے۔ وہ
ماہی موہوبت کا خدراگ خڑکھڑ اور سونے کے سنسار کی
ماہی توڑکھڑ گولکھڑ اور بیندراہن کی سیر کرتی ہے۔ وہ
کونج بنوں اور کونج گلیوں میں ڈھونڈتی ہے۔ وہ کنبھیا کی
بسی-بھنی سوننا چاہتی ہے۔ وہ اب منشیہ نہیں، بھگوان سے پریٹ کا
رشتہ چرنا چاہتی ہے۔ مگر کنبھیا کیا سہج ملنے والا ہے ؟ آسمان تو برج
کی گوبیوں کو لا کر ملائیں کر ڈالا۔ دیوگ کے اس امتحان میں
اب یہ نئی گوبی بھی اتری ہے۔ صبح ہوئی ہے، سورج نکلتا ہے۔
شام ہوتی ہے، دن ڈھلتا ہے۔ مگر اس نئی گوبی کو بھی
کنبھیا کا پیغام نہیں ملتا—

تڑپ تڑپ کر پھر ہوئی،
پر نا آیا پیغام، کنبھیا آج چلا من گرام !
بادل گرजे بیجلی چمکے،
اٹھی غٹاؤں شام، کنبھیا آج چلا من-گرام !
آؤں میں آؤں، کسک ہر دھڑکے،
بھر آئی ہے شام، کنبھیا آج چلا من-گرام !
برسات کا موسم ہے۔ کجراہے بادل چاروں اور چھائے
ہوئے ہیں۔ انہیں آنکھ بھر کر دیکھتی ہوئی دیوگن کہتی
ہے—

غٹاؤں پیر آئی، غنچور،
ہواؤں چلتی ہیں پورشور۔
مست پپیہا، بسوڈ کوہل،
اور پاگل ہے موہ، غٹاؤں پیر آئی غنچور !
بیجلی چمکے بادل برسے،
آہن ملو چت چور، غٹاؤں پیر آئی غنچور !
آخر میں اس نئی گوبی کی تھسپا اپنا پل اتی ہے
اور بندراہن کے کنبھیا بن سے، بیونا کے تھ سے، کدھب کے
سے دیوگن کے کانوں میں چت چور کنبھیا کی بانسری کی دھن
سنائی پڑتی ہے—

برسات کا یہ موسم، یہ نیلگوں غٹاؤں،
یہ بارو بن کا آلالہ، یہ گولکھڑاؤں فیکھڑاؤں،

سوس نوا کر چرنا رونے،
خوڑ کے اتم دیس۔
اس کی چننا رام ہی جائے،
جسکا پی پردےس۔
ساہن اور پھر کالی بدلی،
بُدنیاؤں کے تار۔
ریت جگت کی پریٹ سے خالی،
سپنا ہے سنسار !

دیوگن کے من میں ایک پرتیکریا پیدا ہوتی ہے۔ وہ
ماہی موہوبت کا خدراگ خڑکھڑ اور سونے کے سنسار کی
ماہی توڑکھڑ گولکھڑ اور بیندراہن کی سیر کرتی ہے۔ وہ
کونج بنوں اور کونج گلیوں میں ڈھونڈتی ہے۔ وہ کنبھیا کی
بسی-بھنی سوننا چاہتی ہے۔ وہ اب منشیہ نہیں، بھگوان سے پریٹ کا
رشتہ چرنا چاہتی ہے۔ مگر کنبھیا کیا سہج ملنے والا ہے ؟ آسمان تو برج
کی گوبیوں کو لا کر ملائیں کر ڈالا۔ دیوگ کے اس امتحان میں
اب یہ نئی گوبی بھی اتری ہے۔ صبح ہوئی ہے، سورج نکلتا ہے۔
شام ہوتی ہے، دن ڈھلتا ہے۔ مگر اس نئی گوبی کو بھی
کنبھیا کا پیغام نہیں ملتا—

تڑپ تڑپ کر پھر ہوئی،
پر نا آیا پیغام، کنبھیا آج چلا من گرام !
بادل گرजे بیجلی چمکے،
اٹھی غٹاؤں شام، کنبھیا آج چلا من-گرام !
آؤں میں آؤں، کسک ہر دھڑکے،
بھر آئی ہے شام، کنبھیا آج چلا من-گرام !
برسات کا موسم ہے۔ کجراہے بادل چاروں اور چھائے
ہوئے ہیں۔ انہیں آنکھ بھر کر دیکھتی ہوئی دیوگن کہتی
ہے—

غٹاؤں پیر آئی، غنچور،
ہواؤں چلتی ہیں پورشور۔
مست پپیہا، بسوڈ کوہل،
اور پاگل ہے موہ، غٹاؤں پیر آئی غنچور !
بیجلی چمکے بادل برسے،
آہن ملو چت چور، غٹاؤں پیر آئی غنچور !
آخر میں اس نئی گوبی کی تھسپا اپنا پل اتی ہے
اور بندراہن کے کنبھیا بن سے، بیونا کے تھ سے، کدھب کے
سے دیوگن کے کانوں میں چت چور کنبھیا کی بانسری کی دھن
سنائی پڑتی ہے—

برسات کا یہ موسم، یہ نیلگوں غٹاؤں،
یہ بارو بن کا آلالہ، یہ گولکھڑاؤں فیکھڑاؤں،

یہ رستمی ہوا ہے۔

یہ رنگ و بو کے طوفان، یہ برج کے نظارے،
یہ جلالتی خیابان، جملہ کے یہ کنارے،
یہ سو پن پیارے پیارے۔

یہ کوئلوں کی کو کو، یہ مور کی صدائیں،
یہ نازنین آہو، اور یہ غریب گانیں،
یہ نشہ گریں فضا ہیں۔

سب سے نکھر رہا ہے، راندی مہک رہی ہے،
نشہ بکھر رہا ہے، ہلبل چھک رہی ہے،
فطرت بھک رہی ہے۔

یہ کون اس سمنے میں، ہنسی ہنسا رہا ہے،
اس درجہ مست لے میں، الفت لٹا رہا ہے،
نفس بہا رہا ہے۔

شاید کوئی رشی ہے، سنیاس کی لگان میں،
شاید کوئی مونی ہے، مسرور کیرتن میں،
توحید کے بیچن میں۔

ہاں، آؤ پلس چل کر، پوچھیں کہ نام کیا ہے،
تلوں سے آنکھیں مل کر، پوچھیں کہ کام کیا ہے،
اسکا پیام کیا ہے۔

تھہرو ذرا نگاہیں، پہچانتی ہیں اُسکو،
فطرت کی جلوہ گاہیں، سب جانتی ہیں اُسکو،
اور مانتی ہیں اُسکو۔

ہاں ہاں پے ہنسی والا، چوکی نظر ہماری،
یہ برج کا گواہ، ہے نند کا مراری،
اور آرزو ہماری۔

ہنسی میں سے پریشان، نفسہ مچل رہے ہیں،
یا سینکڑوں گلستاں، کروت بدل رہے ہیں،
اور پھول اگل رہے ہیں۔

ساوین اور درشا جس طرح سے پریتما اور ویوگنوں کو ویوگ
میں ویاہل کر دیتی ہیں اسی طرح وہ نو رواہتا بدھ کو اپنے مہم
اور اپنے مل باپ کی یاد میں بھر دیتی ہیں۔ غریبوں کی اس
دنیا میں چکی کی صدا پر گاؤں کی ایک دلہن ویوگ کا
گیت گاتی ہے۔ اُس کسک بھرے ترانے کو سن کر شاعر
کہتا ہے—

سنو یہ کیسی آواز آرہی ہے،
کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے۔

سحر کے دھندلے دھندلے منظروں کو،
شراب نیمہ پلا رہی ہے۔

اُٹھی ہے شاید آٹا پیسے کو،
کہ چکی کی صدا بھی آرہی ہے۔

غموں سے چور اپنے نچے دل کو،
ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے۔

سنو یہ کیسی آواز آرہی ہے،
کوئی گاؤں کی لڑکی گا رہی ہے۔

سحر کے دھندلے دھندلے منظروں کو،
شراب نیمہ پلا رہی ہے۔

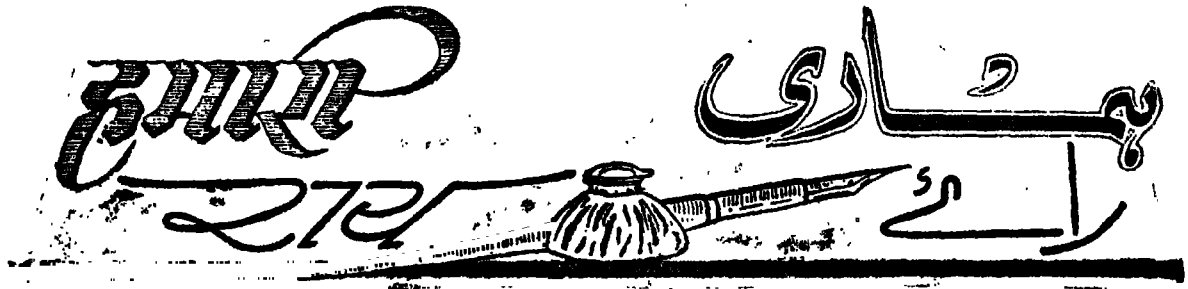
اُٹھی ہے شاید آٹا پیسے کو،
کہ چکی کی صدا بھی آرہی ہے۔

غموں سے چور اپنے نچے دل کو،
ترانہ چھیڑ کر بہلا رہی ہے۔

کھیتا پر، بستیوں پر، جنگلوں پر،
 ڈھواں دار ایک بدلتی آ رہی ہے۔
 جہاں مہم کی بوندیں پڑ رہی ہیں،
 کہ ساون کی پری کچھ گاہی ہے۔
 یہ بادل ہیں کہ ہیں ساون کے سپنے؟
 ہوا جن کو آزا کر رہی ہے۔
 یہ بجلی ہے کہ اک مر مر کی ناگن؟
 دھوئیں کے جھیل پر لہرا رہی ہے۔
 یہ بوندیں ہیں کہ بجلی آسمان سے؟
 ستارے توڑ کر برس رہی ہے۔
 مگر وہ غمزدہ معصوم لڑکی،
 برابر گھٹ گائے جا رہی ہے۔
 یہ گھر سسرال ہوگا شاید آسکا،
 جہی ماں باپ کی سدا آ رہی ہے۔
 جہی مصروف ہے آہ و فغاں میں،
 جہی غمکین لے میں گاہی ہے۔
 اور وہ گلوں کی دلہن کیا گاہی ہے؟ —
 یہ ہو گیا رت بھی بیٹی چارہی ہے!
 ہوا جو گلوں کو مہکا رہی ہے،
 مرے میکے سے شاید آ رہی ہے۔
 گھٹا کی اُردی اُردی چاندیوں سے،
 میری سبکدوش کی بو باس آ رہی ہے۔
 مجھے لینے نہ آئے اچھے بادل،
 تمہاری یاد آنت دہا رہی ہے۔
 میری اماں کو شو اسکی خبر کیا،
 کہ 'چمپا' اس جگہ ٹھہرا رہی ہے۔
 نہ لی بھینا نے بھی سدا بدھما،
 جہاں سے چاہا اُٹھتی جا رہی ہے۔
 بھلا کیونکر تمہیں آنسو نہ جی پر،
 آداسی کی بدریا چھا رہی ہے۔
 کیا پینگیں بوسانے کا زمانہ،
 وہ امریں پر کوبل گاہی ہے۔
 یونہی وہ اپنی غمکین راگنی سے،
 دیر و دیرار کو تپتا رہی ہے۔

ساون اسی طرح آتا ہے اور آتا رہے گا۔ ساون کی
 بھینا اور مائے-بھینا بھینا کو وہ یوں سے اسی پرکار تپتا رہا ہے اور
 تپتا رہے گا۔ کالیڈاس سے لے کر تلسی داس تک اور حنیظ
 جالندھری سے لے کر اندرجیت تک نئے اور پرانے شاعروں کے من
 کو وہ اسی طرح غم اور ویوگ کے ہفتے میں جھلانا رہا ہے۔
 سیتا کے ویوگ پر رامچندر جی کی ویتھا کا درنن تلسی داس
 نے بھری ہرسات کے پٹ پر کتنی مارمکتا سے کیا ہے۔
 ہرسات کوہیں اور شاعروں کو لہانی رہی ہے اور ہمیشہ لہانی

ساون اسی طرح آتا ہے اور آتا رہے گا۔ ساون کی
 بھینا اور مائے-بھینا بھینا کو وہ یوں سے اسی پرکار تپتا رہا ہے اور
 تپتا رہے گا۔ کالیڈاس سے لے کر تلسی داس تک اور حنیظ
 جالندھری سے لے کر اندرجیت تک نئے اور پرانے شاعروں کے من
 کو وہ اسی طرح غم اور ویوگ کے ہفتے میں جھلانا رہا ہے۔
 سیتا کے ویوگ پر رامچندر جی کی ویتھا کا درنن تلسی داس
 نے بھری ہرسات کے پٹ پر کتنی مارمکتا سے کیا ہے۔
 ہرسات کوہیں اور شاعروں کو لہانی رہی ہے اور ہمیشہ لہانی



ایٹمی جنگ کے خلاف سائنسدانوں کی اپیل

9 جولائی سن 55 کو جنرل اور اخباروں کے پڑتی ندھیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے لندن کے ایک محل میں انگلینڈ کے بیسی بیس کی عمر کے مشہور فلاسفر شری برٹریڈ رسل نے اپنی اور دنیا کے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کی طرف سے دنیا کی سب سے شگفتہ شالی سرکاروں کے نام ایک اعلان پڑھ کر سنایا۔ جن سائنسدانوں کے اس اعلان پر دستخط تھے ان میں سب سے بڑا نام پروفیسر آئنسٹائن کا ہے۔ پروفیسر آئنسٹائن نے 18 اپریل سن 1955 کو اپنی موت سے ٹھیک پہلے اس اعلان پر دستخط کیے تھے۔ اعلان کے خاص خاص وائے یہ ہیں:—

”ہم آپ سے اس کڑم یا اس کڑم، اس مہادیپ یا اس مہادیپ، یا اس مذہب یا اس مذہب کے آدمیوں کی حیثیت سے بات نہیں کر رہے ہیں۔ ہم سائنس کے سیکڑ ہیں اور کیوں منشروں کی حیثیت ہے، اس انسانی نسل کے لوگوں کی حیثیت سے جس کا رہنا نہ رہنا اس سے خطرے میں ہے، آپ سے بات کر رہے ہیں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی میں بڑے بڑے شہر بالکل مٹ چارینگے۔ پر یہ نہ ایک بہت چھوٹی سی درگھنا شوگی جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر لندن، نیویارک اور ماسکو کے سب لوگ ختم ہو جائیں تب بھی ہمارا سنا ہے کہ کچھ صدیوں کے اندر دنیا پر اس صدمہ سے بچنا چارے۔“

”پر خاص کر ہیکینی کے تجربہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے بموں سے جتنی دور تک ہم نے سوچ رکھا تھا اس سے اب کہیں زیادہ دور تک ذہنی پھیل سکتی ہے۔“

”سب جاننے والوں کی رای ہے اور سب ایک آواز سے کہتے ہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی سے بہت ممکن ہے کہ انسانی نسل ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔“

ایٹمی جنگ کے خلاف سائنس دانوں کی اپیل

9 جولائی سن 55 کو جنرل اور اخباروں کے پڑتی ندھیوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے لندن کے ایک محل میں انگلینڈ کے بیسی بیس کی عمر کے مشہور فلاسفر شری برٹریڈ رسل نے اپنی اور دنیا کے بڑے سے بڑے سائنسدانوں کی طرف سے دنیا کی سب سے شگفتہ شالی سرکاروں کے نام ایک اعلان پڑھ کر سنایا۔ جن سائنسدانوں کے اس اعلان پر دستخط تھے ان میں سب سے بڑا نام پروفیسر آئنسٹائن کا ہے۔ پروفیسر آئنسٹائن نے 18 اپریل سن 1955 کو اپنی موت سے ٹھیک پہلے اس اعلان پر دستخط کیے تھے۔ اعلان کے خاص خاص وائے یہ ہیں:—

”ہم آپ سے اس کڑم یا اس کڑم، اس مہادیپ یا اس مہادیپ، یا اس مذہب یا اس مذہب کے آدمیوں کی حیثیت سے بات نہیں کر رہے ہیں۔ ہم سائنس کے سیکڑ ہیں اور کیوں منشروں کی حیثیت ہے، اس انسانی نسل کے لوگوں کی حیثیت سے جس کا رہنا نہ رہنا اس سے خطرے میں ہے، آپ سے بات کر رہے ہیں۔“

”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی میں بڑے بڑے شہر بالکل مٹ چارینگے۔ پر یہ نہ ایک بہت چھوٹی سی درگھنا شوگی جس کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر لندن، نیویارک اور ماسکو کے سب لوگ ختم ہو جائیں تب بھی ہمارا سنا ہے کہ کچھ صدیوں کے اندر دنیا پر اس صدمہ سے بچنا چارے۔“

”پر خاص کر ہیکینی کے تجربہ کے بعد ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے بموں سے جتنی دور تک ہم نے سوچ رکھا تھا اس سے اب کہیں زیادہ دور تک ذہنی پھیل سکتی ہے۔“

”سب جاننے والوں کی رای ہے اور سب ایک آواز سے کہتے ہیں کہ ہائڈروجن بموں کی لڑائی سے بہت ممکن ہے کہ انسانی نسل ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔“

اس بات کا تر ہے کہ اگر بہت سے ہائڈروجن بم استعمال کئے گئے تو سب آدمی مر جائیں گے۔ ان میں سے تھوڑے سے نوراً مر کر چھوٹ جائیں گے اور باقی ادھک تر طرح طرح کی بیماریوں سے گل گل کر دھوڑے دھوڑے بڑی تکلیفوں کے ساتھ مریں گے۔ اس بارے میں جو لوگ سب سے ادھک جانکار ہیں وہی سب سے ادھک دکھی اور نراش ہیں۔

”دنیا کے عام لوگ اس بات کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے کہ وہ خود اور ان کے سب سگہ سمبندھی جنہیں وہ بھار کرتے ہیں اس خطرے میں ہیں کہ وہ سب کے سب رت رت کر بڑی تکلیفوں کے ساتھ مریں اور یہ خطرہ ان کی بالکل آنکھوں کے سامنے ہے۔“

”ہم دنیا کو آگہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ آشا کرنا کہ جنگ میں اگر ایتم بم اور ہائڈروجن بم جیسے نئے ہتھیاروں پر بندش لگادی گئی تو سمجھو کہ دنیا باقی رہ جاوے، بہت بڑا دھوکا ہے۔ یہی کسی طرح بھی ایک بار جنگ شروع ہو گئی تو اس طرح کی بندش کسی کو بھی نہیں روک سکے گی اور جنگ کے چھڑنے ہی دونوں طرف کے لوگ ہائڈروجن بم تیار کرنا شروع کر دیں گے۔“

”ہم بہت اچھی سند کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح کے بم نے ہیروشیما کے پورے شہر کو مٹا دیا تھا اس سے اب دعائی ہزار گنا ادھک شکتی والا بم تیار کیا جا سکتا ہے۔“

”اس طرح کا بم اگر کہیں بھی زمین کے اوپر یا پانی کے اندر پٹا تو ساری زمین کے اوپر کی ہوا میں اٹھتا تو ساری زمین پر ہوا کی ہوا میں اس سے ریڈیو ایکٹیو پرمانو بھر جائیں گے۔ وہاں سے پھر وہ دھوڑے دھوڑے ایک ایسی گرد یا بارش کے روپ میں زمین پر اتریں گے جو سب کو مار کر ختم کر دیگی، یہی گرد تھی جس نے جاپانی مجتہاروں اور ان کی پڑی ہوئی مجتہادوں کو سزا کر ختم کر دیا تھا۔“

”اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ ہیوشیہ کی کسی بھی جنگ میں ایتم بم اور ہائڈروجن بم جیسے ہتھیار ضرور کام میں لائے جائیں گے اور اس بات کو بھی جاننے بوجھتے ہوئے کہ اس طرح کے ہتھیاروں سے ساری انسانی نسل کے ختم ہو جانے کا تر ہے، ہم دنیا کی سرکاروں پر زور دیتے ہیں کہ وہ اس بات کو سمجھیں اور کہیں کہ کسی بھی عالم گیر جنگ سے ان کا کوئی مطلب یا ان کی کوئی غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے ہم دنیا کی سرکاروں پر زور دیتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے ساتھ جو بھی جھگڑے باقی ہیں ان سب کو حل کرنے کے لئے وہ شانتی کے طریقے ہی کام میں لائیں۔“

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

”ہم انسانوں کی حیثیت سے سب انسانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ اپنی انسانیت کو یاد رکھیں اور

بائیں سب باتیں بھول جائیے۔ اگر آپ ایسا کر سکیں تو ایک نئے سورگ کے لئے دروازہ آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو ساری انسانی نسل کی موت کا ڈر آپ کے سامنے ہے۔

”بہی صاف اور دھڑلے سے سب باتیں ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ دنیا اس سب سے بچ نہیں سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ہم انسانی نسل کو ختم کر دیں گے یا ہم مل کر جنگ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں گے؟“

پروفیسر رسل نے 9 جولائی کو لندن کے اس جلسے میں کہا کہ وہ اسی دن اوپر کے اس اعلان کی کاپیاں روس، امریکہ، چین، کینیڈا، فرانس اور انگلینڈ کی حکومتوں کے پاس بھیج چکے تھے۔

اعلان کے ساتھ ایک ایک چٹھی تھی جس میں ان سرکاروں کے مکہوں سے اور بھی زوردار شجودوں میں اپیل کی گئی تھی کہ وہ اعلان کا جواب دیں کیونکہ ”اس سے زیادہ گہرا سوال آج تک کبھی انسانی نسل کے سامنے نہیں آیا۔“

اعلان کی کاپیاں ایشیا اور یورپ سب جگہ کے بڑے بڑے سائنس دانوں کے پاس بھیجی گئی تھیں۔

پروفیسر آئنسٹائن اور پروفیسر ٹائین اور شری برٹینڈ رسل کے علاوہ دنیا کے جن اور بڑے بڑے سائنسدانوں کے اس اعلان پر دستخط تھے وہ یہ تھے:—

(1) پروفیسر پی. ڈبلیو. بریجمن، امریکا کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جنہیں فزیکس میں نوبل پرائز ملا تھا۔

(2) پروفیسر ایل. اینکلف، بارسا یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے پروفیسر آئنسٹائن کے ساتھ مل کر ”دی ایوولوشن آف موشن“ نام کی مشہور کتاب لکھی ہے۔

(3) پروفیسر جے. مائلر، جو ماسکو اور بھارت میں دونوں جگہ پروفیسر رہ چکے ہیں اور اب امریکا کی انڈیانا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے فزیکس اور میڈیسن میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(4) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(5) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(6) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(7) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

باقی سب باتیں بھول جائیے۔ اگر آپ ایسا کر سکیں تو ایک نئے سورگ کے لئے دروازہ آپ کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو ساری انسانی نسل کی موت کا ڈر آپ کے سامنے ہے۔

”بہی صاف اور دھڑلے سے سب باتیں ہم آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ دنیا اس سب سے بچ نہیں سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ہم انسانی نسل کو ختم کر دیں گے یا ہم مل کر جنگ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیں گے؟“

شری برٹینڈ رسل نے 9 جولائی کو لندن کے اس جلسے میں کہا کہ وہ اسی دن اوپر کے اس اعلان کی کاپیاں روس، امریکہ، چین، کینیڈا، فرانس اور انگلینڈ کی حکومتوں کے پاس بھیج چکے تھے۔

اعلان کے ساتھ ایک ایک چٹھی تھی جس میں ان سرکاروں کے مکہوں سے اور بھی زوردار شجودوں میں اپیل کی گئی تھی کہ وہ اعلان کا جواب دیں کیونکہ ”اس سے زیادہ گہرا سوال آج تک کبھی انسانی نسل کے سامنے نہیں آیا۔“

اعلان کی کاپیاں ایشیا اور یورپ سب جگہ کے بڑے بڑے سائنس دانوں کے پاس بھیجی گئی تھیں۔

پروفیسر آئنسٹائن اور شری برٹینڈ رسل کے علاوہ دنیا کے جن اور بڑے بڑے سائنسدانوں کے اس اعلان پر دستخط تھے وہ یہ تھے:—

(1) پروفیسر پی. ڈبلیو. بریجمن، امریکا کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جنہیں فزیکس میں نوبل پرائز ملا تھا۔

(2) پروفیسر ایل. اینکلف، بارسا یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے پروفیسر آئنسٹائن کے ساتھ مل کر ”دی ایوولوشن آف موشن“ نام کی مشہور کتاب لکھی ہے۔

(3) پروفیسر جے. مائلر، جو ماسکو اور بھارت میں دونوں جگہ پروفیسر رہ چکے ہیں اور اب امریکا کی انڈیانا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے فزیکس اور میڈیسن میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(4) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(5) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

(6) پروفیسر سی. ایف. پاول، ہارٹل یونیورسٹی کے پروفیسر، جنہوں نے فزیکس میں نوبل پرائز مل چکا ہے۔

شری ہرٹریٹ رسل نے کہا کہ ”پروفیسر فریڈرک جولیو کیوری کے دستخطوں سے مجھے خاص طور پر خوشی ہوئی کیونکہ وہ ایک مشہور کمیونسٹ ہیں۔“ پروفیسر فریڈرک جولیو کیوری ورلڈ پیس کو نسل کے یعنی دنیا بھر کی شانتی پریشد کے صدر ہیں اور دنیا سے جنگ کو ختم کرنے اور شانتی قائم کرنے کے سب سے بڑے کوشش کرنے والوں میں سے ہیں ۔

پروفیسر آئنسٹائن کے دستخطوں پر بھی خاص خوشی ظاہر کرتے ہوئے شری ہرننڈت رسل نے کہا کہ اِس اعلان پر دستخط کرنا پروفیسر آئنسٹائن کی زندگی کا سب سے آخری کام تھا اور اُنہوں نے مجھے لکھا کہ ”وہ اِس اعلان کے ایک ایک شبد سے مہمّت ہیں۔“

شری ہرٹریڈ رسل نے یہ بھی کہا کہ یہ اعلان سائنس دانوں کی طرف سے کھول پھلا قدم ہے۔ اُن کا ارادہ ہے کہ اِس کے بعد سب دیشوں اور سب قوموں کے سائنس دانوں کی ایک کانفرنس کی جارے جس میں دستخط کرنے والوں کی طرف سے اِس طرح کا پرستار پیدھ کیا جاوے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ ”اب ایک بہت بڑے پیمانے پر عام جنتا میں اِس کے لئے اُندولن کرنا اُرشیک ہے۔“ پر اِس طرح کے اُندولن کا شری گنیش وہ سائنس دانوں سے ہی کرانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ:— ”دنیا کی جنتا کی رائے کا اثر امریکہ کی سرکار پر بھی پڑا ہے اور وہ سمجھداری کی بات کرنے لگی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر امریکہ کی عام جنتا پر اتنا اچھا اثر نہ ہوتا تو پوری ایشیا کی سمسیاؤں کو حل کرنے میں امریکہ کی سرکار اب تک کچھ ایسی غلطیاں کر بیٹھی ہوتی جو برباد کن ہو تھیں۔“

ساری دنیا کے ابنِ پسند لوگوں کے ساتھ ملکر ہم سائنس دانوں کے اس اعلان اور اس اپیل کا دل سے سواگت کرتے ہیں ۔
ایک مہینوں اور ہائیڈروجن بموں کی ایجاد اور دنیا کے پڑھ لکھ اور سمجھدار سمجھے جانے والے لوگوں کا انہیں دنیا کی جنتا پر استعمال کرنے کی سوچنا اور بار بار دھمکی دینا اس بات کو دکھا رہا ہے کہ ہماری آچکل کی سہیوتا نہتک یعنی اخلاقی نگاہ سے کتنی نیچے گر چکی ہے ۔ ہمیں وشواس ہے کہ دنیا کی عام جنتا کے اندر جس آندون کی شری ہر تریڈ رسل نے چرچا کی ہے اُسے جب بھی دنیا کے سائنس دان شروع کرینگے دنیا کی جنتا اور ہمارے دیش کی جنتا اُس میں پورا پورا سہیوک دے گی ۔ دنیا کے سائنس دانوں کا یہ اعلان سائنس کے اوپر سے سب سے بڑے کلنک کو دھو دینے والا اور سائنس اور سائنس دانوں کی عزت اور اُن کی کیرتی کو سینکڑوں گنا بڑھا دینے والا ہے ۔ دنیا کی آچکل کی سب سے بڑی مصیبت میں یہ اعلان

پ্রেम और अहिंसा के उन उपदेशों की गूँज मालूम होता है जो महात्मा बुद्ध से लेकर गाँधी जी तक संसार के अनेक सच्चे मार्ग दर्शक दुनिया को देते रहे हैं। हम आशा करते हैं कि दुनिया की सरकारें साइन्सदानों की इस अपील पर पूरा पूरा ध्यान देंगी। इनसानी नसल के भले और उसकी सलामती के नाम पर हम चाहते हैं कि यह अपील पूरी तरह सफल हो।

13-7-55

—सुन्दरलाल

गोआ का सत्याग्रह और उससे सबक

आज भी दुनिया में इस तरह के लोग मौजूद हैं जो दूसरों की राजकाजी या कौमी आजादी के हक को स्वीकार नहीं करते ! कौमों की आजादी के हक के खिलाफ लड़ना आज ऐसा ही है जैसा कुदरत के अटल कानूनों से लड़ना या आधी से भिड़ना। पर तुच्छ और तात्कालिक स्वार्थ हमें अन्धा कर देता है। छोटा सा पुर्तगाल शायद इस मामले में लड़ने की हिम्मत न करता लेकिन दुनिया के साम्राजवादियों यानी दूसरों को गुलाम रखने की इच्छा रखने वालों का गुट अभी टूटा नहीं है। कुदरत के कानूनों या इतिहास की शक्तियों को कोई उलट नहीं सकता। पर पुर्तगाल के इस रुख का यह मतलब जरूर है कि अपनी अपनी और दुनिया की आजादी चाहने वालों को अभी कुछ और कुरबानियां करनी होंगी।

जाहिर है कोई भारतवासी ऐसा नहीं हो सकता जिसे गोआ के सत्याग्रह के साथ पूरी हमदर्दी न हो। उन वीरों को जो गोआ के पवित्र और शानदार सत्याग्रह में शरीक हुए हैं और हो रहे हैं, जिनमें से कुछ शहीद भी हो चुके और सैकड़ों ने अकथनीय शारीरिक और मानसिक कष्ट भेले, हम आदर के साथ नमस्कार करते हैं। पुर्तगाली शासकों ने जिस तरह के अमानुषिक अत्याचारों को इन निहत्थे और अहिंसात्मक सत्याग्रहियों पर रवा रक्खा है उनके लिये हमें पुर्तगालियों से कुछ नहीं कहना। हमें विश्वास है कि हमारे देशवासी, पुर्तगाली समझे जाने वाले इलाक़े के अन्दर के हों या उससे बाहर के, इन अत्याचारों के कारन अपने संकल्प में और भी पक्के साबित होंगे।

गोआ के सत्याग्रह में सबसे अधिक खुशी की बात यह हुई कि देश की सब पोलिटिकल पार्टियों के लोग कम्युनिस्ट, जनसंघी, प्रजा सोशलिस्ट और कांग्रेसी उसमें कंधे से कंधा मिला कर भाग लेने के लिये बेचैन हैं और ले रहे हैं। यह सुन्दर घटना दो बातें साबित करती है। एक यह कि विचारों और आदर्शों के थोड़े बहुत फरक के होते हुए भी सब पार्टियों के लोग सच्चे, त्यागी और देश भक्त हैं।

پریم اور امنسا کے اُن اُپدیشوں کی گونج معلوم ہوتا ہے جو مہاتما بدھ سے لے کر گاندھی جی تک سنسار کے انہک سچے مارگ درشک دنیا کو دیتے رہے ہیں۔ ہم آشا کرتے ہیں کہ دنیا کی سرکاری سائنس دانوں کی اس اپیل پر پورا پورا دھیان دینگی۔ انسانی نسل کے بیلے اور اُس کی سلامتی کے نام پر ہم چاہتے ہیں کہ یہ اپیل پوری طرح سپہل ہو۔

—سندرل

13.7.55

گووا کا ستیاگرہ اور اُس سے سبق

آج بھی دنیا میں اِس طرح کے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی راج کاجی یا قومی آزادی کے حق کو سوچا نہیں کرتے! قوموں کی آزادی کے حق کے خلاف لڑنا آج ایسا ہی ہے جیسا قدرت کے اٹل قانونوں سے لڑنا یا آندھی سے بھڑنا۔ پر تجھ اور تاتکانک سوارتھ ہمیں اندھا کر دیتا ہے۔ چھوٹا سا پرتگال شاید اِس معاملے میں لڑنے کی ہمت نہ کرنا لیکن دنیا کے سامراج وادیوں یعنی دوسروں کو غلام رکھنے کی اچھا رکھنے والوں کا گت ابھی توٹا نہیں ہے۔ قدرت کے قانونوں یا انہاس کی شکستوں کو کوئی اُت نہیں سکتا۔ پر پرتگال کے اِس رخ کا یہ مطلب ضرور ہے کہ اپنی اپنی اور دنیا کی آزادی چاہنے والوں کو ابھی کچھ اور قربانیاں کرنی ہونگی۔

ظاہر ہے کوئی بھارت و اسی ایسا نہیں ہو سکتا جسے گووا کے ستیاگرہ کے ساتھ پوری ہمدردی نہ ہو۔ اُن دوسروں کو جو گووا کے پوتر اور شاندار ستیاگرہ میں شریک ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں، جن میں سے کچھ شہید بھی ہو چکے اور سینکڑوں نے اکتھلیہ شاربک اور مانسک کشت جھلے، ہم اُن کے ساتھ نمسکر کرتے ہیں۔ پرتگالی شامسکوں نے جس طرح کے امانسک انتہاچاروں کو اُن نے نہتے اور امناسمک ستیاگرھیوں پر روا رکھا ہے اُن کے لئے ہمیں پرتگالیوں سے کچھ نہیں کہنا۔ ہمیں وشواس ہے کہ ہمارے دیس و اسی پرتگالی سمجھے جانے والے علانے کے اندر کے عوں یا اُس سے باہر کے، اُن انتہاچاروں کے کارن اپنے سنگلپ میں اور بھی پکے ثابت ہوتے دھینکے۔

گووا کے ستیاگرہ میں سب سے ادھک خوشی کی بات یہ ہوئی کہ دیس کی سب پولیٹکل پارٹیں نے لوگ کمیونسٹ، جن سنگھی، پرچا، سوشلسٹ اور کانگریسی اُس میں کدھے سے کدھا ملا کر بھاگ لینے کے لئے بے چین ہیں اور لے رہے ہیں۔ یہ سندر گھٹنا دو باتیں ثابت کرتی ہے۔ ایک یہ کہ وچاروں اور آدرشوں کے تھوڑے بہت فرق کے ہوتے ہوئے بھی سب پارٹیوں کے لوگ سچے، تھاکگی اور دیس بہکت ہوں۔

دوسری بات یہ کہ کسی بھی کام میں اگر ہم مل جاویں اور ملکر کام کریں تو ہم دیش کو بہت ادھک اونچا اُٹھا سکتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہ یہ رائے ہے کہ یہ ایک ایک پارٹیاں دیش کے لئے ضروری نہیں ہیں۔ کم سے کم راج نیک چناؤ ان پارٹیوں کے اعداد پر ہونا ایک ہماری ہے جو ہمیں یورپ سے لگی ہے۔ انگریزی پڑھے بھارت واسیوں نے انہیں ہند کر کے اسے حالہلینڈ جیسے دیشوں سے نقل کر لیا ہے۔ ہمیں اس سے کافی نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ ہمیں اس بات کا بھی پورا وشواس ہے کہ ان پارٹیوں کے ایک درجے تک رھتے ہوئے بھی ہم میں اگر ہمت اور سمجھ ہو تو ہم اپنی ودھان سہاؤں کے لئے اس طرح کے آدمی سب کی ملی ہوئی رائے سے چن سکتے ہیں جن کے لئے ہمیں چناؤ لڑنے، کروڑوں روپے برباد کرنے اور دیش کے اندر کڑواپن بڑھانے کی ضرورت نہ ہو۔ سینئر میں اور پارٹیوں میں ہم اس طرح کی سرکاری بھی ہلا سکتے ہیں جن میں سب پارٹیوں کے اچھے سے اچھے اور اونچے سے اونچے سببدار اور چتروان لوگ شامل ہیں۔ اس طرح کی گورنمنٹوں کے سامنے ہم دیش کے پہلے کے اس طرح کے پروگرام بھی آسانی سے رکھ سکتے ہیں جن پر سب سمجھتے ہیں اور ہم جنہیں ملکر پورا کر سکیں۔ گورنمنٹ چلانے کے لئے ایک سرکار پکش اور ایک ورودھی پکش ضروری ہیں یہ ایک اندھ وشواس، ایک پاگل پن ہے جو ہم نے دوسروں سے سیکھ لیا ہے۔ نئے چین میں ہمیں سب سے اچھی بات یہی لگی کہ نیا چین لگ بھگ اسی راستے پر چلا ہے۔ روس کے پچھلے عام چناؤ میں وہاں کی کمیونسٹ پارٹی نے جن لوگوں کو نامزد کیا اور ووٹ دینے والے ان میں ساٹھ فی صدی غیر کمیونسٹ تھے۔ ہم اس معاملے میں چین یا روس سے کہیں بڑھکر چل سکتے ہیں بشرطیکہ ہمیں اتنی سمجھ ہو کہ بھلائی اور برائی سب کے اندر ایک برابر ہے، اچھے اور برے سب میں ہیں، ایک بھوکا سب کے اندر ہے۔ جو لوگ متبھیدوں سے شروع کرتے ہیں انہیں متبھید ہی دکھائی دیتے ہیں۔ جو ایکٹا دیکھنا چاہتے ہیں ان کی آنکھیں ایکٹا کی ہی سامگری تھوڑی نکالتی ہیں۔ ہماری بھارت کے لئے ہمیں بھی سب سے اچھا راستہ دکھائی دیتا ہے۔

2-7-55

—سندھلال

—سندھلال

2. 7. 55

بی. سی. جی. کا ٹیکہ

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ ہماری آجکل کی سرکار نے جو بے حد سوائے برسر کے بیڈرشی راج کے بعد ہماری پہلی دیشی سرکار ہے کئی اچھے کام کیے ہیں اور کر رہی ہے۔ آساکر اپنے प्रधान منتری پنڈت جواہر لال

بی. سی. جی. کا ٹیکہ
ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ ہماری آجکل کی سرکار نے جو تیز سو برس کے ودیشی راج کے بعد ہماری پہلی دیشی سرکار ہے کئی اچھے کام کئے ہیں اور کر رہی ہے۔ خاص کر اپنے پردھان منتری پنڈت جواہر لال

نہرو کی ان کوششوں کو جو وہ دیہی کے اندر امن بلانے کے لیے تنگ سامہود تک پہنچانے کے لیے 'جوت'، 'جوت'، 'جوت' غلط قسم کی پروپیگنڈا کی کو ختم کرنے کے لیے ایک سیکرٹری جیسی مصلحت کے معاملے میں غیر جانبدار راج کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے دوسرے دیہیوں کے ساتھ پریم سمبندھ قائم کرنے اور ساری انسانی قوم کے لئے جنگ کے خطروں کو کم کرنے اور دھیرے دھیرے ختم کرنے کی ہر دھڑلے میں ہماری زبان اور لکھنی کی بھی سزاوارتہ نہیں تھی۔ ان سب باتوں میں انہوں نے پچھلے سات برس کے اندر ہماری دیہی کو اونچا اٹھایا ہے اور ایک بڑے درجے تک گاندھی جی کے بتائے آدرشوں کو قائم رکھا ہے۔ لیکن کئی باتوں میں ہماری اچھل کے شامک غلط بھی گئے ہیں اور جا رہے ہیں۔ دیہی کی جنتا کے لیے کے لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم سچائی اور پریم کے ساتھ ان باتوں کے بارے میں بھی اپنے وچار پرکھتے رہیں۔

اس طرح کی غلطیوں کی ایک مثال ہمارے صحت دہاک کے کچھ کام ہیں۔ گاندھی جی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے دیہی کو انگریزی راج سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا انگریزیت یعنی پچھم کے آنوکوں سے۔ گاندھی جی اپنے ان وچاروں کو تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر چکے ہیں۔ ہم ان دیہی بھکتوں کی جو ہمارے صحت دہاک کے چارج میں ہیں نہایت پر شک نہیں کرتے پر پچھمی طریقوں کا اچھٹ سے ادھک پریم ان سے کئی کام ایسے کرا رہا ہے جو دیہی کے لئے ہائیکر ہیں۔

دیہی بھر کے اندر بی. سی. جی. کا زوروں کے ساتھ پرجار ایسا ہی ایک کام ہے۔ بی. سی. جی. سے آج بھارت کے لوگ کافی پرہیزگار ہیں۔ یہ کچھ بے ہوش کپڑے ہیں جو سوئی کے ذریعہ آدمیوں اور بچوں کے خون میں داخل کرائے جاتے ہیں تاکہ اُس خون کے اندر جو خاص خاص بیماریوں کے کپڑے ہوں یا آئندہ کبھی پیدا ہو جائیں انہیں یہ بھر کے کپڑے مار کر ختم کر سکیں اور جس کے سوئی بھونکی گئی ہے اُسے ان بیماریوں سے بچا سکیں۔ بی. سی. جی. کا یہ ٹیکہ لوگوں کو خاص کر تپانے سے بچانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ کروڑوں روپے کے یہ ٹیکے یورپ سے خرید کر لائے جا رہے ہیں اور دیہی کے بچوں پر آزمائے جا رہے ہیں۔

اس طرح کے ٹیکے بہت سی بیماریوں کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ ان سے بہت سی صورتوں میں ایک درجے تک لاپرواہی ہو جاتا ہے۔ ان میں شروع کی ایک مثال چیچک کے ٹیکے کی ہے۔ جب کوئی اس طرح کی بیماری کسی خاص علاقے میں زور کے ساتھ پھیلی ہوئی ہو تو اس طرح کے ٹیکے کئی بار اُسے روکنے میں مدد دیتے ہیں۔ پر دھیرے دھیرے یورپ کے سمجھدار ڈاکٹروں نے ہی یہ پتہ لگایا اور دنیا کو بتانا

نہرو کی ان کوششوں کو جو وہ دیہی کے اندر امن بلانے کے لیے تنگ سامہود تک پہنچانے کے لیے 'جوت'، 'جوت'، 'جوت' غلط قسم کی پروپیگنڈا کی کو ختم کرنے کے لیے ایک سیکرٹری جیسی مصلحت کے معاملے میں غیر جانبدار راج کی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لیے دوسرے دیہیوں کے ساتھ پریم سمبندھ قائم کرنے اور ساری انسانی قوم کے لئے جنگ کے خطروں کو کم کرنے اور دھیرے دھیرے ختم کرنے کی ہر دھڑلے میں ہماری زبان اور لکھنی کی بھی سزاوارتہ نہیں تھی۔ ان سب باتوں میں انہوں نے پچھلے سات برس کے اندر ہماری دیہی کو اونچا اٹھایا ہے اور ایک بڑے درجے تک گاندھی جی کے بتائے آدرشوں کو قائم رکھا ہے۔ لیکن کئی باتوں میں ہماری اچھل کے شامک غلط بھی گئے ہیں اور جا رہے ہیں۔ دیہی کی جنتا کے لیے کے لئے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم سچائی اور پریم کے ساتھ ان باتوں کے بارے میں بھی اپنے وچار پرکھتے رہیں۔

اس طرح کی غلطیوں کی ایک مثال ہمارے صحت دہاک کے کچھ کام ہیں۔ گاندھی جی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہمارے دیہی کو انگریزی راج سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا انگریزیت یعنی پچھم کے آنوکوں سے۔ گاندھی جی اپنے ان وچاروں کو تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر چکے ہیں۔ ہم ان دیہی بھکتوں کی جو ہمارے صحت دہاک کے چارج میں ہیں نہایت پر شک نہیں کرتے پر پچھمی طریقوں کا اچھٹ سے ادھک پریم ان سے کئی کام ایسے کرا رہا ہے جو دیہی کے لئے ہائیکر ہیں۔

دیہی بھر کے اندر بی. سی. جی. کا زوروں کے ساتھ پرجار ایسا ہی ایک کام ہے۔ بی. سی. جی. سے آج بھارت کے لوگ کافی پرہیزگار ہیں۔ یہ کچھ بے ہوش کپڑے ہیں جو سوئی کے ذریعہ آدمیوں اور بچوں کے خون میں داخل کرائے جاتے ہیں تاکہ اُس خون کے اندر جو خاص خاص بیماریوں کے کپڑے ہوں یا آئندہ کبھی پیدا ہو جائیں انہیں یہ بھر کے کپڑے مار کر ختم کر سکیں اور جس کے سوئی بھونکی گئی ہے اُسے ان بیماریوں سے بچا سکیں۔ بی. سی. جی. کا یہ ٹیکہ لوگوں کو خاص کر تپانے سے بچانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔ کروڑوں روپے کے یہ ٹیکے یورپ سے خرید کر لائے جا رہے ہیں اور دیہی کے بچوں پر آزمائے جا رہے ہیں۔

اس طرح کے ٹیکے بہت سی بیماریوں کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ ان سے بہت سی صورتوں میں ایک درجے تک لاپرواہی ہو جاتا ہے۔ ان میں شروع کی ایک مثال چیچک کے ٹیکے کی ہے۔ جب کوئی اس طرح کی بیماری کسی خاص علاقے میں زور کے ساتھ پھیلی ہوئی ہو تو اس طرح کے ٹیکے کئی بار اُسے روکنے میں مدد دیتے ہیں۔ پر دھیرے دھیرے یورپ کے سمجھدار ڈاکٹروں نے ہی یہ پتہ لگایا اور دنیا کو بتانا

شروع کیا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی خاص بیماری کے ٹیکے سے وہ بیماری رک ہی جائے اور بہت بار ٹیکہ لگانے کے بعد اگر وہ بیماری ہوتی ہے تو کہیں اُدھک خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ چھچک کے ٹیکے کے بارے میں اس کی سیکڑوں مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ یورپ ہی کے بہت سے دیشوں میں چلنا کی طرف سے اور خود ڈاکڑوں کی طرف سے اس طرح کے ٹیکوں کے خلاف آندولن بھی ہوئے۔ چھچک کے ٹیکے کے خلاف انگلینڈ میں عرصہ ہوا ایک 'نیشنل اینٹی ویکسینیشن لیگ' قائم ہوئی اور اُسے پوری کامیابی ملی۔ وہاں چھچک کا ٹیکہ سب بچوں کے لئے لازمی نہیں رہا۔ کم یا زیادہ اسی طرح کی تحریکیں یورپ کے اور دیشوں میں بھی چھچک کے اور دوسرے اسی طرح کے ٹیکوں کے خلاف شروع ہوئیں اور ایک نہ ایک درجہ تک کامیاب ہوئیں۔

دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکڑوں کی یہ بھی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی کارن ارتھک ہونا ہے۔ غریبی سب بیماریوں کی جڑ ہے—یانی خانا کی کمی اور زندگی کی موٹی موٹی ضروری سہولیتوں کا نہ ملنا۔ اسی لئے ڈاکڑوں کی رائے ہے کہ ان بیماریوں کا اصلی علاج اور انکی روک تھام کا اصلی طریقہ جتنا کی غریبی کو دور کرنا ہے۔ سب کو اچھا اور کافی مائرا میں کھانا ملے اور جیون کی معمولی سہولتیں ملیں تو بیماریاں اپنے آپ بھاگ جانی ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدانوں کی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی علاج کمزور جسم کے اندر ہمارے سے بیماریوں کے زمرے کیڑوں کا داخل کرنا نہیں ہے بلکہ خون کے اسد کے مدد سے کیڑوں کو خوراک اور آرام کے ذریعہ مضبوط کرنا ہے۔ اس وئے پر امریکہ، انگلینڈ، جرمنی ادی دیشوں میں ہزاروں ڈابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے کافی بھارت کے بازاروں میں بھی مل سکتی ہیں۔ پر ہماری حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایک روسی وڈولن کے شبدوں میں جس سے ہماری پیکنگ میں ملازمت ہوتی ہے "طرح طرح کے کیڑوں سے بچنے کے لئے بچے کو بچھڑا کر اُنار کو پھینک دیتے ہیں انہیں ہمارے بچہم پریمی بھارت وائی شوق سے اڑھتے ہیں اڑھتے پھرتے ہیں۔" بچہم کے بچا پاری بھی اس بارے میں بہت خوشمار ہیں۔ جو چھڑ یورپ میں پرانی پڑ جانے کے کارن نہیں بکتی اُسے ہمارے جیسے دیشوں میں کھوا کو وہ آسانی سے کروڑوں بنا لیتے ہیں۔ لگ بھگ یہی معاملہ آجکل کئی طرح کی بیماریوں کے ٹیکوں کا ہے۔

دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکڑوں کی یہ بھی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی کارن ارتھک ہونا ہے۔ غریبی سب بیماریوں کی جڑ ہے—یانی خانا کی کمی اور زندگی کی موٹی موٹی ضروری سہولیتوں کا نہ ملنا۔ اسی لئے ڈاکڑوں کی رائے ہے کہ ان بیماریوں کا اصلی علاج اور انکی روک تھام کا اصلی طریقہ جتنا کی غریبی کو دور کرنا ہے۔ سب کو اچھا اور کافی مائرا میں کھانا ملے اور جیون کی معمولی سہولتیں ملیں تو بیماریاں اپنے آپ بھاگ جانی ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدانوں کی رائے ہے کہ اس طرح کی بیماریوں کا اصلی علاج کمزور جسم کے اندر ہمارے سے بیماریوں کے زمرے کیڑوں کا داخل کرنا نہیں ہے بلکہ خون کے اسد کے مدد سے کیڑوں کو خوراک اور آرام کے ذریعہ مضبوط کرنا ہے۔ اس وئے پر امریکہ، انگلینڈ، جرمنی ادی دیشوں میں ہزاروں ڈابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے کافی بھارت کے بازاروں میں بھی مل سکتی ہیں۔ پر ہماری حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایک روسی وڈولن کے شبدوں میں جس سے ہماری پیکنگ میں ملازمت ہوتی ہے "طرح طرح کے کیڑوں سے بچنے کے لئے بچے کو بچھڑا کر اُنار کو پھینک دیتے ہیں انہیں ہمارے بچہم پریمی بھارت وائی شوق سے اڑھتے ہیں اڑھتے پھرتے ہیں۔" بچہم کے بچا پاری بھی اس بارے میں بہت خوشمار ہیں۔ جو چھڑ یورپ میں پرانی پڑ جانے کے کارن نہیں بکتی اُسے ہمارے جیسے دیشوں میں کھوا کو وہ آسانی سے کروڑوں بنا لیتے ہیں۔ لگ بھگ یہی معاملہ آجکل کئی طرح کی بیماریوں کے ٹیکوں کا ہے۔

پچاس سال سے اوپر ہوا جب ہمارے انگریز حاکموں نے زبردستی ہر ہندوستانی کے بلیک کا ٹیکہ لگانے کی

پچاس سال سے اوپر ہوا جب ہمارے انگریز حاکموں نے زبردستی ہر ہندوستانی کے بلیک کا ٹیکہ لگانے کی

کاروبار شروع کی تھی۔ ایک مانیہ ملک کی کوششوں اور کچھ نوجوانوں کی قربانیوں نے دیش کی جلتا کو شروع ہی میں اُس خطرے سے بچا لیا۔

بی. سی. جی. کا ٹیکا اب پورے پورے کے ساتھ دیش کے بچوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ جن مسجددار دیش بچوں نے اِس کے خلاف آواز اُٹھائی ہے اُن میں سب سے چمکتا نام شری سی. راجا گوبالا چاری کا ہے۔ حال میں مدراس میں لکچر دیتے ہوئے اُنہوں نے کہا کہ—”بی. سی. جی. کا پرچار دیش کے بچوں کے اوپر بیماری کے کیڑوں کی جنگ کو آزمانا ہے۔“ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ—”بی. سی. جی. کے خلاف میں جو رخ لے رہا ہوں وہ کسی روزگاری دشمنی کے کزن نہیں ہے۔ میرا وردہ کسی بھولائوں کے ادعا پر بھی نہیں ہے۔ میرے وردہ کے سائنسی کارن ہیں۔ میں نے اِس رشتہ پر بہت کتابیں دیہان سے پڑھی ہیں اور اُنہیں پڑھ کر اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بی. سی. جی. کا پرچار بہت بڑی غلطی ہے اور خطرناک ہے... سرکار نے طے کر لیا ہے کہ اِس کے پرچار کو جتنا میں بڑھانے اور لاکھوں بچوں کے جسم میں ایک جانا بوجھا زہر داخل کرے... اب یہ معاملہ ہماری قانون سبھاؤں سے سمجھ رہا ہے۔ یہ اُن سب لوگوں سے سمجھ رہا ہے جو ہمارے شاسن کے لئے ذمہ دار ہیں۔ اِس کا سمجھنا عام جنتا سے ہے، بچوں کے مِل باپ سے ہے اور سب مسجددار آدمیوں سے ہے... ہمارے اِس غلط کام سے جتنا نقصان ہوتا ہے اُتنا اِنتر راشیہ بدعاشیوں سے بھی نہیں ہوتا۔ ہم جنتا میں بی. سی. جی. کا پرچار اِس لئے کر رہے ہیں کیونکہ ہم ایک خیال کے پیچھے پائل ہو گئے ہیں۔ ہمیں اگر سچائی کی کھوج ہے تو ہمیں ایک یوگی کی طرح بے لاگ ہونا چاہئے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے کہ کیا بی. سی. جی. کے ٹیکے لگانا مفید ہے اور کیا اِن ٹیکوں سے کوئی نقصان نہیں ہوتا؟ اِس سے کوئی فائدہ نہیں کہ ہم لاکھوں بچوں کے موٹوں بھونکتے پھریں اِس لئے کہ شاید اُن میں سے کچھ کسی بیماری سے بچ جائیں۔ یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ بی. سی. جی. ہندستان کے لئے ضروری ہے۔ بڑے بڑے ماہر اور سائنس دان یہ رائے ظاہر کر چکے ہیں کہ خاص کر جن دیشوں میں لوگوں کو اچھا اور کافی ماترا میں کھانا نہیں ملتا اُن میں بی. سی. جی. کا استعمال خطرناک ہے...”

شری راجا گوبالا چاری نے کوئمبٹور کے سات بچوں کا حال سنا جن کے بی. سی. جی. لگایا گیا تھا۔ اُن میں کہا جاتا ہے کہ دو اُسی ٹیکے سے مر گئے۔ مدراس ہی کی طرف سے بی. سی. جی. کے کارن کچھ بچوں کے اندھے ہو جانے کی خبر بھی اخباروں میں چھپ چکی ہے۔ اِس پر سرکار نے اپنے ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ کمیٹی کی رپورٹ پر سرکار نے ایک پریس نوٹ نکال دیا کہ

جین بھڑوں کو نیکوئی پھیلنا ہے ان کے اس نقصان کا ہی۔ سی۔ جی۔ کے لئے سے کوئی سمجھ نہیں۔ شری راجا گوبالاچاری نے کہا کہ—”سرکار کے اس پریس نوٹ سے مجھے بڑی نراشا ہوئی ہے۔ میں اسے نہیں مانتا.....“

شری راجا گوبالاچاری کی اس صاف رائے کے بعد ہمیں اس وجہ پر کچھ ادھک کہنے کی اڑشکتا نہیں ہے۔ حال میں بڑے بڑے ہندوستانی روس جا چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بڑے ہندوستانی نے روس کے صحت منسز سے پوچھا—”کیا آپ امریکہ سے دوائیاں خرید کر اپنے یہاں نہیں منگاتے؟“ انہوں نے جواب دیا—”ہم نہ ان کی دوائیاں منگاتے ہیں اور نہ ان کی بیماریاں۔“ یہ جواب کہول ایک مزاقی ہی کا جواب نہ تھا۔ اس میں کافی سچائی چھپی ہوئی ہے۔ ہم بی۔ سی۔ جی۔ جیسے ذہنوں کو دیش کی جنتا دیش کے بچوں، آئندہ آنے والی نسلوں اور ان سب کی تندرستی کے لئے بہت برا اور خطرناک مانتے ہیں۔ جنتا کی بیماریوں کا اصلی علاج ان میں گندی اور خطرناک دوائیاں ٹھونسنا اور ملک کا بے رحم برباد کرنا نہیں ہے۔ اصلی علاج ہے ایک ایک جھونپڑے کے اندر کام پہنچانا، روزی پہنچانا اور جھون کی وہ سہولیتیں پہنچانا جو تندرستی کا سب سے بڑا بیمہ ہوتی ہیں۔

ہم بی۔ سی۔ جی۔ جیسے ذہنوں کو دیش کی جنتا دیش کے بچوں، آئندہ آنے والی نسلوں اور ان سب کی تندرستی کے لئے بہت برا اور خطرناک مانتے ہیں۔ جنتا کی بیماریوں کا اصلی علاج ان میں گندی اور خطرناک دوائیاں ٹھونسنا اور ملک کا بے رحم برباد کرنا نہیں ہے۔ اصلی علاج ہے ایک ایک جھونپڑے کے اندر کام پہنچانا، روزی پہنچانا اور جھون کی وہ سہولیتیں پہنچانا جو تندرستی کا سب سے بڑا بیمہ ہوتی ہیں۔

—سند:لال

2. 7. 55

2-7-55

—سند:لال

پنجاب کا میڈیکل پریکٹیشنرس بیل اور علاج کے الگ الگ طریقے

ہمارے صحت دہیا کی غلطیوں میں سے ایک اور بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ایلوپیتھک علاج کا جسے عام طور پر ڈاکٹروں کہتے ہیں اتنا شہدا ہے کہ اس کے سامنے وہ ویدک، یونانی، ہومیوپیتھی، نچروپیتھی، آدی ایلازوں اور ان کے ویدوں، ہکیموں اور ڈاکٹروں کو بس چلے تو نہیں رہنے دینا چاہتا۔ یہ بھی ایک خطرناک سائنس ہے۔ دنیا کی ساری سائنس انڈیکشن یعنی تجربوں پر قائم ہے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں ہمارا اور ہمارے جیسے لاکھوں آدمیوں کا یہ تجربہ ہے کہ پرانے دیسی طریقوں کے علاج سے، ہومیوپیتھک دواؤں سے اور قدرتی علاج کے طریقوں سے دیش کے لاکھوں بیمار اچھے ہوتے ہیں اور آسانی سے اور کم خرچ میں اچھے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایلوپیتھک علاج جبکہ اور سب علاج کی طرح بہتوں کو کچھ فائدہ بھی کرتا ہے لاکھوں کو اس سے کافی نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ دیش واسیوں کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ایلوپیتھک کا علاج عام طور پر اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ نہ کہول عام جنتا کے لئے ہی بلکہ لاکھوں بچے کے درجے کے لوگوں کے لئے بھی یہ

پنجاب کا میڈیکل پریکٹیشنرس بیل اور علاج کے الگ الگ طریقے

ہمارے صحت دہیا کی غلطیوں میں سے ایک اور بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ ایلوپیتھک علاج کا جسے عام طور پر ڈاکٹروں کہتے ہیں اتنا شہدا ہے کہ اس کے سامنے وہ ویدک، یونانی، ہومیوپیتھی، نچروپیتھی، آدی ایلازوں اور ان کے ویدوں، ہکیموں اور ڈاکٹروں کو بس چلے تو نہیں رہنے دینا چاہتا۔ یہ بھی ایک خطرناک سائنس ہے۔ دنیا کی ساری سائنس انڈیکشن یعنی تجربوں پر قائم ہے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی میں ہمارا اور ہمارے جیسے لاکھوں آدمیوں کا یہ تجربہ ہے کہ پرانے دیسی طریقوں کے علاج سے، ہومیوپیتھک دواؤں سے اور قدرتی علاج کے طریقوں سے دیش کے لاکھوں بیمار اچھے ہوتے ہیں اور آسانی سے اور کم خرچ میں اچھے ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایلوپیتھک علاج جبکہ اور سب علاج کی طرح بہتوں کو کچھ فائدہ بھی کرتا ہے لاکھوں کو اس سے کافی نقصان بھی پہنچاتا ہے۔ دیش واسیوں کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ ایلوپیتھک کا علاج عام طور پر اتنا مہنگا پڑتا ہے کہ نہ کہول عام جنتا کے لئے ہی بلکہ لاکھوں بچے کے درجے کے لوگوں کے لئے بھی یہ

ناممکن ہے یا بہرہ دکن ہے۔ سرکاری اسپتالوں کی ہم ان عام برائوں میں یہاں جانا نہیں چاہتے جن سے دیش کا ایک ایک بچہ لگی گئی میں پریشان ہے۔ اسی لئے نئے چین نے ایلو-پیٹیک طریقے کو اپنے یہاں زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے ساتھ ساتھ دیش کے پرانے علاج کے طریقوں اور سیکڑوں پرانی دواؤں کو بھی نہ کھل زندہ ہی رکھا ہے بلکہ بڑھتے اور ترقی کرنے کا بھی پورا موقع دیا ہے۔ چین کا پرانا طریقہ بالکل ہمارے دیشی طریقے سے ملتا ہے۔ وہی نبض دیکھنے کا ڈھنگ، وہی کف، بات، اور پست اور وہی دیشی جڑی بوٹیوں کے کارے۔ چین کی لٹی سرکار نے ان طریقوں کو خوب بڑھایا ہے اور بڑھنے کا موقع دیا ہے۔ لاکھوں چینی بیمار ان پرانے اور سستے طریقوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے خود پرانے ڈھنگ کے چینی ویدیں سے بانہں کی ہیں اور ان کی دوائیں استعمال کی ہیں۔ روس کی سرکار بھی ایلوپیتھی کے ساتھ ساتھ ہومیوپیتھی کو ترقی دینے کی بڑی کوشش کر رہی ہے اور آریکستان میں اُس نے سیکڑوں پرانی دواؤں اور جڑی بوٹیوں وغیرہ کی کچھ اور اُن سے تجربہ کر کے بڑی بڑی مہلک بیماریوں کو اُن کے ذریعہ قابو میں کر لیا ہے۔

حال میں پنجاہ سٹेट اسپمبلی کے اندر 'پنجاہ سٹेट مڈیکل پریکٹیشنرس بیل' نام سے ایک نیا کٹانول پेशا ہوا جس میں پیلوپیتھک ڈاکٹروں کے آلاوا دوسری طرح کے علاج کرنے والوں کو بھی پنجاہ کے اسپتالوں میں موقع دینے جالے کی بات تجویز کی گئی ہے۔ یونین ہیلتھ منسٹر راج کماری امرت کو لے شملہ میں اس پر بڑی ناراضگی اور غصہ ظاہر کیا اور یہاں تک کہ ڈالا کہ اگر اس طرح کے غیر سند یافتہ لوگوں کو اسپتالوں میں موقع دینے کی تجویز کی گئی تو وہ یونین پریسڈنٹ سے سفارش کریں گی کہ وہ اُس قانون کو منظور نہ دیں۔ ہم راج کماری بہن سے اچھی طرح پریشان ہیں۔ ہم دینوں گاندھی جی کے چرنوں میں بیٹھے ہیں۔ ہمیں راج کماری بہن کی دیش بونکتی یا ٹھیک نہتی میں شک نہیں۔ پر ہم بڑے دم کے ساتھ یہ کہہ بنا نہیں رہ سکتے کہ وہ غریب جنٹا کے جھٹوں سے بہت دور چلی گئی ہیں۔ وہ اُس پچھمیتا کی ضرورت سے زیادہ وشواسی ہیں جس سے گاندھی جی ملک کو بچانا چاہتے تھے۔ ایلوپیتھی علاج کا ایک طریقہ ہے، ایک خاص اصول ہے۔ اسے ترقی کا موقع ملنا چاہئے۔ پر ایک طریقہ پر اتنا اٹھک وشواس اور علاج کے دوسرے طریقوں پر اور دوسرے اصولوں سے اتنا پردھیز خود غلط اور خطرناک ہے۔ ہمیں اگر دیش کی عام جنٹا کے ساتھ پریم ہے اور اُن کی حالت کو سمجھ کر پریم ہے تو اُس دیش کے اندر ہمیں علاج کے ان سب طریقوں کو زندہ رکھنے، ترقی کرنے اور جلتا کی سہوا

ناممکن ہے یا بہرہ دکن ہے۔ سرکاری اسپتالوں کی ہم ان عام برائوں میں یہاں جانا نہیں چاہتے جن سے دیش کا ایک ایک بچہ لگی گئی میں پریشان ہے۔ اسی لئے نئے چین نے ایلو-پیٹیک طریقے کو اپنے یہاں زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے ساتھ ساتھ دیش کے پرانے علاج کے طریقوں اور سیکڑوں پرانی دواؤں کو بھی نہ کھل زندہ ہی رکھا ہے بلکہ بڑھتے اور ترقی کرنے کا بھی پورا موقع دیا ہے۔ چین کا پرانا طریقہ بالکل ہمارے دیشی طریقے سے ملتا ہے۔ وہی نبض دیکھنے کا ڈھنگ، وہی کف، بات، اور پست اور وہی دیشی جڑی بوٹیوں کے کارے۔ چین کی لٹی سرکار نے ان طریقوں کو خوب بڑھایا ہے اور بڑھنے کا موقع دیا ہے۔ لاکھوں چینی بیمار ان پرانے اور سستے طریقوں سے اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے خود پرانے ڈھنگ کے چینی ویدیں سے بانہں کی ہیں اور ان کی دوائیں استعمال کی ہیں۔ روس کی سرکار بھی ایلوپیتھی کے ساتھ ساتھ ہومیوپیتھی کو ترقی دینے کی بڑی کوشش کر رہی ہے اور آریکستان میں اُس نے سیکڑوں پرانی دواؤں اور جڑی بوٹیوں وغیرہ کی کچھ اور اُن سے تجربہ کر کے بڑی بڑی مہلک بیماریوں کو اُن کے ذریعہ قابو میں کر لیا ہے۔

حال میں پنجاہ سٹेट اسپمبلی کے اندر 'پنجاہ سٹेट مڈیکل پریکٹیشنرس بیل' نام سے ایک نیا کٹانول پेशا ہوا جس میں پیلوپیتھک ڈاکٹروں کے آلاوا دوسری طرح کے علاج کرنے والوں کو بھی پنجاہ کے اسپتالوں میں موقع دینے جالے کی بات تجویز کی گئی ہے۔ یونین ہیلتھ منسٹر راج کماری امرت کو لے شملہ میں اس پر بڑی ناراضگی اور غصہ ظاہر کیا اور یہاں تک کہ ڈالا کہ اگر اس طرح کے غیر سند یافتہ لوگوں کو اسپتالوں میں موقع دینے کی تجویز کی گئی تو وہ یونین پریسڈنٹ سے سفارش کریں گی کہ وہ اُس قانون کو منظور نہ دیں۔ ہم راج کماری بہن سے اچھی طرح پریشان ہیں۔ ہم دینوں گاندھی جی کے چرنوں میں بیٹھے ہیں۔ ہمیں راج کماری بہن کی دیش بونکتی یا ٹھیک نہتی میں شک نہیں۔ پر ہم بڑے دم کے ساتھ یہ کہہ بنا نہیں رہ سکتے کہ وہ غریب جنٹا کے جھٹوں سے بہت دور چلی گئی ہیں۔ وہ اُس پچھمیتا کی ضرورت سے زیادہ وشواسی ہیں جس سے گاندھی جی ملک کو بچانا چاہتے تھے۔ ایلوپیتھی علاج کا ایک طریقہ ہے، ایک خاص اصول ہے۔ اسے ترقی کا موقع ملنا چاہئے۔ پر ایک طریقہ پر اتنا اٹھک وشواس اور علاج کے دوسرے طریقوں پر اور دوسرے اصولوں سے اتنا پردھیز خود غلط اور خطرناک ہے۔ ہمیں اگر دیش کی عام جنٹا کے ساتھ پریم ہے اور اُن کی حالت کو سمجھ کر پریم ہے تو اُس دیش کے اندر ہمیں علاج کے ان سب طریقوں کو زندہ رکھنے، ترقی کرنے اور جلتا کی سہوا

کرنے کے برابر کے موقعہ دینے ہونگے۔ ان الگ الگ طریقوں کے الگ الگ اصولوں، ان کی بیماریوں اور برائوں پر بحث کی یہ جگہ نہیں ہے۔ یورپ اور امریکہ سے نکلنے والی پراسٹیک ڈاکٹروں کی لکھی ہوئی صحیفے کے اوپر ہزاروں کتابوں میں سے جس نے کچھ خاص خاص بھی پڑھی ہیں وہ جانتا ہے کہ جرم تھوڑی یعنی خاص کیڑوں سے خاص بیماریوں کے سمجھنے کے اصول میں اب کافی فرق پڑ چکا ہے۔ کسی بیماری کو دور کرنے کے لئے اب اس بیماری کے کیڑے کا پتہ لگا کر اس کو مارنے کے لئے ایک خاص زہر جسم میں داخل کرنے کی نسبت یہ کہیں ادھک ٹھیک، مفید اور سائنسی طریقہ مانا جاتا ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ خاص کیڑا جسم کے اندر بیٹھ اور پنپ کیسے سکا۔ یعنی جسم کی ضروری چیزوں میں یا جسم کے پیلنس یعنی سمٹول میں کیا کسی آئی جس سے وہ کیڑا وہاں اپنا کام کر سکا، اور پھر کیڑے کے پیچھے پڑ جانے کی نسبت جسم کی اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ نہیں تو طرح طرح کے کیڑے ہوا کے اندر اور ہزاروں کے جسموں میں بھرے پڑے ہیں۔ کسولی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے اس سے ڈائریکٹر میجر واکس نے ایک مرتبہ ہم سے کہا تھا کہ اگر ہم رستے چلتے تندرست دکھائی دینے والے دس آدمیوں کو پکڑ کر اچانک ان کے تھوک یا خون کا امتحان لے لیں تو ان میں سے ادھک تر میں ہمیں طح طرح کی بیماریوں کے کیڑے ملینگے، لیکن جب تک خون میں خاص طرح کی کمزوری نہ ہو تب تک کوئی کیڑا اثر نہیں کر سکتا۔ یعنی اصلی سوال کیڑوں کے پیچھے جہاد ہونا نہیں ہے بلکہ خون یعنی جسم کی خاص کمی کو پورا کرنا ہے۔ اگر ہم اس نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہمارے ویدیک، یونانی، ہومیوپیتھی اور نیچروپیتھی کے طریقہ آج کے ایلوپیتھی علاج کے طریقہ سے کہیں زیادہ ٹھیک اور کہیں زیادہ سائنٹفک ہیں۔ یہ بحث بھی دور کی بحث ہے۔ یہاں ہم دیہی وادیوں کی غریبی اور لاکھوں بیماریوں کے آنے دن کے تجربوں کی بنا پر کیوں اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ سرکار کا فرض ہے کہ بنا پکش بات علاج کے سب خاص خاص طریقوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرے، سب کے چھوٹے چھوٹے کورسوں والے کالج قائم کرے، جو اسی خاص طریقہ کے ماہروں کے انتظام میں ہوں اور پرائیویٹ پریکٹس میں اور سرکاری اسپتالوں میں سب جگہ سب کو برابر کا موقعہ دے جس سے لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کا بھلا ہو، ملک کا پیسہ باہر کی قیمتی دواؤں پر خرچ ہوکر ملک کو اور زیادہ غریب اور ہماری تندرستیوں کو اور زیادہ خراب نہ کرے، اور سائنس کے معاملے میں سری راجا گوپالاچاری کے شبہوں میں ہم یوگی کی طرح بے لاک ہوکر آگے بڑھ سکیں۔

—سندھلال

2-7-55

—سندھلال

کانپور کے مزدوروں کی ہڑتال

کانپور کے مزدوروں کی ہڑتال

کانپور کی کپڑے کی मिलों کے مزدوروں کی ہڑتال کو آج دو مہینے سے اوپر ہو چکا ہے۔ ہڑتال کا کارن مزدوروں، मिल مالिकों और सरकार तीनों के बीच का एक घरेलू झगडा है۔ ہم घरेلو سے اسلایے کہتے ہیں کیونکہ अभी कुछ दिनों तक इन तीनों को इस देश के अन्दर मिलकर रहना है۔ हमने आशा की थी कि यह आपसी झगडा जल्दी ही तय हो जायगा۔ इसलिये भी हमने अभी तक उस पर कुछ कहना मुनासिब नहीं समझा था۔ पर हड़ताल ने काफ़ी समय ले लिया और काफ़ी दर्दनाक रूप धारण कर लिया۔ आज दो महीने से हज़ारों मज़दूर और उनके लाखों बाल बच्चे भूखे या आधे पेट सोते हैं۔ कानपुर शहर से हमारा पचास बरस का पुराना सम्बन्ध है۔ इसलिये इस हड़ताल के बारे में अपने विचार प्रकट करना हमने अपना धर्म समझा۔

सबसे पहला सबाल 'रैशनलाइजेशन' यानी उस चीज़ का है जो इस हड़ताल की जड़ है۔ रैशनलाइजेशन आजकल की मशीनी सभ्यता की एक स्वाभाविक कड़ी है۔ मशीनी सभ्यता का रूप ही यह है कि जो काम बहुत से आदमी मिलकर करते हैं वह मशीन के जरिये कम आदमियों के द्वारा पूरा करा लिया जाय۔ मिलों से कपड़ा बुनाई के धन्दे में रैशनलाइजेशन का मतलब यह है कि जिन मशीनों या पुतलियों पर दो या चार आदमी काम करते थे उन पर दो या चार की जगह एक आदमी सारा काम कर सके۔ इसमें आवश्यक हो जाता है कि उस एक आदमी की सहूलियत के लिये मशीन में कुछ उलट फेर या सुधार कर दिया जावे۔ इसके लिये उस एक आदमी को कुछ अधिक मज़दूरी भी कहीं कहीं दे दी जाती है۔ पर इसका कुदरती नतीजा यह है कि बाक़ी आदमी बेकार हो जाते हैं۔ इसे 'लेबर सेविंग' कहा जाता है, यानी कम मज़दूरों से अधिक काम निकालना۔

इस तरह के रैशनलाइजेशन की ज़रूरत उन मुल्कों को होती है जिनमें आदमियों की कमी है और जो अपनी मिलों की पैदावार इसलिये बढ़ाना चाहते हैं ताकि उस पैदावार को दूसरे पिछड़े हुए देशों में बेच कर वहां से धन चूस सकें۔ यह व्यवस्था पूँजीवादी व्यवस्था है۔ यही आर्थिक साम्राजवाद की जड़ है۔ पर जिस देश के अन्दर आदमियों की कमी न हो और करोड़ों इन्सानों की शक्ति बेकारी के कारन पड़ी सड़ती हो उसमें रैशनलाइजेशन के कोई मानी ही नहीं होते۔ यह कहना कि रैशनलाइजेशन लोगों की मेहनत बचाने के लिये किया जाता है बहुत बड़ा फ़रेब और

کانپور کی کپڑے کی ملوں کے مزدوروں کی ہڑتال کو آج دو مہینے سے اوپر ہو چکا ہے۔ ہڑتال کا کارن مزدوروں، مل مالکوں اور سرکار تیلوں کے بیچ کا ایک گھریلو جھگڑا ہے۔ ہم گھریلو سے اس لئے کہتے ہیں کیونکہ ابھی کچھ دنوں تک ان تیلوں کو اس دیس کے اندر ملکر رہنا ہے۔ ہم نے آشا کی تھی کہ یہ آپسی جھگڑا جلدی ہی طے ہو جائیگا۔ اس لئے بھی ہم نے ابھی تک اس پر کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ پر ہڑتال نے کافی سمنے لے لیا اور کافی دردناک روپ دھارن کر لیا۔ آج دو مہینے سے ہزاروں مزدور اور ان کے لاکھوں بال بچے بھوکے یا آدھے پوکے سوتے ہیں۔ کانپور شہر سے ہمارا پچاس برس کا پرانا سمنہ ہے۔ اس لئے اس ہڑتال کے بارے میں اپنے وچار پرکٹ کرنا ہم نے اپنا دھرم سمجھا۔

سب سے پہلا سوال 'ریشنلائزیشن' یعنی اُس چیز کا ہے جو اس ہڑتال کی جڑ ہے۔ ریشنلائزیشن آجکل کی مشینی سبھت کی ایک سواپاؤک کڑی ہے۔ مشینی سبھت کا روپ ہی یہ ہے کہ جو کام بہت سے آدمی ملکر کرتے ہیں وہ مشین کے ذریعہ کم آدمیوں کے دوارا پورا کر لیا جائے۔ ملوں سے کپڑا بنانی کے دھندے میں ریشنلائزیشن کا مطلب یہ ہے کہ جن مشینوں یا پتلیوں پر دو یا چار آدمی کام کرتے تھے ان پر دو یا چار کی جگہ ایک آدمی سارا کام کر سکے۔ اس میں آوشیک ہو جاتا ہے کہ اُس ایک آدمی کی سہولیت کے لئے مشین میں کچھ آلت پھیر یا سدھار کر دیا جاوے۔ اس کے لئے اُس ایک آدمی کو کچھ ادھک مزدوری بھی کہیں کہیں دے دی جاتی ہے۔ پر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ باقی آدمی بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسے 'لیبر سیونگ' کہا جاتا ہے، یعنی کم مزدوروں سے ادھک کام نکالنا۔

اس طرح کے ریشنلائزیشن کی ضرورت ان ملکوں کو ہوتی ہے جن میں آدمیوں کی کمی ہے اور جو اپنی ملوں کی پیداوار اس لئے بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ اُس پیداوار کو دوسرے پچھڑے ہوئے دیسوں میں بیچکر وہاں سے دھن چوس سکیں۔ یہ ویسٹیا پونجی وائی ویسٹیا ہے۔ یہی آرتھک سامراج واد کی جڑ ہے۔ پر جس دیس کے اندر آدمیوں کی کمی نہ ہو اور کروڑوں انسانوں کی شکتی بیکاری کے کارن پڑی سڑتی ہو اُس میں ریشنلائزیشن کے کوئی معنی ہی نہیں ہوتے۔ یہ کہنا کہ ریشنلائزیشن لوگوں کی محنت بچانے کے لئے کیا جاتا ہے بہت بڑا فربہ اور

बोला है। इसी तरह की कोशिशों के लिये महात्मा गान्धी ने एक जगह कहा है—“यह लोग मजदूरी बचाने की लगातार कोशिश करते रहते हैं यहां तक कि हजारों आदमी खुली गलियों के अन्दर फाँके से पड़े मरने लगते हैं।” साफ बात यह है कि रैशनेलाइजेशन के जरिये पैदावार की बानि कपड़े की लागत को कम किया जाता है और पूँजीपतियों के मुनाफे को और बढ़ाया जाता है, यह रैशनेलाइजेशन जनता या मजदूरों के भले की चीज नहीं है। रैशनेलाइजेशन उनमें बेकारी को बढ़ाने वाली है सिवाय इसके कि पैदावार को बढ़ाने और अधिक से अधिक मुनाफा कमाने की धुन में हम दूसरे गरीब देशों पर अपना आर्थिक और तिजारती प्रमुख जमाने की फिर में हों। हमें बड़े दुख के साथ कहना पड़ता है कि हमारे देश के मिल मालिकों, पूँजीपतियों और कुछ सरकारी लोगों का रुख इधर ही को मुड़ा हुआ दिखाई देता है।

बम्बई और अहमदाबाद की कुछ मिलों में यह रैशनेलाइजेशन शुरू हो गया है। कानपुर में भी इसको शुरू करने की कोशिश की गई। लखनऊ सरकार के लोग और कानपुर के पूँजीपति इस कोशिश में शामिल थे। कानपुर के कुछ मजदूर प्रेमी और जनता प्रेमी देश भक्तों ने इसका विरोध किया। श्री शिवनारायण टंडन कानपुर के बहुत प्रतिष्ठित व्यापारी और कांग्रेस के सचचे सेवक हैं। कांग्रेस की तरफ से वह पार्लिमेण्ट के मेम्बर भी चुने गए। श्री शिवनारायण टंडन ने रैशनेलाइजेशन का विरोध किया। उनके विरोध की परवाह नहीं की गई। यहां तक कि इस विरोध के कारन ही उन्हें कांग्रेस से और पार्लिमेण्ट की मेम्बरी से इस्तीफा देना पड़ा। कानपुर की मिलों में रैशनेलाइजेशन जबरदस्ती लादने की कोशिश की गई। उसका क्रुद्ध नतीजा है यह जबरदस्त हड़ताल।

जनता या मजदूर जब किसी चीज को अपने ऊपर अन्याय समझते हों तो उन्हें शान्त और अहिंसात्मक रहकर हड़ताल यानी सत्याग्रह करने और अपनी सच्चाई को साबित करने के लिये अपने ऊपर कष्ट भेलने का पूरा हक है। इसमें शर्त केवल एक है और वह है उनका पूरी तरह अहिंसात्मक रहना। हम कानपुर की सूती मिल मजदूर सभा के नेता श्री राजाराम शास्त्री और उनके साथ के काम करने वालों को बधाई देते हैं कि उन्होंने इस लम्बी हड़ताल की पूरी शान्ति और अहिंसा के साथ निभाया। दूसरी ओर सरकार और मिल मालिकों की तरफ से हड़तालियों और उनके नेताओं की गिरफ्तारियों और मजदूरों पर ज़ियादतियों की खबरें भी अखबारों में आती रही हैं। कानपुर की जनता ने जिस प्रेम और उदारता के साथ हड़तालियों का साथ

देखा है। इसी तरह की कोशिशों के लिये महान्ता गान्धी ने एक जगह कहा है—“यह लोग मजदूरी बचाने की लगातार कोशिश करते रहते हैं यहां तक कि हजारों आदमी खुली गलियों के अन्दर फाँके से पड़े मरने लगते हैं।” साफ बात यह है कि रैशनेलाइजेशन के जरिये पैदावार की बानि कपड़े की लागत को कम किया जाता है और पूँजीपतियों के मुनाफे को और बढ़ाया जाता है, यह रैशनेलाइजेशन जनता या मजदूरों के भले की चीज नहीं है। रैशनेलाइजेशन उनमें बेकारी को बढ़ाने वाली है सिवाय इसके कि पैदावार को बढ़ाने और अधिक से अधिक मुनाफा कमाने की धुन में हम दूसरे गरीब देशों पर अपना आर्थिक और तिजारती प्रमुख जमाने की फिर में हों। हमें बड़े दुख के साथ कहना पड़ता है कि हमारे देश के मिल मालिकों, पूँजीपतियों और कुछ सरकारी लोगों का रुख इधर ही को मुड़ा हुआ दिखाई देता है।

बम्बई और अहमदाबाद की कुछ मिलों में यह रैशनेलाइजेशन शुरू हो गया है। कानपुर में भी इसको शुरू करने की कोशिश की गई। लखनऊ सरकार के लोग और कानपुर के पूँजीपति इस कोशिश में शामिल थे। कानपुर के कुछ मजदूर प्रेमी और जनता प्रेमी देश भक्तों ने इसका विरोध किया। श्री शिवनारायण टंडन कानपुर के बहुत प्रतिष्ठित व्यापारी और कांग्रेस के सचचे सेवक हैं। कांग्रेस की तरफ से वह पार्लिमेण्ट के मेम्बर भी चुने गए। श्री शिवनारायण टंडन ने रैशनेलाइजेशन का विरोध किया। उनके विरोध की परवाह नहीं की गई। यहां तक कि इस विरोध के कारन ही उन्हें कांग्रेस से और पार्लिमेण्ट की मेम्बरी से इस्तीफा देना पड़ा। कानपुर की मिलों में रैशनेलाइजेशन जबरदस्ती लादने की कोशिश की गई। उसका क्रुद्ध नतीजा है यह जबरदस्त हड़ताल।

जलता या मजदूर जब किसी चीज को अपने ऊपर अन्याय समझते हों तो उन्हें शान्त और अहिंसात्मक रहकर हड़ताल यानी सत्याग्रह करने और अपनी सच्चाई को साबित करने के लिये अपने ऊपर कष्ट भेलने का पूरा हक है। इसमें शर्त केवल एक है और वह है उनका पूरी तरह अहिंसात्मक रहना। हम कानपुर की सूती मिल मजदूर सभा के नेता श्री राजाराम शास्त्री और उनके साथ के काम करने वालों को बधाई देते हैं कि उन्होंने इस लम्बी हड़ताल की पूरी शान्ति और अहिंसा के साथ निभाया। दूसरी ओर सरकार और मिल मालिकों की तरफ से हड़तालियों और उनके नेताओं की गिरफ्तारियों और मजदूरों पर ज़ियादतियों की खबरें भी अखबारों में आती रही हैं। कानपुर की जनता ने जिस प्रेम और उदारता के साथ हड़तालियों का साथ

دیا ہے اور ان کی مصیبتوں میں ہاتھ بٹایا ہے وہ بھی کانپور کے لئے بڑے گہرو کی چیز ہے۔ ہمارا دل اس معاملہ میں کانپور کے مزدوروں اور وہاں کی جنتا کے ساتھ ہے۔

کانپور کے مزدور کافی کھٹ بھگ چکے۔ وہ اپنی سچائی ثابت کر چکے۔ سرکار اور مل مالیکوں کے لئے اب تین ہی راستے ہیں۔ سب سے اچھا انصاف کا اور نیکی کا راستا یہ ہے کہ وہ اپنی ریشنلایزیشن کی توجہ کو واپس لے لیں، مزدوروں کی مصیبتوں کو ختم کریں اور بالکل پہلے کی طرح پریم کے ساتھ ملکر رہیں اور کام کریں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ گرفتار نہیٹاؤں اور مزدوروں کو رہا کر کے شری راجارام شاستری اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ برابری کے ڈھنگ سے ملکر بیٹھیں اور ناقابل صلح کا کوئی راستہ نکالیں۔ تیسرا راستہ یہ ہے کہ وہ اپنی جبروتی ان کو چھوڑ دے اور اپنی شکتی اور پیسہ کے بل مزدوروں اور ان کے نہیٹاؤں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہیں۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہمارے کچھ شاسکوں اور پٹیوں نے یہ جھوٹی آن انگریز سرکار سے سیک لی ہے۔ دیہی کی سرکاروں اور دیہی کے پونجی پتھوں کو اس سے اوپر اٹھنا چاہئے تاکہ شاسک اور شاست پونجی پتی اور مزدور سب ملکر اس دیہی میں پریم کے ساتھ رہ سکیں۔ ہماری بھکڑوں سے یہی پرارتھنا ہے کہ وہ ہم سب کو ٹھیک راستے پر چلنے کی ہمت دے۔ آج کے اخباروں میں خبر چھپی ہے کہ شری راجارام شاستری چیف منسٹر شری سمپورناند سے ملنے نیلی نال جا رہے ہیں۔ ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر ہمارے اس نوٹ کے چھپنے سے پہلے کانپور کا یہ گھریلو جھگڑا انصاف اور پریم کے ساتھ طے ہو چکا ہوگا۔

2-7-55

—سندرلال

سندرلال

2. 7. 55

فیر—اس نوٹ کے چھپنے چھپنے آج یہ خبر ملی کہ ہونال سمپت ہو گئی۔

پھر—اس نوٹ کے چھپنے چھپنے آج یہ خبر ملی کہ ہونال سمپت ہو گئی۔

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف علمی مہن میں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف علمی مہن میں

نام کتاب	لکھک	قیمت	نمبر	نام کتاب	لکھک	قیمت	نمبر
1. شہر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گوتلیہ	8 0 0	1	2. شعر و سخن	"	8 0 0	2
3. گھرے پانی پتہ	"	2 8 0	3	4. ہمارے آداب	شری ہمدانی داس	3 0 0	4
5. سنسکرت	شری جگدیش چندر جین	3 0 0	5	6. دو ہزار دہائی پرانی کہانیاں	شری نارائن پرساد جین	6 0 0	6
7. جہان گنگا	شری شانتی پریہادی	2 0 0	7	8. پتہ چلے	شری شانتی ایم . اے	2 0 0	8
9. پنج پدیپ	شری کلبھلال مشر پرہار	2 0 0	9	10. اکھ کے تارے	شری ویرندر کمار جین ایم . اے	0 0 0	10
11. مکتی دوت	شری بھگوان داس کھلا	0 0 0	11	12. ملین پامنی	شری بھگوان داس کھلا	0 0 0	12
13. راجت ریشم	شری بھگوان داس کھلا	3 0 0	13	14. مہرے ہاپو	شری بھگوان داس کھلا	2 4 0	14
15. ویرش سچ کی اور	شری بھگوان داس کھلا	2 8 0	15	16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	1 4 0	16
17. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	0 0 0	17	18. بھارتیہ شاسن	شری بھگوان داس کھلا	3 0 0	18
19. ناگرک شاستر	شری بھگوان داس کھلا	2 4 0	19	20. ناگرک شاستر	شری بھگوان داس کھلا	2 8 0	20
21. سامراج اور ان کا پتن	شری بھگوان داس کھلا	1 4 0	21	22. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0	22
23. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0	23	24. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	3 8 0	24
25. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	3 8 0	25	26. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	2 0 0	26
27. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	2 0 0	27	28. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	28
29. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	29	30. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	0 8 0	30
31. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	31	32. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	32
33. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	33	34. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	34
35. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	35	36. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	36
37. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	37	38. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	38
39. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	39	40. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	40
41. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	41	42. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	42
43. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	43	44. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	44
45. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	45	46. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	46
47. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	47	48. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	48
49. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	49	50. بھارتیہ سوادھوتا	شری بھگوان داس کھلا	1 0 0	50

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—

145، جلیانوالہ آباد، لاہور

میلنے کا پتہ—

145، جلیانوالہ آباد، لاہور

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرتک ساھتیہ

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आज़ाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता मल्ले का पते

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سببندہ میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—ڈیڑھ روپیہ

مہاتما زر تھستور اور ایرانی سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

سبیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنڈره)

لیکھک—شری مجیب رضوی، قیمت—دو روپیہ

آگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑھ روپیہ

قرآن اور دھارمک متبھید

لیکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—ڈیڑھ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاؤں کا سنڈره)

لیکھک—رگوبتی سہاسے فراق، قیمت—تین روپیہ

ہندستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلتھر سوسائٹی

145 مٹھی گنج، الہ آباد 14 مٹھی گنج، الہ آباد

हिन्दी घर

کتاب خانہ ہندی

کलچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

اپنے ہر طرح کی کتابیں ملنے ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیواک کے ماننے جانے

لیکھک—گاندھیواک کے ماننے جانے

تبدیلان : شری منچر اعلیٰ ماسکرا

تبدیلان : شری منچر اعلیٰ ماسکرا

سکے 225، کیمت دو روپیہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : 0 : —

— : 0 : —

گاندھی بابا

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—گاندھی بابا

لیکھک—گاندھی بابا

مضمک—پنڈت جواہرلال نہرو

مضمک—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاراج، موتا ڈاڑھ، بہت سی رنگین تصویروں

موتا کاراج، موتا ڈاڑھ، بہت سی رنگین تصویروں

دام دو روپیہ

دام دو روپیہ

— : 0 : —

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کوران

گیتا اور کوران

275 سکے، دام ڈاڑھ روپیہ

275 سکے، دام ڈاڑھ روپیہ

ہندو مسلمان اکوتا

ہندو مسلمان اکوتا

100 سکے، دام بارہ آنے

100 سکے، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

کیمت وارہ آنے

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

کیمت چار آنے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

بنگال اور اُس سے سبق

کیمت دو آنے

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 مٹھوگج ایلاہاواک

145 مٹھوگج ایلاہاواک

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

14- **انجمن کلمبر سوسائٹی**

145 'مقام' گنبر، ان آباد

کتاب کس سے	صفحہ	سفر
1. تعلیم کا چوتھا 'آر'	61	...
2. مورخوں کے بعد براہمنوں کا زمانہ	67	...
3. ہاشا کا سوال	77	...
4. شواہی اور شکر	84	...
5. سورگتہ سید اے۔ ایف۔ ایم۔ عبدالملی	87	...
6. عالمگیر کا وصیت نامہ	90	...
7. شری گمان شکر کرپا شکر پندہا	95	...
8. ہماری خوراک میں توکریوں کی جگہ	104	...
9. شریعتی شاننا پاندے	111	...
10. انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈائری	114	...
11. پندت سنہر لال	116	...
12. جل کلیا کے آنسو		
13. شریعتی شانت نامہ پاندے		
14. اللہ مہاں کے گیت		
15. شریعتی حاجرہ بیکم		
16. کچھ کتابیں		
17. ہماری رائے		

وینوہا جی اور زمین کی ملکیت، شری
بی۔ جی۔ گھڑ اور سرکار، भारत کے
بچے اور بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ، ایک آدرش
گورنر—سندر لال؛ اندھ وشواس کا
انٹرنہ—ستہ دیو وباللکر؛ گوا کی آزادی
کا سوال—وی۔ نا۔ پاندے۔

سچنا

سوچنا

اس اٹک کا صفحہ نمبر 67 سے لیکر 98 تک
فلٹ ہو گیا ہے۔ وہ اصل میں 77 سے لیکر 108 تک
ہونا چاہئے۔ ہاتھ سمجھ کر درست کر لیں۔ اس
غلطی کے لئے ہم چھاپے میں—ایڈیٹر۔

اس اٹک کا صفحہ نمبر 67 سے لیکر 98 تک
فلٹ ہو گیا ہے۔ وہ اصل میں 77 سے لیکر 108 تک
ہونا چاہئے۔ ہاتھ سمجھ کر درست کر لیں۔ اس
غلطی کے لئے ہم چھاپے میں—ایڈیٹر۔

تعلیم کا چوتھا 'آر'

ڈاکٹر بہگوان داس

پہلے کے ایک لکھ میں ہم آجکل کی پچھلی سہولت کی
گولت کی چرچا کرچکے ہیں۔ ہم دیکھا چکے ہیں کہ نئی
'راج لینی' 'ارنو شاسٹر' گھڑیلو جیون، 'تعلیم' کا اور ملور لیجن
سب میں آج ہم تعزی کے ساتھ ہر بادی کے گھر کی طرف بڑھے
چلے جا رہے ہیں۔ جو باتیں ہمارے لئے سب سے آرشک اور
ہمارے بظاہر کی ہیں انہیں ہم آریوہارک یعنی غیر علی مستحب
سمتے ہیں اور جو ہمیں ملانے والی ہیں انہیں ہم ویوہارک
یعنی علی مستحب سمجھتے ہیں۔

اس حالت کی سب سے بڑی ذمہ داری ہمارے سائنسدانوں اور ادھیانچوں پر ہے۔ اس زمانے کے یہ براہمن اپنے کرتوبہ کو بھول کر دنیا کی حالت کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرنے کے بجائے اُسے اور بگاڑنے میں مدد دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو شیطان اور شیطان کے ایجنٹوں کے ہاتھ بیچ رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا یہ اصول بن گیا ہے کہ آج تو کھاؤ پیو اور گلچہرے آؤ، یعنی جو تھوڑے سے لوگ بھی ایسا کر سکیں کریں، اور کل کی کل دیکھی جائیگی! آج کی پیڑھی کل کی پیڑھی کے لئے اپنے سم چین میں کسی کیوں کرے؟ اگلی پیڑھی کے لئے دھن سہنی کی جگہ ہم بھاری بھاری قرضے کیوں نہ چھوڑ جائیں! یہی آجکل کے جیون کا فلسفہ ہے۔ یہی ہمارے چاروں طرف کی نیتک ہوا ہے۔ ہماری 'راج نہتی'، 'ارتھ نہتی' اور گھریلو جیون سب اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس پاپ اور پاگلپن کا نام ہی ہم نے سہیبتا یعنی تہذیب رک رکھا ہے۔ اسی کو ہم اُنٹی کہتے ہیں۔ کم سے کم وہ لوگ اپنی اُنٹی اُسی میں سمجھتے ہیں جن کے ہاتھوں میں آج دنیا کی ستا ہے، یعنی جن کے ہاتھوں میں دھن کی تھیلی اور تلواریں ہیں۔

اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں تہاں اور سب جگہ اس کی پرتی کرپا یعنی نتیجہ دکھائی دینے لگے ہیں اور یہ پرتی کرپا ہی توفیق سے پڑھتی جا رہی ہے۔ اس پرتی کرپا نے ساری دنیا کو ہلا دیا ہے۔ ساری دنیا پر چھن ہے۔ روس میں بہت بڑا انقلاب ہو چکا ہے۔ وہ انقلاب ہر طرح ہلنے کے لئے ہی ہے یا ہر طرح برے کے لئے یا کچھ ہلنے کے لئے اور کچھ برے کے لئے؛ یہ کم سینا ابھی ہر کسی کے لئے نہیں نہیں ہے۔ اتنی یعنی زیادتی ہر چیز کی ہیشہ آٹا اتر لاتی ہے لیکن

انسانی سماج کی یہ प्रतिक्रिया बड़ी और कैलती जा रही है। यह जरूरी हो सकता है कि इस प्रतिक्रिया के साथ साथ मानव समाज एक सुसीकत से निकलकर दूसरी सुसीकत में आ सके। राजाओं और बादशाहों की तानाशाही और उनके वस्त्रों से निकलकर हम सरदारों, सामंतों और बीबी नेताओं के शासन में आए। वहाँ से निकलकर दुनिया पूँजीवाद, पूँजीपतियों और धनलोभी स्वार्थी लोगों के हाथों में गई। इसकी कुदरती प्रतिक्रिया हुई सोशलिज्म यानी समाजवाद और कम्युनिज्म यानी साम्यवाद। यह समाजवाद यदि सच्चा समाजवाद न हुआ तो जरूर है कि हम फिर से सबसे चालाक और सब से चलते हुए लोगों या नेताओं के चक्कर में पड़कर जिसकी लाठी उसकी भैंस के वक़्त में फँस जायें और इतिहास का पुराना रौतानी चक्कर फिरसे शुरू हो जावे।

कोई नहीं चाहता कि ऐसा हो। पर इसके लिए हमें सावधान रहने की जरूरत है। हम इस खतरे से आसानी से बच सकते हैं अगर हमारे साइंसदां और हमारे बच्चों को तालीम देने वाले ईमानदारी के साथ अपने कर्ष का पूरा करें। उनमें साइंस यानी विमारी जानकारी और दीन धर्म यानी नेकी और सबके भले की इच्छा दोनों साथ साथ होनी चाहिए।

इसरी बरस पहले मानव जाति एक तरह के कुदरती कम्युनिज्म यानी साम्यवाद का जीवन बिताती थी। आदमी मिटोहों में रहते थे। सब संपत्ति सब की होती थी। किसी की कोई अलग संपत्ति न थी। यह हालत हमारी सभ्यता से पहले की हालत थी। इससे निकलकर हम दूजे बदर्जे आजकल के हद्द दर्जे के व्यक्तिवाद यानी नफसा नफसी में पहुँचे। सब अलग अलग, सबमें एक दूसरे के साथ होड़, एक दूसरे से मुकाबला और टक्करें, हरेक में खुदी का बोझाला, फिर वह खुदी चाहे व्यक्तिगत रूप ले चाहे राष्ट्रीय। इस हालत से निकलकर हमें सोच समझ कर पूरी कांशिश के साथ एक ऊँचे इंगकी मिली जुली ज़िंदगी, एक अच्छे सहयोग और समाजवाद की तरफ बढ़ना है। हमारा यह नया समाजवाद एक साइसी योजना के साथ बनना चाहिए। यह क़िलाक कुदरत ज़बरदस्ती का और मशीनी रौर टिकाक साम्यवाद न हो जो हम पर बाहर से लाद दिया गया हो। हमारा यह समाजवाद मानव प्रकृति के अटल नियमों और मानव जीवन के टिकाक आदर्शों के अनुसार होना चाहिए। हम पहले भी इसकी चर्चा कर चुके हैं। यह ठीक है कि आदमी आदमी सब बराबर हैं। यह भी ठीक है कि सब को बराबर के मौके मिलने चाहिए। पर यह भी ठीक है कि आदमियों के अलग अलग स्वभाव,

बहुतेरे सौदागी की ये प्रतीकिया बड़ी और कैलती जा रही है। यह जरूरी हो सकता है कि इस प्रतिक्रिया के साथ साथ मानव समाज एक सुसीकत से निकलकर दूसरी सुसीकत में आ सके। राजाओं और बादशाहों की तानाशाही और उनके वस्त्रों से निकलकर हम सरदारों, सामंतों और बीबी नेताओं के शासन में आए। वहाँ से निकलकर दुनिया पूँजीवाद, पूँजीपतियों और धनलोभी स्वार्थी लोगों के हाथों में गई। इसकी कुदरती प्रतिक्रिया हुई सोशलिज्म यानी समाजवाद और कम्युनिज्म यानी साम्यवाद। यह समाजवाद यदि सच्चा समाजवाद न हुआ तो जरूर है कि हम फिर से सबसे चालाक और सब से चलते हुए लोगों या नेताओं के चक्कर में पड़कर जिसकी लाठी उसकी भैंस के वक़्त में फँस जायें और इतिहास का पुराना रौतानी चक्कर फिरसे शुरू हो जावे।

कोई नहीं चाहता कि ऐसा हो। पर इसके लिए हमें सावधान रहने की जरूरत है। हम इस खतरे से आसानी से बच सकते हैं अगर हमारे साइंसदां और हमारे बच्चों को तालीम देने वाले ईमानदारी के साथ अपने कर्ष का पूरा करें। उनमें साइंस यानी विमारी जानकारी और दीन धर्म यानी नेकी और सबके भले की इच्छा दोनों साथ साथ होनी चाहिए।

हजारों बरस पहले मानव जाति एक तरह के कुदरती कम्युनिज्म यानी साम्यवाद का जीवन बिताती थी। आदमी मिटोहों में रहते थे। सब संपत्ति सब की होती थी। किसी की कोई अलग संपत्ति न थी। यह हालत हमारी सभ्यता से पहले की हालत थी। इससे निकलकर हम दूजे बदर्जे आजकल के हद्द दर्जे के व्यक्तिवाद यानी नफसा नफसी में पहुँचे। सब अलग अलग, सबमें एक दूसरे के साथ होड़, एक दूसरे से मुकाबला और टक्करें, हरेक में खुदी का बोझाला, फिर वह खुदी चाहे व्यक्तिगत रूप ले चाहे राष्ट्रीय। इस हालत से निकलकर हमें सोच समझ कर पूरी कांशिश के साथ एक ऊँचे इंगकी मिली जुली ज़िंदगी, एक अच्छे सहयोग और समाजवाद की तरफ बढ़ना है। हमारा यह नया समाजवाद एक साइसी योजना के साथ बनना चाहिए। यह क़िलाक कुदरत ज़बरदस्ती का और मशीनी रौर टिकाक साम्यवाद न हो जो हम पर बाहर से लाद दिया गया हो। हमारा यह समाजवाद मानव प्रकृति के अटल नियमों और मानव जीवन के टिकाक आदर्शों के अनुसार होना चाहिए। हम पहले भी इसकी चर्चा कर चुके हैं। यह ठीक है कि आदमी आदमी सब बराबर हैं। यह भी ठीक है कि सब को बराबर के मौके मिलने चाहिए। पर यह भी ठीक है कि आदमियों के अलग अलग स्वभाव,

ہمارے ہمارے، ساری دنیا کے अधिकतर सभी
 انسانوں کی زندگی، ساری تالیम बनावटी، वे असर,
 विनम्री, बहिक साक मुकसान करने वाली, और हव वजे
 कावली और मैदनी है. हमारे बच्चों के अंदर यह रालत
 बावरी, रालत बिचार और जीवन के रालत मकसद भर
 देती है. हम बीचों के बोक् के नीचे जो जीवन के केवल
 कानून हैं यह जीवन के असली मकसद को ही दबाकर
 कवम कर देती है. विलावटी और बिलकुल मुकद बातों के
 बोक् से यह जीवन के असली उसूलों को दम चोटकर मार
 डालती है. इसे बड़ी बड़ी लागत की हमारतें चाहिए, बड़ी
 बड़ी समझावें चाहिए, बेहव मैहगा और तरह तरह का
 साव सामान और औजार चाहिए, वह बीचें चाहिएँ जो
 कम से कम एशियाई देशों की बिसाल से कोई सम्बन्ध ही
 नहीं रखती. इन सब बातों के होते हुए आजकल की यह
 वालीम प्रकृति यानी कुदरत से हमें बिलकुल दूर फेंक देती है,
 वहाँ तक कि कुदरत के अध्ययन यानी सुतालें में भी इसने
 एक दुर्टना बनावटीपन पैदा कर रखा है. इससे अधिकतर
 केवल वे लोग पैदा होते हैं जो 'लरनेड प्रॉफेशनस' यानी
 बिधा सम्बन्धी पेशों के लोग कहलाते हैं. यह तालीम न
 बच्चों की अलग अलग तबियतों और अलग अलग काब-
 जिकतों का पता लगा सकती है, न उसे परख सकती है और
 न उसे बढ़ने का मौका दे सकती है. इस तालीम में सब
 ज्ञान बाईस पसेरी के निर्दयी उसूल पर बच्चों की आत्माएँ
 कुचल डाली जाती हैं. इस बात की सख्त जरूरत है कि
 आजकल की इस तालीम की जगह एक अधिक कुदरती,
 अधिक काम की और अधिक सस्ती तालीम बच्चों को दी
 जावे जो हर लड़के और लड़की को उसके लिए सब से
 अच्छे और सब से दिल पसंद काम के काबिल बना दे. वह
 तालीम जो बच्चों को जीवन के ठीक ठीक आदर्श बतावे
 और हमारी सारी मानव सभ्यता के इखलाक़ी और रहानी
 वाचस्परण को बदल दे, इससे पहले कि हम बरबाद हों.

पच्छिम के बड़े बड़े विद्वानों का ध्यान इन बातों की
 तरफ़ जाने लगा है. एक बहुत बड़े विद्वान एडवर्ड सेगुइन,
 जिनका सारा जीवन तालीम के कामों में ही बीता, लिखते
 हैं: — "अगर हम अपनी रोज़मर्रा की ज़िंदगी की मामूली
 चीज़ों का अपने हाथों से ठीक ठीक उपयोग कर सकें, तो
 हमारी तालीम पर उसका बहुत बड़ा असर पड़ सकता है. इन
 मामलों में हम तालीम के जरियों और साधनों को तो बहुत
 बड़ी तरह याद रखते हैं लेकिन जिन उसूलों पर उन
 जरियों और साधनों से काम लेना चाहिए उन उसूलों को
 भूल जाते हैं. असलियत यह है कि वे उसूल ही सब से
 ज़रूरी हैं. इन उसूलों को भूल जाना या उनकी
 जगह से बेपरवाही करना सारी तालीम को बिगाड़ देता है.
 वह असल ही तालीम का फलसफा है."

आज की दुनियाँ, یعنی دنیا کے ادھکتر سبھی کھلے والے
 دھنوں کی ساری تعلیم بلاؤنی ہے 'اثر' 'نکس' بلکہ صاف نقصان
 کرنے والی اور جدوجہد خرجیلی اور مہنگی ہے. ہمارے بچوں
 کے اندر یہ غلط آدھی غلط دھار اور جہن کے غلط مقصد پر
 دینی ہے. ان چیزوں کے ہوج کے نیچے جو جہن کے کھل
 سادھن میں یہ جہن کے اصلی مقصد کو ہی دباکر ختم کر
 دیتی ہے. دھانوی اور بالکل تھج ہاتوں کے ہوج سے یہ جہن
 کے اصلی اصولوں کو دم گھونٹ کر مار ڈالتی ہے. اسے بڑی بڑی
 اکف کی عبارتیں چلئے بڑی بڑی تنخواہیں چاہئے
 یہ ہن مہنگا. اور طرح طرح کا سلمان اور اوزار چاہئے وہ چیزیں
 چاہئیں جو کم سے کم ایشیائی دیشوں کی بساط سے کوئی
 سیدھ ہی نہیں رکھیں. ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے آجکل
 کی یہ تعلیم پوکری یعنی قدرت سے ہمیں بالکل دور پھینک دیتی
 ہے پہلی ٹک کہ قدرت کے آدھن یعنی مطالعہ میں بھی اس
 نے ایک دردناک بلاؤنی پن پیدا کر رکھا ہے. اس سے ادھکتر
 کھل دے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو 'لرنڈ پروفیشنز' یعنی ودیا
 سبڈھی پیشوں کے لوگ کہلاتے ہیں. یہ تعلیم نہ بچوں کی
 الگ الگ طبیعتوں اور الگ الگ قابلیتوں کا پتہ لگا سکتی ہے
 نہ اسے پرکھ سکتی ہے اور نہ اسے بڑھنے کا موقع دے سکتی ہے.
 اس تعلیم میں سب دھان ہائیس پسیری کے نردنی اصول پر
 بچوں کی آبنائیں کھل ڈالی جاتی ہیں. اس بات کی سخت
 ضرورت ہے کہ آجکل کی اس تعلیم کی جگہ ایک ادھک قدرتی
 ادھک کم کی اور ادھک سستی تعلیم بچوں کو دیجائے جو ہر لڑکے
 اور لڑکی کو اس کے لئے سب سے اچھے اور سب سے دل پسند
 کام کے قابل بنادے. وہ تعلیم جو بچوں کو جہن کے ٹھیک
 ٹھیک آدھی بتارے اور ہماری ساری مانو سبھیتا کے اخلاقی اور
 روحانی واچاروں کو بدل دے اس سے پہلے نہ ہم برباد ہوں.

پچھم کے بڑے بڑے ودوانوں کا دھیان ان باتوں کی طرف
 چالے گا ہے. ایک بہت بڑے ودوان ایدورہ سیگون' جنکا
 سارا جہن تعلیم کے کسوں میں ہی بیتا لہتہ میں: — "اگر
 ہم اپنی روز مرہ کی زندگی کی معمولی چیزوں کا اپنے ہانہوں
 سے ٹھیک ٹھیک ایڈوک کر سکیں تو ہماری تعلیم پر اس کا بہت
 بڑا اثر پڑ سکتا ہے. ان معاملوں میں ہم تعلیم کے ذریعوں اور
 سادھنوں کو تو بہت اچھی طرح یاد رکھتے ہیں لیکن جن
 اصولوں پر ان ذریعوں اور سادھنوں سے کام لینا چاہئے ان
 اصولوں کو بھول جاتے ہیں. اصابت یہ ہے کہ وہ اصول ہی
 سب سے پہلے ضروری ہیں. ان اصولوں کو بھول جانا یا ان
 کی طرف سے بے پرواہی کرنا ساری تعلیم کو بگاڑ دیتا ہے. یہ
 اصول ہی تعلیم کا فلسفہ ہیں."

انسان کے لئے تعلیم کا وہ نام ہے جس سے انسان کو اپنی
 انسانیت کو پس لے اپنی نگاہ سے اوجھل کر دیتے ہیں کہ یا تو
 انہیں سمجھنے کی ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی اور
 یا قابلیت ہوتے ہوئے بھی خود غرضی انہیں اندھا کر دیتی
 ہے۔ اس لیے کہ لے آئے چل کر کہا ہے:—”سب سے بڑی
 شے جو بچوں کو سچ کے لیے اور کام کے انک بنا سکتی
 ہے پریم ہے۔ جس طرح ہم بچوں کی دیکھنے والی آنکھ کی
 شے کو بڑھاتے ہیں اسی طرح ہمیں ان کے اندر پریم کی
 شے بڑھانی چاہئے۔ اس کے لئے ہم انہیں یا نہ اندھیاہوں
 کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت کیوں اتنی ہے کہ ہم بچوں
 کے دلوں پر ٹھیک اثر ڈالنا اور انہیں کھلنے کا ٹھیک موقع
 دینا سیکھیں۔ بچے کے دل میں یہ بات بیٹھ جانی چاہئے کہ
 دوسرے مجھ سے پیار کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں مجھ
 میں یہ امنگ جاگنی چاہئے کہ وہ دوسروں سے پیار کرے۔
 یہی ہماری تعلیم کی شروعات تھی اور یہی اس کا آخری مقصد
 ہے۔ سائنس، سائنس، سائنس، فلسفی سب ہمارے بچوں کو
 کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، لیکن انہیں مانو سچ
 کا آہنگی، انک کیوں پریم ہی بنا سکتا ہے۔ اس لئے بچوں
 کی سچے رکشک اور سچے بچانے والے وہی ہیں جو بچوں سے
 پیار کرتے ہیں۔“ یہ پریم اور اس کے ساتھ منہس سہاو کے کچھ
 اصول ہی سچے سوشائزم یعنی سچ والے کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔
 اس لئے دنیا کے سب سے بڑے اندھیاہوں وہی ہیں جو منشیہ
 جاتی سے سب سے ادھک پریم کرتے ہیں، یعنی ان بڑے بڑے
 دھرموں کے قائم کرنے والے جو دھرم لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ
 اور سب کو ایک ایشور اللہ کے ساتھ بانڈھتے ہیں اور جنہوں نے
 اپنے اپنے سمے میں نئی نئی سہیتاؤں کو جنم دیا۔

ایمرسن نے کہا ہے:—”سب پریم کے ہوالے کر دو۔ اس
 اس پر پورا بھروسہ کرو۔ پریم ہی ایشور ہے۔ پریم کے لیے
 آسانمان کے سب دروازے کھلے ہوئے ہیں۔“

سہیتا یا تہذیب تب ہی سہیتا یا تہذیب کہلا سکتی ہے
 جب اس کے اندر سب کے ہلے کی اچھا سب طرف سٹائی
 ہوتی ہو۔ اتنا ہی نہیں، ہر ایک کے اندر ہر دوسرے کے ساتھ
 پریم اور ہمدردی ہو اور اسی کے انوسار عمل ہو۔ یہ عمل ٹھیک
 تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم میں اپنے آپ پر قابو ہو، کہاں پاں
 اور سب چیزوں میں ایک ہیج کا راستہ ہو، ہمت ہو،
 برداشت ہو اور اپنا اپنا فرض پورا کرنے کی زبردست لگن ہو۔
 وہی سچی سہیتا کہلانے کی حقدار ہے جس میں بھوک و لاس،
 گھمڈ، نفرت، لالچ، حسد، سوارتہ اور قدر ان سب کو اور لکھ گنوں
 نے پوری طرح اپنے قابو میں کر رکھا ہو۔ زبردستی کے
 سامعواں اور ظالمانہ دیکھتی وان اور نردنی پونجی وان

انسان کے لئے تعلیم کا وہ نام ہے جس سے انسان کو اپنی
 انسانیت کو پس لے اپنی نگاہ سے اوجھل کر دیتے ہیں کہ یا تو
 انہیں سمجھنے کی ان میں دماغی قابلیت نہیں ہوتی اور
 یا قابلیت ہوتے ہوئے بھی خود غرضی انہیں اندھا کر دیتی
 ہے۔ اس لیے کہ لے آئے چل کر کہا ہے:—”سب سے بڑی
 شے جو بچوں کو سچ کے لیے اور کام کے انک بنا سکتی
 ہے پریم ہے۔ جس طرح ہم بچوں کی دیکھنے والی آنکھ کی
 شے کو بڑھاتے ہیں اسی طرح ہمیں ان کے اندر پریم کی
 شے بڑھانی چاہئے۔ اس کے لئے ہم انہیں یا نہ اندھیاہوں
 کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت کیوں اتنی ہے کہ ہم بچوں
 کے دلوں پر ٹھیک اثر ڈالنا اور انہیں کھلنے کا ٹھیک موقع
 دینا سیکھیں۔ بچے کے دل میں یہ بات بیٹھ جانی چاہئے کہ
 دوسرے مجھ سے پیار کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں مجھ
 میں یہ امنگ جاگنی چاہئے کہ وہ دوسروں سے پیار کرے۔
 یہی ہماری تعلیم کی شروعات تھی اور یہی اس کا آخری مقصد
 ہے۔ سائنس، سائنس، سائنس، فلسفی سب ہمارے بچوں کو
 کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، لیکن انہیں مانو سچ
 کا آہنگی، انک کیوں پریم ہی بنا سکتا ہے۔ اس لئے بچوں
 کی سچے رکشک اور سچے بچانے والے وہی ہیں جو بچوں سے
 پیار کرتے ہیں۔“ یہ پریم اور اس کے ساتھ منہس سہاو کے کچھ
 اصول ہی سچے سوشائزم یعنی سچ والے کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔
 اس لئے دنیا کے سب سے بڑے اندھیاہوں وہی ہیں جو منشیہ
 جاتی سے سب سے ادھک پریم کرتے ہیں، یعنی ان بڑے بڑے
 دھرموں کے قائم کرنے والے جو دھرم لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ
 اور سب کو ایک ایشور اللہ کے ساتھ بانڈھتے ہیں اور جنہوں نے
 اپنے اپنے سمے میں نئی نئی سہیتاؤں کو جنم دیا۔

ایمرسن نے کہا ہے:—”سب پریم کے ہوالے کر دو۔ اس
 اس پر پورا بھروسہ کرو۔ پریم ہی ایشور ہے۔ پریم کے لیے
 آسانمان کے سب دروازے کھلے ہوئے ہیں۔“

سہیتا یا تہذیب تب ہی سہیتا یا تہذیب کہلا سکتی ہے
 جب اس کے اندر سب کے ہلے کی اچھا سب طرف سٹائی
 ہوتی ہو۔ اتنا ہی نہیں، ہر ایک کے اندر ہر دوسرے کے ساتھ
 پریم اور ہمدردی ہو اور اسی کے انوسار عمل ہو۔ یہ عمل ٹھیک
 تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم میں اپنے آپ پر قابو ہو، کہاں پاں
 اور سب چیزوں میں ایک ہیج کا راستہ ہو، ہمت ہو،
 برداشت ہو اور اپنا اپنا فرض پورا کرنے کی زبردست لگن ہو۔
 وہی سچی سہیتا کہلانے کی حقدار ہے جس میں بھوک و لاس،
 گھمڈ، نفرت، لالچ، حسد، سوارتہ اور قدر ان سب کو اور لکھ گنوں
 نے پوری طرح اپنے قابو میں کر رکھا ہو۔ زبردستی کے
 سامعواں اور ظالمانہ دیکھتی وان اور نردنی پونجی وان

جو انسانی سہولتوں کی جگہ سچا سماج واد مانو ہر دم کے لیے ہمیں کس کی ہی مدد سے قائم ہو سکتا ہے۔

آج دنیا اس پونجی واد اور سینک واد کے نیچے اسی لئے تھکتی رہی ہے کیونکہ ہمارے سماج کے اندر اوپر لکے درجن اندر سے کچھ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ دنیا کی کروڑوں جلتا اسی لئے آج پونجی واد، سینک واد اور سامراج واد کی شکار ہے۔ تیز سے تیز چلنے والی لڑھ اور فوٹن کی مشینیں اور چلاک سے چلاک شاکس کی ہوجانٹیں، بڑی سے بڑی راج نیٹی یا چکنہ چکنہ شبد کرانے والی کوتاہی، ایسے ایسے شبد جن کے ارنہ روز بدلتے رہیں، ان سب سے دنیا کا دکھ دور نہیں ہو سکتا۔ ہمارے دلوں کے اندر سچی دھارمک بھاؤنا یعنی ایک دوسرے کے ساتھ پریم، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور ایک دوسرے کے بھلے کی اچھا ہوئی چاہئے، سچے سماج واد کی بنیاد اسی چیز پر پڑ سکتی ہے کہ ہم سب کے اندر ایک ہی جان، ایک ہی آتما کو الوبھ کریں۔ سب کے اندر ایک آتما کو دیکھنا ہی پرماٹما کو دیکھنا ہے۔

جو अभ्यापक यह चाहता है कि वह मानव समाज में इस तरह की सभ्यता के फैलाने में मदद दे सके उसके लिए जरूरी है कि पहले वह इस एकता को अपने अंदर अनुभव कर ले। इसी से उसके अंदर सब तरह के सच्चे विचार और सच्चे भाव पैदा होंगे। इसी के अनुसार वह बच्चों को तालीम देगा और बच्चों के दिलों में आत्मा की इस एकता के भाव को जगावेगा। इस तरह की तालीम से ही हमारी सभ्यता सच्ची समाजवादी सभ्यता हो सकती है। धार्मिक शिक्षा यानी मजहबी तालीम का यही मतलब है। पंडे पुरोहितों और मुल्ला पादरियों के स्वार्थ और उनकी पक्षधरियों के कारण आज बहुत से लोगों को धर्म या मजहब के नाम से धिड़ हो गई है। इसलिए हम ऐसी तालीम को अध्यात्मिक या रहानी तालीम भी कह सकते हैं। अंग्रेजी बाळीम की बुनियाद अक्सर लोग तीन आर बताते हैं [लिखना पढ़ना और हिसाब]। अगर हम अंग्रेजी शब्द रिलिजन को ठीक ठीक समझें तो रिलिजन का आर [R] बाळीम का चौथा आर होना चाहिए और बाळी तीन 'आरों' से यह कहीं ब्यादा महम और जरूरी है।

جو ادھیاپک یہ چاہتا ہے کہ وہ مانو سماج میں اس طرح کی سہولتوں کے پھیلنے میں مدد دے سکے اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ اس ایکٹا کو اپنے اندر انوبھ کر لے۔ اسی سے اس کے اندر سب طرح کے سچے دچار اور سچے بھاؤ پیدا ہونگے۔ اسی کے انوسار وہ بچوں کو تعلیم دیگا اور بچوں کے دلوں میں آتما کی اس ایکٹا کے بھاؤ کو جگاویگا۔ اس طرح کی تعلیم سے ہی ہماری سہولت سچی سماج وادی سہولت ہو سکتی ہے۔ دھارمک شکشا یعنی مذہبی تعلیم کا یہی مطلب ہے۔ پلندے پر رھتوں اور ملا پادریوں کے سوارنہ اور ان کی غلطیوں کے کرن آج بہت سے لوگوں کو دھرم یا مذہب کے نام سے چڑھ ہو گئی ہے۔ اس لئے ہم ایسی تعلیم کو ادھیاتمک یا روحانی تعلیم بھی کہہ سکتے ہیں۔ انگریزی تعلیم کی بنیاد اکثر لوگ تین آر بتاتے ہیں (لکھنا، پڑھنا اور حساب)۔ اگر ہم انگریزی شبد ریلیجن کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں تو ریلیجن کا آر (R) تعلیم کا چوتھا آر (R) ہونا چاہئے اور باقی تینوں 'آروں' سے یہ کہیں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

ڈاکٹر یوگندر ناتھ دت

ڈاکٹر یوگندر ناتھ دت

184 ع. پورو میں میریوں کے براہمن سہاپتی پوشہ مٹر سنگ نے راجا برہدتر کو مارکر موریہ سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ پوشہ مٹر کے سلطنت پر پہلے ہی براہمن دہدے کی ایسی پرمیخت لہر آئی جس نے سارے بھارتی سماج کو دھلا دیا۔ پوشہ مٹر پہلے براہمن تھا جو کبھی کسی راج سلطنت پر بیٹھا اور اس کے بعد سے براہمنوں کی گنتی بھی شاکسورن میں ہوئی لگی۔ ایتھاسک ایلیم ملتا ہے کہ اس گنتی کی یادگار میں پوشہ مٹر نے اشو مہدہ بکھ کا سماروہ کیا۔ اس بکھ کے آہوجن سے پوشہ مٹر کا ارادہ شاید ویدک کرم کاٹنے کو پھر سے چالو کرنا رہا ہوگا۔ 'ملنچو شری مول کلپ' کا ہودہ لیکھ لکھتا ہے کہ سلطنت پر پہلے کے بعد پوشہ مٹر نے ہودہ مٹھوں کو گروا دیا۔ ہودہ اُسمرنی چنوں کو برباد کر دیا اور بڑے بڑے سچتر ہودہ بکھوں کو قتل کر دیا۔*

184 ع. پورو میں میریوں کے براہمن سہاپتی پوشہ مٹر سنگ نے راجا برہدتر کو مارکر موریہ سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ پوشہ مٹر کے سلطنت پر پہلے ہی براہمن دہدے کی ایسی پرمیخت لہر آئی جس نے سارے بھارتی سماج کو دھلا دیا۔ پوشہ مٹر پہلے براہمن تھا جو کبھی کسی راج سلطنت پر بیٹھا اور اس کے بعد سے براہمنوں کی گنتی بھی شاکسورن میں ہوئی لگی۔ ایتھاسک ایلیم ملتا ہے کہ اس گنتی کی یادگار میں پوشہ مٹر نے اشو مہدہ بکھ کا سماروہ کیا۔ اس بکھ کے آہوجن سے پوشہ مٹر کا ارادہ شاید ویدک کرم کاٹنے کو پھر سے چالو کرنا رہا ہوگا۔ 'ملنچو شری مول کلپ' کا ہودہ لیکھ لکھتا ہے کہ سلطنت پر پہلے کے بعد پوشہ مٹر نے ہودہ مٹھوں کو گروا دیا۔ ہودہ اُسمرنی چنوں کو برباد کر دیا اور بڑے بڑے سچتر ہودہ بکھوں کو قتل کر دیا۔*

اس سبب میں ایتھاسک متبہد ہے کہ پوشہ مٹر کی ترقی کہاں تک براہمنوں کے دہدے کا نتیجہ تھا۔ اس میں کوئی سلب نہیں کہ ہودہ ستا کے خلف براہمنوں کی پرمیختیا اُس سے اپنی چرم سہا پر پھولچھی جب بلخ کے یونانی راجہ میناندر نے بھارت پر چڑھائی کر کے ساکت (اردہ) تک کے پردیشوں پر قبضہ کر لیا۔ اُس منوریکھانک موقع سے فائدہ اٹھاکر سارا خیماڑہ سمرات لشوک کے اُترادھیکاری کے سر پر قاتل دیا گیا جو اپنے مہارن پوروج کے آدھوں کے آنوسار دشمن کو طاقت سے جیتنے کے مقابلے میں پریم سے جیتنے کا قایل تھا۔

سنگ سہاپتی کے تہتر تو میں براہمنوں کی اس پرمیختیا کو سورگہ شری جیسوال نے روزی رادی پرتی کرانتی کے نام سے پکارا ہے۔ اِس پرتی کرانتی (Counter Revolution) کی پوری تصدیق ہمیں 'مانو دھرم شاستر' میں ملتی ہے۔ اسی مانو دھرم شاستر کو 'منواسرتی' کہا جاتا ہے۔ شری جیسوال کے آنوسار یہ دھرم شاستر پوشہ مٹر کے سے لہا گیا

سنگ سہاپتی کے تہتر تو میں براہمنوں کی اس پرمیختیا کو سورگہ شری جیسوال نے روزی رادی پرتی کرانتی کے نام سے پکارا ہے۔ اِس پرتی کرانتی (Counter Revolution) کی پوری تصدیق ہمیں 'مانو دھرم شاستر' میں ملتی ہے۔ اسی مانو دھرم شاستر کو 'منواسرتی' کہا جاتا ہے۔ شری جیسوال کے آنوسار یہ دھرم شاستر پوشہ مٹر کے سے لہا گیا

سنگ سہاپتی کے تہتر تو میں براہمنوں کی اس پرمیختیا کو سورگہ شری جیسوال نے روزی رادی پرتی کرانتی کے نام سے پکارا ہے۔ اِس پرتی کرانتی (Counter Revolution) کی پوری تصدیق ہمیں 'مانو دھرم شاستر' میں ملتی ہے۔ اسی مانو دھرم شاستر کو 'منواسرتی' کہا جاتا ہے۔ شری جیسوال کے آنوسار یہ دھرم شاستر پوشہ مٹر کے سے لہا گیا

*—Jayaswal—"An Imperial History of India". p. 18.

*—H. C. Rai Chaudhari—"Political History of Ancient India"

‡—Jayaswal—"Manu and Jagnyavalkya.", pp, 40-41.

और इस अवस्था की व्यवस्थाओं को देखते हुए पता चलता है कि यद्यपि एक कठोर पुरुषमित्र के विश्वासघात का निमित्त समर्थन में था, कि 'नारद स्थिति' के अनुसार इसका उपायित सुखसि भाग्य नामक व्यक्ति था, कि या कम से कम अपने पुरानी 'मनुस्थिति' में वृत्तियानुसी नई व्यवस्थाएं स्थापित कर दीं, यही एक कारण हो सकता है जिससे हमें मनुस्थिति के अन्दर अलग अलग व्यवस्थाओं में अवरुद्ध स्थिति का आभास होता है !

8—Ibid.

اور ان کے ساتھ ساتھ ہی ہوسٹالوں کو دیکھتے ہوئے بگ چلتا ہے۔
 وہ اسی کا ایک آدھ پوشہ مٹر کے رشواس گھات کا لیک
 جہاں سے وہاں 'مٹوسٹری' کے آؤسار اس کا چھٹنا ہمارکو
 نالک پکائی ہا۔ ہا کم سے کم اُس نے پرانی 'مٹوسٹری' میں
 دھانسی لکھی۔ ہوسٹالوں شامل کر دیں۔ یہی ایک کلن
 ہم سنا ہے جس سے ہمیں مٹوسٹری کے اندر الگ الگ
 ہوسٹالوں میں ہوسٹال ورورہ کا آہاس ہوتا ہے !

में भी शूद्र किसी से विवाह किया हो (8-14)।” यह किंवदन्ती अनैतिहासिक बात है ! पुराने इतिहास में और अर्थशास्त्र में असंख्य विवाह के काफी उल्लेख मिलते हैं (अर्थशास्त्र भाग 3, अध्याय 7-164). मानव धर्मशास्त्र में एक जगह लिखा है—“दासी के पुत्र उसके स्वामी की सम्पत्ति हैं” (9-55). अर्थात् यह धर्मशास्त्र पशुओं, घोड़ों और गुलाम मनुष्यों की जीलाव में कोई फर्क नहीं करता. इसके विपरीत अर्थशास्त्र में साफ लिखा है कि दासी पुत्र भी ‘आर्य’ है. सम्राट् अशोक ने इस बात का ऐलान किया था कि कानून की नजर में ब्राह्मण और शूद्र सब बराबर हैं, किन्तु मानव धर्मशास्त्र ने सम्राट् अशोक की इस व्यवस्था को रद्द करके एक ही जुर्म में ब्राह्मणों और शूद्रों के लिये अलग अलग सजाओं की व्यवस्था कर दी. मानव धर्मशास्त्र के अनुसार यदि कोई द्विज किसी शूद्र के साथ जालिमाना बर्ताव करता है तो उसे कम सजा मिलेगी, किन्तु यदि कोई शूद्र किसी द्विज के साथ ऐसा बर्ताव करता है तो उसे ज्यादा सजा मिलेगी (8-267, 277; 866-376). इसके अनुसार ब्राह्मणों का पुराना दबदबा फिर कायम हो गया. किन्तु शूद्रों के प्रति बैरभाव की चरम सीमा उस समय पहुंची जब यह व्यवस्था दी गई कि—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज को गाली दे तो उसकी जीभ काट ली जाय, क्योंकि वह नीच है (8-270).† इसके विपरीत अर्थशास्त्र कहता है कि—“राजा ऐसे पुरोहित को बरखास्त कर दे जो आज्ञा देने पर भी किसी अयाज्य को वेद पढ़ाने से इनकार करता है, या जो किसी अयाज्य के यज्ञ में शामिल होने से इनकार करता है (अर्थशास्त्र भाग 1, अध्याय 10-16). अर्थशास्त्र की इस व्यवस्था के अनुसार शूद्रों को वेद पढ़ने और यज्ञ करने दोनों का हक् था. मानव धर्मशास्त्र ने इस अधिकार को छीन लिया. यही नहीं, आगे चलकर मानव धर्मशास्त्र कहता है—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज के नाम और जाति की चरचा अपमानजनक शब्दों में करता है तो दस अंगुल लम्बी लोहे की कील उसके मुंह में घुसेड़ देनी चाहिये” (8-271). एक दूसरी जगह लिखा है—“यदि कोई अद्विज घमण्ड के साथ किसी ब्राह्मण को उसके कर्तव्य का बोध कराये तो राजा को ऐसे अद्विज के मुंह और कान में जलता हुआ गरम तेल डलवा देना चाहिये” (8-272). एक और जगह लिखा है—“शरीर के जिस अंग से कोई शूद्र ऊंची जाति वाले को चोट पहुँचाये उस शूद्र के उस अंग को काट डालना चाहिये. यह मनु की शिक्षा है” (8-279). वर्ण व्यवस्था का इससे ज्यादा खौफनाक रूप और क्या हो सकता है ?

में भी शूद्र किसी से विवाह किया हो (8-14)।” यह किंवदन्ती अनैतिहासिक बात है ! पुराने इतिहास में और अर्थशास्त्र में असंख्य विवाह के काफी उल्लेख मिलते हैं (अर्थशास्त्र भाग 3, अध्याय 7-164). मानव धर्मशास्त्र में एक जगह लिखा है—“दासी के पुत्र उसके स्वामी की सम्पत्ति हैं” (9-55). अर्थात् यह धर्मशास्त्र पशुओं, घोड़ों और गुलाम मनुष्यों की जीलाव में कोई फर्क नहीं करता. इसके विपरीत अर्थशास्त्र में साफ लिखा है कि दासी पुत्र भी ‘आर्य’ है. सम्राट् अशोक ने इस बात का ऐलान किया था कि कानून की नजर में ब्राह्मण और शूद्र सब बराबर हैं, किन्तु मानव धर्मशास्त्र ने सम्राट् अशोक की इस व्यवस्था को रद्द करके एक ही जुर्म में ब्राह्मणों और शूद्रों के लिये अलग अलग सजाओं की व्यवस्था कर दी. मानव धर्मशास्त्र के अनुसार यदि कोई द्विज किसी शूद्र के साथ जालिमाना बर्ताव करता है तो उसे कम सजा मिलेगी, किन्तु यदि कोई शूद्र किसी द्विज के साथ ऐसा बर्ताव करता है तो उसे ज्यादा सजा मिलेगी (8-267, 277; 866-376). इसके अनुसार ब्राह्मणों का पुराना दबदबा फिर कायम हो गया. किन्तु शूद्रों के प्रति बैरभाव की चरम सीमा उस समय पहुंची जब यह व्यवस्था दी गई कि—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज को गाली दे तो उसकी जीभ काट ली जाय, क्योंकि वह नीच है (8-270).† इसके विपरीत अर्थशास्त्र कहता है कि—“राजा ऐसे पुरोहित को बरखास्त कर दे जो आज्ञा देने पर भी किसी अयाज्य को वेद पढ़ाने से इनकार करता है, या जो किसी अयाज्य के यज्ञ में शामिल होने से इनकार करता है (अर्थशास्त्र भाग 1, अध्याय 10-16). अर्थशास्त्र की इस व्यवस्था के अनुसार शूद्रों को वेद पढ़ने और यज्ञ करने दोनों का हक् था. मानव धर्मशास्त्र ने इस अधिकार को छीन लिया. यही नहीं, आगे चलकर मानव धर्मशास्त्र कहता है—“यदि कोई शूद्र किसी द्विज के नाम और जाति की चरचा अपमानजनक शब्दों में करता है तो दस अंगुल लम्बी लोहे की कील उसके मुंह में घुसेड़ देनी चाहिये” (8-271). एक दूसरी जगह लिखा है—“यदि कोई अद्विज घमण्ड के साथ किसी ब्राह्मण को उसके कर्तव्य का बोध कराये तो राजा को ऐसे अद्विज के मुंह और कान में जलता हुआ गरम तेल डलवा देना चाहिये” (8-272). एक और जगह लिखा है—“शरीर के जिस अंग से कोई शूद्र ऊंची जाति वाले को चोट पहुँचाये उस शूद्र के उस अंग को काट डालना चाहिये. यह मनु की शिक्षा है” (8-279). वर्ण व्यवस्था का इससे ज्यादा खौफनाक रूप और क्या हो सकता है ?

†—‘The Laws of Manu’—translated by Buhler.

اس طرح مانو دھرم شاستر نے مہرہوں کی شاسن دیوستھا کے ہواہوں کے اصول کو ایک قلم مٹا دیا اور شوتروں کو سمیٹی کے ادھیکار سے روک دیا۔ دھرم شاستر کے انوسار—”براہمن کو داس-شوتروں کی سمپتی کورن جکت کر لینی چاہیے، کیونکہ شوتروں کی اپنی کوئی سمپتی نہیں“ (8-417). اس کے اہلوا ”داس کو سمپتی رکھنے کا کوئی ادھیکار نہیں کیونکہ اس کی سمپتی اس کے سوامی کی سمپتی ہے“ (8-416). اس کے ہواہوں کے مالک ہونے کا ادھیکار دیتا تھا (ارتھ شاستر 3، ادھیاہ 13-182). ادھیاہ کے انوسار—”داس کی سمپتی اس کی مائت کے ہواہ اس کے رشتہداروں کو ملے گی اور رشتہداروں کے اہواہ میں اس کے سوامی کو“ (183). ایک اور دھرم شاستر نے شوتروں کے لیے چار اہواہیں کر دیں اور دوسری اور براہمنوں کے لئے ودھان کیا—”دینی دھن کے اہواہ میں راجہ مرتووشیا پر پڑا ہو تب بھی اسے ود پڑے ہونے براہمن سے راجہ - کر نہیں لینا چاہئے“ (7-133). یہاں بھی اہواہ کے ودھان کو توڑا گیا۔ مانو دھرم شاستر آگے چل کر کہتا ہے—”داس، دسہو اور چاندال کو گواہ کے روپ میں سوئیکار نہیں کیا جاسکتا“ (8-66). اس کے ودھیت ارتھ شاستر شوتروں کو گواہ کے روپ میں سوئیکار کرنے میں کوئی اعتراض نہیں کرنا (ارتھ شاستر 3، اف 11-174). دھرم شاستر کے انوسار شوتروں کو گواہ کے شہتہ لینے کے بعد بھی اسے جسمانی تکلیف دیکر اس کے جہوت سچ کا پتہ چلا جاتا تھا جبکہ کوتیلہ کے انوسار کسی بھی گواہ کی گواہی لکھ کر اس کی سادھارن روپ سے جانچ کرانی چاہئے، کسی گواہ کو شاربک یا تانا پہونچانے کی ضرورت نہیں۔ ارتھک دشتی سے بھی دھرم شاستر نے شوتروں کی حالت اہلیت اسودھاچنک رکھی ہے۔ دھرم شاستر کے انوسار—”مہاجن کو براہمن قرضدار سے دو پانا پرتیشت، چھتریوں سے تین پانا پرتیشت، ویشیوں سے چار پانا پرتیشت اور شوتروں سے پانچ پانا پرتیشت بیجا لینی چاہئے“ (8-142) جبکہ کوتیلہ کے انوسار ”ہر سیکڑہ ہر مہینے سوا پانا بیجا لینا ہی جائز ہے“ (ارتھ شاستر 3، A-11-173). بیجا کے سمبندھ میں ارتھ شاستر نے ودھ جانہوں کے بیج کوئی تمیز نہیں کی۔ اس طرح مانو دھرم شاستر نے اشوک کے سمے کی ودھار سدا کو بالکل کشت کر دیا۔ براہمنوں کو کسی بھی اہواہ میں مرتو دنت دینا ناجائز قرار دیا۔ ”براہمن نے چاہے جو اہواہ کیا ہو اس کی ہتھا کبھی نہ کرنی چاہئے۔ کیول اسے دیش سے باہر نکال دینا چاہئے“۔ اس کی ساری جائداد اسے دے دینی چاہئے اور اس کو ذراسی بھی جسمانی تکلیف نہیں پہونچانی چاہئے“ (8-380). ”براہمن بدھ سے زیادہ برا دنیا میں دوسرا پاپ نہیں ہے۔ اس لئے راجہ کو دماغ میں

ہی اس دھرم کو نہیں لانا چاہئے کہ اسے کسی برہمن کی کہتا کوئی ہے۔“ (8-381)۔ دوسری اور شودر کے سبب سے ملتا ہوا ہے۔ ”بدی کوئی سوامی شودر کو داستا سے مکت بھی کر دے، نب بھی وہ شودر سوتلتر نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے غلامی سواہلوک ہے، اس لئے کہ اسے غلامی سے مکت کر سکتا ہے؟“ (8,412-114)*۔ اس طرح شودروں کو ارنہ شاستر اور سمرات اشوک نے سماج میں جو برابری کا درجہ دیا تھا، اسے ’مانو دھرم شاستر‘ نے واپس لے لیا۔

مانو دھرم شاستر نے جنم اور उत्तराधिकार کو بھی خاص اہمیت دی ہے۔† مانو دھرم شاستر کے مٹا بیکر—”سب برہمنوں میں جو بڑے شاخانیوں کے مطابق—”سب برہمنوں میں جو بڑے شاخانیوں کے مطابق—” (ایسی استریوں سے جو سجاتیہ ہوں اور کماری کے روپ میں دواہ میں حاصل کی گئی ہوں) پیدا ہوئے ہوں وہ اپنے پتا کے ورثہ کے ہی مانے جائیں گے۔“ اس ویوستہ کے اندر شاستر انوکول دواہ اور سورن دواہ کے اوپر زور دیا گیا ہے۔ آگے ایک جگہ لکھا ہے—”دونج پرشوں کو اپنے سے ایک درجہ نیچے کی پتنی سے جو سنتان پر اپت ہوں وہ بھی پتا کے ہی ورثہ کو پر اپت کرتی ہیں اور اُنکا ایک ماتر دوش اُن کی ماں کے کارن ہے (10-6)۔“ اس ویوستہ کے انوسار اسورن دواہ جائز ہے، کنتو نیچے جاتی کی ماں کا داغ سنتان پر رہ جاتا ہے۔ آگے چلکر اسے تفصیل سے سمجھایا گیا ہے—”برہمن کی سنتان چہتریہ، دیشیہ اور شودر استری سے، چہتریہ کی سنتان دیشیہ اور شودر استری سے، دیشیہ کی سنتان شودر سے یہ چہروں سنتانیں ’اپاسد‘ کہلاتی ہیں۔† یہ ویوستہ اس پہلے کی ویوستہ کو کات دیتی ہے جس کے انوسار اپنے سے ایک درجہ نیچے جاتی کی استری سے پر اپت سنتی پتا کے ورثہ کو پر اپت ہوتی ہے۔ جو سنتان اپاسد کہلاتی ہیں وہ کیسے پتا کے ورثہ کو پر اپت کر سکتی ہیں؟ مانو دھرم شاستر کی ایک اور ویوستہ میں کہا گیا ہے—”دونجوں کی جو سنتانیں ایک درجہ نیچے کے ورثہ کی استری سے ہوں وہ اپنی ماں کی ہیلتا کے کارن ’اندرس‘ کہلاتی ہیں۔ اس ویوستہ سے یہ ظاہر ہے کہ ہین جاتی کی ماؤں کی سنتانیں پتا کے ورثہ کو پر اپت نہیں کر سکتیں۔ پہلے کی ویوستہاؤں کے مقابلے یہ ایک ورودھی اور بعد کی ویوستہ معلوم ہوتی ہے۔

پھر مانو دھرم شاستر ’کھچری ورنوں‘ کا ذکر کرتا ہے۔ اُسکے انوسار—”ورنوں کی ملاوت سے جن استریوں کے ساتھ دواہ نہیں ہونا چاہئے، اُنکے دواہ سے اور

* Buhlers' translation.

† Ibid—pp. 319-321.

‡ Ibid pp. 403-404.

कर्मान्वयित होने से अपवित्र जातियां बन गई हैं। §” (34-24)। इस तरह अलग अलग जाति के माँ बाप की सन्तानें मनु के मुताबिक वर्णसंकर हैं। इसका साफ मतलब यह है कि इजाजत होते हुए भी मानव ‘धर्मशास्त्र’ असवर्ण विवाहों को प्रोत्साहन नहीं देता। इसका ब्राह्मणों की उस प्रतिक्रान्ति से मेल है जिसका मकसद पैदायशी वर्णाश्रम धर्म के मुताबिक सामाजिक व्यवस्था फिर से कायम करना था।

मानव धर्मशास्त्र में इस बात पर जोर दिया गया है कि ऊँची जाति के लोगों का रक्त नीची जाति के लोगों से अधिक पवित्र होता है। “यदि कोई कुल ब्राह्मण पुरुष और शूद्र स्त्री के संयोग से फले और बढ़े तो इस तरह के कुल की लड़कियों की ब्राह्मणों के साथ शादी होने से वह नीच कुल सातवीं पीढ़ी में उच्चवर्ण ब्राह्मण कुल हो जायगा।” (10-64)। इसके अनुसार ब्राह्मण पिता और अद्विज माता की पुत्री यदि किसी ब्राह्मण से व्याही जाय और इस संयोग से उत्पन्न लड़की फिर किसी ब्राह्मण को व्याही जाय और यह क्रम सातवीं पीढ़ी तक चलता रहे तो उसके बाद की संततियां ब्राह्मण हो जायगी, क्योंकि मानव धर्मशास्त्र कहता है “अच्छा वीर्य सदा प्रशंसनीय है।” (10-74)। यही नियम सभी जातियों के लिये लागू है। इस संबंध में कहा है—“शूद्र पुत्र इस तरह से ब्राह्मण के पद को प्राप्त होता है और इसी नियम से ब्राह्मण शूद्र की स्थिति को पहुँचता है। यही नियम क्षत्रिय-पुत्र के लिये है और यही नियम वैश्य-पुत्र के लिये है।” (10-65)। इसका अर्थ यह है कि ऊँची जात के पुरुष के संयोग से औलाद का रतबा ऊँचा होता है और नीची जाति के पुरुष के संयोग से औलाद भी नीची जाति की होती है !

अन्त में वंश परम्परा के प्रश्न का इस तरह जिक्र किया गया है—ब्राह्मण पिता और अनार्य माता के संयोग से उत्पन्न संतान श्रेष्ठ है या अनार्य पिता और ब्राह्मण माता के संयोग से उत्पन्न संतान ? धर्मशास्त्र इसका उत्तर देता है कि यदि ब्राह्मण पिता की सन्तान में ‘पाक’ और ‘यज्ञ’ की विशेषता है तो वह अनार्य पिता की सन्तान की अपेक्षा उच्चतर है। (10-66)। इसका साफ मतलब यह है कि

कृत्रिम चेतने से अपवित्र जातियों में कृति है। §” (10-24)। इस तरह अलग अलग जाति के माँ बाप की सन्तानें मनु के मुताबिक वर्णसंकर हैं। इसका साफ मतलब यह है कि इजाजत होते हुए भी मानव ‘धर्मशास्त्र’ असवर्ण विवाहों को प्रोत्साहन नहीं देता। इसका ब्राह्मणों की उस प्रतिक्रान्ति से मेल है जिसका मकसद पैदायशी वर्णाश्रम धर्म के मुताबिक सामाजिक व्यवस्था फिर से कायम करना था।

मानव धर्मशास्त्र में इस बात पर जोर दिया गया है कि ऊँची जाति के लोगों का रक्त नीची जाति के लोगों से अधिक पवित्र होता है। “यदि कोई कुल ब्राह्मण पुरुष और शूद्र स्त्री के संयोग से फले और बढ़े तो इस तरह के कुल की लड़कियों की ब्राह्मणों के साथ शादी होने से वह नीच कुल सातवीं पीढ़ी में उच्चवर्ण ब्राह्मण कुल हो जायगा।” (10-64)। इसके अनुसार ब्राह्मण पिता और अद्विज माता की पुत्री यदि किसी ब्राह्मण से व्याही जाय और इस संयोग से उत्पन्न लड़की फिर किसी ब्राह्मण को व्याही जाय और यह क्रम सातवीं पीढ़ी तक चलता रहे तो उसके बाद की संततियां ब्राह्मण हो जायगी, क्योंकि मानव धर्मशास्त्र कहता है “अच्छा वीर्य सदा प्रशंसनीय है।” (10-74)। यही नियम सभी जातियों के लिये लागू है। इस संबंध में कहा है—“शूद्र पुत्र इस तरह से ब्राह्मण के पद को प्राप्त होता है और इसी नियम से ब्राह्मण शूद्र की स्थिति को पहुँचता है। यही नियम क्षत्रिय-पुत्र के लिये है और यही नियम वैश्य-पुत्र के लिये है।” (10-65)। इसका अर्थ यह है कि ऊँची जात के पुरुष के संयोग से औलाद का रतबा ऊँचा होता है और नीची जाति के पुरुष के संयोग से औलाद भी नीची जाति की होती है !

अन्त में वंश परम्परा के प्रश्न का इस तरह जिक्र किया गया है—ब्राह्मण पिता और अनार्य माता के संयोग से उत्पन्न संतान श्रेष्ठ है या अनार्य पिता और ब्राह्मण माता के संयोग से उत्पन्न संतान ? धर्मशास्त्र इसका उत्तर देता है कि यदि ब्राह्मण पिता की सन्तान में ‘पाक’ और ‘यज्ञ’ की विशेषता है तो वह अनार्य पिता की सन्तान की अपेक्षा उच्चतर है। (10-66)। इसका साफ मतलब यह है कि

§ Jones' translation of "The Ordinances of Manu" p. 343.

मानव धर्मशास्त्र के अन्दर यह विरोधी (युतजाद) भाव इसलिये है कि इसमें दो तरह की व्यवस्थाएँ हैं। पुरानी व्यवस्था ‘मनुस्मृति’ है और नई सुमति भार्गव की लिखी हुई ‘मानव धर्मशास्त्र’ है। सुमति भार्गव के ऊपर ब्राह्मण-प्रतिक्रिया (reaction) का साफ असर है—लेखक।

मानव धर्मशास्त्र के अन्दर यह विरोधी (युतजाद) भाव इसलिये है कि इसमें दो तरह की व्यवस्थाएँ हैं। पुरानी व्यवस्था ‘मनुस्मृति’ है और नई सुमति भार्गव की लिखी हुई ‘मानव धर्मशास्त्र’ है। सुमति भार्गव के ऊपर ब्राह्मण-प्रतिक्रिया (reaction) का साफ असर है—लेखक।

ہندو مذہب میں پیتا کو سزا دینا ہے، ماما کو نہیں۔ *

مانندہ دھرم شاستر میں ہندوؤں کے مذہب کا تذکرہ ہے۔
 راجنیتیک شاستر میں بھی ملتا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے—
 “راجا کو چاہیے جتنا سزا دے کہ وہ بھی اسے
 براہمن کے شوق کو نہ جگانا چاہیے، کیونکہ براہمن خدا ہو کر چہن ہر
 میں حکومت کو برپا کر سکتا ہے۔ چاہے وہاں ہو یا اُپر”
 براہمن مہا دیوتا کے سمان ہے (9,813-317)۔ اس واقعہ میں
 براہمن براہمن گوتروں اور برہمنیہ گوتروں کی گونج ملتی
 ہے۔ راجہ کے لئے بھی آدھی ہے کہ راجہ کو خاندانی برہمنوں
 کے پرہار سے سات یا آٹھ منتری چننے چاہیے جو اُنہیں کل
 کے پرتھو ہونے، ساہسی اور وید شاستروں میں نہیں ہوں
 (7-58)۔ اس دھرم شاستر کے انوسار تو براہمن ہر گوتروں کی
 ہو جاتی ہے کیونکہ وید شاستروں میں براہمنوں کے علاوہ اور
 کون نہیں ہرگا؟ اُرتھ شاستر نے منتریوں کے چناؤ کے لئے اس
 طرح کی کئی قید نہیں رکھی جسمیں قبول براہمن ہی
 آسکے۔ اُرتھ شاستر کے انوسار اُرتھ سمیت (منتری) کے پد
 کے لئے یہ کن ضروری ہیں کہ وہ دیہی کا ادھواری ہو، اُنہیں
 خاندان کا ہو اور کلڑوں میں نہیں ہو۔ (اُرتھ شاستر
 15-14 الف 8-14 الف 1)۔ کوئلہ ہودنتی کے پتر سے سمیت
 ہے کہ منتری کے لئے اُرتھ شاستر کن یہ ہونا چاہیے کہ وہ “اُنہیں
 خاندان کا ہو اور ودوان ہو۔” اُرتھ میں دھرم شاستر راجنیتیک
 چہتر میں ایک بہت بڑی مانگ پیش کرتا ہے۔ اُس کے
 انوسار—پرہمان سہا پتی کا پد، پرہمان لہا پدھیس کا پد، راج
 پرہمان کرنے والے راجہ کا پد—یہ سب پد سونہار کرنے ہو گئے
 وہی ہے جو ویدوں کا پورن گیتا ہو (12-19-100)۔ اسکا
 اُرتھ یہ ہے کہ مانو دھرم شاستر صاف اس بات کی ہدایت
 دیتا ہے کہ ویدوں کے جانکار ہی اُن پدوں پر آسکے ہو سکتے
 ہیں۔ اُس سے پہلے کسی بھی اُسمرتی میں اُس طرح کی کوئی
 ہدایت نہیں ملتی۔ شاید جیسا کہ شری جیساوال کہتے ہیں
 براہمن پوشیہ مٹر کے راج ہونے کی یہ نیتک دلیل ہو۔
 اُسی دھرم شاستر میں ہمیں “راجہ کے کے دہوی ادھوکار”
 کی دلیل ملتی ہے۔ اُسی مانو دھرم شاستر میں ہی پہلی
 مرتبہ “نردیو” کے وچار کا پرتھوانن کیا جاتا ہے۔ اُس سے پتہ
 چلتا ہے کہ بھارت میں اُس سے تک سامنت شالی بن چکی
 تھی۔ اُس طرح براہمنوں کی ستتا قائم ہوتے ہی ورنوں کی
 ہی نئی حیثیت ہو گئی۔ جانہوں کی سماجک جگہ
 بدل گئی۔

* اس سببندہ میں مذہب کالین یورپ میں غلاموں کے سسرگ سے پیدا اولادیں اور مہوسرتی کی تولداتک ادھمن

اس سببندہ میں مذہب کالین یورپ میں غلاموں کے سسرگ سے پیدا اولادیں اور مہوسرتی کی تولداتک ادھمن

ایک دوسرا بھرمناج جو براہمنوں کی پرمیتا کے کال میں لکھا گیا 'وسشتہ' اسمرتی' ہے۔ کہن کے انوسار اسکا رچنا کال عیسوی کی پہلی صدی ہے۔* حالانکہ اس اسمرتی میں ایسے چار ظاہر کئے گئے ہیں جو پرانے معلوم ہوتے ہوں اور اسمیں آپستمب کا بھی سمرتھن ہے۔ پھر بھی اسمیں جو براہمنوں کے بڑوں کی وکالت کی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ گرنٹہ اس سمے لکھا گیا جب براہمنوں کی پرمیتا تھی۔ معلوم ہوتا ہے وسشتہ اسمرتی ایسی جگہ لکھی گئی جہاں انتہی کے سراکت میں گوردھ کا پرانا رواج تب بھی جاری تھا' حالانکہ کبھی کبھی گائے کی جگہ بکرا حال کرنے کا بھی رواج چل پڑا تھا (ادھیائے-3)۔ اسمیں ایک استہان پر لکھا ہے—”براہمن یا چھتریہ انتہی کے لئے گرہستہ یا تو پریہکو ارستھا کا بھل راندھ سکتا ہے یا بکرا۔“† اس سے صاف انومان لگایا جا سکتا ہے کہ 'وسشتہ اسمرتی' اتر بھارت میں ہی کہیں لکھی گئی ہے۔

وسشتہ کا آدیہی ہے کہ تیلوں اوج ورنوں کی سیوا کرنا شودر کا دھرم ہے۔ اس لحاظ سے وسشتہ منو سے ہیں نہیں ہے۔† پھر وہ کہتے ہیں—”یدی کوئی دوئج شودر کا ان کھا کر مر جائے تو وہ دوسرے جنم میں یا تو گاؤں کا سرور ہوتا ہے یا اسی شودر کے گھر پیدا ہوتا ہے۔“† (3 الف) پر وہ پندتوں سے کہتے ہیں—”ملیچہوں کی بھاشا نہ سیکھو† (3 الف) ایک دوسری جگہ لکھا ہے—”کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شودر شو کے سمان ہوں اسلئے شودر کے نکٹ ویدوں کا پائے نہیں ہونا چاہیے۔“† (15 الف) ایسے براہمن پورش کے نئے جنکا براہمن استریوں سے سمبتدھ ہے وسشتہ نیچے لکھی سزا کا ودھان کرتے ہیں—”یدی کوئی شودر براہمن استری کے پریچھے میں ہے تو راجا کو اس شودر کو 'ویرن' گھاس میں بندھوا کر زندہ آگ میں ڈال دینا چاہیے۔ یدی کوئی ویشیہ براہمن استری کے پریچھے میں ہے تو راجہ کو اس ویشیہ کو 'بھت' گھاس میں بندھوا کر آگ میں ڈال دینا چاہیے اور یدی کوئی چھتریہ براہمن استری کے پریچھے میں ہے تو راجہ کو اسے 'سر' گھاس میں بندھوا کر آگ میں ڈال دینا چاہیے۔“† (19 الف) وسشتہ اسمرتی کے نیائے کا یہ نمونہ ہے۔ ورن کے حساب سے سزا کی ماترا بھی بڑھتی جاتی ہے۔† (19 الف)

کچھ انہوں میں وسشتہ اسمرتی اور دوسری اسمرتیوں سے ادھک کڑی ہے، کیونکہ وسشتہ اسمرتی میں چھتریوں کو سزا دینے کا جو ودھان ہے وہ اس سے پہلے کبھی کسی اسمرتی نے نہیں دیا۔ اسمیں براہمنوں کا درجہ بہت اونچا کر دیا گیا۔ اس چیز کو ادھک صفائی سے سمجھنے کے

* Kane. p. 58

† 22—वसिष्ठ संहिता—अनु० एम० दत्त. सफा 764, 765, 771, 772, 802, 803, 810.

وسشتہ سلکتا-انु. ایم. این دت, صفہ 764, 765, 771, 772, 802, 803, 810

लिये वसिष्ठ स्मृति के एक दूसरे विधान पर ध्यान दीजिये उसमें लिखा है—“ब्राह्मणों का धन अपहरण करके अपराधी के रोंगटे बंधे हो जाने चाहियें, उसे भाग कर राजा के पास जाना चाहिये और उससे कहना चाहिये ‘मैं चोर हूँ ! राजन् मुझे सजा दीजिये’ राजा को तब उसे उदम्बर लकड़ी का बना हुआ इधियार देना चाहिये जिससे वह अपने आपको मार डाले, वेदों में लिखा है कि मौत के बाद वह अपराधी पवित्र हो जाता है।” (अ० 18) † जब तक राजा भी ब्राह्मण न हो तब तक इस तरह की व्यवस्था प्रचलित करना सहज नहीं, मनु और वसिष्ठ में ब्राह्मणों के बड़प्पन का आदि से अन्त तक बखान है और यह बड़प्पन उस समय तक बेमतलब है जब तक इसकी पीठ पर राजा का हाथ न हो, इससे यह जाहिर होता है कि ये दोनों स्मृतियाँ ब्राह्मणों के शासन काल में ही लिखी गईं लेकिन श्री जायसवाल के मुताबिक ‘वसिष्ठ संहिता’ को क्यादा अहमियत नहीं मिली और वह आखरी नजीर के रूप में कभी नहीं कबुल की गई, ‡

अब हम याज्ञवल्क्य स्मृति पर गौर करेंगे।

पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में इस पर बहस की है कि ऊँची बण की जातियों के वर्तनों में यदि कोई खाये तो बेवर्तन अपनी शुद्धता नहीं खोते, पातञ्जलि को पुण्यमित्र का समकालीन माना जाता है इसलिये कि पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में पुण्यमित्र के अश्वमेध यज्ञ की चरचा की है, (महा-भाष्य 3, 2-123.) पाणिनि ने अपने व्याकरण में एक जगह लिखा है—‘शूद्रानाम् अनिव सितानाम्’ (2-4-10) अर्थात् ‘ऐसे शूद्र जो अलहदा नहीं किये गये,’ पातञ्जलि इसकी व्याख्या करते हुए लिखता है कि ऐसे शूद्र जो अलग नहीं किये गये अनिर्वासित कहलाते हैं और वह आर्यावर्त की सीमा का भी उल्लेख करता है। किन्तु यह भी लिखता है कि इस सीमा में सक और यवन भी रहते हैं, तब अनिर्वासित से मतलब यह होगा कि आर्य निवास से जो निर्वासित नहीं, और आर्य-निवास क्या है ? आर्य गावों में रहते हैं, घोशों (गोचर भूमि) में रहते हैं, नगरों में रहते हैं और सम्बन्ध (वैश्यपुरी) में रहते हैं, और इन निवासों में चांडाल और डोम भी रहते हैं, * किन्तु इनका शुमार आर्यावर्त में नहीं है, इससे तात्पर्य यह निकला कि अनिर्वासित वे लोग हैं जो यज्ञ में आहुति देने में शामिल हैं किन्तु पातञ्जलि रजक (धोबी) और तन्तुबाई (जुलाहा) को भी अनिर्वासित मानता है, इसका अर्थ यह हुआ कि जिन लोगों के भ्रान्ति के बाद वर्तन धोकर रख लिए जाते

लैम्बे स्मृति के अर्थों के एक दूसरे विधान पर ध्यान दीजिये उसमें लिखा है—“ब्राह्मणों का धन अपहरण करके अपराधी के रोंगटे बंधे हो जाने चाहियें, उसे भाग कर राजा के पास जाना चाहिये और उससे कहना चाहिये ‘मैं चोर हूँ ! राजन् मुझे सजा दीजिये’ राजा को तब उसे उदम्बर लकड़ी का बना हुआ इधियार देना चाहिये जिससे वह अपने आपको मार डाले, वेदों में लिखा है कि मौत के बाद वह अपराधी पवित्र हो जाता है।” (अ० 18) † जब तक राजा भी ब्राह्मण न हो तब तक इस तरह की व्यवस्था प्रचलित करना सहज नहीं, मनु और वसिष्ठ में ब्राह्मणों के बड़प्पन का आदि से अन्त तक बखान है और यह बड़प्पन उस समय तक बेमतलब है जब तक इसकी पीठ पर राजा का हाथ न हो, इससे यह जाहिर होता है कि ये दोनों स्मृतियाँ ब्राह्मणों के शासन काल में ही लिखी गईं लेकिन श्री जायसवाल के मुताबिक ‘वसिष्ठ संहिता’ को क्यादा अहमियत नहीं मिली और वह आखरी नजीर के रूप में कभी नहीं कबुल की गई, ‡

पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में इस पर बहस की है कि ऊँची बण की जातियों के वर्तनों में यदि कोई खाये तो बेवर्तन अपनी शुद्धता नहीं खोते, पातञ्जलि को पुण्यमित्र का समकालीन माना जाता है इसलिये कि पातञ्जलि ने अपने महाभाष्य में पुण्यमित्र के अश्वमेध यज्ञ की चरचा की है, (महा-भाष्य 3, 2-123.) पाणिनि ने अपने व्याकरण में एक जगह लिखा है—‘शूद्रानाम् अनिव सितानाम्’ (2-4-10) अर्थात् ‘ऐसे शूद्र जो अलहदा नहीं किये गये,’ पातञ्जलि इसकी व्याख्या करते हुए लिखता है कि ऐसे शूद्र जो अलग नहीं किये गये अनिर्वासित कहलाते हैं और वह आर्यावर्त की सीमा का भी उल्लेख करता है। किन्तु यह भी लिखता है कि इस सीमा में सक और यवन भी रहते हैं, तब अनिर्वासित से मतलब यह होगा कि आर्य निवास से जो निर्वासित नहीं, और आर्य-निवास क्या है ? आर्य गावों में रहते हैं, घोशों (गोचर भूमि) में रहते हैं, नगरों में रहते हैं और सम्बन्ध (वैश्यपुरी) में रहते हैं, और इन निवासों में चांडाल और डोम भी रहते हैं, * किन्तु इनका शुमार आर्यावर्त में नहीं है, इससे तात्पर्य यह निकला कि अनिर्वासित वे लोग हैं जो यज्ञ में आहुति देने में शामिल हैं किन्तु पातञ्जलि रजक (धोबी) और तन्तुबाई (जुलाहा) को भी अनिर्वासित मानता है, इसका अर्थ यह हुआ कि जिन लोगों के भ्रान्ति के बाद वर्तन धोकर रख लिए जाते

† वसिष्ठ संहिता, सफा-808 वसिष्ठ संहिता

‡ Jagnavalkya-oq cit 66.

* स्मृतियों के अनुसार चांडाल और डोम नगर की सीमा के बराबर रहते हैं—लेखक.

* अस्मरुति के अनुसार चाण्डाल और डोम नगर की सीमा के बराबर रहते हैं—लेखक.

हैं वे अनिर्वासित हुए और जिनके जाने के बाद वर्तन अक्षुण्ण होकर फेंक दिये जाते हैं वे निर्वासित समझे जाते थे।

इससे यह बाहिर होता है कि आर्यनिवास में रहने वाले आर्य कहलाते थे, इसलिये शूद्र भी आर्य थे क्योंकि उनके भोजन करने पर आर्य अपने वर्तन फेंक नहीं देते थे, केवल वे लोग जिनकी औलादें आज अन्त्यज कहलाती हैं आर्य नहीं समझे जाते थे, इसका अर्थ यह हुआ कि शूद्र हालांकि द्विज नहीं थे, फिर भी आर्य थे, कौटिल्य भी इसी विचार का था, मनु ने भी कहीं यह नहीं लिखा कि शूद्र अनार्य हैं, फिर मनु के अनुसार सक और यवन भी शूद्र हैं, पातञ्जलि शूद्रों को डोम से ऊँचा समझता है, उन्हें 'अनिर्वासित' मानता है, पातञ्जलि ने शूद्रों को वे सुविधायें उस समय दीं जब मनु शूद्रा और यवनों के विरुद्ध गरज रहे थे, पातञ्जलि की इस विवेचना से यह पता चलता है कि धोबियों के समान कुछ जातियाँ पहले पवित्र समझी जाती थीं, किन्तु बाद में उन्हें पतित समझा जाने लगा, † अहिन्दू यवन अनिर्वासित हो सकते हैं यह विचार आज ध्यान में भी नहीं लाया जा सकता, इससे इस बात का समर्थन होता है कि जातियों और उपजातियों की भिन्न भिन्न काल में भिन्न भिन्न अवस्था रही है।

हैं, वे अनिर्वासित होते और जलके काने के बाद वर्तन अक्षुण्ण होकर फेंक दिये जाते हैं वे निर्वासित समझे जाते थे।

इस से यह बाहिर होता है कि आर्य निवास में रहने वाले आर्य कहलाते थे, इसलिये शूद्र भी आर्य थे क्योंकि उनके भोजन करने पर आर्य अपने वर्तन फेंक नहीं देते थे, केवल वे लोग जिनकी औलादें आज अन्त्यज कहलाती हैं आर्य नहीं समझे जाते थे, इसका अर्थ यह हुआ कि शूद्र हालांकि द्विज नहीं थे, फिर भी आर्य थे, कौटिल्य भी इसी विचार का था, मनु ने भी कहीं यह नहीं लिखा कि शूद्र अनार्य हैं, फिर मनु के अनुसार सक और यवन भी शूद्र हैं, पातञ्जलि शूद्रों को डोम से ऊँचा समझता है, उन्हें 'अनिर्वासित' मानता है, पातञ्जलि ने शूद्रों को वे सुविधायें उस समय दीं जब मनु शूद्रा और यवनों के विरुद्ध गरज रहे थे, पातञ्जलि की इस विवेचना से यह पता चलता है कि धोबियों के समान कुछ जातियाँ पहले पवित्र समझी जाती थीं, किन्तु बाद में उन्हें पतित समझा जाने लगा, † अहिन्दू यवन अनिर्वासित हो सकते हैं यह विचार आज ध्यान में भी नहीं लाया जा सकता, इससे इस बात का समर्थन होता है कि जातियों और उपजातियों की भिन्न भिन्न काल में भिन्न भिन्न अवस्था रही है।

† यह संहिता धोबियों को पतित वर्ण का समझती है—लेखक. —लेखक. —लेखक. —लेखक. —लेखक.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

ماہ ۷۰ شکر

بہائی. او. شکر

ہندی और उर्दू की तरक्की का अपना एक इतिहास है. इसको समझने के लिये हमें हिन्दी और उर्दू के जनम पर विचार करना होगा. आरम्भ में हिन्दी और उर्दू में अन्तर नहीं था. सं० 1902 तक हिन्दी को ही उर्दू के नाम से पुकारा जाता था. 'बली' हिन्दी को ही अपनी भाषा कहते थे. 'मीर' ने अपनी ज़बान को हिन्दी बताते हुए कहा था—

क्या जानू लोग कहते हैं,
किसको सरुरे - कलब ।

आया नहीं है लफ्ज यह,
हिन्दी ज़बां के बीच ॥

पर उर्दू भाषा की उत्पत्ति के सम्बन्ध में सैयद ईशा अल्ला खाँ ने कहा है—जमीं दानद कि मुबाए फसाहत न मादने बलारात कि जबाने शाँ मशाहूर व उर्दूस्त, सिबाये बादशाह हिन्दुस्तान कि ताजे फसाहत बरहए मी जेबद, चन्द अमीर व मसाहिबे शाँ, व चन्द जने क्राबिल, अज क़िस्म बेगम व खानम व कस्बी हस्तद—हर लफ्जे कि दरीहां इस्तेमाल याफत जबाने उर्दू शुद, न ई कि, हर कस कि दर शाहजेहानाबाद मी बाशद, हस्ब गुफ्तगू कुनद मौतबिर बाशद. अगर चुनीं बाशद साकिनाने मुग़लपुरा च तकसीर करदा अन्द कि जबाने एशां मायूब व खिलाफ उर्दू शुमुर्दा शवद, [दरिया-ए-लताफत, दुरे दाना शिक्मे, सफा 64]

अर्थात्—ऐसे सज्जनों को नहीं मालूम कि उस भाषा के जिसे उर्दू कहते हैं, सौन्दर्य लालित्य का उद्गम स्थान स्वयं हिन्दुस्तान के सम्राट हैं, जिनके सिर पर उर्दू भाषा की ओजसिता का मुकुट शोभा देता है. उनके कतिपय व विशेष सेवक व उनके राज भवन की स्त्रियाँ, जिनमें बेगमें व अन्य घरों की स्त्रियाँ व कस्बियां शामिल हैं, जिन शब्दों का इस्तेमाल करती हैं, वही उर्दू भाषा है. शाहजहानाबाद का हर बाशिन्दा जो कुछ कहे वह ज़बान के लिहाज से मुस्तनद नहीं समझा जा सकता. यदि ऐसा न होता तो मुग़लपुरा के निवासियों की भाषा को दूषित व उर्दू के खिलाफ क्यों समझा जाता ?

'दरिया-ए-लताफत' एक प्रसिद्ध किताब है. मौलाना अबदुल हक साहब ने इस किताब के सम्बन्ध में कहा है, "उर्दू ज़बान के क़वायद, मुहावरत और रोजमरह के मुतास्सिल इससे पहले कोई किताब नहीं लिखी गई थी

हंदی اور اردو کی ترقی کا اپنا ایک ایتہاس ہے . اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں ہندی اور اردو کے جنم پر وچار کرنا ہوگا . آرمب میں ہندی اور اردو میں اंतर نہیں تھا . سن 1902 تک ہندی کو ہی اردو کے نام سے پکارا جاتا تھا . 'ولی' ہندی کو ہی اپنی بہاشا کہتے تھے . 'میر' نے اپنی زبان کو ہندی بتاتے ہوئے کہا تھا—

کیا جانوں لوگ کہتے ہیں
کس کو سرور قلب .
آیا نہیں ہے لفظ یہ
ہندی زبان کے بیچ .

پر اردو بہاشا کی آتہنی کے سبندہ میں سید انشالله خان نے کہا ہے—زمین داند کہ سوائے فصاحت نہ معدن بلغت، کہ زبان شاں مشہور بہ اردوست، سوائے بادشاہ ہندستان کہ تاج فصاحت بروئے می زبید، چند امیر و مصاحب شاں، و چند زن قابل، از قسم بیگم و خالم و کسبی هستند—ہر لفظ کہ بیلہاں استعمال یافت زبان اردو شد . نہ این کہ ہر کس کہ درشاہجاں آباد می باشد، حسب گفتگو کند معتبر باشد . اگر چنہیں باشد ساکنان مغلپورہ چہ تقسیر کردہ اند کہ زبان ایشان معہرب و خالف اردو شمرده شود . [دریائے لطافت، در دانہ شکم، صفحہ 64]

ارتہات—ایسے سچوں کو نہیں معلوم کہ اُس بہاشا کے جسے اردو کہتے ہیں، سوتدریہ لالیتھ کا اُدگم استہان سوئم ہندستان کے سمراٹ ہیں، جن کے سر پر اردو بہاشا کی اوجسوتا کا مکت شوبہا دیتا ہے . اُن کے کتہہ و رشعہ سہوک و اُن کے راج بھوں کی "ستریاں" جنہیں بیگمیں و انہ گھروں کی استریاں و کسبیاں شامل ہیں، جن شبدوں کا استعمال کرتی ہیں، وہی اردو بہاشا ہے . شاہجہاں آباد کا ہر باشندہ جو کچھ کہے وہ زبان کے لحاظ سے مستند نہیں سمجھا جاسکتا . یہی ایسا نہ ہونا تو مغلپورہ کے سواسیوں کی بہاشا کو دوشمت و اردو کے خالف کہیں سمجھا جاتا ؟

'دریائے لطافت' ایک پرسدہ کتاب ہے . مولانا عبدالحق صاحب نے اُس کتاب کے سبندہ میں کہا ہے "اردو زبان کے قواید، محاورات اور روزمرہ کے متعلق اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی

پھر اسی بات پر کہ اس کے بعد بھی کوئی کتاب اس بابہ کی نہیں لکھی گئی۔ جو لوگ اردو زبان کا محققانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، یا اس کی صرف نکتہ پر کوئی محققانہ تالیف کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے ان کا مطالعہ ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔ “سید انشائے خاں سے خطبہ سر سید احمد خاں نے اپنی پستک ‘اثر الصنادید’ میں کہا ہے—”جب کہ شاہجہاں بادشاہ نے سن 1648 میں شہر شاہجہاں آباد آباد کیا تو ہر ملکوں کے لوگوں کا مجمع ہوا۔ اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعض فارسی لفظوں میں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بہت کثرت استعمال کے تغیر و تبدیلی ہو گئی۔ غرض کہ لشکر بادشاہی اور اردوئے معلہ میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان کا اردو نام ہوا۔ پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان کا محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔“

ان اوتاروں سے پرکت ہو جانا ہے کہ اردو کا جنم شاہجہاں کے سہ ہوا ہے، پر اردو بھاشا کا شروع کا نام ہندی ہی تھا۔ ہندی کو ہندو مسلمان دونوں کی میلواں زبان کا عیوتک مانا جاتا تھا۔ اسی کے لئے ہندی شبد کا ہی پریوک کیا ہے۔ اس بات کو سبھی اردو ایتھس لیکھوں نے بھی سونیکار کر لیا ہے۔ اردوئے قدیم، تاریخ نسب اردو، ایتھادی گرتھوں کے ودوان لیکھوں نے بہت چھان بین کے بعد یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو کا شروع کا نام ہندی ہے۔

اب دیکھئے، پنڈت پدم سنگھ شرما نے اپنی ‘ہندی اردو اور ہندستانی’ نامک پستک میں لکھا ہے—”اس ہندی نام کی سرشتی ہندوں نے نہیں کی، اور نہ انھوں نے پرچار ہی کیا ہے، ہندو لیکھوں نے تو اس کے لئے سروتر بھاشا شبد کا ہی پریوک کیا ہے۔ بھاشا کے لئے ہندی شبد کے سرو پرتھم نامکوں کا سارا شرتھ مسلمان لیکھوں اور کوپوں کو ہی دیا جاسکتا ہے۔ ہندوں کا اس میں ذرا بھی ہاتھ نہیں۔“

اتہ یہ ماننا ہوگا کہ بدیہی یہاں کے سادھارن لوگوں میں ایک ایسی بھاشا یا زبان موجود تھی جس میں وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکتے تھے پر اس کا ‘ہندی’ نامک ہندوں نے نہیں کیا۔ ہندی اور اردو دونوں پر ایہ ایک سی بھاشا کا نام تھا۔ دونوں میں وشیش انتر نہیں تھا۔ اردو کو ہندی کہتے ہی تھے۔ انھیں صاحب اردو کے لئے ہندی شبد کا پریوک کیا کرتے تھے اور ان کا پرسدہ شعر ہے—

مطلب کی مہرے پار،
نہ سمجھ تو کیا عجب۔

ماتلاب کی مہرے پار،
نہ سمجھ تو کیا عجب۔

सम जानते हैं तुर्की की,
हिन्दी जुबां वहीं ॥

यहाँ हिन्दी उर्दू पर्यायवाची शब्द हैं। इस शेर से यह भी साफ हो जाता है कि यह जन-साधारण हिन्दुस्तानी की ज़बान थी पर ज्यादातर तुर्की लोग इसे न समझ पाते थे। इसलिये पहले हिन्दी और उर्दू में कोई भेद हम नहीं पाते। अमीर खुसरो को हिन्दी बाले खड़ी बोली का पहला कवि मानते हैं, और उर्दू कविता का आरम्भ तो उनसे होता ही है। दोनों उन्हें अपना पहला कवि मानते हैं, उनकी एक ही कविता को अपनी अपनी कहते हैं। डाक्टर राजेन्द्र प्रसाद ने सातवें बिहार प्रादेशिक हिन्दी साहित्य सम्मेलन के समापति के पद से भाषण देते हुए कहा था—“हिन्दी और उर्दू, चाहे उनकी उत्पत्ति और विकास जिस क्रम और जिस रीति से हुआ हो, दो भिन्न भाषायें नहीं हैं। इसका अकाट्य प्रमाण जिसे मुसलमान लोग उर्दू भाषा कहते हैं उसका पुराना रूप है। उर्दू के बड़े से बड़े हिमायती यही कह सकते हैं कि उर्दू की पैदाइश हिन्दुस्तान में मुसलमानी बादशाहत कायम होने पर हुई। अब उस समय के लेखक की भाषा पर गौर करें। बहुत पीछे जाने की ज़रूरत नहीं। मुसलमानी राज्य स्थापित होने पर सैकड़ों वर्ष के बाद के मशहूर लेखक अमीर खुसरो की कविताओं को लीजिये और विचार कीजिये कि उनकी भाषा आज की खड़ी बोली से किस प्रकार अलहदा है। अमीर खुसरो ने अनपढ़ चम्मा के लिए यह कविता लिखी थी—

औरों की चौपहरी बाजे,
चम्मा की अठपहरी ।
बाहर के कोई आये नहीं,
आये सारे शहरी ॥

“इसे देखने से पता लगेगा कि आज की हिन्दी और उस समय की उर्दू में बहुत मतभेद नहीं है..... इसलिये यह कह देना कि कुछ अरबी फ़ारसी शब्दों के मिलावट से ही एक नई और स्वतंत्र भाषा पैदा हो गई मुनासिब नहीं है।”

दूसरे देशों के मुसलमानों के साथ सम्पर्क होने के कारण उनकी संस्कृति, सभ्यता, भाषा और उनके साहित्य का प्रभाव हमारी संस्कृति, भाषा और साहित्य पर पड़ने लगा। अरबी, फ़ारसी के अनेक शब्द, रचना-शैलियाँ और वाक्य-विन्यास भी हिन्दी भाषा में रायज हो गये। हिन्दी के आदि प्राप्त ग्रन्थ ‘पृथ्वीराज रासो’ में अरबी फ़ारसी के शब्द हैं। तुलसी और सूर की रचनाओं में भी अरबी और फ़ारसी के शब्द आये हैं। इसी तरह उर्दू में भी संस्कृत तथा प्राकृत के बहुत से शब्दों का समावेश हो गया। उर्दू के प्रसिद्ध कोष ‘फरहंगे आसफिया’ में कुल 54 हजार शब्द हैं, जिनमें 32 हजार हिन्दी के ही शब्द हैं। फरहंग बाले ने अपनी

‘सब जानते हैं तुर्की की’
हिन्दी ज़बान नेहों .

यहाँ हिन्दी उर्दू पर्यायवाची शब्द हैं। इस शेर से यह भी साफ हो जाता है कि यह जन-साधारण हिन्दुस्तानी की ज़बान थी पर ज्यादातर तुर्की लोग इसे न समझ पाते थे। इसलिये पहले हिन्दी और उर्दू में कोई भेद हम नहीं पाते। अमीर खुसरो को हिन्दी बाले खड़ी बोली का पहला कवि मानते हैं, और उर्दू कविता का आरम्भ तो उनसे होता ही है। दोनों उन्हें अपना पहला कवि मानते हैं, उनकी एक ही कविता को अपनी अपनी कहते हैं। डाक्टर राजेन्द्र प्रसाद ने सातवें बिहार प्रादेशिक हिन्दी साहित्य सम्मेलन के समापति के पद से भाषण देते हुए कहा था—“हिन्दी और उर्दू, चाहे उनकी उत्पत्ति और विकास जिस क्रम और जिस रीति से हुआ हो, दो भिन्न भाषायें नहीं हैं। इसका अकाट्य प्रमाण जिसे मुसलमान लोग उर्दू भाषा कहते हैं उसका पुराना रूप है। उर्दू के बड़े से बड़े हिमायती यही कह सकते हैं कि उर्दू की पैदाइश हिन्दुस्तान में मुसलमानी बादशाहत कायम होने पर हुई। अब उस समय के लेखक की भाषा पर गौर करें। बहुत पीछे जाने की ज़रूरत नहीं। मुसलमानी राज्य स्थापित होने पर सैकड़ों वर्ष के बाद के मशहूर लेखक अमीर खुसरो की कविताओं को लीजिये और विचार कीजिये कि उनकी भाषा आज की खड़ी बोली से किस प्रकार अलहदा है। अमीर खुसरो ने अनपढ़ चम्मा के लिए यह कविता लिखी थी—

“औरों की चौपहरी बाजे,
चम्मा की अठपहरी ।
बाहर से कौन आये नहीं,
आये सारे शहरी .

“अब देखने से पता लगेगा कि आज की हिन्दी और उस समय की उर्दू में बहुत मतभेद नहीं है..... इसलिये यह कह देना कि कुछ अरबी फ़ारसी शब्दों के मिलावट से ही एक नई और स्वतंत्र भाषा पैदा हो गई मुनासिब नहीं है।”

दूसरे देशों के मुसलमानों के साथ सम्पर्क होने के कारण उनकी संस्कृति, सभ्यता, भाषा और उनके साहित्य का प्रभाव हमारी संस्कृति, भाषा और साहित्य पर पड़ने लगा। अरबी, फ़ारसी के अनेक शब्द, रचना-शैलियाँ और वाक्य-विन्यास भी हिन्दी भाषा में रायज हो गये। हिन्दी के आदि प्राप्त ग्रन्थ ‘पृथ्वीराज रासो’ में अरबी फ़ारसी के शब्द हैं। तुलसी और सूर की रचनाओं में भी अरबी और फ़ारसी के शब्द आये हैं। इसी तरह उर्दू में भी संस्कृत तथा प्राकृत के बहुत से शब्दों का समावेश हो गया। उर्दू के प्रसिद्ध कोष ‘फरहंगे आसफिया’ में कुल 54 हजार शब्द हैं, जिनमें 32 हजार हिन्दी के ही शब्द हैं। फरहंग बाले ने अपनी

مجموعہ میں خوب مان لیا ہے کہ اردو میں 82 ہزار ہندی کے ہی شब्द ہیں، 22 ہزار کے लगभग ऐसे शब्द हैं जो विदेशी भाषाओं سے निकले हुए मानے جاتے ہیں۔ پروفیسر سمندرلال جی نے اپنے 'ہندی، اردو یا ہندوستانی' سرٹیفکٹ لیکچر میں کہا ہے کہ انگریزوں کے آنے کے پہلے ہندوؤں کو یہ تو نہیں تھا کہ 'اوشیکتا' کی جگہ 'ضرورت' لکھ دیا گیا تو ہندو سلسکرتی سے متاثر ہوئے اور مسلمانوں کو یہ تو نہیں تھا کہ 'ضرورت' کی جگہ 'اوشیکتا' لکھا گیا تو اسلام خطرے میں پڑ جائیگا۔ یہ وہ سہ تھا جب کہ سچے مسلمانوں کو رام اور رحیم میں فرق نظر نہ آتا تھا، جب کہ رحیم نے اپنا 'مدن شک' 'شری گلیش آہ نمہ' سے شروع کیا تھا، جب کہ جہانگیر کے زمانہ میں احمد نے ساسورک شاستر پر اپنی کتاب 'شری گلیش آہ نمہ' سے شروع کی تھی، جب کہ احمد اللہ دہکنی نے نایکے بیہد پر اپنی پستک کے سب کے اوپر لکھا تھا 'شری رام جی سپائے' 'اتہ سرسوتی جی کی استوتی'، جب کہ یعقوب خاں نے 'رس بیہوشن' لکھنے سے پہلے سب سے اوپر 'شری گلیش جی' 'شری سرسوتی جی' 'شری رادھا کرشن جی' 'شری گوری شکر جی' کو نمسکار کیا تھا، جب کہ غلام نبی اسلم نے اپنی دونوں پستکوں کے شروع میں ہی 'شری گلیش آہ نمہ' لکھا تھا..... اس طرح سینکڑوں ہندی ودوان اپنی چچاؤں کو 'بسم اللہ الرحمن الرحیم' سے شروع کرتے تھے۔

انگریزوں کے آنے کے بعد دائروں میں کافی تبدیلی ہوئی۔ منزل کل میں جو آب و ہوا تھی، بدلی۔ ہماری بھاشا اور اُن کی زبان الگ الگ ہونے لگیں۔ انگریز راج نیکم یہ سمجھتے تھے کہ ہماری بھوت اُن کی روٹی ہے اور اپنی روٹی کے لئے بھوت ڈالنی شروع کی۔ اگر ہم کہیں کہ ہم میں بھوت ڈالنے کے لئے فورٹ ولیم کالج بنا تو مبالغہ نہیں ہو سکتا۔ سر چارلس آڈ کے شکشا سببندی مسودے سے، جو سن 1854 میں پاس ہوا تھا، دیکھی بھاشا کے مادعہم دورا شکشا کا پر بندہ اوشیہ ہوا، پر اُس سے ہم میں بھوت بھی پھیلی۔ ہم ایک سے دو ہوئے۔ جان گلکرایسٹ نے دو ہندی کے ودوانوں اور دو اردو کے ودوانوں کو بلا کر آدیش دیا کہ اپنی اپنی بھاشا میں پستکیں لکھیں۔ جان گلکرایسٹ نے یہ آدیش اُس سے دیا تھا جب ہندی والے یہ نہیں ماننے تھے کہ اپنی بیہد اُنہو کچھ دیکھی شد آجائے سے اردو دوسری بھاشا ہو سکتی ہے اور نہ اردو والے اپنی بیہد اُنہو دیشج شد آجائے سے ہندی کو دوسری بھاشا سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ رانی کیکٹی کی کہانی کو، اُس کے فارسی لہی میں لکھی جاتے پر ہی، ہندی ساہتہ میں استہان ملا۔ 'رانی کیکٹی کی کہانی' سے ہی ان دونوں بھاشوں کی کہانی کا وکاس ہوتا ہے۔ 'رانی کیکٹی کی کہانی' اسی زمانے

लिखी गई थी जिस समय गिलकाइस्ट ने हिन्दी और उर्दू में अलग अलग रचना करने की आज्ञा दी थी। इसके बाद हिन्दी के विद्वानों ने विदेशी शब्दों का बहिष्कार किया, और उर्दू के विद्वानों ने देशज शब्दों का। हिन्दी और उर्दू अलग अलग भाषायें हो गईं। गिलकाइस्ट की ही कुत्रछाया में हिन्दी उर्दू संघर्ष का श्रीगणेश हुआ। अंग्रेजों ने हिन्दू और मुसलमानों में फूट डालने का प्रयास भाषा के द्वारा भी किया। वे जानते थे कि बाह्य अनेक रूपता के होते हुए भी दोनों में कैसी समानता है। यही समानता भारतीय एकता का मौलिक आधार थी। यही कारण था कि उन्होंने एकता की शृङ्खलायें तोड़ डालीं। संस्कृत के परित्यक्त और अरबी के आलिम भाषा का नेतृत्व करने लगे। अरबी फारसीयों आलिमों की मेहरबानी से उर्दू में अरबी फारसी के मुशकिल शब्दों और संस्कृतशब्दों की कृपा से हिन्दी में छिप्ट शब्दों की भरमार होने लगी। थोड़े ही दिनों में दोनों भाषायें बहुत अलग जा पड़ीं।

शुरू में अंग्रेजों ने उर्दू को प्रोत्साहन देना आरम्भ किया। उर्दू कोर्ट की भाषा थी और कोर्ट की भाषा उनके शब्दों में 'सबसे अधिक कैशनेबिल' मानी जाती है। अंग्रेजों का यह काम हिन्दी पर कुठाराघात सा हुआ। उस समय की हिन्दी की संकटमय अवस्था का वर्णन करते हुए बाबू बाल-मुकुन्द गुप्त ने दुख के साथ कहा है—“जो लोग नागरी अक्षर सीखते थे, वह फारसी अक्षर सीखने पर विवश हुए और हिन्दी भाषा हिन्दी न रह कर उर्दू बन गई। हिन्दी उस भाषा का नाम रहा जो टूटी फूटी चाल पर देवनागरी अक्षरों में लिखी जाती थी।”

‘प्रजाहितैषी’, ‘सुधाकर’, ‘ज्ञानप्रदायिनी पत्रिका’ आदि ने हिन्दी की रक्षा करने के लिए एक आन्दोलन चलाया पर इन पत्र-पत्रिकाओं की भाषा ध्यान से देखने से साफ हो जाता है कि उनका नजरिया संस्कृतमय था। राजा लक्ष्मण प्रसाद सिंह ने आगे बढ़कर यह कहा कि हिन्दी में संस्कृत के शब्द बहुत आते हैं, उर्दू में अरबी-फारसी के। कुछ आवश्यक नहीं है कि अरबी फारसी के शब्दों के बिना हिन्दी न बोली जाय, और न हम उस भाषा को हिन्दी कहते हैं जिनमें अरबी फारसी के शब्द भरे हों।’ उधर उर्दू को अंग्रेजी सरकार ने प्रोत्साहन दिया और इधर यूरोपियन ईसाई पादरियों ने राजा लक्ष्मण सिंह और उनके साथियों की अरबी फारसी के शब्दों को हटाकर उनकी जगह संस्कृत शब्द रखने के प्रयास को सहायता पहुँचाई।

सौभाग्य से हिन्दी और उर्दू दोनों के विद्वानों ने अंग्रेजों की चाल समझ ली। सर सैयद अहमद, मौलाना सलीम आदि ने उर्दू को हिन्दी के निकट लाने की कोशिश की, और भारतेन्दु हरिश्चन्द्र और उनके लेखक मण्डल ने हिन्दी को उर्दू के नजदीक पहुँचाने की कोशिश की। सन् 1903

तक गयी जिस समय क्लेरिफिकेशन ने हिन्दी और उर्दू में अलग अलग रचना करने की आज्ञा दी थी। इसके बाद हिन्दी के विद्वानों ने विदेशी शब्दों का बहिष्कार किया, और उर्दू के विद्वानों ने देशज शब्दों का। हिन्दी और उर्दू अलग अलग भाषायें हो गईं। गिलकाइस्ट की ही कुत्रछाया में हिन्दी उर्दू संघर्ष का श्रीगणेश हुआ। अंग्रेजों ने हिन्दू और मुसलमानों में फूट डालने का प्रयास भाषा के द्वारा भी किया। वे जानते थे कि बाह्य अनेक रूपता के होते हुए भी दोनों में कैसी समानता है। यही समानता भारतीय एकता का मौलिक आधार थी। यही कारण था कि उन्होंने एकता की शृङ्खलायें तोड़ डालीं। संस्कृत के परित्यक्त और अरबी के आलिम भाषा का नेतृत्व करने लगे। अरबी फारसीयों आलिमों की मेहरबानी से उर्दू में अरबी फारसी के मुशकिल शब्दों और संस्कृतशब्दों की कृपा से हिन्दी में छिप्ट शब्दों की भरमार होने लगी। थोड़े ही दिनों में दोनों भाषायें बहुत अलग जा पड़ीं।

शुरू में अंग्रेजों ने उर्दू को प्रोत्साहन देना आरम्भ किया। उर्दू कोर्ट की भाषा थी और कोर्ट की भाषा उनके शब्दों में 'सबसे अधिक कैशनेबिल' मानी जाती है। अंग्रेजों का यह काम हिन्दी पर कुठाराघात सा हुआ। उस समय की हिन्दी की संकटमय अवस्था का वर्णन करते हुए बाबू बाल-मुकुन्द गुप्त ने दुख के साथ कहा है—“जो लोग नागरी अक्षर सीखते थे, वह फारसी अक्षर सीखने पर विवश हुए और हिन्दी भाषा हिन्दी न रह कर उर्दू बन गई। हिन्दी उस भाषा का नाम रहा जो टूटी फूटी चाल पर देवनागरी अक्षरों में लिखी जाती थी।”

‘प्रजाहितैषी’, ‘सुधाकर’, ‘ज्ञानप्रदायिनी पत्रिका’ आदि ने हिन्दी की रक्षा करने के लिए एक आन्दोलन चलाया पर इन पत्र-पत्रिकाओं की भाषा ध्यान से देखने से साफ हो जाता है कि उनका नजरिया संस्कृतमय था। राजा लक्ष्मण प्रसाद सिंह ने आगे बढ़कर यह कहा कि हिन्दी में संस्कृत के शब्द बहुत आते हैं, उर्दू में अरबी-फारसी के। कुछ आवश्यक नहीं है कि अरबी फारसी के शब्दों के बिना हिन्दी न बोली जाय, और न हम उस भाषा को हिन्दी कहते हैं जिनमें अरबी फारसी के शब्द भरे हों।’ उधर उर्दू को अंग्रेजी सरकार ने प्रोत्साहन दिया और इधर यूरोपियन ईसाई पादरियों ने राजा लक्ष्मण सिंह और उनके साथियों की अरबी फारसी के शब्दों को हटाकर उनकी जगह संस्कृत शब्द रखने के प्रयास को सहायता पहुँचाई।

सौभाग्य से हिन्दी और उर्दू दोनों के विद्वानों ने अंग्रेजों की चाल समझ ली। सर सैयद अहमद, मौलाना सलीम आदि ने उर्दू को हिन्दी के निकट लाने की कोशिश की, और भारतेन्दु हरिश्चन्द्र और उनके लेखक मण्डल ने हिन्दी को उर्दू के नजदीक पहुँचाने की कोशिश की। सन् 1903

में १० महावीर प्रसाद द्विवेदी ने 'हिन्दी भाषा और
 उसका साहित्य' शीर्षक लेख में लिखा—“उर्दू कोई भिन्न
 भाषा नहीं, वह भी हिन्दी ही है, उसमें चाहे जितने फारसी
 और अरबी के शब्द भर दें पर जब तक उसकी क्रियायें
 हिन्दी की ही बनी रहती हैं, उसकी रचना हिन्दी ही के
 व्याकरण का अनुसरण करती है, चाहे कोई जो कुछ कहे
 बली और सौदा के काव्यों में जो भाषा है वही तुलसीदास
 और बिहारी के काव्यों में है, 'मेरा बाप' के स्थान पर 'बाप
 मेरा' अथवा 'आपके हुक्म से' के स्थान में 'बहुक्म आपके'
 करने से कहीं भाषा दूसरी हो सकती है ?.....लिखने की
 प्रणाली को बदलने अथवा उसमें किसी अन्य भाषा के
 शब्दों का प्रयोग करने से मुख्य भाषा के अस्तित्व में कदापि
 अन्तर नहीं आ सकता.' पर गिलक्राइस्ट ने जिस फूट का
 'इन्जेक्शन' दिया था उसका ज़हर, धीरे धीरे हम में से
 बहुतों के नस नस में फैलता गया और अब भी फैल रहा है,
 हाँ, उन विद्वानों और आलिम फ़ाज़िलों को सफलता नहीं
 मिली, पंडित भीमसेन शर्मा ने हिन्दी लेखकों को सलाह
 दी—“संस्कृत भाषा के अग्रभूत भण्डार में शब्दों की न्यूनता
 नहीं है, हमको चाहिये कि अपनी भाषा की पूर्ति संस्कृत के
 सहारे यथोचित करें, जिन लोगों को जिन विशेष प्रचलित
 अन्य भाषान्तर्गत शब्दों के स्थान में उनसे सर्वथा भिन्न
 संस्कृत शब्दों का व्यवहार करने की रुचि नहीं है उन्हें उसी
 से मिलते हुए संस्कृत शब्दों का वहाँ प्रयोग करना चाहिये.”
 नासिक साहब ने उर्दू वालों के लिये कड़ा नियम बनाकर
 कहा—“उसूल इसका यह रक्खा गया है कि फारसी और
 अरबी अल्फ़ाज़ जहाँ तक मुकीद मिलें, हिन्दी अलफ़ाज़ न
 बाँधो (तज़किरा जलबये ख़िज़, हिस्सा दोयम सफ़ा 392).

इसका परिणाम यह हुआ कि हिंदी में तत्सम शब्दों का प्रयोग बढ़ने लगा। विदेशी शब्दों का बहिष्कार किया गया। शिकायत के स्थान पर 'शिक्षा यत्न' दुश्मन के स्थान पर 'दुःशमन', चश्मा को चक्ष्मा', लालटेन के स्थान पर 'हस्तकाचदीपिका' आदि आदि के प्रयोग होने लगे। इसी तरह, पण्डित पद्मसिंह शर्मा के शब्दों में, "उर्दू वाले नये नये मुअररब और मुसररफ अलफाज तक से गुरेरज करते हैं और उनके बजाय अरबी और फारसी की मुस्तनद लुग़ात से इस्तलाहात नौ बनौ से अपने तर्जे तहरीर में ऐसा तसौना पैदा करते हैं कि उनका एक एक फिक्ररा ग़ालिब के बाज़ मुश्किल मिसरे की पेचीदगी पर भी ग़ालिब आ जाता है।" ग़िलाक़ाईस्ट ने हमें जिस ज़हर का घूँट पिलाया उसका परिणाम देखकर २० एडविन प्रबिस ने अपने 'हिन्दी और नागरी प्रचारिणी सभा' शीर्षक लेख में लिखा है—“भाषा की समस्या का विचार छोड़कर इतना जरूर मानना पड़ेगा कि बाज़ारू भाषा की अवस्था चाहे जो हो लेकिन शिक्षित

میں پختہ مہلو پر دوسرا دیوہی نے 'ہندی بیاشا' اور اسکا ساتھ ساتھ 'شہر شک' لیکم میں لکھا۔ "اُردو کوئی بہن بیاشا نہیں۔ وہ بھی ہندی ہی ہے۔ اُس میں چاہے جتنے فارسی اور عربی کے شبد بھر دیں پر جب تک اُسکی کوئی ہندی کی ہی بنی رہتی ہیں" اُسکی رچنا ہندی ہی کے دیاگون کا انوسن کرتی ہے۔ چاہے کوئی جو کچھ کہے ولی اور سودا کے کاروبار میں جو بیاشا ہے وہی تلسی داس اور بہاری کے کاروبار میں ہے۔ مہرا باپ کے استھان پر 'باپ میرا' اتھوا 'آپکے حکم سے' کے استھان میں 'بھکم آدکے' کرنے سے کہیں بیاشا دوسری ہو سکتی ہے؟ ... لکھنے کی پرزائی کو بدلنے اتھوا اُس میں کسی اتھ بیاشا کے شبدوں کا پریوگ کرنے سے مکھیہ بیاشا کے استکو میں کدائی اتھر نہیں آسکتا؛ پر گلسکرائسٹ نے جس پھوت کا 'انجیکشن' دیا تھا اسکا زھر دھیرے دھیرے ہم میں سے بہوتوں کے نس نس میں پھیلتا گیا اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ ہاں، اُن ردائوں اور عالم فاضلوں کو سہیلتا نہیں ملی۔ پنڈت بھیم سین شرما نے ہندی لیکھوں کو صلح دی۔ "سنسکرت بیاشا کے اکشہ بھنڈار میں شبدوں کی نہوتنا نہیں ہے۔ ہمکو چاہیے کہ اپنی بیاشا کی پورتی سنسکرت کے سہارے بپھوچت کریں۔ جن لوگوں کو جن وشیش پرچلت اتھ بیاشا تہرگت شبدوں کے استھان میں اُن سے سروٹھا بہن سنسکرت شبدوں کا دیوار کرنے کی رچی نہیں ہے اُنہیں اُسی سے ملنے ہونے سنسکرت شبدوں کا وہاں پریوگ کرنا چاہئے۔" ناسک صاحب نے اُردو والوں کے لئے کڑا نہم بنا کر کہا۔ "اُصول اُسکا یہ رکھا گیا ہے کہ فارسی اور عربی الفاظ جہاں تک مفہد ملیں، ہندی الفاظ نہ باندھو (تذکرہ جلوۂ خزر، حصہ دوم صفحہ 392)۔

اُسکا پرہیزگار یہ ہوا کہ ہندی میں تقسم شدہوں کا پربوگ
بڑھنے لگا۔ ودیشی شبدوں کا دھشکار کیا گیا۔ شکایت کے استہان
پر 'شکشا یجن' دشمن کے استہان پر 'دشمن' چشمہ کو 'چکشہ'۔
القین کے استہان پر 'ہستکا چندیکا' آدی آدی کے پربوگ ہونے
لگے۔ اُسی طرح، بلذت، پدم سنگھ شرما کے شبدوں میں "اُردو
والے نئے نئے معرب اور مصرف الفاظ تک سے گریز کرتے ہیں
اور انکے بجائے عربی اور فارسی کی مستند لغات سے اصطلاحات
نہنوں سے اپنے طرز تحریر میں ایسا تو صنع پیدا کرتے ہیں کہ
انکا ایک ایک فقرہ غالب کے بعض مشکل مصرعے کی پیچیدگی
پر بھی غالب آجاتا ہے۔" گلسکراپسٹ نے ہمیں جس زہر کا
گھونٹ پلایا اُسکا پرہیزگار دیکھ کر رے۔ ایتوں گروس نے اپنے
'ہندی اور ناگری پرچارنی سیبا' شورشک لیک میں لکھا
ہے۔ "بھاشا کی سمسیا کا وچار چھوڑ کر اننا ضرور ماننا
پڑیگا کہ ہزاروں بھاشا کی اوستھا جو ہو لیکن شکست

لوگوں کے لیے ہندی اور اردو دونوں الگ الگ भाषायें हैं. इसलिये नागरी लिपि में मुद्रित हुई शब्दों से भरी भाषा हिंदी की जगह न पढ़ائی जाकर इन दोनों भाषाओं की शिक्षा का पृथक् प्रबन्ध करना चाहिये."

इस तरह हमें गुलाम बनाये रखने के लिए हिन्दी और उर्दू को पूरी तरह अलग करने की कौशिशें होती गईं. आषाढी प्राप्त करने के बाद अब हिन्दी और उर्दू को फिर से एक जगह लाना जरूरी है. उनके बाहरी फरक को खत्म कर के एकरूपता लानी है. हिन्दी महज हिन्दूओं की सम्पत्ति नहीं, उर्दू भी मुसलमानों की महज अपनी नहीं. पंद्रहवें बिहार प्रादेशिक हिन्दी साहित्य सम्मेलन के स्वागता-ध्यक्ष की हैसियत से राजा राधिकारमण प्रसाद सिंह ने कहा था—"अब तक हिन्दी सत्यनारायण की कथा की पंजीरी पाती रही, उसे अब मौजूद शरीफ की जलेबियां भी चखनी होंगी." इसी तरह बिहार सरकार के भूतपूर्व शिक्षा सचिव डाक्टर सैयद महमूद साहब ने पटना में 'अंजुमन तरक्की' की नयी इमारत का संगे बुनियाद रखते वक्त कहा—"यह मुसलमानों की सक्त गलती है कि वह उर्दू को अपनी ज़बान कहते हैं. ऐसा करने से उर्दू को जो सारे मुलक की ज़बान है नुकसान पहुँचा रहे हैं."

हिन्दी और उर्दू को हमें फिर गंगा और जमना का संगम बनाना है और नई त्रिवेणी की धारा बहाना है. यह काम हो कैसे ? इसके लिये हिन्दी उर्दू के लेखकों को एक मञ्च पर जमा होना और एक दूसरे को समझना है—यानी एक भाषा का आदर्श पैदा करना है. टेक्स्ट बुक कमेटियों का सहयोग प्राप्त करके उस आदर्श को बच्चों तक पहुंचाना है. हमें मनोवृत्ति में परिवर्तन करना है.

لوگوں کے لئے ہندی اور اردو دونوں الگ الگ भाषायें ہیں . اسلئے ناگری لپی میں مدرت ہوئی شبدوں سے پری ہاشا ہندی کی جگہ نہ پڑھائی جا کر ان دونوں ہاشاؤں کی شکشا کا پرتھک پربندہ کرنا چاہئے .

اس طرح ہمیں ظام بنائے رکھنے کے لئے ہندی اور اردو کو پوری طرح الگ الگ کرنے کی کوششیں ہوتی گئیں . آزادی پراپت کرنے کے بعد اب ہندی اور اردو کو پھر سے ایک جگہ لانا ضروری ہے . آئندہ باہری فرق کو ختم کر کے ایکروپتا لانی ہے . ہندی محض ہندوؤں کی سمپتی نہیں ، اردو بھی مسلمانوں کی محض اپنی نہیں . پندرہویں بہار پراڈیشک ہندی سامتیہ سمیلن کے سواگتادھیکش کی حیثیت سے راجہ رادھیکارمن پرساد سنگھ نے کہا تھا—"اب تک ہندی ستیہناراین کی کٹھا کی پنچہری پاتی رہی" اُسے اب مولود شریف کی جلیبیاں بھی چکھنی ہونگی . اسی طرح بہار سرکار کے بہوت پورو شکشا سچو ڈاکٹر سید محمود صاحب نے پتلہ میں "انجمن ترقی" کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھتے وقت کہا—"یہ مسلمانوں کی سخت غلطی ہے کہ وہ اردو کو اپنی زبان کہتے ہیں . ایسا کرنے سے اردو کو جو سارے ملک کی زبان ہے نقصان پہونچا رہے ہیں ."

ہندی اور اردو کو ہمیں پھر کٹا جمننا کا سنگم بنانا ہے اور نئی تریونی کی دھارا بہانا ہے . یہ کام ہو کیسے ؟ اُسکے لئے ہندی اردو کے لیکھکوں کو ایک منچ پو جمع ہونا اور ایک دوسرے کو سمجھنا ہے—یعنی ایک بہاشا کا آدرش پیدا کرنا ہے . ٹیکسٹ بک کمیٹی کا سہیوک پراپت کر کے اُس آدرش کو بچوں تک پہونچانا ہے . ہمیں منورتنی میں پڑھورتن کرنا ہے .

پ্রেम कुछ नहीं मांगता. बल्कि कुछ न कुछ देता रहता है. प्रेम दुख सहता है कभी नाराज नहीं होता और न कभी बदला लेता है. जहां प्रेम है, वहां भगवान भी है.

—महात्मा गांधी

پریم کچھ نہیں مانگتا بلکہ کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہے . پریم دکھ سہتا ہے کبھی ناراض نہیں ہوتا اور نہ کبھی بدلہ لیتا ہے . جہاں پریم ہے وہاں بھگوان بھی ہے .

—مہاتما گاندھی

شواجی کی مذہبی فیتی

स्व० सय्याद ए० एक० एम० अब्दुल अली

سورگیتہ سید احمد ایف ایم عبد العلی

औसत दर्जे के पढ़े लिखे मुसलमान भाइयों का यह ज़्यादा खयाल है कि शिवाजी इसलाम का दुरमन था और वह मुसलमानों का नामोनिशान मिटाकर भारत में शुद्ध हिन्दू बादशाहत कायम करना चाहता था. शिवाजी के सम्बन्ध में जो कुछ मैंने जांच पढ़ताल की है, उसमें मैं इस नतीजे पर पहुँचा हूँ कि मुसलमान भाइयों की यह राय बिलकुल ग़लत है. शिवाजी में मजहबी तरफ़दारी बिलकुल नहीं थी और अगर उसे बादशाहत कायम करने में कामयाबी हासिल होती, तो उसकी बादशाहत खालिस हिन्दुस्तानी होती जिसमें हिन्दू और मुसलमान दोनों को बराबरी अधिकार होते. उसकी बादशाहत मराठा बादशाहत होती जिसके ऊँचे के नीचे सब धर्म वाले अमन और सुखव्यवस्था से रहते और जिसमें हिन्दू मुसलमानों का कोई फ़र्क़ न किया जाता.

आम तौर पर इतिहास लेखकों ने शिवाजी के बारे में तरह तरह की गलतफहमियां फैला रखी हैं। स्कूली इतिहास हमें सिखाता है कि शिवाजी हत्यारा और लुटेरा था, उसने दोस्ती का ढोंग रच कर अक़बल खां की धोके से हत्या की और वह मुसलमानों का दुश्मन था। शिवाजी ने अक़बल खां की धोखे से हत्या की या नहीं इस सवाल पर अब भी कई रायें हैं। फ़र्ज कीजिये थोड़ी देर के लिये वह बात मान भी ली जाय कि शिवाजी ने ऐसा किया, तो भी उससे यह कैसे साबित हो सकता है कि शिवाजी मुसलमानों का नामोनिशान मिटा देना चाहता था या शुद्ध हिन्दू बादशाहत कायम करना चाहता था ?

शिवाजी की नीति तथा उसके चरित्र के सम्बन्ध में सब में प्रामाणिक (मुस्तनद) इतिहास लेखक काफ़ी खां सम्मत्ता जाता है। काफ़ी खां का पिता शिवाजी का समकालीन था। काफ़ी खां खुद शिवाजी की मौत के 13 बरस बाद मुग़ल बादशाह के कर्मचारी की हैसियत से सूरत, अहमदनगर तथा महाराष्ट्र के कई स्थानों में रहा था। उसने अपनी मराठूर किताब 'शिवाजी की जीवनी' में अफ़ज़ल खां की हत्या की घोर निन्दा की है, लेकिन शिवाजी के सम्बन्ध में उसने यह भी लिखा है कि—

“शिवाजी ने नये नये किले बनवाये, अगर एक तरफ
उसने बीजापुर के राज्य में खुटपाट की तो दूसरी ओर

اوسط درجے کے پڑھے لکھے مسلمان بیاتھوں کا یہ علم خیال ہے کہ شواجی اسلام کا دشمن تھا اور وہ مسلمانوں کا نام و نشان متاثر بھارت میں شدہ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا۔ شواجی کے سہولت میں جو کچھ میں نے جانچ پڑتال کی ہے، اُس سے میں اُس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مسلمان بیاتھوں کی یہ رائے بالکل غلط ہے۔ شواجی میں مذہبی طرفداری بالکل نہیں تھی اور اگر اُسے بادشاہت قائم کرنے میں کامیابی حاصل ہوتی، تو اُسکی بادشاہت خالص ہندوستانی ہوتی جس میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں ادھیکار ہوتے۔ اُسکی بادشاہت مرآتاً بادشاہت ہوتی جسکے جہنڈے کے نیچے سب دھرم والے امن اور محبت سے رہتے اور جسمیں ہندو مسلمانوں کا کوئی فرق نہ کیا جاتا۔

عام طور پر ایتھس لکھکوں نے شواجی کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیل رکھی ہیں۔ اسکوئی ایتھس ہمیں سکنا تھا کہ شواجی ہتھارا اور لقیار تھا، اُسنے درستی کا ڈھونگ رچ کر افضل خاں کی دھوکے سے ہتیا کی اور وہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔ شواجی نے افضل خاں کی دھوکے سے ہتیا کی یا نہیں اس سوال پر اب بھی کئی رائیں ہیں۔ فرض کیجئے تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان بھی لی جائے کہ شواجی نے ایسا کیا، تو بھی اُس سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ شواجی مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا یا شدھ ہندو بادشاہت قائم کرنا چاہتا تھا ؟

شواجی کی فہمی تھا اُسکے چرنر کے سمبندھ میں سب میں پراماتک (مسند) ! تھاس لہک کانن خاں سمجھا جاتا ھے۔ کانن خاں کا پنا شواجی کا سکالین تھا ۔ کانن خاں خود شواجی کی موت کے 13 برس بعد مغل بادشاہ کے کرمچاری کی حیثیت سے صورت، احمد نگر تھا مہاراشٹر کے کئی استھانوں میں رھا تھا ۔ اُسکے اپنی مشہور کتاب 'شواجی کی جرنلی' میں افضل خان کی بھیا کی گھر نندا کی ھے، لیکن شواجی کے سمبندھ میں اُسکے یہ بھی لکھا ھے کہ—

”شواجی نے فٹہ فٹہ قلعہ بلوائے۔ اگر ایک طرف اُسے بیجا پور کے راجہ میں لوٹ پات کی تو دوسری اور

نہیں، بلکہ شمس ویاہگ میں بھی اچھے اچھے پندوں پر انیک مسلمان کرسچناری تھے۔ اُس کے منشی کا نام قاضی حیدر تھا۔ شوالی سبھا جی کے راجا ہونے پر اس نے مرانہوں کی ٹوکری چھڑ کر منہوں کی ٹوکری کر لی تھی اور کچھ سمئے بعد وہ مثل سامراجہ کا پردھان قاضی ہو گیا تھا۔

سورگھ شری گشی ناتھ تھلنگ نے اپنے ایک لیکم میں لکھا تھا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں شوالی نے مندروں، مٹھوں کی رکشا کی تھی، وہیں اس نے مسجدوں، بدروں آدمی کو ملنے والی سرکاری سپائٹا بھی بند نہیں کی تھی۔" اپنے اس کہن کے سورتھن میں انہوں نے کئی یورپیوں لیکھوں کا حوالہ دیا ہے۔ ان نشپھش ویدی لیکھوں کی بات کو مان لینے میں اتھاس کے ویدیارتھوں کو کسی طرح کا سنکوج نہ کرنا چاہیئے۔

خود اورنگزیب کے شوالی کے نام لکھے ہوئے پانچ پتر ابھی تک موجود ہیں اور ستارا کے عجائب گھر میں پارس نیس کے سنکرہ میں سورکشت ہیں۔ انمیں سے کئی پتر افضل خاں کے بدھ کے پشچات لکھے گئے تھے اور ان سب پتروں میں اورنگزیب نے شوالی کو 'مطوع الاسلام' ارتھات اسلام کا اکیاں کاری لکھا ہے۔ ان سب پرمانوں کے رھنے ہوئے کیا کوئی بھی مسجددار آدمی اس نتیجے پر پھونچ سکتا ہے کہ شوالی مسلمانوں سے نفرت کرنا تھا، ان کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا اور بھارت میں شدہ ہلدو راجہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا؟

خود اورنگزیب کے شوالی کے نام لکھے ہوئے پانچ پتر ابھی تک موجود ہیں اور ستارا کے عجائب گھر میں پارس نیس کے سنکرہ میں سورکشت ہیں۔ انمیں سے کئی پتر افضل خاں کے بدھ کے پشچات لکھے گئے تھے اور ان سب پتروں میں اورنگزیب نے شوالی کو 'مطوع الاسلام' ارتھات اسلام کا اکیاں کاری لکھا ہے۔ ان سب پرمانوں کے رھنے ہوئے کیا کوئی بھی مسجددار آدمی اس نتیجے پر پھونچ سکتا ہے کہ شوالی مسلمانوں سے نفرت کرنا تھا، ان کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا اور بھارت میں شدہ ہلدو راجہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا؟

خود اورنگزیب کے شوالی کے نام لکھے ہوئے پانچ پتر ابھی تک موجود ہیں اور ستارا کے عجائب گھر میں پارس نیس کے سنکرہ میں سورکشت ہیں۔ انمیں سے کئی پتر افضل خاں کے بدھ کے پشچات لکھے گئے تھے اور ان سب پتروں میں اورنگزیب نے شوالی کو 'مطوع الاسلام' ارتھات اسلام کا اکیاں کاری لکھا ہے۔ ان سب پرمانوں کے رھنے ہوئے کیا کوئی بھی مسجددار آدمی اس نتیجے پر پھونچ سکتا ہے کہ شوالی مسلمانوں سے نفرت کرنا تھا، ان کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا اور بھارت میں شدہ ہلدو راجہ کی استھاپنا کرنا چاہتا تھا؟

.....میں تو رامراج یا نی دینیا میں ईश्वर के राज का सपना देखता हूँ, वही आजादी है. स्वर्ग में यह राज कैसा होगा, सो मैं नहीं जानता. बहुत दूर की चीज जानने की मुझे इच्छा भी नहीं है. अगर वर्तमान (हाल) दिल को काफ़ी अच्छा लगता हो, तो भविष्य (मुस्तक़बल) उससे बहुत अलग नहीं हो सकता.

"इसलिये राजनैतिक, आर्थिक और नैतिक (अखलाकी) चीनों तरह की आजादी ही सच्ची आजादी है....."

—महात्मा गांधी

".....میں تو رام راج یعنی دنیاء میں ایشر کے راج کا سہنا دیکھتا ہوں۔ وہی آزادی ہے۔ سرگ میں یہ راج کیسا ہوگا؟ سو میں نہیں جانتا۔ بہت دور کی چیز جاننے کی مجھے اچھا بھی نہیں ہے۔ اگر ورتمان (حال) دل کو کافی اچھا لگتا ہو، تو بھوشیہ (مستقبل) اس سے بہت الگ نہیں ہو سکتا۔

"اس لئے راج نیتک، آرٹیک اور نیتک (اخلاقی) نہیں طرح کی آزادی ہی سچی آزادی ہے....."

—مہاتما گاندھی

श्री ज्ञानशंकर कुपाशंकर पंड्या

شہری گیلان، شکر کریا شکر، پلڈیا

सम्राट आलमगीर भारत के आलिम बादशाहों में से एक गिना जाता है। लेकिन जहाँ एक ओर उसने अपने पिता शाहजहाँ को कैद में रखा और भाइयों को क़त्ल किया, वहाँ दूसरी ओर वह कुरबानी, सदाचार और कठोर जीवन की प्रतिमूर्ति समझा जाता है। यदि एक ओर वह ज़बरदस्त स्वेच्छाचारी था तो दूसरी ओर गरीबी और नफ़ता से भरा हुआ प्रजा की गाढ़ी कमाई का एक पैसा भी अपने स्वार्थ के लिये खर्च करने को वह पाप समझता था। टोपी सीकर और क़ुरान लिखकर वह अपना पेट पालता था। दुनिया के बड़े से बड़े सम्राटों में उसकी गिनती थी। उसका खज़ाना हीरे जवाहरात से लबालब था। लेकिन नमक और बाजरे की रोटी ही पर वह अपना जीवन काटता था। वह अपनी सल्तनत को 'ख़ुदादाद' मानता था। मरने से पहले सम्राट आलमगीर ने जो वसीयत की है, उसे देखकर हम इस महान सम्राट के आख़री दिनों की मानसिक हालत को भली भाँति समझ सकते हैं। वसीयत की धारायें ये हैं—

(1) बुराईयों में डूबा हुआ मैं गुनहगार, बली हज़रत हसन की दरगाह पर एक चादर चढ़ाना चाहता हूँ, क्योंकि जो शरूख पाप की नदी में डूब गया है, उसे रहम और क्षमा के भंडार के पास जाकर क्षमा की भीक माँगने के सिवाय और क्या सहारा है. इस पाक काम के लिये मैंने अपनी कमाई का रुपया अपने बेटे मुहम्मद आजम के पास रख दिया है. उससे लेकर यह चादर चढ़ा दी जाय.

(2) दोपियों की सिलाई करके मैंने चार रुपये दो आने जमा किये हैं. यह रकम महालदार लाइलाही बेग के पास जमा है. इस रकम से मुझ गुनहगार पापी का कफन खरीदा जाय.

(3) क़ुरान शरीफ की नक़ल करके मैंने तीन सौ पांच रुपये इकठ्ठे किये हैं. मेरे मरने के बाद यह रक़म क़त्तीरों में बाँट दी जाय. यह पाक पैसा है, इसलिये इसे मेरे कफ़न या किसी भी दूसरी ज़रूरी चीज़ पर न खर्च किया जाय.

(4) नेक राह को छोड़कर गुमराह हो जाने वाले लोगों को आगाह करने के लिये मुझे खुली जगह पर दफनाना और मेरा सर खुला रहने देना, क्योंकि उस महान शह-शाह परवरदिगारे आलम के दरबार में जब कोई पापी नंगे सिर जाता है तो उसे पत्थर दया आ जाती होगी.

سمرات عالمگیر بھارت کے ظالم بادشاہوں میں سے ایک گنا جاتا ہے۔ لیکن جہاں ایک اور اُس نے اپنے پتا شاہجہاں کو قتل نہیں کیا، وہاں دوسری اور وہ قربانی، سداچار اور کتھور جیون کی پرنی مورتی سمجھا جاتا ہے۔ یہی ایک اور وہ زبردست سوچھا چاری تھا تو دوسری اور غریبی اور نموتا سے بھرا ہوا۔ پرچا کی گڑھی بھائی کا ایک پیسہ بھی اپنے سوارتھ کے لئے خرچ کرنے کو وہ چاہ سمجھتا تھا۔ تیری سی کر اور قرآن لکھ کر وہ اپنا بیٹ پالتا تھا۔ دنیا کے بڑے سے بڑے سمراٹوں میں اُس کی گنتی تھی۔ اُس کا خزانہ ہیرے جواہرات سے لبالب تھا۔ لیکن نمک اور باجرے کی روٹی ہی پر وہ اپنا جیون کاٹتا تھا۔ وہ اپنی سلطنت کو 'خدادان' مانتا تھا۔ مرنے سے پہلے سمراٹ عالمگیر نے جو وصیت کی ہے، اُسے دیکھ کر ہم اِس مہان سمراٹ کے آخری دنوں کی مانسک حالت کو بھلی بھانٹی سمجھ سکتے ہیں۔ وصیت کی دھارائیں یہ ہیں۔

(1) برائوں میں توہا ہوا میں گنہگار، ولی حضرت حسن کی درگاہ پر ایک چادر چڑھانا چاہتا ہوں، کیونکہ جو شخص پاپ کی ندی میں توبہ کیا ہے، اُسے رحم اور چھما کے بہتار کے پاس جاکر چھما کی بھیک مانگنے کے سوائے اور کیا سہارا ہے۔ اس پاک کلم کے لئے میں نے اپنی کمائی کا روپیہ اپنے بیٹے محمد اعظم کے پاس رکھ دیا ہے۔ اُس سے لیکر یہ چادر چڑھا دی جائے۔

(2) تہذیبوں کی سلامتی کر کے میں نے چار روپے دو آنے جمع کئے ہیں۔ یہ رقم محالدار والاہی بیگ کے پاس جمع ہے۔ اس رقم سے مجھے گنہگار پاپی کا کفن خریدنا چاہئے۔

(3) قرآن شریف کی نقل کر کے میں نے تین سو پانچ روپے اٹھائے تھے۔ مہرے مرنے کے بعد وہ رقم غریبوں میں بانٹ دی جائے۔ یہ پاک پیسہ ہے، اس لئے اسے مہرے کفن یا کسی بھی دوسری ضروری چیز پر نہ خرچ کیا جائے۔

(4) نیک راہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جانے والے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے مجھے کھلی جگہ پر دغانا اور مہرا سر کھل رکھنا دینا، کیونکہ اُس مہمان شہنشاہ پروردگار عالم کے دربار میں جب کوئی پائی ننگے سر جاتا ہے تو اسے ضرور دیا آجاتی ہوگی ۔

(5) میری جگہ کو کھر سے سنبھل کر کے کپڑے سے ڈک دینا۔ پھر یا جھڑی نہیں لگانا، نہ گاڑے باجے کے ساتھ جلوس نکالنا اور نہ مولود کرنا۔

(6) اپنے کھدائیوں کی مدد کرنا اور ان کی عزت کرنا۔ قرآن شریف کی آیت ہے—پرانی ماتر سے پریم کرو۔ مہرے ہتھو! یہی نہیں مہرے ہدایت ہے۔ یہی پیغمبر کا حکم ہے۔ اس کا انعام اگر تمہیں اس زندگی میں نہیں تو اگلی زندگی میں ضرور ملے گا۔

(7) اپنے کھدائیوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں یہ بات بھی دھیان میں رکھنی ہوگی کہ ان کی طاقت اتنی زیادہ نہ ہو کہ اُس سے حکومت کو خطرہ ہو جائے۔

(8) میرے بے! حکومت کی باگدور مضبوطی سے اگر پکڑے رہو گے تو تمام بدنامیوں سے بچ جاؤ گے۔

(9) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں اور دوا کرتے رہنا چاہیے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مکرانہ پر نہیں رہنا چاہیے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(10) اپنے بیٹوں پر کبھی ہول کر بھی اعتبار نہ کرنا، نہ ان کے ساتھ کبھی نزدیکی تعلق رکھنا۔

(11) حکومت کے اندر ہونے والی تمام باتوں کی تمہیں اطلاع رکھنی چاہئے—یہی حکومت کی کنجی ہے۔

(12) بادشاہ کو حکومت کے کام میں جہاں بھی سستی نہیں کرنی چاہئے۔ ایک لمحہ کی سستی ساری زندگی کی مصیبت کی باعث بن جاتی ہے۔

یہ ہے مختصر میں سمرات عالمگیر کا وصیت نامہ۔ اس وصیت نامے کی دھاروں کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ سمرات کو اپنے اہل و عیال میں اپنے پتا کو قید کرنے، اپنے بھائیوں کو قتل کرنے اور اپنی سوتیلی چارہ پاتا پر دلی انیسوس اور ملال تھا۔

اسی وصیت نامہ کے مطابق اورنگ آباد کے نیکٹ خلد آباد نامک چوٹے سے گلوں میں، جو عالمگیر کا مقبرہ بنایا گیا، اس میں اُسے سپردہ سادہ طریقہ سے دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر کچھ مٹی کی پٹی گئی، جس پر اُس کے سوانہ کوئی دوسری چھت نہیں رکھی گئی۔ قبر کے مجاور اُس کی قبر پر جب شب ہری دوب لگا دیتے ہیں۔ اسی کچے مزار میں پڑا ہوا بھارت کا یہ مہانہ سمرات روز معشر کے دن تک اپنے اللہ سے روبرو ہونے کے انتظار میں ہے۔

(5) میری جگہ کو کھر سے سنبھل کر کے کپڑے سے ڈک دینا۔ پھر یا جھڑی نہیں لگانا، نہ گاڑے باجے کے ساتھ جلوس نکالنا اور نہ مولود کرنا۔

(6) اپنے کھدائیوں کی مدد کرنا اور ان کی عزت کرنا۔ قرآن شریف کی آیت ہے—پرانی ماتر سے پریم کرو۔ مہرے ہتھو! یہی نہیں مہرے ہدایت ہے۔ یہی پیغمبر کا حکم ہے۔ اس کا انعام اگر تمہیں اس زندگی میں نہیں تو اگلی زندگی میں ضرور ملے گا۔

(7) اپنے کھدائیوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں یہ بات بھی دھیان میں رکھنی ہوگی کہ ان کی طاقت اتنی زیادہ نہ ہو کہ اُس سے حکومت کو خطرہ ہو جائے۔

(8) میرے بیٹے! حکومت کی باگدور مضبوطی سے اگر پکڑے رہو گے تو تمام بدنامیوں سے بچ جاؤ گے۔

(9) بادشاہ کو اپنی حکومت میں چاروں اور دورہ کرتے رہنا چاہئے۔ بادشاہ کو کبھی ایک مقام پر نہیں رہنا چاہئے۔ ایک جگہ رہنے سے آرام تو ضرور ملتا ہے، لیکن کئی طرح کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(10) اپنے بیٹوں پر کبھی ہول کر بھی اعتبار نہ کرنا، نہ ان کے ساتھ کبھی نزدیکی تعلق رکھنا۔

(11) حکومت کے اندر ہونے والی تمام باتوں کی تمہیں اطلاع رکھنی چاہئے—یہی حکومت کی کنجی ہے۔

(12) بادشاہ کو حکومت کے کام میں ذرا بھی سستی نہیں کرنی چاہئے۔ ایک لمحہ کی سستی ساری زندگی کی مصیبت کی باعث بن جاتی ہے۔

یہ ہے مختصر میں سمرات عالمگیر کا وصیت نامہ۔ اس وصیت نامے کی دھاروں کو دیکھ کر یہ پتہ چلتا ہے کہ سمرات کو اپنے اہل و عیال میں اپنے پتا کو قید کرنے، اپنے بھائیوں کو قتل کرنے اور اپنی سوتیلی چارہ پاتا پر دلی انیسوس اور ملال تھا۔

اسی وصیت نامہ کے مطابق اورنگ آباد کے نیکٹ خلد آباد نامک چوٹے سے گلوں میں، جو عالمگیر کا مقبرہ بنایا گیا، اس میں اُسے سپردہ سادہ طریقہ سے دفن کیا گیا۔ اُس کی قبر کچھ مٹی کی پٹی گئی، جس پر اُس کے سوانہ کوئی دوسری چھت نہیں رکھی گئی۔ قبر کے مجاور اُس کی قبر پر جب شب ہری دوب لگا دیتے ہیں۔ اسی کچے مزار میں پڑا ہوا بھارت کا یہ مہانہ سمرات روز معشر کے دن تک اپنے اللہ سے روبرو ہونے کے انتظار میں ہے۔

اپنے بڑے بھائی کو اپنے بڑے بھائی کے لئے جو خط لکھا، اس میں لکھا—

”بادشاہوں کو کبھی آرام یا پیرودھار کی چینی نہیں دینا چاہیے۔ یہ پیر مہادیو کی عادت ہی تھی اور بادشاہوں کی برابری کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے۔ بادشاہوں کو اپنی حکومت میں نشیمن چھڑوں اور شراب پیچھے یا پہلے کی کبھی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اس سے رعایا کا چتر ٹٹھکتا ہوتا ہے۔ اس میں کی آمدنی کو تمہیں حرام سمجھنا چاہئے۔“

اپنے بنارس کے سوبدار کے نام ایک خط میں عالمگیر لکھتا ہے—

”اپنی ہندو رعایا کے ساتھ ظلم نہ کرنا۔ ان کے ساتھ ساتھ دھرمک ادارت برتنا اور ان کی دھرمک ہوائیوں کا لحاظ کرنا۔“

عالمگیر منشیہ منشیہ کے بیچ کے فرق کو اللہ کی نظروں میں گناہ سمجھتا تھا۔ شامچان چپ تخت پر تھا تو ایک بار اس نے عالمگیر سے شکایت کی کہ اُسے شہزادے کی حیثیت سے چھوٹے بڑے سب سے ایک طرح نہیں ملنا چاہئے۔ اس پر عالمگیر نے اپنے باپ کی ہر طرح عزت کرتے ہوئے جواب دیا—

”لوگوں کے ساتھ مہر برابری کا برناؤ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اسلام کے پیغمبر نے کبھی اپنی زندگی میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں کی۔ خدا کی نظروں میں سب انسان برابر ہیں۔ اس لئے میں آپ کی آگیاں ماننے میں اپنے کو لاچار ہوتا ہوں۔“

ایسا تھا وہ بادشاہ جس پر ایتھاس نے ایک کالی چادر ڈال رکھی ہے اور جس کے متعلق عام پڑھے لکھے آدمی کے دل میں ظلم کی ایک خوفناک تصویر کھینچی ہوئی ہے۔ جیسے جیسے جانچ پڑتال کی تیز آنکھیں بڑے زمانے کے پردے کو ہٹاتی جاتی ہیں، ویسے ویسے ہمیں سمرات عالمگیر کے جہوں کے سندر پہلو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

”بادشاہوں کو کبھی آرام یا عیش و عشرت کی زندگی نہیں بتانی چاہئے۔ یہ غیر مردانگی کی عادت ہی تھی اور بادشاہوں کی برابری کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے۔ بادشاہوں کو اپنی حکومت میں نشیمن چھڑوں اور شراب پیچھے یا پہلے کی کبھی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اس سے رعایا کا چتر ٹٹھکتا ہوتا ہے۔ اس میں کی آمدنی کو تمہیں حرام سمجھنا چاہئے۔“

اپنی ہندو رعایا کے ساتھ ظلم نہ کرنا۔ ان کے ساتھ ساتھ دھرمک ادارت برتنا اور ان کی دھرمک ہوائیوں کا لحاظ کرنا۔“

عالمگیر منشیہ منشیہ کے بیچ کے فرق کو اللہ کی نظروں میں گناہ سمجھتا تھا۔ شامچان چپ تخت پر تھا تو ایک بار اس نے عالمگیر سے شکایت کی کہ اُسے شہزادے کی حیثیت سے چھوٹے بڑے سب سے ایک طرح نہیں ملنا چاہئے۔ اس پر عالمگیر نے اپنے باپ کی ہر طرح عزت کرتے ہوئے جواب دیا—

”لوگوں کے ساتھ مہر برابری کا برناؤ اسلام کے اصولوں کے مطابق ہے۔ اسلام کے پیغمبر نے کبھی اپنی زندگی میں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں کی۔ خدا کی نظروں میں سب انسان برابر ہیں۔ اس لئے میں آپ کی آگیاں ماننے میں اپنے کو لاچار ہوتا ہوں۔“

ایسا تھا وہ بادشاہ جس پر ایتھاس نے ایک کالی چادر ڈال رکھی ہے اور جس کے متعلق عام پڑھے لکھے آدمی کے دل میں ظلم کی ایک خوفناک تصویر کھینچی ہوئی ہے۔ جیسے جیسے جانچ پڑتال کی تیز آنکھیں بڑے زمانے کے پردے کو ہٹاتی جاتی ہیں، ویسے ویسے ہمیں سمرات عالمگیر کے جہوں کے سندر پہلو بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

”.....سत्याग्रہ ایک ایسی تلوار ہے جس کے سب طرف دھار ہے۔ اُسے جیسے چاہو ویسے کام میں لیا جاسکتا ہے۔ کام میں لانے والا اور جس پر وہ کام میں لائی جاتی ہے، دونوں اُس سے سکھی ہوتے ہیں۔ خون نہ بہا کر بھی وہ بڑی کرگڑ ہوتی ہے۔ اُس پر نہ تو کبھی رنگ لگتا ہے اور نہ کوئی اُسے چرانی سکتا ہے.....“

—مہاتما گاندھی

”.....سत्याگرہ ایک ایسی تلوار ہے جس کے سب طرف دھار ہے۔ اُسے جیسے چاہو ویسے کام میں لیا جاسکتا ہے۔ کام میں لانے والا اور جس پر وہ کام میں لائی جاتی ہے، دونوں اُس سے سکھی ہوتے ہیں۔ خون نہ بہا کر بھی وہ بڑی کرگڑ ہوتی ہے۔ اُس پر نہ تو کبھی رنگ لگتا ہے اور نہ کوئی اُسے چرانی سکتا ہے.....“

—مہاتما گاندھی

ہماری خوراک میں ترکاریوں کی جگہ

ہماری خوراک میں ترکاریوں کی جگہ

شری ماتی شانتا پانڈے

شری ماتی شانتا پانڈے

ہم ہندوستانیوں کے رोज کے خانے میں ترکاریوں کی ایک خاص جگہ ہے۔ ہماری گृہدھریاں ترہ ترہ کے ساگ سبزیوں سے بوجن کو زیادہ سے زیادہ لذیذ اور سوادشٹ بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ بڑے لکھ لوگوں کی ہوک تو روچک اور لذیذ ترکاریاں دیکھ کر ہی جاگتی ہے۔ ہم لوگ ترکاریاں سواد کے لحاظ سے ہی کھاتے ہیں اور ہم جانتے ہی نہیں کہ یہ ترکاریاں ہماری پانچن شکتی کو درست رکھنے کی کتنی کوشش کرتی ہیں۔ ادھر کچھ دنوں سے ہم نے بوجن کے اندر ترکاریوں کی اہمیت کو سمجھنا شروع کیا ہے پر ابھی تک ہمارے روز کے بوجن میں ترکاریوں کو، انکی اہمیت کے لحاظ سے، ٹھیک جگہ نہیں ملی ہے۔

اب نئی نئی خوراکوں کی روشنی میں ترکاریاں ہمارے بوجن کا بہتر پورن انگ بنتی جا رہی ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ ترکاریوں کے اندر کھنچ درویہ اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ بھی لوگ جان رہے ہیں کہ ترکاریوں میں اسٹارچ (میدہ) شکر اور تھوڑی مقدار میں پروٹین اور سیلولوز بھی ہوتے ہیں۔

اب نئی نئی خوراکوں کی روشنی میں ترکاریاں ہمارے بوجن کا بہتر پورن انگ بنتی جا رہی ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ ترکاریوں کے اندر کھنچ درویہ اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ بھی لوگ جان رہے ہیں کہ ترکاریوں میں اسٹارچ (میدہ) شکر اور تھوڑی مقدار میں پروٹین اور سیلولوز بھی ہوتے ہیں۔

(۱) وہ ترکاریاں جنہیں پانی کا ایش زیادہ ہے اور اسٹارچ کم، جیسے—ٹماٹر، گوہی، کرمکھلا، ساجن، سلاہ، خیرا برہرہ۔
(۲) وہ ترکاریاں جنہیں اسٹارچ اور شکر زیادہ ہے، جیسے—آلو، شکرکند، گاجر، مٹر، چکندر، کدو، پٹا، لہسی، کھچا، کھلا، برہرہ۔
اسٹارچ کے لحاظ سے بھی ترکاریوں کا درجہ بندی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لحاظ سے اس کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پڑاوت ہوتی ہیں۔ اس کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پڑاوت ہوتی ہیں۔ اس کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پڑاوت ہوتی ہیں۔

اب نئی نئی خوراکوں کی روشنی میں ترکاریاں ہمارے بوجن کا بہتر پورن انگ بنتی جا رہی ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ ترکاریوں کے اندر کھنچ درویہ اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ بھی لوگ جان رہے ہیں کہ ترکاریوں میں اسٹارچ (میدہ) شکر اور تھوڑی مقدار میں پروٹین اور سیلولوز بھی ہوتے ہیں۔

اب نئی نئی خوراکوں کی روشنی میں ترکاریاں ہمارے بوجن کا بہتر پورن انگ بنتی جا رہی ہیں۔ لوگ یہ جان گئے ہیں کہ ترکاریوں کے اندر کھنچ درویہ اور وٹامن ہوتے ہیں۔ یہ بھی لوگ جان رہے ہیں کہ ترکاریوں میں اسٹارچ (میدہ) شکر اور تھوڑی مقدار میں پروٹین اور سیلولوز بھی ہوتے ہیں۔

(۱) وہ ترکاریاں جنہیں پانی کا ایش زیادہ ہے اور اسٹارچ کم، جیسے—ٹماٹر، گوہی، کرمکھلا، ساجن، سلاہ، خیرا برہرہ۔
(۲) وہ ترکاریاں جنہیں اسٹارچ اور شکر زیادہ ہے، جیسے—آلو، شکرکند، گاجر، مٹر، چکندر، کدو، پٹا، لہسی، کھچا، کھلا، برہرہ۔

(۲) وہ ترکاریاں جنہیں اسٹارچ اور شکر زیادہ ہے، جیسے—آلو، شکرکند، گاجر، مٹر، چکندر، کدو، پٹا، لہسی، کھچا، کھلا، برہرہ۔
اسٹارچ کے لحاظ سے بھی ترکاریوں کا درجہ بندی کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لحاظ سے اس کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پڑاوت ہوتی ہیں۔ اس کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پڑاوت ہوتی ہیں۔ اس کے کھنچ درویہ اور وٹامن بھی ہوتے ہیں اور پڑاوت ہوتی ہیں۔

(۲) مٹل—مٹلوں میں مٹی کا سٹارچ، अधिक मिश्रण शर्कर, उपयोगी खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं. इनमें जल, मूली, शक्कर, चुकन्दर मुख्य हैं.

(३) बटल—केवल खनिज द्रव्य ज्यादा होने के कारण ही बटल पौष्टिक होते हैं. बटलों में खास अज-यन, सहजन, केला, प्याज आदि के बटल हैं.

(४) पत्ते और फूल—इनमें खनिज द्रव्य और विटामिन पाए जाते हैं. इनमें हरा धनिया, करमकल्ला, सहजन के तल, सलाद, पौदीना, मेथी का साग, पालक का साग, गोभी का फूल, हाथीचक आदि खास हैं.

(५) फल—अधिकतर तरकारियाँ इसी भेदी की हैं. मटर, बैंगन, चुकन्दर, लौकी, भिण्डी, कच्चा केला, मिर्च, मूली आदि इनमें से कुछ हैं. इनमें प्रोटीन के अलावा तरह तरह के खनिज द्रव्य और विटामिन भी होते हैं.

(६) कन्द—जो जमीन के नीचे होते हैं, जैसे—आलू, करकन्द, प्याज, बटल, रतालू आदि. इनमें भी स्टार्च, फल, कई महत्वपूर्ण खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं.

तरकारियों में खनिज द्रव्य

तरकारियों में कई तरह के ऐसे खनिज द्रव्य मिलेंगे जो जों में नहीं होते—जैसे कैल्सियम (चूना), फास्फोरस गन्धक), फौलाद आदि. जिस को रोज ही एक खास प्रकार में इन खनिज द्रव्यों की जरूरत होती है, क्योंकि नसे खून बनता है और मज्जा और हड्डियों को ठीक और जख्म रखने के लिये कैल्सियम की सब से अधिक जरूरत शरीर के रसों के बनने में भी कैल्सियम का बहुत बड़ा धान है. कैल्सियम हरी मटर, सेम, भिण्डी, करमकल्ला, मूली का साग, अरबी के पत्ते आदि में काफी होता है. दूध भी कैल्सियम होता है और बच्चों का शरीर तरकारियों में कैल्सियम को उतनी अच्छी तरह अपने अन्दर नहीं ले सकता जितना दूध के कैल्सियम को. लेकिन बड़े आदमियों का शरीर तरकारियों के कैल्सियम को बहुत अच्छी तरह ग्रहण करता है. निरामिष भोजियों के लिये तरकारियों का कैल्सियम बहुत जरूरी चीज है.

फास्फोरस भी शरीर के जीवित अणुओं (सैल्स) को बनाने और हड्डियों और दाँतों के लिये बहुत मुफीद है. तन्दुरुस्ती के लिये फास्फोरस बेहद जरूरी चीज है. फास्फोरस सेम, मटर, नये आलू, करमकल्ला, पालक, पंजाबा, गोल लौकी, भिण्डी और केले के फूल में बहुत होता है.

फौलाद शरीर के हर हिस्सा अणु के अन्दर मौजूद है और खून बनने में इसकी बेहद जरूरत है. काफी मिश्रण यदि फौलाद हो तो वह अनीमिया (खून की कमी) के

(2) मूल—मूलों में भी थोड़ा स्टार्च, अधिक मिश्रण शर्कर, उपयोगी खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं. इनमें जल, मूली, शक्कर, चुकन्दर मुख्य हैं.

(3) टनल—केवल खनिज द्रव्य ज्यादा होने के कारण ही टनल पौष्टिक होते हैं. टनलों में खास अज-यन, सहजन, केला, प्याज आदि के टनल हैं.

(4) पत्ते और फूल—इनमें खनिज द्रव्य और विटामिन पाए जाते हैं. इनमें हरा धनिया, करमकल्ला, सहजन के तल, सलाद, पौदीना, मेथी का साग, पालक का साग, गोभी का फूल, हाथीचक आदि खास हैं.

(5) फल—अधिकतर तरकारियाँ इसी भेदी की हैं. मटर, बैंगन, चुकन्दर, लौकी, भिण्डी, कच्चा केला, मिर्च, मूली आदि इनमें से कुछ हैं. इनमें प्रोटीन के अलावा तरह तरह के खनिज द्रव्य और विटामिन भी होते हैं.

(6) कन्द—जो जमीन के नीचे होते हैं, जैसे—आलू, करकन्द, प्याज, बटल, रतालू आदि. इनमें भी स्टार्च, फल, कई महत्वपूर्ण खनिज द्रव्य और विटामिन होते हैं.

तरकारियों में केले द्रव्य

तरकारियों में कئی तरह के ऐसे केले द्रव्य मिलेंगे जो जों में नहीं होते—जैसे कैल्सियम (चूना), फास्फोरस (कल्हक), फौलाद आदि. जिस को रोज ही एक खास प्रकार में इन केले द्रव्यों की जरूरत होती है, क्योंकि नसे खून बनता है और मज्जा और हड्डियों को ठीक और जख्म रखने के लिये कैल्सियम की सब से अधिक जरूरत शरीर के रसों के बनने में भी कैल्सियम का बहुत बड़ा धान है. कैल्सियम हरी मटर, सेम, भिण्डी, करमकल्ला, मूली का साग, अरबी के पत्ते आदि में काफी होता है. दूध भी कैल्सियम होता है और बच्चों का शरीर तरकारियों के कैल्सियम को उतनी अच्छी तरह अपने अन्दर नहीं ले सकता जितना दूध के कैल्सियम को. लेकिन बड़े आदमियों का शरीर तरकारियों के कैल्सियम को बहुत अच्छी तरह ग्रहण करता है. निरामिष भोजियों के लिये तरकारियों का कैल्सियम बहुत जरूरी चीज है.

फास्फोरस भी शरीर के जीवित अणुओं (सैल्स) को बनाने और हड्डियों और दाँतों के लिये बहुत मुफीद है. तन्दुरुस्ती के लिये फास्फोरस बेहद जरूरी चीज है. फास्फोरस सेम, मटर, नये आलू, करमकल्ला, पालक, पंजाबा, गोल लौकी, भिण्डी और केले के फूल में बहुत होता है.

फौलाद शरीर के हर हिस्सा अणु के अन्दर मौजूद है और खून बनने में इसकी बेहद जरूरत है. काफी मिश्रण यदि फौलाद हो तो वह अनीमिया (खून की कमी) के

دماہر، سبزیوں، پھلیوں کی پتی، شاکرکند کی پتی، پالک، کرمکھڑا اور ہری میڈی بیج، آدھی چوڑی، سی بیٹیمین کی मात्रا میں، ساڑھےس کلوں یا پانی سمنتر، میڈمی میڈا نیو آدھی کا مٹا کر لاتی ہیں۔ سےم، ہری مٹر، لوبیا، دھن کی لوبی، کرمکھڑا اور راتجمن آدھی میں اور کچی پیاز میں سی وٹمن کٹی ہوتا ہے۔

کاربوهائی ڈیٹ اور ترکاریاں

لانیج ڈیٹوں اور بیٹیمین کے اسیلاوا کھج ترکاریوں میں کافی سٹارچ اور شاکر بھی ہوتا ہے۔ ان سے مہنات کرنے کی طاقت اور چھٹھتا بڑھتی ہے۔ اس طرح کی ترکاریاں میں ہری مٹر، کرلا، کڑی، ٹنڈا، پرول، کچا پھٹا، زمیں قند، اڑی، بندھا، رتالو، کچے کٹے، گجر، چغندر، آلو، شکر قند، کدوا آدی ہیں۔ جن لوگوں کو اپنے بوجھ کی मात्रا کم کرنے کی دھن ہے انہیں دے ترکاریاں ادھک मात्रا میں نہیں کھانی چاہئیں جن میں کاربوهائی قریب ادھک ہے۔ کاربوهائی قریب سے جسم کے پٹے بنتے ہیں۔

کاربوهائی قریب اور ترکاریاں

کھج دروہیں اور وٹمن کے علاوہ کچھ ترکاریوں میں کٹی اسٹارچ اور شکر بھی ہوتی ہے۔ ان سے مہنات کرنے کی طاقت اور چھٹھتا بڑھتی ہے۔ اس طرح کی ترکاریاں میں ہری مٹر، کرلا، کڑی، ٹنڈا، پرول، کچا پھٹا، زمیں قند، اڑی، بندھا، رتالو، کچے کٹے، گجر، چغندر، آلو، شکر قند، کدوا آدی ہیں۔ جن لوگوں کو اپنے بوجھ کی मात्रا کم کرنے کی دھن ہے انہیں دے ترکاریاں ادھک मात्रا میں نہیں کھانی چاہئیں جن میں کاربوهائی قریب ادھک ہے۔ کاربوهائی قریب سے جسم کے پٹے بنتے ہیں۔

پروٹین اور ترکاریاں

پروٹین اور ترکاریاں

مٹر، سےم اور جیتنی فلیوں والی ترکاریاں ہیں ان سب میں کافی मात्रا میں پروٹین رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکاریوں کا ترکاریوں کا پروٹین دودھ اور مانس آدی کے پروٹین کی طرح پوشاک نہیں ہے۔ اس میں دے سب ایسڈ نہیں ہوتے جو تندرستی کو اچھا رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ترکاریوں کے ساتھ دودھ یا دودھ سے بنی چیزیں کھانے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔

مٹر، سےم اور جیتنی فلیوں والی ترکاریاں ہیں ان سب میں کافی मात्रا میں پروٹین رکھتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکاریوں کا ترکاریوں کا پروٹین دودھ اور مانس آدی کے پروٹین کی طرح پوشاک نہیں ہے۔ اس میں دے سب ایسڈ نہیں ہوتے جو تندرستی کو اچھا رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ترکاریوں کے ساتھ دودھ یا دودھ سے بنی چیزیں کھانے سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔

سیلولوز اور ترکاریاں

سیلولوز اور ترکاریاں

ترکاریوں میں سیلولوز یا پانی کھجلا بھی ہوتا ہے جو آنتوں کو کھجلا سے بچاتا ہے؛ کیمنٹو پکی ہوئی ترکاریوں کا فضلہ کچی ترکاریوں کے فضلے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ پتے والے ساگوں میں بہت ادھک فضلہ ہوتا ہے۔ دھلا ہونے کے لئے ادھک سیلولوز والی ترکاریاں کھانی چاہئیں کیونکہ ان میں کاربوهائی قریب کی مقدار زیادہ ہونے سے تسلی جلدی ہو جاتی ہے۔

ترکاریوں میں سیلولوز یا پانی کھجلا بھی ہوتا ہے جو آنتوں کو کھجلا سے بچاتا ہے؛ کیمنٹو پکی ہوئی ترکاریوں کا فضلہ کچی ترکاریوں کے فضلے سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ پتے والے ساگوں میں بہت ادھک فضلہ ہوتا ہے۔ دھلا ہونے کے لئے ادھک سیلولوز والی ترکاریاں کھانی چاہئیں کیونکہ ان میں کاربوهائی قریب کی مقدار زیادہ ہونے سے تسلی جلدی ہو جاتی ہے۔

کچھ خاص ترکاریوں کی مشہدائیں

کھج کھاس ترکاریوں کی مشہدائیں

دماہر ہمیشہ تازگی لاتا ہے۔ لانیج ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آروگھربھک بھی ہے۔ اسے کچھا یا پکا چاہے جیسا کھایا جا سکتا ہے۔ اس کا رس بچوں کے لئے بڑا ہنکر ہے۔ وٹمن سی کی پورنی دودھ کے اہوا میں ٹائو کے رس سے کر سکتے ہیں۔ وٹمن سی آگ میں پکائے سے نشہ ہو جاتا ہے۔ کیل ٹائو ہی ایسی چیز ہے جس کا وٹمن سی ایسڈ کے کان پکڑنے سے بھی نشہ نہیں ہوتا۔

ٹائو ہمیشہ تازگی لاتا ہے۔ لانیج ہونے کے ساتھ ساتھ یہ آروگھربھک بھی ہے۔ اسے کچھا یا پکا چاہے جیسا کھایا جا سکتا ہے۔ اس کا رس بچوں کے لئے بڑا ہنکر ہے۔ وٹمن سی کی پورنی دودھ کے اہوا میں ٹائو کے رس سے کر سکتے ہیں۔ وٹمن سی آگ میں پکائے سے نشہ ہو جاتا ہے۔ کیل ٹائو ہی ایسی چیز ہے جس کا وٹمن سی ایسڈ کے کان پکڑنے سے بھی نشہ نہیں ہوتا۔

گاجر بھی کافی پوٹٹک پیچ ہے۔ اس میں ویتیمین اے کی مقدار میں رہتا ہے۔ کرمکسلا، ہری مٹر اور سب سے بھی کافی صحتیہ و بھک اور پوٹٹک ترکاریاں ہیں۔ پتلیوں کے ساگ بھی بڑے فایده کے ہوتے ہیں۔ مٹلی، شلجم، چکندر اور گتے کو بھی کی پتیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ پیاز بھی اہت گن کاری چیز ہے اور ہاضمہ کو درست رکھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ اہ میں اسٹارچ، کھج درودہ اور وٹمن گنی ہوتے ہیں۔ ہنتی اور لوکی دھالی کام کرنے والوں کے کھانے پر کبھی خاص ترکاریاں ہیں۔

ترکاریاں ادھک تر تازی ہی استعمال کرنی چاہئیں۔ ترکاریوں کا وٹمن سی بہت جلدی نشٹ ہو جاتا ہے۔ ترکاریاں ہمیشہ تھلتی جگہ میں رکھی جانی چاہئیں۔ کچھ ترکاریاں جیسے کدو آدی رکھنے سے ہی اچھی ہوتی ہیں۔ ترکاریاں چھلکے سمیت ہی اہالی چاہئیں۔ جس پانی میں ترکاری اہالی جائے اسے دے کی طرح کم میں لے آنا چاہئے۔ ساگوں کو کم سے کم پکنا چاہئے۔ سودا ڈالکر کبھی ترکاری نہ پکائی چاہئے۔ بچائے پانی کے درودہ یا مٹھے میں ترکاری پکالے سے اس کے پشتک تو بڑھ جاتے ہیں۔ جہاں تک ہوسکے ترکاریاں چھلانی چاہئیں۔ پنی چھلنا ضروری ہی ہو تو کیول خواش لینا گنی ہوگا۔ ترکاریوں میں سرچ، مسالہ اور چکنائی جہاں تک ہوسکے کم سے کم ڈالنا چاہئے۔ ہماری گرہ دیویاں پدی ترکیوں کے پشتک اور سواسٹہ وردھک مہتو کو تھیک تھیک سبج لیں تو پریوار کے سواسٹہ میں 100 فیصدی سدھار لرسکتی ہیں۔

گاجر بھی کافی پوٹٹک چیز ہے۔ اس میں وٹمن اے کی مقدار میں رہتا ہے۔ کرمکسلا، ہری مٹر اور سب سے بھی کافی صحتیہ و بھک اور پوٹٹک ترکاریاں ہیں۔ پتلیوں کے ساگ بھی بڑے فایده کے ہوتے ہیں۔ مٹلی، شلجم، چکندر اور گتے کو بھی کی پتیاں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ پیاز بھی اہت گن کاری چیز ہے اور ہاضمہ کو درست رکھنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ اہ میں اسٹارچ، کھج درودہ اور وٹمن گنی ہوتے ہیں۔ ہنتی اور لوکی دھالی کام کرنے والوں کے کھانے پر کبھی خاص ترکاریاں ہیں۔

ترکاریاں ادھک تر تازی ہی استعمال کرنی چاہئیں۔ ترکاریوں کا وٹمن سی بہت جلدی نشٹ ہو جاتا ہے۔ ترکاریاں ہمیشہ تھلتی جگہ میں رکھی جانی چاہئیں۔ کچھ ترکاریاں جیسے کدو آدی رکھنے سے ہی اچھی ہوتی ہیں۔ ترکاریاں چھلکے سمیت ہی اہالی چاہئیں۔ جس پانی میں ترکاری اہالی جائے اسے دے کی طرح کم میں لے آنا چاہئے۔ ساگوں کو کم سے کم پکنا چاہئے۔ سودا ڈالکر کبھی ترکاری نہ پکائی چاہئے۔ بچائے پانی کے درودہ یا مٹھے میں ترکاری پکالے سے اس کے پشتک تو بڑھ جاتے ہیں۔ جہاں تک ہوسکے ترکاریاں چھلانی چاہئیں۔ پنی چھلنا ضروری ہی ہو تو کیول خواش لینا گنی ہوگا۔ ترکاریوں میں سرچ، مسالہ اور چکنائی جہاں تک ہوسکے کم سے کم ڈالنا چاہئے۔ ہماری گرہ دیویاں پدی ترکیوں کے پشتک اور سواسٹہ وردھک مہتو کو تھیک تھیک سبج لیں تو پریوار کے سواسٹہ میں 100 فیصدی سدھار لرسکتی ہیں۔

”وہ دھن کو اس کے سینھاسن سے ہٹا کر ईश्वर کے لیے بھجی جگہ خالی کرے۔ میرا خیال ہے کہ امریکا کا بھیشیہ زججبال ہے۔ لےکین अगर وہ دھن کی ہی پوجا کرتا رہا تو اسکا بھیشیہ بھکارمہ ہے۔ فیر لوگ چاہے جو کہیں، دھن آخیر تک کسی کا سکا نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ بھونا دوست ثابت ہوا ہے۔“

—مہاتما گاندھی

”وہ دھن کو اس کے سینھاسن سے ہٹا کر ईश्वर کے لیے بھجی جگہ خالی کرے۔ میرا خیال ہے کہ امریکا کا بھیشیہ زججبال ہے۔ لےکین अगर وہ دھن کی ہی پوجا کرتا رہا تو اسکا بھیشیہ بھکارمہ ہے۔ فیر لوگ چاہے جو کہیں، دھن آخیر تک کسی کا سکا نہیں رہا۔ وہ ہمیشہ بھونا دوست ثابت ہوا ہے۔“

—مہاتما گاندھی

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈायری

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈायری

परिचित सुन्दरलाल

بلذت سلندر لال

गौसअलीशाह इस देश के पिछली सदी के एक बहुत बड़े और मराठूर मुसलमान फकीर थे. सन् 1857 के कुछ पहले से लेकर उसके कुछ बाद तक का जमाना उनका खास जमाना था. हिन्दुस्तान भर में खूब घूमे. बाहर भी हज्ज बौरह के सिलसिले में गए. बाद के दिनों में उन्होंने अपनी जिन्दगी के बहुत से हालात अपने चेलों का सुनाए जो लिख लिए गए. इनसे उस जमाने के हिन्दू मुसलमानों के आपसी मेल ओल पर खासी रोशनी पड़ती है. एक तरह से ये गौस-अलीशाह की डायरी के कुछ पन्ने हैं, ऐसी डायरी जो दूसरों ने उनसे सुनकर लिख ली थी.

[1]

एक दिन बचपन में हमें एक सन्यासी ने जड़ ताड़ी कपाली चढ़ाना सिखाया. इस कपाली में जाहिरा होश जाता रहता है और रुह दिमारा में आ जाती है. जिस खयाल में आदमी बैठता है उसी में रहता है. जब हमें इसका अभ्यास हो गया तो एक दिन खयाल आया कि देखें दूसरे पर भी इसका असर होता है या नहीं. हमने अपने सौतेले भाई को कपाली चढ़वाई. वह बिलकुल बेहोश होकर मुर्दे की तरह जमीन पर गिर पड़े. उतारना हमें आता नहीं था. हम बड़े घबराए कि अब क्या इलाज करें. हमने अपनी सौतेली मां को खबर दी. वे घबराई हुई आईं और कहने लगीं,—“एक तो गया ही अब दूसरा भी चला. लोग यही शक करेंगे कि इसने सौतेले भाई को मार डाला.” यह कह कर वे एक प्याला दही का लाईं और बेटे के सामने गिरा दिया. जो आकर पूछता उससे कहतीं—“कि न जाने क्या हुआ दही खा कर कै की है.” मैं घबरा कर उस सन्यासी के पास गया और सारा हाल कह सुनाया. उन्होंने बहुत नाराज होकर मुझसे कहा,—“क्या तुमको इस वास्ते यह क्रिया सिखलाई थी कि लोगों का तमाशा देखो. हमने तो इसलिये सिखलाया था कि ईश्वर की याद में लगे रहोगे. खबरदार फिर ऐसा काम न करना.” यह कहकर हमारे घर आए और भाई के सर पर पानी की मरकें छुड़वाई. जब तीसरी मरक छोड़ी गई तो उठ बैठे. फिर हमने भाई से बेहोशी की हालत का हाल पूछा. उसने कहा—“मैं तो किन्दा था और तुम सब को पुकार पुकार कर कहता था कि मैं किन्दा हूँ,

घुठ علی شاہ اس دیس کے پچھلی صدی کے ایک بہت بڑے اور مشہور مسلمان فقیر تھے. سن 1857 کے کچھ پہلے سے لے کر اُس کے بعد تک کا زمانہ اُن کا خاص زمانہ تھا. ہندوستان بھر میں خوب گھومے. باہر بھی حج وغیرہ کے سلسلے میں گئے. بعد کے دنوں میں اُنہوں نے اپنی زندگی کے بہت سے حالات اپنے چیلوں کو سنا دیے جو لکھ لئے گئے. ان سے اُس زمانے کے ہندو مسلمانوں کے آپسی مہل چول پر خاصی روشنی پڑتی ہے. ایک طرح سے یہ غوث علی شاہ کی ڈायری کے کچھ پنے ہیں، ایسی ڈायری جو دوسروں نے اُن سے سن کر لکھ لی تھی.

[1]

ایک دن بچپن میں ہمیں ایک سنیاسی نے جر تازی کھالی چڑھا نا سکھا یا. اس کھالی میں ظاہرہ ہوش جاتا رہتا ہے اور روح دماغ میں آجاتی ہے. جس خیال میں آدمی بیٹھتا ہے اُسی میں رہتا ہے. جب ہمیں اسکا ابھیس ہو گیا تو ایک دن خیال آیا کہ دیکھیں دوسرے پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے یا نہیں. ہم نے اپنے سوتیلے بھائی کو کھالی چڑھوائی. وہ بالکل بیہوش ہو کر مردے کی طرح زمین پر گر پڑے. اُتارنا ہمیں آنا نہیں تھا. ہم بڑے گھبرائے کہ اب کیا علاج کریں. ہم نے اپنی سوتیلی ماں کو خبر دی. وہ گھبرائی ہوئی آئیں اور کہنے لگیں—“ایک تو گیا ہی اب دوسرا بھی چلا. لوگ یہی شک کریں گے کہ اس نے سوتیلے بھائی کو مار ڈالا.” یہ کہہ کر وہ ایک پیالہ دھلی کا لائیں اور بیٹے کے سامنے گرا دیا. جو آکر پوچھتا اُس سے کہتیں—“کہ نہ چالے کیا ہوا دھلی کھا کر تم کی ہے.” میں گھبرا کر اُس سنیاسی کے پاس گیا اور سارا حال کہہ سنایا. اُنہوں نے بہت ناراض ہو کر مجھ سے کہا—“کیا تمکو اس واسطے یہ کرنا سکھائی تھی کہ لوگوں کا تماشا دیکھو. ہم نے تو اسلئے سکھایا تھا کہ ایشور کی یاد میں لگے رہو گے. خبردار پھر ایسا کام نہ کرنا.” یہ کہہ کر ہمارے گھر آئے اور بھائی کے سر پر پانی کی مشکیں چھڑوائیں. جب تیسری مشک چھڑوی گئی تو اُٹ بیٹھے. پھر ہم نے بھائی سے بیہوشی کی حالت کا حال پوچھا. اُس نے کہا—“میں تو زندہ تھا اور تم سب کو پکار پکار کر کہتا تھا کہ میں زندہ ہوں،

تو کھڑا ہو کر، میں کونوں میں پڑا ہوں۔ مجھے کوئی لگاؤ
نہیں۔ تم سناؤ نہ تھے۔ اور مجھے کسی طرح کی تکلیف نہ
تھی۔ اُس دن سے ہم نے نوبہ کر لی کہ پھر ایسا کام نہیں
نہ کرنا۔

[2]

ایک دن ہم باہری سے ہری دوار کو چلے کہ کہیہ کا اسٹان
اور برہم گھٹری کا پائے کریں، کیونکہ ہمارے رضائی باپ* پنڈت رام
سنہی جی نے گھر سے چلتے وقت ہمیں گھٹری سکھا کر کہہ دیا
تھا کہ ہری دوار میں گنگا کے کنارے اُس کا چاپ کر لینا۔ جب
کنکھل میں پہنچے تو وہاں دو ہندو پر مہس دیکھے۔ کسی
نردائی نے انکی جانکوں پر دھکم دھڑکاؤ کیا۔ اُنکے دیکھے تھے۔
ایک کی جانک تو جل گئی تھی اور دوسرے پر کچھ اثر نہ
تھا۔ ہم نے جھٹ پٹ انگارے اُگ کٹے اور اُنکو دھولی میں
سوار کرا کر جولا پور کے تھالے میں لائے۔ تھانہدار سے ہماری جان
بچان تھی۔ اُس نے چلے ہوئے کی مرہم بٹی کروائی۔

کچھ دنوں بعد ایک دن وہ قصہ اپنے کچھ چیلوں کو سنا کر
غوث علی شاہ نے اُن سے پوچھا کہ—”اُن دونوں پر مہسوں
میں سے کون بڑھکر تھا؟“ ایک چیلے نے جواب دیا کہ—
”جس کی جانک نہیں جلی تھی۔“ آپ نے کہا کہ—”نہیں“
جس کی جانک نہیں جلی تھی وہ ابھی اپنے بدن کی حفاظت
کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ لیکن دوسرے کا انہماک (دھیان)
میں قربا ہوا ہونا زیادہ اونچے درجہ کا تھا کہ تن بدن کا بھی
ہوش باقی نہ رہا تھا۔ اگر اُس کے اُس کلل انہماک کا اسلام
کے بڑے بڑے لوگوں سے مقابلہ کریں تو لوگ ہرا جائیں۔ ”الحق
و مرعون“ یعنی سچائی کڑی ہوتی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ
ایسا اہمماک کروڑوں میں سے کسی ایک کو حاصل ہوتا ہے۔
ہر ایک اِس کے قابل نہیں۔

اسرار صحبت را ہر دل نہ بود قابل
در نہست بہر دریا، زر نیست بہر گانے

یعنی ہر دل پریم کے رھسوں کو سمجھنے کے قابل نہیں
ہوتا۔ نہ ہر دریا میں موتی ہونے میں اور نہ ہر گان میں
سونا ہوتا ہے۔

لیکن مبارک وہ انہماک (تلہنتا) کہ نہ ہم سیوا کرنے والوں
سے خواہی اور نہ انگارا رکھنے والے سے ناراض، جس حالت میں
نہ اُسی میں رہے۔

* ماں کے اُلاوا یا کسی کوئی بچہ کو دھ پلا کر پالے تو اسکا پتی بالک کا ’رضائی باپ‘ کہلاتا ہے۔
ماں کے غلبہ میں کوئی استری بچہ کو دودھ پلا کر پالے تو اسکا پتی بالک کا ’رضائی باپ‘ کہلاتا ہے۔

اگست ’65

(88)

اگست ’65

96

ایک دن جب ہم جواہر پور سے چل کر مری دور پہنچے تو سرین نامہ جی سے پہچان ہوئی۔ بڑا آدمی سٹکر کیا۔ اپنے مکان پر ٹھہرایا۔ دونوں وقت بڑھیا کھانا کھایا۔ جب پوری کا وقت آیا تو ہم دھونی ہاتھ تلک لگا کھنڈل ہاتھ میں لے کر کی پتھری پر جا موجود ہوئے۔ باہری کے ایک براہمن نے ٹھیک اسٹان کے وقت پہچان لیا اور دانتوں کے نیچے لٹکی دیکر چپ رہ گیا۔ ہم نہ کر باہر نکلے تو وہ براہمن ہمیں الگ لے گیا اور کہنے لگا—”میں صاحب! یہاں اور وہاں کچھ فرق ہے جو آپ اسٹان کرتے آئے؟ اگر اور کوئی پہچان لیتا تو بڑی خرابی ہوتی۔ خدا تو سب جگہ ایک ہے“ یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہر ایک فرقہ کا مذہب جدا ہے، ہر ایک دوسرے کو چھوٹا کہتا ہے اور اپنے آپ کو سچا بتاتا ہے۔ اگر سچائی کی راہ سے دیکھو تو مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔

پڑا بتھائے* میں ہو یا طواف کعبہ کرتا ہو،
یہاں کیا اور وہاں کیا ہے کہیں ہو تیرا جویا† ہو۔

پڑا جوتخانے* میں ہو یا تباہی-کاباہی کرتا ہو،
یہاں کیا اور وہاں کیا ہے کہیں ہو تیرا جویا† ہو۔

یہ مثال اُس براہمن نے ہمیں سنائی۔ چار مسافر سفر میں ساتھ تھے، مگر بولیاں چاروں کی الگ الگ تھیں۔ چاروں بھوکے تھے۔ چاروں نے اپنی اپنی زبان میں انگریز خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ”انگریز“ کا نام چاروں زبانوں میں الگ الگ تھا۔ اُس لئے ایک کی بات کو دوسرا نہ سمجھ پایا، آپس میں لڑنے لگے۔ اتفاق سے ایک آدمی جو اُن چاروں کی زبانوں کو جانتا تھا، آگیا۔ اُس نے ایک کا مطلب دوسرے کو سمجھا دیا۔ تب شرمندہ ہوئے کہ کیا فضول کا چھکڑا تھا۔ مطلب تو سب کا ایک ہی تھا۔ یعنی جب تک کوئی اصلیت کا جاننے والا نہیں ملتا، یہ دوائی نہیں بنتی۔

جب وہ براہمن ہمیں سمجھا چکے تو ہم نے کہا کہ صاحب یہ اسٹان ہم نے اپنے رضائی باپ پنڈت رام سنگھی جی کی طرف سے اور انکی آگاہی سے دیا۔ پھر ہم نے ہرہم گائتری کا پاتھ شروع کیا۔ ہرہم گائتری یہ ہے—

اوم ہور ہور سوہ قنس وتورو ریلہم ہرگو دیوسہ دھمہ
دھمہ نہ پر چودیات! اوم۔

جس نے براہمن ہمیں سمجھا چکے تو ہم نے کہا کہ صاحب یہ اسٹان ہم نے اپنے رضائی باپ پنڈت رام سنگھی جی کی طرف سے اور انکی آگاہی سے دیا۔ پھر ہم نے ہرہم گائتری کا پاتھ شروع کیا۔ ہرہم گائتری یہ ہے—

اوم ہور ہور سوہ قنس وتورو ریلہم ہرگو دیوسہ دھمہ
دھمہ نہ پر چودیات! اوم۔

لفظی معنی گائتری کے یہ ہیں—اوم یعنی اللہ۔ یہ اللہ کے ناموں میں سب سے بڑھکر ہے، ہور یعنی پہلا آسمان یعنی اپنے بھکتوں کو سب دکھوں سے آزاد کر کے ہمیشہ آند میں رکھنے والا، ہورہ—دوسرا آسمان جو

لفظی معنی گائتری کے یہ ہیں—اوم یعنی اللہ۔ یہ اللہ کے ناموں میں سب سے بڑھکر ہے، ہور یعنی پہلا آسمان یعنی اپنے بھکتوں کو سب دکھوں سے آزاد کر کے ہمیشہ آند میں رکھنے والا، ہورہ—دوسرا آسمان جو

*—دےوالی
♣—کابے کی پرکھما
†—دھونے والا

دیوالہ
کعبہ کی پرکھما
دھونڈھنے والا

بولے۔ ”اچھی ! اسلم علیکم کہو۔“ یہ فقیر کا سن کر ہم چونکے۔ انہوں نے اپنا حال سنایا اور کہنے لگے۔ ”میں سید ہوں“ مہرا نام محمد حسنین ہے پہلے تو میرے شاہ عبدالعزیز صاحب سے گرومنتر لیا، پھر دہد اور شاستروں کو پڑھنے کا شوق ہوا، بنارس میں جا کر یہ بھی پڑھا۔ خاندان قادریہ کا چچا ہوں۔ اپنا یوگ کے ائمہ بہان آ رہا ہوں۔ چچے کام کرتے ہیں، میں خدا کی یاد میں لگا ہوں۔“

ہم نے پوچھا کہ—”ہندوؤں اور مسلمانوں کی فقہری مہر آپ نے کیا فرق دیکھا؟“ جواب دیا—”فقہری کی بات تو دونوں جگہ ایک سی ہے، صرف کچھ لفظ اور اصطلاحیں (پریہاشاں) الگ الگ ہیں۔

ہندیوں کا اصطلاح ہندو مت

سندھیاں ، را اصطلاح سندھ مدح

یعنی سب کے لئے حمد (استغنی) کرنے کا اپنا اپنا طریقہ ہے، هندستانوں کے لئے ہندستانوں کا طریقہ تھیک ہے اور سندھوں کے لئے سندھوں کا طریقہ۔

نہ من ہر آن گل عارض غزل سرایم و ہس

کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزاراں اند

یعنی—تیرے اُس پہول سے چہرے کی حمد (استوتی) گانہ والا صرف ایک میں ہی نہوں ہوں، ہر طرف سے ہزاروں ہائیڈن تیری حمد (استوتی) گا رہی ہیں۔

[5]

ایک دن ہم دھرادوں کے پہاڑ کی سیر کرتے ہوئے شری نگر میں پہنچے۔ ایک پہاڑ پر ایک رہائے تھا۔ اُن سے یہیبت ہوئی۔ بڑی آویہکت سے ملے۔ ہمیں ایک الگ مکان دیا۔ چارپائی منگائی۔ ہم نے بہتہرا اِنکار کیا کہ آپ زمین پر سوتے ہیں، ہم بھی اسی طرح پر آرام کریں گے۔ لیکن اُنہوں نے نہ مانا اور ضد کی کہ نہیں تم کو چارپائی ضرور چاہئے۔ آہستہ آہستہ اُن سے مہل چول بڑھ گیا۔ ایک دن اُن کے کسی چیلے کو پدم ناگ نے، جو ہاتھ پیر کا اور بڑا زہریلا سانپ ہوتا ہے، کاٹ لیا۔ دوسرے چیلے نے سانپ کو پتھر کے کونڈے سے تھانک دیا اور اُکر گروچی کو خبر دی۔ اُنہوں نے کہا کہ چلدی سے یہیبت یعنی اسپرلا۔ اِنڈے میں چیلے کا منہ بند ہوگیا اور گردن کا منکا تھل گیا۔ گروچی نے کہا کہ جس طرح ہوسکے اِس کے گلے سے یہیبت اُتار دو۔ بڑی مشکل سے خشخاش کے ایک دانے برابر وہ راکھ سیلک سے اُس کو کھلا دی۔ دوا کا کٹھ سے اُترنا ہی تھا کہ چیلے جبرجری لہکر سیدھا ہوگیا۔ دوسرے چیلوں کو حکم دیا کہ اب اِسے بھٹاؤ۔ تھوڑی دیر میں اُس نے بھوک ظاہر

میں وہی وہی سر بھی اٹھ پڑا دیا اور پھر ٹہلنا شروع کیا۔ جب اُسے
پر خوفناک ہوئی تو پھر بھی پڑا گیا۔ کچھ دیر بیچھے اُسے
دوڑنے کا دست ہوا۔ پھر بھی پلاکر ٹہلنا تو کچھ لہو کا دست آیا۔
میں نے بعد معمولی پاخانہ آیا اور بہلا چلکا ہو گیا۔ اب گردن
لے کہا کہ اُس سانپ کو لاؤ۔ چیلے پکو لائے۔ ایک سہنگ سے
میں نے سب میں بھی وہی بیہوش ڈال دی۔ اُسی دم ایلٹو کو
ہ کیا اور تھوڑی سی دیر میں پانی پانی ہو کر بہ گیا اور وہ
ہسم پانی پر تھرنے لگی۔ بابا جی نے کہا کہ—”دیکھو اس کا
ہی اس کے لئے تو اکسیر ہے“ لیکن آدمی کے لئے مہلک
گھاتک ہے اور آدمی کی اکسیر اس کے لئے مہلک ہے۔

آپاں کے را مددہ در ہنر کے تو جسم،

آپاں کے را شاددہ در ہنر کے تو سم۔

یانی—جو ایک کے لیے ستی ہے وہ دوسرے کے لیے
نیٹھا اور جو ایک کے لیے شاددہ ہے وہ دوسرے کے لیے
آہر۔

اس کے بعد بابا جی نے کہا کہ آؤ تم کو ایک اور نشا
دہاویں۔ ایک کڑاھی دودھ کی بھری ہوئی منگائی، اُس میں
سرکہ اور نمک ڈال کر دودھ پہاڑ دیا۔ منجے سے بولے کہ—”بہلا
اب کوئی چیز اسے درست کر سکتی ہے؟“ میں نے کہا کہ—
”نہیں۔“ پھر وہی ہسم ایک چارل بھر اُس میں ڈال کر لکڑی
سے ہلانا شروع کیا۔ فوراً دودھ اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر کتنا
ہی سرکہ اور نمک ڈالا اُس پر کچھ اثر نہ ہوا، جیسا تھا
ویسا ہی رہا۔ بابا جی نے چیلوں کو حکم دیا کہ گڈھا کھونکر
اس دودھ کو دبا دو۔ ہم نے کہا کہ مہاراج ان چیلوں کو کیوں
نہیں پلا دیتے؟ کہنے لگے کہ یہ پٹن گے تو کئی ہوجاویں گے۔
پھر ہم سے پیار کے ساتھ کہا کہ اگر تم کھائو تو ہم کھالیں۔ سات
پیڑھی تک اس کا اثر رہا۔ میں نے کہا بہت اچھا، لیکن
اُس کا آثار بھی تو بتا دیجئے، نہیں تو پانچ سیر بھی روز کہاں سے
لاؤں گے۔ کہنے لگے مہاراج خدا مالک ہے۔ ہم نے کہا اچھے رہے۔
دوا کھالے کر تو آپ مالک ہیں اور کھانا کھالے کے لئے خدا
مالک ہے۔ میں ایسی دوا سے باز آیا۔ یہ سنکر بابا جی چپ
ہو رہے۔ ان بابا جی کی عمر چار سو برس کی تھی۔ ہر ستر
برس میں گایا کلب کرتے تھے۔ اُس کی ودھی یہ تھی کہ چھ
مہینے تک ایک کوٹوری میں بیٹھ کر جہل ہوا نہ پہنچ سکے
ایک دوا کھاتے تھے۔ پہلا جسم پھٹ جاتا تھا اور اُس کے اندر
سے ایک دوسرا بارہ برس کے لڑکے کا سا نیا جسم نکل آتا تھا۔
جن دنوں ہم گئے تھے وہ دوا تیار ہو رہی تھی۔ یہ
بابا جی اکسیر کے کھالے میں بڑے استاد تھے۔ کچھ
دنوں کے بعد میرا اعظم علی صاحب ہمیں قہر لکھتے
تھوڑے دنوں میں جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر بابا جی

میں وہی وہی سر بھی اٹھ پڑا دیا اور پھر ٹہلنا شروع کیا۔ جب اُسے
پر خوفناک ہوئی تو پھر بھی پڑا گیا۔ کچھ دیر بیچھے اُسے
دوڑنے کا دست ہوا۔ پھر بھی پلاکر ٹہلنا تو کچھ لہو کا دست آیا۔
میں نے بعد معمولی پاخانہ آیا اور بہلا چلکا ہو گیا۔ اب گردن
لے کہا کہ اُس سانپ کو لاؤ۔ چیلے پکو لائے۔ ایک سہنگ سے
میں نے سب میں بھی وہی بیہوش ڈال دی۔ اُسی دم ایلٹو کو
ہ کیا اور تھوڑی سی دیر میں پانی پانی ہو کر بہ گیا اور وہ
ہسم پانی پر تھرنے لگی۔ بابا جی نے کہا کہ—”دیکھو اس کا
ہی اس کے لئے تو اکسیر ہے“ لیکن آدمی کے لئے مہلک
گھاتک ہے اور آدمی کی اکسیر اس کے لئے مہلک ہے۔

آن یکرا مدح درحق تو زم

آن یکرا را شہد درحق تو سم۔

یعنی—جو ایک کے لئے استی ہے وہ دوسرے کے لئے ندا

اور جو ایک کے لئے شہد ہے وہ دوسرے کے لئے زہر۔

اس کے بعد بابا جی نے کہا کہ آؤ تم کو ایک اور نشا
دہاویں۔ ایک کڑاھی دودھ کی بھری ہوئی منگائی، اُس میں
سرکہ اور نمک ڈال کر دودھ پہاڑ دیا۔ منجے سے بولے کہ—”بہلا
اب کوئی چیز اسے درست کر سکتی ہے؟“ میں نے کہا کہ—
”نہیں۔“ پھر وہی ہسم ایک چارل بھر اُس میں ڈال کر لکڑی
سے ہلانا شروع کیا۔ فوراً دودھ اصلی حالت پر آ گیا۔ پھر کتنا
ہی سرکہ اور نمک ڈالا اُس پر کچھ اثر نہ ہوا، جیسا تھا
ویسا ہی رہا۔ بابا جی نے چیلوں کو حکم دیا کہ گڈھا کھونکر
اس دودھ کو دبا دو۔ ہم نے کہا کہ مہاراج ان چیلوں کو کیوں
نہیں پلا دیتے؟ کہنے لگے کہ یہ پٹن گے تو کئی ہوجاویں گے۔
پھر ہم سے پیار کے ساتھ کہا کہ اگر تم کھائو تو ہم کھالیں۔ سات
پیڑھی تک اس کا اثر رہا۔ میں نے کہا بہت اچھا، لیکن
اُس کا آثار بھی تو بتا دیجئے، نہیں تو پانچ سیر بھی روز کہاں سے
لاؤں گے۔ کہنے لگے مہاراج خدا مالک ہے۔ ہم نے کہا اچھے رہے۔
دوا کھالے کر تو آپ مالک ہیں اور کھانا کھالے کے لئے خدا
مالک ہے۔ میں ایسی دوا سے باز آیا۔ یہ سنکر بابا جی چپ
ہو رہے۔ ان بابا جی کی عمر چار سو برس کی تھی۔ ہر ستر
برس میں گایا کلب کرتے تھے۔ اُس کی ودھی یہ تھی کہ چھ
مہینے تک ایک کوٹوری میں بیٹھ کر جہل ہوا نہ پہنچ سکے
ایک دوا کھاتے تھے۔ پہلا جسم پھٹ جاتا تھا اور اُس کے اندر
سے ایک دوسرا بارہ برس کے لڑکے کا سا نیا جسم نکل آتا تھا۔
جن دنوں ہم گئے تھے وہ دوا تیار ہو رہی تھی۔ یہ
بابا جی اکسیر کے کھالے میں بڑے استاد تھے۔ کچھ
دنوں کے بعد میرا اعظم علی صاحب ہمیں قہر لکھتے
تھوڑے دنوں میں جا پہنچے۔ انہیں دیکھ کر بابا جی

نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا میرے پیٹا ہیں۔ بولے
رنگ سے تو یہ بات ٹیک نہیں معلوم ہوتی۔ تب میں نے
کہا کہ ہمارے گھر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے گھر ہیں۔ انہوں نے
کہا کہ ہمارے گھر ہیں۔ چلتے وقت بابا جی نے میرے صاحب
کو ستر روپے اور ایک بیل اکسیر کی دی۔ وہاں سے باہری کو
چلے۔ راستے میں میرے صاحب نے کہا کہ اکسیر کی بیل کو پیٹک
دو۔ میں نے کہا کہ آپ بال بچوں والے ہیں، ان کے کام آویں گی۔
کہا کہ نہیں اس کو دیکھ کر خراب ہو جائیگا۔ تب ہم نے وہ
بیل پیٹک دی۔

اکسیر پر محسوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیسا سے دل کا گداز کرنا

[6]

ایک دن جب ہم میرے میں تھہرے ہوئے تھے تب کچھ
بالکل پھٹ گئے۔ گرہ میں کوئی نہ تھی۔ مجبور ہو کر لڑکے
پڑھانے شروع کئے۔ جب کچھوں کے لائق دام آگئے تو پڑھانا چھوڑ
دیا۔ ان دنوں مولوی حبیب اللہ شاہ کی سہوا میں رہے۔
حقیقت میں ان کی نگاہ جس پر پڑ جاتی تھی اس کے دل
کو پاک کرتے میں اس سے بہت بڑی مدد ملتی تھی۔ ہمارے
دل پر بھی ان کی نگاہ کا بہت بڑا اثر پڑا۔ یوگ کی کئی
کریاں جو نقشبندی فقہروں میں رائج تھیں ہم نے ان سے
سیکھیں۔ جب چکروں، چوتھوں اور طرح طرح کے اندرونی تجربوں
کی سیر ہو چکی تو میں نے عرض کیا کہ ”آپ کی کرپا سے یہ
سب تماشے تو خوب دیکھا پر گستاخی معاف کیجئے خدا کا پتہ
تو نہ کسی چکر میں لگا، نہ کسی لطیفہ میں۔ یہ سب پھانسی
کا سوانگ معلوم ہوتا ہے۔“ اس وقت تو یہ بات ان کو ناپسند
آئی لیکن اُسی بہت سچے اور سمجھدار تھے۔ رات کو سوچا تو بات
سمجھ میں آئی۔ صبح کو کہنے لگے کہ تم سچ کہتے ہو، سچ سچ وہ
پے چون اور بے چگون ایسے نہ کسی چکر میں قید ہے اور نہ
کسی رنجی سدی میں۔ سیکڑوں مٹلاشی (جکباز) ہمارے
پاس آئے لیکن کسی نے اس سوچے بوجھ کی بات نہیں کی۔
اُو دلی چکر شاہ ابوسعید صاحب سے پوچھیں۔ وہ مجھے دلی
لے گئے۔ شاہ صاحب سے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے بہت ہی
ٹھیک جواب دیا اور کہا کہ—”سنو بیٹا، جو کچھ ہمیں اپنے
بزرگوں سے ملا ہے وہ تمہیں پہونچا دیا، اب اگر تمہاری ہمت
بڑھی اور نقش زور کی ہے تو اور جگہ تھوڑھو۔“ یہو ہم دلی
سے چل دیے۔

[7]

ایک دن میں منڈاوار میں ہم وہاں کے سجادیہ نشین پیر
صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ اکثر پوروں کی عادت ہوتی ہے کہ
اپنے چیلوں سے ہر طرح کے کام لیتے ہیں۔ میں صاحب نے

* آدھ سیدی سیدی

میں اپنے چہلوں کو ہاتھ میں جوت رکھا تھا۔ ایک دن جب چیلے ہی مل جوت کو لے کر آئے تو آپ نے ان سے کہا کہ—”ارے رات کو کچھ اللہ! اللہ! یہی کر لیا کرو۔“ اس پر ایک چیلہ کیا کہتا ہے کہ—”اب آئی ہم بدلتیوں کی کمیگتی۔ دن کو تو مل جوتیں اور رات کو اللہ! اللہ کریں! بس اب ہم کیسے جنیں گے، کس مصیبت میں پھنس گئے؟ ہم ایسی پوری مریدی سے بھرپائے۔“ یہ بات سنا کر ہم تو ہلستے لگے اور پھر جی چپ رہ گئے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ حقیقت میں چہلوں سے کام لینا بڑا ہے، خاص کر ان سے جو ایشور کے کھجی ہوں۔ یوں تو کوئی کوئی سنت مہانتا بھی چہلوں سے بہت سخت کام لیا کرتے تھے، لیکن اُس میں کچھ مطلب تھا اور آخر میں اپنے مقصد (لکھیہ) تک بھی پہنچا دیتے تھے۔ خرابی تو یہ ہے کہ زیادہ تر پھر زادے سوائے اپنے خاندان کا گھنڈ کرنے کے اپنی گرہ کا کچھ نہیں رکھتے اور چہلوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اگر کوئی پریسی چیلہ اپنے یریم سے گورو کا کوئی کام کرے تو دوسری بات ہے۔ لیکن کچھ بدلہ اُس کو بھی ملنا چاہئے۔ قرآن کی آیت ہے—جو تم پر احسان کرے اُس پر تم بھی احسان کرو۔

[8]

ایک دن جب ہم کر تھور میں گئے تو دیکھا کہ وہاں کے سجادہ نشین پیر جی نے صبح آکر حضرت احمد شاہ کے مزار کا طواف (پریکوسما) اور سجدہ کیا۔ ہم نے پوچھا کہ ”صاحب! طواف اور سجدہ تو یہاں ہو گیا اب اگر حضرت غوث الاعظم کے مزار پر آپ جائیں تو وہاں کیا کیجیگا اور رسول اللہ محمد صاحب کے لئے کیا باقی رکھا ہے؟ اور خدا سے تو کچھ مطلب ہی نہیں جس کے لئے کچھ ادب تمہیز کی ضرورت ہو؟“ وہ ناراض ہو گئے اور بولے—”مہاں، طالب عام لوگ جتنی ہوتے ہیں، اُس لئے انہیں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔“ ہم نے کہا—”صاحب! ایسے فائدے کو ہمارا سلام ہے جس کے لئے خدا کو چہرور دوسرے کے سامنے سر جھکاویں اور ترحید (ایکیشورواد) سے نکل کر دینی میں پھنس جاویں۔“

[9]

ایک دن جب ہم ہمارے میں پہنچے تو ایک بزرگ کے پلس ٹھہرے جو ہمارے ہم نام تھے۔ پوچھا سے معلوم ہوا کہ خاندان نقشبندیہ میں مولوی حبیب اللہ شاہ کے چیلے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ”آپ نہ صرف ہمارے ہم نام ہی ہیں بلکہ ہمارے گورو بھائی بھی ہیں۔“ پھر تو بڑا یریم ہو گیا۔ ایک دن کہنے لگے کہ ”پہلی ایک مندر ہے جس میں روز صبح کو گانا ہوتا ہے کل وہاں چلو۔“ اگلے دن صبح کی نماز کے بعد ہم دونوں وہاں گئے۔ دیکھا کہ ایک پلٹت جی، جوان عمر کے، چوکی پر بیٹھے ہونے پر زور زور سے ادبکھوان کی دہانیا کر رہے ہیں۔ جب وہ اُپدیہ سے چکے

तो मुग्ध की रागिनी में आरती शुरू की. हमारे गुह भाई सैयद गौस अली शाह हुसैनी तो मुनकर इतने मुग्ध हो गए कि गिर ही पड़े. लेकिन हमने एक सन्धा पकड़ लिया और अपने आपको सन्धासे रखा. फिर भी हमारे सारे बदन में एक कंपकपी सी बौक गई. आर्ची अन्तम हुई तो हमारे पीर भाई होश में आए और मकान को चले. आठ दिन तक हमारे दिल पर उसका गहरा असर रहा. एक दिन, सैयद गौस अलीशाह ने हमसे कहा कि “आज गंगापुर चलो वहां एक चले को सन्यास मिलेगा.” हम दोनों पहुंचे. देखा कि एक पन्डित किसी चले को दीक्षा देने वाला है. हमारे गुह भाई फट सर खोल कर पन्डित के सामने जा बैठे और कहा कि—“पंडित जी पहले हमको मूढ़ दो.” यह सुन कर पन्डित रोने लगा और बड़ी सच्चाई के साथ उसने यह कहा कि “मियां साहब, जो बात तुम चाहते हो उसकी हम को हवा भी नहीं लगी. सोचो, अगर हम इस क्राबिल होते तो टके टके पर क्यों मारे मारे फिरते. यह रतबा तो हमारे बुजुर्गों को हासिल था कि इधर उस्तरा सर पर रखा और उधर अन्तःकरण ने पलटा खाया. हम लोग तो सिर्फ उनकी लकीर पीटते हैं.”

सचमुच हरिद्वार में हमने यही बात देखी जो इस पन्डित ने कही थी. यानी एक सन्यासी अपने चेले को सन्यास देना चाहता था कि एक मुसलमान फक्कीर सिर खोलकर आगे आ बैठा. सन्यासी ने जोश में आकर नाई को इशारा किया कि अच्छा पहले इसी को मूढ़. नाई ने अपना काम शुरू किया. गुरु ने यूँ वीक्षा देनी शुरू की—“न पापी न पुष्पी, न स्वर्गी न नरकी, न ब्रह्मी न विशानी इत्यादि.”

इस दीक्षा के बाद उस मुसलमान फकीर की ऐसी अजीब हालत हुई कि फिर वह परमहंस हो गया। इसके बाद असली चेलों की बारी आई। उस पर भी असर तो गहरा पड़ा मगर वह बात न हुई जो मुसलमान फकीर को हासिल हुई थी।

10]

[10]

एक रोज जब हम कोट पूतली से चले तो रास्ते में एक मन्दिर मिला। वहाँ एक साधू बड़े मनोहर स्वर से भजन गा रहा था। हम उसके पास जा बैठे। भजन सुनते रहे। फिर उनसे बातें होने लगीं, यहाँ तक कि नमाज का वक्त आया। हमने कपड़ा बिछा कर नमाज पढ़ ली। नमाज के बाद वह साधू जी हमसे कहने लगे कि “मियां साहब, आपकी तबीयत में तो बड़ी आजादी मालूम होती है फिर यह नमाज की इस्लत क्यों लगा रखी है ?” हमने कहा कि “बाबा जी ! इस्लत से तो न तुम खाली, न हम खाली। तुमको इस पत्थर के पूजने की इस्लत मालूम है, हमको नमाज की। तुम

کھنڈا بجاوے ہو ہم مالا دھلاتے ہیں۔“

رساई نےسٹا سا سارے مڙیلے ک کوفو ایماں را،
کے دیرو کاہا سارے رہ جوبد گہرو موسلماناں را۔

یانی—وہس پرہمہربر کے مکرام تک کوف اور ایمان
دونوں میں سے کسی کی بھی پہنچ نہیں، کیونکہ مندر اور کعبہ دونوں
کاہا دونوں ہینڈ اور موسلمانوں کے راستے کے پتھر ہیں۔

دھلا* ماہلکھ نہ ہو دیرو† ہرم‡ کا،
یہاں دونوں جگہ پتھر پڑے ہیں۔

کھنڈا بجاتے ہو ہم مالا دھلاتے ہیں۔“

رسائی نہست تا سر منزل او کفر و ایمان را
کہ دیر و کعبہ سنگ را ہد گہر و مسلمان را

یعنی—اُس پرہمہر کے مقام تک کفر اور ایمان دونوں
میں سے کسی کی بھی پہنچ نہیں، کیونکہ مندر اور کعبہ دونوں
ہندو اور مسلمانوں کے راستے کے پتھر ہیں۔

دلا* ماٹلکھ نہ ہو دیرو† حرم‡ کا
یہاں دونوں جگہ پتھر پڑے ہیں۔

جل کنیا کے آنسو

جل کنیا کے آنسو

ویربمبہر ناٹھ پاڈے

ویربمبہر ناٹھ پاڈے

موسلمانوں کی نماز میں منجھے ایک خاص کھنچاؤ معلوم
ہوتا ہے۔ اور خاص طور پر عشاء کی نماز کتنی ہی بار میں نے موزن
کو آذان دیتے ہوئے اور اسلام کو نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ زائد سربے
لہجے سے قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور نمازیوں کی قطاریں بیخودی
میں قوب کو اُس پاک پروردگار اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک
تار میں بندھ جاتی ہیں۔ منجھے نہیں معلوم کہ اوروں کو بھی
نماز اُس طرح رجوع کرتی یا نہیں اور نہ میں نے اُس اثر کی
ہی چہان بین کرتے کی کوشش کی کہ منجھے یہ کیوں اتنی
دلش لگتی ہے۔

نماز کا جیکر کرتے کرتے میرے من میں مالا یا کی
وہس بٹنا کی یاد تازہ ہو گئی۔ سوج قوب چکا تھا۔ نمازی مسجد میں
آکر عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ کلام مجید کا مطالعہ،
کر رہے تھے اور کچھ حدیثوں کی چرچا۔ ایک ہورج سے حاجی
حضرت پھمبر کے وفادار ساتھوں کی قربانی اور چٹناری کی
کہانیاں سنا رہے تھے۔ دھن پورب کے اُن ملکوں میں اور خاص
طور پر ملایا میں مسافر کا من خاص طور پر دم چا تا ہے۔ اُسے
خوافیں ہی نہیں ہوتی کہ سفر تمام کر کے اگے کی منزل کی
آر پڑے۔

اس کھنچاؤ کا راز کیا ہے، اُس کے پیچھے رہسہ کیا ہے،
یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔ کچھ تو دیکھ کی سندرتا،

نماز کا ذکر کرتے کرتے میرے من میں ملایا کی اُس گھٹنا
کی یاد تازہ ہو گئی۔ سوج قوب چکا تھا۔ نمازی مسجد میں
آکر عشاء کی نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ کلام مجید کا مطالعہ،
کر رہے تھے اور کچھ حدیثوں کی چرچا۔ ایک ہورج سے حاجی
حضرت پھمبر کے وفادار ساتھوں کی قربانی اور چٹناری کی
کہانیاں سنا رہے تھے۔ دھن پورب کے اُن ملکوں میں اور خاص
طور پر ملایا میں مسافر کا من خاص طور پر دم چا تا ہے۔ اُسے
خوافیں ہی نہیں ہوتی کہ سفر تمام کر کے اگے کی منزل کی
آر پڑے۔

اس کھنچاؤ کا راز کیا ہے، اُس کے پیچھے رہسہ کیا ہے،
یہ بتانا ذرا مشکل ہے۔ کچھ تو دیکھ کی سندرتا،

آسٹ آسٹ

آسٹ آسٹ

آسٹ آسٹ

آسٹ آسٹ

کچھ دیش ولسوں کی پردیسوں کے ساتھ محبت، کچھ قدرت کے نظارے، کچھ موسم اور آب و ہوا کی من پسندگی، مسافر کی طبیعت پر ایک عجیب و غریب اثر ڈالتے ہیں۔ اور اگر اسے چاہو تو ملایا چھوڑنا ہی پڑے تو وہ بھی بڑھکے ارادے لیکر چھوڑتا ہے کہ دوسری بار کچھ زیادہ فرصت ساتھ لیکر وہ وہاں لوٹے گا۔ کتابوں سے اپنی معلومات بڑھانے والے اس بات کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کہ سفر میں جو باتیں دکھائی دیتی ہیں انکا ذکر تک کتابوں میں نہیں ہوتا۔ پھر بھی کتنی تسلی کی بات ہے کہ یہ چیزیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو ملتی ہیں۔ حالانکہ میں وہاں دوسری بار نہ جاسکا پھر بھی وہ رہ کر مجھے ملایا کے اُس سفر کی یاد آتی ہے۔

وہ دیش کیا ہے، دو طرفائی سمندروں کے बीच धरती की एक पतली सी लकीर है۔ लेकिन समन्दरी तूफान उसके किनारों से टक्कर नहीं लेते۔ वहाँ हर बर्फ मौसम बहार छाया रहता है۔ न लोग ज्वालामुखी जानते हैं, न भूचाल और न तूफान۔ चीन सागर और हिन्द महासागर की भूकी लहरें इस सुन्दर जमीने के लामहफूज किनारों तक पहुंचते पहुंचते थक कर लस्त हो जाती हैं۔

میں ہشا کی نماز کا خیال کر رہا تھا۔ امام آتھے اور نماز پڑھ کر نمازیوں کو دُعا دے کر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بوجھ نمازی، جینکا घर से लागा लगाव कम हो चुका था, वहाँ दीवार का सहारा लेकर बैठे रहे, कई क्रिस्म के चरचे शुरू हुए, जिनके सिलसिले खत्म होते ही इस तरह जुड़ जाते थे कि वह एक लम्बी दास्तान मालूम होते थे۔ वह सारे चरचे इतने दिलचस्प थे कि मन होता था कि बस सुनता ही रहूँ۔ सुनाने वाले कई थे और एक के खत्म करते न करते दूसरा फिर न कड़ी पकड़ लेता था۔

सामने बैठे हुए एक बुजुर्ग ने मेरी तरफ इशारा करते हुए कहा—“आप तो मलाया के लिये अजनबी हैं ना ? बहुत पहले यहाँ एक अजनबी आया था। लोग उसे नाखुदा मावीन कह कर पुकारते थे। वह ‘बातूबारा’ का रहने वाला एक सौदागर था। अपने बतन सुमात्रा से वह वहाँ की बनी मराहूर रेशम नाब पर लाद कर लाया था। नदी के रास्ते गाँव गाँव में उसे बेच कर और अपना रुपया बसूल करके वह नदी के मुहाने की ओर चल पड़ा। सुमात्रा के लिये लंगर उठाने से पहले लोग सफ़र के लिये पीने का पानी इकट्ठा कर लेते हैं। हमारा यह बन्दर ‘तेलुकबातू’ ही ऐसी जगह है जहाँ उन्हा मीठा पानी मन चाही मित्रदार में मिल सकता है। इसीलिये नाखुदा मीठा पानी इकट्ठा करने के लिये यहाँ ठहर गया। उसे जल्दी न थी और इस काम के लिये वह हफ्ते भर से महीने भर ठहर सकता था।

وہ دیش کیا ہے، دو طرفائی سمندروں کے बीच धरती की एक पतली सी लकीर है۔ लेकिन समन्दरी तूफान उसके किनारों से टक्कर नहीं लेते۔ वहाँ हर बर्फ मौसम बहार छाया रहता है۔ न लोग ज्वालामुखी जानते हैं, न भूचाल और न तूफान۔ चीन सागर और हिन्द महासागर की भूकी लहरें इस सुन्दर जमीने के लामहफूज किनारों तक पहुंचते पहुंचते थक कर लस्त हो जाती हैं۔

میں ہشا کی نماز کا خیال کر رہا تھا۔ امام آتھے اور نماز پڑھ کر نمازیوں کو دُعا دے کر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بوجھ نمازی، جینکا घर से लागा लगाव कम हो चुका था, वहाँ दीवार का सहारा लेकर बैठे रहे, कई क्रिस्म के चरचे शुरू हुए, जिनके सिलसिले खत्म होते ही इस तरह जुड़ जाते थे कि वह एक लम्बी दास्तान मालूम होते थे۔ वह सारे चरचे इतने दिलचस्प थे कि मन होता था कि बस सुनता ही रहूँ۔ सुनाने वाले कई थे और एक के खत्म करते न करते दूसरा फिर न कड़ी पकड़ लेता था۔

میں ہشا کی نماز کا خیال کر رہا تھا۔ امام آتھے اور نماز پڑھ کر نمازیوں کو دُعا دے کر آرام کرنے چلے گئے۔ کچھ بوجھ نمازی، جینکا घर से लागा लगाव कम हो चुका था, वहाँ दीवार का सहारा लेकर बैठे रहे, कई क्रिस्म के चरचे शुरू हुए, जिनके सिलसिले खत्म होते ही इस तरह जुड़ जाते थे कि वह एक लम्बी दास्तान मालूम होते थे۔ वह सारे चरचे इतने दिलचस्प थे कि मन होता था कि बस सुनता ही रहूँ۔ सुनाने वाले कई थे और एक के खत्म کرتے نہ کرتے دوسرا فوراً کڑی پکڑ لیتا تھا ۔

سابقہ بیتھے ہوئے ایک بزرگ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا—“آپ تو ملایا کے لئے اجنبی ہیں نا ؟ بہت پہلے یہاں ایک اجنبی آیا تھا۔ لوگ اسے ناخدا مہبین کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ باتو بارہ کا رہنے والا ایک سوداگر تھا۔ اپنے وطن سماترا سے وہ وہاں کی بلی مشہور ریشم خاؤ پر لان کر لایا تھا۔ ندی کے رستے گاؤں گاؤں میں اسے بیچ کر اور اپنا روپیہ وصول کر کے وہ ندی کے مہانے کی اور چل پڑا۔ سماترا کے لئے لکھ آٹھائے سے پہلے لوگ سفر کے لئے پہلے کا پانی اکٹھا کر لیتے ہیں۔ ہمارا یہ بندر، تھلک باتو، ہی ایسی جگہ ہے جہاں عمدہ میٹھا پانی من چاہی مقدار میں مل سکتا ہے۔ اسی لئے ناخدا میٹھا پانی اکٹھا کرنے کے لئے یہاں ٹھہر گیا۔ اسے جلدی نہ تھی اور اس کام کے لئے وہ ہفتہ بھر سے مہینہ بھر ٹھہر سکتا تھا ۔

ناخدا 'توہ پرمتانگ' کے मुखیا 'توہ پرمتانگ' کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی اجازت سے موٹھا پانی بہروانے کی اسکیم بنانے لگا۔ 'توہ پرمتانگ' کی چار بیٹیوں میں سے تیسری 'راونا' بہت خوبصورت تھی۔ کسی چہرے سے نگر میں اگر کوئی خوبصورت لڑکی ہو تو لوگ اس کی کافی چرچا کرتے ہیں۔ ناخدا کے کانوں میں بھی راونا کی تعریف کی بات پڑی اور اُس نے اتفاق سے راونا کو دیکھا بھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ پریم موقع اور محل نہیں دیکھتا۔ راونا کو دیکھتے ہی ناخدا نے اپنا دل و جان اس پر نہچا کر دیا۔ وہ دن رات اُس کے پریم میں تڑپنے لگا۔ دیرپائیت کرنے پر معلوم ہوا کہ راونا تو پہلے سے ہی محبت کی منزل کی مسافر ہے۔ اُسکی شادی بن چکی تھی اور وہ ایک دوسرے شخص کی ملکیت تھی۔ مگر ناخدا کا پریم بھی ہار قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ آخر تو وہ سوداگر تھا اور پریم بھی تو ایک سودا ہی ہے۔ وہ اس کے لئے تیار تھا کہ اس سودے میں اُسے جو بھی بازی لگانی پڑے وہ پیچھے نہ ہٹے گا۔

بھان سنتمہ ساتھ میرا من راونا کی خوبصورتی کی کلیا کرتے میں مشغول تھا۔ بڑھے نمازی نے میرا دھیان کھینچتے ہوئے کہا—”اجنبی! تم جانتے ہو کہ یہ سمانرا والہ ریشم اور خلتجور کے علاوہ ہشہکرن کی دوا بنا نا بھی جانتے ہیں۔“ میں نے شرمندہ ہو کر اپنی لائمی ظاہر کی۔ میں نے پوچھا کہ—”یہ ہشہکرن کی دوا ہے کیڈ؟“ بزرگوار نے جواب دیا—”یہ دوا ’جل کنیا‘ کے آنسو سے بنتی ہے۔ اس جل کنیا کو ہم لوگ ’دو یونگ‘ کہتے ہیں۔ جل کنیا سمندر میں رہتی ہے، ترنگوں کے ساتھ اٹھاتی ہے اور طوفانی موجوں کے ساتھ کھلتی ہے۔ اُس کی خوراک صرف دوب ہے۔ سمندر سے نکل کر جب وہ دوب کھانے آتی ہے تو لوگ گھبرا ڈال کر اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ اُس کا قد آدمی سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اس کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ پھلیس کے گوشت کی طرح اُس کا بھی گوشت لال ہوتا ہے۔ گرفتار ہونے پر یہ جل کنیا رونے لگتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ لال آنسو گرنے لگتے ہیں۔ وہ سمندر کی لہروں میں لوثنے کے لئے چپکھٹانے لگتی ہے۔ جس وقت وہ روتی ہے تو لوگ کتوروں میں اس کے لال آنسو جمع کر لیتے ہیں۔ اگر ان آنسوؤں کو بھات کے ساتھ ملا دیا جائے تو بھات کا رنگ بھی لال ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں ناخدا کے پاس بھی ایک شیشی میں اسی جل کنیا کے آنسو تھے۔ توہ پرمتانگ کے باورچی کو رشوت کی ایک بڑی رقم دیکر راونا کے بھات میں اس نے جل کنیا کے آنسو ملوا دیئے۔ سمندر کی دیوی اس لڑکی نے

ناخدا کے پاس بھی ایک شیشی میں اسی جل کنیا کے آنسو تھے۔ توہ پرمتانگ کے باورچی کو رشوت کی ایک بڑی رقم دیکر راونا کے بھات میں اس نے جل کنیا کے آنسو ملوا دیئے۔ سمندر کی دیوی اس لڑکی نے

بھان سنتمہ ساتھ میرا من راونا کی خوبصورتی کی کلیا کرتے میں مشغول تھا۔ بڑھے نمازی نے میرا دھیان کھینچتے ہوئے کہا—”اجنبی! تم جانتے ہو کہ یہ سمانرا والہ ریشم اور خلتجور کے علاوہ ہشہکرن کی دوا بنا نا بھی جانتے ہیں۔“ میں نے شرمندہ ہو کر اپنی لائمی ظاہر کی۔ میں نے پوچھا کہ—”یہ ہشہکرن کی دوا ہے کیڈ؟“ بزرگوار نے جواب دیا—”یہ دوا ’جل کنیا‘ کے آنسو سے بنتی ہے۔ اس جل کنیا کو ہم لوگ ’دو یونگ‘ کہتے ہیں۔ جل کنیا سمندر میں رہتی ہے، ترنگوں کے ساتھ اٹھاتی ہے اور طوفانی موجوں کے ساتھ کھلتی ہے۔ اُس کی خوراک صرف دوب ہے۔ سمندر سے نکل کر جب وہ دوب کھانے آتی ہے تو لوگ گھبرا ڈال کر اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ اُس کا قد آدمی سے کچھ بڑا ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اس کا گوشت بھی کھاتے ہیں۔ پھلیس کے گوشت کی طرح اُس کا بھی گوشت لال ہوتا ہے۔ گرفتار ہونے پر یہ جل کنیا رونے لگتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ لال آنسو گرنے لگتے ہیں۔ وہ سمندر کی لہروں میں لوثنے کے لئے چپکھٹانے لگتی ہے۔ جس وقت وہ روتی ہے تو لوگ کتوروں میں اس کے لال آنسو جمع کر لیتے ہیں۔ اگر ان آنسوؤں کو بھات کے ساتھ ملا دیا جائے تو بھات کا رنگ بھی لال ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں ناخدا کے پاس بھی ایک شیشی میں اسی جل کنیا کے آنسو تھے۔ توہ پرمتانگ کے باورچی کو رشوت کی ایک بڑی رقم دیکر راونا کے بھات میں اس نے جل کنیا کے آنسو ملوا دیئے۔ سمندر کی دیوی اس لڑکی نے

اجنجان میں وہ بات کا لیا۔ راتنا اسے لاکر نالودا کے چار میں دیوانی ہو گئی۔

نالودا ایک مہینہ تک تیلک پاتو میں ٹھہرا رہا۔ راتنا کی داسی کو کیمٹی ریشم بھیت دیکر اس کی مدد سے وہ روز رات سے ملتا رہا۔ اس طرح کی بات عرصہ تک چلتی رہی اور کوئی سندیہ نہ کرے یہ ناممکن ہے۔ اس کے پریم پر اب تر حاروی ہوئے گا۔ راتنا ایک طاقتور مکیہ کی لڑکی اور وہ ایک اجنبی پردیسی۔ اگر تہہ پر متانگ کو ذرا بھی شبہ ہوا تو یا اسکی ہوتی ہوتی کات لیجائے کی اور یا وہ کتوں سے نچوڑ کر پھینک دیا جائیگا۔ ریشم کا سوداگر پریم کا سودا نہ نہا سکا۔ اس لئے پینے کا پانی بھر کر بنا کسی کو اطلاع دینے ایک دن اس نے اپنی کشتی کے لنگر اٹھا لئے۔

چوٹی سی جگہ میں ذرا ذرا سی بات کی چرچا ہوئی ہے۔ راتنا کے گل میں جہوں ہی ناخدا مسہیں کی روانگی کی پینک پڑی وہ بدحواس ہو کر بندرگاہ کی طرف دوڑی، اس کی بہنیں اس کے پیچھے پیچھے۔ ناؤ نے پال اٹھا دئے تھے مگر ہوا کی رفتار منکھڑ تھی، اس لئے ناخدا کی کشتی کنارے سے کچھ تھوڑا آگے لہروں کے ہلکوروں سے کھل رہی تھی۔ راتنا سمندر کی لہروں کو چہرتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس کی بہنوں نے اسے پوری طاقت سے پکڑ کر روکا۔ چیل پکارا سوکر کینارے سے کچھ لوگ اٹھا ہوئے۔ ہساری کہانی سنکر انہوں نے ناخدا کو واپس آئے کو کہا۔ مگر سماترا کا وہ سوداگر اس واپسی کا مطلب خوب سمجھتا تھا۔ لوگوں نے اس کی ناؤ کا پیچھا کیا مگر تب تک انوکول واپو پاکر وہ ان کی گرفت میں نہ آسکا۔

راتنا اپنے بڑل اور نردنی پریمی کی جدائی میں زار زار روتی اور آہیں بھرتی رہی۔ ناخدا پھر کبھی تیلک باتو واپس نہیں لوٹا۔ راتنا کی بیٹا پر عرصہ ہوا موت نے کالی چادر تھک دی۔ مگر راتنا کی جدائی کا گیت اب تک ملایا میں گیا جاتا ہے۔ اس کی کچھ سطریں میں آپ کو سناتا ہوں اور مجھے اُمید ہے آپ اُوبیں گے نہیں۔

مہرے ناخدا !

مہرے پرائوں کے سہارے ! توں کہاں ہو ؟

اُنچے اُونچے تار کے درخت،

مہرے کاسیدوں کی ہسیت سے

توہاری آماد کا ہنکار کر رہے ہیں،

فل درختوں سے دھڑک کر اپنا سر دھن رہے ہیں۔

مہرے ناخدا !

میں توہاری بدلتا ہوا مہربا،

مہرے ناخدا !

مہرے پرائوں کے سہارے ! تم کہاں ہو ؟

اُونچے اُونچے تار کے درخت،

مہرے قاصدوں کی حقیقت سے

تمہاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔

پہل درختوں سے ٹوٹ کر اپنا سر دھن رہے ہیں۔

مہرے ناخدا !

میں تمہاری بہت سندر محبوبہ !

تुम्ہاری جھمبڑی کی ہیرک کئی،
پرستیاں گونگاں کی جھوٹی،
توہارے کیرہ میں تھپ رہی ہیں۔

میرے ناکھدا !

توہارے چاکوؤں کی نئی تلو جپ جپ،
میرے کانوں میں پڑ رہی ہے،
توہاری ناہ چپل ترنگوں میں تیرتی ہوئی،
دور، بہت دور، ہر منٹ دور چلی جا رہی ہے !

میرے ناکھدا !

میرے پرائی !

میرے کھیندگی کے आधार !

میرے مابین !

توہاری پوجارین توہاری پوجا میں بکست ہے۔

پریتم ! سرج کی کیراؤں بے دم ہو رہی ہیں،
جب تو نے لنگر اٹھایا تھا،
ہوا کا رخ موافق نہ تھا،
لیکن اللہ کے رحم کی کوئی حد نہیں،
خدا کے فضل سے ہم جنت کے باغ میں ملیں گے۔

پریتم ! رہ رہ کر دھن سے طوفانی ترنگیں اٹھ رہی ہیں،
دیکھو ہوشیار رہنا،
بائیں اور کا پال نہ کھولنا،
تین مہینے اور دس دن میں،
میرے پریتم تم ضرور لوٹ آنا۔

میری کھیندگی کے आधार !

میرا دم ٹاپو پر پہنچ کر بھوکا آرام کر لینا،
تو مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو،
لیکن مجھے لمبی جدائی نہ سہنے دینا،
دو مہینے بس—
کیا کہ سے کیا کہ تین مہینے میں لوٹ آنا۔

پریتم ! سمندر کی لہریں شانت ہیں،
کھیندگی پر کھیندگی کی لہریں لگاتے،
کیا میرے در سے کرتے ہو،
کیا تو نے اپنے خنجر کی ڈال،
ابھی حال ہی میں نہیں تیز کرائی تھی ؟

میرے پرائی کے आधार !

تو تلخ بات آئے،
میرے دل کی شانتی چلی گئی،
شيطان میری تھپن کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے،
میرا دل تو توہارے پاس ہے !

توہاری انگلی کی ہیرک کئی،
پرستیاں گونگاں کی جھوٹی،
توہارے ہرے میں تھپ رہی ہیں۔

میرے ناکھدا !

توہارے چاکوؤں کی نئی تلو جپ جپ،
میرے کانوں میں پڑ رہی ہے،
توہاری ناہ چپل ترنگوں میں تیرتی ہوئی،
دور، بہت دور، ہر منٹ دور چلی جا رہی ہے !

میرے ناکھدا !

میرے پرائی !

میرے کھیندگی کے आधार !

میرے مابین !

توہاری پوجارین توہاری پوجا میں بکست ہے۔

پریتم ! سرج کی کیراؤں بے دم ہو رہی ہیں،
جب تو نے لنگر اٹھایا تھا،
ہوا کا رخ موافق نہ تھا،
لیکن اللہ کے رحم کی کوئی حد نہیں،
خدا کے فضل سے ہم جنت کے باغ میں ملیں گے۔

پریتم ! رہ رہ کر دھن سے طوفانی ترنگیں اٹھ رہی ہیں،
دیکھو ہوشیار رہنا،
بائیں اور کا پال نہ کھولنا،
تین مہینے اور دس دن میں،
میرے پریتم تم ضرور لوٹ آنا۔

میری کھیندگی کے आधार !

میرا دم ٹاپو پر پہنچ کر بھوکا آرام کر لینا،
تو مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو،
لیکن مجھے لمبی جدائی نہ سہنے دینا،
دو مہینے بس—
کیا کہ سے کیا کہ تین مہینے میں لوٹ آنا۔

پریتم ! سمندر کی لہریں شانت ہیں،
کھیندگی پر کھیندگی کی لہریں لگاتے،
کیا میرے در سے کرتے ہو،
کیا تو نے اپنے خنجر کی ڈال،
ابھی حال ہی میں نہیں تیز کرائی تھی ؟

میرے پرائی کے आधार !

تو تلخ بات آئے،
میرے دل کی شانتی چلی گئی،
شيطان میری تھپن کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے،
میرا دل تو توہارے پاس ہے !

پریتم !

میری آواز پر سیر کرو،
انمول ہیرے کو اپنے ہاتھ سے نہ پھینکو،
ورنہ سب تمہاری ہنسی اڑائیں گے !

پریتم !

مہرے آرزو پر غور کرو،
انمول ہیرے کو اپنے ہاتھ سے نہ پھینکو،
ورنہ سب تمہاری ہنسی اڑائیں گے !

میرے ناخدا !

سمندر تاروں سے جونی اس چٹائی پر کون لے دے گا ؟
اس ریشمی دلائی کو کون اڑھے گا ؟
اس چاندی کی چوکی پر کون بیٹھے گا ؟
اور یہ تکیہ اب کس کو سہارا دے گا ؟

مہرے ناخدا !

سمندر تاروں سے ہلی اس چٹائی پر کون لیتے گا ؟
اس ریشمی دلائی کو کون اڑھے گا ؟
اس چاندی کی چوکی پر کون بیٹھے گا ؟
اور یہ تکیہ اب کس کو سہارا دے گا ؟

میرے ناخدا !

تھالی میں سجے پکوان اب کون کھائے گا ؟
برف سا ٹھنڈا پانی اب کون پیے گا ؟
توہاری مایوس دلربا کو کون ڈارے گا ؟
او موت ! آ اور مجھے تکلیفوں سے بری کر۔

مہرے ناخدا !

تھالی میں سجے پکوان اب کون کھائے گا ؟
برف سا ٹھنڈا پانی اب کون پیے گا ؟
توہاری مایوس دلربا کو کون ڈارے گا ؟
او موت ! آ اور مجھے تکلیفوں سے بری کر۔

ناخدا کی کیرتی آسٹوں سے آؤٹل ہو گئی۔ راتنا
روتی اور چیللائی تھی۔ سمندر کی لہروں میں سما جانے
کو ڈھپٹاتی تھی۔ اگر اس کی بہنیں اس کے پاس نہ ہوتیں تو جدائی کا
توہانے کا یہ گیت سمندر کی سٹھ میں خاموش پڑا رہتا۔ راتنا اور ناخدا
بچھا بچھا اسے جانتا ہے۔ راتنا پورے
مہینے تک ناخدا کی جدائی میں دیوانی رہی۔ آخر
اس کے باپ نے زبردستی اس کے منکیت کے ساتھ اس کی
ادی کر دی۔ اس پر کسی بیٹی یہ جان سکنا ممکن نہیں
وہ اس کا لڑک بدن اس کی روح کو زیادہ دنوں تک
لی بھتر سمیت کر نہ رکھ سکا۔

ناخدا اور راتنا کی کہانی میں خویا خویا سا مینے
بوجھوار سے پوچھا—”ہزارت ! یہ جمل کنیا کے آسٹ
میلنے کے سے ؟“

بوجھوار نے ہنسر جواب دیا—”بھٹ آسان
وات ہے۔ جمل-کنیا جب کینارے کی مٹی دھب خانے سمودر
سے باہر نیکلے تب اسے پکڑ لو اور اسے کینارے سے
کس کر باڈ و۔ ٹوکی دے میں بھ اپنے ساتھی کی جودائی میں
تڈر تڈر کر رنے لگے گی۔ تو اس کے آسٹوں کو ایک
پالے میں ڈکڈا کر لو۔ بس اسی سے تو لوگوں کو اپنے بس میں کر سکتے ہو۔“

اس کے بعد مسجد میں سٹاٹا چھا گیا۔ پھر کوئے میں بیٹھا
ایک آدمی بول پڑا—”میں نے سنا ہے پیلانگ شہر میں
ل کنیا کے آسٹ بکتے ہیں۔“

کہانی سناتے والے نے فوراً جواب دیا—”وہ تو میں نے ہی
نا ہے مگر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نقلی آسٹ ہیں۔ بخیر
تھان لئے اسے خریدنا بیکار ہے۔“

ناخدا اور راتنا کی کہانی میں کھویا کھویا سا مینے نے بزرگوار
پوچھا—”حضرت ! یہ جمل کنیا کے آسٹ ملنے کے کیسے ؟“
بزرگوار نے ہنسر جواب دیا—”بھٹ آسان بات ہے۔
ل کنیا جب کدارے کی مٹی دھب خانے سمودر سے باہر
لے تب اسے پکڑ لو اور اسے کدارے سے کس کر باندھ دو۔ توڑی
میں وہ اپنے ساتھی کی جدائی میں تڑپ تڑپ کر رولے
گی۔ تم اس کے آسٹوں کو ایک پالے میں اکٹھا کر لو۔ بس
ی سے تم لوگوں کو اپنے بس میں کر سکتے ہو۔“

اس کے بعد مسجد میں سٹاٹا چھا گیا۔ پھر کوئے میں بیٹھا
ایک آدمی بول پڑا—”میں نے سنا ہے پیلانگ شہر میں
ل کنیا کے آسٹ بکتے ہیں۔“

کہانی سناتے والے نے فوراً جواب دیا—”وہ تو میں نے ہی
نا ہے مگر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نقلی آسٹ ہیں۔ بخیر
تھان لئے اسے خریدنا بیکار ہے۔“

میں نے پوچھا—”مگر امتحان کیسے لیا جائے؟“

بزرگوار بولے—”وہ بھی آسان ہے۔ ایک بطخ کی چونچ میں آٹے فرا سا مل دیجیے۔ اگر جل کنیا کے آنسو سچے ہیں تو بطخ دیوانی ہو کر آپ کے پیچھے لگ جائیگی۔ جہاں جہاں آپ جائیں گے، پیچھے پیچھے بطخ ہوگی۔“

میں نے سنجیدگی سے پوچھا—”نیا آپ نے اس کی آزمائش بھی کی ہے؟“

”جی نہیں! مجھے بشکریہ کی ضرورت نہیں۔ میں ایسی آگ نہیں سلگانا چاہتا جس کی لہٹیں مہرے قابو میں نہ ہوں۔ کسی کو جل کنیا کے آنسو سے اپنی محبت میں دیوانہ بنا دینا تو آسان ہے مگر اُس پتھر کے سودے کو نیا سنا بہت مشکل ہے۔ بہر حال اگر خود میں یہ آنسو خریدوں تو انہیں پہلے بطخ پر ضرور آزمائوں۔“

رات گھنٹے اٹھیرے کی چادر اُڑھ کر خاموش سو رہی۔ دور سمندر کی لہروں کی छप छप سناई دے رہی ہے اور میں اُنہی پلکوں سے راؤنا کے پریم اور جل کنیا کے آنسوؤں کی بات سوچ رہا ہوں۔

×

×

×

×

×

×

×

نیا ہند کے پاٹھوں کے لیے مینے راؤنا کے بربھ گیت کا ترجمہ چھوں کا تیسوں دیا ہے۔ صرف ’آدھار‘ لفظ کا ملاپ میں بنیادی ترجمہ ’چھاتا‘ ہوا ہے۔ چھاتا مینہ اور دھوپ سے بچاتا ہے۔ پرش چونکہ استری کی حفاظت کرتا ہے اس لئے ملاپ میں خاوند کو ’چھاتا‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح ’تکیہ‘ کا مرل ارتہ، ’پتنی‘ ہے اور چونکہ پتنی پرش کو سہارا دیتی ہے اس لئے ملاپ زبان میں پتنی کو ’تکیہ‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

نیا ہند کے پاٹھوں کے لئے میں نے راؤنا کے بربھ گیت کا ترجمہ چھوں کا تیسوں دیا ہے۔ صرف ’آدھار‘ لفظ کا ملاپ میں بنیادی ترجمہ ’چھاتا‘ ہوا ہے۔ چھاتا مینہ اور دھوپ سے بچاتا ہے۔ پرش چونکہ استری کی حفاظت کرتا ہے اس لئے ملاپ میں خاوند کو ’چھاتا‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اسی طرح ’تکیہ‘ کا مرل ارتہ، ’پتنی‘ ہے اور چونکہ پتنی پرش کو سہارا دیتی ہے اس لئے ملاپ زبان میں پتنی کو ’تکیہ‘ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔

”سچے سچا سدا کا، سچا سبھتا کا لکشن پری کرہ
برہانا نہیں ہے، بلکہ اُس کا دچار اور اچھا پروک
کھانا ہے۔ جہوں جہوں پری کرہ ہٹائے توں توں سچا
سکھ اور سچا سنوہی برہنا ہے، سدا شکتی برہتی ہے۔“

—باپو

”سچے سچا سدا کا، سچا سبھتا کا لکشن پری کرہ
برہانا نہیں ہے، بلکہ اُس کا دچار اور اچھا پروک
کھانا ہے۔ جہوں جہوں پری کرہ ہٹائے توں توں سچا
سکھ اور سچا سنوہی برہنا ہے، سدا شکتی برہتی ہے۔“

—باپو

اَللّٰہ میاں کے گیت

अल्ला मियां के गीत

श्रीमती हाजरह बेगम

श्रीमती हाजरह बेगم

अंग्रेज मिशनरियों ने जब अफ्रीका के हबशियों को इंसानियत की तालीम देनी चाही तो उनको ईसाई बनाया. लेकिन न तो उनको हबशियों की खबान, न पुराने तमइन (सभ्यता) न रस्म रिवाज से इतनी वाकफियत थी कि वह उनको मसीही मजहब का फलसफा समझा सकते और न ही उनको इसकी क्यादा परबाह थी. मकसद तो यह था कि जल्द से जल्द क्यादा से क्यादा हबशी अपने आप को ईसाई समझने लगें. खुनांचे जो अजब नतीजा नये और पुराने फलसफे की टक्कर का निकला और जो रंग इस नई वारनिश ने पुरानी लकड़ी पर चढ़ाया, उसका अन्दाज़ा हम इन गीतों से कर सकते हैं, जो आज भी अमरीका के हबशी अपनी सोख भरी आवाज़ में गाते हैं और जिनको कि 'निग्रो स्त्रीचुएल्स' कहा जाता है.

कुछ ऐसा ही असर हिन्दुस्तान के पुराने बाशिन्दों (आर्येतर) के दिमारा पर जरूर हुआ होगा जब कि फरामरवा के मुसलमान होने की वजह से उन्होंने इस्लाम कबूल किया. उनका मजहब उनके वह रस्मो रिवाज थे जो कि फितरत के कानूनों की मुनासबत से अख्तियार किये गये थे और इस मजहब का फलसफा समझने की उन्हें कभी जरूरत न पड़ी थी, क्योंकि वह तो नसलन बाद नसलन (पुस्त दर पुस्त) से बनता और बदलता आया था और उनके रंगों रेशों में पैबस्त था. लेकिन अब एक रौर मुल्की कौम ने अपना फलसफा वहदत और रसालत का उनके सामने रखा, जिसको उन्होंने इस हद तक कबूल तो जरूर किया कि मुसलमान कहलाने लगे. लेकिन हुआ वही कि पुराने पर नई कलई चढ़ गई, यानी बजाय कृष्ण कन्हैया के बड़े पीर साहब, राम लछमन की जगह हुसैन हुसेन, सीता की जगह बीबी फातमा हो गई. इस दौर की एक भल्लक हमें अल्लामियां के गीतों से मिलती है.

पूर्वीय हिन्दुस्तान में जब कोई खुरशी की तकरीब होती है तो रतजगा होता है यानी औरतें रात भर जागती हैं, ढोलक बजाती और गाती हैं और गुलगुले पकाती है. सुबह होते होते गुलगुले लेकर मस्जिद जाती हैं और ताक भरती हैं. मुसलमानों में दस्तूर है कि ऐसे मौकों पर पहले सात गीत अल्ला मियां के गाये जाते हैं, फिर सात सहर लख के या भाई के और फिर तकरीब के मुनासिब जो गीत हो, मसलन सुहाग के या स्वयंवर के गीत.

अंग्रेज मिशनरियों ने जब अफ्रीके के हबशियों को इंसानियत की तालिम देनी चाही तो उनको ईसाई बनाया. लेकिन न तो उनको हबशियों की खबान, न पुराने तमइन (सभ्यता) न रस्म रिवाज से इतनी वाकफियत थी कि वह उनको मसीही मजहब का फलसफा समझा सकते और न ही उनको इसकी क्यादा परबाह थी. मकसद तो यह था कि जल्द से जल्द क्यादा से क्यादा हबशी अपने आप को ईसाई समझने लगें. खुनांचे जो अजब नतीजा नये और पुराने फलसफे की टक्कर का निकला और जो रंग इस नई वारनिश ने पुरानी लकड़ी पर चढ़ाया, उसका अन्दाज़ा हम इन गीतों से कर सकते हैं, जो आज भी अमरीका के हबशी अपनी सोख भरी आवाज़ में गाते हैं और जिनको कि 'निग्रो स्त्रीचुएल्स' कहा जाता है.

कच्चे आसा ही अरु हस्तान के डरले बाशन्दों (आर्येतर) के नमाग पर ضرूर हुआ होगा जब कि फरामरवा के मुसलमान होने की वजह से उन्होंने इस्लाम कबूल किया. उनका मजहब उनके वह रस्मो रिवाज थे जो कि फितरत के कानूनों की मुनासबत से अख्तियार किये गये थे और इस मजहब का फलसफा समझने की उन्हें कभी जरूरत न पड़ी थी, क्योंकि वह तो नसलन बाद नसलन (पुस्त दर पुस्त) से बनता और बदलता आया था और उनके रंगों रेशों में पैबस्त था. लेकिन अब एक रौर मुल्की कौम ने अपना फलसफा वहदत और रसालत का उनके सामने रखा, जिसको उन्होंने इस हद तक कबूल तो जरूर किया कि मुसलमान कहलाने लगे. लेकिन हुआ वही कि पुराने पर नई कलई चढ़ गई, यानी बजाय कृष्ण कन्हैया के बड़े पीर साहब, राम लछमन की जगह हुसैन हुसेन, सीता की जगह बीबी फातमा हो गई. इस दौर की एक भल्लक हमें अल्लामियां के गीतों से मिलती है.

पूर्वीय हिन्दुस्तान में जब कोई खुरशी की तकरीब होती है तो रतजगा होता है यानी औरतें रात भर जागती हैं, ढोलक बजाती और गाती हैं और गुलगुले पकाती है. सुबह होते होते गुलगुले लेकर मस्जिद जाती हैं और ताक भरती हैं. मुसलमानों में दस्तूर है कि ऐसे मौकों पर पहले सात गीत अल्ला मियां के गाये जाते हैं, फिर सात सहर लख के या भाई के और फिर तकरीब के मुनासिब जो गीत हो, मसलन सुहाग के या स्वयंवर के गीत.

مہینہ دین

مہینے اچھا مہینا کے گیتوں میں سے کچھ دیے جاتے ہیں—

اچھا مہینا خوب بنی توہی شان.

سب مہینوں میں اچھا مہینا اچھا،

وہ بھی مہینا رمان.

سب کتابوں میں اچھا کتاب اچھا،

وہ بھی کتاب کوران.

سب جتنوں میں اچھا جتن اچھا،

وہ بھی جتن آسان.

سب بیبین میں اچھا بیبین اچھا،

وہ بھی بیبین فائز.

سب پیروں میں اچھا پیر اچھا،

وہ بھی پیر بڑے پیر.

اُپنات—اچھا مہینا توہی شان، خوب بنی ہے. سب مہینوں میں اچھا مہینا اچھا ہوتا ہے، وہ رمان کا مہینا ہوتا ہے اور سب کتابوں میں بڑھکر کتاب کوران ہے، اسی طرح ساری جتنوں سے زیادہ عمدہ جتن آسان کی ہے. بیبینوں میں ایک ہی بیبین قابل تعریف ہے، وہ بیبین فائز ہے. اور پیروں میں اگر کوئی ہے تو وہ بڑے پیر ہیں یعنی خواجہ معین الدین اچھری.

خوب بنی ہے اچھا توہی مہجہ،

خوب بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بنی ہے اچھا توہی مہجہ،

کاہے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

سوانے بنی ہے اچھا توہی مہجہ،

سوانے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بھاروں اچھا توہی مہجہ،

کاہے بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

ہاتھوں بھاروں اچھا توہی مہجہ،

ہاتھوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

پلکوں بھاروں اچھا توہی مہجہ،

پلکوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے چڑھاؤں اچھا توہی مہجہ،

کاہے چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

لہو چڑھاؤں اچھا توہی مہجہ،

لہو چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

اُپنات—اچھا مہینا توہی مہجہ، خوب بنی ہے اور نہی توہی روجا بھی خوب بنی ہے. اچھا توہی مہجہ کس چیز کی بنی ہے اور نہی توہی روجا کس چیز کا بنی ہے؟ سوانے کی تو مہجہ اچھا توہی ہے اور سوانے کا ہی روجا نہی کا ہے. ہاتھوں بھاروں اچھا توہی مہجہ، ہاتھوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا. پلکوں بھاروں اچھا توہی مہجہ، پلکوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا. کاہے چڑھاؤں اچھا توہی مہجہ، کاہے چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا. لہو چڑھاؤں اچھا توہی مہجہ، لہو چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

نہیچہ اللہ مہینا کے گیتوں میں سے کچھ دیے جاتے ہیں—

اللہ مہینا خوب بنی توہی شان.

سب مہینوں میں اچھا مہینہ اللہ،

وہ بھی مہینہ رمضان.

سب کتابوں میں اچھا کتاب اللہ،

وہ بھی کتاب قرآن.

سب چھتوں میں اچھا چھت اللہ،

وہ بھی چھت آسان.

سب بیبین میں اچھا بیبین اللہ،

وہ بھی بیبین فائز.

سب پیروں میں اچھا پیر اللہ،

وہ بھی پیر بڑے پیر.

اُپنات—اللہ مہینا توہی شان، خوب بنی ہے. سب مہینوں میں ایک ہی مہینہ اچھا ہوتا ہے، وہ رمضان کا مہینہ ہوتا ہے اور سب کتابوں میں بڑھکر کتاب قرآن ہے، اسی طرح ساری چھتوں سے زیادہ عمدہ چھت آسان کی ہے. بیبینوں میں ایک ہی بیبین قابل تعریف ہے، وہ بیبین فائز ہے. اور پیروں میں اگر کوئی ہے تو وہ بڑے پیر ہیں یعنی خواجہ معین الدین اچھری.

خوب بنی ہے اللہ توہی مہجہ،

خوب بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بنی ہے اللہ توہی مہجہ،

کاہے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

سوانے بنی ہے اللہ توہی مہجہ،

سوانے بنی ہے نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے بھاروں اللہ توہی مہجہ،

کاہے بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

ہاتھوں بھاروں اللہ توہی مہجہ،

ہاتھوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

پلکوں بھاروں اللہ توہی مہجہ،

پلکوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

کاہے چڑھاؤں اللہ توہی مہجہ،

کاہے چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

لہو چڑھاؤں اللہ توہی مہجہ،

لہو چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

اُپنات—اللہ مہینا توہی مہجہ، خوب بنی ہے اور نہی توہی روجا بھی خوب بنی ہے. اللہ توہی مہجہ کس چیز کی بنی ہے اور نہی توہی روجا کس چیز کا بنی ہے؟ سوانے کی تو مہجہ اللہ توہی ہے اور سوانے کا ہی روجہ نہی کا ہے. ہاتھوں بھاروں اللہ توہی مہجہ، ہاتھوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا. پلکوں بھاروں اللہ توہی مہجہ، پلکوں بھاروں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا. کاہے چڑھاؤں اللہ توہی مہجہ، کاہے چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا. لہو چڑھاؤں اللہ توہی مہجہ، لہو چڑھاؤں نہی توہی روجا—نہی توہی روجا.

تو میں اچھا تیری مریضی سے بھاگتا ہوں اور بھاگتا ہوں تیرے روئے
پر بھاگتا۔

اچھا میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
کدھر سے اترتا سندیل کدھریا،
کدھر سے اترتا فूल—ہو.....
کدھر سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
اچھا میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
مکے سے اترتا سندیل کدھریا،
مدیہ سے اترتا فूल—ہو.....
کعبہ سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
کین نے جوتھاری سندیل کدھریا
کین نے جوتھارا فूल—ہو.....
کین نے جوتھارا جاجم بیخوینا
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
مکھی جوتھاری سندیل کدھریا،
بھوترا جوتھارا فूल—ہو.....
چیونٹی جوتھاری جاجم بیخوینا،
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....

اچھا میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔

بھائی—اچھا میاں کے کلسوں پر نور برساتا ہے۔
کدھر سے اترتا سندیل کا کدھرا اور کدھر سے اترتا فूल؟
اور کدھر سے اترتا جاجم بیخوینا اترتا جس پر کین نبی
رسول بٹھے؟ مکے سے تو سندیل کا کدھرا اترتا اور مدینہ
سے فूल اترتا اور کعبہ سے جاجم بیخوینا اترتا جس پر
نبی رسول بٹھے۔ سندیل کا کدھرا کس نے جوتھا کیا اور
فूल اور جاجم بیخوینا کس نے جوتھا کیا کین نبی رسول
رٹھ گئے؟ مکھیوں نے سندیل کے کدھرے کو اور بھوترا نے
فूल کو اور چیونٹی جوتھاری جاجم بیخوینا کو اس لئے نبی
رسول رٹھ گئے۔

چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔
سوئے کی تھالی میں بھوجن پرستا،
کھٹو کھٹو بڑے پیر—مہجد میں۔
چاندی کا گڑا گنگا جل پانی،
پیو پیو بڑے پیر—مہجد میں۔
چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔

بھائی—بڑے پیر (خواجہ محمد ابراہیم اجمیری) تم مہجد
میں چلے آنا۔ میں نے سوئے کی تھالی میں بھوجن پرستا
کھانا سجا دیا ہے، تم مسجد میں کھانا چاندی کے برتن میں
پینے کے گڑا چل رہا ہے، اے بڑے پیر تم آکر پیو جانا۔

و میں اللہ تبارک و تعالیٰ میں چڑھاؤں اور پڑھاؤں تیرے روئے
پر چڑھاؤں۔

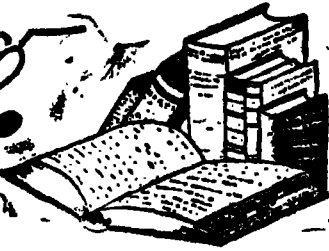
اللہ میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
کدھر سے اترتا سندیل کدھریا،
کدھر سے اترتا فूल—ہو.....
کدھر سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
اللہ میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔
مکے سے اترتا سندیل کدھریا،
مدیہ سے اترتا فूल—ہو.....
کعبہ سے اترتا جاجم بیخوینا،
بٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
کین نے جوتھاری سندیل کدھریا،
کین نے جوتھارا فूल—ہو.....
کین نے جوتھارا جاجم بیخوینا،
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
مکھی جوتھاری سندیل کدھریا،
بھوترا جوتھارا فूल—ہو.....
چیونٹی جوتھاری جاجم بیخوینا،
رٹھ گئے نبی رسول—ہو.....
اللہ میاں کے کلسوں پہ برسات نور۔

ارتھات—اللہ میاں کے کلسوں پر نور برساتا ہے۔ کدھر سے
اترنا سندیل کا کدھرا اور کدھر سے اترتا فूल؟ اور کدھر سے جاجم
بیخوینا اترتا جس پر نبی رسول بٹھے؟ مکے سے تو سندیل کا
کدھرا اترتا اور مدینہ سے فूल اترتا اور کعبہ سے جاجم بیخوینا
اترنا جس پر نبی رسول بٹھے۔ سندیل کا کدھرا کس نے جوتھا
کیا اور فूल اور جاجم بیخوینا کس نے جوتھا کیا کین نبی رسول
رٹھ گئے؟ مکھیوں نے سندیل کے کدھرے کو اور بھوترا نے فूल کو
جوتھا کیا اور چیونٹی جوتھاری جاجم بیخوینا کو اس لئے نبی
رسول رٹھ گئے۔

چلے آئیے بڑے پیر مہجد میں۔
سوئے کی تھالی میں بھوجن پرستا،
کھٹو کھٹو بڑے پیر—مہجد میں۔
چاندی کا گڑا گنگا جل پانی،
پیو پیو بڑے پیر—مہجد میں۔
چلے آئیے بڑے پیر—مہجد میں۔

ارتھات—بڑے پیر (خواجہ محمد ابراہیم اجمیری) تم مہجد
میں چلے آنا۔ میں نے سوئے کی تھالی میں بھوجن پرستا
کھانا سجا دیا ہے، تم مسجد میں کھانا چاندی کے برتن میں
پینے کے گڑا چل رہا ہے، اے بڑے پیر تم آکر پیو جانا۔

کتابیں



نہجیون پرکشن مندر احمدآباد کی چھپی ہوئی چھ کتابیں
ہمارے سامنے ہیں:—

1. सर्वोदय, लेखक गान्धी जी, सके 244, मूल्य
ठारु रुपया.

2. Truth Is God (महात्मा गान्धी के लेखों
का संग्रह) सके. 168, मूल्य दो रुपया.

3. For Workers Against Untouchability,
(महात्मा गान्धी के लेखों का संग्रह) सके 34.
मूल्य आठ आना.

4. How To Serve The Cow (महात्मा
गान्धी के लेखों का संग्रह), सके 109, मूल्य सवा रुपया.

5. Nature Cure (महात्मा गान्धी के लेखों का
संग्रह), सके 68, मूल्य बारह आना.

6. A Discipline For Nonviolence,
लेखक रिचर्ड बी. प्रेग, सके 32, मूल्य दस आना.

पहली किताब 'सर्वोदय' दो विभागों में बंटी हुई है.
पहले विभाग के सात भाग हैं, और दूसरे के पांच. पहले
विभाग में समय समय पर लिखी हुई सर्वोदय के बारे में
गान्धी जी की रायें और दूसरे विभाग में श्री राज गोपाला-
चारी, आचार्य विनोबा, श्री जे. सी. कुमारप्पा, श्री मशरू-
बासा और श्री धीरेन्द्र मजूमदार के सर्वोदय के सम्बन्ध
में विचार हैं.

स्वतंत्र भारत में कैसा समाज बनेगा, आज यह विचार
सब के सामने है. तरह तरह के बाद का लोग जिक्र करते
हैं. हम आज तरक्की के मंखिल के चीराहे पर खड़े हैं. ऐसे
वास्तुक बजत में यह बेहद जरूरी है कि हम महात्मा गान्धी
के बताये हुए रास्ते पर संजीदगी से गौर करें. इस लिहाज
से इंदर मजूमदार आदमी को यह किताब पढ़नी चाहिये.

दूसरी किताब 'Truth is God' समय समय पर
गान्धी जी के लिखे हुए लेखों या विचारों का संग्रह है. राम
नाम पर गान्धी जी कि किताबी अज्ञा थी यह सबको माखुम
है. लेकिन उस राम नाम के साथ कैसे अपने को एक करना,
इसके पीछे गान्धी जी की 75 बरसों की साधना थी. ईश्वर

नो जीवन परकशन मंदिर احمدآباد की चھپی ہوئی چھ کتابیں
ہمارے سامنے ہیں:—

1. سرودے, لیکھک گاندھی جی, صفحہ 244, مول
تھائی روپیہ.

2. Truth is God (مہاتما گاندھی کے لیکھوں کا
سنگرہ) صفحہ 168, مول دو روپیہ.

3. For Workers Against Untouchability
(مہاتما گاندھی کے لیکھوں کا سنگرہ) صفحہ 34, مول آٹھ آنہ.

4. How To Serve The Cow (مہاتما گاندھی
کے لیکھوں کا سنگرہ) صفحہ 109, مول سوا روپیہ.

5. Nature Cure (مہاتما گاندھی کے لیکھوں کا
سنگرہ) صفحہ 68, مول بارہ آنہ.

6. A Discipline For Nonviolence
'لیکھک رچرڈ بی. گریگ' صفحہ 32, مول دس آنہ.

پہلی کتاب 'سرودے' دو دہاکوں میں بنتی ہوئی ہے.
پہلے دہاک کے سات دہاک ہیں, اور دوسرے کے پانچ. پہلے
دہاک میں سمنے سمنے پر لکھی ہوئی سرودے کے بارے میں
گاندھی جی کی رائیں اور دوسرے دہاک میں شری راج گوبالا
چاری, اچاریہ ونوبا, شری جے. سی. کمار پٹا, شری مشرورالا
اور شری دھرمپندر مجومدار کے سرودے کے سہ بندہ میں وچار
ہیں.

سولنٹر بھارت میں کیسا سماج بنے گا, آج یہ وچار سب کے
سامنے ہے. طرح طرح کے واں کالوک ذکر کرتے ہیں. ہم آج ترقی
کے منزل کے چورھے پر کھڑے ہیں. ایسے نازک وقت میں یہ
بے حد ضروری ہے کہ ہم مہاتما گاندھی کے بتائے ہوئے راستے پر
سنجیدگی سے غور کریں. اس لحاظ سے ہر مسجیدار آدمی کو
یہ کتاب پڑھنی چاہئے.

دوسری کتاب 'Truth Is God' سمنے سمنے پر گاندھی
جی کے لکھے ہوئے لیکھوں یا وچاروں کا سنگرہ ہے. رام نام پر
گاندھی جی کی کئی شردھا تھی یہ سب کو معلوم
ہے. لیکن اس رام نام کے ساتھ کیسے اپنے کو ایک کرنا, اس
کے پیچھے گاندھی جی کی 75 برسوں کی سادھنا تھی. ایشور

تک پہنچنے کے لیے جو ایک ایک دھڑکن کے بل ہیں، اُس پر بھی گاندھی جی کی بڑی اُदार رائے تھی۔ وہ، یہ کہ کسی بھی بلے یا بڑے کام کی ترازو ملانے تھے۔ گیتا پر اُن کی اگلی شریعت تھی، لیکن وہ کہتے ہیں—

“I exercise my judgment about every scripture including the Geeta. I cannot lead a scriptural text supersede my reason.”

گاندھی جی کے رام نام میں بیوہک تھا، آوازنا تھی اور ان سب کے اُلاوا بائیبلک ویرااس تھا۔ آج کی سوڈ میں فکسی ڈیڈ دُنیا کے لیے اس کیتااب کی نسیڈتے دُبا کا کام دُگی۔

تیسری کیتااب ‘For Workers Against untouchability’ اپنے نام کے مُتاتیک ہرینن سِوِکوں کے لیے دُستا دُکھانے والی انمول پُستک ہے۔

چوتھی کیتااب ‘How To Serve The Cow’ اس بیواڈ پُست پر گاندھی جی کے سَمَی سَمَی پر لکھے ڈُپ لکھوں کے لیے اس پُرن پر کُان کا اُک جُکُریا ہے۔ ہر اُک گو-سِوِک کو اس کیتااب کو اُکُور پُکُنا چاہیے۔

پانچویں کیتااب ‘Nature Cure’ میں بھی گاندھی جی کے لکھوں اور وُچاروں کا سِکُرا ہے۔ قُدرتی اُک کو گاندھی جی اُس مُک کے رُہنے والے اُک کو اُک کے لیے اُک کا رام ہاں طرِیقہ سِجھتے تھے۔ قُدرت کے اُندر اُسی صُفت میں جو اُنسان کو خُود بخُود اُچھا کُرنی رُہتی ہیں۔ اُگر قُدرت کے اُن گُلوں کی جُانکُری حُاصل کُری جائے تو اُستہ صُف ہو جاتا ہے۔ اُک کے پُچھی طرِیقہ پُحد خُرجیلے ہیں اور کُہاں نَک اُکُور سِکُد ہیں، اُس میں بھی بہت لوگوں کو شُبہ ہے۔ اُس کُتاب سے پاتھوں کو اُس سِوال پر صُحیح رُوشنی ملے گی۔

چھٹویں کیتااب اُکھِسا کے سَمبُندھ میں شِری رِیچرڈ وِی. پُری کی لکھی ڈُی پُراَنی کیتااب کا تیسرا نیا سَنسکُرن ہے۔ اُکھِسا کا پُکھِمی بائیبلک اُسلوں کے اُکُار پر نِراکُرن کُیا گیا ہے۔ پُستک پُرتیک سِجھدار پاتھ کو ضرور پُزھلی چاہئے۔

نک پہنچنے کے لیے جو ایک ایک دھڑکن کے بل ہیں، اُس پر بھی گاندھی جی کی بڑی اُدار رائے تھی۔ وہ، یہ کہ کسی بھی بلے یا بڑے کام کی ترازو ملانے تھے۔ گیتا پر اُن کی اگلی شریعت تھی، لیکن وہ کہتے ہیں—

“I exercise my judgment about every scripture including the Geeta. I cannot lead a scriptural text supersede my reason.”

گاندھی جی کے رام نام میں بیوہک تھا، آوازنا تھی اور ان سب کے اُلاوا بائیبلک ویرااس تھا۔ آج کی سوڈ میں فکسی ڈیڈ دُنیا کے لیے اس کیتااب کی نسیڈتے دُبا کا کام دُگی۔

تیسری کیتااب ‘For Workers Against untouchability’ اپنے نام کے مُتاتیک ہرینن سِوِکوں کے لیے دُستا دُکھانے والی انمول پُستک ہے۔

چوتھی کیتااب ‘How To Serve The Cow’ اس بیواڈ پُست پر گاندھی جی کے سَمَی سَمَی پر لکھے ڈُپ لکھوں کے لیے اس پُرن پر کُان کا اُک جُکُریا ہے۔ ہر اُک گو-سِوِک کو اس کیتااب کو اُکُور پُکُنا چاہیے۔

پانچویں کیتااب ‘Nature Cure’ میں بھی گاندھی جی کے لکھوں اور وُچاروں کا سِکُرا ہے۔ قُدرتی اُک کو گاندھی جی اُس مُک کے رُہنے والے اُک کو اُک کے لیے اُک کا رام ہاں طرِیقہ سِجھتے تھے۔ قُدرت کے اُندر اُسی صُفت میں جو اُنسان کو خُود بخُود اُچھا کُرنی رُہتی ہیں۔ اُگر قُدرت کے اُن گُلوں کی جُانکُری حُاصل کُری جائے تو اُستہ صُف ہو جاتا ہے۔ اُک کے پُچھی طرِیقہ پُحد خُرجیلے ہیں اور کُہاں نَک اُکُور سِکُد ہیں، اُس میں بھی بہت لوگوں کو شُبہ ہے۔ اُس کُتاب سے پاتھوں کو اُس سِوال پر صُحیح رُوشنی ملے گی۔

چھٹویں کیتااب اُکھِسا کے سَمبُندھ میں شِری رِیچرڈ وِی. پُری کی لکھی ڈُی پُراَنی کیتااب کا تیسرا نیا سَنسکُرن ہے۔ اُکھِسا کا پُکھِمی بائیبلک اُسلوں کے اُکُار پر نِراکُرن کُیا گیا ہے۔ پُستک پُرتیک سِجھدار پاتھ کو ضرور پُزھلی چاہئے۔

— وِی. ن. پانڈے

18. 8. '55

18-8-55

— وِی. ن. پانڈے

##

“सीखत लोभ यह होना कि लोगों का आचार ऊँचा जायगा, आपस के झगड़े, बोरियाँ और दुरामनियाँ मिट जायँगी, हम अपने घरों के अन्दर बोरी नहीं करते, जब सारा गाँव एक घर बन जायगा तो गाँव में भी कोई बोरी नहीं करेगा, हमारा आचार इसलिये नीचे गिर गया है कि अपने अलग अलग घर और अलग अलग मिलकियतें बनाकर हम छोटे छोटे स्वार्थों में फँस गए हैं, आज एक डाक्टर भी, जिसका धर्म यह है कि किसी भी रोगी के रोग को सुनकर उसके पास दौड़कर पहुँचे, इलाज करने से पहले रोगी से अपना बटुबा खोलने के लिये कहता है, इसी से हमारे सबके दिल तंग हो गए हैं क्योंकि हमने अपने छोटे छोटे घर और छोटे छोटे कुनबे बना रखे हैं, दुनिया के सब झगड़ों की यही जड़ है, जब ज़मीन और धन दौलत पर से लोगों की अलग अलग मिलकियत जाती रहेगी तो हमारा आचार ज़रूरी तौर पर ऊँचा हो जायगा, यही ग्रामदान का सबसे बड़ा लाभ है, जिस दिन यह हो जायगा उस दिन दुनिया खुशी से नाचने लगेगी, आज हम दुखी इसलिये हैं क्योंकि हमारे अलग अलग स्वार्थ टकराते रहते हैं, इसी से दुनिया में हिंसा बढ़ रही है, अगर गाँव की ज़मीन और गाँव की सब सम्पत्ति सारे गाँव की ज़मीन और सारे गाँव की सम्पत्ति हो जावे तो दुनिया का आचार सचमुच ऊपर उठ जावेगा, यह लाभ ग्रामदान का नैतिक लाभ है.

”نہسرا لاپہ یہ ہوگا کہ لوگوں کا آچار اونچا جائیگا۔ آپس جکڑے، چوریوں اور دشمنیوں میں جھینگی۔ ہم اپنے گھروں کے در چوری نہیں کرتے۔ جب سارا گلوں ایک گھر بن جائیگا گلوں میں بھی کوئی چوری نہیں کریگا۔ ہمارا آچار اس لئے اچھے کر گیا ہے کہ اپنے الگ الگ گھر اور الگ الگ ملکیتیں اکر ہم چھوٹے چھوٹے سوارتھوں میں پھنس گئے ہیں۔ آج تک ڈاکٹر بھی، جس کا دھرم یہ ہے کہ کسی بھی روٹی کے روٹی سن کر اُس کے پاس دوڑ کر پہنچے، علیحدہ کرنے سے پہلے روٹی اپنا ہوتا کہولہ کے لئے نہتا ہے۔ اسی سے ہمارے سب کے دل تنگ گئے ہیں کیونکہ ہم نے اپنے چھوٹے چھوٹے گھر اور چھوٹے چھوٹے کنبے بنا لئے ہیں۔ دنیا کے سب جھکڑوں کی بھی جڑ ہے۔ جب زمین، دھن دولت پر سے لوگوں کی الگ الگ ملکیت جاتی ہے، گی تو ہمارا آچار ضروری طور پر اونچا ہو جائے گا۔ یہی گرام ن کا سب سے بڑا لاپہ ہے۔ جس دن یہ ہو جائے گا اُس دن دنیا وحشی سے ناچاہ لے گی۔ آج ہم دکھی اس لئے ہیں کیونکہ ہمارے الگ الگ سوارتھ ٹکراتے رہتے ہیں۔ اسی سے دنیا میں سا بڑھ رہی ہے۔ اگر گلوں کی زمین اور گلوں کی سب سمیٹی رہے گلوں کی زمین اور سارے گلوں کی سمیٹی ہو جاوے تو ہمارا آچار سچے سچے اوپر اُٹھ جاوے گا۔ یہ لاپہ گرام دان کا تک لاپہ ہے۔

انہیں یاد ہے ایک بار ہم ایک بیدار مسلمان بھائی سے
بہت دھرم کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے۔ بات کرتے کرتے
جب ایشور اور ایشور پوجا پر مہاتما بدھ کے ابدیشوں کا ذکر
آئے تو ہمارے مسلمان متر چڑھ پڑے ”یہ بھی کوئی مذہب ہو
سکتا ہے!“ چند گھنٹے اور شامی سے بات کرنے کے بعد انہوں
نے محسوس کیا کہ بدھ دھرم اور اسلام میں بہت بڑی مماثلت
ہے اور دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، بلکہ ایک ہی
حقیقت کے دو روپ۔ ہم نہیں کہہ سکتے کوئی مسجددار
کمونسٹ ونوجا کی لین وچاروں کو پڑھ کر کیا سوچتا ہوگا۔
ایک بڑے درجے تک جو شکل ونوجا کی لین وچاروں کی
کھینچی ہے وہی شکل کمونزم کی ہے۔ فرق یہی ہے۔ کسی ایک
درخت کے کوئی دو پتے ایک رنگ کے نہیں ہوتے۔ فرق دیکھنے
والے کے لئے سب جگہ فرق کئی ملتے ہیں۔ ایکتا دیکھنے والے کے
لئے ایکتا کی کمی نہیں ہے۔ ہمارا یہ وشواس دن دن مضبوط
ہوتا جا رہا ہے کہ جسے آج اچھے سے اچھے معنی میں ادھیاتموا
یا انسانواد یا گاندھی واد کہا جاتا ہے، اس کے اور جسے کمونزم
کہا جاتا ہے اس کے، لین دونوں کے سچے میل میں ہی اس
دیش اور دنیا کا بہلا ہے۔

16-7-55

—سندرلال

—سندرلال

16.7.55

شری بی. جی. کھیر اور سرکار

ایک دوسرے لیک میں ہم ”بمبئی کا ایک دھم بھرا
نظارہ“ سرنام سے ایک لیک دے چکے ہیں۔ اس میں ہم نے
بمبئی کے اندر کچھ غریبوں کی بستیوں کی حالت اور شری
بی. جی. کھیر اور ان کے ساتھیوں کی ٹیک سیواؤں کی چرچا
کی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک خاص سوال سرکار کے کرتوبہ
اور اس کے سپروائزر کا پیدا ہوتا ہے۔ ہم اس لیک میں لکھ چکے
ہیں کہ ہالا صاحب کو سرکار سے بہت ادھک آشنائیں نہیں
ہیں۔ وہ جہاں تک ہوسکے غیر سرکاری یعنی جنٹا کی مدد سے
اپنے بھروسے پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے کئی صاف کارن
ہیں۔ ہم سرکار کی کھلائی کو بھی تھوڑا بہت سمجھ سکتے ہیں۔
انگریزی راج کی جگہ ہندوستانی راج ہم نے قائم کر لیا۔ پر نیچے
سے اوپر تک ہمارا سارا حکومت کا ڈھانچہ لگ بیگ رہی ہے
جو انگریزوں کے سہم میں تھا۔ اگر کچھ باتوں میں آجکل کا
ڈھانچہ پہلے سے اچھا ہے تو کئی میں پہلے سے بھی بدتر ہے۔
آرتیک معاملوں میں وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں دیس کے
شاسن کی ہانڈ ہے، دیس سے بے کاری، پرورکاری، بیکسری
اور بیک مینجمنٹ کو مثال اپنا فرض ضرور سمجھتے ہیں پر

اگست '55

(118)

اگست '55

اتنا ضروری فرض نہیں سمجھتا جتنا کل دیہی کی مجموعی پیداوار اور مجموعی دولت کو بڑھانا چاہے وہ پیداوار پر نہیں چاکر ہی ہے اور وہ دولت کسی کے ہاتھوں میں ہی جمع ہو جائے۔ اس آرتھک سسٹم میں گھریلو دھندوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، سوائے اُس درجے تک کہ جس درجے تک ہمارے ناسک اپنی راج کچی ضرورتوں کے لئے یا بلا کی نگاہ سے انہیں بند رکھنا ضروری سمجھیں۔ اُن کی رائے میں گھریلو دھندے اگر ملکوں کی پیداوار سے مقابلہ کی ٹکر نہیں لے سکتے اور ظاہر ہے کہ وہ نہیں لے سکتے، تو وہ مفک جائیں۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی بے کاری اور بے روزگاری انہیں اتنا ادھک نہیں ستاتی۔ اسی لئے سات برس کی آزادی کے بعد بھی ملک کے اندر بے کاری کی تعداد اور غریبوں کی غریبی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ آرتھک ویسٹا نہ کمیونسٹ ویسٹا ہے اور نہ گاندھی وادی ویسٹا ہے۔ یہ ہے پونجی وادی اور سامراج وادی ویسٹا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے آجکل کے شاکسوں کے سامنے اُس معاملے میں آدھن نہ روس ہے نہ چین اور نہ گاندھی جی کا آدھن دیہی۔ اُن کے سامنے آدھن ہیں امریکہ اور انگلینڈ۔ اسی لئے ہم بغیر اِس بات کی ٹکر کئے کہ ہمارے سب جواہروں اور بنکروں کو کام ملے، اِس ٹکر میں رہتے ہیں کہ اپنی ملکوں سے کم سے کم مزدوروں کی مدد سے ادھک سے ادھک کھڑا بنکر ایران، عراق، ملایا اور دوسرے پچھڑے ہوئے دیہیوں میں بھیج کر اُن دیہیوں سے ادھک سے ادھک دھن کما سکیں۔ اسی لئے ہم اپنی یوجناؤں میں دیہی کے رہے سپہ بنکروں کو بھی آزاد کاریکر نہ رہنے دے کر دھیرے دھیرے پہلے چھوٹے کارخانوں کے مالکوں کے اور پھر بڑے کارخانوں کے مالکوں کے روزیہ پانے والے مزدور بنا دینا چاہتے ہیں۔ خاص کر کپڑے کے دھندے کے بارے میں سرکاری یوجناؤں کا یہ پہلو بالکل صاف ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو بہت سچے، صاف اور ایماندار آدمی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ انٹر راشنریہ معاملوں میں انہوں نے دیہی کو کتنا اُونچا بڑھایا ہے۔ پر ان معاملوں میں اُن کے وچار بالکل صاف ہیں۔ اگر اخباروں کی رپورٹیں سچ ہیں تو ایک ہزار مدراس کی کسی تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ دیہی کی پیداوار اور دولت کو بڑھانے کے لئے گھریلو دستکاریوں اور دستکاریوں کی قربانی ایک ضروری چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الہ آباد میں کانگریسی کام کرنے والوں کے سامنے بولتے ہوئے انہوں نے اِس سے بھی ادھک صاف شدیں میں قریب قریب یہ کہا تھا کہ میں چاہوں تو بے کاری آج مٹا سکتا ہوں۔ سب ملکوں بند کردوں تو بے کاری اپنے آپ بند ہو جائیگی، پر لوگوں کے جیہوں کا اسٹر ایکسدم نیچے چلا جاوے گا جو میں نہیں چاہتا۔

اتنا ضروری فرض نہیں سمجھتا جتنا کل دیہی کی مجموعی پیداوار اور مجموعی دولت کو بڑھانا چاہے وہ پیداوار پر نہیں چاکر ہی ہے اور وہ دولت کسی کے ہاتھوں میں ہی جمع ہو جائے۔ اس آرتھک سسٹم میں گھریلو دھندوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، سوائے اُس درجے تک کہ جس درجے تک ہمارے ناسک اپنی راج کچی ضرورتوں کے لئے یا بلا کی نگاہ سے انہیں بند رکھنا ضروری سمجھیں۔ اُن کی رائے میں گھریلو دھندے اگر ملکوں کی پیداوار سے مقابلہ کی ٹکر نہیں لے سکتے اور ظاہر ہے کہ وہ نہیں لے سکتے، تو وہ مفک جائیں۔ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی بے کاری اور بے روزگاری انہیں اتنا ادھک نہیں ستاتی۔ اسی لئے سات برس کی آزادی کے بعد بھی ملک کے اندر بے کاری کی تعداد اور غریبوں کی غریبی بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ آرتھک ویسٹا نہ کمیونسٹ ویسٹا ہے اور نہ گاندھی وادی ویسٹا ہے۔ یہ ہے پونجی وادی اور سامراج وادی ویسٹا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے آجکل کے شاکسوں کے سامنے اُس معاملے میں آدھن نہ روس ہے نہ چین اور نہ گاندھی جی کا آدھن دیہی۔ اُن کے سامنے آدھن ہیں امریکہ اور انگلینڈ۔ اسی لئے ہم بغیر اِس بات کی ٹکر کئے کہ ہمارے سب جواہروں اور بنکروں کو کام ملے، اِس ٹکر میں رہتے ہیں کہ اپنی ملکوں سے کم سے کم مزدوروں کی مدد سے ادھک سے ادھک کھڑا بنکر ایران، عراق، ملایا اور دوسرے پچھڑے ہوئے دیہیوں میں بھیج کر اُن دیہیوں سے ادھک سے ادھک دھن کما سکیں۔ اسی لئے ہم اپنی یوجناؤں میں دیہی کے رہے سپہ بنکروں کو بھی آزاد کاریکر نہ رہنے دے کر دھیرے دھیرے پہلے چھوٹے کارخانوں کے مالکوں کے اور پھر بڑے کارخانوں کے مالکوں کے روزیہ پانے والے مزدور بنا دینا چاہتے ہیں۔ خاص کر کپڑے کے دھندے کے بارے میں سرکاری یوجناؤں کا یہ پہلو بالکل صاف ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو بہت سچے، صاف اور ایماندار آدمی ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ انٹر راشنریہ معاملوں میں انہوں نے دیہی کو کتنا اُونچا بڑھایا ہے۔ پر ان معاملوں میں اُن کے وچار بالکل صاف ہیں۔ اگر اخباروں کی رپورٹیں سچ ہیں تو ایک ہزار مدراس کی کسی تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ دیہی کی پیداوار اور دولت کو بڑھانے کے لئے گھریلو دستکاریوں اور دستکاریوں کی قربانی ایک ضروری چیز ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الہ آباد میں کانگریسی کام کرنے والوں کے سامنے بولتے ہوئے انہوں نے اِس سے بھی ادھک صاف شدیں میں قریب قریب یہ کہا تھا کہ میں چاہوں تو بے کاری آج مٹا سکتا ہوں۔ سب ملکوں بند کردوں تو بے کاری اپنے آپ بند ہو جائیگی، پر لوگوں کے جیہوں کا اسٹر ایکسدم نیچے چلا جاوے گا جو میں نہیں چاہتا۔

• اسیلیوے ہمارے آجکل کے شاسک جس طرح ہی ہو سکے آجکل کے بڑانے کی بھی فیکر میں رہتے ہیں۔ اسیلیوے بڑانوں کی پیدائش کو روکنے کا ساڈسی سامان باہر کے بڑانوں سے پری جنرل لائسنس میں آنے کی اجازت ہے اور سرکاری اسپتالوں میں پیدائش کو روکنے کے طریقوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ہم ان سارے بچاروں کو رات اور جناتا کے لیے برباد کر رہے ہیں۔ چین نے اپنی طرح سے ایک ملے جلے راستے پر چل کر اپنے سارے گھریلو دھندوں کو زندہ رکھ لیا اور دو سال کے اندر اندر اس طرح کا انتظام کر لیا کہ ایک چینی مرد یا عورت بھی بیکار نہ رہ سکے۔ ہمارے یہاں سات سال کے بعد ہی بیکاری بڑھتی جا رہی ہے۔ انہوں نے دو سال کے اندر دیش میں ایک بھی بیکار نہ رکھنے دیا۔ ہمارے یہاں بیکار مانکنے والوں کی تعداد ہر شہر میں بڑھ رہی ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چلے ہوتے تو ہمیں چین یا کسی دوسرے دیش کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ پھر ہمیں نہ اس راستے پر وشواس تھا اور نہ ہے۔

• شری بی۔ جی۔ کہہ کر اپنے ستر ہزار پریشرمالیوں کے ذریعہ دیش کو جس طرف لے جانا چاہتے ہیں وہ ٹھیک گاندھی جی کا بتایا ہوا راستہ ہے۔ ہمیں وشواس ہے کہ وہی راستہ اس دیش کے لئے بیکاری اور بیکسنگمن کو مٹانے اور جناتا کی خوشحالی کا راستہ ہے۔ اگر دیش کی جناتا اور جناتا کے سپورک اے سچے سچے ہاتھ میں لے لیں اور اس پر لگ جائیں تو ہم اپنی سرکار کی ساری کمی کو پورا کر سکیں گے۔ پھر کلم آسان نہیں ہے۔ لاکھوں کے اس میں کھپ جانے کی ضرورت ہے۔ دیش کے لئے دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔ آج یا کل ہمیں اس راستے پر چلنا ہی ہوگا۔

اب اگر ہم بمبئی سرکار کی طرف نگاہ ڈالیں تو ان سب گھنٹوں کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں کچھ ادھک امید بن سکتی ہے۔ بمبئی کے چیف منسٹر شری مراد جی بھائی دیسائی دیش کے اچھے سے اچھے سچے اور ایماندار شاسکوں میں سے ہیں۔ وہ گاندھی جی کے بھی کافی بھکت ہیں۔ شری بی۔ جی۔ کہہ رہے ہیں اور ان میں بہت بڑا پریم ہے۔ پفڈت جواہر لال نہرو کے دل میں بھی شری بی۔ جی۔ کہہ کر کافی آند ہے۔ اس لئے ہم اٹا کرتے ہوں کہ بھارت سرکار اور بمبئی سرکار دونوں اپنی حدوں کے اندر شری بی۔ جی۔ کہہ کر کو ان کی فیکر کشش میں جہاں تک بن پڑے گا جی کھول کر مدد دینگے۔

بھارت کے بچے اور بی. سی. جی.
کاٹیکہ

اسن سے پہلے کے ایک سہ ماہی ٹوٹ میں ہم بی.سی.جی.
کے ٹیکہ کے بارے میں اپنے وچار پرکٹ کر چکے ہوں ۔

اُس کے بعد بھارت کی سواستہ وزیر راج کماری امرت کور ایک بیان نکلا کہ انہیں اِس میں کوئی شک نہیں کہ ۔ سی ۔ جی ۔ دیس اور دیس کے بچوں کے لئے ایک مٹھی لادن دانک چیز ہے اور سرکار اپنے بی ۔ سی ۔ جی ۔ پرچار کو جاری رکھے گی ۔ شری راجا گوپالا چاری کے وردہ چرچا کرتے ہوئے راج کماری امرت کور نے کہا کہ راجا جی اِس نامے کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ دخل دیتے ہیں ۔ راج کماری رت کور نے اُن بچوں اور اُن کے ماتا پتا پر دیا پرکٹ کی ہنری راجا گوپالا چاری کے ہکائے میں آکر بی ۔ سی ۔ جی ۔ سی ہرکٹ کے خلاف آواز اُٹھا رہے ہوں ۔

اِس کے بعد نیویارک 'امریکہ' سے یہ خبر اخباروں میں چھپی ہے
یو . این . او . کے دفتر سے معلوم ہوا کہ سن 1955 کے
ہر تک بھارت میں چھ کروڑ ساٹھ لاکھ بچوں کے تپانق کے
انٹی ٹوکم لگانے جانینکے اور دو کروڑ پندرہ لاکھ بچوں کے
سی . سی . جی . کے ٹیکے لگانے جانینکے .

یہ آزمائشی ٹیکہ آج سے چالیس سال پہلے ہمارے ہی
چکا ہے۔ ٹیکہ لگانے کے دو تین دن بعد اگر وہ جگہ
ی بہت پھپھد اُڑے تو سمجھا جاتا ہے کہ جس کے ٹیکہ
لے اُس میں تپدق کا اثر نہیں ہے، اور اگر نہ پھپھد اُڑے
سمجھا جاتا ہے کہ جسم کے اندر کچھ نہ کچھ تپدق کا اثر
جس انگریز ڈاکٹر لے ہمارے یہ آزمائشی ٹیکہ لگایا تھا اُس
ہم سے خود کہا تھا کہ اِس ٹیکے کا کوئی اثر کوئی خاص
نہیں دکھتا اور جو نریجے نکالے جاتے ہیں وہ دعویٰ کے
مستحکم نکلنے نہیں کہہ جاسکتے۔

یو۔ این۔ او۔ کی کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ ان سب
اور ان کے ساتھ کے ضروری سامان کو امریکہ سے بھارت پہنچانے
کے لئے اور اسکے لئے کہ بھارت سرکار سن 1956 اور سن 1957
بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکوں کا پروگرام جاری رکھ سکے
بن۔ او۔ کی طرف سے اٹھامی ہزار ڈالرز کی بھارت سرکار
دے دی جاوے۔ اس مدد کے ملنے پر بھارت سرکار کو اٹھا
وہ سن 1957 کے آئٹ نک بھارت کے بارہ کروڑ ساٹھ لاکھ
کے آزمائشی ٹیکے لگا چکے گی اور ان مہوں سے جن بچوں
پر تپدق کے اثر کا شک ہوگا ان سب کے بی۔ سی۔ جی۔
کے لگا چکے گی۔

سن 1955 کے آخر تک ہند سرکار اس کام کے لیے کچھ بھیس لاکھ ڈالر خرچ کرے گی، اور دس لاکھ ڈالر سن 1956 میں اور دس لاکھ سن 1957 میں خرچ کرے گی۔

کہا جاتا ہے کہ یو۔ این۔ او۔ کی کمیٹی اب تک اس کام کے لیے ساڑھے گیارہ لاکھ ڈالر دے چکی ہے۔

بھارت سرکار کا اصرار ہے کہ وہ اس کام کو خوب بڑے پیمانے پر چلا دے اور دہلی کی تندرستی کو ٹھیک رکھنے کے لیے اسے ایک مستقل پروگرام بنا لے تاکہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے بھارت کے بچوں کو ہمیشہ لگتے رہیں۔

اس کام میں لگے ہوئے ڈاکٹروں اور دوسرے لوگوں کو تنخواہوں کے علاوہ بڑے بڑے دئے جائیں گے اور یو۔ این۔ او۔ کی طرف سے انعام بھی ملینگے۔

اس بچہ بھی راجا گوبالا چاری کے سرپرستوں میں اخباروں کے اندر بچوں کے مانتا پتا اور سرپرستوں کے گلی خط بھی نکل چکے ہیں، جن میں لکھا ہے کہ ان کے اپنے بچوں کو بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے کیا کیا نقصان پہونچے۔ کچھ خط ایسے ڈاکٹروں کے بھی ہیں جنہوں نے ڈاکٹری اور سائنسی طریقے سے بحث کر کے یہ ثابت کر لے کی کوشش کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ سچے سچے کتنا برا اور ہائیکر ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کے بھی خط ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے کے کارن وہ خود اپنے بچوں کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ظاہر ہے اس سے بھارت میں اس طرح کے ماں باپ جو ایسے معاملوں میں اپنی آواز اخباروں تک پہونچا سکیں ایک لاکھ میں ایک بھی نہیں ہوسکتے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی کھوم کر کوئی اس طرح کے خط جمع کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے کہ لاکھوں ہی ایسے خط جمع ہوسکیں۔

یہ سرکار کے بھی اپنے ڈاکٹر ہیں اور اپنے بڑے بڑے ماہر اور شہسکھہ ہیں! سرکار اس بات کی تحقیقات بھی کرتی رہتی ہے اور آنکڑے جمع کرتی رہتی ہے کہ اصلیت میں کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی نقصان پہونچا یا نہیں اور کتنوں کو نائدیدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے۔ سرکار کے پتہ لگانے والے سرکار کو بتاتے ہیں کہ کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے نہ نقصان پہونچا ہے اور نہ پہونچ سکتا ہے۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے کے بعد کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تو اس کا کارن آنکھ کی کوئی اور بیماری تھی جس کا بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی سبب نہ نہیں اور اگر کوئی بچہ مر گیا تو مرنے کے بھی بہت سے کارن ہو سکتے ہیں!

اس طرح کی تحقیقاتیں اور اس طرح کے آنکڑوں کے بارے میں ہمیں سچے سچے دنیا کی سرکاروں پر دیا آئی ہے۔

سن 1955 کے آخر تک ہند سرکار اس کام کے لیے کچھ بھیس لاکھ ڈالر خرچ کرے گی، اور دس لاکھ ڈالر سن 1956 میں اور دس لاکھ سن 1957 میں خرچ کرے گی۔

کہا جاتا ہے کہ یو۔ این۔ او۔ کی کمیٹی اب تک اس کام کے لیے ساڑھے گیارہ لاکھ ڈالر دے چکی ہے۔

بھارت سرکار کا اصرار ہے کہ وہ اس کام کو خوب بڑے پیمانے پر چلا دے اور دہلی کی تندرستی کو ٹھیک رکھنے کے لیے اسے ایک مستقل پروگرام بنا لے تاکہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے بھارت کے بچوں کو ہمیشہ لگتے رہیں۔

اس کام میں لگے ہوئے ڈاکٹروں اور دوسرے لوگوں کو تنخواہوں کے علاوہ بڑے بڑے دئے جائیں گے اور یو۔ این۔ او۔ کی طرف سے انعام بھی ملینگے۔

اس بچہ بھی راجا گوبالا چاری کے سرپرستوں میں اخباروں کے اندر بچوں کے مانتا پتا اور سرپرستوں کے گلی خط بھی نکل چکے ہیں، جن میں لکھا ہے کہ ان کے اپنے بچوں کو بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے کیا کیا نقصان پہونچے۔ کچھ خط ایسے ڈاکٹروں کے بھی ہیں جنہوں نے ڈاکٹری اور سائنسی طریقے سے بحث کر کے یہ ثابت کر لے کی کوشش کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ سچے سچے کتنا برا اور ہائیکر ہے۔ ایسے ڈاکٹروں کے بھی خط ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے کے کارن وہ خود اپنے بچوں کی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ظاہر ہے اس سے بھارت میں اس طرح کے ماں باپ جو ایسے معاملوں میں اپنی آواز اخباروں تک پہونچا سکیں ایک لاکھ میں ایک بھی نہیں ہوسکتے۔ گاؤں گاؤں اور گلی گلی کھوم کر کوئی اس طرح کے خط جمع کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے کہ لاکھوں ہی ایسے خط جمع ہوسکیں۔

یہ سرکار کے بھی اپنے ڈاکٹر ہیں اور اپنے بڑے بڑے ماہر اور شہسکھہ ہیں! سرکار اس بات کی تحقیقات بھی کرتی رہتی ہے اور آنکڑے جمع کرتی رہتی ہے کہ اصلیت میں کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی نقصان پہونچا یا نہیں اور کتنوں کو نائدیدہ پہونچا اور پہونچ رہا ہے۔ سرکار کے پتہ لگانے والے سرکار کو بتاتے ہیں کہ کسی بچے کو بی۔ سی۔ جی۔ سے نہ نقصان پہونچا ہے اور نہ پہونچ سکتا ہے۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے کے بعد کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تو اس کا کارن آنکھ کی کوئی اور بیماری تھی جس کا بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی سبب نہ نہیں اور اگر کوئی بچہ مر گیا تو مرنے کے بھی بہت سے کارن ہو سکتے ہیں!

اس طرح کی تحقیقاتیں اور اس طرح کے آنکڑوں کے بارے میں ہمیں سچے سچے دنیا کی سرکاروں پر دیا آئی ہے۔

बढ़ बेचारी बेबस होती है। उनके निमुक्त किए हुए सौजी और आंकड़े जमा करने वाले आमतौर पर अपनी सोज से वही नतीजे निकाल लेते हैं और उसी तरह के आंकड़े जमा कर देते हैं जो वह समझते हैं कि उनके निमुक्त करने वाले चाहते हैं और जान कर सारा होंगे, अगर कमी कोई ऐसी कमेटी या इस तरह का सौजी निकल भी आया कि जिसने सरकार की मन चाही बात न कही तो उसकी राय के खिलाफ राय देने वाले इस सजे हो जाते हैं और पहली राय "जनता के हित के लिये" आसानी से चुपचाप किसी अलमारी में बन्द कर दी जाती है।

”بیچاری بے بس ہوتی ہیں۔ اُن کے ٹھیکے والے ہولے کہتے ہیں اور آنکھ جمع کرنے والے عام طور پر اپنی کہج کے دھڑکے کو کل لیتے ہیں اور اُسی طرح کے آنکھ جمع کر دیتے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اُن کے ٹھیکے والے چاہتے ہیں اور جان رکھیں ہونگے۔ اگر کہیں کوئی ایسی کہتی یا اِس طرح کا بوجی نکل بھی آیا جس نے سرکار کی من چاہی بات نہ کہی، اُس کی رائے کے خلاف رائے دینے والے دس کہتے ہو جاتے ہیں اور پہلی رائے ”جلتا کے ہت کے لٹے“ اُسانی سے چپ بناپ کسی اُلماری میں بند کر دی جاتی ہے۔“

اس کا تجربہ بھارت واسیوں کو بہت پرانا اور گہری ہے۔
 پہلے خود سن 1908 کے اور دوسرے 'دہی' کالوں میں آؤدھ
 نے اندر لوگوں کو ترانہ بھوک سے مرنے دیکھا ہے اور سرکاری
 یونٹوں میں اُن کی موت کا کارن عام طور پر پیچھے یا بخار
 رچ ہوتا تھا۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اکثر یہ بھی
 پر وہ بھی دونوں ہی باتیں ٹھیک ہوتی تھیں۔ جس کسی
 ی موت کا کوئی خاص کارن نہ پتہ چلے یا نہ بتانا منظور ہو
 سے آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ 'ہارٹ فیل' ہونے سے مر گیا۔
 ات بھی سچ، ہارٹ فیل ہونے بلکہ کوئی مر بھی نہیں
 جاتا ہے!

ہم اسی طرح کے معاملوں میں سرکار کو اور خاص کو سرکار
نے اوپر کے آدمیوں کو جیسے راج کداری امرت کور پے تصور مانتے
ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی نیت اچھی
ہے اچھی ہے۔ پر وہ اپنے اس پاس کی فضا اور خود اپنے سے لچار
ہیں۔ ہم آج بھی بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے کو دیش اور دیش
کے بچوں کے لئے ایک شاپ اور ایک لعلت مانتے ہیں۔ پشچیمیتا
اندھی پشچیمیتا کے جس روگ سے گاندھی جی اس دیش کو بچانا
چاہتے تھے وہ ظاہر ہے اس سمٹے پورے زور پر ہے اور خاس کر
ان دیش بھکتوں میں جن کے ہاتھوں میں بدقسمتی سے اس
سے دیش کے شاسن کی باگ ہے۔ دیش کے کروڑوں بچوں
پر یہ گندے اور زہریلے تجربے تو ہونگے ہی سب سے ادھک
نہ اس بات کا ہے کہ ان کروڑوں بچوں میں بہت بڑی تعداد
دیہیوں اور گلوں والوں کے ان بچوں کی ہے جنہیں پوٹ ہار
نھلگ کا کھانا بھی نہیں ملتا۔ پر دنیا شاید تجربوں سے
ہی سیکھتی ہے۔ انسانی جسموں سے زہر کو نکالنے کے طریقہ
ہی ہیں ہی۔ ہم نراش نہیں ہیں۔ ہماری آشا کا ادھار دیش
کی وہ کروڑوں چلتا ہے جو ابھی تک اس اندھی پشچیمیتا کے
تہ ادھک اثر میں نہیں ہے اور جسے کسی تحقیقات کے لئے
خود اپنی گلیوں، اپنے گلوں اور اپنے نجی آنوہوں سے دور جانا
میں پڑتا۔ چلتا کی سندھی سادی سوجھ ہم پڑے لکھوں کی
لڑھی گرھانی عقل سے انہیں کہیں اچھا اور ٹھیک راستہ
دکھاتی ہے۔

ہم اپنے اپنے ملک کا راج کہتے ہیں۔ ابھی ہم اس آدرش سے کافی دور ہیں۔ بھارت کے رہے سہے دن دور ہونگے اور بھارت اسی دن باہر کی ٹیپ ٹاپ سے نہیں اپنے اندر کی چمک سے چمکے گا جس دن ہم سچے سچ اس آدرش تک پہنچے گا۔

28-7-55

— سندرلال

ایک آدرش گورنر

حال میں کلکتہ کے دورے میں ہمیں پچھمی بنگال کے گورنر ڈاکٹر ایچ. سی. مکرجی سے ملنے کا سौभाग्य प्राप्त हुआ۔ ان سے ملکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ ڈاکٹر ایچ. سی. مکرجی کی عمر اس سے لگ بھگ انسانی ہوس کی ہے۔ ان کا رہن سہن اور لباس حد درجہ کا سادہ ہے۔ ان کے طرز اور لباس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھارت کی گلیوں اور گلوں میں پھرنے والے عام لوگوں سے کسی طرح کوئی الگ انسان ہیں۔ باتیں کرتے ہوئے عمارا دھیان اس بات کی طرف گیا کہ گورنر ایچ. سی. مکرجی اپنی پانچ ہزار کی تنخواہ میں سے کھول پانچ سو روپیہ اپنے اور اپنے بیوی کے خرچ کے لئے رکھ کر باقی ساڑھے چار ہزار روپیہ ہر مہینے ایک ٹرسٹ کے حوالے کر دیتے ہیں اس لئے کہ اُسے غریب و نیازتہوں کی تعلیم آدمی پر خرچ کیا جاوے۔ ہم ڈاکٹر مکرجی کو یہ یاد دلانے بنا نہ رہ سکے کہ راشٹر پتا مہاتما گاندھی نے سونتتر بھارت کے منستروں اور گورنروں کے سامنے خلیفہ عمر کا آدرش پیش کیا تھا۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ ہمارے دیہی کے منستر اور گورنر کم سے کم تنخواہیں لیں اور خلیفہ عمر کا سا سادہ جیون بتائیں تاکہ ان میں اور جنتا میں گہرا سمبندھ بنا رہے۔ اس پر ڈاکٹر مکرجی نے خلیفہ عمر کے جیون کی کچھ گھٹنائیں ہم سے جانتا چاہیں۔ ہم نے انہیں کئی گھٹنائیں سنائیں۔ یہاں ہم انہیں دھوانا نہیں چاہتے۔ ڈاکٹر مکرجی سنکر بہت خوش ہوئے۔ ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اگر بھارت بھر میں آج کوئی گورنر گاندھی جی کے بتائے ہوئے اس آدرش کے نکت پھونچتا ہے تو ڈاکٹر مکرجی۔ ڈاکٹر مکرجی نے اس پر بڑا ستوش پڑت کیا۔

ان کی اس سادگی کی بابت ایک چھوٹی سی گھٹنا ہم نے اور سنی۔ دلی سرکار کے ایک بہت بڑے سجن نے اپنے کلکتہ کے دورے کے سیمے گورنر مکرجی کے رہن سہن کو دیکھ کر ان سے کہا کہ اگر آپ تھوڑا سا اور خرچ اپنے اوپر گوارا کریں تو آپ ذرا اچھی طرح رہ سکیں گے۔ گورنر مکرجی نے بڑا سندر جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ—”میں دیہی کا اصلی حاکم نہیں ہوں“

سندرلال

28. 7. 55

ایک آدرش گورنر

حال میں کلکتہ کے دورے میں ہمیں پچھمی بنگال کے گورنر ڈاکٹر ایچ. سی. مکرجی سے ملنے کا سौभाग्य प्राप्त हुआ۔ ان سے ملکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ ڈاکٹر ایچ. سی. مکرجی کی عمر اس سے لگ بھگ انسانی ہوس کی ہے۔ ان کا رہن سہن اور لباس حد درجہ کا سادہ ہے۔ ان کے طرز اور لباس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھارت کی گلیوں اور گلوں میں پھرنے والے عام لوگوں سے کسی طرح کوئی الگ انسان ہیں۔ باتیں کرتے ہوئے عمارا دھیان اس بات کی طرف گیا کہ گورنر ایچ. سی. مکرجی اپنی پانچ ہزار کی تنخواہ میں سے کھول پانچ سو روپیہ اپنے اور اپنے بیوی کے خرچ کے لئے رکھ کر باقی ساڑھے چار ہزار روپیہ ہر مہینے ایک ٹرسٹ کے حوالے کر دیتے ہیں اس لئے کہ اُسے غریب و نیازتہوں کی تعلیم آدمی پر خرچ کیا جاوے۔ ہم ڈاکٹر مکرجی کو یہ یاد دلانے بنا نہ رہ سکے کہ راشٹر پتا مہاتما گاندھی نے سونتتر بھارت کے منستروں اور گورنروں کے سامنے خلیفہ عمر کا آدرش پیش کیا تھا۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ ہمارے دیہی کے منستر اور گورنر کم سے کم تنخواہیں لیں اور خلیفہ عمر کا سا سادہ جیون بتائیں تاکہ ان میں اور جنتا میں گہرا سمبندھ بنا رہے۔ اس پر ڈاکٹر مکرجی نے خلیفہ عمر کے جیون کی کچھ گھٹنائیں ہم سے جانتا چاہیں۔ ہم نے انہیں کئی گھٹنائیں سنائیں۔ یہاں ہم انہیں دھوانا نہیں چاہتے۔ ڈاکٹر مکرجی سنکر بہت خوش ہوئے۔ ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اگر بھارت بھر میں آج کوئی گورنر گاندھی جی کے بتائے ہوئے اس آدرش کے نکت پھونچتا ہے تو ڈاکٹر مکرجی۔ ڈاکٹر مکرجی نے اس پر بڑا ستوش پڑت کیا۔

ان کی اس سادگی کی بابت ایک چھوٹی سی گھٹنا ہم نے اور سنی۔ دلی سرکار کے ایک بہت بڑے سجن نے اپنے کلکتہ کے دورے کے سیمے گورنر مکرجی کے رہن سہن کو دیکھ کر ان سے کہا کہ اگر آپ تھوڑا سا اور خرچ اپنے اوپر گوارا کریں تو آپ ذرا اچھی طرح رہ سکیں گے۔ گورنر مکرجی نے بڑا سندر جواب دیا۔ انہوں نے کہا کہ—”میں دیہی کا اصلی حاکم نہیں ہوں“

بھارتی حکام آپ ہیں۔ اگر کل کسی کان سے مہرے کوئی بات آپ کو پسند نہ آئی اور آپ نے مجھے الگ کر دیا تو مہرے کو دل آٹھ آٹھ خدج ہوئے۔ آٹھ آٹھ کی رکھا ملتا تو میں اس میں اپنی پتلی بہت شہر کے اپنے پرانے مکان میں چلا جاتا۔ مجھے کوئی بھی کشم نہ ہوتا۔ پر پتی میں نے اپنے رہن سہن کو بدل لیا اور اپنے اوپر ادھک خرچ کرنا شروع کر دیا تو مجھے گورنری چھوڑنے پر تکلیف ہوئی۔ اس لئے مہرے لئے بھی سادہ جہیز آچھا ہے۔“

ڈاکٹر مکرजी ईसाई हैं۔ हमें वह सचमुच सच्चे ईसाई मासूम हुए। हम थोड़े से दुख के साथ यह कहे बिना नहीं रह सकते कि अगर स्वतंत्र भारत के दूसरे गवर्नर और मिनिस्टर भी गाँधी जी की बात मान कर डॉक्टर मकरजी की मिसाल पर अमल कर सके होते तो देश की दशा आज कुछ और ही होती!

24. 6. 55

—सुन्दरलाल

अंधविश्वास का अनर्थ

उज्जैन के पास तराना जाने वाली सड़क पर टुकराल गांव में, जलाई महीने के आखिरी दिनों में, जो घटना हुई वह चौंका देने वाली है। हमारे देश की गरीब जनता को धर्म के नाम पर किस बुरी तरह बहकाया जा सकता है, इसका एक ताजा नमूना इस घटना से हमारे सामने एक बार फिर आ गया। जैसे तो ऐसी छोटी मोटी घटनाएं आम तौर पर होती रहती हैं, परन्तु इस घटना ने उन सब को मात कर दिया है। उस दिन नई दिल्ली में भी एक भयानक घटना हो गई। मदनलाल नाम के एक क्लर्क को किसी ज्योतिषी ने यह कह दिया कि 28 जून को उसकी मौत हो जाएगी और उसकी मौत के बाद उसके परिवार को बहुत मुसीबत उठानी पड़ेगी। अपनी मौत और अपने परिवार वालों की मुसीबत का ख्याल उसके दिमाग में कुछ ऐसा घर कर गया कि उसने अपने मासूम 8 साल, 6 साल, और 9 महीने के तीन बच्चों को और अपनी स्त्री को अपने हाथों से मौत के घाट उतार कर स्वयं रेल की पटरी पर जाकर अपनी जान दे दी और ज्योतिषी की भविष्यवाणी का बहुत सा हिस्सा खुद पूरा कर डाला। बहुत साल नहीं हुए हैं, जब बमकारों पर विश्वास रखने वाले, हमारे देश के हजारों लोग, जिनमें अच्छे पढ़े लिखे की संख्या भी कुछ कम नहीं, अंगूले (बड़ीसा) की ओर भागे चले गये थे—केवल इसलिए कि बड़ा ग्वाला परिवार का एक छोटा सा लड़का बवाई के नाम पर किसी पेड़ की छाया का कुछ टुकड़ा देता था, जिससे सभी तरह की बीमारियाँ दूर हो जाती थीं! अंधविश्वास के उस

हमारे

اصلی حاکم آپ ہیں۔ اگر کل کسی کان سے مہرے کوئی بات آپ کو پسند نہ آئی اور آپ نے مجھے الگ کر دیا تو مہرے کو دل آٹھ آٹھ خدج ہوئے۔ آٹھ آٹھ کی رکھا ملتا تو میں اس میں اپنی پتلی بہت شہر کے اپنے پرانے مکان میں چلا جاتا۔ مجھے کوئی بھی کشم نہ ہوتا۔ پر پتی میں نے اپنے رہن سہن کو بدل لیا اور اپنے اوپر ادھک خرچ کرنا شروع کر دیا تو مجھے گورنری چھوڑنے پر تکلیف ہوئی۔ اس لئے مہرے لئے بھی سادہ جہیز آچھا ہے۔“

ڈاکٹر مکرजी ईसाई हैं۔ हमें वह सचमुच सच्चे ईसाई मासूम हुए। हम थोड़े से दुख के साथ यह कहे बिना नहीं रह सकते कि अगर स्वतंत्र भारत के दूसरे गवर्नर और मिनिस्टर भी गाँधी जी की बात मान कर डॉक्टर मकरजी की मिसाल पर अमल कर सके होते तो देश की दशा आज कुछ और ही होती!

—सुन्दरलाल

24. 6. 55

اندھ و شواس کا اثر

اُجین کے پاس ترانا جانے والی سڑک پر ٹکرا ل گئے میں' بولائی مہینہ کے آخری دنوں میں' جو گھٹنا ہوئی وہ بونکا دینے والی ہے۔ ہمارے دیہی کی غریب جنتا کو دھرم کے نام پر کس بھی طرح بھکایا جاسکتا ہے' اس کا ایک تازہ نمونہ اس گھٹنا سے ہمارے سامنے ایک بار پھر آگیا۔ ویسے تو ایسی چھوٹی سی جنتا تھی عام طور پر ہوتی رہتی ہیں' پرنتو اس گھٹنا نے سب کو مات کر دیا ہے۔ اس دن نئی دلی میں بھی ایک بھگت گھٹنا ہوگئی۔ مدن لال نام کے ایک کلرک کو کسی بیوتشی نے یہ کہہ دیا کہ 28 جون کو اس کی موت ہو جائیگی' اس کی موت کے بعد اس کے پرہیزگار کو بہت مصیبت ہائی پڑی۔ اپنی موت اور اپنے پرہیزگاروں کی مصیبت کا خیال اس کے دماغ میں کچھ ایسا گہر کر گیا کہ اس نے اپنے بھوم 8 سال' 6 سال' اور 9 مہینہ کے تین بچوں کو اور اپنی بیوی کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر سویم ریل کی ریل پر جا کر اپنی جان دے دی اور بیوتشی کی بیوتشی دانی بہت سا حصہ خود پورا کر ڈالا۔ بہت سال نہیں ہوئے ہیں' سب چمٹکوں پر شواس رکھنے والے' ہمارے دیہی کے ہزاروں لاکھ جن میں اچھے پڑھے لکھوں کی سہکھیا بھی کچھ کم نہ ہے' انکول (آپسے) کی اور ہاتھ چلے گئے تھے—کہوں اس کے کہ وہاں گولا پرہیزگار کا ایک چھوٹا سا لڑکا دوائی کے نام پر ہی پیڑ کی چھال کا کچھ ٹکڑا دیتا تھا' جس سے سبھی راج کی بیماریاں دور ہو جاتی تھیں! اندھ و شواس کے اس

بھنکر میں لوگ پاگل سے بنکر اُنگول چل دیتے تھے۔ کبھی کو یہ سوچنے کی کوسٹ مئی نہیں تھی کہ اصلیت کیا ہے۔ بھدیا دھسان کی طرح دھار کے چاروں آہر سے ہزاروں لاکھوں کی پورچ پھانچ گئے۔ سرکار کی ساری سوجھاؤں اور دیکھتوں کو لوگوں نے چھوٹا ٹھہرا دیا اور ان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ لاکھوں روپیہ برباد ہوا اور جو مصیبتیں اُنہائی گئیں، اُن کا تو کہنا ہی کیا۔ اُس چھوٹے سے استھان میں ہزاروں لوگوں کے کھائے پئے اور ٹھہر لے کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

دھکرا ل کی جس بھٹنا کا ہم یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں، وہ ٹھہرے میں یہ ہے کہ گیندکنور ہائی نام کی ایک استری کو یہ سہلا آیا کہ 28 جولائی کو اُس کے پتی کی موت ہو جائیگی اور اس کے ساتھ سنی ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ استری ایسا کوئی سہلا دیکھنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ پر اُس سہلا کا جو قصہ چاروں اور پھیلا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکرال میں اُس سنی کے درشنوں کے لئے لاکھوں استری پرش جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مٹھرا، گوالہر، جھانسی، لکھنؤ اور بمبئی تک سے لوگ وہاں گئے۔ پولس کی اور سے پتی پتی دونوں کے زندہ ہونے کی خبروں کا اعلان کرنے پر بھی لوگوں کا اُس پاس سے چاروں اور سے وہاں جانا جاری رہا۔ گیندکنور کا پتی سدھ ناتھ اندور کے اسپتال میں اپنی بیماری کا علاج کروا رہا تھا اور گیندکنور وہاں اُس کی سیوا کے لئے گئی ہوئی تھی۔ گلوں میں اُن کی اس فخرحظری کا مطلب یہ لگایا گیا کہ سدھ ناتھ کے مرنے پر گیندکنور ہائی سنی ہو چکی ہے اور اس ”دھارمک“ گھٹنا کو لوگوں سے چھپا دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کو جلتا کے سامنے پیش کرنے کی جو مانگ کی گئی، اُس کا پورا کوسنا ممکن نہ ہونے سے سنی ہونے کی لولوں کی کلہا کو اور بھی ادھک ہل مل گیا۔ پھر، وہاں موجود دو ناگ سادھوؤں نے، جن کی بات کو اندھ وشواسی جلتا آج بھی ہمارے دیہی میں وید واکھ کی طرح سچ مانتی ہے، لوگوں کی اُس کلہا کو اتنا ادھک بھڑکا دیا کہ وہ پولس کی بات کو سچ ماننے کی بجائے، اُسی پر حملہ کر بیٹھے اور پولس والوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ٹیٹرکس چھوڑنے اور لٹھی چلنے کا بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تب گولی چلنے کی نوبت آگئی۔ کہتے ہیں کہ 19 مرنے تک گولی چلی۔ حالانکہ چھ آدمیوں کے مرنے کی بات سونیکار کی گئی ہے، پر اُن کی سنکھیا کہیں ادھک ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔

ٹکرال کی جس گھٹنا کا ہم یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں، وہ ٹھہرے میں یہ ہے کہ گیندکنور ہائی نام کی ایک استری کو یہ سہلا آیا کہ 28 جولائی کو اُس کے پتی کی موت ہو جائیگی اور اس کے ساتھ سنی ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ استری ایسا کوئی سہلا دیکھنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ پر اُس سہلا کا جو قصہ چاروں اور پھیلا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکرال میں اُس سنی کے درشنوں کے لئے لاکھوں استری پرش جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مٹھرا، گوالہر، جھانسی، لکھنؤ اور بمبئی تک سے لوگ وہاں گئے۔ پولس کی اور سے پتی پتی دونوں کے زندہ ہونے کی خبروں کا اعلان کرنے پر بھی لوگوں کا اُس پاس سے چاروں اور سے وہاں جانا جاری رہا۔ گیندکنور کا پتی سدھ ناتھ اندور کے اسپتال میں اپنی بیماری کا علاج کروا رہا تھا اور گیندکنور وہاں اُس کی سیوا کے لئے گئی ہوئی تھی۔ گلوں میں اُن کی اس فخرحظری کا مطلب یہ لگایا گیا کہ سدھ ناتھ کے مرنے پر گیندکنور ہائی سنی ہو چکی ہے اور اس ”دھارمک“ گھٹنا کو لوگوں سے چھپا دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کو جلتا کے سامنے پیش کرنے کی جو مانگ کی گئی، اُس کا پورا کوسنا ممکن نہ ہونے سے سنی ہونے کی لولوں کی کلہا کو اور بھی ادھک ہل مل گیا۔ پھر، وہاں موجود دو ناگ سادھوؤں نے، جن کی بات کو اندھ وشواسی جلتا آج بھی ہمارے دیہی میں وید واکھ کی طرح سچ مانتی ہے، لوگوں کی اُس کلہا کو اتنا ادھک بھڑکا دیا کہ وہ پولس کی بات کو سچ ماننے کی بجائے، اُسی پر حملہ کر بیٹھے اور پولس والوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ٹیٹرکس چھوڑنے اور لٹھی چلنے کا بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تب گولی چلنے کی نوبت آگئی۔ کہتے ہیں کہ 19 مرنے تک گولی چلی۔ حالانکہ چھ آدمیوں کے مرنے کی بات سونیکار کی گئی ہے، پر اُن کی سنکھیا کہیں ادھک ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔

ٹکرال کی جس گھٹنا کا ہم یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں، وہ ٹھہرے میں یہ ہے کہ گیندکنور ہائی نام کی ایک استری کو یہ سہلا آیا کہ 28 جولائی کو اُس کے پتی کی موت ہو جائیگی اور اس کے ساتھ سنی ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ استری ایسا کوئی سہلا دیکھنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ پر اُس سہلا کا جو قصہ چاروں اور پھیلا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکرال میں اُس سنی کے درشنوں کے لئے لاکھوں استری پرش جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مٹھرا، گوالہر، جھانسی، لکھنؤ اور بمبئی تک سے لوگ وہاں گئے۔ پولس کی اور سے پتی پتی دونوں کے زندہ ہونے کی خبروں کا اعلان کرنے پر بھی لوگوں کا اُس پاس سے چاروں اور سے وہاں جانا جاری رہا۔ گیندکنور کا پتی سدھ ناتھ اندور کے اسپتال میں اپنی بیماری کا علاج کروا رہا تھا اور گیندکنور وہاں اُس کی سیوا کے لئے گئی ہوئی تھی۔ گلوں میں اُن کی اس فخرحظری کا مطلب یہ لگایا گیا کہ سدھ ناتھ کے مرنے پر گیندکنور ہائی سنی ہو چکی ہے اور اس ”دھارمک“ گھٹنا کو لوگوں سے چھپا دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کو جلتا کے سامنے پیش کرنے کی جو مانگ کی گئی، اُس کا پورا کوسنا ممکن نہ ہونے سے سنی ہونے کی لولوں کی کلہا کو اور بھی ادھک ہل مل گیا۔ پھر، وہاں موجود دو ناگ سادھوؤں نے، جن کی بات کو اندھ وشواسی جلتا آج بھی ہمارے دیہی میں وید واکھ کی طرح سچ مانتی ہے، لوگوں کی اُس کلہا کو اتنا ادھک بھڑکا دیا کہ وہ پولس کی بات کو سچ ماننے کی بجائے، اُسی پر حملہ کر بیٹھے اور پولس والوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ٹیٹرکس چھوڑنے اور لٹھی چلنے کا بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تب گولی چلنے کی نوبت آگئی۔ کہتے ہیں کہ 19 مرنے تک گولی چلی۔ حالانکہ چھ آدمیوں کے مرنے کی بات سونیکار کی گئی ہے، پر اُن کی سنکھیا کہیں ادھک ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔

ٹکرال کی جس گھٹنا کا ہم یہاں چرچا کرنا چاہتے ہیں، وہ ٹھہرے میں یہ ہے کہ گیندکنور ہائی نام کی ایک استری کو یہ سہلا آیا کہ 28 جولائی کو اُس کے پتی کی موت ہو جائیگی اور اس کے ساتھ سنی ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ استری ایسا کوئی سہلا دیکھنے سے بھی انکار کرتی ہے۔ پر اُس سہلا کا جو قصہ چاروں اور پھیلا، اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹکرال میں اُس سنی کے درشنوں کے لئے لاکھوں استری پرش جمع ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مٹھرا، گوالہر، جھانسی، لکھنؤ اور بمبئی تک سے لوگ وہاں گئے۔ پولس کی اور سے پتی پتی دونوں کے زندہ ہونے کی خبروں کا اعلان کرنے پر بھی لوگوں کا اُس پاس سے چاروں اور سے وہاں جانا جاری رہا۔ گیندکنور کا پتی سدھ ناتھ اندور کے اسپتال میں اپنی بیماری کا علاج کروا رہا تھا اور گیندکنور وہاں اُس کی سیوا کے لئے گئی ہوئی تھی۔ گلوں میں اُن کی اس فخرحظری کا مطلب یہ لگایا گیا کہ سدھ ناتھ کے مرنے پر گیندکنور ہائی سنی ہو چکی ہے اور اس ”دھارمک“ گھٹنا کو لوگوں سے چھپا دیا گیا ہے۔ اُن دونوں کو جلتا کے سامنے پیش کرنے کی جو مانگ کی گئی، اُس کا پورا کوسنا ممکن نہ ہونے سے سنی ہونے کی لولوں کی کلہا کو اور بھی ادھک ہل مل گیا۔ پھر، وہاں موجود دو ناگ سادھوؤں نے، جن کی بات کو اندھ وشواسی جلتا آج بھی ہمارے دیہی میں وید واکھ کی طرح سچ مانتی ہے، لوگوں کی اُس کلہا کو اتنا ادھک بھڑکا دیا کہ وہ پولس کی بات کو سچ ماننے کی بجائے، اُسی پر حملہ کر بیٹھے اور پولس والوں کو اپنی جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ٹیٹرکس چھوڑنے اور لٹھی چلنے کا بھی جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تب گولی چلنے کی نوبت آگئی۔ کہتے ہیں کہ 19 مرنے تک گولی چلی۔ حالانکہ چھ آدمیوں کے مرنے کی بات سونیکار کی گئی ہے، پر اُن کی سنکھیا کہیں ادھک ہونے کا شک کیا جاتا ہے۔

بھٹنا کا دوسرا پہلو اور بھی अधिक भयानक है. कानून से सली-मथा को बंद हुए करीब डेढ़ सौ साल बीत जाने पर भी उसका अन्ध विश्वास लोगों के दिल और दिमाग पर अभी तक छाया हुआ है. यह पुरानी प्रथा है कि

ساری کے نام پر ایک چہترہ ہلا کر ملنے کی طرح سے اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ گھنٹہ کلور ہائی کے زندہ ہونے پر ہی اس کا چہترہ ہلا دیا گیا اور چہترہ پر چڑھاوا چڑھنا ہی شروع ہو گیا۔ انہیں دیکھا حال لکھنے والے نے لکھا ہے کہ وہاں اتنا چڑھاوا چڑھا کہ 70-80 ہزار روپے کے نوٹ جمع کر کے بار دوست کہیں چمپت ہو گئے اور ان نوٹوں کے علاوہ جو نقدی وہاں جمع ہوئی اس کا وزن کئی من تک پہنچ گیا۔ رنگ برنگے کپڑوں کا بھی وہاں ایک بڑا ڈھیر لگ گیا۔ نوٹ لیکر چمپت ہو جانے والوں کی پولیس خوج کر رہی ہے اور 'धर्मावतार' بنے हुए वे नागा साधू पुलिस की हिरासत में ले लिए गये हैं۔ कुछ समाचार पत्रों में यह भी प्रकाशित किया गया है कि जनसंघ वालों ने जनता की धार्मिक भावनाओं को उभाड़ने में कुछ भी उठा नहीं रखा۔ जनसंघ के अधिकारियों ने इसका प्रतिवाद किया है۔

जनसंघ अथवा ऐसी ही किसी दूसरी संस्था का इस घटना के पीछे हाथ हो या न हो، इतना तो साफ है कि उन धार्मिक अंध विश्वासों और झूठे धर्मों की वजह से ही यह सारी घटना हुई، जिन पर साम्प्रदायिक संस्थाएं फलती फूलती और पलती हैं۔ भोली भाली जनता के धार्मिक अंध-विश्वासों को भड़का कर कितना अनर्थ किया जा सकता है، इसका एक नमूना यह सारी घटनाएं हैं۔

कुछ ही वर्ष पहले शायद 1950 में इसी से मिलती जुलती एक घटना म्वालियर में हुई थी۔ तब मध्यभारत राज की विधान सभा तक में यह मंजूर किया गया था कि उस मौके पर पुलिस के अफसरों और दूसरे अधिकारियों ने अपने कर्तव्य का पालन पूरी तत्परता और ईमानदारी से नहीं किया था۔ कारण यह था कि पुलिस वाले और दूसरे सरकारी अधिकारी भी जनता की तरह अंधविश्वास में फंसे हुए थे۔ आखिर वे भी तो उन लोगों में से ही हैं, जिनके दिल और दिमाग पर यह और ऐसे अंधविश्वास पूरी तरह छाप हुए हैं। अफसوس यह देखकर होता है कि हमारे कांग्रेसी वजीर भी उनसे अपना पिंड नहीं छुड़ा सके हैं। हमारे बहुत से वजीर अब भी ज्योतिषियों के चक्कर में फंसे हुए हैं और वे बात बात में उनसे मुहूर्त निकलवाते रहते हैं। उनकी भविष्यवाणियों पर भी उनका वैसा ही विश्वास है जैसा कि आम जनता का। हमारे ख्याल में ऐसी घटनाओं के होने पर कोई सख्त क्रदम इसीलिए नहीं उठाया जा सकता कि उस क्रदम को उठाने की जिम्मेवारी जिन लोगों पर होती है, उनके दिल और दिमाग अपने कर्तव्य के प्रति साफ नहीं और वे अपने कर्तव्य से अपने अंधविश्वास को तरजीह दे जाते हैं। इसीलिए इन घटनाओं को रोकने के लिए यह जरूरी है कि पहले वे लोग अपना दिल और दिमाग साफ करें जिन पर शासन की जिम्मेवारी है, नहीं तो हमारी

ساری کے نام پر ایک چہترہ ہلا کر ملنے کی طرح سے اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ گھنٹہ کلور ہائی کے زندہ ہونے پر ہی اس کا چہترہ ہلا دیا گیا اور چہترہ پر چڑھاوا چڑھنا ہی شروع ہو گیا۔ انہیں دیکھا حال لکھنے والے نے لکھا ہے کہ وہاں اتنا چڑھاوا چڑھا کہ 70-80 ہزار روپے کے نوٹ جمع کر کے بار دوست کہیں چمپت ہو گئے اور ان نوٹوں کے علاوہ جو نقدی وہاں جمع ہوئی اس کا وزن کئی من تک پہنچ گیا۔ رنگ برنگے کپڑوں کا بھی وہاں ایک بڑا ڈھیر لگ گیا۔ نوٹ لیکر چمپت ہو جانے والوں کی پولیس خوج کر رہی ہے اور 'धर्मावतार' بنے हुए वे नागा साधू पुलिस की हिरासत में ले लिए गये हैं۔ कुछ समाचार पत्रों में यह भी प्रकाशित किया गया है कि जनसंघ वालों ने जनता की धार्मिक भावनाओं को उभाड़ने में कुछ भी उठा नहीं रखा۔ जनसंघ के अधिकारियों ने इसका प्रतिवाद किया है۔

جن سنک انہوا ایسی ہی کسی دوسری سنسٹھا کا اس گھنٹا کے پیچھے ہاتھ ہو یا نہ ہو، اتنا تو صاف ہے کہ ان دھارمک آندھ وشواسوں اور چہترہ دھرموں کی وجہ سے ہی یہ ساری گھنٹا ہوئی، جن پر سامہردایک سنسٹھانیں پھلتی پھولتی اور پلتی ہیں۔ بھولی بھالی چلتا کے دھارمک آندھ وشواسوں کو بھڑکا کر کتنا اثریہ کیا جا سکتا ہے، اس کا ایک نمونہ یہ ساری گھنٹائیں ہیں۔

کچھ ہی ورش پہلے شاید 1950 میں اسی سے ملتی جلتی ایک گھنٹا گوالیر میں ہوئی تھی۔ تب مدھہ بھارت راج کی دماغان سیما تک میں یہ منظور کیا گیا تھا کہ اس موقع پر پولس کے انسروں اور دوسرے ادھیکاریوں نے اپنے کرتوبہ کا پالن پوری تہورتا اور ایمانداری سے نہیں کیا تھا۔ کارن یہ تھا کہ پولس والے اور دوسرے سرکاری ادھیکاری بھی چلتا کی طرح آندھ وشواس میں پھنسنے ہوئے تھے۔ آخر وہ بھی تو ان لوگوں میں سے ہی ہیں، جن کے دل اور دماغ پر یہ اور ایسے آندھ وشواس پوری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ انسوس یہ دیکھ کر ہوتا ہے کہ ہمارے کانگریسی وزیر بھی ان سے اپنا پلند نہیں چھڑا سکے ہیں۔ ہمارے بہت سے وزیر اب بھی جیوتشیوں کے چکر میں پھنسنے ہوئے ہیں اور وہ بات بات میں ان سے مہورت نکلاتے دھتے ہیں۔ انکی بھوشیہ وانہوں پر بھی انکا ویسا ہی وشواس ہے جیسا کہ عام چلتا کا۔ ہمارے خیال میں ایسی گھنٹاؤں کے ہولے پر کوئی سخت قدم اس لئے نہیں اٹھایا جا سکتا کہ اس قدم کو اٹھانے کی ذمہداری جن لوگوں پر ہوتی ہے، ان کے دل اور دماغ اپنے کرتوبہ کے پرتی صاف نہیں اور وہ اپنے کرتوبہ سے اپنے آندھوشواس کو ترجیح دے جاتے ہیں۔ اس لئے ان گھنٹاؤں کو روکنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے وہ لوگ اپنا دل اور دماغ صاف کریں جن پر شاسن کی ذمہداری ہے، نہیں تو ہماری

ہاتھ بچے नेताؤں کے بچے انجیانی کی سی ہوئے بغیر نہ رہیں۔ ڈکرائل کی اس بدنامی پر پولیس کی کارروائی کی سہولتوں کی فراہمی کر دینا ہی کافی نہیں ہے، اس کی جگہ میں جاکر لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو بھی بدلنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ دھرم جھوٹا آدمی، مایا جال اور اندھ وشواس دور کئے بغیر اس اور سے انہوں کو روکا نہیں جاسکتا۔

15. 8. 55

— سत्यدےو ویدالکار

گودا کی آزادی کا سوال

15 اگست سن 1955 کو جبکہ ایک اور ہندوستان میں آزادی کے دن کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں، ستمبر کے چوتھے دن بعد دیکرے کو آ، دمن اور دیو میں ترنگا نشان لگے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔ 15 اگست کی رات کو ریڈیو نے ہمیں اطلاع دی کہ اہنسک اور نہتے ستیاگرہیوں پر پرتگالی سینکوں نے گولیاں چلائیں اور یہ بھی اطلاع دی کہ 28 ستیاگرہی گولیاں کھانے بھدائے ہوئے اور 44 ستیاگرہی گولہوں سے گھائل ہو کر لہدم اسپتال میں پڑے ہوئے ہیں۔ گولہوں میں عورتیں اور بچے بھی ہیں۔

اس دردناک خبر کو پڑھ کر ہر ہندوستانی کے خون میں جوش اُٹھ گیا۔ نہتے ستیاگرہیوں پر گولیاں چلانا، اس سے زیادہ ظالمانہ چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک طرف چین کی حکومت ہے جس نے امریکی آڑوں کو جنہوں نے چین کی سرحد کے اندر قدم رکھا، گرفتار کر لیا اور دوسری طرف: پرتگال کی سامراجی سرکار ستیاگرہیوں پر گولی چلانے میں بہیمانہ متحمس کرتی ہے۔ اپنے ہنسک دشمنوں کے ساتھ یہی کوئی ایسا سبک نہیں کریگا جیسا پرتگال کی سرکار نہتے آزادی کے ساتھ کر رہی ہے۔

پرتگال نے اس متحمس دن کے واقعہ کو درج کیا ہے جب 22 مئی سن 1498ء کو ملبار کے کنارے پرتگال کے رہنے والے واسکو دیگاما کا جہاز کالیٹ کے پاس آکر ٹھہرا۔ اس سمے کالیٹ کا راجہ زمورن تھا۔ واسکو دیگاما نے دو زانو ہو کر زمورن کی خدمت میں اپنے راجہ کی عرض پیش کی اور اس سے یہ پراپت کیا کہ وہ انہیں اپنے راج میں رہنے اور رہائش کرنے کی اجازت دیدے۔

سن 1500ء میں پرتگالیوں نے اپنے رہائش کے لئے کالیٹ میں ایک کوٹھی بنائی۔ 3 سال بعد زمورن کی اجازت سے اس کی قلعہ بندی کر لی اور ایک پرتگالی انسپکٹر کو اس کا قلعہ دار مقرر کیا۔

سن 1500ء میں پرتگالیوں نے اپنے رہائش کے لئے کالیٹ میں ایک کوٹھی بنائی۔ 3 سال بعد زمورن کی اجازت سے اس کی قلعہ بندی کر لی اور ایک پرتگالی انسپکٹر کو اس کا قلعہ دار مقرر کیا۔

— سترہ دیو ویدالکار

15. 8. 55

گودا کی آزادی کا سوال

1 اگست سن 1955 کو جبکہ ایک اور ہندوستان میں آزادی کے دن کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں، ستمبر کے چوتھے دن بعد دیکرے کو آ، دمن اور دیو میں ترنگا نشان لگے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔ 15 اگست کی رات کو ریڈیو نے ہمیں اطلاع دی کہ اہنسک اور نہتے ستیاگرہیوں پر پرتگالی سینکوں نے گولیاں چلائیں اور یہ بھی اطلاع دی کہ 28 ستیاگرہی گولیاں کھانے بھدائے ہوئے اور 44 ستیاگرہی گولہوں سے گھائل ہو کر لہدم اسپتال میں پڑے ہوئے ہیں۔ گولہوں میں عورتیں اور بچے بھی ہیں۔

اس دردناک خبر کو پڑھ کر ہر ہندوستانی کے خون میں جوش اُٹھ گیا۔ نہتے ستیاگرہیوں پر گولیاں چلانا، اس سے زیادہ ظالمانہ چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایک طرف چین کی حکومت ہے جس نے امریکی آڑوں کو جنہوں نے چین کی سرحد کے اندر قدم رکھا، گرفتار کر لیا اور دوسری طرف: پرتگال کی سامراجی سرکار ستیاگرہیوں پر گولی چلانے میں بہیمانہ متحمس کرتی ہے۔ اپنے ہنسک دشمنوں کے ساتھ یہی کوئی ایسا سبک نہیں کریگا جیسا پرتگال کی سرکار نہتے آزادی کے ساتھ کر رہی ہے۔

پرتگال نے اس متحمس دن کے واقعہ کو درج کیا ہے جب 22 مئی سن 1498ء کو ملبار کے کنارے پرتگال کے رہنے والے واسکو دیگاما کا جہاز کالیٹ کے پاس آکر ٹھہرا۔ اس سمے کالیٹ کا راجہ زمورن تھا۔ واسکو دیگاما نے دو زانو ہو کر زمورن کی خدمت میں اپنے راجہ کی عرض پیش کی اور اس سے یہ پراپت کیا کہ وہ انہیں اپنے راج میں رہنے اور رہائش کرنے کی اجازت دیدے۔

سن 1500ء میں پرتگالیوں نے اپنے رہائش کے لئے کالیٹ میں ایک کوٹھی بنائی۔ 3 سال بعد زمورن کی اجازت سے اس کی قلعہ بندی کر لی اور ایک پرتگالی انسپکٹر کو اس کا قلعہ دار مقرر کیا۔

گولکھ نے کینارے کینارے صخر کی طرف بڑھ کر سن 1506ء میں گوالیار پر قبضہ کر لیا۔ ہوتے ہوتے سن 1510ء میں پرتگالیوں کا کالیکٹ کے راجا کے ساتھ جنگ ہو گیا جس میں پرتگالیوں نے کالیکٹ کے راجہ کو آگ لگادی اور شہر کو لوٹ لیا۔ صرف 12 سال پہلے ان پرتگالیوں پر مہربانی کرنے کا یہودیہ زمینوں کو یہ پہل ملا۔ اس کے بعد براہر پرتگالی اپنی حکومت بڑھاتے رہے اور سو سو سال کے اندر وہ منکھور کوچن، لنکا، دیو، گوا، بمبئی کے ٹاپو اور لیگاتیم کے مالک بن گئے۔

پرتگالیوں کی اس সময় کی تیزاوت کی دو باتیں اس تیر پر جاننے کاہیل ہیں—ایک یہ کہ ان لوگوں نے کچھ جہازیں اور یورپی کنارے پر براہر گرومتے رہے اور کسی ہی بھارتیہ جہاز کو پاس سے نکلتے ہوئے دیکھ کر اُسے پکڑ کر لوٹ لیتے تھے۔ کبھی کبھی موقع ملتا تو یہ کنارے کی آبادیوں پر بھی دھاوا بول دیتے تھے، انہیں لوٹ لیتے تھے اور موقع ملتا تو وہاں کے جوان مرد اور عورتوں کو غلام بناد کر پکڑ لے جاتے تھے اور یورپ کے بازاروں میں بیچتے تھے۔ دوسرے یہ لوگ افریقہ اور دوسرے ملکوں سے اپنے جہازوں میں غلام بھر کر لاتے تھے اور بھارت کے بازاروں میں انہیں بیچتے تھے۔

بھارت کے جن حصوں پر پرتگالیوں کا قبضہ ہو گیا تھا وہاں کی جنتا کے ساتھ شروع دن سے ہی ان لوگوں کا برتاؤ بے حد ظالمانہ تھا۔ یہ لوگ کٹر قسم کے عیسائی تھے اور جنتا کو زبردستی عیسائی بنا لینا وہ اپنا مذہبی فرض سمجھتے تھے۔ گوا میں انہوں نے اپنی غیر عیسائی پرچا کو پکڑ کر اور انہیں لادھب کہہ کر مار ڈالنے اور زندہ جلا دینے کے لئے ایک عدالت قائم کر رکھی تھی جسے 'انکوئیشن' کہتے تھے۔ اس لئے آج تک گوا کی زیادتر آبادی عیسائی ہے۔ اپنی ہندستانی رعایا کی بہتری کے لئے پرتگالیوں نے کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

سترہویں صدی کے شروع میں پرتگالیوں کی تجارت بنگال کی اور پھیلنے لگی۔ حالانکہ وہاں ان کی حکومت قائم نہیں ہوئی، لیکن وہاں بھی وہی لوٹ مار، وہی زیادتیاں، وہی غلام باندیوں کا ویپار چل پڑا۔ شاہجہاں اُسوقت دلی کے تخت پر تھا۔ اس کے کانوں تک پرتگالیوں کی شکایت پہونچی۔ اُس نے فوراً ایک فوجی دستہ بھیجا۔ پرتگالی ہرا دئے گئے۔ ان کی ہتھی کی کوٹھیاں گرا دی گئیں۔ ان کے جہاز جلا ڈالے گئے۔ ہندستان میں ان کی ریاست ضبط کر لی گئی اور پرتگالیوں کو قہد کر کے آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اور اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اور اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اور اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اور اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

آگرہ پہونچا دیا گیا۔ بیحد آرزو منہ کرنے کے بعد اور اس وعدہ پر کہ آئندہ وہ ہندستان کی جنتا کے ساتھ کبھی گستاخی سے پیش نہ

شاہجہاں نے انہیں گوہا، دمن اور دس میں بنے رہنے کی ہدایت دی۔ ہندو کے اس بڑے بادشاہ کی اس ہمتیہ کا ہندوستان کی جنمات کو آج یہ بھلا بھلا مل رہا ہے۔

ہندو سے پرتگالیوں کی سچا کے پٹ جانے کا سبب بتاتے ہوئے ایک پرتگالی لکھک لکھتا ہے۔

”پرتگال نواسیوں نے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں سلاخ (کواس) لیکر ہندوستان میں پرویش کیا۔ لیکن جب انہیں یہاں بہت زیادہ سونا نظر آیا تو انہوں نے سلاخ کو الگ کر لیا اور اپنی چھینیں پورنی شروع کر دیں اور جب ان کی چھینیں اتنی بھاری ہو گئیں کہ وہ انہیں ایک ہاتھ سے نہ بٹھال سکتے تو انہوں نے دوسرے ہاتھ سے بھی تلوار پھینک دی۔“

لیکن آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ننگی تلوار پھر سے اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ لیکن ہم اس مالزار کی سرک کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ شاہجہاں کے وقت سے چمکا کا جانے والا پانی سمندر کی طرف جا چکا۔ آج 1955 میں ہندوستان کی آزاد قوم اس بات کو کہیں گوارا نہیں کر سکتی کہ پرتگال کی وحشی اور حیوانی حکومت یہاں ایک دن بھی زیادہ ٹھہرے۔ سمرات شاہجہاں نے اپنی نولادی حکومت سے پرتگالیوں کی طاقت کو ختم کیا۔ ہم آج اہلسا اور ستیاکرا سے ان نتیجوں کو دھرانہ چاہتے ہیں۔ یہ وہ شاہجہاں کو کیا معلوم تھا کہ اس کے رحم کی قیمت آج اس کے دیہی والوں کو اپنا خون بہا کر چکانی پڑیگی۔

مہاتما گاندھی نے سن 1946 میں گوا کی آزادی کی حمایت میں کہا تھا کہ گوا جلد سے جلد آزاد ہندوستان کا حصہ بنے گا۔ وہ ہندوستان کا ایک جز ہے اور اس کا الگ رہنا ہماری غیریت کو ایک نقصان ہے۔

ہمیں انسوس اس بات کا ہے کہ انڈسٹان کی سرکار پرتگالیوں کی حمایت میں بیان شائع کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ پرتگالیوں کے ساتھ اپنے عہدنامہ کی ہمیں یاد دلاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس صلحنامہ کی شرطوں کو مانتے ہوئے ہم اپنے ملک کے ایک حصہ پر پرتگالیوں کی حکومت قائم رہنے دیں۔ وزیراعظم نہرو نے حقارت کے ساتھ اس سے انکار کیا۔ پرتگالیوں کے دھرم کے بھالے کا پوپ نے پردہ نشی کر دیا۔ صلح کی آج کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ پرتگالی گوا خالی کریں۔

16 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے یہ فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17-8-55

—بی. نا. پانڈے

ہمیں انسوس اس بات کا ہے کہ انڈسٹان کی سرکار پرتگالیوں کی حمایت میں بیان شائع کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی۔ وہ پرتگالیوں کے ساتھ اپنے عہدنامہ کی ہمیں یاد دلاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس صلحنامہ کی شرطوں کو مانتے ہوئے ہم اپنے ملک کے ایک حصہ پر پرتگالیوں کی حکومت قائم رہنے دیں۔ وزیراعظم نہرو نے حقارت کے ساتھ اس سے انکار کیا۔ پرتگالیوں کے دھرم کے بھالے کا پوپ نے پردہ نشی کر دیا۔ صلح کی آج کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ پرتگالی گوا خالی کریں۔

16 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے یہ فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

17 اگست کو پارلیمنٹ میں اپنا بیان دیتے ہوئے پلڈت نہرو نے فرمایا کہ پرتگال میں کچھ ایسی طاقتیں کام کر رہی ہیں جو یہ چاہتی ہیں کہ گوا خالی کر دیا جائے۔ انہیں شواہس ہے کہ یہ طاقتیں زور پکڑیں اور بہت جلد پرتگالی گوا خالی کر دیں گے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ہندوستان کی چلنا لے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اہلسا اور ستیاکرا کے ذریعہ پرتگالیوں کو گوا سے نکال کر ہی دم لیں گی۔

—بی. نا. پانڈے

17-8-55

सांस्कृतिक साहित्य

सांस्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

حضرت محمد اور اسلام

लेखक—परिचित सुन्दर लाल, मूल्य—तीन روپيه
اسلام کے پیغمبر کے सम्बन्ध میں भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

लेखक—परिचित सुन्दर लाल, मूल्य—डेढ़ روپيه

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

مہاتما زرتشت اور ایرانی سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

प्राचीन निख की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین مصر کی سہیبتا اور سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

سومر بابل اور اسوریا کی پراچین سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین یونانی سہیبتا اور سنسکرتی

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपिया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

گंगा سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سترہ)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपिया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसैन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

آگ اور آنسو

(भावपूर्ण सामाजिक کہانیاں)

लेखक—डाक्टर अख्तर حسین رائے پوری, कीमत—डेढ़ روپيه

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—भौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

قرآن اور دینارمن متبہید

लेखक—भौलाना अबुलकलाम آزاد, कीमत—डेढ़ روپيه

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुरति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

جھنکار

(پرگتی شیل کوبناں کا سنگره)

लेखक—रघुरति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपिया

मिलने का पता ملنے کا پتہ

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

14 मुट्टीगंज, इलाहाबाद 145 मंथी گنج، الہ آباد

हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر तरह کی کتابیں ملنے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ناچو پو ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیواہ کے مانے جانے

ویدوان : شری منچر آلی سوسوا

سکے 225، کیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بڑی دلچسپ کتاب)

لکھک—کدسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موٹا کاغذ، موٹا ڈائپ، بڑی-سی رنگین تصویریں

دام دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

275 سکے، دام ڈاڑھ روپے

ہندو مسلم اکوتا

100 سکے، دام بارھ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبک

کیمت بارھ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

کیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

کیمت دو آنے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 مٹھگانج ایلہاہاد

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیواہ کے مانے جانے

ویدوان : شری منچر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپے

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھک—کدسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موٹا کاغذ، موٹا ڈائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دام دو روپے

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

275 صفحات، دام ڈاڑھ روپے

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحات، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی

145 مٹھگانج ایلہاہاد

اس نمبر کے خاص اہمکے

دنیا کی تالیف اور تالیف دینے والے

—ڈاکٹر بھگوانداس

—ڈاکٹر بھگوان داس

—آرکھری راج کے اصول

—آرکھری راج کے اصول

—ڈاکٹر تاراچند

—ڈاکٹر تارا چند

—پندرہویں صدی کے ایک شاعر کی ڈائری

—پندرہ سو سال

—پندرہ سو سال

—نرسنگ کے فیل (کہانی)

—نرسنگ کے فیل (کہانی)

—بیشبہرناث پاڈے

—بیشبہرناث پاڈے

—ایک آدھ چینی مزدور لڑکی

—ایک آدھ چینی مزدور لڑکی

—شریمتی پرہیا ایم . اے .

—شریمتی پرہیا ایم . اے .

—اس کے علاوہ

—اس کے علاوہ

—دیس بیس کے مسئلوں پر ہماری رائے میں ضروری سمجھائی نوٹ

—دیس بیس کے مسئلوں پر ہماری رائے میں ضروری سمجھائی نوٹ

—دستی کچھ سوسائٹی، ایلاہاآد



—دستی کچھ سوسائٹی، ایلاہاآد

—دستی کچھ سوسائٹی، ایلاہاآد

—دستی کچھ سوسائٹی، ایلاہاآد

—دستی کچھ سوسائٹی، ایلاہاآد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا ہندو

نمبر 3 نمبر 20 جلد 20 جلد

پبلیکیشنز انڈیا

29 SEP 1955

ستمبر 1955 ستمبر

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستان کا کلتور سوسائٹی

145 مڈل گنج، کراچی

145، مین گلی، کراچی

ستمبر 1955 ستمبر

کیا کس سے	صفحہ	سفر
1. دنیا کی تعلیم اور تعلیم دینے والے	131	...
—ڈاکٹر مگوان داس
2. ابری راج کے اصول	144	...
—ڈاکٹر تارا چند
3. محمد صاحب کی کچھ حدیثیں	158	...
—انوار اک معیوب رضوی
4. انیسویں صدی کے ایک فقہ کی قادی	162	...
—پنڈت سندھ لال
5. نرگس کے پھول (کہانی)	171	...
—بیربمبھرنایا پاٹھ
6. ایک آدھ چینی مزدور لڑکی	179	...
—شریمتی پریم اہم . اے
7. کچھ کتابیں	186	...
8. ہماری رائے—	188	...

سچا اور شکتی نہیں، سہرا اور تھاک—
بیربمبھرنایا پاٹھ.

سنا اور شکتی نہیں، سہرا اور تھاک—
بیربمبھرنایا پاٹھ.

دُنیا کی تالییم اور تالییم دینے والے

دُنیا کی تالییم اور تالییم دینے والے

ڈا॰ مگھانداس

ڈاکٹر بھگول داس

پہلے کے لکھوں میں ہم نے سب دھرموں کی بنیادی ایکٹا کے بارے میں کچھ موٹی موٹی پر بنیادی باتوں کی چرچا کی ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آجکل کے ودوانوں، سائنسدانوں اور تعلیم اور تعلیم دینے والوں کے ساتھ اس کا کیا سمبندھ ہے۔

بچوں کی تالییم ہمارے جیون کا بیج اور اسکی جڑ ہوتی ہے۔ جیسے ہم سمجھتا کہتے ہیں وہ اس جیون کا پھل اور پھل ہے۔ بونے والا بدی اچھے بیج ہوئے گا تو فصل کاٹنے والا اچھے اور مٹھے پھل پائے گا۔ وہ اگر کڑے اور زہریلے بیج ہوئے گا تو کاٹنے والوں کو پھل بھی کڑے اور زہریلے ملینگے۔ ہمارے بچوں کو پکانے والے अध्यापक بیج بونے والے ہیں۔ وہی مانव सभ्यता کو بناتے ہیں۔ وہ ہمارے بچوں کے دلوں اور دماغوں میں اچھے بیج بوسکتے ہیں اس کے لئے آؤشیک ہے کہ وہ خود سچے اُرتھوں میں اُستاد یعنی براہمن ہوں، سچے مولوی ہوں، سچے ربی ہوں۔ سچا براہمن وہ جو برہم یعنی ایشور میں رہتا ہو۔ سچا مولوی وہ جو اپنے مولا اللہ کا سچا بندہ ہو۔ یہودی اپنے پڑھتوں کو ربی کہتے ہیں۔ سچا ربی وہی ہے جو رب یعنی خدا کے حکم کو سمجھے اور اُس کے اُتھوں چلے۔ دوسرے دھرموں میں بھی براہمنوں اور مولویوں کے لئے جو شد اُتھ ہیں اُن کے بھی اُسی طرح کے اُرتھ ہیں۔ سچے براہمن کو ایشور اللہ کا مشنری یا پرچارک ہونا چاہئے، شیطاں کا تلفواہ دار نوکر نہیں ہونا چاہئے، کھونہ شیطاں اللہ کا دشمن ہے۔

یہی سن 1914-18 کے پہلے مہادیہ سے پہلے یورپ کے ادھیانکوں، سائنسدانوں، پادریوں اور ودوانوں نے اپنا کرتوبہ پالن کیا ہوتا اور اپنے اپنے دیہ کے بچوں کو نیکی کی تعلیم دی ہوتی تو اُس مہادیہ کا اوسر ہی نہ آتا۔ یہی اُس مہادیہ کے بعد بھی یورپ کے اُن براہمنوں نے اپنے اپنے دیہوں کے چہتریوں یعنی جنکچو شاکسوں اور ویشیوں یعنی دھن لولپ اڈیوک یتیموں کے ساتھ اپنی آتماؤں کو نہ بیچا ہوتا اور ودیا، دھرم اور سائنس کا اُس طرح دورپیٹوگ ہونے نہ دیا ہوتا، یہی وہ ملکر کھڑے ہو گئے ہوتے اور اپنے اُتھوں، دھرم بل اور ستھ بل سے اُنہوں نے اپنے اپنے یہاں کے بہکے ہوئے چہتریوں اور ویشیوں کی شیطانت کا مقابلہ کیا ہوتا تو ہمارے اندر کا شیطاں ضرور ہار جاتا۔ یہی سب دیہوں میں

پہلے کے لکھوں میں ہم نے سب دھرموں کی بنیادی ایکٹا کے بارے میں کچھ موٹی موٹی پر بنیادی باتوں کی چرچا کی ہے۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آجکل کے ودوانوں، سائنسدانوں اور تعلیم اور تعلیم دینے والوں کے ساتھ اس کا کیا سمبندھ ہے۔

بچوں کی تعلیم ہمارے جیون کا بیج اور اُس کی جڑ ہوتی ہے۔ جیسے ہم سمجھتا کہتے ہیں وہ اس جیون کا پھل اور پھل ہے۔ بونے والا بدی اچھے بیج ہوئے گا تو فصل کاٹنے والا اچھے اور مٹھے پھل پائے گا۔ وہ اگر کڑے اور زہریلے بیج ہوئے گا تو کاٹنے والوں کو پھل بھی کڑے اور زہریلے ملینگے۔ ہمارے بچوں کو پکانے والے अध्यापक بیج بونے والے ہیں۔ وہی مانव सभ्यता کو بناتے ہیں۔ وہ ہمارے بچوں کے دلوں اور دماغوں میں اچھے بیج بوسکتے ہیں اس کے لئے آؤشیک ہے کہ وہ خود سچے اُرتھوں میں اُستاد یعنی براہمن ہوں، سچے مولوی ہوں، سچے ربی ہوں۔ سچا براہمن وہ جو برہم یعنی ایشور میں رہتا ہو۔ سچا مولوی وہ جو اپنے مولا اللہ کا سچا بندہ ہو۔ یہودی اپنے پڑھتوں کو ربی کہتے ہیں۔ سچا ربی وہی ہے جو رب یعنی خدا کے حکم کو سمجھے اور اُس کے اُتھوں چلے۔ دوسرے دھرموں میں بھی براہمنوں اور مولویوں کے لئے جو شد اُتھ ہیں اُن کے بھی اُسی طرح کے اُرتھ ہیں۔ سچے براہمن کو ایشور اللہ کا مشنری یا پرچارک ہونا چاہئے، شیطاں کا تلفواہ دار نوکر نہیں ہونا چاہئے، کھونہ شیطاں اللہ کا دشمن ہے۔

یہی سن 1914-18 کے پہلے مہادیہ سے پہلے یورپ کے ادھیانکوں، سائنسدانوں، پادریوں اور ودوانوں نے اپنا کرتوبہ پالن کیا ہوتا اور اپنے اپنے دیہ کے بچوں کو نیکی کی تعلیم دی ہوتی تو اُس مہادیہ کا اوسر ہی نہ آتا۔ یہی اُس مہادیہ کے بعد بھی یورپ کے اُن براہمنوں نے اپنے اپنے دیہوں کے چہتریوں یعنی جنکچو شاکسوں اور ویشیوں یعنی دھن لولپ اڈیوک یتیموں کے ساتھ اپنی آتماؤں کو نہ بیچا ہوتا اور ودیا، دھرم اور سائنس کا اُس طرح دورپیٹوگ ہونے نہ دیا ہوتا، یہی وہ ملکر کھڑے ہو گئے ہوتے اور اپنے اُتھوں، دھرم بل اور ستھ بل سے اُنہوں نے اپنے اپنے یہاں کے بہکے ہوئے چہتریوں اور ویشیوں کی شیطانت کا مقابلہ کیا ہوتا تو ہمارے اندر کا شیطاں ضرور ہار جاتا۔ یہی سب دیہوں میں

اس طرح کے سب لوگ ملکر یدھ کے خلف تھوڑے
 ہوئے اور اپنی اتنا کی آواز پر یدھ میں کسی
 طرح کا بھی سہوگ دینا سے صاف انکار کرتے تو دنیا
 دوسرے تمہا یدھ کے بھیٹکر قتل عام سے بچ گئی ہوتی۔
 پر اس کے خلف تھوڑے سے مبارک اور سواہیہ اپوا دیں کو
 چھوڑ کر لگ بھگ سب دیہوں میں ودوا دیں، ادھیا دیوں،
 پادریوں اور سائنسدانوں نے پریم کے خلف لغزت کا، شانتی کے
 خلف یدھ کا اور ایشور کے خلف شیطان کا ساتھ دیا۔

ان سرانجامہ اپواڈوں میں ایک خاص نام شری ہرتریت دیو نے لکھا ہے۔ ایک سچے سائنسدان اور دانشک کی طرح انہوں نے جیل جانا سوئیکار کیا پر یدھ میں سہوگ دینا یا اُس کا سمرن کرنا سوئیکار نہیں کیا۔ دنیا کے سب سے بڑے سائنسدان ڈاکٹر اُنسلٹن نے بھی سن 1932 میں ایک یدھ ور دہی ایسوسی ایشن قائم کی۔ اپنی سچائی کے کزن اُنہیں اپنے دیہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔ پروفیسر ایچ۔ ای۔ ارم سترانگ نے ”نیچر“ نام کی پریکس میں دنیا کے سائنسدانوں کی سب سے بڑی ہونے آنا کو جگانے کے لئے لکھا تھا: —

”سو برس کی سائنس کی اُنتنی کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ جن باتوں کا اصلی مہتو کچھ نہیں ہے اُن میں ہماری جانکاری غیب کی ہوا گئی ہے۔ پر اُن سو برس نے ہمیں اُن چیزوں کی باہت بہت کم جانکاری دی ہے جن سے ہمارا سب کا سچ سچ پیٹ پھرے اور ہم ملکر شافتی کے ساتھ رہ سکیں اور ایک دوسرے کو سہہ سکیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوں اور ایک سچے عیسائی کی طرح سب کے ساتھ پیروں اور مورتا نباعذا تو اور بھی دور کی بات ہے..... پھر شہہ میں سائنس کے میدان میں کام کرنے والا کوئی بھی اُسی تب ہی سائنس کا سچا سیوک کہلا سکیگا جب وہ سارے مانو سماج کی سہوا کے ضریعہ سب کا پھلا کر کے اپنے وجود کو سارتھک کرے۔“

سچے براہمن کی یہی تعریف ہے۔ براہمن، ادھاپک، استاد، مولوی یا سائنسدان کھول اپنے لوگوں کی دماغی جانکاری کو ہی نہیں پڑھاتا، وہ اُن کے سداچار کو، اُن کے آپسی سمبندھوں کو، اُن کے گھریلو اور شہری جہوں کو اور اُن کی اتنا کو بھی اُونچا لیجاتا ہے، جہوں کے ہر کلم اور ہر مقدمہ میں وہ لوگوں کو سچے، دھمائی کرتا ہے۔

ایڈنیبرا کے پروفیسر کرو نے دسمبر سن 1931 میں
 'سائنس اور مائو ساچ' پر ہولکے ہوئے کہا تھا :—

”آدمی کے اندر کے لوہ اور لالچ کے کارن سائنس
دروہیت کر کے اُس سے آدمی کی گندی اور

दुःखी इच्छाओं को पूरा करने का काम लिया जा रहा है..... आजकल की सबसे बड़ी समस्या यह नहीं है कि आदमी आदमी में मादी चीजों का बैठ बिठाव या बटबारा कैसे किया जाय, बल्कि सबसे बड़ी समस्या यह है कि लोगों की आत्माओं के बीच में बैठ बिठाव कैसे किया जाय. दुनिया में इस समय इतना ज्ञान मौजूद है और इतनी शक्ति भी है कि जिससे सारे मानव समाज को फिर से ठीक रूप दिया जा सकता है. पर यह ठीक रूप देने की इच्छा अभी हममें नहीं है. हमारे सामने कोई ऐसा आदर्श नहीं है जिसकी तरफ हम सब चलें. ज़िन्दगी को कैसे क़ायम रखा जावे इसके तरीक़ों को तो हम थोड़ा बहुत जानते हैं, पर ज़िन्दगी कैसे बसर की जावे या किस बात के लिए जिया जावे यह हम नहीं जानते. साईंस आजकल आदमी की धन लोलुपता और शक्ति लोलुपता की गुलाम बन गई है. वह अब ज़ालिमों के हाथ का एक हथियार है. हमें फिर से यह पता लगाना होगा कि मनुष्य जाति का असली भला किस बात में है और फिर यह देखना होगा कि साईंस से हमें जो शक्ति मिलती है वह उसी मतलब को पूरा करने के लिए काम में लाई जावे. ज्ञान ने प्रेम से अलग होकर दुनिया में नफ़रत और दुख की आग भड़का दी है, अब हमें एक नई नैतिक यानी इस्लामी निगाह की ज़रूरत है. यह निगाह हमें कहाँ से मिले ?”

ہری اچلوں کو پورا کرنے کا کام لیا جا رہا ہے..... اچکل کی سب سے بڑی سسپنسا یہ نہیں ہے کہ آدمی آدمی میں مادی چیزوں کا بیٹم بٹھاؤ یا بتواریہ کیسے کیا جائے، بلکہ سب سے بڑی سسپنسا یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں کے بیچ میں بیٹم بٹھاؤ کیسے کیا جائے۔ دنیا میں اس سے اتنا گہرا موجود ہے اور اتنی شکتی بھی ہے کہ جس سے سارے مادی سماج کو پھر سے تھپک روپ دیا جاسکتا ہے۔ پر یہ تھپک روپ دینے کی اچھا ابھی ہم میں نہیں ہے۔ ہمارے سامنے کوئی ایسا آدرش نہیں ہے جس کی طرف ہم سب چلیں۔ زندگی کو کیسے قائم رکھا جاوے اس کے طریقوں کو تو ہم تھوڑا بہت جانتے ہیں، پر زندگی کیسے بسر کی جاوے یا کس بات کے لئے جیسا جاوے یہ ہم نہیں جانتے۔ سائنس اچکل آدمی کی دھن لوہٹا اور شکتی لوہٹا کی غلام بن گئی ہے۔ وہ اب ظالموں کے ہاتھ کا ایک ہتھیار ہے۔ ہمیں پھر سے یہ بات لگانا ہوگا کہ منشیہ جانی کا اصلی بھلا کس بات میں ہے اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ سائنس سے ہمیں جو شکتی ملتی ہے وہ اسی مطلب کو پورا کرنے کے لئے کام میں لائی جاوے۔ گہرا لے پریم سے الگ ہو کر دنیا میں نفرت اور دکھ کی آگ بھڑکا دی ہے، اب ہمیں ایک نئی فینٹک یعنی اخلاقی نگاہ کی ضرورت ہے۔ یہ نگاہ ہمیں کہاں سے ملے گی؟

آپ کے دیکھو اور دیکھاؤں کو موہ کر ٹیک راستے پر لے جاسکتی ہے۔

پچھلے پچیس تیس برس میں دنیا کے اندر شانتی اور امن بنانا رکھنے کے لیے کئی تہریکوں چلی چکی ہیں۔ ان میں سے ایک خاص تہریک "ورلڈ کونفرنس آف نیشنز" ہے جو 1933 میں شیکاگو (امریکا) میں شروع ہوئی۔ ورلڈ کونفرنس آف نیشنز کے مانی ہیں—دنیا کے سب دھرموں کا میلان۔ شیکاگو میں اس تہریک کی پہلی سہا ہوئی تھی اس کی بابت کہا گیا کہ—”سب دھرموں، نسلوں اور دیشوں لوگ اس سہا میں آئے تھے... انہوں نے ملکر انسان کی نیک کی سب سہاؤں کے روحانی حل کھوجنے کی کوشش کی—، مسلمان یہ ہیں؛ جنگ، مت بھید کے کارن ایک دوسرے کو بھین پھونچانا، پکھلت، ایک طرف دھن کے انبار اور سوری طرف غریبی، بے روزگاری، راشٹروں راشٹروں میں تفریق، الت، نفرتیں اور ایک دوسرے سے ڈر۔“

اس سے بہت پہلے سن 1875 میں نیویارک میں یوٹو-کیکل سوسائٹی کاام ہوئی تھی۔ اس سوسائٹی کے تین مقصد اور ہیں۔ یہ تینوں، اس میں کوئی شک نہیں، سرائیلہ، دے یہ ہیں—(1) نسل، دھرم، مرد، عورت، جات رنگ کے بھید بھاؤں سے اوپر اٹھ کر سارے مانو سماج کے یک بھائی چارے کا ایک کیندر بنانا۔ (2) الگ الگ دھرموں، الگ الگ دھرم شاستروں، اور سائنس ان سب ملا کر پڑھنا اور پڑھانا۔ (3) قدرت کے ان قانونوں کا ابھی تک سمجھ میں نہیں آئے اور آدمی کے اندر کی ہی ہوئی شکستوں کا پتہ لگانا۔ اس تینوں باتوں کی عرض ہے یعنی دنیا کی شانتی اور سب کی خوشحالی۔ سوئیکل سوسائٹی کا صدر دفتر مدراس کے پاس آریار میں اور اس کی شاخیں دنیا کے پچاس سے اوپر دیشوں قائم ہیں۔

بہت سے دیشوں کے بڑے بڑے شہروں میں 'پارلیمنٹس آف ریلیجنس' یا نیا دھرم کی پارلیمنٹ ہو چکی ہیں۔ ان میں سے پہلی 1893 میں شیکاگو ہی میں ہوئی تھی۔ ان سب کا مقصد بھی شانتی قائم کرنا تھا۔

سن 1920 میں لیگ آف نیشنس کاام ہوئی جس کا مقصد تھا—”راشٹروں راشٹروں کے بیچ سہیوک کو بڑھانا اور کے بیچ امن قائم کرنا۔“

بہت سے دیشوں میں سائنسدانوں کی ایسوسی ایشنیں بھی چلی ہیں۔ یہ ایسوسی ایشن اب سائنس کے 'انسانی' پہلو ملی سماجی یا اخلاقی پہلو پر ادھک دھیان دینے لگی ہیں یعنی اس بات پر کہ سائنس کا منشیہ کے لیے جالے سماجی ن کے ساتھ کیا سہلہ ہے۔ اس طرح کے نیک سائنس کے لکھوں میں یہ دچار اب عام طرز پر لکھا جاتا ہے کہ سائنس اب انلی تیزی سے آگے

انی کے دلوں اور دھنوں کو سوز کر ٹیک راستے پر لے جاتی ہے۔

پچھلے پچیس تیس برس میں دنیا کے اندر شانتی اور امن بنانا رکھنے کے لیے کئی تہریکوں چلی چکی ہیں۔ ان میں سے ایک خاص تہریک "ورلڈ کونفرنس آف نیشنز" ہے جو 1933 میں شیکاگو (امریکا) میں شروع ہوئی۔ ورلڈ کونفرنس آف نیشنز کے مانی ہیں—دنیا کے سب دھرموں کا میلان۔ شیکاگو میں اس تہریک کی پہلی سہا ہوئی تھی اس کی بابت کہا گیا کہ—”سب دھرموں، نسلوں اور دیشوں لوگ اس سہا میں آئے تھے... انہوں نے ملکر انسان کی نیک کی سب سہاؤں کے روحانی حل کھوجنے کی کوشش کی—، مسلمان یہ ہیں؛ جنگ، مت بھید کے کارن ایک دوسرے کو بھین پھونچانا، پکھلت، ایک طرف دھن کے انبار اور سوری طرف غریبی، بے روزگاری، راشٹروں راشٹروں میں تفریق، الت، نفرتیں اور ایک دوسرے سے ڈر۔“

اس سے بہت پہلے سن 1875 میں نیویارک میں یوٹو-کیکل سوسائٹی کاام ہوئی تھی۔ اس سوسائٹی کے تین مقصد اور ہیں۔ یہ تینوں، اس میں کوئی شک نہیں، سرائیلہ، دے یہ ہیں—(1) نسل، دھرم، مرد، عورت، جات رنگ کے بھید بھاؤں سے اوپر اٹھ کر سارے مانو سماج کے یک بھائی چارے کا ایک کیندر بنانا۔ (2) الگ الگ دھرموں، الگ الگ دھرم شاستروں، اور سائنس ان سب ملا کر پڑھنا اور پڑھانا۔ (3) قدرت کے ان قانونوں کا ابھی تک سمجھ میں نہیں آئے اور آدمی کے اندر کی ہی ہوئی شکستوں کا پتہ لگانا۔ اس تینوں باتوں کی عرض ہے یعنی دنیا کی شانتی اور سب کی خوشحالی۔ سوئیکل سوسائٹی کا صدر دفتر مدراس کے پاس آریار میں اور اس کی شاخیں دنیا کے پچاس سے اوپر دیشوں قائم ہیں۔

بہت سے دیشوں کے بڑے بڑے شہروں میں 'پارلیمنٹس آف نیشنز' یا نیا دھرم کی پارلیمنٹ ہو چکی ہیں۔ ان میں سے پہلی 1893 میں شیکاگو ہی میں ہوئی تھی۔ ان سب کا مقصد بھی شانتی قائم کرنا تھا۔

سن 1920 میں لیگ آف نیشنس کاام ہوئی جس کا مقصد تھا—”راشٹروں راشٹروں کے بیچ سہیوک کو بڑھانا اور کے بیچ امن قائم کرنا۔“

بہت سے دیشوں میں سائنسدانوں کی ایسوسی ایشنیں بھی چلی ہیں۔ یہ ایسوسی ایشن اب سائنس کے 'انسانی' پہلو ملی سماجی یا اخلاقی پہلو پر ادھک دھیان دینے لگی ہیں یعنی اس بات پر کہ سائنس کا منشیہ کے لیے جالے سماجی ن کے ساتھ کیا سہلہ ہے۔ اس طرح کے نیک سائنس کے لکھوں میں یہ دچار اب عام طرز پر لکھا جاتا ہے کہ سائنس اب انلی تیزی سے آگے

بڑا گیا کہ سداچار کا اور سائنس کا ساتھ چھوٹ گیا۔ حالانکہ شہر کیلیم میں ایک انٹرنیشنل کونسل آف سائنٹفک پروٹونس ہے جس کی ایک خاص کمیٹی سائنس اور مائو سماج کے پرستار سمبند پر ہے۔

یہ سب کوششیں اس لئے فضول جا رہی ہیں کیونکہ سائنسدان ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ مادی سائنس کی بڑی سے بڑی اور عجیب سے عجیب ایجادیں بھی برائی کی بارے کو نہیں روک سکتیں۔ یہ ایجادیں برائی کی بارے اور اس کے انہاؤں کو بڑھاتی ہی رہتی ہیں۔ برائی کی یہ بارے تبھی رک سکتی ہے جب ہم کوئی ایسا قہنگ نکالیں جس سے دنیا کے سب لوگ اس پرانے سہرے اصول پر عمل کرنے لگیں کہ ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں۔ اس کے لئے مائو سماج کے سنگتوں کی ایک ایسی ویپیک یوجنا بندی ہوگی جس کے انوسار ہر آدمی سائنس کی نئی سے نئی ایجادوں کو ساری منشیہ جانی کے پہلے کے لئے کام میں لائے گئے۔ کوئی ان ایجادوں کو کسی ایک راشٹر کے ناپیدے کے لئے یا اس راشٹر کے اندر بھی کسی ایک گروہ کے لئے کام میں نہ لے سکے۔ ہمارا سماج سنگتوں ایسا ہونا چاہئے جس میں ہر آدمی کو اس کے لئے اپنے اندر سے سواہاؤک پورنا ملے۔

یہ سب کوششیں اس لئے فضول جا رہی ہیں کیونکہ سائنسدان ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ مادی سائنس کی بڑی سے بڑی اور عجیب سے عجیب ایجادیں بھی برائی کی بارے کو نہیں روک سکتیں۔ یہ ایجادیں برائی کی بارے اور اس کے انہاؤں کو بڑھاتی ہی رہتی ہیں۔ برائی کی یہ بارے تبھی رک سکتی ہے جب ہم کوئی ایسا قہنگ نکالیں جس سے دنیا کے سب لوگ اس پرانے سہرے اصول پر عمل کرنے لگیں کہ ہر آدمی ہر دوسرے آدمی کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کے ساتھ کریں۔ اس کے لئے مائو سماج کے سنگتوں کی ایک ایسی ویپیک یوجنا بندی ہوگی جس کے انوسار ہر آدمی سائنس کی نئی سے نئی ایجادوں کو ساری منشیہ جانی کے پہلے کے لئے کام میں لائے گئے۔ کوئی ان ایجادوں کو کسی ایک راشٹر کے ناپیدے کے لئے یا اس راشٹر کے اندر بھی کسی ایک گروہ کے لئے کام میں نہ لے سکے۔ ہمارا سماج سنگتوں ایسا ہونا چاہئے جس میں ہر آدمی کو اس کے لئے اپنے اندر سے سواہاؤک پورنا ملے۔

برسوں سے دُنیا کی ہر "بڑی کرائم" پاگلوں کی तरह اپنی فوجیں اور اپنے ہتھیار بڑھاتی جا رہی ہے اور ساتھ ہی شانتی اور امن کی بات کرتی ہے۔ سن 1939 میں دُنیا کی ان فوجوں کی تعداد چار سو کروڑ تھی۔ ان پر خرچ سن 1939 میں کیا جا تا ہے پچاس ارب روپے سے اوپر ہوا۔ آج ان فوجوں کی تعداد اور ان پر خرچ اس سے بھی کئی گنا بڑھ چکا ہے۔ بہت سے دیہی ہتھیاروں کی اس گھڑ دوڑ میں حصہ لینے کے کارن بھاری قرضوں کے نیچے دبے جا رہے ہیں۔ دوسرے مہا دھڑ کا تر دنیا کے سامنے ہے۔ دنیا بربادی کے گڈھے کے ملے پر کھڑی ہوئی ہے۔

ہر آدمی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب پاگل بن رہے ہیں۔ پر معلوم ہوتا ہے کہ قسمت یا کوئی دیوی شکتی سب کی گردن پکڑ انہیں تھکاتے لئے جا رہی ہے۔

یہی یہ کروڑوں آدمی جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ہمارے لئے جا رہے ہیں اور وہ اربوں اور کھربوں روپے جو کروڑوں ہتھیاروں کو زندہ ہونے والے کے لئے نئے نئے ہتھیار بنائے گئے ہیں خرچ کیا جا رہا ہے، یہی یہ ساری شکتی اور یہ سارا دھن سائنس کی مدد سے سب کے پہلے کے لئے خرچ کیا جاسکتا تو ہماری یہ دھرتی، یہ

ہر آدمی محسوس کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب پاگل بن رہے ہیں۔ پر معلوم ہوتا ہے کہ قسمت یا کوئی دیوی شکتی سب کی گردن پکڑ انہیں تھکاتے لئے جا رہی ہے۔

یہی یہ کروڑوں آدمی جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ہمارے لئے جا رہے ہیں اور وہ اربوں اور کھربوں روپے جو کروڑوں ہتھیاروں کو زندہ ہونے والے کے لئے نئے نئے ہتھیار بنائے گئے ہیں خرچ کیا جا رہا ہے، یہی یہ ساری شکتی اور یہ سارا دھن سائنس کی مدد سے سب کے پہلے کے لئے خرچ کیا جاسکتا تو ہماری یہ دھرتی، یہ

इस मुसीबत से बचने के लिए और मानव जाति की आइन्दा की शान्ति, सलामती और खुराहाली के लिए सबसे पहली जरूरत यह है कि दुनिया के क़ानून बनाने वालों, हाकिमों, हर घर, हर उद्योग, हर महक़मे और हर संस्था के सरदार या नेता में और इन सबसे बढ़कर दुनिया के बच्चों को तालीम देने वाले अध्यापकों में दिमागी जानकारी और होशियारी से कहीं बढ़कर ऊँचे नैतिक गुण हों, उनके दिलों में दूसरों के लिये वैसा ही प्रेम हो जैसा पिता के दिल में अपनी औलाद के लिये. हमारा दिमाग़ अगर बहुत चतुर न भी हो तो भी सच्चा प्रेम भरा दिल हम सब को ठीक रास्ते पर और सब के भले के रास्ते पर लगा सकता है. दिमाग़ की चतुराई अगर उसके साथ दिल ख़राब है तो हमें लबाही के गड्ढे में गिराए बग़ैर नहीं रह सकती. दिमाग़ जितना चतुर होगा उतना ही जल्दी हम सब बरबाद होंगे, इसलिए यह जरूरी है कि हमारी शिक्षा संस्थाओं में, हमारी तालीमगाहों में बच्चों को बहुत अधिक जानकारी देने की अपेक्षा उनके चरित्र को अच्छा, ऊँचा और मज़बूत बनाने की तरफ़ कहीं अधिक ध्यान दिया जावे. इसके लिए यह जरूरी है कि हमारे अध्यापक खुद नेक, निस्वार्थ, प्रेमी और ऊँचे चरित्र के हों. सच्चा अध्यापक, सच्चा ब्राह्मण होना चाहिए, सच्चा मौलवी होना चाहिए. उसमें विद्या होनी चाहिए, इल्म होना चाहिए और जोहद होना चाहिए. ज्ञान और परोपकार भावना दोनों से मिलकर बुद्धि यानी अक्ल पैदा होती है.

اس مصیبت سے بچنے کے لئے اور مانو جانی کی آئندہ کی شانتی، سلامتی اور خوشحالی کے لئے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ دنیا کے قانون بنائے والوں، حاکموں، ہر گھر، ہر آدمی، ہر محکمے اور ہر سناستہ کے سردار یا نیتا میں اور ان سب سے بڑھکر دنیا کے بچوں کو تعلیم دینے والے ادھیپاکوں میں دماغی جانکاری اور ہر شاہی سے کہیں بڑھکر ارنچے نیتک کن ہوں، ان کے دلوں میں دوسروں کے لئے ویسا ہی پریم ہو جیسا پتا کے دل میں اپنی اولاد کے لئے۔ ہمارا دماغ اگر بہت چتر نہ بھی ہو تو بھی سچا پریم بھرا دل ہم سب کو ٹھیک راستے پر اور سب کے بھلے کے راستے پر لگا سکتا ہے۔ دماغ کی چترائی اگر اُس کے ساتھ دل خراب ہے تو ہمیں تباہی کے گڈے میں گرائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دماغ جتنا چتر ہوگا اُننا ہی جلدی ہم سب پر باد ہونے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہماری شکشا سنستھاؤں میں، ہماری تعلیم گاہوں میں بچوں کو بہت ادھک جانکاری دینے کی اپیکشا اُن کے چتر کو اچھا، ارنچا اور مضبوط بنانے کی طرف کہیں ادھک دھیان دیا جائے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے ادھیپاک خود نیتک، نسوارتہ، پریمی اور ارنچے چتر کے ہوں۔ سچا ادھیپاک، سچا برہمن ہونا چاہئے، سچا مہربی ہونا چاہئے۔ اُس میں ودیا ہونی چاہئے، تب ہونا چاہئے، علم ہونا چاہئے اور زہد ہونا چاہئے۔ گہان اور پروریکر بھانا دونوں سے ملکر بدھی یعنی عقل سلیم بنتی ہے۔

ہرم یا مصلحت کا کام سب کے دلوں کو تسلی دینا، سب کے چہرے کو کھنکھانا، سب کو ملانا اور سب کا بھلا کرنا تھا، اب سب جگہ گیر کر سوار تھی پختہ پور و ہٹن اور پانڈی ملوں کے ہاتھوں میں نکتہ دیتے رہتے راجوں اور اندھ و شرابوں کو بڑھانے والا اور دنیا کو دھوکا دینے والا اور آدمی کو آدمی سے پہانے والا ایک بھیڑیہ جال بن کر رہ گیا ہے۔ راج جس کا کام سب کی رضا اور سب کی ترقی کرنا تھا اب سوار تھی راجنیک نیتوں کے ہاتھوں میں پتھر دنیا کو چرسہ والی اور کھلے انیائے کرنے والی سلسلہ بن گیا ہے۔ پنچائتوں اور عدالتوں جن کا کام سب کے جھگڑے حل کرنا تھا اب خود غرض اور چالاک دھوکوں کے آئینہ بن گئی ہیں۔ دانق اور وید جن کا کام دنیا کے روگن کو دور کرنا تھا اب پھر سے تندہست کرنا تھا دھن کے لوہے میں اب لپٹے شکاریوں کو جوڑوں کی طرح چوسنے لگے ہیں۔ ویاہار اور تجارت جن سے سب کو کھانا، کپڑا اور زندگی کی ضرورتیں ملتی چاہتے تھے اب بدل کر سب کو برباد کرنے والا نیا ارتھ شاستر بن گیا ہے، جس میں استاک جمع کئے جاتے ہیں، کمپنیوں کے حصوں کا جو ا کھلا جاتا ہے، سٹا کیا جاتا ہے، پھاٹکا لڑایا جاتا ہے، دنیا کے سکوں کے ساتھ جادوگروں کی طرح نمائش کئے جاتے ہیں، سرگروں کی اچھا پر کہیں سکوں کے دام کھائے جاتے ہیں کہیں بڑھائے جاتے ہیں، کہیں روپیوں کی کوزیاں کردی جاتی ہیں اور کہیں کوزیوں کے روپیہ کردتے جاتے ہیں، بالکل بناوٹی تھنگ سے اور زبردستی، خاص گتوں، کمپنیوں اور گروہوں کے نچو لہ کے لئے چیزوں کی قیمتوں کو من مانا بڑھایا اور کھٹایا جاتا رہتا ہے، جو ا چوری ایک بڑے پیمانے پر اور کھلے پے شرمی کے ساتھ جاری ہے، بڑے بڑے شاستری، ودوان، نیتا اور ماہر آئے بڑھاوا دیتے ہیں، اپنے اندھ پن میں ہم اشرافیاں لٹا رہے ہیں اور کہلوں یا گندوں کے ٹکڑوں پر مہر لگا رہے ہیں۔ گروہ جہوں جس سے زندگی میں مقاس بھر جانی چاہتے تھے، نئی جان آئی چاہتے تھے اور آدمی کا بل بڑھنا چاہتے تھے، اب کھول کام تنکا کا سادھن رہ گیا ہے۔ اس کا خاص کارن یہ ہے کہ ہمارے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم جس سے سب کو ٹھیک راستہ راستہ ملنا چاہتے تھے، خود غلط راستے پر پڑ گئی ہے۔ ہمارے ماسٹر، ادھیپک اور پروفیسر اپنے اعلیٰ مشن سے بے پرواہ ہو کر غلط طرف بھٹک گئے ہیں۔ ان کے اندر جو زبردست نیتک شکتی، تیاک اور تہسپا کا بل اور آتم بل ہونا چاہتے تھے وہ جاتا رہا۔ وہ نوجوی لہڑوں اور سوار تھی پونجی پتھوں کے ہاتھوں میں کھینچے لگے، جب کہ ان کا کام تھا ان لہڑوں اور پونجی پتھوں کو ٹھیک راستے پر رکھنا۔ ہمارے ادھیپکوں نے

ہرم یا مصلحت کا کام سب کے دلوں کو تسلی دینا، سب کے چہرے کو کھنکھانا، سب کو ملانا اور سب کا بھلا کرنا تھا، اب سب جگہ گیر کر سوار تھی پختہ پور و ہٹن اور پانڈی ملوں کے ہاتھوں میں نکتہ دیتے رہتے راجوں اور اندھ و شرابوں کو بڑھانے والا اور دنیا کو دھوکا دینے والا اور آدمی کو آدمی سے پہانے والا ایک بھیڑیہ جال بن کر رہ گیا ہے۔ راج جس کا کام سب کی رضا اور سب کی ترقی کرنا تھا اب سوار تھی راجنیک نیتوں کے ہاتھوں میں پتھر دنیا کو چرسہ والی اور کھلے انیائے کرنے والی سلسلہ بن گیا ہے۔ پنچائتوں اور عدالتوں جن کا کام سب کے جھگڑے حل کرنا تھا اب خود غرض اور چالاک دھوکوں کے آئینہ بن گئی ہیں۔ دانق اور وید جن کا کام دنیا کے روگن کو دور کرنا تھا اب پھر سے تندہست کرنا تھا دھن کے لوہے میں اب لپٹے شکاریوں کو جوڑوں کی طرح چوسنے لگے ہیں۔ ویاہار اور تجارت جن سے سب کو کھانا، کپڑا اور زندگی کی ضرورتیں ملتی چاہتے تھے اب بدل کر سب کو برباد کرنے والا نیا ارتھ شاستر بن گیا ہے، جس میں استاک جمع کئے جاتے ہیں، کمپنیوں کے حصوں کا جو ا کھلا جاتا ہے، سٹا کیا جاتا ہے، پھاٹکا لڑایا جاتا ہے، دنیا کے سکوں کے ساتھ جادوگروں کی طرح نمائش کئے جاتے ہیں، سرگروں کی اچھا پر کہیں سکوں کے دام کھائے جاتے ہیں کہیں بڑھائے جاتے ہیں، کہیں روپیوں کی کوزیاں کردی جاتی ہیں اور کہیں کوزیوں کے روپیہ کردتے جاتے ہیں، بالکل بناوٹی تھنگ سے اور زبردستی، خاص گتوں، کمپنیوں اور گروہوں کے نچو لہ کے لئے چیزوں کی قیمتوں کو من مانا بڑھایا اور کھٹایا جاتا رہتا ہے، جو ا چوری ایک بڑے پیمانے پر اور کھلے پے شرمی کے ساتھ جاری ہے، بڑے بڑے شاستری، ودوان، نیتا اور ماہر آئے بڑھاوا دیتے ہیں، اپنے اندھ پن میں ہم اشرافیاں لٹا رہے ہیں اور کہلوں یا گندوں کے ٹکڑوں پر مہر لگا رہے ہیں۔ گروہ جہوں جس سے زندگی میں مقاس بھر جانی چاہتے تھے، نئی جان آئی چاہتے تھے اور آدمی کا بل بڑھنا چاہتے تھے، اب کھول کام تنکا کا سادھن رہ گیا ہے۔ اس کا خاص کارن یہ ہے کہ ہمارے بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم جس سے سب کو ٹھیک راستہ راستہ ملنا چاہتے تھے، خود غلط راستے پر پڑ گئی ہے۔ ہمارے ماسٹر، ادھیپک اور پروفیسر اپنے اعلیٰ مشن سے بے پرواہ ہو کر غلط طرف بھٹک گئے ہیں۔ ان کے اندر جو زبردست نیتک شکتی، تیاک اور تہسپا کا بل اور آتم بل ہونا چاہتے تھے وہ جاتا رہا۔ وہ نوجوی لہڑوں اور سوار تھی پونجی پتھوں کے ہاتھوں میں کھینچے لگے، جب کہ ان کا کام تھا ان لہڑوں اور پونجی پتھوں کو ٹھیک راستے پر رکھنا۔ ہمارے ادھیپکوں نے

کھانے پینے اور پختہ کام کو نیچے گिरا کر اب مریں کی طرح اور ایک نئی طرح سے بچوں کو اس طرح چلانا شروع کر دیا ہے جس طرح جانوروں کے گلوں کو چلایا جاتا ہے۔ ادھیانوں کے دل جو مٹا پٹا ہے سے نرم سے نرم ہونے چاہئے تھے اب سوکھے، سوانہی اور نردنی ہو گئے ہیں۔ ہم سب ایک شیطانی چکر میں پھنس گئے ہیں۔ خراب بیج سے ہم نے خراب پھل پیدا کئے، ان پھلوں سے اور بھی خراب بیج نکلتے، ان سے اور ادھک خراب پھل لگے۔ یہاں تک کہ تیسرا مہابھ اور انسانی قوم یا کم سے کم انسانی قوم کے سامنے ناچ رہا ہے۔

آج جو کجی جتنی زیادہ سبھی سمجھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی ساری زندگی میں خودی، اہنگ اور آپا دھابی بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ہر آدمی بڑے سے بڑا بننا چاہتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے۔ اور جیتنی تھپی سے ہو سکے اوپر بٹھنا چاہتا ہے۔ سب کسی نہ کسی روپ میں بھوگ بھلاش اور پشاپرستی کی طرف بڑھ چلے جا رہے ہیں۔ اسی کا نام ہم لوگوں نے "جیون کے سٹرنڈ کو اُچھا کرنا" (raising of the standard of life) رکھ رکھا ہے! پشاپرستی کے ساتھ نافرمانی کا چلنا لازمی ہے۔ ہم پہلے ایک لکھ میں سے ایک آدمی کے اندر اس کے چھ سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آجکل یہ چھ بڑے زور پر ہیں۔ یہ ہیں: — عیش پرستی، جنگ کی تیاریاں، پونجی دان، دوسروں کو تیرا کر رکھنا، سامراجیवाद، اور دوسروں کو چوس کر اپنے اپنے رشتہ کا دھن اور ہل بڑھانا۔ آجکل کی سبھی چیزیں کے ہر میدان میں، ویکٹی گت، سماجی، راشتریہ، گھریلو، مالی، آرتھک اور راجنیتک، سب پہلوؤں سے آئے بند کئے برہادی کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ الگ الگ دیش اپنے اپنے قومی قرضہ کو بے تحاشا بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ ہتھیاروں کے اٹبار لگ رہے ہیں اور ان میں ہوز جاری ہے۔ خرچ کو روکنے یا کم کرنے کا کسی کو دھیان تک نہیں ہے۔ آگے کی کسی کو پرواہ نہیں ہے کئی اپنی چوٹی سی زندگی سے آگے یا اپنی ناک کے سرے سے آگے تک دیکھنے کی چٹا نہیں کرتا۔ آجکل کی سرکاریں جس طرح چل رہی ہیں اُس طرح کوئی ویکٹی چلنا تو پاگل اور اتم ہتھارا کہا جاتا۔ دنیا کی بے گناہ جنتا کی اہمتر شکتی جیوں کی آرشہک وستونیں بنانے کی جگہ اور سب کو آرام پہونچانے والی چیزیں تیار کرنے کی جگہ ہوز سے لوگوں کو عیش آرام کے سامان تیار کرنے اور منورنجن کے گندے اور فحش سامان تیار کرنے، اور اُس سے ادھک زمینی، ساندی اور ہوائی لواظی کے دے سامان تیار کرنے میں لگی ہوئی ہیں جن کا ایک ماتر ادھیہہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی، اس کی مصنت، اُس کے مال اسباب اور ہال بچوں کو ملایا جائے۔

آج جو قوم جتنی زیادہ سبھی سمجھتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی ساری زندگی میں خودی، اہنگ اور آپا دھابی بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ہر آدمی بڑے سے بڑا بننا چاہتا ہے۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے۔ اور جیتنی تھپی سے ہو سکے اوپر بٹھنا چاہتا ہے۔ سب کسی نہ کسی روپ میں بھوگ بھلاش اور پشاپرستی کی طرف بڑھ چلے جا رہے ہیں۔ اسی کا نام ہم لوگوں نے "جیون کے سٹرنڈ کو اُچھا کرنا" (raising of the standard of life) رکھ رکھا ہے! پشاپرستی کے ساتھ نافرمانی کا چلنا لازمی ہے۔ ہم پہلے ایک لکھ میں سے ایک آدمی کے اندر اس کے چھ سب سے بڑے دشمن ہیں۔ آجکل یہ چھ بڑے زور پر ہیں۔ یہ ہیں: — عیش پرستی، جنگ کی تیاریاں، پونجی دان، دوسروں کو تیرا کر رکھنا، سامراجیवाद، اور دوسروں کو چوس کر اپنے اپنے رشتہ کا دھن اور ہل بڑھانا۔ آجکل کی سبھی چیزیں کے ہر میدان میں، ویکٹی گت، سماجی، راشتریہ، گھریلو، مالی، آرتھک اور راجنیتک، سب پہلوؤں سے آئے بند کئے برہادی کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ الگ الگ دیش اپنے اپنے قومی قرضہ کو بے تحاشا بڑھاتے چلے جا رہے ہیں۔ ہتھیاروں کے اٹبار لگ رہے ہیں اور ان میں ہوز جاری ہے۔ خرچ کو روکنے یا کم کرنے کا کسی کو دھیان تک نہیں ہے۔ آگے کی کسی کو پرواہ نہیں ہے کئی اپنی چوٹی سی زندگی سے آگے یا اپنی ناک کے سرے سے آگے تک دیکھنے کی چٹا نہیں کرتا۔ آجکل کی سرکاریں جس طرح چل رہی ہیں اُس طرح کوئی ویکٹی چلنا تو پاگل اور اتم ہتھارا کہا جاتا۔ دنیا کی بے گناہ جنتا کی اہمتر شکتی جیوں کی آرشہک وستونیں بنانے کی جگہ اور سب کو آرام پہونچانے والی چیزیں تیار کرنے کی جگہ ہوز سے لوگوں کو عیش آرام کے سامان تیار کرنے اور منورنجن کے گندے اور فحش سامان تیار کرنے، اور اُس سے ادھک زمینی، ساندی اور ہوائی لواظی کے دے سامان تیار کرنے میں لگی ہوئی ہیں جن کا ایک ماتر ادھیہہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی، اس کی مصنت، اُس کے مال اسباب اور ہال بچوں کو ملایا جائے۔

انہیں چیزوں کی رکشا کرنا، بڑھانا اور ترقی دینا سڑکوں کا کام تھا۔ اور سب سڑکاریں انہیں کو ملانے کی ترکیبیں میں لگی ہوئی ہیں۔ الگ الگ دیشوں کے دے شاسک، نیٹا اور راج نہتیکہ جو اپنے کو بہت ہوشیار اور 'ویاواہرک' سمجھتے ہیں آج اسی پائلین کی دور میں ایک دوسرے سے ہوز لگا رہے ہیں۔

آجکل کی سڑھتا نے جو کئی طرح کی دھوکے کی تھیاں
ہمارے سامنے کھڑی کردی ہیں، ان میں سے ایک سب سے
ادھک دھوکے کی اور شیطانی چیز یہی ”دواوہارکتا“ ہے ۔

ہم میں سے بہت سے اکثر اِس بات پر بحث کرتے رہتے ہیں کہ کیا چیز ویاہارک یعنی پریکٹیکل ہے اور کیا اوپاہارک یعنی اِمپریکٹیکل کے بل ہے ۔

جب دنیا میں دھرم کا زور تھا تو اکثر لوگ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ میرا دھرم ٹھیک اور دوسرے کا دھرم غلط۔ آج جب راجینی کا زور ہے تو اُسی طرح کے لوگ کہتے ہیں کہ مہری رائے، میرا سمجھاؤ اور مہری پوجنا ویارہارک اور دوسرے کی اوویارہارک یا کورا آندرشوان۔ مطلب یہ کہ جو مجھے ٹھیک چنچے وہ 'ویارہارک' (عملی) اور جو دوسرے کو ٹھیک چنچے وہ 'اوویارہارک' (غیر عملی)۔

بہت سی چیزیں جو پہلے کورا آدرشواد اور غیر عملی معلوم ہوتی تھیں اب عمل میں آگئیں۔ بھاپ، بجلی، ریڈیو، ہوائی جہاز، پن قبی، سوویت روس، چین، ستھاکرہ، ٹیلورزن، ایٹم بم اور ہائڈروجن بم اس کی چند مثالیں ہیں۔ پھر بھی ہمارا یہ 'ویاواہرکتا' کا بھوت قابو میں نہیں آتا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ آجکل کے ان چتر راجنیکوں اور نیکٹازوں کی اس ویاواہرکتا کے نتیجوں پر ہم ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں۔

پہلے دھرم ہی کو لہجئے۔ سچے دھرم سے نیکی، سداچار اور ایک دوسرے کے ساتھ ایمانداری کا ہر تڑپا پھدا ہونے چاہئیں تھے۔ اب لگ بھگ سب ”ترقی یافتہ“ قوموں کی زندگی سے دھرم قریب قریب مٹ چکا۔ سداچار مہیں گہرا ’انقلاب‘ پھدا ہو چکا ہے۔ ایک طرف قانونی عیاشی اور سوشلٹر پریم اور دوسری طرف آدم سنہم اور گڑھستہ یعنی کوٹمیک پریم، ان دونوں کے بیچ وہ سنگرام جاری ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی دوسرے کو متاثر رہیگا۔

اب راجنیتی کو لیجئے۔ دنیا کی پارلیمنٹیں اور قانون
سبائیں سوار تھی لوگوں اور گروہوں کی پہنچا تانی کے اٹھارے
ہی ہوئی ہیں۔ آپسی جھگڑے، سازشیں، ایک دوسرے کے
خلاف دھواں دھار تقریریں، سب اپنے اپنے گروہوں کے نام پر ہوتی
ہیں۔ سب کے ہاتھ کی سوچنے کا کہیں نام نہیں

دیکھاई دے گا۔ قانون آٹھ دن اس طرح کے بنائے رہے ہیں جن سے ایسی جگہ اور گروہوں کے بیچ ہو اور بڑے پہلے مہابدہ میں ہی ایک کروڑ سے اوپر آدمی مارے گئے اور لگ بھگ سات سو ارب روپے کے مال کا دنیا کا نقصان ہوا۔ بڑی بڑی قوموں پر قرضے کے بوجھ لگ گئے۔ کمزور اور غریب قومیں پڑوسیوں تک کے لئے دوسروں کے پہلے دھن رکھ دی گئیں۔ دوسرے مہابدہ میں اس سے کئی گنا ادھک پروبادی ہوئی اور آج تیسرے مہابدہ سے پہلے دنیا کی بڑی بڑی قوموں نے اپنے پنجنوں، اپنی چونچوں اور اپنے دانوں کو اتنا پھینا کر لیا ہے اور لوہ لالچ 'ایک دوسرے پر اوشاؤس' گھنٹ اور نفرتوں کا بازار اتنا گرم ہو گیا ہے کہ سب کو تر ہونے لگا ہے کہ اگلے مہابدہ کے بعد کوئی بھی بچیکا یا نہیں۔ یہ ہے ہماری "دبا دھارک" راجنیتی !

اب اوتھ شاستر کو لیجئے۔ ہم ایمانداری سے دیکھیں تو دنیا کی ادھکتر قومیں آج دیوالیہ ہو چکیں یا تیزی سے دیوالیہ پن کی طرف جا رہی ہیں۔ بے کاروں کی تعداد بیس کروڑ سے اوپر تک پہنچ چکی ہے۔ بے کاروں سے پنچ گنے دے ہیں جو ایک دوسرے کی پروبادی کے کاموں میں لگے ہیں۔ پرانے اصول ہے—"ایمانداری سب سے اچھی پالسی ہے" اور "ادھار دیا پار کرو تو قرضہ ادا کرنے کے لئے روپیہ پہلے پاس رکھ لو۔" اب ایسی باتیں 'اویا دھارک' سمجھی جاتی ہیں۔ اب اصول ہے—"اندر جمع ہو یا نہ ہو، ہوائی ساکھ پر دیا پار بڑھانے چلو۔" یہ اصول 'ویا دھارک' مانا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس اربوں گروہوں روپیہ کو جو غلط کاریوں پر خرچ کیا جاتا ہے سمجھ کے ساتھ سب کے پہلے کے لئے خرچ کیا جاوے اور دنیا بھر کے بے کاروں کو دھرتی کے اُن بڑے بڑے حصوں پر جہاں ہرے بھرے کھیت اور خوشحال آبادیاں کھڑی کی جاسکتی ہیں جیسے کناڈا، آسٹریلیا، دکھن امریکہ، افریقہ میں لیجا کر بسایا جاوے تو اس طرح کی بات سمجھانے والا 'اویا دھارک' اور 'کورہ آدرشاؤسی' سمجھا جاتا ہے۔

اب گھریلو جھڑپوں کو لیجئے۔ پچھم کے بہت سے بڑے شہروں میں سال میں جتنی شادیاں ہوتی ہیں اُس سے آدھے سے ادھک طلاق ہوتے ہیں۔ شادی اور طلاق کے بیچ کا سمنے جگہ جگہ کچھ برسوں سے گھٹتے گھٹتے کچھ مہینے اور اب کچھ ہفتے رہ گیا ہے۔ کرے کرالے اور اولاد پیدا نہ کرنے کی دواؤں کا کپلے عام پرچار ہوتا ہے۔ یہ ہے ہمارے سدچار میں انقلاب ! آبادی بھر بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور کسی بیچنا کے ساتھ لوگوں کو جگہ بہ جگہ لیجا کر ہسالتے کے بجائے روٹی کے لئے کھینچاتالی اور جنگوں کی سنبھلونا بڑھتی جا رہی ہے، غیر

اب اوتھ شاستر کو لیجئے۔ ہم ایمانداری سے دیکھیں تو دنیا کی ادھکتر قومیں آج دیوالیہ ہو چکیں یا تیزی سے دیوالیہ پن کی طرف جا رہی ہیں۔ بے کاروں کی تعداد بیس کروڑ سے اوپر تک پہنچ چکی ہے۔ بے کاروں سے پنچ گنے دے ہیں جو ایک دوسرے کی پروبادی کے کاموں میں لگے ہیں۔ پرانے اصول ہے—"ایمانداری سب سے اچھی پالسی ہے" اور "ادھار دیا پار کرو تو قرضہ ادا کرنے کے لئے روپیہ پہلے پاس رکھ لو۔" اب ایسی باتیں 'اویا دھارک' سمجھی جاتی ہیں۔ اب اصول ہے—"اندر جمع ہو یا نہ ہو، ہوائی ساکھ پر دیا پار بڑھانے چلو۔" یہ اصول 'ویا دھارک' مانا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس اربوں گروہوں روپیہ کو جو غلط کاریوں پر خرچ کیا جاتا ہے سمجھ کے ساتھ سب کے پہلے کے لئے خرچ کیا جاوے اور دنیا بھر کے بے کاروں کو دھرتی کے اُن بڑے بڑے حصوں پر جہاں ہرے بھرے کھیت اور خوشحال آبادیاں کھڑی کی جاسکتی ہیں جیسے کناڈا، آسٹریلیا، دکھن امریکہ، افریقہ میں لیجا کر بسایا جاوے تو اس طرح کی بات سمجھانے والا 'اویا دھارک' اور 'کورہ آدرشاؤسی' سمجھا جاتا ہے۔

اب گھریلو جھڑپوں کو لیجئے۔ پچھم کے بہت سے بڑے شہروں میں سال میں جتنی شادیاں ہوتی ہیں اُس سے آدھے سے ادھک طلاق ہوتے ہیں۔ شادی اور طلاق کے بیچ کا سمنے جگہ جگہ کچھ برسوں سے گھٹتے گھٹتے کچھ مہینے اور اب کچھ ہفتے رہ گیا ہے۔ کرے کرالے اور اولاد پیدا نہ کرنے کی دواؤں کا کپلے عام پرچار ہوتا ہے۔ یہ ہے ہمارے سدچار میں انقلاب ! آبادی بھر بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور کسی بیچنا کے ساتھ لوگوں کو جگہ بہ جگہ لیجا کر ہسالتے کے بجائے روٹی کے لئے کھینچاتالی اور جنگوں کی سنبھلونا بڑھتی جا رہی ہے، غیر

اب گھریلو جھڑپوں کو لیجئے۔ پچھم کے بہت سے بڑے شہروں میں سال میں جتنی شادیاں ہوتی ہیں اُس سے آدھے سے ادھک طلاق ہوتے ہیں۔ شادی اور طلاق کے بیچ کا سمنے جگہ جگہ کچھ برسوں سے گھٹتے گھٹتے کچھ مہینے اور اب کچھ ہفتے رہ گیا ہے۔ کرے کرالے اور اولاد پیدا نہ کرنے کی دواؤں کا کپلے عام پرچار ہوتا ہے۔ یہ ہے ہمارے سدچار میں انقلاب ! آبادی بھر بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور کسی بیچنا کے ساتھ لوگوں کو جگہ بہ جگہ لیجا کر ہسالتے کے بجائے روٹی کے لئے کھینچاتالی اور جنگوں کی سنبھلونا بڑھتی جا رہی ہے، غیر

راہی دنیا سبھی میں بچوں کی پیدائش بے حد ہو گئی ہے۔
پانچوں اور گندی بیماریوں کے روگین کی گنتی دنیا بھر میں ہو رہی
ہے۔ بہت جگہ تو بچے ہی ان برائوں کو ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔
سجھ، سوچ وچار اور پیمائشیت کا کہیں پتہ نہیں۔ گھروں کے
اندر ”چندر دیکھ پندر پندر“ جیسی باتیں اب غیر عملی
مانی جاتی ہیں۔ کوئی یہ کہہ کہ الگ الگ راشنوں کا
انتظام اُسی طرح ہونا چاہئے جس طرح الگ الگ گھروں
کا، یعنی یہ کہ ایک حد کے اندر اور جہاں تک ہوسکے ہر
راشنز اپنی ضرورت کی چیزیں خود تیار کرے اور اپنے پھروں پر
کھڑا ہو، تو اس طرح کے سچے غیر عملی بتائے جاتے ہیں!

اب تعلیم کو لیجئے۔ پرانا اصول تھا ”سادہ زندگی بسر
کو اور اپنے وچاروں کو اُڑھنا رکھو۔“ اب کہا جاتا ہے ”اپنی
ضرورتوں کو بڑھانے جانا اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے سادہوں
کو بھی لگاتار بڑھانے جانا اُسی کا نام سہولیت ہے۔“ سائنس آج
نہی اور پروگرام کے راستے سے ہٹ کر لوگوں کی بری اچھاؤں
اور آپسی نفرتوں کو پورا کرنے کے لئے ایک گندے سادہوں کا
کام دے رہی ہے۔ گیسوں تیار کی جا رہی ہیں جنہیں ہوائی
جہاز سے ہر سارے لندن، نیویارک اور برلن جیسے شہروں کی کل
آبادی کو چند گھنٹوں کے اندر دم گھوٹ کر ختم کیا جا سکتا
ہے۔ چیر پھار کے تجربوں میں زندہ انسانی بچے اور بالغ مرد
عورت تک کام میں لئے جاتے رہے ہیں۔ اخباروں کا ادھنکار کام
رہ گیا ہے ایک بڑے پیمانے پر جھوٹا پروپیگنڈا جھوٹے اُستہار
اور جھٹکا کو سچی روشنی دینے کی جگہ انہیں پورا پورا دھوکا
دینا۔ پرانا اصول تھا کہ دنیا مل کر چلنے کے لئے ہے اور ایک
دوسرے کے لئے قربانیاں کرتے ہوئے ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔
یہ ”ویاوارک“ بات بتائی جاتی ہے۔ ویارک اصول اب
یہ بتا یا جاتا ہے کہ ہر آدمی کا جیون ایک لگانا ”سنگھش“
ہے جو جنٹوں کو مٹا سکے اتنا ہی اُس کا جیون سہل ہو گا۔
یہ ہے آج کل کی ”ویارک“!

کلا اور منورنجن میں آجکل کے بڑے شہروں کے رات کے
جیون پر جو کہا جا سکے وہ تو ہے۔ شراب، بدچلتی، دولت
کی چاٹ ہی جیون میں سکھ پیدا کرنے کے ایک ماتر سادہ
وہ گئے ہیں۔ نیتک یا آدھیانمک یعنی اخلاقی اور روحانی
سکھ کوئی چیز ہی نہیں رہی۔ قدرت کے ساتھ میل یا سپرک
کی تو ہمارے جیون میں کوئی جگہ ہی نہیں رہی۔

پچھم کی بڑی سے بڑی قومیں آج اُسی بات کو
سب سے زیادہ ”ویارک“ مانتی ہیں کہ دوسری کمزور
اور نردھن قوموں کو خود اپنے ہی یہاں کے کمزور
اور نردھن لوگوں کو جتنا ہو سکے چوس کر، اُنہک

کلا اور منورنجن میں آجکل کے بڑے شہروں کے رات
کے جیون پر جو کہا جا سکے وہ تو ہے۔ شراب،
بدچلتی، دولت کی چاٹ ہی جیون میں سکھ پیدا کرنے کے
ایک ماتر سادہ وہ گئے ہیں۔ نیتک یا آدھیانمک یعنی
اخلاقی اور روحانی سکھ کوئی چیز ہی نہیں رہی۔ قدرت
کے ساتھ میل یا سپرک کی تو ہمارے جیون میں کوئی
جگہ ہی نہیں رہی۔

پچھم کی بڑی سے بڑی قومیں آج اُسی بات کو
سب سے زیادہ ”ویارک“ مانتی ہیں کہ دوسری کمزور
اور نردھن قوموں کو خود اپنے ہی یہاں کے کمزور
اور نردھن لوگوں کو جتنا ہو سکے چوس کر، اُنہک

نیگاھ سے بھی چوس کر اور راجنیتک نگاہ سے بھی چوس کر اپنی "شاندار سہیتا" کو قائم رکھا جائے !

یہ سب گوراہیوں کے بل ایک ایسے व्यापک और वैज्ञानिक धर्म की मद्द سے और एक ऐसे समाज संगठन के जरिये ही दूर हो सकती हैं जो इस धरती की सारी मानव जाति को अपने अंदर समा सके.

दुनिया के राजनीतिज्ञों और नेताओं को चाहिये कि वे केवल 'राष्ट्रीय' या नेशनलिस्ट न होकर 'मानवीय' यानी ह्यूमेनिस्ट हों, और समाज संगठन की इस तरह की योजनाएँ तैयार करें और दुनिया के सामने रखें, जिनमें सबकी सब जरूरतें पूरी हो सकें और सबके दिलों को तसल्ली और संतोष मिल सके. लोग नारों और फ़िक्रों के चक्कर में न पड़कर मेल और सबके भले की बातें सोचें. पूरब और पच्छिम, एशिया और योरप आज एक दूसरे के काफी निकट आ गए हैं और आ रहे हैं. दोनों में कमजोरियाँ हैं. दोनों में गुण हैं. दुनिया के नेताओं का काम है कि दोनों की कमजोरियों को दूर करते हुए दोनों के गुणों को चमकावें और सबको सबके गुणों से फ़ायदा उठाने का मौका दें. पुराना पूरब और नया पच्छिम दोनों का आज गठबन्धन हो रहा है. क्रूरत दोनों का आज संगम चाहती है और पूरा पूरा संगम चाहती है. हमें अपनी योजनाओं और उनके अमल से यह साबित करना है कि क्रूरत ने पूरब और पच्छिम को निकट लाकर गलती नहीं की, और इनको निकट लाना शैतान का काम नहीं है बल्कि भलाई के फ़रिश्ते का काम है. यही इस समय दुनिया के सामने काम करने का है. यही व्यावहारिक बात है, अमली है बाक़ी सब और अमली.

रेल, जहाज़, हवाई जहाज़ इन सबने मिलकर बनावटी राजनैतिक सीमाओं का तोड़ दिया है. सब क़ौमों के अच्छे से अच्छे लोग समझ रहे हैं और कह रहे हैं कि हमें अब दुनिया भर के एक संगठन की आवश्यकता है जो हमें बरबादी से बचा सके. एच. जी. वैंल्स ने अपनी किताब "ए शार्ट हिस्ट्री आफ़ दी वर्ल्ड" में लिखा है कि—"पुराने डंग के अलग अलग बिलकुल खुदमुस्तार राष्ट्र अब नहीं चल सकते." दुनिया के नेक और अच्छे दिमाग़ किस तरह सोच रहे हैं इसकी एक मिसाल सन् 1933 के शिकागो के वर्ल्ड केलोशिप आफ़ फ़ेड्स के जलसे में ईसाई पादरी डा. डी. करटिस. डब्लू. रीज़ की तक्रार थी. उनके कुछ फ़िक्ररे हम नीचे देते हैं. उन्होंने कहा कि :—

"राजशाही, लोकशाही और कम्युनिस्ट तीनों तरह के देशों में एक बड़े पैमाने पर समाज का फिर से संगठन करने की योजना तैयार करने का विचार बढ़ता जा रहा है. लोग

نگاہ سے بھی چوس کر اور راجنیتک نگاہ سے بھی چوس کر اپنی "شاندار سہیتا" کو قائم رکھا جائے !

۔ یہ سب گوراہیوں کے بل ایک ایسے व्यापक और वैज्ञानिक धर्म की मद्द سے और एक ऐसे समाज संगठन के जरिये ही दूर हो सकती हैं जो इस धरती की सारी मानव जाति को अपने अंदर समा سके .

دنیا کے راج نیتکوں اور نیتاؤں کو چاہئے کہ وہ کیوں 'رائٹریہ' یا ٹیہنلسٹ نہ ہو کر 'مانویہ' یعنی 'ہیومینسٹ' ہوں اور سماج سنگٹوں کی اس طرح کی یوجنائیں تیار کریں اور دنیا کے سامنے رکھیں جن میں سب کی سب ضرورتیں پوری ہو سکیں اور سب کے دلوں کو تسلی اور سنتوش مل سکے . لوگ نعروں اور فقروں کے چکر میں نہ پڑ کر مہل اور سب کے بیلے کی باتیں سوچیں . یورپ اور پچھم ایشیا اور یورپ آج ایک دوسرے کے گئی نکٹ آگئے ہیں اور آ رہے ہیں . دونوں میں کمزوریاں ہیں . دونوں میں گن ہیں . دنیا کے نیتاؤں کا کام ہے کہ دونوں کی کمزوریوں کو دبر کرتے ہوئے دونوں کے گنوں کو چمکاو دیں اور سب کو سب کے گنوں سے دایہ اٹھانے کا موقع دیں . پرانا یورپ اور نیا پچھم دونوں کا آج گٹھ بندھن ہو رہا ہے . قدرت دونوں کا آج سنم چاہتی ہے اور پورا پورا سنم چاہتی ہے . ہمیں اپنی یوجنائوں اور اُن کے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ قدرت نے یورپ اور پچھم کو نکٹ لا کر غلطی نہیں کی اور اُن کو نکٹ لانا شیطان کا کام نہیں ہے بلکہ پہلی کے فرشتے کا کام ہے . یہی اس سنم دنیا کے سامنے کام کرنے کو ہے . یہی دیواردارک بات ہے 'علی ہے' باقی سب غیر علی .

ریل، جہاز، ہوائی جہاز ان سب نے مل کر بناوٹی راجنیتک سہاؤں کو توڑ دیا ہے . سب قوموں کے اچھے سے اچھے لوگ سمجھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اب دنیا بھر کے ایک سنگٹوں کی اوشیتا ہے جو ہمیں برہادی سے بچا سکے . ایچ. جی. وینس نے اپنی کتاب "اے شارٹ ہسٹری اب دی ورلڈ" میں لکھا ہے کہ—"پرانے تھنگ کے الگ الگ بالکل خرد مختار راشٹر اب نہیں چل سکتے." دنیا کے نیک اور اچھے دماغ کس طرح سوچ رہے ہیں اس کی ایک مثال سن 1933 کے شکاگو کے ورلڈ فیلو شپ آف فیتھس کے جلسہ میں عیسائی پادری ڈاکٹر ڈی کرٹس ڈیبلو . ریز کی تقریر تھی . اُن کے کچھ فقرے ہم نیچے دیتے ہیں . انہوں نے کہا کہ :—

"راج شعلی، لوک شاہی اور کمونسٹ فیملی طرح کے دیشوں میں ایک بڑے پیمانے پر سماج کا پھر سے سنگٹوں کرنے کی یوجنا تیار کرنے کا وچار بڑھتا جا رہا ہے . لوگ

اب دیر تک آگے دیکھ لے ہیں۔ اس کے بعد جاپان، جرمنی، فرانس، انگلینڈ، اٹلی، اسپین اور امریکا میں اس طرح کی کوششوں کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر ریڈ نے کہا کہ:—”اس میں شک نہیں کہ اشتراکیت یوجناؤں کے تیار کرنے میں روس کی یوجنا اور روس کی مثال سب سے ادھک چمکتی ہوئی ہے۔ یہ یوجنا ان وچاروں کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہے کہ کیا کیا چیزیں پیدا کی جاویں، کتنی پیدا کی جاویں، کب اور کہاں پیدا کی جاویں، کتنی پیدا کی جاویں... اس میں کوئی اشچر ج کی بات نہیں کہ روس بدھت آگے بڑھ رہا ہے۔ روس کا فلسفہ اجتماعی نیترن کا فلسفہ ہے یعنی سماج پر قابو اور سماج کا اپنے اوپر قابو۔ روس کی یوجنا ایک ویاپک یوجنا ہے۔ اس میں ہر تحصیل کی طرف دھیان دیا گیا ہے۔ اس لئے روس کی کامیابی میں ایک بھگ کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا بھی بڑھا کر بات کرنا نہ ہوگا کہ روس میں جس طرح کی یوجنا بنائی جا رہی ہیں ان کا رنگ دھنگ اور ان کا مقصد دھارمک (Religious) ہے۔“ آگے چل کر ڈاکٹر ریڈ نے کہا ہے کہ:—”سماج کا مقصد ایک ایسا سماج قائم کرنا ہے جن میں ایک الگ الگ اونچی نیچی جماعتیں نہ ہوں (a classless society)۔ یہ مقصد جب ساری دنیا کے لئے لایا جائے تو ایک جماعتوں کے بیچ کے سنگھرش کے زورے پن کے سامنے یہ کہیں ادھک شکتی شالی چیز ہوگا۔“

جہاں تک امیر اور غریب اور جنم سے جات پات کا سوال ہے وہاں تک یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہمیں ایک ایسا سماج بنانا ہے جس میں اس طرح کی جماعتوں کا فرق بالکل ہی نہ رہے۔ پر دنیا میں سب جگہ چار طرح کے آدمی ہیں: ایک چار طرح کے قدرتی شوق اور ان کی چار طرح کی اہلیاں ہوا پر رہنے کی، کچھ ودیا پریمی، کچھ حکومت پریمی، کچھ دھن پریمی اور کچھ کیول سدا پریمی۔ اس فرق کو ہی نہ سمجھ پانا اس سمنہ کے روسی تجربے کی ایک ماتر ہے۔ اس کے کارن غلطیاں بھی ہو رہی ہیں۔ اس لئے لٹ چھانٹ بھی کرنی پڑ رہی ہے۔ پر خوشی کی بات ہے کہ اس بڑے تجربے کی ساری پالیسی میں سدھار اور تبدیلیاں ہی ہوتی جا رہی ہیں۔

دُنیا کے اذھیاپکوں کا فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اُنڈے کی نسلوں کو سمجھائیں۔

اب دیر تک آگے دیکھ لے ہیں۔ اس کے بعد جاپان، جرمنی، فرانس، انگلینڈ، اٹلی، اسپین اور امریکا میں اس طرح کی کوششوں کو بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر ریڈ نے کہا کہ:—”اس میں شک نہیں کہ اشتراکیت یوجناؤں کے تیار کرنے میں روس کی یوجنا اور روس کی مثال سب سے ادھک چمکتی ہوئی ہے۔ یہ یوجنا ان وچاروں کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہے کہ کیا کیا چیزیں پیدا کی جاویں، کتنی پیدا کی جاویں، کب اور کہاں پیدا کی جاویں، کتنی پیدا کی جاویں... اس میں کوئی اشچر ج کی بات نہیں کہ روس بدھت آگے بڑھ رہا ہے۔ روس کا فلسفہ اجتماعی نیترن کا فلسفہ ہے یعنی سماج پر قابو اور سماج کا اپنے اوپر قابو۔ روس کی یوجنا ایک ویاپک یوجنا ہے۔ اس میں ہر تحصیل کی طرف دھیان دیا گیا ہے۔ اس لئے روس کی کامیابی میں ایک بھگ کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ یہ کہنا بھی بڑھا کر بات کرنا نہ ہوگا کہ روس میں جس طرح کی یوجنا بنائی جا رہی ہیں ان کا رنگ دھنگ اور ان کا مقصد دھارمک (Religious) ہے۔“ آگے چل کر ڈاکٹر ریڈ نے کہا ہے کہ:—”سماج کا مقصد ایک ایسا سماج قائم کرنا ہے جن میں ایک الگ الگ اونچی نیچی جماعتیں نہ ہوں (a classless society)۔ یہ مقصد جب ساری دنیا کے لئے لایا جائے تو ایک جماعتوں کے بیچ کے سنگھرش کے زورے پن کے سامنے یہ کہیں ادھک شکتی شالی چیز ہوگا۔“

جہاں تک امیر اور غریب اور جنم سے جات پات کا سوال ہے وہاں تک یہ بالکل ٹھیک ہے کہ ہمیں ایک ایسا سماج بنانا ہے جس میں اس طرح کی جماعتوں کا فرق بالکل ہی نہ رہے۔ پر دنیا میں سب جگہ چار طرح کے آدمی ہیں: ایک چار طرح کے قدرتی شوق اور ان کی چار طرح کی اہلیاں ہوا پر رہنے کی، کچھ ودیا پریمی، کچھ حکومت پریمی، کچھ دھن پریمی اور کچھ کیول سدا پریمی۔ اس فرق کو ہی نہ سمجھ پانا اس سمنہ کے روسی تجربے کی ایک ماتر ہے۔ اس کے کارن غلطیاں بھی ہو رہی ہیں۔ اس لئے لٹ چھانٹ بھی کرنی پڑ رہی ہے۔ پر خوشی کی بات ہے کہ اس بڑے تجربے کی ساری پالیسی میں سدھار اور تبدیلیاں ہی ہوتی جا رہی ہیں۔

دُنیا کے اذھیاپکوں کا فرض ہے کہ ان سب چیزوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھیں اور اُنڈے کی نسلوں کو سمجھائیں۔

اکبری راج کے اصول

اکبر کی تاریخ میں بہت سے بڑے راجے ہوئے ہیں

ڈاکٹر تاراچند

ڈاکٹر تارا چند

یہ تو دنیا کی تاریخ میں بہت سے بڑے راجے ہوئے ہیں جنہوں نے قوموں کے جھڑپوں پر اپنا سکہ جمایا ہے۔ کسی نے لڑائیوں میں دیشوں کو جیت کر بڑے سامراج قائم کیے؛ کسی نے پرچا کی پھٹی کے کلمے اور دھن دولت کو بڑھایا؛ کسی نے گلوں کو ترقی دی؛ سلطنت عمارتیں بنوائیں؛ نہریں اور ٹالاب کھدوائیں؛ نگر بسائے؛ کسی نے سرکاری سنگتوں کو سدھارا؛ راجہ اور پرچا کے سیندھوں کو مضبوط کیا؛ نیائے کی نہر پر راج کا مندر کھرا کیا؛ اور کسی نے لوگوں میں دھرم کا پرچار کیا؛ اس لوک کے ساتھ پرلوک کے ہمت کو سدھارا؛ میل جول اور پریم کے رشتوں کو بڑھایا اور آدمیوں کے چلن پر کھرا اثر ڈالا۔ یہ راجہ بڑے ہی دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے ان سب انکوں میں کام کر دکھایا ہو۔ ان بڑے راجاؤں میں اکبر کا نام سب سے اونچی پامت میں رکھنے کے قابل ہے۔

اکبر کے کاموں کا دھورا لے تو مالاوم ہوتا ہے کہ وہ سب انہوں سے پورا تھا۔ جس وقت اُس کے باپ کی موت ہوئی اُس کی عمر تیرہ برس کی تھی اور سوائے پنجاب کے کچھ ضلعوں اور دھلی کے سارا ہندستان غیروں کے ہاتھ میں تھا۔ اکبر چاروں طرف دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ادھت بل اور کھشل سے سب بھریوں کو ہرایا اور ہمالیہ سے سیڑھا تک سارے دیش پر مثل راج قائم کیا۔ وہ لڑائی میں جس تیزی اور بھاری سے کام کرتا تھا اُسے دیکھ کر اچنبا ہوتا ہے۔ اُس کے دھاروں کی ایسی دھاک تھی کہ دشمن اُس کے نام سے دھلتے تھے۔ اُس کی جنگی قابلیت کی سب سے بڑی مثالیں 1581 کی بغاوت کا دھانا اور سرحدی صوبوں کا جیتنا ہے۔ یہ وہ سال تھا جب اکبر کی دھرم نیکی سے کٹر مسلمانوں میں بڑی ہلچل پھیلی تھی۔ انہوں نے اُس کے بھائی محمد حکیم کو جو کابل میں حاکم تھا آکسایا؛ آدھر ملا محمد یزدی نے جو جونپور کا قاضی تھا بادشاہ کے خلاف فتوے دے دیا اور بغاوت کو دھرم کے انوکھل ٹھہرایا۔ ہنگال اور بھار کے انیسروں نے اکبر کے حکموں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس آرمے وقت میں جب بھر کی آگ چاروں طرف بھڑک رہی تھی اور بہت سے مسلمانوں کے دلہن میں راج کے لئے دھما پيدا ہو گئی تھی اکبر نے

اکبر کے کاموں کا دھورا لے تو مالاوم ہوتا ہے کہ وہ سب انہوں سے پورا تھا۔ جس وقت اُس کے باپ کی موت ہوئی اُس کی عمر تیرہ برس کی تھی اور سوائے پنجاب کے کچھ ضلعوں اور دھلی کے سارا ہندستان غیروں کے ہاتھ میں تھا۔ اکبر چاروں طرف دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے ادھت بل اور کھشل سے سب بھریوں کو ہرایا اور ہمالیہ سے سیڑھا تک سارے دیش پر مثل راج قائم کیا۔ وہ لڑائی میں جس تیزی اور بھاری سے کام کرتا تھا اُسے دیکھ کر اچنبا ہوتا ہے۔ اُس کے دھاروں کی ایسی دھاک تھی کہ دشمن اُس کے نام سے دھلتے تھے۔ اُس کی جنگی قابلیت کی سب سے بڑی مثالیں 1581 کی بغاوت کا دھانا اور سرحدی صوبوں کا جیتنا ہے۔ یہ وہ سال تھا جب اکبر کی دھرم نیکی سے کٹر مسلمانوں میں بڑی ہلچل پھیلی تھی۔ انہوں نے اُس کے بھائی محمد حکیم کو جو کابل میں حاکم تھا آکسایا؛ آدھر ملا محمد یزدی نے جو جونپور کا قاضی تھا بادشاہ کے خلاف فتوے دے دیا اور بغاوت کو دھرم کے انوکھل ٹھہرایا۔ ہنگال اور بھار کے انیسروں نے اکبر کے حکموں کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس آرمے وقت میں جب بھر کی آگ چاروں طرف بھڑک رہی تھی اور بہت سے مسلمانوں کے دلہن میں راج کے لئے دھما پيدا ہو گئی تھی اکبر نے

تجربہ اور حوصلہ سے کام لیا۔ کیونکہ وہی دنوں
ٹنڈا ہوا، دُشمنوں کو پناہ مانگنی پڑی اور
ان کا کام ہو گیا۔

کتنے کے آٹھ برس بعد اکبر نے ہندوستان
میں—کاشمیر، افغانستان، سندھ، بلوچستان—پر اس خیال
سے قبضہ کرنے کی تہائی کہ ان کے پرے مدینہ ایسے
گروہوں کا زور بڑھ رہا تھا۔ تازہ کے پلکے کی طرح اپنی فوجوں
کو پھیلانے اس نے ایسے دیوہ کی رچنا کی کہ کچھ ہی دنوں
میں سب ملکوں کو اپنے راج میں ملا لیا اور ہندستان کو
پوری حلقہ کرنے والوں کے منصوبوں سے بچایا۔

مستعدی اور شور بورتا کی مثالیں سے اُس کا جیون بھرا ہوا
ہے۔ ان میں بہت سی باتوں کے کچلنے کے سبب 1572
میں ایک کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اکبر نے 1572
میں گجرات کا صوبہ جیتا اور وہاں اپنا صوبیدار مقرر کیا۔
جب وہ لوٹ کر آگئے آیا تو صوبیدار نے خبر دی کہ اکبر کے
دُشمنوں نے بلوہ چھا رکھا ہے اور صوبہ کے امن کو بگاڑ دیا
ہے۔ اکبر نے خبر پانے ہی تیاری شروع کی اور 28 اگست
1573 کے دن آگئے سے کوچ کر دیا۔ ایک ایک دن میں اُرنٹ
اور گھوڑے کی سواری سے پچاس پچاس میل کا سفر طے کیا اور
چھ سو میل کا راستہ نو دن میں پورا کر احمد آباد آدھکا۔
اُس کے ساتھ کل 3000 سواروں کی فوج تھی اور دُشمنوں کی
تعداد 20,000 سے زیادہ تھی۔ ساہواری کے کڈارے اُپری نقارے
کی آواز گونجتی تو دُشمنوں کو ہڑا اُچھڑا ہوا۔ اُن کے متحبروں
نے خبر دی تھی کہ دس روز پہلے اکبر فتح پور سیکری میں
آرام کرتا تھا، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنی جلدی گجرات پہنچ
جائے! نہ شاہی ہاتھی نظر آتے تھے، نہ خیمے اور تھلکتیں۔
پر کانوں کی ساکشی بھی چھوٹ نہیں ہو سکتی تھی۔ ابھی
دُشمن اچنبھے سے سنبھلے نہ تھے کہ اکبر نے لکڑا۔ نہ دُشمن کی
تعداد کا وچار کیا، نہ اپنے صوبیدار کی کمک کے آئے کا۔ بڑھکر
گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور اپنا اُس پار جا پہنچا۔
دُشمنوں کی صفوں پر خونخوار شور کی طبع دھاوا کیا۔ انہیں
چھوٹا پھاڑتا بڑھا اور اُن کے سردار کو پکڑ لیا۔ دوسری فوج جو
گھات میں لگی تھی اب اُس پر ٹوٹ پڑی۔ پر اُس کے سوتھی
قر سے ایسے بوکھلے کہ اکبر کے سواروں نے انہیں کے ترکشوں میں
سے تھو نکلے اور اُن پر ہراسہ۔ اِس فوج کا سردار بھی بھاگ
گیا اور باغیوں کا خانہ ہو گیا۔

پر اکبر بہادر سپاہی، جوشیلہ و جیتا اور بدھیمان
سپاہی ہی نہیں تھا جس نے ایک وصال سامراج
کی نیو تالی، اُس نے پوجا کی پٹائی کی بہت سی

عالمیہ پہلے کی، ہندوستان کوئی پرانہ ملک ہے۔ اکبر نے زمین کے بندوبست کے لیے ڈیڑھ لاکھ سال کی مدد سے ایسی سرکاری زمینیں کی کہ کاشتکاروں پر سختی نہ ہو اور سرکاری مالکداری بھی آسانی سے وصول ہو جائے۔ اسے آبادی بڑھانے اور کوئی بھی ملک کی سدا لگاتار رہتی تھی۔ اس کے زمانے میں دستکاری میں خوب ترقی ہوئی، اس کے کارخانوں میں اچھے سے اچھے کاریگر رہتے تھے اور وہ کلاہنتوں کے گھرانوں کا بڑا گاہک تھا۔ ہندوستان کے بننے والے ملک کی ساری دنیا میں قدر ہوتی تھی۔ ایشیا اور یورپ کے سبھی دیہاتوں سے دیہاتی تجارت کے لئے آتے تھے۔ ہندوستانی سیتہ اور ساہوکار دنیا کے لکھنویوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ درود، گہی اور اناج کی اتنی بھرتیاں تھیں کہ اس زمانے میں جتنے یاتری یورپ سے یہاں آئے سبھی نے ان کے سستروں کی گواہی دی ہے۔ اسی سے رعایا سبھی اور خوشحال تھی۔

اکبر کو سرکاری انتظام کے معاملوں میں جیسی سوجہ بوجہ تھی اس کا اندازہ اس کے فوجی اور دیوانی سنگتوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ سنگتیں اکبر کے وقت میں قائم ہوئے تھیں اور قریب پورے چار سو برس پہلے پر اس کی روپ ریکھا بنی ہے۔ انگریزوں کو اس وقت کا گہمزد ہے کہ ان کی قوم نے ریاستی انتظام میں دنیا کو راہ دکھائی ہے۔ پر انہوں نے بھی ہندوستان میں اکبری بلحاظوں پر ہی اپنی حکومت کی عمارت کھڑی کی۔ جیسا تھانچہ کل ہند صوبوں اور سرکاروں کی حکومت کا اس وقت بنا تھا اسی کی نقل تھوڑے بڑے درجہ میں آج بھی دکھائی دیتی ہے۔ اکبر کے منصبداری سنگتوں کی جگہ سول سروس نے لی ہے، فرق اتنا ہی ہے کہ آج فوجی اور دیوانی کام بالکل الگ کر دیئے گئے ہیں، اس زمانے میں وہ ملے تھے اور ایک ہی افسر کے اختیار میں تھے۔ جس طرح بادشاہ اور اس کے وزیر سارے دیہی کی دیکھ بھال کرتے تھے اسی طرح وائسرائے اور اس کی انتظامی کونسل (ایگزیکوٹو کونسل) ملک پر حکومت کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں اکبر کی حکومت کو آجکل کی حکومت پر ترجیح تھی۔ اکبر اور اس کے وزیر ہندوستانی تھے۔ اکبر نے کئی بار ہندوؤں کو سب سے اونچے عہدوں پر نہایت کیا۔ انگریزی راج کے قیام سے سو برس پہلے پر بھی ہندوؤں نے انگریزوں کے ہی ہاتھ میں رہی۔ انگریز نے خود ہندوستانی ہندوؤں نے انہوں نے ہندوستانیوں کو اپنا اور نہ اپنے برابر مانا۔

اگر 'کلا'، 'سنگت'، 'کوہتا'، 'سائنس اور فلسفے کی طرف دھیان دیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے ان کی ایسی دل کھل کر سیوا کی اور ان کا ایسی ادارنا کے ساتھ پالنے پر مشن کیا کہ ہر طرف انوکھی ترقی، ہر فن میں عجیب گہمزدی دکھائی دینے لگی۔ چتر کا میں اس نے

تجربوں میں۔ ہندوستان کوئی پرانہ ملک ہے۔ اکبر نے زمین کے بندوبست کے لیے ڈیڑھ لاکھ سال کی مدد سے ایسی سرکاری زمینیں کی کہ کاشتکاروں پر سختی نہ ہو اور سرکاری مالکداری بھی آسانی سے وصول ہو جائے۔ اسے آبادی بڑھانے اور کوئی بھی ملک کی سدا لگاتار رہتی تھی۔ اس کے زمانے میں دستکاری میں اچھے سے اچھے کاریگر رہتے تھے اور وہ کلاہنتوں کے گھرانوں کا بڑا گاہک تھا۔ ہندوستان کے بننے والے ملک کی ساری دنیا میں قدر ہوتی تھی۔ ایشیا اور یورپ کے سبھی دیہاتوں سے دیہاتی تجارت کے لئے آتے تھے۔ ہندوستانی سیتہ اور ساہوکار دنیا کے لکھنویوں کا مقابلہ کرتے تھے۔ درود، گہی اور اناج کی اتنی بھرتیاں تھیں کہ اس زمانے میں جتنے یاتری یورپ سے یہاں آئے سبھی نے ان کے سستروں کی گواہی دی ہے۔ اسی سے رعایا سبھی اور خوشحال تھی۔

اکبر کو سرکاری انتظام کے معاملوں میں جیسی سوجہ بوجہ تھی اس کا اندازہ اس کے فوجی اور دیوانی سنگتوں سے ہو سکتا ہے۔ یہ سنگتیں اکبر کے وقت میں قائم ہوئے تھیں اور قریب پورے چار سو برس پہلے پر اس کی روپ ریکھا بنی ہے۔ انگریزوں کو اس وقت کا گہمزد ہے کہ ان کی قوم نے ریاستی انتظام میں دنیا کو راہ دکھائی ہے۔ پر انہوں نے بھی ہندوستان میں اکبری بلحاظوں پر ہی اپنی حکومت کی عمارت کھڑی کی۔ جیسا تھانچہ کل ہند صوبوں اور سرکاروں کی حکومت کا اس وقت بنا تھا اسی کی نقل تھوڑے بڑے درجہ میں آج بھی دکھائی دیتی ہے۔ اکبر کے منصبداری سنگتوں کی جگہ سول سروس نے لی ہے، فرق اتنا ہی ہے کہ آج فوجی اور دیوانی کام بالکل الگ کر دیئے گئے ہیں، اس زمانے میں وہ ملے تھے اور ایک ہی افسر کے اختیار میں تھے۔ جس طرح بادشاہ اور اس کے وزیر سارے دیہی کی دیکھ بھال کرتے تھے اسی طرح وائسرائے اور اس کی انتظامی کونسل (ایگزیکوٹو کونسل) ملک پر حکومت کرتے تھے۔ ایک ہاتھ میں اکبر کی حکومت کو آجکل کی حکومت پر ترجیح تھی۔ اکبر اور اس کے وزیر ہندوستانی تھے۔ اکبر نے کئی بار ہندوؤں کو سب سے اونچے عہدوں پر نہایت کیا۔ انگریزی راج کے قیام سے سو برس پہلے پر بھی ہندوؤں نے انگریزوں کے ہی ہاتھ میں رہی۔ انگریز نے خود ہندوستانی ہندوؤں نے انہوں نے ہندوستانیوں کو اپنا اور نہ اپنے برابر مانا۔

اگر 'کلا'، 'سنگت'، 'کوہتا'، 'سائنس اور فلسفے کی طرف دھیان دیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے ان کی ایسی دل کھل کر سیوا کی اور ان کا ایسی ادارنا کے ساتھ پالنے پر مشن کیا کہ ہر طرف انوکھی ترقی، ہر فن میں عجیب گہمزدی دکھائی دینے لگی۔ چتر کا میں اس نے

ایک نئے رنگ کی ایجاد کی جس میں ایرانی اور ہندو طرز کو ایسے سمجھا کہ ایک نیا اور انوکھا رنگ پیدا ہو گیا۔ بہزاد اور اجنٹا کو ایک سانچے میں ڈھال کر ہندوستانی قلم کا خوبصورت طرز پیدا کیا۔ اس طرز کے استاد خواجہ عبدالصمد شہر میں قلم دسوتے اور ہزاروں تھے۔ عبارت کی نگاہیں بھی بات پیدا کی۔ اسلامی اور ہندو طریقوں کو اس خوبی سے ملا کر ایک نیا شاندار طرز بن گیا۔ فتح پور سیکری میں اس طرح کی عمارتوں کے نمونے آج بھی اکبر کے خوبصورتی کے سونے کے نشان دکھاتے ہیں۔ سنگت میں تان سین اور بابا ہریداس کے نام اکبری دربار کی یاد سدا زندہ رکھیں گے۔ ادب کے میدان میں ان میں ’جہدہ نگاہ‘ اٹھا کر دیکھئے اکبر کے فیض کی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ ’سورداں‘ ’ہریداس‘ ’گنگ بہت‘ ’نرہری‘ ’پرمانند‘ ’مادھو‘ ’رحیم‘ ’ہرج بہاشا کے کوئی‘ ’وٹیل‘ ’کرشن داس‘ ’گنگا دھر‘ ’نرسنگھ‘ ’بھانو چند‘ ’سدھ چند‘ ’ناراین بہت‘ ’نیل کنگھ‘ ’کالہداس‘ ’سنسکرت کے ودوان اس کے آشرئے میں رہتے تھے۔ فارسی کے شاعر‘ ’تاریخ داس‘ ’نجمی‘ ’ادیب‘ ’فلسفی بڑی تعداد میں انعام اکرام اور تنخواہیں پاتے تھے۔ ہندو مسلمانوں میں میل جول پیدا کرنے کے لئے بادشاہ نے سنسکرت کی پستکوں کے فارسی میں ترجمہ کروائے۔ اس سلسلہ میں ’انہرو وید‘ ’مہا بھارت‘ ’ہری ونش‘ ’بھگود گیتا‘ ’راماین‘ ’یوگ ویشٹ‘ ’بھاگوت‘ ’وشنو پوران‘ وغیرہ کے ترجمہ ہوئے۔ ابولفضل نے مہا بھارت کے ترجمہ کے دیباچے میں اس نہتی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:—

”جوں بہ دریانت کامل خود نزع فرایق ملت متحدی و یہود و ہنود را بہشت یافت و انکار یک دیگر از اندازہ معلوم شد“ خاطر نمکندوں براں قرار یافت کہ کترب معتبر طائفین بہ زبان متخالف ترجمہ کردہ آید تا ہندو فریق بہ برکت انفساں قدسہ حضرت اہل الزمانی از طاعت و انعام برآمدہ جوئے حق شوند“ و ہر محاسن و عیوب یک دیگر اطلاع یافتہ در اصلاح احوال خود مساعی جمیلہ نمایند۔“

ارتہات—”پوری طرح سے چھان بین کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان، یہودی اور ہندو دھرم کے لوگوں میں بہت جھگڑے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی باتوں کو بہت زیادہ اُلٹتے ہیں تو بادشاہ نے، جو ان ممالکوں کو سب سمجھتے ہیں‘ دل میں یہ نتیجہ نکالا کہ ان سپرداہوں کی خوشامی دوستوں کا ایک دوسرے کی بھلائی میں ترجمہ کرایا جائے تاکہ سب دلوں کے لوگ بادشاہ کی مہربانی کی وجہ سے جھگڑے اور لڑائی سے ہٹ کر سچ کی تلاش میں لگیں اور ایک دوسرے کے دھرم کی اچائیوں اور برائیوں کو جان کر اپنی حالت کے سدھارنے میں پوری پوری کوشش کریں۔“

ایک نئے رنگ کی ایجاد کی جس میں ایرانی اور ہندو طرز کو ایسے سمجھا کہ ایک نیا اور انوکھا رنگ پیدا ہو گیا۔ بہزاد اور اجنٹا کو ایک سانچے میں ڈھال کر ہندوستانی قلم کا خوبصورت طرز پیدا کیا۔ اس طرز کے استاد خواجہ عبدالصمد شہر میں قلم دسوتے اور ہزاروں تھے۔ عبارت کی نگاہیں بھی بات پیدا کی۔ اسلامی اور ہندو طریقوں کو اس خوبی سے ملا کر ایک نیا شاندار طرز بن گیا۔ فتح پور سیکری میں اس طرح کی عمارتوں کے نمونے آج بھی اکبر کے خوبصورتی کے سونے کے نشان دکھاتے ہیں۔ سنگت میں تان سین اور بابا ہریداس کے نام اکبری دربار کی یاد سدا زندہ رکھیں گے۔ ادب کے میدان میں ان میں ’جہدہ نگاہ‘ اٹھا کر دیکھئے اکبر کے فیض کی تصویریں سامنے آتی ہیں۔ ’سورداں‘ ’ہریداس‘ ’گنگ بہت‘ ’نرہری‘ ’پرمانند‘ ’مادھو‘ ’رحیم‘ ’ہرج بہاشا کے کوئی‘ ’وٹیل‘ ’کرشن داس‘ ’گنگا دھر‘ ’نرسنگھ‘ ’بھانو چند‘ ’سدھ چند‘ ’ناراین بہت‘ ’نیل کنگھ‘ ’کالہداس‘ ’سنسکرت کے ودوان اس کے آشرئے میں رہتے تھے۔ فارسی کے شاعر‘ ’تاریخ داس‘ ’نجمی‘ ’ادیب‘ ’فلسفی بڑی تعداد میں انعام اکرام اور تنخواہیں پاتے تھے۔ ہندو مسلمانوں میں میل جول پیدا کرنے کے لئے بادشاہ نے سنسکرت کی پستکوں کے فارسی میں ترجمہ کروائے۔ اس سلسلہ میں ’انہرو وید‘ ’مہا بھارت‘ ’ہری ونش‘ ’بھگود گیتا‘ ’راماین‘ ’یوگ ویشٹ‘ ’بھاگوت‘ ’وشنو پوران‘ وغیرہ کے ترجمہ ہوئے۔ ابولفضل نے مہا بھارت کے ترجمہ کے دیباچے میں اس نہتی کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:—

”جوں بہ دریانت کامل خود نزع فرایق ملت متحدی و یہود و ہنود را بہشت یافت و انکار یک دیگر از اندازہ معلوم شد“ خاطر نمکندوں براں قرار یافت کہ کترب معتبر طائفین بہ زبان متخالف ترجمہ کردہ آید تا ہندو فریق بہ برکت انفساں قدسہ حضرت اہل الزمانی از طاعت و انعام برآمدہ جوئے حق شوند“ و ہر محاسن و عیوب یک دیگر اطلاع یافتہ در اصلاح احوال خود مساعی جمیلہ نمایند۔“

ارتہات—”پوری طرح سے چھان بین کرنے پر جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان، یہودی اور ہندو دھرم کے لوگوں میں بہت جھگڑے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی باتوں کو بہت زیادہ اُلٹتے ہیں تو بادشاہ نے، جو ان ممالکوں کو سب سمجھتے ہیں‘ دل میں یہ نتیجہ نکالا کہ ان سپرداہوں کی خوشامی دوستوں کا ایک دوسرے کی بھلائی میں ترجمہ کرایا جائے تاکہ سب دلوں کے لوگ بادشاہ کی مہربانی کی وجہ سے جھگڑے اور لڑائی سے ہٹ کر سچ کی تلاش میں لگیں اور ایک دوسرے کے دھرم کی اچائیوں اور برائیوں کو جان کر اپنی حالت کے سدھارنے میں پوری پوری کوشش کریں۔“

اکبر نے دھرم کے پھروں کا انت کرنے کے لیے ہی اس نیتی کا سہارا لیا جسے صلح کل (ایکے) شانتی) کا نام دیا گیا۔ اس کے دل میں سب دھرموں کے لئے آہ تھا۔ وہ رات رات بھر جہنم، ہندو شہروں، عیسائیوں کے پلڑوں سے دھرم کی بات چیت کرتا تھا، سچ کی کہج میں لگا رہتا تھا۔ پر اس کا میں صرف کہج کرنے والے و دیارتھی کا سانس تھا۔ وہ ایک انہی آدمی تھا جس کی آتما پر دم جھوٹی کے درشلوں کی ہوئی تھی۔ اسے اس نقش میں کلمہابی ہی ہوئی اور اس نے دیکھ لیا کہ باہری آدمیوں کی انہی کاؤں کے ہر ایک تہہ جو سب میں ایکسا جھلکتا ہے اور سب دھرموں کے ماننے والے اپنی اپنی ریت سے اس کی ہی کہج کرتے ہیں۔ اس اصول پر پہنچ کر اکبر نے ایک سمپرڈائے کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد توحیدانی (ایشر کی ایکتا) کا پھیلانا تھا۔ اسے دین الہی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ کوئی نیا دھرم نہیں تھا۔ دھرموں کی ایکتا ہی اس کا اصلی سدھانت تھا۔

غرض یہ کہ سماج کے جیون کا کوئی پہلو نہ تھا جس پر اکبر نے گہرا اثر نہ ڈالا ہو۔ اسی سبب سے اس کا پایہ دنیا کے بڑے بادشاہوں میں اونچا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے راج کے اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کسی راج کے بنیادی اصولوں کو جاننے کے لئے چاہئے کہ راج اور سماج کا مطلب اور سمبندھ سمجھ لیا جائے۔ سماج سے معمولی طور پر آدمیوں کے ایک گروہ سے مطلب لیا جاتا ہے۔ گروہ بنا کر رہنا آدمی کا سہارا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ضرورتیں بنا گروہ بندی کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ آدمی کا نجی جھون، کھانا پینا، سنتان اور اس کی رکشا بنا آپس کی مدد کے ممکن نہیں۔ پھر آدمی بھاڑ اور پوریتوں کا پٹا ہے۔ ان کے پورا کرنے میں ہی اس کی زندگی کی سہلता ہے۔ سلسار کی دستوں میں اسے اپنی طرف کھینچتی ہیں، اور انہیں اپنانے کے لئے وہ ان کے پیچھے دڑتا ہے۔ گرمی، برسات اور ٹھنڈ سے بچنا، اس سے رہنا، خطرے سے گھبرانا اسے گھر بنانے پر مجبور کرتے ہیں۔ آدمی سوہاڑ سے لڑاکا، سامسی، آگے چلنے والا ہے۔ اسی سے فوجیں بناتا ہے، شکار کھیلتا ہے، دنیا کے جنگل پہاڑوں کو کھوندتا ہے اور لوگوں کا نیٹا بنتا ہے۔ ایک طرف اس میں گہنڈ، مان، دکھاوا ہے تو دوسری طرف ہندگی، بے چارگی، وٹہ۔ کبھی کبھی دھن کو شان شوکت میں دھوئیں کی طرح اڑانا ہے اور کبھی لکر اور ہستی سے منہ موز نرجن جنگلوں میں عمر بٹانا ہے۔ بھوک، پیاس، بدن کا دکھاؤ، اولاد یہ ایسی ضرورتیں ہیں جن کے پورا نہ بنا اس کا جیلا دیر ہے۔

رارخ یہ کہ سماج کے جیون کا کوئی پہلو نہ تھا جس پر اکبر نے گہرا اثر نہ ڈالا ہو۔ اسی سبب سے اس کا پایہ دنیا کے بڑے بادشاہوں میں اونچا ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے راج کے اصولوں کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ کسی راج کے بنیادی اصولوں کو جاننے کے لئے چاہئے کہ راج اور سماج کا مطلب اور سمبندھ سمجھ لیا جائے۔ سماج سے معمولی طور پر آدمیوں کے ایک گروہ سے مطلب لیا جاتا ہے۔ گروہ بنا کر رہنا آدمی کا سہارا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی ضرورتیں بنا گروہ بندی کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ آدمی کا نجی جھون، کھانا پینا، سنتان اور اس کی رکشا بنا آپس کی مدد کے ممکن نہیں۔ پھر آدمی بھاڑ اور پوریتوں کا پٹا ہے۔ ان کے پورا کرنے میں ہی اس کی زندگی کی سہلता ہے۔ سلسار کی دستوں میں اسے اپنی طرف کھینچتی ہیں، اور انہیں اپنانے کے لئے وہ ان کے پیچھے دڑتا ہے۔ گرمی، برسات اور ٹھنڈ سے بچنا، اس سے رہنا، خطرے سے گھبرانا اسے گھر بنانے پر مجبور کرتے ہیں۔ آدمی سوہاڑ سے لڑاکا، سامسی، آگے چلنے والا ہے۔ اسی سے فوجیں بناتا ہے، شکار کھیلتا ہے، دنیا کے جنگل پہاڑوں کو کھوندتا ہے اور لوگوں کا نیٹا بنتا ہے۔ ایک طرف اس میں گہنڈ، مان، دکھاوا ہے تو دوسری طرف ہندگی، بے چارگی، وٹہ۔ کبھی کبھی دھن کو شان شوکت میں دھوئیں کی طرح اڑانا ہے اور کبھی لکر اور ہستی سے منہ موز نرجن جنگلوں میں عمر بٹانا ہے۔ بھوک، پیاس، بدن کا دکھاؤ، اولاد یہ ایسی ضرورتیں ہیں جن کے پورا نہ بنا اس کا جیلا دیر ہے۔

पर आदमी निरा-आश का बन्दा नहीं है, उसमें अन्नल, बुद्धि, समझ की रोशनी है जो उसे जानवरों से अलग करता है। उसके सब काम कुदरत के कानूनों के साथ-साथ अन्नल के कानूनों के मातहत हैं। उसे भूक लगती है तो वह जानवरों की तरह अपना पेट भर कर खुश नहीं होता। उसे गर्मी या ठंड सताती है तो वह पानी में बैठकर या खोदों में छुपकर अपनी जरूरतों को पूरा नहीं करता। खादियों के पूरा करने में वह वक्त्र का गुलाम नहीं, वह दूर की बात सोचता है, आगा पीछा देखकर नतीजों पर गौर करने के बाद कार्यवाई करता है। बुद्धि उसकी प्रवृत्तियों को एक सूत में बाँधने और उनमें जाबता क्रायम करने की तरफ मुकाती है। यही वजह है कि वह अपने और दूसरों के क्रायदों को मिलाकर ऊँचे आदर्श बनाता है और उन्हें हासिल करने के जतन करता रहता है।

जिस एक गिरोह के जरिये से आदमी अपनी जिन्दगी की इन जरूरतों को एकसां आदर्शों को सामने रखते हुए पूरा करते हैं उसी को समाज कहते हैं। समाज की असलियत उसकी एकता में है। जब तक वह एकता क्रायम है समाज जिन्दा है। समाज टूट कर छोटे टुकड़ों में बँट गया या दूसरे समाजों से मिल गया तो उससे नया समाज पैदा होगा और उसके असली निजी जीवन का अन्त हो जायगा। अपने जीवन की यात्रा पूरी करने के लिए समाज को क्रायदे क़ानूनों की जरूरत होती है। रीति रिवाज और धर्म बनाने इतते हैं। क़ानूनों को ब्यौहार में लाने के लिए राज बनते हैं। जब समाज के अपने बनाए क़ानूनों का राज पालन करता है तो उसे स्वराज कहते हैं, लेकिन जब राज ऐसे क़ानून चलाता है जो समाज ने नहीं बनाए हैं तो वह राज परराज और वह समाज पराधीन समाज कहलाते हैं।

हमारा हिन्दुस्तान एक महान देश है जिसका बड़ा भारी विस्तार है, यह बहुत पुराने ज़माने से अनेक समाजों का घर रहा है, पर इसके इतिहास में जो खासियत साफ़ तौर पर झलकती है वह अनेकताओं को मिटा कर एकता की तरफ़ बढ़ने का मुकाब है। हमारे देश में समय समय पर बहुत सी नसलों के गिरोह आए जो फ़िर्कों और बंशों में बँटे हुए थे, पहले आर्यों की कई शाखें आईं जो देश के अलग अलग हिस्सों में बसीं, उसके अलग अलग राज कायम हुए, आर्यों के दो बंश मराहूर थे, सूर्य वंश और चन्द्र वंश, फिर इनकी शाखों का नाम चला जैसे चन्द्र वंशियों के यदु, तुर्वस, द्रत्यु, अनु पुरु, सूर्य वंशियों में कोशलियों की चर्चा सबसे ज्यादा हुई, इस पुराने वक्त में इन नामों से अलग अलग गिरोह समझे जाते थे, इन गिरोहों को जन कहते थे, बाद में जिन देशों में यह जन बसे उनके नाम पर राज्य कायम हुए और यह जनपद कहलाए, जिस वक्त गौतम बुद्ध ने

یہ اُنھی نرا بھاؤ کا بلند نہیں ہے۔ اُس میں عقل، ہمدی،
سمجھ کی روشنی ہے جو اُسے جانوروں سے علیحدہ کرتی ہے۔
اُس کے سب کلم قدرت کے قانونوں کے ساتھ ساتھ عقل کے
قانونوں کے ماتحت ہیں۔ اُسے بھوک لگتی ہے تو وہ جانوروں
کی طرح اپنا پیٹ بھر کر خوش نہیں ہوتا۔ اُسے گرمی یا
ٹھنڈ سہتی ہے تو وہ پانی میں بیٹھ کر یا کبھوں میں چھپ
کر اپنی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا۔ خواہشوں کے پورا کرنے
میں وہ وقت کا غلام نہیں، وہ دور کی بات سوچتا ہے، آگاہ پیچھا
دیکھ کر نتیجوں پر غور کرنے کے بعد کارروائی کرتا ہے۔ ہمدی
اُس کی پرورتوں کو ایک سوت میں باندھنے اور اُن میں
ضابطہ قائم کرنے کی طرف جھکانی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ
اپنے اور دوسروں کے فائدوں کو ملا کر اولیٰچے آدرش بناتا ہے اور
انہیں حاصل کرنے کے جتن کرتا رہتا ہے۔

جس ایک گروہ کے ذریعہ سے آدمی اپنی زندگی کی ان ضرورتوں کو ایکساں آدرشوں کو سامنے رکھتے ہوئے پورا کرتے ہیں اسی کو سماج کہتے ہیں۔ سماج کی اصلیت اُس کی ایکتا میں ہے۔ جب تک وہ ایکتا قائم ہے سماج زندہ ہے۔ سماج قوت کر چھوٹے تکتوں میں بٹ کر گیا یا دوسرے سماجوں سے مل گیا تو اُس سے نیا سماج پیدا ہوگا اور اُس کے اصلی نجی جہوں کا انت ہو جائیگا۔ اپنے جہوں کی پورا پوری کرنے کے لئے سماج کو فائدے قانونوں کی ضرورت ہوتی ہے، ریتی رواج اور دھرم بنائے پڑتے ہیں۔ قانونوں کو بھوہار میں لانے کے لئے راج بنئے ہیں۔ جب سماج کے اپنے بنائے قانونوں کا راج پالن کرتا ہے تو اسے سراج کہتے ہیں، لیکن جب راج ایسے قانون چلانا ہے جو سماج نے نہیں بنائے ہیں تو وہ راج پوراج اور وہ سماج پراندھین سماج کہلاتے ہیں۔

ہمارا ہندستان ایک مہان دیہی ہے جس کا بڑا بھاری
 وستر ہے۔ یہ بہت پرانے زمانے سے انہیک سماجوں کا گھر رہا ہے۔
 پر اس کے انہاس میں جو خاصیت صاف طور پر جھلکتی ہے
 وہ انہیعتاؤں کو متاثر ایکتا کی طرف بڑھنے کا جھکاؤ ہے۔ عمارے
 دیہی میں سہ سے پر بہت سی نسلوں کے گروہ آئے جو
 فرقوں اور بھشوں میں بٹتے ہوئے تھے۔ پہلے آریوں کی کئی
 شاخیں آئیں جو دیہی کے الگ الگ حصوں میں بسیں۔
 اُس کے الگ الگ راجے قائم ہوئے۔ آریوں کے دو ونش مشہور
 تھے، سوریه ونش اور چندر ونش، پھر اُن کی شاخوں کا نام چلا
 چھ سے چندر ونشوں کے بدو، تروس، درتھو، الو، پرو۔ سوریه
 ونشوں میں کوشلوں کی چرچا سب سے زیادہ ہوئی۔
 اِس پرانے وقت میں اِن ناموں سے الگ الگ گروہ
 سمجھے جاتے تھے۔ اِن گروہوں کو جن کہتے تھے۔ بعد
 میں جن دیہیوں میں یہ جن ہسے اُن کے نام پر راجہ
 قائم ہوئے اور یہ جن پد کہلائے۔ جس وقت گوتم بدھ نے

اپنے ذہن کا پرچار کیا۔ اُتری ہندستان میں سولہ مہان جن پد تھے۔ موریتہ وئس کے بادشاہوں نے انہیں ایک چتر کی پھلپا کے نیچے جمع کیا اور ایک بڑا سامراج قائم کیا۔ یہ ہندستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ قریب کل ہند ایک رشتے میں بندھا۔

موریتوں کی طاقت گہتی تو ہندستان پر پچھم اُتر سے نئے حملے ہوئے لگے۔ شک اور کشن جانتوں نے دیس میں قہرا جمایا۔ ان جانتوں کو ہندستانی ہٹاکر دیس نے ایک نئے سامراج کو جنم دیا۔ اس کے بنانے والے سمندر کھت اور چندر کھت تھے۔ کھت وئس کے سنہرے یگ کی عمارت میل کی بنیاد پر رکھی گئی۔ کھتوں کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں ہٹوں 'گرچروں' جاٹوں اور اور بانٹوں نے ہمارے دیس میں پیر رہا۔ ان کے آئے سے بڑی آہل پتیل مچی۔ پرانے اور نئے سماجوں کا ایسا منہا ہوا کہ سہیٹا کے سبھی انگوں میں نیا پن آ گیا۔ ان نئے سماجوں کا وردھنوں اور راجپوت وئسوں نے راجپوت کے روپ میں سنگتہن کیا۔

جب راجپوتوں میں کمزوری آئی تو گیارہویں صدی سے ترکوں کے حملے شروع ہوئے اور تیرہویں صدی میں اسلامی راج کا جھنڈا دیس پر پھرا لیا گیا۔ اب تک جو لوگ ہندستان میں آئے تھے انہوں نے یہاں کے دھرم اور سہیٹا کو قبول کیا تھا۔ پر ترک اپنے ساتھ ایک زبردست دھرم اور انوکھی سہیٹا لائے اور انہوں نے دیس کے سامنے ایک نیا سوال کھڑا کر دیا۔ پر ہندستان کی آتما جو میل اور ایٹکا کے آصوں میں بسی تھی اس سوال سے گہرائی نہیں اور اُس نے انیکتا کو مٹانے اور ایکسانیت کو پھدا کرنے کا عمل شروع کر دیا۔

اگر کے زمانے تک اس عمل کا بہت کچھ اثر ہو چکا تھا۔ اکبر کا پرکھا قیمر 1398 میں ہندستان میں آیا تھا اور اُس نے بہانہ ہی یہ نکالا تھا کہ ہندستان کے مسلمان اپنے مذہب اور تہذیب سے دور چلے گئے تھے۔ اکبر کے باہا باہر نے ہندستان میں جو تہنگ دیکھا اُس کے بارے میں لکھا ہے :—

”ہندستان، یہ ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری بیلایات سے دور دنیا ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل، جانور، نباتات، آبادی، زبان، ہوا اور مینہ سب اور ہیں۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر بعض چیزوں میں ہندستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین، درخت، پتھر، قومیں، اور اُن کے راہ و رسم سب ہندستانی طریق کی۔“ (توک باہری)

اس ہندستانی طریق، ہندستانی چال وچال، یعنی رواج کو اکبر نے بڑی چترائی اور دوراندیشی سے پوچھا۔ اس نے اپنے راج کو اسی بنیادی اصول پر

اپنے دھرم کا پرچار کیا۔ اُتری ہندستان میں سولہ مہان جن پد تھے۔ موریتہ وئس کے بادشاہوں نے انہیں ایک چتر کی پھلپا کے نیچے جمع کیا اور ایک بڑا سامراج قائم کیا۔ یہ ہندستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ قریب کل ہند ایک رشتے میں بندھا۔

موریتوں کی طاقت گہتی تو ہندستان پر پچھم اُتر سے نئے حملے ہوئے لگے۔ شک اور کشن جانتوں نے دیس میں قہرا جمایا۔ ان جانتوں کو ہندستانی ہٹاکر دیس نے ایک نئے سامراج کو جنم دیا۔ اس کے بنانے والے سمندر کھت اور چندر کھت تھے۔ کھت وئس کے سنہرے یگ کی عمارت میل کی بنیاد پر رکھی گئی۔ کھتوں کے بعد پانچویں صدی عیسوی میں ہٹوں 'گرچروں' جاٹوں اور اور بانٹوں نے ہمارے دیس میں پیر رہا۔ ان کے آئے سے بڑی آہل پتیل مچی۔ پرانے اور نئے سماجوں کا ایسا منہا ہوا کہ سہیٹا کے سبھی انگوں میں نیا پن آ گیا۔ ان نئے سماجوں کا وردھنوں اور راجپوت وئسوں نے راجپوت کے روپ میں سنگتہن کیا۔

جب راجپوتوں میں کمزوری آئی تو گیارہویں صدی سے ترکوں کے حملے شروع ہوئے اور تیرہویں صدی میں اسلامی راج کا جھنڈا دیس پر پھرا لیا گیا۔ اب تک جو لوگ ہندستان میں آئے تھے انہوں نے یہاں کے دھرم اور سہیٹا کو قبول کیا تھا۔ پر ترک اپنے ساتھ ایک زبردست دھرم اور انوکھی سہیٹا لائے اور انہوں نے دیس کے سامنے ایک نیا سوال کھڑا کر دیا۔ پر ہندستان کی آتما جو میل اور ایٹکا کے آصوں میں بسی تھی اس سوال سے گہرائی نہیں اور اُس نے انیکتا کو مٹانے اور ایکسانیت کو پھدا کرنے کا عمل شروع کر دیا۔

اکبر کے زمانے تک اس عمل کا بہت کچھ اثر ہو چکا تھا۔ اکبر کا پرکھا قیمر 1398 میں ہندستان میں آیا تھا اور اُس نے بہانہ ہی یہ نکالا تھا کہ ہندستان کے مسلمان اپنے مذہب اور تہذیب سے دور چلے گئے تھے۔ اکبر کے باہا باہر نے ہندستان میں جو تہنگ دیکھا اُس کے بارے میں لکھا ہے :—

”ہندستان، یہ ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری بیلایات سے دور دنیا ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل، جانور، نباتات، آدمی، زبان، ہوا اور مینہ سب اور ہیں۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر بعض چیزوں میں ہندستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے، مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین، درخت، پتھر، قومیں، اور اُن کے راہ و رسم سب ہندستانی طریق کی۔“ (توک باہری)

اس ہندستانی طریق، ہندستانی چال وچال، یعنی رواج کو اکبر نے بڑی چترائی اور دوراندیشی سے پوچھا۔ اس نے اپنے راج کو اسی بنیادی اصول پر

ہایم کیا کہ جانتیں اور دھرموں کے آپس کے جھگڑے سے
جانتیں اور ہندوستانی میں ہندوستانی کا بول چال ہو۔ اگر کے
وچاروں اور آدشوں کو اُس کے مسجددار وزیر ابوالفضل نے ان
لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔ یہ لفظ کشمیر کے ایک مندر کی
دیوار پر کھدوانے لگے تھے۔

ایلی بہر خانہ کہ می نگر جو پائے تو اند و بہر زبانی
می شلم گویانہ تو۔

کفر و اسلام در رھت پویان
وحدۃ لشریک لا گویان۔

اگر مسجد دیست بہ یاد تو نعرۂ قدوس می زند، و اگر
کلیساست بہ شوق تو ناقوس می چلند۔
گہہ معتکف دیرم و گہہ ساکن مسجد
یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بہ خانہ۔
اگر خاصا ترا بہ کفر و اسلام کارے نیست، این ہر دو را
درپردۂ اسلام تو ہارے نہ۔

کفر کا فر را و دیں دیندار را
گردۂ وردی دل عطار را۔

ایں خانہ بہ نہت اتفاق قلوب موحدان ہندوستان و
خصوصاً معبود پرستان عرصۂ کشمیر تعمیر یافتہ۔
ارتھات۔ ”ہے ایشور جس گھر کو دیکھتا ہوں اُس میں تیرے
تھونڈھنے والے ہیں، اور جس بیٹا کو سنتا ہوں اُس میں تیرا
ہی چر چا ہے۔ کفر (دیوتاؤں کا پوجن) اور اسلام تیرے ہی
راستے پر دوڑتے ہیں اور کہتے ہیں ”تو ایک ہے، تیرا کوئی سا جہی
نہیں“۔ مسجد ہے تو اُس میں تیری یاد میں دھرم کے نعرے
لگاتے ہیں اور گرجا ہے تو تیرے ہی پریم میں گھنٹے بجاتے
ہیں۔

”کبھی میں مندر میں بیٹھ کر دھیان کرتا ہوں، کبھی
مسجد میں۔ یعنی کہ تجھے ہی ہر گھر میں تھونڈھتا ہوں۔
جو تیرے چنے لوگ ہیں انہیں نہ کفر اور نہ اسلام سے کام
ہے، کیونکہ ان دونوں کے لئے تیری قبولیت کے پردے میں
کچھ نہیں ہے۔

”کفر کا فر کے لئے اور دین دیندار کے لئے ہے، پر گندھی
(عطر بیچنے والے) کے دل کے لئے تو گلاب کے پھول کی بج
ہی چاہئے۔

”یہ مندر ہندوستان کے ادویتوا دیوں کے دلوں کو ملانے کے
لئے اور خاص طور پر کشمیر دھس کے پجاریوں کے لئے بنایا
گیا۔“

ہندوستان کے اتھاس کے منجیلے کال میں ادویتوا کا آدرش
دونوں ہندو اور مسلموں کو ایکساں طریقے سے پسند تھا، اور
دونوں بھکتی کے راستے اس آدرش تک پہونچنے
کی کوشش میں لگے رھتے تھے۔ ان کی سبھتا میں اسی
آدرش کی شکتی کام کر رھی تھی۔ اسی سے ان کی کلا

ہندوستان کے ہتھاس کے منجیلے کال میں ادویتوا کا آدرش
دونوں ہندو اور مسلموں کو ایکساں طریقے سے پسند تھا، اور
دونوں بھکتی کے راستے اس آدرش تک پہونچنے
کی کوشش میں لگے رھتے تھے۔ ان کی سبھتا میں اسی
آدرش کی شکتی کام کر رھی تھی۔ اسی سے ان کی کلا

ہندوستان کے ہتھاس کے منجیلے کال میں ادویتوا کا آدرش
دونوں ہندو اور مسلموں کو ایکساں طریقے سے پسند تھا، اور
دونوں بھکتی کے راستے اس آدرش تک پہونچنے
کی کوشش میں لگے رھتے تھے۔ ان کی سبھتا میں اسی
آدرش کی شکتی کام کر رھی تھی۔ اسی سے ان کی کلا

کھینکا، آدھ میں یکساںیت آا गई थी. समाज और राज के संगठन में भी इसी आवर्श की प्रेरणा दिखाई देती है.

यह सच है कि मँकले काल में कुल हिन्दू एक समाज के रिश्तों में नहीं बँध सका, सारे हिन्दुस्तानी एक जत्थे के अन्दर नहीं समा सके. इसीलिये एक क्रौम या राष्ट्र का जन्म नहीं हुआ. लेकिन यह मानना पड़ेगा कि हिन्दुस्तान ने इस भंगिल की तरफ बढ़ने की पूरी कोशिश की. मुसलमानों के हिन्दुस्तान में आने के वक्त हिन्दुस्तान अनेक वंशों, सम्प्रदायों, जातियों, कबीलों, रजवाड़ों, राजों में बँटा हुआ था. मुसलमानी साम्राज कायम होने की वजह से इस तक्रसीम में कुछ कमी हुई. हिन्दू समाज के संगठन का मुसलमानों पर असर पड़ा और उनका संगठन एक हद तक हिन्दू ढाँचे की नक़ल बना. अगर हिन्दुओं में देश, जाति, धन्धे, दौलत, मत, राजनीति के विचारों से अलग-अलग सम्प्रदाय, फ़िर्के और गिरोह थे तो ऐसा ही हाल मुसलमानों का भी था. राजपूत, मराठा, द्राविड़, ब्राह्मण, क्षत्री, वैश्य, शूद्र और इनकी अनेक शाखें; सुनार, लुहार, केवट, कायस्थ; शैव, वैष्णव, शक में हिन्दू बँटे थे तो ईरानी, ख़ुरासानी, पठान; दकनी हिन्दुस्तानी, जुलाहे, क़साई, हज़ाम, सुन्नी, शिआ मुसलमानों में थे. दौलत और रुतबे के लिहाज़ से हिन्दुओं में ब्राह्मण, क्षत्री, सेठ, साहूकार और कायस्थ ऊँचे दर्जे में समझे जाते थे और जातें जो दस्तकारी, धन्धे, मजदूरी में लगी थीं वह नीचे दर्जे में थीं. इसी तरह मुसलमानों में शरीफ़ और रज़ील की तक्रसीम थी.

आईने अकबरी में समाज के संगठन पर बहस की है. समाज को एक पुरुष (शख्स) के समान माना है. जिस तरह दुनिया चार तत्वों से मिलकर बनती है यानी आग, पानी, हवा और मिट्टी से उसी तरह इस दुनिया को बसाने वाला आदमी (पुरुष, शख्स) चार तत्वों का पुतला है. आदमियों का गिरोह जिसे समाज कहते हैं और जो आदमी के समान है वह भी चार तत्वों पर निर्भर करता है. इसीलिये इसमें चार तरह के आदमी हाते हैं. मुबारिज़ (लड़ाके) जो समाज में आग के समान हैं, पेशेवर (काम धन्धे वाले) जो हवा के समान हैं. अहले क़लम (पढ़ने लिखने वाले) जो पानी से समानता रखते हैं. बर्ज़ागर या क़शावर्ज़ (बेतिहर) जिनका मिट्टी से मिलान किया जा सकता है. इन्हीं चारों पर समाज के जीवन का सहारा है. इन्हीं से समाज को बल और सुख का लाभ होता है. इन्हीं चारों तत्वों के समान गिरोहों के तानेबाने से समाज का कपड़ा बुना जाता है और इनके मेल से अनेक एक में तब्दील होता है. यह चार गिरोह दो जमाअतों में रखे जा सकते हैं. अज़ाफ़ (ऊँचे) जिनमें पहले सैफ़ (तलवार चलाने वाले) शामिल हैं और अख़लाफ़ (नीचे) जिनमें पेशेवर और

लेफ़ा, ادب میں ایکساںیت آگئی تھی. سماج اور آج کے سنگتوں میں بھی اسی آدھ کی پرہرنا دکھائی دیتی ہے.

یہ سچ ہے کہ منجھلے کال میں کل ہند ایک سماج کے ہشتوں میں نہیں بندھ سکا، سارے ہندستانی ایک جگہ کے اندر نہیں سما سکے. اسی لئے ایک قوم یا راشٹر کا جنم نہیں ہوا. لیکن یہ ماننا پڑیگا کہ ہندستان نے اس منزل کی طرف بڑھنے کی پوری کوشش کی. مسلمانوں کے ہندستان میں آنے کے وقت ہندستان اٹھک ونشوں، سپرداویں، جاتھوں، قبیلوں، رجواروں، راجوں میں بٹا ہوا تھا. مسلمانوں کے سامراج قائم ہونے کی وجہ سے اس تقسیم میں کچھ کمی ہوئی. ہندو سماج کے سنگتوں کا مسلمانوں پر اثر پڑا اور ان کا سنگتوں ایک حد تک ہندو تہذیب کی نقل بنا. اگر ہندوؤں میں دیہی، جاتی، دھندے، دولت، مت، راج نہیتی کے وچاروں سے الگ الگ سپردانے، رتبے اور گروہ تھے تو ایسا ہی حال مسلمانوں کا بھی تھا. راجپوت، مراٹھا، درواز، براہمن، چھتری، ویشیہ، شودر اور ان کی انیک شاخیں؛ سونار، لہار، کیوت، کایستہ، شہو، ویشنو، شک میں ہندو ہتھے تھے تو ایرانی، خراسانی پٹھان، دکنی ہندستانی، چلائے، قصابی، حجّام، سنّی، شیعه مسلمانوں میں تھے. دولت اور رتبہ کے لحاظ سے ہندوؤں میں براہمن، چھتری، سیٹھ، ساہوکار اور کایستہ اونچے درجے میں سمجھے جاتے تھے اور ذابین جو دستکاری، دھندے مزدوری میں لگی تھیں وہ نیچے درجے میں تھیں. اسی طرح مسلمانوں میں شریف اور رذیل کی تقسیم تھی.

انہیں اکبری میں سماج کے سنگتوں پر بحث کی ہے. سماج کو ایک پڑھ (شخص) کے سمان مانا ہے. جس طرح دنیا چار تھوں سے ملکر بنتی ہے یعنی آگ، پانی، ہوا اور مٹی سے اسی طرح اس دنیا کو بسالے والا آدمی (پڑھ، شخص) چار تھوں کا پٹلا ہے. آدمیوں کا گروہ جسے سماج کہتے ہیں اور جو آدمی کے سمان ہے وہ بھی چار تھوں پر نرہر کرتا ہے. اسی لئے اس میں چار طرح کے آدمی ہوتے ہیں. مبارز (لڑاکے) جو سماج میں آگ کے سمان ہیں، پیشہور (کلم لھندے والے) جو ہوا کے سمان ہیں. اہل قلم (پڑھنے لکھنے والے) جو پانی سے سمانا رکھتے ہیں. ہرزہ گر یا کھاورز (کھپتھر) جن کا مٹی سے ملن کیا جاسکتا ہے. انہیں چاروں پر سماج کے جیوں کا سہارا ہے. انہیں سے سماج کو بل اور سکھ کا لہر ہوتا ہے. انہیں چاروں تھوں کے سمان گروہوں کے تالے ہالے سے سماج کا کپڑا بنا جاتا ہے اور ان کے مہل سے اٹھک ایک بن تبدیل ہوتا ہے. یہ چار گروہ دو جماعتوں میں رکھے جاسکتے ہیں. اشراف (اونچے) جن میں اہل صیغ (تلاور چلائے والے) شامل ہیں اور اسفہ (نیچے) جن میں پیشہور اور

موجودہ کھیتوں شامل ہیں۔ راج کا یہی حکم ہے کہ ان چاروں کا پلوٹا برابر رکھے اور ہر ایک کو اپنے کرتوبہ، جنگہ اور سرہادا سے ملنے نہ دے۔

سباغ کی جس ایکتا کا آدھ کی اکبر کی آنکھوں کے سامنے
 تھا اس کا حال تو انہی اکبر کی آنکھوں کے پڑنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پڑ
 ہوئی تھی کہ اس کا تہراؤ راج کے ساتھیوں کے آسرے پر ہے۔ اس
 نے اکبر راج کے سدھانتوں پر دھیان دینا ضروری ہے۔
 یہ سدھانت نہ تو اسلامی راج تھی سے آدھار لئے گئے تھے
 نہ ہندو راج تھی سے نقل کئے گئے تھے۔ بلکہ دونوں راج تھیں
 سے چنے گئے تھے۔

ہندو راجنیتی کے اصول ہندو جہوں کے اصولوں پر قائم تھے۔ اور ہندو آدمی کے جہوں کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں بٹاتا ہوا انہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک جہوں ایک ایسا پورا اور اثوث دیا پار ہے جس کے فکڑے نہیں ہوسکتے۔ اسی کی مثال یہ ہے کہ جس طرح آدمی اسی وقت تک آدمی ہے جب تک اُس کے سب انگ ایک ساتھ چترے ہوئے ہیں، اور اگر انگ بھنگ ہو جائیں تو آدمی کا انت ہو جاتا ہے۔ جہوں کے دو مقصد ہیں—ایک دنیاوی، ایک دینی۔ دنیاوی کی تین قسمیں ہیں—کلم، ارتھ، دھرم۔ دینی کی ایک سموکھ۔ پہلے تین درجوں کو حاصل کرنے سے اِس دنیا کا بھلا ہوتا ہے، اُپر دھرم ملتا ہے۔ دوسرے سے آدمی سدا کے لئے دکھوں سے چھوٹ جاتا ہے، پر دم آند لایا کرتا ہے۔

دنیاوی فائدوں یا آرتھوں کی تین قسمیں ہماری تولکی زندگی کے ساتھ بندھی ہیں۔ ہماری پہلی ضرورت وٹش کو قائم رکھنا، دوسری ضرورت شوہر کا پالن اور تیسری سماج کی رکشا ہے۔ کام، آرتھ اور دھرم کا تریورگ انہیں ضرورتوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔ یہ ضرورتیں بنا شانتی اور سنگتھن کے پوری نہیں ہوسکتیں۔ شانتی اور سنگتھن کے لئے راج کی طقت چاہئے۔ اُسی طاقت کو ہندو راج نہتی میں دنت کہا گیا ہے۔ دنت شاستر نیتی شاستر، آرتھ شاستر اور سماج شاستر کا میل جول ہے۔

راجہ دند کو دھارن کرتا ہے اسی لئے اُس کی ستا سب سے بھاری ہے۔ مہلبھارت اور دوسری راج نہتی کی پستکوں میں راجہ کو فردیو کہا گیا ہے۔ راجہ کی دیو وشنو کا اسمگان ہے اُس لئے راجہ پوجنے قابل ہے۔ منو سنگھتا میں لکھا ہے کہ پوہیا نے راجہ کو آتہ دیوتاؤں کے انشوں سے ملاکر بنایا۔ اُس لئے اُس میں اندر، مروت، یم، سورپہ، اگنی، ورون، چندر اور کیو کی شکتی ہے۔

راجہ کا عہدہ دیوتاؤں کے برابر ہے کیونکہ وہ دیوی
شکتی کا سہیلی ہے۔ راج کے کاموں کو تو جھپوں میں
پالنا کیا ہے۔ دنگھال اور دنگھلہ۔ لوک پالن میں
تیرہویں کی پڑوسی کے ساتھ اس کو مہلا کوٹھا تھا یا

राजा का ओहवा देवताओं के बराबर है क्योंकि वह
 वैसी शक्ति का स्वामी है. राज के कामों को दो हिस्सों में
 बांटा गया है—विष्णुल और विम्बिजय. लोकपालन में
 त्रिवर्ग की प्राप्ति के साधनों को सुझा करना, न्याय या

ہندوؤں، شامل ہیں۔ دینویجی سے متعلق ہے کہ راج کی سرحدوں کو پھیلانا۔ ہر ہندو راجہ کا فرض تھا کہ ہر سات کے بند ہوتے ہی دشاہرا بنا کر دہشوں کو جیتنے کے لیے کھینچ لے کر نکلے۔ چکرورتی راج کا کام کرنا، ساری دنیا کو ایک راجہ کی جگہ کے نیچے جما کرنا ہی راجہ کے اہم ترین کاموں کے تحت سمجھا جاتا تھا۔ اور وہی راجہ کے اہم ترین کاموں کے تحت سمجھا جاتا تھا جو لوگ پان اور دگرچہ کا ہمارا سہیل

دھ شاخ میں لکھا ہے کہ راجہ کو اچھے گھوڑوں سے سمپنن ہونا چاہیے۔ گھوڑوں میں اچھا کھل، سر، بورتا، سہا کے کمان کی یوگیتا، دھرم شاخ کا ج्ञान، راجدھرم کے سیدھاؤں کی جانکاری، اور سداچار شامل ہیں۔ جس راجہ میں یہ خوبیاں نہیں، جس کے بدن کے کسی اہم میں خرابی ہے یا جو روکی ہے وہ راجہ سنبھالنے پر بیوقوف ہے لائق نہیں سمجھا جاتا تھا۔ راجہ کی ذمہ داری اتنی بھاری تھی کہ اس عہدے کو موروثی نہیں بنایا گیا۔ اسی لئے کبھی وراثت کا قانون نہیں تھا۔

راجہ کو اچھے پد، ذمہ داری کے کاموں اور باری کثرتوں کے بیچارے سے اچھی دیا جاتی تھی۔ گھنہ دھرم کے راجہوں کے خطاب یہ تھے—مہاراج، راجا دھیراج، پریشور، پریشورک، پریشور، ساروہم، چکرورتی، دھرم پرورتک۔

ہندو راجنیتی میں جو راج کی پرکرتی، راج کے دھرم، راج کے مکرر سد بتلائے گئے ہیں ان کا مقابلہ اسلامی راجنیتی سے کریں تو دونوں کے بہت دور اور سامانیتوں کا پتا چلتا ہے۔ اسلام آدمی کے جین کے سب انگوں کو ایک رشتہ میں بندھا مانتا ہے۔ وہ دھرم اور دیوہار، پرلوک اور اس لوک کے ارتھوں کو ایک ایک نہیں سمجھتا۔ آدمی کسی بھی کام میں لگے—کنبہ کے دھندوں میں، دھن دولت کے پیدا کرنے میں، راج کی سدا میں، دہا کے حاصل کرنے میں، ایشور پوجا میں—سب کاموں میں اُس کے لئے نیم ہوتے ہیں جو اُس کی دھرم بستک قرآن میں دئے ہوئے ہیں۔

ہندو راجنیتی میں جو راج کی پرکرتی، راج کے دھرم، راج کے مکرر سد بتلائے گئے ہیں ان کا مقابلہ اسلامی راجنیتی سے کریں تو دونوں کے بہت دور اور سامانیتوں کا پتا چلتا ہے۔ اسلام آدمی کے جین کے سب انگوں کو ایک رشتہ میں بندھا مانتا ہے۔ وہ دھرم اور دیوہار، پرلوک اور اس لوک کے ارتھوں کو ایک ایک نہیں سمجھتا۔ آدمی کسی بھی کام میں لگے—کنبہ کے دھندوں میں، دھن دولت کے پیدا کرنے میں، راج کی سدا میں، دہا کے حاصل کرنے میں، ایشور پوجا میں—سب کاموں میں اُس کے لئے نیم ہوتے ہیں جو اُس کی دھرم بستک قرآن میں دئے ہوئے ہیں۔

ہندو راجنیتی میں جو راج کی پرکرتی، راج کے دھرم، راج کے مکرر سد بتلائے گئے ہیں ان کا مقابلہ اسلامی راجنیتی سے کریں تو دونوں کے بہت دور اور سامانیتوں کا پتا چلتا ہے۔ اسلام آدمی کے جین کے سب انگوں کو ایک رشتہ میں بندھا مانتا ہے۔ وہ دھرم اور دیوہار، پرلوک اور اس لوک کے ارتھوں کو ایک ایک نہیں سمجھتا۔ آدمی کسی بھی کام میں لگے—کنبہ کے دھندوں میں، دھن دولت کے پیدا کرنے میں، راج کی سدا میں، دہا کے حاصل کرنے میں، ایشور پوجا میں—سب کاموں میں اُس کے لئے نیم ہوتے ہیں جو اُس کی دھرم بستک قرآن میں دئے ہوئے ہیں۔

عظیم، اللہ ہی عظیم، الرسول الامم ملکم

”وہ لوگو، انکار کی ہوا بکھری، رسول کی ہوا بکھری کرو اور انکی ہوا بکھری کرو جو تم میں حاکیم ہیں۔“

اپنی شیعہ میں حضرت محمد رسول تھے اور حاکیم بھی تھے۔ پر انکے مرنے کے بعد انکے خلیفہ اسلامی ملت کے حاکیم بنے، ساتھ ساتھ وہ امام اور امیر المؤمنین بھی کہلاتے۔ خلیفہ کی حیثیت سے وہ حضرت محمد کے وارث تھے لیکن اس وقت کے ساتھ کہ ان کو پرفہموری کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ مہر کی حیثیت سے وہ مسلمانی فوجوں کے سپہاچی تھے اور امام کی حیثیت سے مذہبی کاموں میں پیشوا تھے۔

خلیفہ کے فرض یہ تھے کہ وہ دھرم کا پالان کریں، مسکدوں کا فیسلا کریں، فوجداری کانون کے متاویکک سچا ہوں، دہش کی رکھا کریں، دوشاموں سے جگ کریں، مہسول جما کریں، راریوں کی مدد کریں، بجزیر اور آوہدہدار مسکرر کریں اور راجکاج کا ہننجام کریں۔ ان فرائض کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں کو ہکیتیار تھا کہ اپنا خلیفہ چن لیں۔ چناؤ کی شرت یہ تھی کہ جسے چنا جائے وہ سداچار ہو، دہم شاخ (فیکھ) جاننے والا ہو، آخ ناک ہاٹھ پاؤں سے ٹیک ہو، کانا کھٹرا، لنگڑا لولا نہ ہو، بھادور ہو، کوریش بشار کا ہو۔

اسلامی سیدانتوں کے متاویکک خلیفہ کے ہکیتیار ہشور کی طرف سے ہیں اور سب مسلمانوں کا کرتوبہ ہے کہ اس کی آئیاں و مانیں۔ خلیفہ کو اسی وچار سے ظل اللہ (ایشور کا سایہ) کی اونچی پدوی دی گئی۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ خلیفہ کے اختیاروں کی کوئی حد بندی نہیں تھی۔ اس کا فرض تھا کہ شریعت (دھرم کے قانونوں) کی پابندی کرے، کیونکہ شریعت ایشور کے دیئے ہوئے قانونوں پر شرت ہے۔ شریعت آدمی کے سہی کاموں اور جیوں کے ہر انگ و حاوی ہے۔ اس لئے خلیفہ یا حاکم کو قانونی معاملات میں ہت کم دخل ہے۔ خلیفہ کو شریعت کی ویاکھیا کا حق ہے و اس میں کھٹانے بڑھانے کا نہیں۔

اسلامی سیدانتوں میں ایک سماج اور ایک راج کا آدراں بھوت دینوں تک کرایم نہ رہا۔ جیوں جیوں اسلامی سماج بھلتا گیا دنیا کے الگ حصوں میں حاکم خود مختاری حکومتیں بنائے گئے۔ اور یہ سوال پیدا ہوا کہ خلیفہ اور ان حاکموں کے بیچ میں کیا رشتہ ہونا چاہئے۔ کچھ راج نہتی شاستریوں کی رائے میں ان حاکموں کو خلیفہ کا نایب سمجھنا چاہئے۔ اس خیال سے ہندستان کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے خطابوں میں ایسے نام رکھے جیسے بھین خلیفت اللہ (اللہ کے خلیفہ کا دایاں ہاتھ)، ناصر امیر المؤمنین (امیر المؤمنین کا مددگر)، سلطان (حکومت کرنے والا)۔

”وہ لوگو، اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں حاکم ہیں۔“

اپنی زندگی میں حضرت محمد رسول تھے اور حاکم بھی تھے۔ پر ان کے مرنے کے بعد ان کے خلیفہ اسلامی ملت کے حاکم ہوئے، ساتھ ساتھ وہ امام اور امیر المؤمنین بھی کہلاتے۔ خلیفہ کی حیثیت سے وہ حضرت محمد کے وارث تھے لیکن اس وقت کے ساتھ کہ ان کو پرفہموری کا درجہ حاصل نہیں تھا۔ مہر کی حیثیت سے وہ مسلمانی فوجوں کے سپہاچی تھے اور امام کی حیثیت سے مذہبی کاموں میں پیشوا تھے۔

خلیفہ کے فرض یہ تھے کہ وہ دھرم کا پالان کریں، مسکدوں کا فیسلا کریں، فوجداری قانون کے مطابق سچا دیں، دیش کی رکھا کریں، دشمنوں سے جنگ کریں، مسکول جمع کریں، ریبوں کی مدد کریں، وزیر اور عہددار مقرر کریں اور راج کاج انتظام کریں۔ ان فرضوں کو پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کو اختیار تھا کہ اپنا خلیفہ چن لیں۔ چناؤ کی شرطیں یہ تھیں کہ جسے چنا جائے وہ سداچار ہو، دھرم شاستر (فیکھ) جاننے والا ہو، آخ ناک ہاٹھ پاؤں سے ٹیک ہو، کانا کھٹرا، لولا نہ ہو، بھادور ہو، کوریش بشار کا ہو۔

اسلامی سیدانتوں کے مطابق خلیفہ کے اختیار ایشور کی طرف سے ہیں اور سب مسلمانوں کا کرتوبہ ہے کہ اس کی آئیاں و مانیں۔ خلیفہ کو اسی وچار سے ظل اللہ (ایشور کا سایہ) کی اونچی پدوی دی گئی۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ خلیفہ کے اختیاروں کی کوئی حد بندی نہیں تھی۔ اس کا فرض تھا کہ شریعت (دھرم کے قانونوں) کی پابندی کرے، کیونکہ شریعت ایشور کے دیئے ہوئے قانونوں پر شرت ہے۔ شریعت آدمی کے سہی کاموں اور جیوں کے ہر انگ و حاوی ہے۔ اس لئے خلیفہ یا حاکم کو قانونی معاملات میں ہت کم دخل ہے۔ خلیفہ کو شریعت کی ویاکھیا کا حق ہے و اس میں کھٹانے بڑھانے کا نہیں۔

اسلامی سیدانتوں میں ایک سماج اور ایک راج کا آدراں بھوت دینوں تک کرایم نہ رہا۔ جیوں جیوں اسلامی سماج بھلتا گیا دنیا کے الگ حصوں میں حاکم خود مختاری حکومتیں بنائے گئے۔ اور یہ سوال پیدا ہوا کہ خلیفہ اور ان حاکموں کے بیچ میں کیا رشتہ ہونا چاہئے۔ کچھ راج نہتی شاستریوں کی رائے میں ان حاکموں کو خلیفہ کا نایب سمجھنا چاہئے۔ اس خیال سے ہندستان کے مسلمان بادشاہوں نے اپنے خطابوں میں ایسے نام رکھے جیسے بھین خلیفت اللہ (اللہ کے خلیفہ کا دایاں ہاتھ)، ناصر امیر المؤمنین (امیر المؤمنین کا مددگر)، سلطان (حکومت کرنے والا)۔

خود میں خلیفہ ایک مظلومی اور خدا کا، پر پہلے
مبارک خلیفہوں کے بعد اس کی خلیفہ میں تبدیلی آگئی اور مذہب
کے ساتھ دنیا کی بادشاہت کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جب خلافت
کی طاقت بالکل ختم ہو گئی تو صرف نام رہ گیا اور اُس کے
ساتھ عہدہ کا مان۔ اسلامی دیشوں کے حاکم اپنے اپنے راجہ کے
مالک بن گئے جو خلیفہ کی دیکھنے کی عزت کرتے تھے۔ وہ
مسجد میں خطبہ (جمعہ کی نماز میں منبر سے دیکھتے) میں
خلیفہ کا نام لیتے تھے اور اپنے سکوں پر اُن کے نام کا ٹھہکا لگاتے
تھے۔ یہ سب اس لئے بھی ہوتا تھا کہ مسلمان رعایا کے دلوں پر
یہ اثر ڈالیں کہ اُن کی حکومت خلیفہوں کی آگیاؤں پر نہیں ہے۔
ہندوستان کی تاریخ میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔
التمش نے 1229 میں خلیفہ سے فرمان منگا یا اور اسے دربار
میں بڑے آخر کے ساتھ بڑھکر بنایا۔ محمد بن تغلق جو 1325
میں سندھ میں بیٹھا بڑی کٹھنائیوں میں پھنسا۔ اُس نے
اپنے راج کے اٹھارہویں سال میں خلیفہ سے سند حاصل کی۔

جب مغلوں نے دہلی پر قبضہ کیا اس وقت
خلیفہ تھوڑے دنوں کے ہاتھ میں تھا، پر مغل انہیں خلیفہ
ماننے کو تیار نہ تھے۔ ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ مغل بادشاہت کو کن اصولوں پر
نایم کریں۔ باور نے جس بادشاہت کی داغ بیل ڈالی اُس پر
اُس کے بعد کے بادشاہوں نے ایک شاندار محل کھڑا کیا۔ اُس
کا پورا نقشہ ابوالفضل نے انہیں اکبری میں کھینچا اور اُس سے
اکبری راج کے اصولوں کی تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے آئی
ہے۔ ابوالفضل لکھتا ہے—

”اُس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی
دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے
بدیمن لوگ ہیں وہ اُسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے
ہیں۔ جو اُس بات کی دلیل چاہتے ہیں اُن کے لئے یہ کہنا
گنی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور
رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اُس بات کو بادشاہ کا لفظ
بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور
ادھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز
(اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور ادھیکار
کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی
اندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتہ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی
ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں
گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے
دنوں میں پڑھیں سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اُس چیز سے
بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

”اُس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی
دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے
بدیمن لوگ ہیں وہ اُسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے
ہیں۔ جو اُس بات کی دلیل چاہتے ہیں اُن کے لئے یہ کہنا
گنی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور
رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اُس بات کو بادشاہ کا لفظ
بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور
ادھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز
(اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور ادھیکار
کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی
اندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتہ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی
ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں
گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے
دنوں میں پڑھیں سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اُس چیز سے
بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

”اُس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی
دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے
بدیمن لوگ ہیں وہ اُسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے
ہیں۔ جو اُس بات کی دلیل چاہتے ہیں اُن کے لئے یہ کہنا
گنی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور
رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اُس بات کو بادشاہ کا لفظ
بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور
ادھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز
(اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور ادھیکار
کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی
اندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتہ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی
ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں
گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے
دنوں میں پڑھیں سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اُس چیز سے
بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

”اُس فیائے کرنے والے (ایشور) کے سامنے جس کے سامان کوئی
دوسرا نہیں، بادشاہی سے بڑھکر کوئی رتبہ نہیں اور جتنے
بدیمن لوگ ہیں وہ اُسی کے اقبال کے سوتے سے پیاس بجھاتے
ہیں۔ جو اُس بات کی دلیل چاہتے ہیں اُن کے لئے یہ کہنا
گنی ہے کہ بادشاہی آدمیوں کے گروہوں کے درودھ کا علاج اور
رعایا کے حکم ماننے کی وجہ ہے۔ اُس بات کو بادشاہ کا لفظ
بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ”پاد“ کے معنی ہیں پرستش اور
ادھیکار (مضبوطی اور قبضہ) اور ”شاہ“ کے معنی ہیں جز
(اصل) اور مالک (خداوند)۔ بادشاہ پرستش اور ادھیکار
کا سوتا اور ایشور ہے۔ آج حکومت کا دبدبہ نہ رہے تو جھکے کی
اندھی کیسے دب سکتی ہے اور سوارتہ کی ہرائی کیسے دور ہو سکتی
ہے؟ آدمی کام اور کردہ کے بس میں آکر ناش کے گڑھے میں
گر پڑیں، دنیا میں چلوں اور سے رونق آئے جائے اور تھوڑے
دنوں میں پڑھیں سولی ہو جائے... شاہ کا مطلب اُس چیز سے
بھی ہوتا ہے جو سب سے اچھی ہو جیسے شاہ سولہ اور شاہ راہ۔

اور اسکے ماننے والوں کے ہیں۔ دنیا کی دھن بادشاہ کو برتی ہے اور وہ سندر بہو اُس کی پوجا کرتی ہے۔۔۔۔۔ بادشاہی وہ ج्यوتی ہے جو ایشور سے نکلتی ہے، وہ کیرن ہے جو سنسار کو روشن کرنے والے سورج سے نکلتی ہے۔ سب سیدھیوں کی پستکوں کی تالیف اور سارے گزوں کا خزائن ہے۔ چلتی پھرتی میں اسے فر ایشور (دیوی جیوتی) اور پرانی پھرتی میں کھان خوار (پارماہتک تیج) کہتے ہیں۔

”بادشاہ میں چار خاصیتیں ہونی ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ یہ کی راہ کو۔ پوجا کے ماں-باپ کی جگہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ریشماں اسکی مہارانی سے سب سے زیادہ ملتی ہے اور پتہ متاثر کے اثر سے بچتی ہے۔ دوسرے راہ کا دل اور حوصلہ بڑا ہونا چاہیے۔ اور تیسرے ایشور پر دہن دن بڑھتا ہو رہا ہو۔ اور چوتھے اُس کا من پرارتہ اور بھکتی میں لگا رہنا چاہیے۔ اپنے کاموں میں سہلے دیکھتے ہوئے ایشور کو بھولنا نہیں چاہیے اور آفتوں میں پڑ کر مت ہرانت نہ ہونا چاہیے۔ بادشاہ کا کام ہے کہ پوجا کی پھلتی اور اُس کے دھن کے علاج میں لگا رہے۔“

ابوالفضل کے مطابق بادشاہی ویار کے تین انگ ہیں— ایک اور راہ نواس کی اُنتی، دوسرے فوج کی سہلے اور تیسرے پوجا کی بھوتی۔ پہلے انگ میں شاہی خزانہ، ہاتھی، گھوڑے، ساز سامان، کارخانے، دربار، محل، رنواس اور پرور شامل ہیں؛ دوسرے میں پیدل، سوار، توپخانہ، سپاہی اور انس، اور تیسرے میں کھیتی اور گزوں کی آبادی۔ ان تینوں کو ملا کر جہانپانی (لوک پالین) اور جہانداری (دگوئی) کے اندر رکھا جا سکتا ہے۔

ابوالفضل کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایشور کی شکتی کو ایشور کی دین سمجھنا تھا اور اپنی چیشتاؤں کا بہت اُنچا اُدھر رکھتا تھا۔ جہاں وہ یہ چاہتا تھا کہ راہ کی شکتی کو سماج کے جیون کے ہر ایک انگ میں استعمال کرے، دھرم اور چال چلن کے سدھار میں بھی اور بنج بھوپار اور کھیتی دستکاری کی اُنتی میں بھی، وہاں وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اِس وشال شکتی کو ایشور نے تیار کیا اور فائن کی حدوں سے باہر نہ جانے دے۔ اپنی راہ شکتی کو وہ دنیا کی کسی باہری طاقت سے نیچا ماننے کو تیار نہ تھا۔ اسی لئے اُس نے اپنے خطابوں کے ذریعہ اپنی پوری آزادی کا اعلان کیا۔ اُس کے خطاب یہ تھے—

سلطان الانظم (سلطانوں میں سب سے بڑا سلطان)

خاقان معظم (بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ)

خالی کاغذ-مکتبہ خالی (کچی پدھی والا خلیفہ)
ہمامہ عابدی (مکتبہ پشاور)

بادشاہ ایشور کا ارشاد ہے۔ اس لیے اس نے کورنہ،
تسلیم، جرمیوس، نجر اور نیاز کے دراج جاری کیے۔ ایشور کی آنکھوں
میں سارے جگت کے پرانی ایک سماں ہیں، اسی لئے انہوں نے
ہندو، مسلمان، جٹوں، ہمسائی سب کے ساتھ ایکسا ہوتا
مناسب سمجھا۔ یہی صلح کل (سب کے ساتھ پریم) کی نیتی
تھی جس نے ہندوستان کی تاریخ میں اُس جگہ سے پہلے پننے
کا افسانہ کیا جس کو پڑھ کر آج بھی ہم اپنے قومی جیون کے لئے
اچھا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

خلیفہ مکتبی (اورتھی پدھی والا خلیفہ)
امام عادل (مذہبی پیشوا)
بادشاہ ایشور کا ارشاد ہے۔ اسی لئے اُس نے کورنہ،
تسلیم، جرمیوس، نجر اور نیاز کے دراج جاری کیے۔ ایشور کی آنکھوں
میں سارے جگت کے پرانی ایک سماں ہیں، اسی لئے انہوں نے
ہندو، مسلمان، جٹوں، ہمسائی سب کے ساتھ ایکسا ہوتا
مناسب سمجھا۔ یہی صلح کل (سب کے ساتھ پریم) کی نیتی
تھی جس نے ہندوستان کی تاریخ میں اُس جگہ سے پہلے پننے
کا افسانہ کیا جس کو پڑھ کر آج بھی ہم اپنے قومی جیون کے لئے
اچھا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

انوارادک—شری مجیب رضوی

انوارادک—شری مجیب رضوی

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سب سے زیادہ (بے پرواہی) کی نگاہ سے دیکھتا ہے ایشور اُس
کے دل میں روپ پیدا کرتا ہے اور اُس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی روپ کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اُسے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور اُن سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اُسے اُن سب کے پیچھے سے بچانا ہوا آمنت شانتی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”اللہ کا جو کوئی بندہ
دنیا کے سب سے زیادہ (بے پرواہی) کی نگاہ سے دیکھتا ہے ایشور اُس
کے دل میں روپ پیدا کرتا ہے اور اُس کی زبان کو ایسا بنا
دیتا ہے کہ وہ اسی روپ کی روشنی میں بولتی ہے۔ ایشور اُسے
دنیا کی برائیاں اور بیماریاں اور اُن سب کا علاج بتا دیتا ہے
اور اُسے اُن سب کے پیچھے سے بچانا ہوا آمنت شانتی کے لڑکے
میں پہنچا دیتا ہے۔“

—ابو زر : بھٹی۔

—ابو زر : بھٹی۔

محمد صاحب نے کہا :—”کیوں موتا اور کھردرا کھڑا پہننا
اور روکھا سوکھا کھانا اِس دنیا کو قیامت نہیں ہے، اِس دنیا کو
نیانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں یعنی اچھاؤں
کو کم کرے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”کیوں موتا اور کھردرا کھڑا پہننا
اور روکھا سوکھا کھانا اِس دنیا کو قیامت نہیں ہے، اِس دنیا کو
نیانے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں یعنی اچھاؤں
کو کم کرے۔“

—صفیان۔

—صفیان۔

میں نے کہا :—”آے اللہ کے رسول ! مجھے کچھ اُپدیش
دیجئے۔“ محمد صاحب نے کہا :—”کبھی کسی کو گالی نہ
دو۔“ اِس کے بعد سے میں نے کبھی بھی کسی آزاد آدمی
’ظلم‘ اُرت یا بھیڑ تک کو گالی نہیں دی۔ محمد
صاحب نے یہ بھی کہا کہ :—”کسی اچھی چیز سے نفرت
نہ کرو، اور پرسن چت ہو کر اپنے بھائی سے بات کرو؛ سچ
یہ ہے کہ ایسا کرنا نہی اور دیا کے کاموں میں سے ہے؛

میں نے کہا :—”آے اللہ کے رسول ! مجھے کچھ اُپدیش
دیجئے۔“ محمد صاحب نے کہا :—”کبھی کسی کو گالی نہ
دو۔“ اِس کے بعد سے میں نے کبھی بھی کسی آزاد آدمی
’ظلم‘ اُرت یا بھیڑ تک کو گالی نہیں دی۔ محمد
صاحب نے یہ بھی کہا کہ :—”کسی اچھی چیز سے نفرت
نہ کرو، اور پرسن چت ہو کر اپنے بھائی سے بات کرو؛ سچ
یہ ہے کہ ایسا کرنا نہی اور دیا کے کاموں میں سے ہے؛

پیر अगर तुम्हारी किसी कमजोरी को जानने के कारण कोई तुम्हें बुरा भला कहता है और तुम से नफरत करता है तो तुम उसकी उन कमजोरियों के आधार पर जिन्हें तुम जानते हो उससे नफरत न करो ताकि तुम्हें इस नेकी का इनाम मिल सके और उसका पाप उसके सर रहे.

—जावیر بن سلیمان : अबوداؤد.

मुहम्मद साहब ने कहा :—“जो मर चुके हैं उन्हें बुरा भला न कहो क्योंकि ऐसा करके तुम उन लोगों का दिल दुखाते हो जो खिन्दा हैं.

—युरैरा : तिरमिची.

मुहम्मद साहब ने कहा :—“आँखों का व्यभिचार (बदचलनी) किसी को बुरी निगाह से देखना है, कानों का व्यभिचार बुरी बातों को सुनकर उनमें रस लेना है, ज़बान का व्यभिचार बुरी बातों का बोलना है, हाथों का व्यभिचार बिना हक के किसी को हाथ लगाना है, पैरों का व्यभिचार बुरे इरादे से कहीं जाना है. दिल बुरे काम की इच्छा करता है, अपने में लालसा पैदा करता है, और आदमी की इन्द्रियाँ (हवास) या तो उस बुराई को अमल में लाती हैं और या बुराई के इरादे को ही ख़तम कर देती हैं.”

—बुखारी; मुसलिम; अबुदाؤद.

पैगम्बर ने अपने साथियों से पूछा :—“आप लोग किसे बलवान समझते हैं ?” उनके साथियों ने कहा—“उसे जो दूसरे को कुशाती में पछाड़ दे.” पैगम्बर ने कहा—“नहीं ! वह आदमी सब से ज्यादा बलवान है जो गुस्से में अपने ऊपर काबू रखता है.”

—इब्न मसऊद : मुसलिम; अबुदाؤद.

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“वह आदमी बलवान या बहादुर नहीं है जो लोगों को पछाड़ देता है, हम में से वह आदमी बलवान और बहादुर है जो अपने गुस्से को काबू में कर लेता है.”

—बुखारी; मुसलिम.

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“सच बात यह है कि आदम के बेटों के दिलों में गुस्सा एक शोले की तरह है. क्या गुस्से वाले आदमी के आँखों की लाली और उसके गले की फूलती हुई नसें तुम्हें दिखाई नहीं देती ? यदि इन अलामतों में से कोई भी किसी को अपने अन्दर अनुभव हो तो उसे तुरन्त ज़मीन पर बैठ जाना चाहिये.”

—अबुसईद अलखुदरी : तिरमिची.

اور اگر تمہاری کسی کمزوری کو جاننے کے کارنے کوئی تمہیں برا بھلا کہتا ہے اور تم سے نفرت کرتا ہے تو تم اُس کی اُن کمزوریوں کے اُدھار پر چلے تم جانتے ہو اُس سے نفرت نہ کرو۔ تاکہ تمہیں اِس نہی کا انعام مل سکے اور اُس کا پاپ اُس کے سر رہے۔“

—جاویر بن سلیمان : ابوداؤد.

محمد صاحب نے کہا :—“جو مرنے والے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو کیونکہ ایسا کر کے تم ان لوگوں کا دل دکھاتے ہو جو زندہ ہیں۔“

—مفیدہ : ترمذی.

محمد صاحب نے کہا :—“آنکھوں کا وہیچار (بدچلنی) کسی کو بری نگاہ سے دیکھنا ہے، کانوں کا وہیچار بری باتوں کو سنکر اُن میں رस لینا ہے، زبان کا وہیچار بری باتوں کا بولنا ہے، ہاتھوں کا وہیچار ہنا حق کے کسی کو ہاتھ لگانا ہے، پیروں کا وہیچار برے ارادے سے کہیں جانا ہے. دل برے کام کی اچھا کرتا ہے، اپنے میں لالسا پیدا کرتا ہے، اور آدمی کی اندریاں (حواس) یا تو اُس برائی کو عمل میں لاتی ہیں اور یا برائی کے ارادے کو ہی ختم کر دیتی ہیں۔“

—بخاری; مسلم; ابوداؤد.

پیغمبر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا :—“آپ لوگ کسے بلوان سمجھتے ہیں ؟” اُن کے ساتھیوں نے کہا—“اُسے جو دوسرے کو کشتی میں پھینک دے.” پیغمبر نے کہا—“نہیں ! وہ آدمی سب سے زیادہ بلوان ہے جو غصے میں اپنے اوپر قابو رکھتا ہے.”

—ابن مسعود : مسلم; ابوداؤد.

محمد صاحب نے کہا کہ :—“وہ آدمی بلوان یا بہادر نہیں ہے جو لوگوں کو پھینک دیتا ہے، ہم میں سے وہ آدمی بلوان اور بہادر ہے جو اپنے غصے کو قابو میں کر لیتا ہے.”

—بخاری; مسلم.

محمد صاحب نے کہا کہ :—“سچ بات یہ ہے کہ آدم کے بیٹوں کے دلوں میں غصہ ایک شعلے کی طرح ہے. کیا غصہ والے آدمی کے آنکھوں کی لالی اور اُس کے گلے کی پھولتی ہوئی نسیں تمہیں دکھائی نہیں دیتیں ؟ یہی اُن علامتوں میں سے کوئی بھی کسی کو اپنے اندر آنسو ہو تو اُسے ترنت زمین پر بیٹھ جانا چاہئے.”

—ابو سعید الخدری : ترمذی.

محمّد صاحب نے کہا :—”کڑے ہونے کی حالت میں اگر تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اسے بیٹھ جانا چاہئے؛ پھر اگر اس کا غصہ اتر جائے تو اچھا نہیں تو اسے لیٹ جانا چاہئے۔“

—ابوداؤد۔

—ابوداؤد۔

پیرامبر کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا—
”پے رسول ! مجھے کوئی ایسی بات بتا دے جس کا میں پالنے کی ضرورت نہ ہو کہ میں اور سب بھول جاؤں“ پیرامبر نے جواب دیا—
”غصہ نہ کیا کرو۔“

—بخاری؛ مسلم؛ ترمذی۔

پیرامبر نے کہا :—”کسی کی چوغلی کرنا اپنے بھائی کا مانس نہالنے کے برابر ہے۔ جو کوئی کسی کو اس سے روکتا ہے خدا کے سامنے اس کا یہ حق قائم ہو جاتا ہے کہ خدا اسے دوزخ کی آگ سے بچالے۔“

—بہکری۔

انصار میں سے ایک آدمی محمد صاحب کے پاس آیا اور اس نے ان سے بیک مانگی۔ پیرامبر نے اس سے پوچھا—”کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟“ اس نے کہا—”ہاں مہرے پاس ایک اونٹنی درو ہے جس کا ایک حصہ ہم اڑھتے ہیں اور دوسرا ہم بچھاتے ہیں“ اور ہمارے پاس ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔“ پیرامبر نے کہا کہ—”یہ دونوں چیزیں لیکر تم میرے پاس آؤ۔“ وہ آدمی دونوں چیزیں محمد صاحب کے پاس لیکر آیا۔ انہوں نے ان چیزوں کو ہاتھ میں لیکر کہا—”ان دونوں چیزوں کو کون خریدیگا؟“ ایک آدمی نے کہا—”میں ایک درم میں دونوں چیزیں خرید لوں گا۔“ پیرامبر نے پھر کہا—”کوئی ہے جو ایک درم سے ادھک دے؟“ یہ بات انہوں نے دو بارہ تبارہ کہی۔ ایک دوسرے آدمی نے کہا—”میں دونوں چیزوں کے لئے دو درم دے دوں گا۔“ پیرامبر نے دونوں چیزیں اس آدمی کے حوالے کر دیں اور دو درم لیکر چیزوں کے مالک کو دیکر کہا—”ان میں سے ایک درم کا کھانا خریدو اور اپنے گھروالوں کو پہنچا دو اور دوسرے درم سے ایک کھانسی خرید لو۔ اسے لیکر میرے پاس آؤ۔“ نہ تو آدمی نے اسے محمد صاحب کے پاس آیا۔ پیرامبر نے اپنے ہاتھوں سے اس میں بیٹھ لگایا اور کہا—”جاؤ جنگل سے لکڑی کاٹ کر لاکھڑو اور پندرہ دن تک مجھے شکل نہ دکھانا۔“ اس آدمی نے ویسا ہی کیا جیسا اسے حکم ملا تھا۔ جب اس کے پاس دس درم ہو گئے تب وہ آدمی محمد صاحب کے پاس

—بہکری۔

آیا۔ اس رکن میں سے کچھ کا اُس نے کپڑا خریدنا اور باقی کا کھانا۔ پیغمبر نے تب کہا—”قیامت کے دن کالک پونے سالہ اُس سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔“

—انس: ابو داؤد۔

—انس: ابو داؤد۔

محمد صاحب نے کہا—”سچ یہ ہے کہ پاس رکھتے ہوئے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، اور نہ اُن لوگوں کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے جن کا شریعہ مضبوط ہے یا جو خاصی اچھی طرح رہتے ہیں۔ مانگنا اُس کے لئے جائز ہے جو نادار ہے اور دھم سے جیون ویتھ کرتا ہے، یا جس کا دیوانہ نکل گیا ہے اور جو قرض میں دبا ہوا ہے، اور جو کوئی اپنا دھن بڑھانے کے لئے دوسروں سے بھیک مانگتا ہے قیامت کے دن اُس کے بدن پر داغ ہونگے اور اُس کا شریعہ زخموں سے بھرا ہوگا اور اُس پر اُسے بری طرح دوزخی پتھر کھائے ہونگے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے کہ یا تو اپنی تھوڑی سی پونجی سے سنتشٹ رہو اور یا اپنی پونجی کو بھیک مانگ کر بڑھانے کی کوشش کرو۔“

محمد صاحب نے کہا—”تم میں جو کوئی اپنی دسی لہکر پہاڑ پر جاتا ہے اور لکڑی کا بوجھ پیٹھ پر لا کر لاتا ہے اور اُسے بیچتا ہے تو خدا اُس کی رکشا کرتا ہے۔ دوسروں سے بھیک مانگنے کے مقابلے میں، چاہے وہ دیں یا نہ دیں، یہ کام اُس کے لئے بہتر ہے۔“

—ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا—”تم میں جو کوئی اپنی دسی لہکر پہاڑ پر جاتا ہے اور لکڑی کا بوجھ پیٹھ پر لا کر لاتا ہے اور اُسے بیچتا ہے تو خدا اُس کی رکشا کرتا ہے۔ دوسروں سے بھیک مانگنے کے مقابلے میں، چاہے وہ دیں یا نہ دیں، یہ کام اُس کے لئے بہتر ہے۔“

محمد صاحب نے کہا—”تم میں جو کوئی اپنی دسی لہکر پہاڑ پر جاتا ہے اور لکڑی کا بوجھ پیٹھ پر لا کر لاتا ہے اور اُسے بیچتا ہے تو خدا اُس کی رکشا کرتا ہے۔ دوسروں سے بھیک مانگنے کے مقابلے میں، چاہے وہ دیں یا نہ دیں، یہ کام اُس کے لئے بہتر ہے۔“

—زہری: بخاری۔

★★★

مَنْتَر پڑھنا، بجن گانا اور مالا فیرنا چھوڑ، مندر کے سارے دروازے بند کر۔ اس اُچھے اُکانت کانے میں تو کس کی پوجا کرتا ہے؟ اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ تیرا دیوتا تیرے سامنے نہیں ہے۔

ہل چلانے والا جہاں کتھور بھومی میں ہل چلا رہا ہے اور سوک بنانے والا جہاں پتھر توڑ رہا ہے، بھکوان وہاں ہی اُن کے ساتھ دھوپ میں ہے اور بارش میں ہے، اُس کا کپڑا دھول میں لت پت ہے۔

—ریندر ناتھ ٹاکور

★★★

★★★

مَنْتَر پڑھنا، بجن گانا اور مالا پھیرنا چھوڑ، مندر کے سارے دروازے بند کر۔ اِس اندھیرے اکانت کانے میں تو کس کی پوجا کرتا ہے؟ اپنی آنکھیں کھول کر دیکھ تیرا دیوتا تیرے سامنے نہیں ہے۔

ہل چلانے والا جہاں کتھور بھومی میں ہل چلا رہا ہے اور سوک بنانے والا جہاں پتھر توڑ رہا ہے، بھکوان وہاں ہی اُن کے ساتھ دھوپ میں ہے اور بارش میں ہے، اُس کا کپڑا دھول میں لت پت ہے۔

—ریندر ناتھ ٹاکور

★★★

[2]

[2]

परिचित सुन्दरलाल
(پہچلے نمبر سے آگے)

بلذت سندر لال
(پہچلے نمبر سے آگے)

(11)

(11)

एक दिन जब हम हज्ज के इरादे से चले तो अलवर के रास्ते में एक हिन्दू फ़कीर चार चेलों समेत हमारे साथ हो लिए. कहने लगे कि रात को हमारे साथ ठहरना. रात हुई तो हम सब के सब एक धरमशाला में जा उतरे. उन्होंने चेलों से पूछा क्या खाओगे ? सबने अपनी अपनी तबियत की चीज कह दी. वही खाना मौजूद होगया. फिर हमसे पूछा. हमने कहा साहब ! जो आप खाएंगे वही हम खावेंगे. कहा मैं तो मूंग की दाल और चपाती खाया करता हूँ. जब उनका खाना तय्यार हुआ तो हमने भी वही खाया. बात चीत शुरू हुई तो आपस में प्रेम होगया. मैंने उनसे कहा कुछ उपदेश दीजिये. कहने लगे तीन दिन हमारे पास रहो तो चौथे दिन उपदेश देंगे. हम ठहर गए. उन्होंने तीन दिन तक हमसे व्रत रखवाया. फिर कृपादृष्टि डाली और उपदेश दिया. सबमुच बड़े पहुँचे हुए आदमी थे. हम बहुत लोगों से मिले और उपदेश लिया, पर यह बात और यह असर किसी में नहीं देखा. उनकी दृष्टि पड़ते ही हमारा दिल गुलाब के फूल की तरह खिल गया और कायम होगया. एक दिन रूह (आत्मा) के एक जिस्म (शरीर) से दूसरे जिस्म में जाने की बात आई. कहा कि हाँ हो सकता है. क्या तुम तमाशा देखोगे ? मैंने कहा—जरूर. कहा तो एक मरा हुआ जानवर लाओ. अगले दिन हम एक मरा हुआ तोता लाए. रात के वज्रत बह दीवार से तकिया लगाकर बैठ गए और तोते को सामने रख लिया. दिया बुझा दिया. सिसकी लेकर दम खींचा. खट से एक आवाज हुई, बिजली सी चमकी और तोते में जान आगई. हमने उसे पकड़ लिया और बातें करनी शुरू कीं. वह बोल तो न सकता था लेकिन इशारे से बातें करता था. फिर हमने कहा कि अच्छा अब अपने जिस्म में आजाइये. तमाशा देख लिया. वह उसी चमक दमक से अपने जिस्म में आगए. हमने कहा कि यह बात हमको भी सिखला दीजिये. कहा कि अच्छा 15 दिन में सिखला देंगे. अगर रोटी खाने को मना कर दिया. सिर्फ दूध और चावल खाने को कहा और कपाली चढ़ाना बताया. कपाली दो तरह

ایک دن جب ہم حج کے ارادے سے چلے تو الور کے راستے میں ایک ہندو فقیر چار چیلوں سمیت ہمارے ساتھ ہوئے۔ کہنے لگے کہ رات کو ہمارے ساتھ ٹھہرنا۔ رات ہوئی تو ہم سب کے سب ایک دھرم شالہ میں جا اُترے۔ انہوں نے چیلوں سے پوچھا کیا کھاؤ گے ؟ سب نے اپنی اپنی طبیعت کی چیز کہی۔ وہی کھانا موجود ہو گیا۔ پھر ہم سے پوچھا۔ ہم نے کہا صاحب ! جو آپ کھائیں گے وہی ہم کھا دیں گے۔ کہا میں تو مونگ کی دال اور چواتی کھایا کرتا ہوں۔ جب اُن کا کھانا تیار ہوا تو ہم نے بھی وہی کھایا۔ بات چیت شروع ہوئی تو آپس میں پریم ہو گیا۔ میں نے اُن سے کہا کچھ اُپدیش دیجئے۔ کہنے لگے تین دن ہمارے پاس رہو تو چوتھے دن اُپدیش دیں گے۔ ہم ٹھہر گئے۔ انہوں نے تین دن تک ہم سے ورت رکھوایا۔ پھر کرپا درشتی ڈالی اور اُپدیش دیا۔ سچ میچ بڑے پہونچے ہوئے آدمی تھے۔ ہم بہت لوگوں سے ملے اور اُپدیش لیا، پر یہ بات اور یہ اثر کسی میں نہیں دیکھا۔ اُن کی درشتی پڑتے ہی ہمارا دل گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا اور فایم ہو گیا۔ ایک دن (روح) (آتما) کے ایک جسم (شریر) سے دوسرے جسم میں جانے کی بات آئی۔ کہا کہ ہاں ہو سکتا ہے۔ کیا تم تماشا دیکھو گے ؟ میں نے کہا—ضرور۔ کہا تو ایک مڑا ہوا جانور لاؤ۔ اگلے دن ہم ایک مڑا ہوا طوطا لائے۔ رات کے وقت وہ دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے اور طوطے کو سامنے رکھ لیا۔ دیا بجھا دیا۔ سسکی لیکر دم کھینچا۔ کہتے سے ایک آواز ہوئی، بجلی سی چبکی اور طوطے میں جان آگئی۔ ہم نے اُسے پکڑ لیا اور باتیں کرنی شروع کیں۔ وہ بول تو نہ سکتا تھا لیکن اشارے سے باتیں کرتا تھا۔ پھر ہم نے کہا کہ اچھا اب اپنے جسم میں آجائے۔ تماشا دیکھ لیا۔ وہ اُسی چمک دمک سے اپنے جسم میں آگئے۔ ہم نے کہا کہ یہ بات ہم کو بھی سکھا دیجئے۔ کہا کہ اچھا 15 دن میں سکھا دیں گے۔ مگر روٹی کھانے کو منع کر دیا۔ صرف دودھ اور چاول کھانے کو کہا اور کھالی چڑھانا بتایا۔ کھالی دو طرح

کی ہوتی ہے۔ ایک پہلو سے کہیں، جس میں سانس روکنے کے لیے ہوا کاایم رکھنا ہے، دوسری جگہ سے کہیں، جس میں سانس روکنے کے لیے ہوا کاایم رکھنا ہے۔ اس سے پہلے نہیں دھوتی اور کنبہ کرنا کرائی اور 15 دن میں اپنا باوا پورا کر دیا۔ اس نے کئی دن کر کے یہ کام چھوڑ دیا، کیونکہ ایک بھڑا تھا۔ کھالی چڑھانا ہمیں لوگوں سے یاد تھا، اسی لئے 15 دن میں سب کام پورا ہو گیا۔

(12)

(12)

ہوپال میں ایک ہندو فقیر تھے بابا سیٹل داس۔ ہم نے سنا کہ ان کی درستی میں بڑا اثر ہے۔ ہم یہی ان کے پاس گئے اور درخواست (پرارتنہ) کی۔ انہوں نے کہا تین دن تک لیجھل آپناں کرو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ تیسرے دن بابا جی نے کہا درستی ڈالی تو سارا جسم شیشہ کی طرح ہو گیا۔ پھر اور باہر رگ و ریشہ سب دکھائی دیتے تھے اور ایک جوت (جوتی) زمین سے آسمان تک چمکی معلوم ہوتی تھی۔ ہم نے عرض کی کہ بابا جی ہم کو—”من عرف نفسه عرف ربه“ [اُرتھت سنجس نے اپنی آتما کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا] کے اُرتھ سمجھا دیئے۔ اس درستی سے تو یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ ہم تو اپنی آتما کو دیکھنا چاہتے ہیں، جسم کو اور سلسار کو نہیں۔ غیر کو دیکھا تو کیا دیکھا۔ اصلی دیکھنا تو اپنا ہی دیکھنا ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو مشکل ہے۔ ہم نے کہا کہ اگر یہ مشکل ہے تو ہمارا بھی سقم ہے۔

(13)

(13)

ایک دن جب ہم کعبہ میں پہنچے تو حسن علی زمزمی کے حجرہ (کتیا) میں ٹھہرے۔ کچھ دنوں کے بعد مولوی محمد یعقوب اور مولانا شاہ اسحاق سے ملاقات ہوئی۔ دھیرے دھیرے ان سے آنا جانا بڑھ گیا۔ ایک دن ہم نے مولوی محمد یعقوب سے پوچھا کہ ”اللہ کا جلوہ (پرکاش) کیا عرب اور ہندستان میں کچھ الگ الگ ہے؟“ کہا—”نہیں“۔ پھر ہم نے پوچھا—”ہری دوار اور کعبہ میں کیا فرق ہے؟“ کہا—”کچھ نہیں“۔ اس کے بعد ہم نے کہا کہ—”پھر آپ ہندستان سے کہیں بھاگے؟“ کہا کہ—”بھائی! ہم محمدی ہیں تو ہمیں ہمارے یہ بات چیت مولانا شاہ اسحاق بھی پردے کی آڑ میں بیٹھے سن رہے تھے اور ہم کو کچھ خبر نہ تھی۔ اس کے بعد ہم نے مولوی محمد یعقوب سے درخواست (پرارتنہ) کی کہ ہمیں ”حسن حسن“ (ایک طرح کا منتر) کی اجازت دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ بڑے بھائی صاحب سے لو۔ دوسرے دن شاہ صاحب سے درخواست کی۔ بڑے خطا ہوئے کہ ”نہیں“

5

ہجرت نہیں دینگے۔ کمال تو دونوں کجا بک رہے تھے؟' ہمنے باکی باہی۔ فیر شاہ ساہب نے ہمنے 'ہیسنہسین' پڈا ہی ہجرت دی۔ جب ہجرت مل گئی تو ہمنے کہا کہ ہجرت سچ مچ کہنے کے خف تھی؟ کچھ تھہرے' کہنے لگے کہ 'ہاں' سچ تو وہی ہے جو تم کہتے تھے مگر بھائی ہم مسحدیں کو ایسی بات ملو سے نکالنا اچھا نہیں لگتا' کیونکہ ان باتوں سے حضرت رسول (محمد صاحب) ناراض ہوتے ہوں' ہم نے کہا—'اور خدا؟' جواب دیا—'بس رہنے دو۔ آگے بات چیت نہ کرو۔ آدمی خراب ہو جاتا ہے'۔ اس وقت ہم نے کہا—'خدا کا شکر ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھی نکلے۔ بس' ہم کو اتنا ہی جاننا بانی تھا'۔ سکر ہنس دیے۔

(14)

ایک دن کعبہ میں ہمارے باپ کا ایک مرید (چلا) شہر کے دن تھوڑا سا حلوہ پکا کو لیا اور کہا کہ بزرگوں (پتروں) کی فاتحہ پڑھ دیجئے۔ ہم نے کہا کہ پہلے مانس دیکھ تو کہی مصیبت اٹھاکر ہم تم یہاں پہونچے ہیں۔ یہاں اس ذرا سے حلوے کے لئے کیوں بزرگوں (پتروں) کو تکلیف دیتا ہے۔ اتنی دور کا سفر' بیچ میں سندر اور پھر اگر روے آ بھی گئے تو اتلے سے حلوے میں بھلا کیا ہوگا؟ کیا تو انہیں آپس میں لڑنا چاہتا ہے؟ ہنسکر کہنے لگا 'میاں صاحب! آپ کو تو ہمیشہ مذاق ہی سوجھتا ہے۔ اپنے بزرگوں سے بھی نہیں چوتے! خیر' ہم نے فاتحہ پڑھکر حلوہ بانٹ دیا۔

(14)

ایک دن ہم چولی - مہوش میں پہونچے تو شام ہو گئی۔ ایک آدمی راستے میں ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے کہا نرجدا نی کے کنارے ایک باہا جی کا مکان ہے۔ چلو اسی میں رات بسر کریں گے۔ باہا جی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ ہم باہر آئے اور پیل کے پیر کے نیچے بستر لگادیا۔

(15)

ایک دن ہم چولی - مہوش میں پہونچے تو شام ہو گئی۔ ایک آدمی راستے میں ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے کہا نرجدا نی کے کنارے ایک باہا جی کا مکان ہے۔ چلو اسی میں رات بسر کریں گے۔ باہا جی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ ہم باہر آئے اور پیل کے پیر کے نیچے بستر لگادیا۔

درویش ہو کجا کہ شب آمد سرائے اوست۔

(ارتھت—فقیر کو جہاں رات ہو جائے وہیں اُس کی سرائے ہے۔)

ایک دن ہم چولی - مہوش میں پہونچے تو شام ہو گئی۔ ایک آدمی راستے میں ہمارے ساتھ ہولیا۔ اس نے کہا نرجدا نی کے کنارے ایک باہا جی کا مکان ہے۔ چلو اسی میں رات بسر کریں گے۔ باہا جی سے اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو کسی کو ٹھہرنے نہیں دیتے۔ ہم باہر آئے اور پیل کے پیر کے نیچے بستر لگادیا۔

درویش ہرکجا کہ شب آمد سرائے اوست۔
(بھیوت—فکیر کو جہاں رات ہو جاتی وہیں اُس کی سرائے ہے۔)

اپنے ساتھی سے ہمنے کہا کہ پہلی آدھی رات کا پھرا تو دو۔ پھللی آدھی رات ہم جاگتے رہیں گے، کیونکہ یہ ندی کا کنارہ ہے، ممکن ہے کوئی جنگلی جانور چوت کر بیٹے۔ ہم نماز پڑھکر سو گئے۔ وہ جاگتا رہا۔ اتلے میں باہا جی نے اپنے مکان کا پٹاک کھولا اور ہمیں دیکھکر آواز دی—'کون ہے؟' ہم نے کہا کہ 'میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے جواب دیا وہی مسافر چلے آئے۔ آپ نے پھر دیا۔ ہوا کہ چلے آئے۔ ہم اندر گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت راگور ہے۔ چاروں طرف پکی کوٹھریاں بنی ہیں۔ نماز کے لئے چوڑی ہے۔ نہالے دھولے کے لئے آگ چمک رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک کوٹھری میں انہوں نے مجھے بیٹھا دیا اور کھانا لائے۔ میں نے کہا کہ ہم دونوں آدمی مسلمان ہیں، ساتھ کھانا کھا لیں گے۔ ابا جی نے اسے منظور نہ کیا اور کہا کہ نہیں تم الگ کھاؤ، نہیں دوسری کوٹھری میں الگ کھائیں گے۔ طرح طرح کے موزن میرے سامنے چن دئے گئے، کٹی طرح کے چاول، کٹی طرح کی دالیں، طرح طرح کی ترکاریاں، روٹی وغیرہ۔ ہماری گل دلگ ہوگئی کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں اس اکیلے آدمی نے یہ چیزیں کھسے تیار کی ہوگی۔ کھانا کھانے کے بعد ہم لگے۔ ہمارے انکار سے تم نے برا مانا ہوگا؛ لیکن بات یہ تھی کہ اگر اس وقت تمہیں بلا لیتا تو تمہارا اندر ستکار کرتا یا ہوچن لیتا؟ میں جانتا تھا کہ آج تم ہمارے مہمان ہو گے۔ اسی لئے جب میں نے سب چیزیں تیار کر لیں تب تمہیں اندر بلایا۔ اس کے بعد یہ کہ تم کو کتھی کا اکیلے رہنا ہی بہتر ہے ہم دونوں و الگ الگ کوٹھریاں سولے کو دیں۔ ایک جگہ نہ سولے دیا۔ بیچ کو ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو بابا جی نے ضد کر کے ہمیں پھرایا۔ بیس دن تک زبردستی تھرائے رکھا۔ دونوں وقت سی طرح کا کھانا کھاتے رہے۔ ہمیں اس بات کی بڑی حیرانی تھی کہ نہ تو وہاں کسی کو پانی پھرتے دیکھا، نہ کسی کو روٹی کاتے، نہ دھواں اُٹھتے دیکھا، نہ کبھی کسی کو جھاڑو دیتے دیکھا، لیکن سب مکان بالکل اُچلے اور صاف رہتے تھے۔ بابا جی کی سورت بھی ایسی سنڈر اور منوہر تھی کہ ہم نے اپنی عمر پھر اس ایسا سنڈر آدمی نہیں دیکھا۔ کالی داڑھی کا عکس چمکتے ہوئے گالوں پر ایسا پڑتا تھا جیسے شیشہ میں ہو۔ سلفی طاقتیں (مانسک شکتیاں) بھی بڑے اونچے درجے کی ہیں۔ ہر وقت کام میں لگے رہتے تھے۔ ایک پھر رات نئے سے ملگھتے تو صبح کر دیتے تھے۔ جیسے ہیڈر سے پہونچے ہوئے اور اصل تھے ویسے ہی باہر سے بھی۔ ویدیک وغیرہ میں ہوشیار ہے۔ ایک دن دو کوڑھی آئے، ایک ہندو تھا دوسرا مسلمان۔ سورت دیکھتے ہی ہندو سے کہا کہ تمہارے گرو نے کچھ چاپ لکھا تھا، تم نے اس چاپ میں استری بھوک کیا، اس لئے خون چکر کھا گیا۔ اس نے اپنے قصور کو مان لیا۔ کہنے لگے ب اپنے گرو کے پاس چلے جاؤ، وہی اس کا کٹ کر دینگے۔ مسلمان سے کہا تھرو تمہیں دوا دینگے۔ دوسرے دن نربدا کے اندر آئے گلے پھر پانی میں کھڑا کر کے ایک چاول پر دوا کھا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھاس کے مارے پلائے لگا۔ بابا جی نے کہا خبردار! پانی پینے کا تو فوراً

میں نے جواب دیا وہی مسافر چلے آئے۔ آپ نے پھر دیا۔ ہوا کہ چلے آئے۔ ہم اندر گئے۔ دیکھا کہ ایک بہت راگور ہے۔ چاروں طرف پکی کوٹھریاں بنی ہیں۔ نماز کے لئے چوڑی ہے۔ نہالے دھولے کے لئے آگ چمک رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایک کوٹھری میں انہوں نے مجھے بیٹھا دیا اور کھانا لائے۔ میں نے کہا کہ ہم دونوں آدمی مسلمان ہیں، ساتھ کھانا کھا لیں گے۔ ابا جی نے اسے منظور نہ کیا اور کہا کہ نہیں تم الگ کھاؤ، نہیں دوسری کوٹھری میں الگ کھائیں گے۔ طرح طرح کے موزن میرے سامنے چن دئے گئے، کٹی طرح کے چاول، کٹی طرح کی دالیں، طرح طرح کی ترکاریاں، روٹی وغیرہ۔ ہماری گل دلگ ہوگئی کہ اتنے تھوڑے سے وقت میں اس اکیلے آدمی نے یہ چیزیں کھسے تیار کی ہوگی۔ کھانا کھانے کے بعد ہم لگے۔ ہمارے انکار سے تم نے برا مانا ہوگا؛ لیکن بات یہ تھی کہ اگر اس وقت تمہیں بلا لیتا تو تمہارا اندر ستکار کرتا یا ہوچن لیتا؟ میں جانتا تھا کہ آج تم ہمارے مہمان ہو گے۔ اسی لئے جب میں نے سب چیزیں تیار کر لیں تب تمہیں اندر بلایا۔ اس کے بعد یہ کہ تم کو کتھی کا اکیلے رہنا ہی بہتر ہے ہم دونوں و الگ الگ کوٹھریاں سولے کو دیں۔ ایک جگہ نہ سولے دیا۔ بیچ کو ہم نے چلنے کا ارادہ کیا تو بابا جی نے ضد کر کے ہمیں پھرایا۔ بیس دن تک زبردستی تھرائے رکھا۔ دونوں وقت سی طرح کا کھانا کھاتے رہے۔ ہمیں اس بات کی بڑی حیرانی تھی کہ نہ تو وہاں کسی کو پانی پھرتے دیکھا، نہ کسی کو روٹی کاتے، نہ دھواں اُٹھتے دیکھا، نہ کبھی کسی کو جھاڑو دیتے دیکھا، لیکن سب مکان بالکل اُچلے اور صاف رہتے تھے۔ بابا جی کی سورت بھی ایسی سنڈر اور منوہر تھی کہ ہم نے اپنی عمر پھر اس ایسا سنڈر آدمی نہیں دیکھا۔ کالی داڑھی کا عکس چمکتے ہوئے گالوں پر ایسا پڑتا تھا جیسے شیشہ میں ہو۔ سلفی طاقتیں (مانسک شکتیاں) بھی بڑے اونچے درجے کی ہیں۔ ہر وقت کام میں لگے رہتے تھے۔ ایک پھر رات نئے سے ملگھتے تو صبح کر دیتے تھے۔ جیسے ہیڈر سے پہونچے ہوئے اور اصل تھے ویسے ہی باہر سے بھی۔ ویدیک وغیرہ میں ہوشیار ہے۔ ایک دن دو کوڑھی آئے، ایک ہندو تھا دوسرا مسلمان۔ سورت دیکھتے ہی ہندو سے کہا کہ تمہارے گرو نے کچھ چاپ لکھا تھا، تم نے اس چاپ میں استری بھوک کیا، اس لئے خون چکر کھا گیا۔ اس نے اپنے قصور کو مان لیا۔ کہنے لگے ب اپنے گرو کے پاس چلے جاؤ، وہی اس کا کٹ کر دینگے۔ مسلمان سے کہا تھرو تمہیں دوا دینگے۔ دوسرے دن نربدا کے اندر آئے گلے پھر پانی میں کھڑا کر کے ایک چاول پر دوا کھا دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھاس کے مارے پلائے لگا۔ بابا جی نے کہا خبردار! پانی پینے کا تو فوراً

میرا جاننا، ایک ایک پہر کے بعد اُسے ندی کے اندر ہی گھسیٹتے رہے۔ جب باہر نکلنا تو بدن کھنکھانے لگا تھا۔ پھر اسے بے اختیار کر دیا۔ ہم بیس دن رہے، کچھ بہت نہ کھلا کہ وہ بابا جی فرشتے تھے یا انسان، سورت سے یہ بھی پتا نہ چلتا تھا کہ ہندو ہیں یا مسلمان۔ ایک دن ہم سے کہنے لگے—سہا صاحب! تم کہاں جاؤ گے؟ ہمارے پاس ہی رہ جاؤ۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اگر ہم مرجاویں تو تم ہماری ڈانگ میں بندہ کر دینا اور اگر تم مر گئے تو ہم پاس کے گاؤں سے اُسی بلاتے مسلمان تھنک سے تمہارا آخری سنسکار کر دینگے۔ لیکن ہم وہاں زیادہ نہ ٹھہرے۔

(16)

ایک دن ہم لکھنؤ کی ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ (سن 57 کے بعد کی بات ہے) اتفاق سے ایک امیر سپر کو جانا تھا۔ دیکھا تو سلیم سے سلیمین صاحب انگریز آتا تھا۔ اس خیال سے کہ انگریز کو سلام کرنا پڑے گا، وہ امیر جھٹ مسجد میں چلا آیا۔ سلیمین صاحب بھی پیچھے پیچھے مسجد میں آ پہنچا۔ مدوری طرف دیکھ کر پوچھنے لگا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ صاحب! یہ تو مجھے بھی پتا نہیں کہ میں کون ہوں۔

کچھ نہیں کہتا مجھے میں کون ہوں
صورت حیرت ہوں یا شکل جلوس؟

پھر پوچھا کہ آپ کی قوم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جو حضرت آدم کی قوم ہے۔ کہا آدم کی کیا قوم ہے؟ میں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم یہ آدم سے پوچھ بیٹے۔ پھر کہا کہ آپ کہاں سے آئے؟ میں نے کہا کہ جہاں سے سب آئے۔ وہ بڑا حیران ہوا اور بولا—صاحب! جو بات ہم پوچھتے ہیں اُس کا اتنا ہی جواب دیتے ہو۔ پھر تو اُن سے پریم ہو گیا۔ کبھی کبھی ہمارے پاس آئے لے۔ ایک دن بڑے پریم سے دعوت کی۔ مطلب یہ کہ فقیر کو چاہئے کہ ہر رنگ کا تماشا دیکھ اور کسی کو برا نہ جائے، کیونکہ اللہ کا ظہور ہر جگہ ایکسا ہے—

خدا ہر شے کے اندر یوں نہاں ہے،
کہ جنوں ہو گل کی گل کے درمیاں ہے۔
ارہات—ایمپور ہر پدارت میں اس طرح چھپا ہوا ہے کہ جس طرح پھول کی گلہ پھول کے اندر چھپی ہے۔

(17)

شہر دلی میں ایک رند (ویشیا) بہت خوبصورت کسی امیر کے یہاں رہتی تھی۔ ایک دن گرمی کے دنوں میں اُنہی رات کے بعد اُس کے مکان کے نیچے کسی آدمی نے

شاہر دہلی میں ایک رندی (ویشیا) بہت خوبصورت کسی امیر کے یہاں رہتی تھی۔ ایک دن گرمی کے دنوں میں اُنہی رات کے بعد اُس کے مکان کے نیچے کسی آدمی نے

ہمارا کیا ہے۔ کوئی دیکھ کر ہنسا کہ بڑا بڑا آدمی جو اسے دیکھ کر
 لہو پیلا ہے! آواز سن کر وہ رنٹی جاگ اٹھی اور ایک صراحی خوب
 لہلہہ پانی کی اور ایک صاف گلاس میں لٹے لٹکے آٹری۔
 اُس نے پیاسے فتنہ کو پانی پلایا۔ جب وہ پی چکا تو گلاس کا
 بچا ہوا پانی اُس نے رنٹی سے پیلے کے لئے کہا۔ رنٹی نے
 اُسے پی لیا۔ فتنہ چل دیا۔ اُس چہن بہر کی ملاقات کا رنٹی
 کے دل پر اتنا زبردست اثر ہوا کہ وہ اُسی جگہ بیٹھ گئی۔ امیر
 نے جب اُنہم کہی تو ادھر ادھر دیکھا، وہ نظر نہ پڑی۔ گہرا
 گرتھونٹھ لگا۔ دیکھا کہ وہ زینہ کے نیچے مٹی پر پڑی ہے۔
 اُٹھا کر لایا، سب حال پوچھا۔ رنٹی نے کہا—اب ہم سے تم
 سے کچھ تعلق نہیں ہے میں تمہارے کام کی، نہ تم میرے
 مطلب کے۔

عقل گوید کہ دنیا و عقبیٰ بھرو
 عشق می گوید بجز مولا محبوب
 عقل می گوید کہ خود را پیش کن
 عشق می گوید کہ ترک خویش کن۔

(ارتہات—عقل کہتی ہے کہ اس لوک اور پرلوک دونوں
 کو تھونڈا پریم کہتا ہے کہ سوانہ مولا (ایشور) کے اور کسی کو
 نہ تھونڈے۔

عقل کہتی ہے کہ اپنے کو آگے بڑھا، پریم کہتا ہے کہ اپنے
 کو مٹا۔)

رنٹی نے اُس سے کہا کہ مجھ پر اتنی کرپا کرو کہ ایک
 انگ مکان دے دو۔ نہ میں کسی کے پاس جاؤں نہ کوئی
 میرے پاس آوے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شہر سے باہر ایک
 مقبرے پر رہتی تھی۔ کوئی ملاشی (جگیا سو) کسی سادھو
 کے پاس گئے۔ اس سادھو نے اُسے پتہ دیا کہ فلاں جگہ پر ایک
 عورت رہتی ہے، تم اُس کے پاس جاؤ۔ وہ ملاشی وہیں پہونچا
 اور اپنا مطلب کہہ سنایا۔ عورت ہولی میں تو رنٹی ہوں، اگر
 کچھ تمہارے پاس ہو تو لاؤ۔ اس کے سوائے میں کچھ نہیں
 جانتی۔ اُس نے جواب دیا آپ کچھ ہی کہیں، میں ایک
 بھیدی کا بھونچا ہوا ہوں، تالے سے ٹوٹتا نہیں۔ تب اُس نے
 کہا—اچھا تم اس قابل تو نہیں ہو کہ ایکدم تمہیں دیکھا دے
 لی جاوے، ہاں روز صبح میرے پاس آکر بیٹھا کرو۔ لیکن
 گر کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ ہم سے اس سے پریم ہے۔ چہ مہینے
 تک وہ آدمی روز اُسی طرح آتا رہا۔ چہ مہینے کے بعد اُس
 کی شکشا کو پورا کر کے اُس رنٹی نے اُسے ہدا کہا
 دوارکا مکہ عبادت گاہ ہیں،
 آپ کے ملنے کی لاکھوں راہ ہیں۔

(اس کے بعد گرجی نے کہا کہ) جس زمانے میں ہم
 مولانا شاہ عبدالعزیز سے پڑھتے تھے تو ہم بھی کئی بار اُس عورت
 کے ملنے گئے تھے۔

(18)

پچھلے زمانے میں جہاد کے وقت کسی مسلمان کی

اچھل گویا کہ دنیویو اکرنا بڑو،
 ہرک مہی گویا بڑوچا مولا مہو۔
 اچھل مہی گویا کے لود را پشا کون،
 ہرک مہی گویا کے تکرے کشا کون۔
 (اُترت—اچھل کہتی ہے کہ اس لوک اور پرلوک
 دونوں کو دھڑ، پریم کہتا ہے کہ سیباہ مولا (ہریر) کے
 پور کسی کو نہ دھڑ۔

راکھی نے اس سے کہا کہ مٹھ پر ہتھی کرپا کرو کہ ایک
 پرلگ مکان دے دو۔ نہ میں کسی کے پاس جاؤں نہ کوئی
 اس سے آوے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ شہر سے باہر ایک
 مقبرے پر رہتی تھی۔ کوئی ملاشی (جگیا سو) کسی سادھو
 کے پاس گئے۔ اس سادھو نے اُسے پتہ دیا کہ فلاں
 جگہ پر ایک عورت رہتی ہے، تم اُس کے پاس جاؤ۔ وہ ملاشی
 وہیں پہونچا اور اپنا مطلب کہہ سنایا۔ عورت ہولی میں تو
 رنٹی ہوں، اگر کچھ تمہارے پاس ہو تو لاؤ۔ اس کے سوائے
 میں کچھ نہیں جانتی۔ اُس نے جواب دیا آپ کچھ ہی کہیں،
 میں ایک بھیدی کا بھونچا ہوا ہوں، تالے سے ٹوٹتا نہیں۔
 تب اُس نے کہا—اچھا تم اس قابل تو نہیں ہو کہ ایکدم
 تمہیں دیکھا دے لی جاوے، ہاں روز صبح میرے پاس آکر
 بیٹھا کرو۔ لیکن گر کوئی پوچھے تو کہہ دینا کہ ہم سے
 اس سے پریم ہے۔ چہ مہینے تک وہ آدمی روز اُسی طرح
 آتا رہا۔ چہ مہینے کے بعد اُس کی شکشا کو پورا کر کے
 اُس رنٹی نے اُسے ہدا کہا۔

دوارکا مکہ عبادت گاہ ہیں،
 آپ کے ملنے کی لاکھوں راہ ہیں۔

(اس کے بعد گورو جی نے کہا کہ) جس زمانے میں ہم
 مولانا شاہ عبدالعزیز سے پڑھتے تھے تو ہم بھی کئی
 بار اس عورت سے ملنے گئے تھے۔

(18)

پچھلے زمانے میں جہاد کے وقت کسی مسلمان کی

بک بخت پرست (مورتی پوجک) سے لڑائی ہوئی۔ بڑی ذہن رک
دلوں لڑتے رہے۔ کوئی کسی کو ہرا نہ سکا۔ اگلے میں نماز کا
وقت آیا۔ مسلمان نے کہا کہ اب مجھے تھوڑی دیر کے واسطے
چھوٹے دنے تاکہ نماز ادا کر لوں۔ بت پرست نے اجازت
دیدی۔ نماز کے بعد پھر لڑائی شروع ہو گئی۔ اگلے میں بت
پرست کی ہوجا کا وقت ہو گیا۔ اس نے بھی چھٹی چاہی
اور پوجا میں لگ گیا۔ مسلمان کو خیال آیا کہ اب اچھا موقع
ہے۔ اس کا کام تمام کر دو۔ تولت غیب (ادشٹ) سے آواز
آئی۔ اے بیوٹا! کیا غنول عقدے (ارتہات—پورا کرو اپنے
وعدوں کو)۔ قرآن کی ایک آیت کا یہی مطلب ہے؟ اس
بات میں تجھ سے تو بت پرست بڑھکر نکلا۔ یہ آواز سنتے
ہی وہ مسلمان شرمندہ ہو کر روئے لگا اور پھر لڑائی سے
باز رہا۔

ایسے ہی آجکل کے مسلمان بھی بیوٹائی میں پکتا (پے
مثال) ہیں۔ لیکن غیب کی آواز انہیں سنائی نہیں دیتی،
اور قرآن شریف کو دیکھتے نہیں۔ اگر دیکھتے ہیں تو عمل
کرتے نہیں۔

برجباں تلسبیب و در دل گاؤ وخر،
این چلن تلسبیب کے دارد اثر۔

(ارتہات—زبان سے اللہ، اللہ جہم ہیں اور دل میں
بہل اور گدھے کا خیال بھرا ہوا ہے۔ اس طرح کے جاپ سے کیا
اثر ہو سکتا ہے!)

(19)

(19)

جس چیلے نے اپنے پیر کے منہ سے سن کر ان سب
گھنٹاؤں کو لکھا ہے، اس کی یہ عادت تھی کہ جب کہی وہ اپنے
پیر (گرو جی) سے کچھ سننا چاہتا تھا تو ان کے سامنے جا کر
یہ شعر پڑھ دیا کرتا تھا—

باز گو از نجد وز یاران نجد
تادو و دیوار را آری بہ وجد

ایک دن اس نے سامنے آکر یہی شعر پڑھا۔ گرو جی کہے
لئے کہ—

جائی جیسی لکن ہے واکو ویسو رام،
روم روم میں رم زہی نہیں اور سے کام۔
پاس کھوں تو پاس ہے دور کھوں تو دور،
جان اچان جہان میں سب میں ہے ہر پور۔
دور کھوں تو دور ہے پاس کھوں تو پاس،
روم روم میں رم زہی جیوں پھولن میں پاس۔
نہلو عقرب و الہ من حبل الہین

(قرآن)

(ارتہات—ایہو منشیہ کی گردن کی رگ کی نسبت
یہ اس کے زیادہ نزدیک ہے۔)

یار نچھریکتر آج من بمانست،
 وہی آجکتر کے من آج وہ دورم۔
 وہ کونم تاکہ تھاں گرفت کی ک،
 دُر کینارے من بمان مہجورم۔

(بمعنی—) میرا یار میری نیت بھی میرے अधिक निकट है और आश्चर्य यह है कि मैं उससे दूर हूँ ! क्या कहूँ, मैं यह किससे कह सकता हूँ कि वह मेरी बगल में है और मैं उससे दूर हूँ ।)

एक राजा था. उसे यह ख्याल हुआ कि आखिर एक दिन मरना है, मुक्ति हासिल करने के लिए अपनी आत्मा को पहचान लेना चाहिए. इसकी कोई तरकीब करनी चाहिए. उसने बहुत से ब्राह्मणों को जमा किया और कहा—कोई ऐसी बात बतलाओ जिससे मैं अपनी आत्मा को पहचानने लगूँ और जीवनमुक्त हो जाऊँ. ब्राह्मणों ने विचार कर जबाब दिया कि महाराज ! एक सोने की गाय बनवाइये. उसे ब्राह्मणों को दान दीजिये और इस तरह से और धन बरौरा दान दीजिये. 68 तीर्थ कर आइये तो भगवान की दया से जीवनमुक्त हो जाइएगा. राजा ने यह सब कर्म किए. पर इनसे न वह अपने को पहचान सका न दिल को शान्ति मिली और न मुक्ति का कोई लच्छन दिखाई दिया. फिर उसने जोगियों की तरफ ध्यान दिया और यही प्रार्थना उनसे की. जोगियों ने पहले तो राजा के कान फटवाए और फिर ब्रह्मचर्य, बानप्रस्थ, दण्ड कमण्डल और विजया होम बरौरा चार तरह की शिक्षा दी. राजा ने यह सब कुछ भी किया. लेकिन इसका भी कुछ फल न हुआ. इसके बाद उसने मुसलमानों के मौलवियों को जमा किया और यही सबाल उनके सामने रखा. उन्होंने कहा कि साहब ! अगर आप इसलाम धर्म मंजूर कर लें तो आपकी खाहिश पूरी हो सकती है. राजा ने मंजूर कर लिया. मौलवियों ने उसे मुसलमान बनाया. उसका खतना करवाया. उसे नमाज, राजा, 'हज्ज', जकात बरौरा की तालीम दी. जब सब सीख लिया तो कहा कि अब आप हज्ज के लिये मक्के मदीनं हो आइये. राजा ने यह सब भी किया. जब वापस अपने देश आया तो फिर मौलवियों को जमा किया और कहा कि मुझे तो कुछ भी हासिल नहीं हुआ. अब आप क्या कहते हैं ?

मक्के गए, मदीने गए, करबला गए,
 जैसे गए थे वैसे ही हिर फिर के आगए.

मौलवियों ने जबाब दिया कि जो कुछ हमारे धर्म में था हमने आप को सब बता दिया. इससे ज्यादा हम कुछ नहीं जानते. सब तरफ से मायूस (निराश) होकर राजा को एक तरह का पागलपन हो गया. एक हाथ से उसने अपना कान पकड़ा और दूसरे हाथ से खतने की जगह और

یار نزدیک تر از من به منست،
 وہیں عجب تر کہ من ازوے دورم۔
 چہ کنم تا کہ توان گفت کہ او
 در کنار من بمن مہجورم

(ارتقاء—) میرا یار میری نسبت بھی میرے ادھک نیکٹ ہے اور آश्चर्य یہ ہے کہ میں اُس سے دور ہوں۔ کیا کروں میں یہ کس سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میری بگل میں ہے اور میں اُس سے دور ہوں۔)

ایک راجہ تھا. اُسے یہ خیال ہوا کہ آخر ایک دن مرنا ہے، مکتی حاصل کرنے کے لئے اپنی آتما کو پہچان لینا چاہیئے. اُس کی کوئی ترکیب کرنی چاہیئے. اُس نے بہت سے براہمنوں کو جمع کیا اور کہا—کوئی ایسی بات بتلاؤ جس سے میں اپنی آتما کو پہچاننے لگوں اور جہن مکت ہو جاؤں. براہمنوں نے وجار کر جواب دیا کہ مہاراج ! ایک سونے کی گائے بنوائیے. اُسے براہمنوں کو دان دیجئے اور اُس طرح سے اور دھن وغیرہ دان دیجئے. 64 نھرتہ کر آئیے تو ہیکوان کی دیا سے جہن مکت ہو جائیگا. راجہ نے یہ سب کرم کئے. پر اُن سے نہ وہ اپنے کو پہچان سکا نہ دل کو شانتی ملی اور نہ مکتی کا کوئی لچھن دکھائی دیا. پھر اُس نے جوگیوں کی طرف دھیان دیا اور یہی پوارتھا اُن سے کی. جوگیوں نے پہلے تو راجہ کے گن پھوٹانے اور پھر ہرمجوریہ، بانپرستہ، دند کمندل اور وجیا ہم وغیرہ چار طرح کی شکشا دی. راجہ نے یہ سب کچھ بھی کیا. لیکن اُس کا بھی کچھ پھل نہ ہوا. اُس کے بعد اُس نے مسلمانوں کے مولویوں کو جمع کیا اور یہی سوال اُن کے سامنے رکھا. انھوں نے کہا کہ صاحب ! اگر آپ اسلام دھرم منظور کر لیں تو آپکی خواہش پوری ہو سکتی ہے. راجہ نے منظور کر لیا. مولویوں نے اُسے مسلمان بنایا. اُس کا ختنہ کروایا. اُسے نماز، روزہ، حج، ذکاۃ وغیرہ کی تعلیم دی. جب سب سیکھ لیا تو کہا کہ اب آپ حج کے لئے مکہ مدینہ ہو آئیے. راجہ نے یہ سب بھی کیا. جب واپس اپنے دیس آیا تو پھر مولویوں کو جمع کیا اور کہا کہ مجھے تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا. اب آپ کیا کہتے ہیں ؟

مکے گئے، مدینہ گئے، کرہ گئے،
 جیسے گئے تھے ویسے ہی ہر پھر کے آگئے.

مولویوں نے جواب دیا کہ جو کچھ ہمارے دھرم میں تھا ہم نے آپ کو سب بتا دیا. اُس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے. سب طرف سے مایوس (نراش) ہو کر راجہ کو ایک طرح کا پاگلپن ہو گیا. ایک ہاتھ سے اُس نے اپنا گن پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے ختنہ کی جگہ اور

ابھرا بھڑ بھڑ کر یہ کہنا شروع کیا کہ 'یہ ہندو ہے، اور یہ مسلمان! میں کون ہوں؟'

باہر میں گرے بٹھا لوگوں کے درمیان ہوں،
پر جاننا نہیں ہوں میں کون ہوں کہاں ہوں۔

آخر میں ہاتھوں کی طرح گھومتے گھومتے 'جو نلہہ ہاندہ' (ارتھ—جی تھوٹھا تین پائیاں) کے مطابق راجہ کے پاس ایک سچا نقیر اپنے کچھ چٹاں سمیت آپہنچا۔ راجہ کو دیکھا اور پوچھنے لگا—'کیا کہتا ہے؟ راجہ نے یہ دہی کہا—'یہ ہندو' یہ مسلمان' میں کون؟' نقیر نے اُسے اچھی طرح پرک کر تسلی دیکر اُپدیش دیا کہ یہ ہندو مسلمان کا بھید ہی اُتار کے اصلی روپ کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اُتار کے دیدار (درشن) کے لئے سب سے پہلے اِس دونی کے پردے کو بیچ سے ہٹا دینا ضروری ہے۔ اب راجہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ کرم کا نڈ، ہندو مسلمان اور دونی کے بھید سے اوپر اُٹھ کر ہر جاندار میں ایک اُتار کے درشن کرنے لگا۔

سات گرو پورا مل گیا جو کھول دکھائے تھیں۔

(باکری فیر)

جگہ جگہ گھوم کر یہ کہنا شروع کیا کہ یہ 'ہندو ہے' اور یہ مسلمان! میں کون ہوں؟

ظاہر میں گرے بٹھا لوگوں کے درمیان ہوں،
پر جاننا نہیں ہوں میں کون ہوں کہاں ہوں۔

آخر میں ہاتھوں کی طرح گھومتے گھومتے 'جو نلہہ ہاندہ' (ارتھ—جی تھوٹھا تین پائیاں) کے مطابق راجہ کے پاس ایک سچا نقیر اپنے کچھ چٹاں سمیت آپہنچا۔ راجہ کو دیکھا اور پوچھنے لگا—'کیا کہتا ہے؟ راجہ نے یہ دہی کہا—'یہ ہندو' یہ مسلمان' میں کون؟' نقیر نے اُسے اچھی طرح پرک کر تسلی دیکر اُپدیش دیا کہ یہ ہندو مسلمان کا بھید ہی اُتار کے اصلی روپ کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اُتار کے دیدار (درشن) کے لئے سب سے پہلے اِس دونی کے پردے کو بیچ سے ہٹا دینا ضروری ہے۔ اب راجہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ کرم کا نڈ، ہندو مسلمان اور دونی کے بھید سے اوپر اُٹھ کر ہر جاندار میں ایک اُتار کے درشن کرنے لگا۔

ست گرو پورا مل گیا جو کھول دکھائے تھیں۔

(باقی ہے)

'ہاریوں پر خُدا کا یہ بڑا عہدسان باکری ہے
کی دنیا میں ابھی تک اُن کا قبرستان باکری ہے
چباے جاتے ہیں لے کر خُدا کا نام انساں کو
دھرم کے تھمیداروں کا مگر ایمان باقی ہے
بہالے جائے جو ظلم و ستم کو ساری دنیا سے
ہٹائے میں ابھی آئے کو وہ طوفان باقی ہے
جہاں بکری ہے روٹی کے عوض انسانیت نازک
ستم ہے اُن دائلوں کی وہ دوکان باقی ہے
نریوں سے ملے گا بھوک کیا بھوکوں کو نازک
جہاں روٹی کے بدلے صرف اُن کی جان باقی ہے"

—ناچوک ہلاہاواہی

'نریوں پر خُدا کا یہ بڑا احسان باقی ہے
کہ دنیا میں ابھی تک اُن کا قبرستان باقی ہے
چباے جاتے ہیں لے کر خُدا کا نام انسان کو
دھرم کے تھمیداروں کا مگر ایمان باقی ہے
بہالے جائے جو ظلم و ستم کو ساری دنیا سے
ہٹائے میں ابھی آئے کو وہ طوفان باقی ہے
جہاں بکری ہے روٹی کے عوض انسانیت نازک
ستم ہے اُن دائلوں کی وہ دوکان باقی ہے
نریوں سے ملے گا بھوک کیا بھوکوں کو نازک
جہاں روٹی کے بدلے صرف اُن کی جان باقی ہے"

—نازک الہ آبادی

بیربمبھرنایا پاڈے

وشومبر ناتھ پانتے

میں نے ابھر جاپانیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر تم نے تو مجھے کے مندر نہیں دیکھے تو تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اتفاق سے میں نے تم کے مندر دیکھے ہیں اور میں یہ مانتا ہوں کہ وہ بے حد شاندار اور عالی شان ہیں، مگر یہ کہنا کہ وہ دنیا کی عمدی کلا میں لاثانی ہیں، اس سے جاپانیوں کو بے شک تسلی ہو سکتی ہے مگر کلا کے پریمیوں کو نہیں۔

میں اس کا دعویٰ نہیں کرنا کہ میں نے کلا کے لحاظ سے دنیا کی سبھی شاندار عمارتوں کو دیکھا ہے۔ البتہ یورپ، ایشیا اور آفریقہ کی اپنی سیڑوں میں میں نے کئی بے حد سند عمارتیں دیکھی ہیں۔ مصر کے پیرامیدز، بابل کے سات ستون، یونان کی رنگ شالیں، روم کے تھیٹر، ایران میں بے ہستون کے شالیں، چین کی بڑی دیوار، جاوا کا بورو بدر کا مندر، رنگوں کا پکودا اور اجنٹا اور ایلورہ کی گہنائیں سب آج بھی میری نظروں میں سمائی ہوئی ہیں اور عکس بہ عکس میری کلپناؤں میں چھائی ہوئی ہیں۔ ہر بس میرا مانتا اُن جانے اور انجانے کلاؤں اور شلیوں کے قدموں پر چھکا ہے جنہوں نے پرانے زمانے کو اپنی کلا کے ذریعہ اپنی چھینی اور اپنے ہتھوڑے سے، ورتان زمانے کے ساتھ جوڑا ہے۔ انمول کلا کے یہ امر نمونے ہمیں یہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ انسان کی زندگی چند روزہ ہو سکتی ہے مگر کلا امر ہے اور اس کی چھاپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا پر رہتی ہے۔

میں شیلی ہوں اور نہ کلاکار، اور نہ مجھے کلا کی نکتہ چینی کرنے کا ہی ادھیکار حاصل ہے۔ لیکن ایک معمولی سیلانی کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آگرے کے تاج کو دیکھ کر مجھ پر جو اثر پڑا اُسے بیان کر سکتا میرے امکان سے باہر ہے۔ کلاکار کی کلپنا اور شلیوں کی چترائی کی اتنی مکمل تصویر میری نظروں سے آج تک نہیں گذری۔

اس بات کو جانے کتنے برس بیت چکے، ایلچی، دال چینی اور صندل کے پتروں کو تھپتھپا دیتی ہوئی چینی ہوا کے ہیلے ہیلے دھونی چھوڑے قدرت کو گدگدا رہے تھے۔ میں آگرے کی تنگ گلیوں کو پار کر جتنا کے کنارے آجاز اور سلسان سڑک سے چکر کاٹتا ہوا، اسیا سا ایک مکان پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ دواپر

میں نے ابھر جاپانیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر تم نے تو مجھے کے مندر نہیں دیکھے تو تم نے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اتفاق سے میں نے تم کے مندر دیکھے ہیں اور میں یہ مانتا ہوں کہ وہ بے حد شاندار اور عالی شان ہیں، مگر یہ کہنا کہ وہ دنیا کی عمدی کلا میں لاثانی ہیں، اس سے جاپانیوں کو بے شک تسلی ہو سکتی ہے مگر کلا کے پریمیوں کو نہیں۔

میں اس کا دعویٰ نہیں کرنا کہ میں نے کلا کے لحاظ سے دنیا کی سبھی شاندار عمارتوں کو دیکھا ہے۔ البتہ یورپ، ایشیا اور آفریقہ کی اپنی سیڑوں میں میں نے کئی بے حد سند عمارتیں دیکھی ہیں۔ مصر کے پیرامیدز، بابل کے سات ستون، یونان کی رنگ شالیں، روم کے تھیٹر، ایران میں بے ہستون کے شالیں، چین کی بڑی دیوار، جاوا کا بورو بدر کا مندر، رنگوں کا پکودا اور اجنٹا اور ایلورہ کی گہنائیں سب آج بھی میری نظروں میں سمائی ہوئی ہیں اور عکس بہ عکس میری کلپناؤں میں چھائی ہوئی ہیں۔ ہر بس میرا مانتا اُن جانے اور انجانے کلاؤں اور شلیوں کے قدموں پر چھکا ہے جنہوں نے پرانے زمانے کو اپنی کلا کے ذریعہ اپنی چھینی اور اپنے ہتھوڑے سے، ورتان زمانے کے ساتھ جوڑا ہے۔ انمول کلا کے یہ امر نمونے ہمیں یہ تسلی دیتے رہتے ہیں کہ انسان کی زندگی چند روزہ ہو سکتی ہے مگر کلا امر ہے اور اس کی چھاپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا پر رہتی ہے۔

میں شیلی ہوں اور نہ کلاکار، اور نہ مجھے کلا کی نکتہ چینی کرنے کا ہی ادھیکار حاصل ہے۔ لیکن ایک معمولی سیلانی کی حیثیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آگرے کے تاج کو دیکھ کر مجھ پر جو اثر پڑا اُسے بیان کر سکتا میرے امکان سے باہر ہے۔ کلاکار کی کلپنا اور شلیوں کی چترائی کی اتنی مکمل تصویر میری نظروں سے آج تک نہیں گذری۔

اس بات کو جانے کتنے برس بیت چکے، ایلچی، دال چینی اور صندل کے پتروں کو تھپتھپا دیتی ہوئی چینی ہوا کے ہیلے ہیلے دھونی چھوڑے قدرت کو گدگدا رہے تھے۔ میں آگرے کی تنگ گلیوں کو پار کر جتنا کے کنارے آجاز اور سلسان سڑک سے چکر کاٹتا ہوا، اسیا سا ایک مکان پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔ دواپر

خوب میں جھون کے جس رخ کو کھٹا بگوان نے سارخی
بنکر ہوا تھا، ریتوں میں یہ بکھڑا پڑپوتا لگتا ہے۔
اب نہ اس پر راجا بیٹھتے ہیں نہ علی، نہ نیتا بیٹھتے ہیں اور
نہ ایم، لیل، ام۔ نہ اس میں ریشمی جہازیں ہیں اور
نہ سہرے گلو تکے۔ اب یہ سو فیصدی غریبوں کی سواری ہے۔
یہ کامریل سا گھوڑا ایک چھتکے کے ساتھ رکا، میں نے اچانک
دیکھا کہ میں ایک عالی شان لال پھانک کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔
اچانک مہری نگاہ پھانک کے پھتر گئی اور مجھے ایسا لگا کہ
ایک شاندار لال مکتوب کے نویم میں جڑی ہوئی خوبصورتی
کی ایک سفید چمچماتی ہوئی تصویر مہری آنکھوں کے سامنے
ہے۔ چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں سنگ مرمر کے سوندریہ
ہیوں کے ساتھ اٹھیلیاں کر رہی تھیں اور اس کی ارنچی
مہناریں مہم ہونے لگیں آسمان کے دل میں مانو چہ جاتا
چاہتی تھیں۔

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

تاج—مہلوں کا مکتوب—مکتوب سے بہت دور ایک بھیم-
کای کرسی پر خاموش کھڑا ہوا ہے۔ سامنے خزانہ باری
کا جہاں بیللیری کھڑے ہیں جلال کی پھارے فکے رہے
اور جہاں ہری ہری مسملی دھب کا کالیانہ بیٹھا ہوا
ہے۔ تاج کے دونوں اور دو پھرے داروں کی طرح کھڑے
لال مہلوں اور لال مریجہ، سومتاج کے کدموں کو
چھٹی ہوئی جھونکا مانو اٹھاتا دیتی ہوئی کھڑی تھی—
"راہا کی جواہر کو بھل کر بھندرا بن سے میں یہاں آئی
ہی سومتاج! تو نے اسکا بھی خیال نہ رہا!"

شکس کی جیسے تاج کی کल्पنا کی تھی۔ اس کے باوجود
میں کتنی عجب اور کتنی موہکتا ہے۔ بے جہان
سنگمرمر، ایسا مہسوس ہونے لگتا ہے کہ، ہزار ہزار
زبانوں سے پریم کی

جس فریم میں پریم اور سندرن کا یہ لٹائی لکھتے جزا
ہوا ہے اس تاج کا سارا ارد گرد کتنا موزوں اور کتنی ابرو سنا پیدا
کرتے والا ہے۔ جتنی سندر تصویر ہے، اتنا ہی شاندار فریم ہے۔
ایسا لگتا ہے مائو بہشت کے چنبروں نے کلپنا کے کھنواں پر
دھوی سندرن کی ایک دلکش تصویر کھینچ دی ہے۔ درشک
اچرچ سے بھرا ہوا ایک ٹک دیکھتا رہتا ہے اور حسن کے اس
پے آنت خزانے کو دیکھ سکے کے لئے اپنے کو مستور سمجھتا ہے اور
اپنے من میں تاج کے اس نظارے کی امت جہان کی لہر رہ
وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔

روئے کے بلند محراب پر سنگ موسیٰ کے نگوں سے عربی الفاظ
لس طرح جزے ہوئے ہیں مائو روئے کالہ مہاراجات پھولوں کا کجرا
پہنے کھڑا ہے۔ سنگ مرمر کی گورائی پر یہ کالہ رنگ کا کجرا بے حد
سندر لگتا ہے۔ سنگ مرمر کی جانریوں سے سورج کی دو پہلی
کرنیں چمن چمن کر دھوپ چھاں کھلتی ہیں۔ ہلکے ہلکے
پوکھ کی پھکی روشنی سدن کے پھتری حصہ کو آلوک
گرتی رہتی ہے۔ سدن کے بیچ میں سنگ مرمر کی جالیدار
قصاصت کھڑی ہے مائو کسی آنت سفر کے پڑاؤ پر ملکہ ممتاز
پورے میں سنگار کر رہی ہیں: سنگ مرمر کی اس جانری
میں اسول نکلتے جزے ہوئے ہیں—الجود، سنگ سلیمان،
عربی، سوربہ کانت، نھلم، چندر کانت اور پشپ راگ—طرح
طرح کے پھولوں اور پھل ہولوں کی شکل میں۔ اس جانری
کے پھل شامچیاں اور ممتاز کبھی نہ ٹوٹنے والی نھد میں
مدہ بدہ کھوئے ہوئے پڑے ہیں۔

پونم کا چاند جب اپنے سفر کی ادھی منزل طے کر کے ذرا
آرام کرنے کے لئے ٹھہر گیا تھا، ٹھیک ایسے وقت میں یہ
دوبارہ تاج محل پہنچا۔ چاندنی نے قدرت کے آنچل کو
جھپی اور چمکی کے پھولوں سے بھر دیا تھا۔ دھلی ہوا تاج محل
کے اوپر چلور مٹا رہی تھی۔ ام کی ڈالی پر بیٹھی ہونی کوئل
اسراچ کے تار سنبھال رہی تھی۔ تاج محل کی داہنی طرف
اس لال محل کے آنگن میں کھڑا ہوکر میں ایک ٹک تاج کی
شویا دیکھ رہا تھا۔ باغ کے پیر اپلی شاہانیں پھیلائے ہوئے اس
محل سے خاموشی کے سروں میں اپنے سک دھ کی کہانی کہتے
میں مصروف تھے۔ زمانہ بیت گیا اُن گھنٹاؤں کو دیکھے ہوئے
مگر اب بھی وہ کتنی صفائی سے اُن کے دلوں میں جڑی ہوئی
ہیں۔ برگ کا وہ درخت تب کتنا ننھا سا تھا۔ شہزادی
زیب النساء نے لاد میں جب اُس کی کونہلیں تیزی تھیں تو
مابدولت شامچیاں نے شہزادی کو ڈانٹ کر حسرت بھری

* ایک قسم کا بہشتی پھول

نیگاہوں سے اس بزرگاہ کے پیچھے کے نچلے سے بدن پر اپنے شاہی ہاتھ پھیرے تھے۔ محض اسی ایک یاد کو تازہ کئے ہوئے وہ آج چار صدیوں سے اپنے مالک کی قبرگاہ کو نہارتا رہتا ہے۔ بدن اُس کا کھوکھلا ہوا ہے تو کیا ہوا وہ اپنے لڑکھڑاتے پیروں پر کھڑا ہے، مانو قیامت کے دن انکوائی لیکر اُٹھتے ہوئے شہشاہ سے کہیگا— ”جہاں پناہ! میں تمہارا حقیر خادم ہوں۔“ کچھ درخت اپنی انسانی شاخیں جمنا کی اور بڑھا کر مانو منڈیں کر رہے ہیں— ”ہن! ٹھہرو! تم تو دلی سے آ رہی ہو۔ بہادر شاہ کے بعد تم نے دیوان خاص کی کوئی خبر نہیں بتائی۔ کیوں؟ کیا لا قلعے کی دیواریں تمہیں دیکھ کر اب اپنا منہ پھیر لیتی ہیں؟ ہن! نارورقی تو دھرا دھرا کر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ فرنگی اب لا قلعہ سے رخصت ہو گئے ہیں اور وہاں ملکی نشان بھرا رہا ہے۔“ مگر جمنا کے کانوں میں کوئی بات ہی نہیں پڑتی اور وہ ان منی ہو کر آگے بڑھ جاتی ہے۔ صرف کل کل، چہپ چہپ کی آواز کانوں میں پڑتی ہے مانو جمنا کی دھارائیں اس کے ان منہ پن پر گنا پھوسی کر رہی ہیں۔

تاج کے بائیں طرف لال مسجد کھڑی ہوئی تھی۔ روپلے سنگ مرمر سے ٹکرا کر چاندنی مسجد کے گلابی بدن کو سفید تماکائی ململ کی چادر سے ڈھکنے کی بیکار کوشش کر رہی تھی۔ تاج کے پیچھے سے جمنا شہر کی اور اُس طرح بہ رہی تھی مانو ممتاز کے دامن کا روپلا گوتا سیلن توڑ کر بکھر گیا ہو۔ تاج سے نین میل دور کالے دھبے کی طرح دلع اور جہانگیری محل کھڑے ہوئے تھے۔ قلعہ کے باہر کے لال پتھر کی چہار دیواری دھندلکے میں صاف نہیں دکھائی دے رہی تھی، لیکن ہیپتو کی سنگ مرمر کی موتی مسجد وہاں پر چمک اُٹھتی تھی۔

✽

✽

✽

رات کی خاموشی میں تواریخ کی ڈوٹی کڑیوں کو سلسلےوار جودنے کی کوشش کرتے ہوئے کتنی رات بیت گئی اس کا مجھے ذرا بھی اندازہ نہ تھا۔ چاند کی شیشل کرنیں، مند مند ہوا کے جھکڑے، روپلا اور چمکتا ہوا تاج محل—سارا سماں اور نظارہ اتنا من موہنے والا تھا کہ دماغ ایک جگہ اٹک کر رہ گیا۔ سہا اُس سنسان محل کو دس میں نہلاتی ہوئی اسراج کی ایک مدھرتان مہرے کانوں میں گونج گئی۔ میرے اچرج کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اُس سنسان محل کے ہیپتو سے مدھر مدھر گیت کی یہ دھن اُٹھ رہی تھی تو میرے تن بدن میں کدکپی سی دوز گئی۔

یکایک ہاجے کی گت کے ساتھ مجھے ایک ایرانی تاج کے پدچاپ سنائی دیئے۔ اسراج کے تار ہوا کو مٹ کر

رات کی خاموشی میں تواریخ کی ڈوٹی کڑیوں کو سلسلہ وار جودنے کی کوشش کرتے ہوئے کتنی رات بیت گئی اس کا مجھے ذرا بھی اندازہ نہ تھا۔ چاند کی شیشل کرنیں، مند مند ہوا کے جھکڑے، روپلا اور چمکتا ہوا تاج محل—سارا سماں اور نظارہ اتنا من موہنے والا تھا کہ دماغ ایک جگہ اٹک کر رہ گیا۔ سہا اُس سنسان محل کو دس میں نہلاتی ہوئی اسراج کی ایک مدھرتان مہرے کانوں میں گونج گئی۔ میرے اچرج کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جب میں نے یہ محسوس کیا کہ اُس سنسان محل کے ہیپتو سے مدھر مدھر گیت کی یہ دھن اُٹھ رہی تھی تو میرے تن بدن میں کدکپی سی دوز گئی۔

یکایک ہاجے کی گت کے ساتھ مجھے ایک ایرانی تاج کے پدچاپ سنائی دیئے۔ اسراج کے تار ہوا کو مٹ کر

یکایک ہاجے کی گت کے ساتھ مجھے ایک ایرانی تاج کے پدچاپ سنائی دیئے۔ اسراج کے تار ہوا کو مٹ کر

مردم ہوتا رہے۔ پُربھی کی مکار بھی تھی پکڑ رہی تھی۔ میں بھی سُر تال میں بپکی ہر کر مومنہ لگا۔ میرے پیر ہر بس ناچ کا تال اور سُر ہرنے لگے۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ اسراج کے تاروں پر اتنا مدمست کہیں آخر کی آنکھوں نے پیدا کیا؟ یہ ناچ اور گن آخر ہو کہاں رہا ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں دمشق کے ایک عربی پریم گیت کے سر پڑے۔ کیا اپنے پہچانے سفر میں میں یہی پریم گیت نہیں سنا تھا؟ مگر یہاں اُس گیت پر تالار کے کومل سروں نے مقہاس کا ملمع پھیر دیا تھا۔ سا... رے... گا... ما کے مدھر سر پر لاپ دور رہا تھا۔ اسراج کے صرف تین تاروں پر آنکھیاں پھر رہی تھیں مگر میرا دل اسراج کی کہن کے ساتھ تڑپتا اور چینگار کرنا، رات کی خاموشی کر چہ "چاندنی اور اندھیرے میں ملنارتا" ہزاروں کی شاخوں پر چٹا، جمنا کی ترنگوں پر جھومتا، سارے سماں کو کمپت کرنا نت میں سا جانا چاہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا مانو کسی ہسانت کے سویرے ساری دنیا کی حسرت ہرور کر بیٹھا لپنے بی کے ساتھ ایک ہو جانا چاہتا تھا۔ گا یک کے سروں میں اتنا جلدو تھا کہ میں اپنی سدھ بدھ کو بیٹھا۔ ندیے آسمان میں چمچمتا ہوا پونم کا چاند دونوں ہاتھوں سے اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ گیت کی تان کے ساتھ سلسلار کا سارا رس مانو ایک جگہ اکٹھا ہو رہا تھا۔ جو کچھ مہنے دیکھا اور سنا اُس کی صحیح صحیح تصویر لفظوں میں اُتار سکتا میرے لئے قطعی ناممکن ہے۔

جب تک وہ کانپتے ہوئے اور ہلکتے ہوئے سنگیت کے سُر چاندنی پر رینگتے ہوئے چاروں دشاؤں میں بھٹکتے رہے تب تک میں سوچ-بُوح بھسار کر اسے سناتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت میں سدھ بدھ ہسار کو اُسے سناتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت یکا یک تم گھا۔ تھوڑی دیر میں میرے ہوش حواس لوٹے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ گیت کی دھن تو اُسی محل کے اُڑے کی منزل سے آ رہی تھی۔ یکا یک من میں بھاؤنا اُٹھی کہ کھوں نہ اُڑے چل کر دیکھا جائے۔ کئی چکر دار سیرھوں پر چڑھتا ہوا، روشنی اور اندھیرے سے گذرتا، میں راستہ کھوجتا ہوا اُڑے کا راستہ پانے لگا۔ گول چکر کتنی ہوئی سیڑھیاں چھت پر ایک چھوٹے سے برآمدہ میں ختم ہوتی تھیں۔ برآمدہ کئی ہوئی جانروی سے بند تھا۔ برآمدہ کے بعد ہی ایک بڑی سی چھت تھی۔

چاندنی کی معصوم کرنیں روپلی پوشاک پہنے ہوئے چھت پر رہ رہ کر گلابجل چھڑک رہی تھیں۔ چالہس فٹ لمبے چھڑے سنگ مر مر کے فرش پر قریب چار انچ موٹا دمشق قالین بچھا ہوا تھا۔ پیرب کے جانب ایک چاندنی کا تخت پڑا ہوا تھا جس پر بیٹھ قیامت

مردم ہوتا رہے۔ پُربھی کی مکار بھی تھی پکڑ رہی تھی۔ میں بھی سُر تال میں بپکی ہر کر مومنہ لگا۔ میرے پیر ہر بس ناچ کا تال اور سُر ہرنے لگے۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ اسراج کے تاروں پر اتنا مدمست کہیں آخر کی آنکھوں نے پیدا کیا؟ یہ ناچ اور گن آخر ہو کہاں رہا ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میرے کانوں میں دمشق کے ایک عربی پریم گیت کے سر پڑے۔ کیا اپنے پہچانے سفر میں میں یہی پریم گیت نہیں سنا تھا؟ مگر یہاں اُس گیت پر تالار کے کومل سروں نے مقہاس کا ملمع پھیر دیا تھا۔ سا... رے... گا... ما کے مدھر سر پر لاپ دور رہا تھا۔ اسراج کے صرف تین تاروں پر آنکھیاں پھر رہی تھیں مگر میرا دل اسراج کی کہن کے ساتھ تڑپتا اور چینگار کرنا، رات کی خاموشی کر چہ "چاندنی اور اندھیرے میں ملنارتا" ہزاروں کی شاخوں پر چٹا، جمنا کی ترنگوں پر جھومتا، سارے سماں کو کمپت کرنا نت میں سا جانا چاہتا تھا۔ ایسا لگتا تھا مانو کسی ہسانت کے سویرے ساری دنیا کی حسرت ہرور کر بیٹھا لپنے بی کے ساتھ ایک ہو جانا چاہتا تھا۔ گا یک کے سروں میں اتنا جلدو تھا کہ میں اپنی سدھ بدھ کو بیٹھا۔ ندیے آسمان میں چمچمتا ہوا پونم کا چاند دونوں ہاتھوں سے اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ گیت کی تان کے ساتھ سلسلار کا سارا رس مانو ایک جگہ اکٹھا ہو رہا تھا۔ جو کچھ مہنے دیکھا اور سنا اُس کی صحیح صحیح تصویر لفظوں میں اُتار سکتا میرے لئے قطعی ناممکن ہے۔

جب تک وہ کانپتے ہوئے اور ہلکتے ہوئے سنگیت کے سُر چاندنی پر رینگتے ہوئے چاروں دشاؤں میں بھٹکتے رہے تب تک میں سوچ-بُوح بھسار کر اسے سناتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت میں سدھ بدھ ہسار کو اُسے سناتا رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے گیت یکا یک تم گھا۔ تھوڑی دیر میں میرے ہوش حواس لوٹے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ گیت کی دھن تو اُسی محل کے اُڑے کی منزل سے آ رہی تھی۔ یکا یک من میں بھاؤنا اُٹھی کہ کھوں نہ اُڑے چل کر دیکھا جائے۔ کئی چکر دار سیرھوں پر چڑھتا ہوا، روشنی اور اندھیرے سے گذرتا، میں راستہ کھوجتا ہوا اُڑے کا راستہ پانے لگا۔ گول چکر کتنی ہوئی سیڑھیاں چھت پر ایک چھوٹے سے برآمدہ میں ختم ہوتی تھیں۔ برآمدہ کئی ہوئی جانروی سے بند تھا۔ برآمدہ کے بعد ہی ایک بڑی سی چھت تھی۔

چاندنی کی معصوم کرنیں روپلی پوشاک پہنے ہوئے چھت پر رہ رہ کر گلابجل چھڑک رہی تھیں۔ چالہس فٹ لمبے چھڑے سنگ مر مر کے فرش پر قریب چار انچ موٹا دمشق قالین بچھا ہوا تھا۔ پیرب کے جانب ایک چاندنی کا تخت پڑا ہوا تھا جس پر بیٹھ قیامت

✿ ✿ ✿

बकायक मजलिस लकी और सब के सब मुँडेर के पास जाकर, नीचे बहती हुई जमुना के उस पार कोहरे का डुपट्टा ओढ़े जागरे की सोई हुई नगरी की ओर ध्यान से देखने लगे, मैं भी कौतूहल से भरा हुआ दीवार के पास पहुँचा, जो कुछ देखा, मेरे अचरज का ठिकाना न रहा। फटते हुए कोहरे की चादर से साफ़ होता हुआ संगमरमर का एक पुल दिखाई दिया जिसकी एक मेहराब ताज के इस किनारे पर थी तो दूसरी मेहराब जमुना के उस किनारे पर, सिर्फ़ एक मेहराब वाला रुपहले संगमरमर का बुर्जदार खूबसूरत पुल देखाकर मेरी हैरत का ठिकाना न रहा। कोहरा जरा और घटता हुआ और तब मैंने देखा कि ठीक जमुना के उस

✻ ✻ ✻

सितम्बर '५५

کلیمبرز سنگ مرمر کے پل اُس پہانے کے پلس ناچ مصل کی ہو ہو
ایک دوسری عبارت کھڑی تھی۔ اُٹنی ہی صاف، اُٹنی ہی سنہرے
اُٹنی ہی کا سے بھری ہوئی، اُٹنی ہی بلوری—دونوں میں کس قسم کا
فرق کر سکتا مشکل تھا۔ پل کا راستہ، چھتا، محراب، کھوکھلیں
سب سفید چمکدار سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں۔ میں اُچرچ
اُچر حرکت میں سروپا قہقہہ کر اپنی سیدہ بدھ کو دیکھا۔ پل
لگا تھا مالتو سنگ مرمر کا دھلے ناچ کو دوسرے
ناچ سے چور رہا تھا۔

میں بے چمن ہو کر اُس نظارے کے پت کے پت اپنے دل
میں بھر رہا تھا کہ اچانک جھٹکے جل سے گھبرا اُٹھ کر
اُسکی میں چھانے لگا۔ آگرے کا شہر، سنگ مرمر کا پل، اُس
پار کا تاج محل اور ندی سب کے سب دھندھلکے کے پردے
میں چھپ گئے۔ میں نے اُسکی کی اور نظر ڈالی تو دیکھا کہ یونم
کا چاند اتنی کے ہونٹوں کا چمبن لہ رہا تھا۔ چاندنی نہلی
پڑ رہی تھی اور آنے والی جدائی کے صدمہ سے سستی جا
رہی تھی۔

مونیہ مژکر مجلس کی طرف نظر ڈالی مگر وہاں پانچپوس
میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ بنا کسی آواز کے، خاموشی
کے ساتھ وہ مائو سب کے سب ہوا میں غائب ہو گئے۔ وہ
سوٹا مضملی قالین، چراؤ چاندی کا تخت، ریشمی اور کمنداب
کی چاندیریں، زرین گٹو تیکٹے اور مسندیں، استاد اور اسراج،
نرتکیاں اور ان کے گھرنکھرو، وہ حسن کی پری اور وہ انسانیت
کا دیوتا، سب کے سب دھستے کے پردے میں سما گئے۔ کسی
چیز کی وہاں پرچھائیں تک باقی نہ رہی۔ اُس عجیب و
غریب مجلس کی یادگار کو تازہ رکھنے والا صرف وہ کچھ تھا سدا
بہار نرگس کے پھولوں کا وہ کچھا ا مہیلے ایک سرد آہ بھر کر
دھیرے سے آئے جا کر اُٹھا لیا۔

ایک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے نے میری کھوئی ہوئی چیتنا واپس لادی۔ میں نے آگے کی طرف نظر دوڑائی۔ ریل کے انجنوں اور کارخانوں کی چمنیوں کا دھواں لکڑی بنا ہوا ہوا کے رخ آتر دشا میں اٹکھا ہو رہا تھا۔ دور، بہت دور پہاڑوں کی ایک قطار تھکی ماندی پڑی تھی۔ میں کم سم سوچ رہا تھا کہ وہ سنگ مرمر کا پل اور وہ دوسرا تاج کیا محض میری کلپنا اور دھوکا تھے؟ وہ حسن کی پڑی اور وہ شایستگی کا دیوتا کیا وہ دونوں بھی دھوکا تھا؟ وہ نوجوان نرتکیاں جہوم جہوم کر ناچتی ہوئی اور کلا کا دھنی وہ استاد کیا وہ تیلوں بھی سہنا تھے؟ نہیں یہ قطعی ناممکن ہے۔ میں ان سب کے چہروں کی رائی رائی بناوٹ دھرا سکتا ہوں۔ کتنا سربلا کلا تھا استاد کا کتنا سور اور قال سے بھرا ہوا اکھا وہ

ابھی میرے دیمارا کی بپج تھی؟ کبھی نہیں! کبھی نہیں! اگر یہ سب سہلا اور دھوکا تھا تو یہ نرگس کے پھول؟ ان کی سندنہ، ان کی پلکڑیاں اور ان کی مادکنا یہ سب کتنی جیتی جاگتی ہاتھیں ہیں! میں ان کی خوشبو کو سونگ رہا ہوں، انہیں ہاتھوں سے چھو رہا ہوں اور آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر یہ سہلا اور دھوکا نہیں ہیں تو وہ حسن کی پری جس نے انہیں اپنی کومل آنکھوں سے پکڑ رکھا تھا کیسے سہلا اور دھوکا ہو سکتی ہے؟

عقلمند نے دیر سے سیدر کا تھال بیکھر دیا۔ آسمان نے اس نے ہنس کر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ سورج نے کنگھیں سے ان کی یہ پریم لہلا دیکھی۔ مونسری کے پیر پر بیٹھا ہوا پھندا بی کہاں! بی کہاں! کی ٹہر لگائے لگا۔ نیچے باغ کی صفائی اور اگا دوکا سیلابی کی آمد رخت شروع ہو گئی۔ میں تھکا ہوا بہاری پھروں سے سوزھیاں طے کرتا ہوا نیچے آیا۔ محل سے نکلنے ہی ایک ہرزے خواستگہر پر مہری نظر پڑی۔ مہنے پاس جا کر اُس سے رات کے گیت اور ناچ کی بات پوچھی۔ لاہرواھی سے ہرزے نے مجھے ٹال دیا۔ پر جب مہنے اُس حسن کی پری کی بات کہی تو اُس کے پیر لڑا کھڑا گئے۔ اُس کے ہاتھ سے لائیں چھوٹ کر گر پڑی۔ وہ وہیں کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا۔ جب سنہل کر اُٹھا تو اسپیٹ آواز میں، 'ملکہ جہان! ملکہ جہان!' کہتا ہوا ایک اور چلا گیا۔ میں اُس سے زیادہ کچھ نہ پوچھ سکا۔

اُس پونو کی رات کی بات میں کس سے پوچھوں؟ لوگ مجھے خبطی اور دیوانہ سمجھیں گے، حالانکہ مجھے اُس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ملکہ جہان ممتاز کا مذاق اُڑائے۔

وہ سدا سکندہ دینے والے نرگس کے پھول اب بھی جتن کے ساتھ مہرے قرآننگ روم میں چائنا کے پھولدان میں رکھے ہوئے ہیں۔

ابھی میرے دیمارا کی بپج تھی؟ کبھی نہیں! کبھی نہیں! اگر یہ سب سہلا اور دھوکا تھا تو یہ نرگس کے پھول؟ ان کی سندنہ، ان کی پلکڑیاں اور ان کی مادکنا یہ سب کتنی جیتی جاگتی ہاتھیں ہیں! میں ان کی خوشبو کو سونگ رہا ہوں، انہیں ہاتھوں سے چھو رہا ہوں اور آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اگر یہ سہلا اور دھوکا نہیں ہیں تو وہ حسن کی پری جس نے انہیں اپنی کومل آنکھوں سے پکڑ رکھا تھا کیسے سہلا اور دھوکا ہو سکتی ہے؟

عقلمند نے دیر سے سیدر کا تھال بیکھر دیا۔ آسمان نے اس نے ہنس کر اس کی پیشانی کو چوم لیا۔ سورج نے کنگھیں سے ان کی یہ پریم لہلا دیکھی۔ مونسری کے پیر پر بیٹھا ہوا پھندا بی کہاں! بی کہاں! کی ٹہر لگائے لگا۔ نیچے باغ کی صفائی اور اگا دوکا سیلابی کی آمد رخت شروع ہو گئی۔ میں تھکا ہوا بہاری پھروں سے سوزھیاں طے کرتا ہوا نیچے آیا۔ محل سے نکلنے ہی ایک ہرزے خواستگہر پر مہری نظر پڑی۔ مہنے پاس جا کر اُس سے رات کے گیت اور ناچ کی بات پوچھی۔ لاہرواھی سے ہرزے نے مجھے ٹال دیا۔ پر جب مہنے اُس حسن کی پری کی بات کہی تو اُس کے پیر لڑا کھڑا گئے۔ اُس کے ہاتھ سے لائیں چھوٹ کر گر پڑی۔ وہ وہیں کلیجہ تھام کر بیٹھ گیا۔ جب سنہل کر اُٹھا تو اسپیٹ آواز میں، 'ملکہ جہان! ملکہ جہان!' کہتا ہوا ایک اور چلا گیا۔ میں اُس سے زیادہ کچھ نہ پوچھ سکا۔

اُس پونو کی رات کی بات میں کس سے پوچھوں؟ لوگ مجھے خبطی اور دیوانہ سمجھیں گے، حالانکہ مجھے اُس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ملکہ جہان ممتاز کا مذاق اُڑائے۔

وہ سدا سکندہ دینے والے نرگس کے پھول اب بھی جتن کے ساتھ مہرے قرآننگ روم میں چائنا کے پھولدان میں رکھے ہوئے ہیں۔

एक आदर्श चीनी मजदूर लड़की

ایک آدرش چینی مزدور لڑکی

श्रीमती प्रभा एम. ए. हिन्दी अध्यापिका
पीकिंग यूनिवर्सिटी पीकिंग, चीन

श्रीमती प्रभा ایم. اے. ہندی ادھیاپکا پیکنگ یونیورسٹی
پیکنگ، چین

(1)

(1)

हो चैन शु को मैं पहले नहीं जानती थी पर नाम बहुत मुना था. चीन में जहां कहीं भी हम कपड़े की मिल देखने ए मालूम हुआ कि वहां के कारखाने वाले हो चैन शु का रीका काम में ला रहे हैं. एक दिन मेरे एक विद्यार्थी त्याओ शी युई ने मुझ से पूछा—“आप हो चैन शु को जानती हैं?” नि कहा—“पत्रिकाओं में कुछ उनके बारे में पढ़ा है.” सने कहा—“आप उनसे मिलिये, पीकिंग ही में तो हैं और शरे देश में मशहूर हैं.” उसी दिन से मुझे इच्छा हुई कि मैं ते चैन शु से मुलाकात करूं. मैंने अपनी इच्छा अपने चीनी प्रध्यापक साथी श्री यिन हुंग युयेन के सामने रखी. उन्होंने इडी दिलचस्पी के साथ विश्वविद्यालय के पूर्वी-भाषा विभाग की तरफ से मेरे हो चैन शु के पास जाने का प्रबंध कर दिया. मुझे 12 फरवरी को 4 बजे उनसे मिलने का समय दिया गया. मन में अजीब तरह की खुशी महसूस करती हुई मैं उस दिन यिन साहब के साथ हो चैन शु से मिलने चली.

हो चैन शु जनता विश्वविद्यालय (Peoples University) के मिडिल स्कूल में पहले दर्जे की विद्यार्थी हैं. जनता विश्वविद्यालय पेकिंग विश्वविद्यालय से तीन चार मील दूर है. जब हम उस विश्वविद्यालय के फाटक पर पहुंचे तो वहां के प्रधान (Vice-Chancellor) व उपप्रधान (नायब वाइस चांसलर) ने हमारा स्वागत किया. सादी पोशाक में मंमोले क्रद की लगभग उन्नीस बरस की एक तन्दुरुस्त व हंसमुख चेहरे वाली लड़की को प्रधान ने आगे कर दिया—“यह हैं हो चैन शु.” वह हमसे बड़ी युहवत से मिली और उस कमरे में ले गई जहां मेहमानों के बैठने के लिये खास तौर से इन्तजाम है. प्रधान ने मुझ से कहा कि हो चैन शु उनके विश्वविद्यालय में पढ़ती है यह उनके लिये खुशी की बात है. मैं भी बेहद खुश थी. मैंने प्रधान को धन्यवाद दिया कि उन्होंने मुझे हा चैन शु से मिलने का मौका दिया. इस के बाद वे बाहर चले गये और मैं हो चैन शु से बातचीत करने लगी.

हो चैन शु ने मुझे अपने बचपन का हाल बताते हुए कहा:—“मैं शांगतुंग प्रांत के झिंग ताब शहर के पास ताओ

होजिन शु को मैं पहले नहीं जानती थी पर नाम बहुत मुना था. चीन में जहां कहीं भी हम कपड़े की मिल देखने क्ते मेलम हुआ कि वहां के कारखाने वाले हो चैन शु का طریق क में ला रहे हैं. एक दिन मेरे एक विद्यार्थी त्याओ शी युई ने मुझ से पूछा—“आप हो चैन शु को जानती हैं?” नि कहा—“पत्रिकाओं में कुछ उनके बारे में पढ़ा है.” सने कहा—“आप उनसे मिलिये, पीकिंग ही में तो हैं और शरे देश में मशहूर हैं.” उसी दिन से मुझे इच्छा हुई कि मैं ते चैन शु से मुलाकात करूं. मैंने अपनी इच्छा अपने चीनी प्रध्यापक साथी श्री यिन हुंग युयेन के सामने रखी. उन्होंने इडी दिलचस्पी के साथ विश्वविद्यालय के पूर्वी-भाषा विभाग की तरफ से मेरे हो चैन शु के पास जाने का प्रबंध कर दिया. मुझे 12 फरवरी को 4 बजे उनसे मिलने का समय दिया गया. मन में अजीब तरह की खुशी महसूस करती हुई मैं उस दिन यिन साहब के साथ हो चैन शु से मिलने चली.

होजिन शु जन्ता विश्वविद्यालय (Peoples University) के मिडिल स्कूल में पहले दर्जे की विद्यार्थी हैं. जनता विश्वविद्यालय पेकिंग विश्वविद्यालय से तीन चार मील दूर है. जब हम उस विश्वविद्यालय के फाटक पर पहुंचे तो वहां के प्रधान (Vice-Chancellor) व उपप्रधान (नायब वाइस चांसलर) ने हमारा स्वागत किया. सादी पोशाक में मंमोले क्रद की एक तन्दुरुस्त व हंसमुख चेहरे वाली लड़की को प्रधान ने आगे कर दिया—“यह हैं हो चैन शु.” वह हमसे बड़ी युहवत से मिली और उस कमरे में ले गई जहां मेहमानों के बैठने के लिये खास तौर से इन्तजाम है. प्रधान ने मुझ से कहा कि हो चैन शु उनके विश्वविद्यालय में पढ़ती है यह उनके लिये खुशी की बात है. मैं भी बेहद खुश थी. मैंने प्रधान को धन्यवाद दिया कि उन्होंने मुझे हा चैन शु से मिलने का मौका दिया. इस के बाद वे बाहर चले गये और मैं हो चैन शु से बातचीत करने लगी.

होजिन शु ने मुझे अपने बचपन का हाल बताते हुऐ कहा :—
“मैं शांगतुंग प्रांत के झिंग ताब शहर के पास ताओ

سامان گاؤں میں پیدا ہوئی تھی۔ لاکھوں اور غریب بچوں کی طرح میرا بچپن بھی غریبی میں بوتا۔ گھر میں ماما پتا کے علاوہ چار چھوٹے بھائی اور دو بہنیں تھیں، میں سب سے بڑی تھی۔ پتا جی کے پاس ایک گدھا گاڑی تھی۔ اُس سے وہ چھنگ ناؤ سے دوسری جگہوں پر امیروں کا سامان ڈھویا کرتے تھے۔ اُن دنوں چوروں لٹیروں کے گرن راستہ خطرناک تھا مگر گزارے کا دوسرا سادھن نہ ہونے کے کارن میرے پتا جی کئی سال سے یہی کم کرتے تھے۔ راستے میں پولیس تو رہتی تھی پر وہ بہت کم دھیمان دیتی تھی اور میرے پتا جی انڈر گاڑی لٹ جانے کے کارن دھکی و آداس ہوکر گھر لوٹتے تھے۔ اُن کے دن چنتا میں بیٹتے تھے۔ اور کبھی کبھی سامان لٹ جانے کے کارن اُنہیں امیروں مالکوں کو اُن کے مال کی قیمت بھی بھرنی پڑتی تھی۔ جب کبھی نہیں تو پیسہ کہاں سے دیتے؟ اِس لئے اُن کی حالت بہت ہی خراب رہتی تھی۔“

ہو چین شو نے کہا کہ:—”جب میں آٹھ سال کی تھی تب جاپانیوں نے وہاں قبضہ کر لیا۔ سارا گاؤں خالی کر دیا گیا۔ دوسرے گھروں کے ساتھ ساتھ ہمارا گھر بھی جلا دیا گیا، کیونکہ جاپانیوں کو وہاں ہوائی اڈا بنانا تھا۔ ماما پتا کے ساتھ میں گاؤں کے باہر چلی گئی پر کہیں نہ رہنے کے لئے جگہ نہ ملی۔ ہم سب ایک پھاڑی گھاٹی میں سب ایک پہاڑی گھاٹی میں رہنے لگے۔“ اِس پر لمبی سانس لیتے ہوئے چن نے کہا:—”وہ دنوں ہماری حالت بہت خراب تھی۔ میں گھر کی حالت سمجھتی تو تھی لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے یہ سمجھ نہ تھی۔ کچھ دن کے بعد میں ماما جی کے کہنے پر جنگل سے سوکھی گھاس جمع کرنے گئی اور بعد میں روز جنگل سے گھاس، کھیتوں سے سبزیاں اور سنڈر سے کچھ لٹائے کی چیزیں اکٹھا کرنے لگی۔ اُن دنوں میں کچرا گھروں کے آگے اور کارخانوں کے پچھواڑے چکر لگاتی کرتی تھی اور جلے ہوئے کونلوں میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر گھر لے آتی تھی۔ کونلہ بھرنے کے کارن میرے ہاتھ، پاؤں، منہ سب کالے ہوئے تھے، اِس لئے اُس پاس کے سب لوگ مجھے ’چھوٹی کالی بھرتی‘ کہتے تھے۔“

یہ کہتے کہتے اُس کے منہ پر مسکراہٹ آگئی۔ پر اُس مسکراہٹ میں بھی اُس سمے کی حالت کا دردناک چتر اور اُس کے پرتی اُس کا استغوش صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

پرستہنوں نے اُسے اپنی عمر سے کچھ ادھک سمجھدار بنا دیا تھا۔ گڑباز کھیلنے کی عمر میں اُس نے مزدوری کرنے کی اچھا پڑگٹ کی۔ ماما پتا بھی اِس سے خوش ہوئے پر اُس نے منہ سے کہا کہ بہت کوشش کرنے پر بھی اُسے کوئی کام نہ ملا۔

جون 1949 میں چھنگ ناؤ گاؤں جاپانیوں کے قبضہ سے آزاد ہو گیا۔ اب ہو چین شو کے چہروں کی دشا ہی

ہو چین شو نے کہا کہ:—”جب میں آٹھ سال کی تھی تب جاپانیوں نے وہاں قبضہ کر لیا۔ سارا گاؤں خالی کر دیا گیا۔ دوسرے گھروں کے ساتھ ساتھ ہمارا گھر بھی جلا دیا گیا، کیونکہ جاپانیوں کو وہاں ہوائی اڈا بنانا تھا۔ ماما پتا کے ساتھ میں گاؤں کے باہر چلی گئی پر کہیں نہ رہنے کے لئے جگہ نہ ملی۔ ہم سب ایک پہاڑی گھاٹی میں سب ایک پہاڑی گھاٹی میں رہنے لگے۔“ اِس پر لمبی سانس لیتے ہوئے چن نے کہا:—”وہ دنوں ہماری حالت بہت خراب تھی۔ میں گھر کی حالت سمجھتی تو تھی لیکن مجھے کیا کرنا چاہئے یہ سمجھ نہ تھی۔ کچھ دن کے بعد میں ماما جی کے کہنے پر جنگل سے سوکھی گھاس جمع کرنے گئی اور بعد میں روز جنگل سے گھاس، کھیتوں سے سبزیاں اور سنڈر سے کچھ لٹائے کی چیزیں اکٹھا کرنے لگی۔ اُن دنوں میں کچرا گھروں کے آگے اور کارخانوں کے پچھواڑے چکر لگاتی کرتی تھی اور جلے ہوئے کونلوں میں سے اچھے اچھے چھانٹ کر گھر لے آتی تھی۔ کونلہ بھرنے کے کارن میرے ہاتھ، پاؤں، منہ سب کالے ہوئے تھے، اِس لئے اُس پاس کے سب لوگ مجھے ’چھوٹی کالی بھرتی‘ کہتے تھے۔“

یہ کہتے کہتے اُس کے منہ پر مسکراہٹ آگئی۔ پر اُس مسکراہٹ میں بھی اُس سمے کی حالت کا دردناک چتر اور اُس کے پرتی اُس کا استغوش صاف ظاہر ہو رہا تھا۔

پرستہنوں نے اُسے اپنی عمر سے کچھ ادھک سمجھدار بنا دیا تھا۔ گڑباز کھیلنے کی عمر میں اُس نے مزدوری کرنے کی اچھا پڑگٹ کی۔ ماما پتا بھی اِس سے خوش ہوئے پر اُس نے منہ سے کہا کہ بہت کوشش کرنے پر بھی اُسے کوئی کام نہ ملا۔

جون 1949 میں چھنگ ناؤ گاؤں جاپانیوں کے قبضہ سے آزاد ہو گیا۔ اب ہو چین شو کے چہروں کی دشا ہی

بدل गई. बीनी कारखानों में मजदूरों की मांग हुई. नवम्बर में उसे सरकारी कपड़ा मिल नं० 6 में काम मिल गया. वह उस समय 14 साल की भी नहीं थी.

घर की गरीबी का चित्र उसके सामने था. भाई बहनों का भूक से तड़पना उसे याद था. उससे पहले बीसों बार काम के लिये कोशिश कर चुकी थी, इसलिये जब उसे काम मिला तो वह बहुत खुश हुई और जी लगाकर काम करने लगी. शुरू से ही उसने बड़ी तरक्की की और अपनी लगन व मेहनत से उसने एक नया तरीका निकाला जिसके अनुसार काम करने में पैदावार बढ़ती थी और सब को बहुत फायदा था. कारखाने के अन्दर रुई की कटाई और पूनी बनाई में जो रुई जाया जाती थी उसमें हो चैन शू के नए तरीके से पचासी फीसदी रुई की बचत होने लगी. पहले तो किसी को विश्वास नहीं हुआ. साथियों ने मजाक भी उड़ाया पर लगातार अध्ययन करने और देखते रहने के बाद अधिकारियों को उसकी बात मंजूर करनी पड़ी. हो चैन शू का तरीका एक नया और सफल तरीका था इसलिये दिसम्बर 1950 में वह अपने कारखाने की "आदर्श मजदूर" कहलाने लगी और मई 1951 में उसे दूसरे दर्जे का यानी छिग ताव का "आदर्श मजदूर" घोषित कर दिया गया. अगस्त 1951 में वह सारे देश की "आदर्श मजदूर" कही जाने लगी. उस समय उसका वेतन लगभग 175 रुपये माहवार था और वह मुश्किल से 16 साल की थी.

सितम्बर 1953 में हो चैन शू को कारखाने की तरफ से जनता विश्वविद्यालय के मिडिल स्कूल में पढ़ने के लिये भेजा गया. यहां वह तीन साल पढ़ेगी और फिर अपने काम पर वापस चली जाएगी. हो चैन शू विश्वविद्यालय में बहुत खुश है, वेतन अब भी उसे बराबर मिलता रहता है. उसके पिता ने गाड़ी चलाने का काम नहीं छोड़ा. गांव आजाद होने के बाद अब भी बड़ी खुशी से अपना काम कर रहे हैं. घर लौटते हैं तो मुंह पर प्रसन्नता रहती है क्योंकि एक दिन में करीब करीब 8-10 रुपये की आमदनी उन्हें हो जाती है. माता घर का काम देखती हैं; मगर उनकी आंखों में अब दुख के आंसू नहीं, खुशी की चमक रहती है. सब भाई-बहिन तन्दुरुस्त और खुश हैं और सब पढ़ते हैं—"आजादी ने हमारे परिवार में जीवन ला दिया." हो चैन शू ने कहा—"इस खुशी और आनन्द की पहले हम कल्पना भी नहीं कर सकते थे; हमारा परिवार अब किसी भी परिवार से कम सुखी नहीं. इन शब्दों को कहते समय उसके चेहरे पर बच्चों की सी सरलता थी. बातचीत के साथ साथ उसके चेहरे के भाव भी बदलते जा रहे थे. परिवार के और अपने सुखी जीवन का खिक करते ही वह खुशी से गदगद हो गई. अब उसने अपने आप बातचीत का विषय बदल दिया :—"बह

बदल گئی. چینی کارخانوں میں مزدوروں کی مانگ ہوئی. نومبر میں اسے سرکاری کپڑا مل نمبر 6 میں کام مل گیا. وہ اس سے 14 سال کی بھی نہیں تھی.

گھر کی غریبی کا چتر اُس کے سامنے تھا. بھائی بھٹیوں کا بھوک سے تڑپنا اُسے یاد تھا. اُس سے پہلے بیسوں بار کام کے لئے کوشش کرچکی تھی، اُس لئے جب اُسے کام ملا تو وہ بہت خوش ہوئی اور جی لگا کر کام کرنے لگی. شروع سے ہی اُس نے بڑی ترقی کی اور اپنی لگن و محنت سے اُس نے ایک نیا طریقہ نکالا جس کے آنسو کار کام کرنے میں پیداوار بڑھتی تھی اور سب کو بہت فائدہ تھا. کارخانے کے اندر روئی کی کٹائی اور یونی بنائی میں جو روئی ضائع جاتی تھی اُس میں ہوچین شو کے نئے طریقہ سے پچاسی فیصدی روئی کی بچت ہونے لگی. پہلے تو کسی کو وشواس نہیں ہوا. ساتھ میں نے مذاق بھی اڑایا پر لگاتار اُدھین کرنے اور دیکھتے رہنے کے بعد ادھیکیروں کو اُس کی بات منظور کرنی پڑی. ہوچین شو کا طریقہ ایک نیا اور سہیل طریقہ تھا اُس لئے دسمبر 1950 میں وہ اپنے کارخانے کی "آدرش مزدور" کہلانے لگی اور مئی 1951 میں اُسے دوسرے درجے کا یعنی چھنگ تار کا "آدرش مزدور" ٹھوسٹ کر دیا گیا. اگست 1951 میں وہ سارے دیہی کی "آدرش مزدور" کہی جانے لگی. اُس سے اُس کا ویتن لگ بھگ 175 روپے ماہوار تھا اور وہ مشکل سے 16 سال کی تھی.

ستمبر 1953 میں ہوچین شو کو کارخانے کی طرف سے چنگا وشودیالیہ کے مڈل اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیجا گیا. یہاں وہ تین سال پڑھیکی اور پھر اپنے کام پر واپس چلی جائیگی. ہوچین شو وشودیالیہ میں بہت خوش ہے. ویتن اب بھی اُسے برابر ملتا رہتا ہے. اُس کے پتانے گاڑی چلانے کا کام نہیں چھوڑا. گاڑی آزاد ہونے کے بعد اب بھی بڑی خوشی سے اپنا کام کر رہے ہیں. گھر لوٹتے ہیں تو منہ پر پرسننا رہتی ہے کیونکہ ایک دن میں قریب قریب 8-10 روپے کی آمدنی انہیں ہوجاتی ہے. ماما گھر کا کام دیکھتی ہیں، مگر اُن کی آنکھوں میں اب دکھ کے آنسو نہیں خوشی کی چمک رہتی ہے. سب بھائی بہن تندرست اور خوش ہیں اور سب پڑھتے ہیں. "آزادی نے ہمارے پریوار میں جیون لا دیا" ہوچین شو نے کہا—"اس خوشی اور آئند کی پہلے ہم کلپنا بھی نہیں کر سکتے تھے؛ ہمارا پریوار اب کسی بھی پریوار سے کم سکھی نہیں." ان شبدوں کو کہتے سے اُس کے چہرے پر بچوں کی سی سرلٹا تھی. بات چیت کے ساتھ ساتھ اُس کے چہرے کے بھاؤ بھی بدلتے جا رہے تھے. پریوار اور اپنے سکھی جیون کا ذکر کرتے ہی وہ خوشی سے گدگد ہوگئی. اب اُس نے اپنے آپ بات چیت کا وشئے بدل دیا :—"یہ

بھلا مائیکہ ہے جب میں کسی ہندوستانی مہیلا سے بات چیت کر رہی ہوں۔ مجھے اس سے بے حد خوشی ہے کیونکہ ایتھاس کی کلاس میں ہم نے پڑھا ہے کہ چین اور بھارت میں کئی ہزار برس سے گھنٹہ متروا رہی ہے۔ پچھلے سال پردھان منتری پنڈت نہرو یہاں آئے اور پردھان منتری چاو این لئی بھارت گئے۔ اب سب لوگ یہ جان گئے ہیں کہ دونوں نے جو پنچ شیل کے پانچ سدھانت طے کئے ہیں وہ دنیا کی شانتی کے لئے کتنے ضروری ہیں۔ اس کے بعد ہوجین شولے لہا۔ ”چین سے ایک سانسکرتک منڈل بھارت گیا اور بھارت کا ٹاکر منڈل ہاں آیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں دہشوں کی متروا پرہر اُنتی پر ہے اور اب ہمارا سمبندھ اور زیادہ گھنٹہ ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ نکت بھوشیہ میں ہمارا سمبندھ متروا سے بڑھکر بھائی چارے کا ہو جائیگا۔“

اُس نے کہا:—”اخبار میں یہ پڑھکر ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ بھارت میں چین کے لئے ایک خاص آندولن ہوا اور ’ناہیوان چھوڑو‘ دن منایا گیا، اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ بھارت کی جنتا چھلی جنتا کو پیار کرتی ہے اور اس کی مدد کرتی ہے۔“

”میری بڑی اچھا ہے“ ہو چن شو نے چای کے خالی پیالے میں چائے ڈالتے ہوئے کہا کہ—”بھارت کی مہیلاؤں سے ملوں اور اُن سے بھارت کی امتریوں کے بارے میں جانکاری حاصل کروں۔ بھوشیہ میں شاید بھارت جانے اور بھارت کی مہیلاؤں سے ملنے کا موقع ملے۔“ جس طرح پیار سے وہ باتیں کر رہی تھی، جس سنبھ سے کبھی ہاتھ میں ہاتھ لیکر، کبھی گلے میں ہاتھ ڈالکر وہ مجھے سب کچھ بتا رہی تھی اُس سے اُس تھوڑے سے سمنے میں ہی مجھے لگنے لگا کہ میں کسی اجنبی سے نہیں اپنی کسی پریچیت سہیلی سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے وشواس ہو گیا کہ وہ کبھی ہوتے ہوئے بھی خوشدل ہے، وچار شیل ہوتے ہوئے بھی ملنسار ہے۔

”میری بڑی اچھا ہے“ ہو چن شو نے چای کے خالی پیالے میں چائے ڈالتے ہوئے کہا کہ—”بھارت کی مہیلاؤں سے ملوں اور اُن سے بھارت کی امتریوں کے بارے میں جانکاری حاصل کروں۔ بھوشیہ میں شاید بھارت جانے اور بھارت کی مہیلاؤں سے ملنے کا موقع ملے۔“ جس طرح پیار سے وہ باتیں کر رہی تھی، جس سنبھ سے کبھی ہاتھ میں ہاتھ لیکر، کبھی گلے میں ہاتھ ڈالکر وہ مجھے سب کچھ بتا رہی تھی اُس سے اُس تھوڑے سے سمنے میں ہی مجھے لگنے لگا کہ میں کسی اجنبی سے نہیں اپنی کسی پریچیت سہیلی سے بات کر رہی ہوں۔ مجھے وشواس ہو گیا کہ وہ کبھی ہوتے ہوئے بھی خوشدل ہے، وچار شیل ہوتے ہوئے بھی ملنسار ہے۔

آجکل ہو چن شو کا کاربہ چھتر کانی ہزا ہے۔ وہ کئی سلسٹھاؤں کی ممبر ہے۔ اس سمنے وہ ’کل چین مزدور نیڈریشن‘ کی کینڈریہ کمیٹی کی ممبر ہے، چین کے ’لوک سنگھ‘ کی کینڈریہ کمیٹی کی بھی ممبر ہے، اور ’کل چین مہیلا نیڈریشن‘ کی کینڈریہ کمیٹی کی ممبر ہے۔ ہو چن شو کو جنتا اور سرکار کی طرف سے بہت سمان ملا۔ 1951 اکتوبر دیوس کے بعد سے وہ چینی جنتا کی ’صلاح مشورہ کمیٹی‘ کی ممبر بنا دی گئی۔ 1952 میں اُسے چینی ’ٹریڈ یونین‘ کے پرتیڈھی کے روپ میں سوویت روس بھیجا گیا۔

ہر مئی دیوس اور اکتوبر دیوس پر وہ منچ پر جاکر جنتا کے سامنے بولنے لگی۔ 1954 میں وہ چین کی لوک پرتیڈھی سپا (چینی پارلیمنٹ) کی ممبر چنی گئی۔

ہر مئی دیوس اور اکتوبر دیوس پر وہ منچ پر جاکر جنتا کے سامنے بولنے لگی۔ 1954 میں وہ چین کی لوک پرتیڈھی سپا (چینی پارلیمنٹ) کی ممبر چنی گئی۔

جب میں نے ہوا چھن شو سے کہا کہ اپنے جیون کی کوئی سب سے بڑی घटना بتاؤ تو उसकी आखें बमकने लगीं और वह बोली—“यूँ तो हर दिन एक घटना रहा है, पर चेयरमैन माथो से मुलाकात होना मेरे जीवन की सबसे बड़ी घटना है. सितम्बर का महीना था. मेरे कारखाने में नए तरीक़े से काम शुरू कर दिया गया था. एक दिन हमारे कारखाने के अधिकारी ने आकर एक पत्र देते हुए मुझसे कहा कि:— यह चेयरमैन माथो की चिट्ठी है, तुम्हें पीकिंग बुलाया है” मैं खुशी और आश्चर्य से अवाक रह गई. कुछ कह न सकी. आसपास के मेरे साथी बड़े खुश हुए, मुझे घेर लिया और कहने लगे कि “हम सबकी तरफ़ से चेयरमैन माथो से कहिये कि हम लोग जरूर देश की पैदावार बढ़ावेंगे.”

उसने कहा:—“फिर मैं घर वापस आई. माता पिता को बताया. मां खुशी के मारे रोने लगी. ‘पिता ने पूछा चेयरमैन माथो के लिये क्या भेंट ले जाओगी?’ मैंने कहा—‘मन में जो बातें हैं वही उनसे कहूँगी, वही मेरी उनके लिये भेंट होगी’ दूसरे ही दिन में पीकिंग के लिये रवाना हो गई. रास्ते में सोचती जाती थी कि चेयरमैन माथो से किस तरह बातचीत करना चाहिये.”

“वह दिन मैं मुला नहीं सकती” हो चेन शु कहती रही—“उस दिन का दृश्य हमेशा आंखों के आगे नाचा करता है. मैं खुशी से कांप रही थी और विश्वास नहीं हो रहा था कि चीन की दुखी और पीड़ित जनता को खुशहाली का जीवन देने वाले माथो तो तुंग मुझसे बात कर रहे हैं. उन्होंने मुझसे जो कहा उसका एक एक शब्द मुझे याद है और वह मेरे लिये एक कीमती सबक है.”

“चेयरमैन माथो ने मुझ से कहा कि ‘काम करने में धमंड नहीं करना चाहिये. मेहनत और लगन से काम करके और नए नए तरीक़े निकालने चाहिये. जो हम जानते हैं वह दूसरों को सिखाना चाहिये और जो नहीं जानते उसे नम्रता के साथ दूसरों से सीखना चाहिये और सबके साथ मिलकर काम करना चाहिये.”

हो चेन शु अपने कारखाने में धीरज के साथ दूसरों को सिखाती थी और दूसरों से सीखती थी. पर अब जनता विश्वविद्यालय में पढ़ने में भी मुश्किल चीजों में अपने साथियों से मदद लेती है और अपने साथियों को मदद देती है. नौजवानों के लिये चेयरमैन माथो का आदेश ‘खूब तन्दुरुस्त रहो, खूब सीखो और खूब काम करो’ उसके सामने है—और इसमें शक नहीं कि वह हर मानी में—तन्दुरुस्ती, तालीम और काम में दूसरों के लिये एक आदर्श है.

جب میں نے ہوا چھن شو سے کہا کہ اپنے جیون کی کوئی سب سے بڑی گھٹنا بتاؤ تو اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ بولی—“میں تو ہر دن ایک گھٹنا رہا ہے، پر چیئر مین ماؤ سے ملاقات ہونا میرے جیون کی سب سے بڑی گھٹنا ہے. ستمبر ۱ مہینہ تھا. میرے کارخانے میں نئے طریقے سے کام شروع کر دیا گیا تھا. ایک دن ہمارے کارخانے کے ادھیکاری نے آکر ایک پتر دیا. ہونے مجھ سے کہا کہ:— یہ چیئر مین ماؤ کی چٹھی ہے، میں پیکنگ بلایا ہے، میں خوشی اور آسچرہ سے آواک رہ گئی. کچھ کہہ نہ سکی. اُس پاس کے میرے ساتھی بڑے خوش ہوئے، مجھے گھور لیا اور کہے کہ ”ہم سب کی طرف سے چیئر مین ماؤ سے کہتے کہ ہم لوگ ضرور دیہن کی پیداوار بھاریں گے.“

اُس نے کہا:—“پھر میں گھر واپس آئی، ماٹا پتا کو بلایا. ماں خوشی کے مارے رونے لگی. پتا نے پوچھا چیئر مین ماؤ کے لئے کیا بھیجت لیجاؤ گی؟ میں نے کہا—’من میں جو باتیں ہیں وہی اُن سے کہوں گی‘ وہی میری اُن کے لئے بھیجت ہو گی؛ دوسرے ہی دن میں پیکنگ کے لئے روانہ ہو گئی. اُسے میں سوچتی جانتی تھی کہ چیئر مین ماؤ سے کسی طرح ات چھت کرنا چاہیے.”

”وہ دن میں بھلا نہیں سکتی“ ہو چھن شو کہتی رہی—“اُس دن کا دشبہ ہمیشہ آنکھوں کے آگے ناچا کرتا ہے. میں خوشی سے کانپ رہی تھی اور وشواس نہیں ہو رہا تھا کہ چیئر مین ماؤ کی دوکھی اور پیڑت جنتا کو خوشحالی کا جیون دینے والے ماؤ سے - تنگ مجھ سے بات کر رہے ہیں. اُنہوں نے مجھ سے جو کہا اس کا ایک ایک شبد مجھے یاد ہے اور وہ میرے لئے ایک قیمتی سبق ہے.”

”چیئر مین ماؤ نے مجھ سے کہا کہ ’کام کرنے میں گھٹنا نہیں دنا چاہئے. محنت اور لگن سے کام کر کے اور نئے نئے طریقے نکالنے چاہئیں. جو ہم جانتے ہیں وہ دوسروں کو سکھا نا چاہئے اور جو نہیں جانتے اُسے سیکھنا کے ساتھ دوسروں سے سیکھنا چاہئے اور سب کے ساتھ ملکر کام کرنا چاہئے.“

ہو چھن شو اپنے کارخانے میں دھیرج کے ساتھ دوسروں کو بکھاتی تھی اور دوسروں سے سیکھتی تھی. پر اب چلتا وشو دیالہ میں پڑھنے میں بھی مشکل چیزوں میں اپنے ساتھیوں سے مدد لیتی ہے اور اپنے ساتھیوں کو مدد دیتی ہے. نوجوانوں نے لئے چیئر مین ماؤ کا آدھی ’خوب تندرست رہو‘ خوب دیکھو اور خوب کام کرو‘ اُس کے سامنے ہے—اور اِس میں شک نہیں کہ وہ ہر معنی میں ’تندرستی‘ تعلیم اور کام میں دوسروں کے لئے ایک آدرش ہے.

ہو چن شو پہلے سے پڑی تھی، پر کارخانے کے ٹوٹی کے کھانے میں ہمیشہ جاتی تھی اور وہاں پڑھتی تھی۔ اپنے کام کے بارے میں اور اپنے انہوؤں کے بارے میں اس نے کئی لکھے تھے۔ اب تک اس کی یہ چار پستکیں بھی نکل چکی ہیں۔

1. "پیکنگ کی ڈायری۔"
2. "سویات روس کی ڈायری۔"
3. "خوشحالی کا راستہ۔"
4. "ہو چن شو کا نیا طریقہ۔"

جب ہو چن شو نے یہ کتاوبے لکھے تھے تب اسے لکھنے میں بڑی کٹینائی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ بہت کم چینی انٹر جانتی تھی۔ "پیکنگ کی ڈायری" تو وہ صرف بولتی تھی اور دوسرے لکھتے تھے۔ سوویت روس کی ڈायری اس نے خود لکھی۔ کتاب لکھنے کے لئے اس نے اپنی سیدھا کے لئے ڈायری میں کچھ نشان دہا لئے تھے۔ ان نشانوں اور کچھ انٹرو کی مدد سے وہ لکھتی رہی۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ نشان بنا کر بھول گئی اور اپنا لکھا غلط پڑھ جاتی تھی۔ مگر بعد میں اس نے بڑی جلدی ترقی کی اور اب وہ اچھی طرح لکھ پڑھ سکتی ہے۔

اپنی پستکیں اس نے مجھے بھیج دی ہیں۔ ان پستکوں کے دیکھتے ہی ہو چن شو کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اپنے انہوؤں کا لکھا ہو چن شو کا ایک خاص شوق ہے۔ اس کے علاوہ اسے کھل کود میں بھی بڑی دلچسپی ہے۔ بالکھٹ بال، والی بال، آدی خوب کھیلتی ہے۔ سواستہ کے لئے روز کسرت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پڑھنا، سنہما، ناٹک آدی دیکھنا بھی اسے بہت پسند ہے۔ لیکن سریم ہو چن شو کے شبدوں میں—"سب سے زیادہ تو مجھے اپنا صوت کا کام اور آدرغین پسند ہے۔" چن کے سنہما اور ناٹکوں میں کسی طرح کی بھی اٹھلتا نہیں ہوتی۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی—"نہ چن کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے۔" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپناہت ہے۔

ایکایک کھڑی پر نظر گئی۔ 6 بج رہا تھا، اس لئے میں اس سے پھر کبھی ملنے کا وعدہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور گھر لوٹ آئی۔

12 فروری کی شام تھی جب میں ہو چن شو سے ملی تھی۔ اس بولے مسکراتے چہرے اور ملا سار طبیعت نے ہمیشہ کے لئے اپنی چھاپ مہرے دل پر انکس کر دی ہے۔

1. پیکنگ کی ڈायری۔
2. سوویت روس کی ڈायری۔
3. خوشحالی کا راستہ۔
4. ہو چن شو کا نیا طریقہ۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی—"نہ چن کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے۔" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپناہت ہے۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی—"نہ چن کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے۔" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپناہت ہے۔

بات کرتے کرتے چینی درواہ قانون کی بات ہونے لگی۔ وہ بولی—"نہ چن کا ویاہ کانون تھوڈے سے شادوں میں چینی مہیلاؤں کے अधिकारों کا کانون ہے۔ یہ قانون ہماری راج نہتک، ساماجک اور آرٹھک آزادی کی گارنٹی کرتا ہے۔" یہ کہتے کہتے وہ زور سے کھکھک کر ہنس پڑی۔ ہو چن شو ابھی اپناہت ہے۔

12 فروری کی شام تھی جب میں ہو چن شو سے ملی تھی۔ اس بولے مسکراتے چہرے اور ملا سار طبیعت نے ہمیشہ کے لئے اپنی چھاپ مہرے دل پر انکس کر دی ہے۔

हाल ही में बीकिंग में हमने एक सिनेमा देखा. जिसका नाम था 'साठ करोड़ जनता का प्रश्न.' इसमें चीनी क प्रतिनिधि सभा (पारलिमेन्ट) में नए विधान पर बहस ती हुई दिखाई गई थी. दूसरे बड़े बड़े नेताओं के साथ ते एक नौजवान लड़की को भी मंच पर से भाषण देते : सुना. "हो चैन शु" मेरे पास बैठे एक मित्र ने कहा, र मुझे उस दिन की घटना याद आ गई जब जनता खबिद्यालय में मैंने उससे मुलाकात की थी. एक आदर्श म्दूर होने के नाते वह मजदूर प्रतिनिधि के रूप में पारलि- ट की मेम्बर चुन ली गई. इस समय उसकी उमर केवल तीस साल की है.

हो चैन शु के छोटे से जीवन से पता चलता है कि नए न में एक गरीब से गरीब घर में पैदा हुई गांव की लड़की जो देश के आजाद होने से पहले कचरे खानों में से ते हुए कोयले बीनती फिरा करती थी, मौका मिलने पर; स तरह अपनी सूक्ष्म से कारखाने के अन्दर पैदावार को ा सकती है; लिख पढ़ सकती है और थोड़े ही दिनों में । छोटी सी उमर में चीन की पारलिमेन्ट की मेम्बर बन कती है. मैं ऊपर लिख चुकी हूँ उसका जीवन अब भी वैसा सीधा, सरल और मेहनती है और लाखों चीनी लड़कों इकियों की तरह भारत से उसे विशेष प्रेम है.

हाल ही में पेंकिंग में हम ने एक स्लैमा देखा. फ़म का नाम तेह-सांम क्रुओ जेन्ता का प्रश्न; इस में चीनी लोक प्रतन्धे सभा (पारलिमेन्ट) में नए विधान पर बहस होती होनी दिखाने लगी थी. दूसरे बड़े बड़े नेताओं के साथ हम ने एक नौजवान लड़की को भी मंच पर से भाषण देते सुना. "हो चैन शु" मेरे पास बैठे एक मित्र ने कहा, और मुझे उस दिन की घटना याद आ गयी जब जनता खबिद्यालय में मैंने उससे मुलाकात की थी. एक आदर्श मजदूर होने के नाते वह मजदूर प्रतिनिधि के रूप में पारलिमेन्ट की मेम्बर चुन ली गयी. इस समय उसकी उमर केवल तीस साल की है. हो चैन शु के छोटे से जीवन से पता चलता है कि नए न में एक गरीब से गरीब घर में पैदा हुई गांव की लड़की जो देश के आजाद होने से पहले कचरे खानों में से ते हुए कोयले बीनती फिरा करती थी, मौका मिलने पर; स तरह अपनी सूक्ष्म से कारखाने के अन्दर पैदावार को ा सकती है; लिख पढ़ सकती है और थोड़े ही दिनों में । छोटी सी उमर में चीन की पारलिमेन्ट की मेम्बर बन कती है. मैं ऊपर लिख चुकी हूँ उसका जीवन अब भी वैसा सीधा, सरल और मेहनती है और लाखों चीनी लड़कों इकियों की तरह भारत से उसे विशेष प्रेम है.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

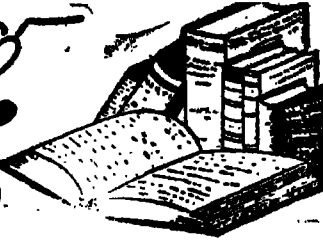
The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi

کتابیں



کتابیں

1. میر راجاؤں کے بادشاہ.

2. اکبر الہ آبادی

دونوں کتابیں الہ آباد لا جنرل پریس کی छपी हुई हैं. दोनों के सम्पादक हैं डाक्टर सैयद देजाज हुसेन. दोनों की कीमत ढाई-ढाई रुपया है. पहली में 287 सफे हैं और दूसरी में हैं 160.

मिर तक्की मिर, जैसा कि किताब के नाम से जाहिर होता है, राजाओं के बादशाह थे. उनका जमाना वह जमाना था जब उत्तर भारत के लोगों ने न अलग अलग कलचर की खाइयाँ खोदी थीं और न हिन्दी उर्दू की दीवारें खड़ी की थीं. मिर की जमान बड़ी सहल, आसानी से समझ में आने वाली मगर साथ ही साथ ख्यालों की गहराई लिये हुए है. संग्रह के शुरू में 45 सफों में मिर की खिन्दगी और शायरी का परिचय दिया गया है. संग्रह में मिर की दीवानों में से चुनी हुई राजाओं संकलित की गई हैं. कुछ मसनवियाँ भी दी गई हैं और कुछ रवाइयाँ भी.

मिर तक्की सन् 1724 ई० में पैदा हुए थे और कहा जाता है कि सन् 1810 ई० में मरे. यह वह जमाना था जब मुराल बादशाहत खतम हो रही थी और अंग्रेजी राज का सितारा उभर रहा था. उस बदलते हुए जमाने और बदलती हुई दुनिया का मिर पर असर पड़ना लाजमी था. सारा देश फ़त की सी हालतों से गुज़र रहा था. एक गाँव का जिक्र करते हुए मिर लिखते हैं—

चार छप्पर कहीं चमारों के सो भी दूटे गिरे बिचारों के
दूटी फूटी कोई हवेली है सो भी मैदान में अकेली है
एक-दो मुँह से पके हैं बाँ जब हो-हो गए हैं लबे-जाँ
लोग ऐसे मकान सब ऐसे ऐसी जगह न उचटे दिल कैसे
और जो चार घर नज़र आए उनकी खूबी खुले वहीं जाए
इ भी कोली चमार थे कोई फाकों से जोरबार थे कोई
सुरतें काली काली रुखे से सारे कंगाल और भूके से

मिर दिल्ली, मथुरा, भरतपुर, इलाहाबाद और लखनऊ हर जगह गये मगर लखनऊ में ही उन्होंने दम तोड़ा. जब तक जेबे आत्म सम्मान लेकर जिये. कभी किसी के आगे न झुकना और न सम्मान कम किया. उनके शिष्यों में इन्द् मुसलमान सभी थे. अपने मजहबी वसूलों के बारे में लिखते हैं—

1. मिर غزلों के बादशाह

2. अकबर अल्ले आबादी

दोनوں کتابیں الہ آباد لا جنرل پریس کی چھپی ہوئی ہیں. دونوں کے سپادک ہیں ڈاکٹر سید اعجاز حسین. دونوں کی قیمت تھائی تھائی روپیہ ہے. پہلی میں 287 صفحے ہیں اور دوسری میں ہیں 160.

میر تقی میر، جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے، غزلوں کے بادشاہ تھے۔ اُن کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب اُتر بھارت کے لوگوں نے نہ الگ الگ کلچروں کی کھائیاں کھودی تھیں اور نہ ہندی اُردو کی دیواریں کھڑی کی تھیں۔ میر کی زبان بڑی سہل، آسانی سے سمجھ میں آنے والی مگر ساتھ ہی ساتھ خیالوں کی گہرائی لہئے ہوئے ہے۔ سنگرہ کے شروع میں 45 صفحات میں میر کی زندگی اور شاعری کا پریچے دیا گیا ہے۔ سنگرہ میں میر کے دیوانوں سے چلی ہوئی غزلیں سنگت کی گئی ہیں۔ کچھ مثنویاں بھی دی گئی ہیں اور کچھ رباعیاں ہیں۔

میر تقی سن 1724ع میں پیدا ہوئے تھے اور کہا جاتا ہے سن 1810ع میں مرے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مغل بادشاہت ختم ہو رہی تھی اور انگریزی راج کا ستارہ اُبھر رہا تھا۔ اُس بدلتے ہوئے زمانے اور بدلتی ہوئی دنیا کا میر پر اثر پڑنا لازمی تھا۔ سارا دیہی قحط کی سی حالتوں سے گذر رہا تھا۔ ایک گوں کا ذکر کرتے ہوئے میر لکھتے ہیں۔

چار چہر کہیں چساروں کے سو بھی توڑے گرے بچساروں کے
ٹوٹی پھوٹی کوئی حویلی ہے سو بھی میدان میں اکیلی ہے
ایک دو مردے سے پڑے ہیں وں جب ہو گئے ہیں وہ اب جاں
لوگ ایسے مکن سب ایسے ایسی جگہ نہ اچھے دل کیسے
اور جو چار گھر نظر آئے اُن کی خوبی کھلے وہیں جائے
وہ بھی کوئی چسار تھے کوئی قاتلوں سے زہر بار تھے کوئی
مورتیں کالی کالی روکھے سے سارے کنگال اور بیوکے سے

میر دلی، مٹھرا، پرتھور، الہ آباد اور لکھنؤ ہر جگہ گئے، مگر لکھنؤ میں ہی انہوں نے دم توڑا۔ جب تک جہنم آتم سلمان لیکر جیتے۔ کبھی کسی کے آگے نہ سر جھکایا اور نہ سنان کم کیا۔ اُن کے مشہور میں ہندو مسلمان سبھی تھے۔ اپنے مذہبی اصولوں کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں—

میر کے دینے مگر کب کو کیا پڑھتے ہو ان نے تو—
کراہا آگیا، دیر میں بیٹا کب کا ترقی اسلام کیا
خود اپنے شہر کے متعلق میر صاحب فرماتے ہیں—

پڑھتے پڑھتے گلیوں میں ان ریشتموں کو لوگ
موت دھمکی یاد یہ باتیں ہماری یں

اور واقعی جب تک ہندوستان کے لوگوں میں کویتا کی
ف چاہ رہی ہے میر کی ہمیشہ قدر کی جائے گی۔

اندول غزلوں، مثالیوں اور رباعیوں سے یہ سنکر ہوا پڑا
مشکل شدوں کے جگہ جگہ آسان معلوم بھی دیکھتے ہوئے

دوسرا سنکر مشہور شاعر اکبر الہ آبادی کی کویتاؤں کا ہے۔
برہمنیہ رس کے شاعر تھے۔ ان کا ہاسیہ رس اس قدر اچھا
تا تھا کہ آج تک اس سے بڑھیا اور پر لطف وینک کوئی دوسرا
عزاد نہیں کر پا یا۔ سنکر کے شروع میں شاعر کی ایک چھوٹی
چندونی دی گئی ہے اور 45 صفحہ کی ایک بڑھکا ہے جس
میں اکبر اور ان کی شاعری اور اردو شاعری میں وینک اور
سہ کے اوپر روشنی ڈالی گئی ہے۔ موجودہ سنکر میں اکبر
چلی ہوئی شاعری دی ہوئی ہے۔ ان میں چھوٹے چوبیس اور
ی نظمیں دونوں شامل ہیں۔ ایک ملی جلی ہندوستانی
چتر اکبر کے من کو بھائی تھی اور آخری وقت تک وہ اس
صدا بلند کرتے رہے۔ دے لکھتے ہیں—

یہ بولے رو کے پھر اور گیدین
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین
ہندو مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کہوں نہ کہوں کہ بھائی بھائی ہیں

ایک دوسری جگہ—

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شہنشاہ و برہمن دونوں
موافق اپنے اپنے باتے ہیں مہرا چلن دونوں
توڑنے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں
زبان پر میری موزوں ہوتی ہے حمد و بھجن دونوں

ہندی دنیا کی یہ ایک عمدہ کوشش ہے کہ اردو شاعروں
چھوڑیں دیوناگری حروف میں چھپیں تاکہ ہندی پڑھنے والے اردو
شاعری کی لذت و مہاس کا سوا لے سکیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی
شہنشاہ کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسین خود اردو کے ایک
چھ شاعر ہیں اور پرہیزگار و شہیدانہ میں اردو کے پروفیسر ہیں۔
بیسے یوگیت سہانک کی نگرانی میں یہ سنکر پرکاشت کئے
گئے ہیں۔ ہم اس پرہیزگار کا سواکت کرتے ہیں۔

یہ بولے رو کے پیر اور گیا دین
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین
ہندو مسلم ایک ہیں دونوں
یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
ہم وطن ہم زبان و ہم قسمت
کہوں نہ کہوں کہ بھائی بھائی ہیں

ایک دوسری جگہ—

ینایات موم پے فرماتے ہیں شہنشاہ و برہمن دونوں
موافق اپنے اپنے باتے ہیں مہرا چلن دونوں
توڑنے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ ہیں یکساں
زبان پر میری موزوں ہوتی ہے حمد و بھجن دونوں

ہندی دنیا کی یہ ایک عمدہ کوشش ہے کہ اردو شاعروں
چھوڑیں دیوناگری حروف میں چھپیں تاکہ ہندی پڑھنے والے اردو
شاعری کی لذت و مہاس کا سوا لے سکیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی
شہنشاہ کا نتیجہ ہیں۔ ڈاکٹر اعجاز حسین خود اردو کے ایک
چھ شاعر ہیں اور پرہیزگار و شہیدانہ میں اردو کے پروفیسر ہیں۔
بیسے یوگیت سہانک کی نگرانی میں یہ سنکر پرکاشت کئے
گئے ہیں۔ ہم اس پرہیزگار کا سواکت کرتے ہیں۔

ہماری آزادی

سچا اور شکتی نہیں، सेवा اور त्याग

राष्ट्रपिता महात्मा गान्धी ने आजादी हासिल होने के बाद, अपने एक प्रार्थना प्रवचन में कहा था—“राजनैतिक आजादी किसी भी मुल्क की आजादी का एक अंग है. हिन्दुस्तान ने वह हासिल कर ली. अंगरेज यहाँ से चले गये. मगर अभी तो हमारी मंजिल शुरू हुई है. हमें तो अभी सामाजिक आजादी और आर्थिक आजादी और हासिल करनी हैं. ये तीनों आजादी मिलने पर ही देश पूरी तरक्की कर सकेगा. जब तक ये दोनों आजादी हमें और न मिलें हमें आराम से नहीं बैठना है, हमें दूने जोश और मेहनत से काम करना है.”

गान्धी जी चाहते थे कि कांग्रेस ही इन दोनों आजादियों को हासिल करने का जरिया बने. वह काम कैसे हो जब तक उसका विधान न बदले. गान्धी जी ने ही सन् 1920 1925 और 1934 में जरूरत के मुताबिक कांग्रेस के विधान में तब्दीलियाँ की थीं ताकि कांग्रेस एक संघर्ष करने वाली, क्रान्तिकारी जमात की हैसियत से देश को आजादी दिलाने का जरिया बन सके और वह काम उसने बखूबी अन्जाम दिया. सन् 1920 से पहले कांग्रेस देश में चाँदी के पड़े लिखे लोगों, बड़े बड़े वकीलों, बैरिस्टर्स और रईसों की जमात थी. सन् 1920 के बाद वह निचले मध्यम वर्ग के लोगों के हाथ में आई जिनमें बहुत बड़ी तादाद शहरियों की थी. 1925 में रचनात्मक कामों को, ग्रामसेवा को, ग्रामोद्योगों को कांग्रेस के काम का जुड़ा बनाया गया और इस तरह गान्धी जी ने कांग्रेस को ठेठ मुल्क की जड़ों तक, यानी गाँवों तक पहुँचाने की कोशिश की. 1934 के विधान के जरिये उन्होंने उस कोशिश को और गहराई तक पहुँचाने की प्रज्वीक की. स्वराज्य हासिल होने के बाद वे चाहते थे कांग्रेस का ढाँचा बदल कर ऐसा कर दिया जाय कि वह नारा लगाने वालों, जुलूस निकालने वालों, तक्रारें करने वालों के बजाय निस्पृह, त्यागी, सामाजिक और आर्थिक आजादी की मिसाल खुद अपने निजी जीवन में उतारने वाले

सنا اور شکتی نہیں، سیوا اور تباک

راشد پتا مہاتما گاندھی نے آزادی حاصل ہونے کے بعد، اپنے ایک پرارتنہ پرورچن میں کہا تھا—”راج نیتک آزادی کسی ملک کی آزادی کا ایک انگ ہے. ہندستان نے وہ حاصل لی. انگریز یہاں سے چلے گئے. مگر ابھی تو ہماری منزل دھج ہوئی ہے. ہمیں تو ابھی سماجک آزادی اور آرتھک آزادی حاصل کرنی ہیں. یہ تینوں آزادی ملنے پر ہی دیس دی ترقی کر سکتا. جب تک یہ دونوں آزادی ہمیں اور نہ ہیں ہمیں آرام سے نہیں بیٹھنا ہے، ہمیں دوڑنے جوش اور صنت سے کام کرنا ہے.”

گاندھی جی چاہتے تھے کہ کانگریس ہی ان دونوں آزادیوں حاصل کرنے کا ذریعہ بنے. وہ کام کیسے ہو جب تک اس کا ہاں نہ بدلا. گاندھی جی نے ہی سن 1920 1925 اور 1934 میں ضرورت کے مطابق کانگریس کے ودھان میں تبدیلیاں کیں تاکہ کانگریس ایک سنگموش کرنے والی، کرانتیکاری صامت کی حیثیت سے دیس کو آزادی دلانے کا ذریعہ بن سکے. وہ کام اس نے بخوبی انجام دیا. سن 1920 سے پہلے کانگریس دیس میں چوٹی کے بڑے لکھ اوگوں، بڑے بڑے وکیلوں، رستروں اور رئیسوں کی جماعت تھی. سن 1920 کے بعد وہ چلے مضمیم ورگ کے لوگوں کے ہاتھ میں آئی جن میں بہت ب تعداد شہریوں کی تھی. 1925 میں رجٹانک کاموں، گرم سیوا نو، گرمادیوگوں کو کانگریس کے کام کا جز بنایا گیا. اس طرح گاندھی جی نے کانگریس کو ٹیٹہ ملک کی جزوں سے، یعنی گلوں تک پہونچانے کی کوشش کی. 1934 کے ہاں کے ذریعہ انہوں نے اس کوشش کو اور گہرائی تک پہونچانے کی تجویز کی. سواراجیہ حاصل ہونے کے بعد وہ لکھتے تھے کانگریس کا تھانچہ بدل کر ایسا کر دیا جائے کہ نعرہ لگانے والوں، جلوس نکالنے والوں، تقریریں لے والوں کے بجائے نوسرہ، تباکی، سماجک اور آرتھک نی کی مثال خود اپنے نجی جہوں میں اُتارنے والے

रोग का वह सही निदान नहीं था इसलिये हर इलाज कांग्रेस को सेहत देने में नाकाफी साबित हुआ. जनता के

درگ کا وہ صحیح ندان نہیں تھا اس لئے ہر علیج کانگریس
کو صحت دینے میں ناکافی ثابت ہوا۔ چلتا ہے

میں میں یہ بات بھٹکتی سی جارہی ہے کہ کانگریس راستہ بھٹک گئی ہے۔ آئی. سی. ایس. انیسویں، آئینہ شاستریوں، سیکریٹریوں کی فائلیں، پرائیویٹ سیکریٹریوں اور پرسنل اسسٹنٹوں کی قطاروں، سنہلی وردی پہلی سے ایس چپراسیوں، اپ. ٹو. ڈیٹ تی. ایس. مٹروں، انٹر کنڈیشنل حویلیوں نے ملکر اُس کے نیتاؤں کے برقی پتہ پر ایک دھندلہ سا ایک کھرا سا پہلا رکھا ہے۔

کانگریس کی نیتاشاہی تھاک کے یک کے بعد یوگ کے یک کے گزر رہی ہے۔ جب دروہا ہی مینکا پر ریچھ گئے تب یوگی تھاکوں کی پہلا کیا بساط! مگر دروہا اور مینکا کے مٹھوک سے پیدا ہوئی تھی شکنتلا، کنتو منتریوں اور انسر شاہی کے مٹھوک سے انیکانیک چارج سلتائیں—کنٹرول، بلیک، مارکیٹ، کرپشن، رشوت خوری، سفارش آدمی پیدا ہوئیں، سیکریٹری کے پائلوں میں یہ جھولیں اور دیش کی پونجی تھائی نے انہیں استن پان کرایا، جنتا نے سویم اپنے ساعس کے بل ن پوتلاؤں اور نازکوں کا بدھ کرنے کی کوشش کی مگر وہ بھی لچھ تھکی ہوئی سی ہے بس نظر آتی ہے۔

دیر فیر کر اسکی نچرے جواہرلال کی طرف جاتی ہیں۔ مگر اکیلے جواہر لال کیا کریں؟ آخر وہ انسان ہیں اور انہوں نے سب کچھ سیکھا مگر اپنے گرد سے وہ کلا نہیں سیکھی کہ مٹی کے پتلوں میں کیسے جان ڈالی جاتی ہے؟ پتت سے پتت انسان کو لیتکتا کی سڑھی سے کیسے ارنچا اٹھا یا جا سکتا ہے؟

جواہر لال بھی حیران اور پریشان ہیں۔ جنتا اپنے لایہ کی بچناؤں میں خود کوئی دلچسپی نہیں لیتی—ایسی انہیں شکایت ہے۔ کبھی کبھی تو یہ شکایت اُن کی تقریروں سے برس پھوٹ پڑتی ہے۔ مگر جس یوجنا کے بنائے میں جنتا کی رائے اور مشورہ نہ لیا گیا ہو اُس یوجنا کے لئے جنتا میں اُتساہ کی لہر کیسے دروز سکتی ہے؟ جنتا کا اُتساہ اور سہیوگ حاصل کرنے کا رام بان نسختہ گاندھی جی نے بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا—”جنتا کی سہوا کے لئے سب سے پہلے ہمیں سفید پوشی کی آڑ چھوڑنا ہوگا۔ ہمیں سماج کی سب سے نیچگی سڑھی پر جا کر بیٹھنا ہوگا جہاں غریب بھنگی بیٹھا ہے۔ جب ہم اپنے کو اُتنا نمہر ہلا لیتے تب ہم جنتا کے کرپا پاتر بن سکیں گے۔ تب جنتا اپنا دل کھول کر ہمارے آگے رکھیں گی جب وہ دیکھیں گی کہ ہم اُسی کے وچاروں کو اپنی ہائی میں بولتے ہیں تب ہم اُس کے سچے پرتیلدھی بنیں گے۔“ ایک دوسرے اوسر پر انہوں نے کہا تھا—”ستہ اور سنگتیں کو دش میں کرنے کی جنتا نہ کرو، جنتا کو دش میں کرو۔ اگر جنتا دش میں ہو جائیگی تو ستہ اور سنگتیں ریچھے ہوئے تمہارے پیچھے پھریں گے۔“

آج دیش کی مصیبتیں کا مول اس میں ہے کہ شاسک

ہیر فیر کر اسکی نچرے جواہرلال کی طرف جاتی ہیں۔ مگر اکیلے جواہرلال کیا کریں؟ آخر وہ انسان ہیں اور انہوں نے سب کچھ سیکھا مگر اپنے گرد سے وہ کلا نہیں سیکھی کہ مٹی کے پتلوں میں کیسے جان ڈالی جاتی ہے؟ پتت سے پتت انسان کو لیتکتا کی سڑھی سے کیسے ارنچا اٹھا یا جا سکتا ہے؟

جواہر لال بھی حیران اور پریشان ہیں۔ جنتا اپنے لایہ کی بچناؤں میں خود کوئی دلچسپی نہیں لیتی—ایسی انہیں شکایت ہے۔ کبھی کبھی تو یہ شکایت اُن کی تقریروں سے برس پھوٹ پڑتی ہے۔ مگر جس یوجنا کے بنائے میں جنتا کی رائے اور مشورہ نہ لیا گیا ہو اُس یوجنا کے لئے جنتا میں اُتساہ کی لہر کیسے دروز سکتی ہے؟ جنتا کا اُتساہ اور سہیوگ حاصل کرنے کا رام بان نسختہ گاندھی جی نے بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا—

”جنتا کی سہوا کے لئے سب سے پہلے ہمیں سفید پوشی کی آڑ چھوڑنا ہوگا۔ ہمیں سماج کی سب سے نیچگی سڑھی پر جا کر بیٹھنا ہوگا جہاں غریب بھنگی بیٹھا ہے۔ جب ہم اپنے کو اُتنا نمہر ہلا لیتے تب ہم جنتا کے کرپا پاتر بن سکیں گے۔ تب جنتا اپنا دل کھول کر ہمارے آگے رکھیں گی جب وہ دیکھیں گی کہ ہم اُسی کے وچاروں کو اپنی ہائی میں بولتے ہیں تب ہم اُس کے سچے پرتیلدھی بنیں گے۔“ ایک دوسرے اوسر پر انہوں نے کہا تھا—”ستہ اور سنگتیں کو دش میں کرنے کی جنتا نہ کرو، جنتا کو دش میں کرو۔ اگر جنتا دش میں ہو جائیگی تو ستہ اور سنگتیں ریچھے ہوئے تمہارے پیچھے پھریں گے۔“

آج دیش کی مصیبتیں کا مول اس میں ہے کہ شاسک

سچا اور شکتی پر ریکے ہوئے ہیں۔ لیکن اور سچا کی भावना उनके हृदय से निकल गई है। काँग्रेस का संगठन आज काँग्रेस के पालियामेन्टरी जुझ का अर-खरीद गुलाम है। उसमें नया खून बनना बन्द हो गया है। पुराने नेता अपने निजी स्वार्थों के लिये एम. एल. ए. की कतारों से लेकर मंत्रियों तक मोर्चाबन्दी किये हुये हैं। वही लोग जिन्होंने चोर बाजारी में पैसा पैदा किया है अपनी बैलियों के जोर पर काँग्रेस में प्रवेश पा रहे हैं। पुराने निस्पृह सेवक संस्था से गिराव-बाजियों के जरिये निकाले जा रहे हैं। धनहीन काँग्रेस कर्मियों के लिये आज सेवा के सब दरवाजे बन्द हैं।

इस कशमकश में जनता की सेवा करने का समय और कुरसत किसे ? भंडे, नारे, जुलूस, दिवस, मेम्बरी, चुनाव, पार्टी, एट-होम, मानपत्र, थेली—इन्हीं के इर्द गिर्द काँग्रेस संगठन का चक्र तेजी से घूम रहा है, मगर न संगठन आगे बढ़ता है, न जनता आगे बढ़ती है और न देश आगे बढ़ता है।

हमें बंगाल के प्रसिद्ध गोपाल भांड का क्रिस्ता याद आता है। कुछ उत्साही लोगों ने नौका चलाने की होड़ की ठानी। कई दल मैच में शामिल हुये। सारी रात की होड़ थी। सब ने चप्पू सन्हाले और छप ! छप छपा ! छप ! की जोरदार आवाजों से कान गूँजने लगे। सब एक दूसरे से आगे बढ़ने के ख्याल से चप्पू चला रहे थे। रात भर बिना थके, बिना झपकी लिये लोग चप्पू चला रहे थे। जब सबेरा हुआ, अंधेरा मिटा तो लोगों को बड़ी हैरानी हुई कि सारी रात चप्पू चलाने के बावजूद नावें जहाँ की तहाँ खड़ी हैं। एक इंच भी आगे नहीं बढ़ीं। बात यह थी कि लोग खँटों से नावों की रस्सी खोलना ही भूल गये थे। नतीजा यह हुआ कि सारी मेहनतों के बावजूद सारी पार्टियाँ जहाँ की तहाँ खड़ी रहीं, हालांकि अंधेरे में सब यह समझते थे कि हम इनकलाबी प्रगति के साथ मंजिलों तक पहुँचने के लिये औरों से बाजी मार रहे हैं।

गोपाल भांड का यह क्रिस्ता आज की हमारी राजनैतिक पार्टियों के ऊपर हर्फ बहर्फ सच उतरता है। सब पार्टियाँ सच और शक्ति की भूखी हैं, भोग के लिये सब के जी मचल रहे हैं। सेवा और त्याग की भावना से कोई काम नहीं कर रहा, चाहे वह पी. एस. पी. हो, कम्युनिस्ट पार्टी हो, जनसंघ हो, अकाली दल हो, द्रविड खजगाम हो वा रोडल्ल कास्ट फेडरेशन हो। सब के सब सच्चा हथियाने के लिये व्याकुल हैं। वही नारे, वही भंडे, वही जुलूस, वही हाय हाय ! जैसे नाग-नाथ वैसे साँपनाथ। जनता की सेवा की भावना से सैकड़ों मील दूर। मन में यही खाहिरा कि कब काँग्रेस का धूम निकले और कब हम मंत्रियों की कुरसियों पर जा बिराजें। सब जोरदार तरीके से अंधेरे में नाव चला रहे हैं, मगर सबने स्वाव और कुदरती की खँटी में अपनी प्रगति की रस्सी बाँध रखी है ! फिर नाव बढ़े तो कैसे बढ़े ? हाँ बिल

सत्ता और शक्ति पर रिके होئے ہیں۔ لیکن اور سچا کی भावना उनके हृदय से निकल गई है। काँग्रेस का संगठन आज काँग्रेस के पालियामेन्टरी जुझ का अर-खरीद गुलाम है। उसमें नया खून बनना बन्द हो गया है। पुराने नेता अपने निजी स्वार्थों के लिये एम. एल. ए. की कतारों से लेकर मंत्रियों तक मोर्चाबन्दी किये हुये हैं। वही लोग जिन्होंने चोर बाजारी में पैसा पैदा किया है अपनी बैलियों के जोर पर काँग्रेस में प्रवेश पा रहे हैं। पुराने निस्पृह सेवक संस्था से गिराव-बाजियों के जरिये निकाले जा रहे हैं। धनहीन काँग्रेस कर्मियों के लिये आज सेवा के सब दरवाजे बन्द हैं।

اس شخص میں چلتا کی سیوا کرنے کا سبب اور فرصت ہے۔ ۹۔ چھٹسہ، نعرے، جلسے، دیہے، مہموری، چٹاؤ، پارٹی، اہم، مان پتر، تھیلی، اینٹیں کے ارد گرد کانگریس سنگتوں کا چکر تیزی سے گھوم رہا ہے، مگر نہ سنگتوں آگے بڑھتا ہے، نہ چلتا آگے بڑھتی ہے اور نہ دیہے آگے بڑھتا ہے۔

ہمیں بنگال کے پرسدہ گوپال بھانڈ کا قصہ یاد آتا ہے۔ کچھ اُتساحی لوگوں نے نوا چلانے کی ہوڑ کی تھی۔ نئی دکل سہج میں شامل ہوئے۔ ساری رات کی ہوڑ تھی۔ سب نے چپ سنبھالے اور چپ ! چپ چپ ! چپ کی زوردار آوازوں سے کُن گونجنے لگے۔ سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے خیال سے چپ چپ رہے تھے۔ رات بھر بنا تھکے، بنا چھپکی لٹے لوگ چپ چپ رہے تھے۔ جب سویرا ہوا، اندھیرا مٹا تو لوگوں کو بڑی حیرانی ہوئی کہ ساری رات چپ چلانے کے باوجود ناویں جہاں کی تہاں کھڑی ہیں۔ ایک اینچ بھی آگے نہیں بڑھیں۔ بات یہ تھی کہ لوگ کھنٹوں سے ناؤں کی رسی کھولنا ہی بھول گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساری محنتوں کے باوجود ساری پارٹیاں جہاں کی تہاں کھڑی رہیں حالانکہ اندھیرے میں سب یہ سمجھتے تھے کہ ہم انقلابی پرگنی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے اوروں سے بازی مار رہے ہیں۔

گوپال بھانڈ کا یہ قصہ آج کی ہماری راجنیتک پارٹیوں کے اوپر حرف بحرف سچ اُترتا ہے۔ سب پارٹیاں سنا اور شکتی کی بھوک کے لئے سب کے جی مچل رہے ہیں۔ سیوا اور تیاگ کی بھاؤنا سے کوئی کام نہیں کر رہا، چاہے وہ ایس۔ پی۔ ہو، کمیونسٹ پارٹی ہو، جن سنگ ہو، اکالی دل ہو، رولر کھنگام ہو یا شیدولڈ کلسٹ فیڈریشن ہو۔ سب کے سب سنا مٹھانے کے لئے دباکل ہیں۔ وہی نعرے، وہی چھٹسہ، وہی چلیس، وہی ہائے ہائے ! جیسا ناگ ناتھ ویسا سانپ ناتھ ! چلتا کی سیوا کی بھاؤنا سے سکڑوں مہل دور۔ من میں بھی خوکھی کہ کب کانگریس کا دم نکلے اور کب ہم سنگتوں کی کرسیوں پر جا دراجیں۔ سب زوردار طریقے سے اندھیرے میں ناؤ چلا رہے ہیں مگر سب نے سوارتہ اور خود غرضی کی کھنٹی میں اپنی پرگنی کی رسی باندھ رکھی ہے ! پھر ناؤ بڑھے تو کسے بڑھے ؟ خلی بیل

بھلائیوں کو ملے ہی یہ سمجھتے رہیں کہ یرنگی پتہ پر سب سے آگے بڑھ کر باقی ماریں رہیں۔

پھر کیا ہند سلورے تو کیسے سلورے؟ ہند اپنے کو نئے روپ میں کرے تو کیسے کرے؟ دیس آگے بڑھے تو کیسے بڑھے؟

گاندھی جی کا بتایا ایک ہی مूल مंत्र ہے—سत्ता और शक्ति से नहीं, त्याग और सेवा से۔

برٹش سامراج واد کی جو سب سے بھینکر مصیبت ہمیں روئے میں ملی وہ ہے—نوکر شاہی—نوکر ہو کر مالک کا دم بھرنے کی نیتی! یوں کہانہ کو ہمارا دیس لوک تندر ہے۔ لوک تندر کا اর্থ ہے جناتا کے ہاتھوں میں 'راج' کی باغبان ہونا۔ لےکین یہ بات سلف ایک دین کے لیے—جوناہ کے دین کے لیے—ہی سہی ہے۔ باقی پانچ برس تو سےبک ہی سوامی بنا رہتا ہے۔ ابربوں-خربوں کی سکیں میںنا جناتا رپی مالک سے پڑھے یا سلاہ مہاریرا کیے پاس کر لی جاتی ہیں۔ نئے نئے کڑوں کا بومک उसके سر پر مڑ دیا جاتا ہے۔ مंत्रیوں اور جناتا کے بیچ میں اکرसर-شاہی کا دیر-دیرا چل رہا ہے۔ جہاں جناتا نے چھ-چپڑ کی، مالک نے سےبک سے کھڑا تلب کرنے کی گستاخی کی تو بات بات پر لائی، گولی، ٹیپر گیس سے اس کا سواکت ہونے لگتا ہے۔ جناتا بھوکے سے مکر سیوک چمچاتا، مچھپاتا ہاتا شو پہن کر گھومتے ہیں۔ مالک کے بچوں کو پڑھنے کا ٹھکانہ نہیں سیوک کے بچے انگلینڈ-امریکہ میں مالک کے دھن سے پڑھنے جاتے ہیں۔ مالک نکا ہے پر سیوک ریشمی بھ شرت پہن کر گھومتے ہیں۔ سوامی جلتی بالو میں پوندل چلتا ہے مکر سیوک دلی لکس موٹروں میں گھومتا ہے۔ مالک چھوٹیڑی میں رہتا ہے مکر سیوک ایئرکونڈیشنڈ حویلہوں میں رہتے ہیں۔ مالک کے بچے دوا کے بنڈر تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں مکر سیوک کے زکام کو دور کرنے کے لئے سول سرجن اور بڑے بڑے ڈاکٹر ہاتھ باندھے کھپے رہتے ہیں اور گھٹتے گھٹتے بعد ہیلتھ ہولیتن نکالتے ہیں! آخر یہ کس پرکار کا سیوک سوامی کا رشتہ ہے؟ اور اگر آج جناتا سیوک کی یوجناؤں میں کوئی داچسپی نہیں لیتی تو جواہر لال جی جو کہ جناتا کے سچے سیوک اور ہمدرد ہیں، انہیں جناتا کی دلی کیفیت کا وشلیشن، چہان بین کرنا چاہئے؛ جناتا کے سیوکوں کے طرز عمل کو انہیں بدلتا چاہئے؛ حکومت کے تھانچے میں سدھار کرنا چاہئے؛ جناتا کے سوامی کو جناتا کے ہاتھوں میں دینا چاہئے؛ نوکر شاہی کو سمایت کرنا چاہئے؛ جناتا اور شاکسوں کے بیچ رھن سہن کے استر کی کھائی کر پائنا چاہئے؛ کانگریس کو جن سیوکوں کی سچی جماعت بلانا چاہئے؛ ملی جلی حکومت بنانے دیس کی سہوا کرنی چاہئے؛ اور شاکسوں کو سیم دینی چاہئے کہ دیس کے کلہان کا رستہ سنا اور ہوگ میں نہیں، سہوا اور تھاک میں ہے۔

بھلائیوں کو ملے ہی یہ سمجھتے رہیں کہ یرنگی پتہ پر سب سے آگے بڑھ کر باقی ماریں رہیں۔

پھر کیا ہند سلورے تو کیسے سلورے؟ ہند اپنے کو نئے روپ میں کرے تو کیسے کرے؟ دیس آگے بڑھے تو کیسے بڑھے؟

گاندھی جی کا بتایا ایک ہی مूल مंत्र ہے—سत्ता और शक्ति से नहीं, त्याग और सेवा से۔

برٹش سامراج واد کی جو سب سے بھینکر مصیبت ہمیں روئے میں ملی وہ ہے—نوکر شاہی—نوکر ہو کر مالک کا دم بھرنے کی نیتی! یوں کہانہ کو ہمارا دیس لوک تندر ہے۔ لوک تندر کا اর্থ ہے جناتا کے ہاتھوں میں 'راج' کی باغبان ہونا۔ لےکین یہ بات سلف ایک دین کے لیے—جوناہ کے دین کے لیے—ہی سہی ہے۔ باقی پانچ برس تو سےبک ہی سوامی بنا رہتا ہے۔ ابربوں-خربوں کی سکیں میںنا جناتا رپی مالک سے پڑھے یا سلاہ مہاریرا کیے پاس کر لی جاتی ہیں۔ نئے نئے کڑوں کا بومک उसके سر پر مڑ دیا جاتا ہے۔ مंत्रیوں اور جناتا کے بیچ میں اکرसर-شاہی کا دیر-دیرا چل رہا ہے۔ جہاں جناتا نے چھ-چپڑ کی، مالک نے سےبک سے کھڑا تلب کرنے کی گستاخی کی تو بات بات پر لائی، گولی، ٹیپر گیس سے اس کا سواکت ہونے لگتا ہے۔ جناتا بھوکے سے مکر سیوک چمچاتا، مچھپاتا ہاتا شو پہن کر گھومتے ہیں۔ مالک کے بچوں کو پڑھنے کا ٹھکانہ نہیں سیوک کے بچے انگلینڈ-امریکہ میں مالک کے دھن سے پڑھنے جاتے ہیں۔ مالک نکا ہے پر سیوک ریشمی بھ شرت پہن کر گھومتے ہیں۔ سوامی جلتی بالو میں پوندل چلتا ہے مکر سیوک دلی لکس موٹروں میں گھومتا ہے۔ مالک چھوٹیڑی میں رہتا ہے مکر سیوک ایئرکونڈیشنڈ حویلہوں میں رہتے ہیں۔ مالک کے بچے دوا کے بنڈر تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں مکر سیوک کے زکام کو دور کرنے کے لئے سول سرجن اور بڑے بڑے ڈاکٹر ہاتھ باندھے کھپے رہتے ہیں اور گھٹتے گھٹتے بعد ہیلتھ ہولیتن نکالتے ہیں! آخر یہ کس پرکار کا سیوک سوامی کا رشتہ ہے؟ اور اگر آج جناتا سیوک کی یوجناؤں میں کوئی داچسپی نہیں لیتی تو جواہر لال جی جو کہ جناتا کے سچے سیوک اور ہمدرد ہیں، انہیں جناتا کی دلی کیفیت کا وشلیشن، چہان بین کرنا چاہئے؛ جناتا کے سیوکوں کے طرز عمل کو انہیں بدلتا چاہئے؛ حکومت کے تھانچے میں سدھار کرنا چاہئے؛ جناتا کے سوامی کو جناتا کے ہاتھوں میں دینا چاہئے؛ نوکر شاہی کو سمایت کرنا چاہئے؛ جناتا اور شاکسوں کے بیچ رھن سہن کے استر کی کھائی کر پائنا چاہئے؛ کانگریس کو جن سیوکوں کی سچی جماعت بلانا چاہئے؛ ملی جلی حکومت بنانے دیس کی سہوا کرنی چاہئے؛ اور شاکسوں کو سیم دینی چاہئے کہ دیس کے کلہان کا رستہ سنا اور ہوگ میں نہیں، سہوا اور تھاک میں ہے۔

—ویشو بھار ناتھ پانڈے

सांस्कृतिक साहित्य

सान्स्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—गण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—गण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डॉक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराऊ, कीमत—तीन रुपया

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—पंडित सनंद लाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत عيسى اور عيسائی دھرم

लेखक—पंडित सनंद लाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

مہاتما زرتشت اور ایرانی سنسکرتی

लेखक—शुशुम्भर नाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

یهودی دھرم اور سامی سنسکرتی

लेखक—शुशुम्भर नाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین مصر کی سبھیقتا اور سنسکرتی

लेखक—शुशुम्भर नाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

سید بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

लेखक—शुशुम्भर नाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

پراچین یونانی سبھیقتا اور سنسکرتی

लेखक—शुशुम्भर नाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

گنگا سے گوमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

آگ اور آنسو

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डॉक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

قرآن اور دھارمک मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराऊ, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

मिलने का पता

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्टीगंज, इलाहाबाद

145 मंथी गंज, अलाहाबाद

हिन्दी घर

ہندی گھر

کلتور پر ہر نگرہ کی کیناویں میلنے
کا ایک بڑی کنڈر—پاٹک ہندی، اردو،
انگریزی کی اپنی من-پسند کیناویں
کے لیے ہمیں لکھیں۔

کاپچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے
ایک بڑا کینڈر—پاٹک ہندی
اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے
لے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کیناویں

ہماری نئی کیناویں

مہاتما گاندھی کی برسی

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

(ہندی اور اردو میں)

لکھنے: گاندھی کی برسی کے بارے میں

لکھنے: گاندھی کی وصیت کے بارے میں

نویسنہ: شری مہاتما گاندھی

نویسنہ: شری مہاتما گاندھی

صفحہ 225، قیمت دو روپے

صفحہ 225، قیمت دو روپے

گاندھی بابا

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکھنے: گاندھی بابا

لکھنے: گاندھی بابا

نویسنہ: گاندھی بابا

نویسنہ: گاندھی بابا

موتی گاندھی، موتی گاندھی

موتی گاندھی، موتی گاندھی

صفحہ 225، قیمت دو روپے

صفحہ 225، قیمت دو روپے

پانڈت گاندھی کی زندگی کی کتاب

پانڈت گاندھی کی زندگی کی کتاب

گیتا اور کورن

گیتا اور کورن

275 صفحہ، قیمت دو روپے

275 صفحہ، قیمت دو روپے

ہندو مسلمان ایکٹا

ہندو مسلمان ایکٹا

160 صفحہ، قیمت دو روپے

160 صفحہ، قیمت دو روپے

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبک

قیمت دو روپے

قیمت دو روپے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت دو روپے

قیمت دو روپے

بنگل اور اُس سے سبق

بنگل اور اُس سے سبق

قیمت دو روپے

قیمت دو روپے

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

145 مٹھونجی ایلہاواڈ

145 مٹھونجی ایلہاواڈ

اس نمبر کے خاص ایڈیٹور

ہندوستان اور ایران کا سمبندھ

—ڈاکٹر تارا چند

—پنڈت سندھ لال

”نیا چین“ کے نام

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈायری کی ڈیڑھ سہائی

—پنڈت سندھ لال

ڈاکٹر بھگوان داس اور ورثہ

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

اس نمبر کے خاص ایڈیٹور

—ڈاکٹر تارا چند

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

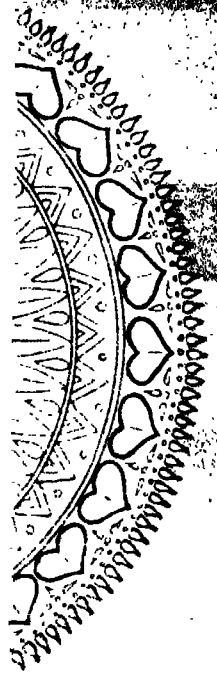
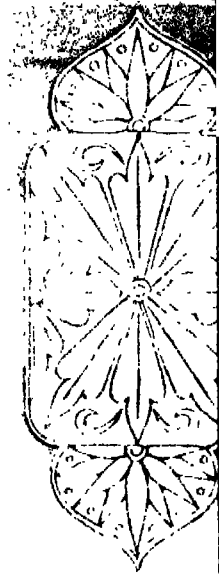
—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال

—پنڈت سندھ لال



کلیچر سوسائٹی، ایلہاہاڈ



کلیچر سوسائٹی، ایلہاہاڈ

اکتوبر

1955

اکتوبر

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

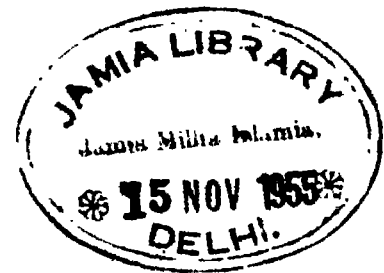
Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا ہندوستان

نمبر 4 نمبر 20 جلد 20 جلد



اکتوبر 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 سوڈینج، دہلی

145، مئی گلی، لاہور

کیا کس سے

صفحہ

کس سے

1. ہندوستان اور ایران کا سہولہ
—ڈاکٹر ساراچند ... 193 ...
2. "نئے چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल ... 206 ...
3. उन्नीसवीं सदी के एक प्रकीर्ण की छाया
—पंडित सुन्दरलाल ... 211 ...
4. हो येन शू 'आदश मजदूर' कैसे बनी ?
—भीमती प्रभा एम० ए० ... 216 ...
5. मोहम्मद साहब के कुछ उपदेश
—अनुवादक श्री मुजीब रिजवी ... 221 ...
6. डा. भगवानदास और वर्ण व्यवस्था
—भाई रघुपति सहाय 'फिराक' ... 224 ...
7. तपेदिक का टीका
—श्री चक्रवर्ती राजागोपालाचारी ... 231 ...
8. कुछ कितारें— ... 241 ...
9. हमारी राय— ... 244 ...

नये चीन को मुबारकवाद !; यह क्यों ?; दुनिया की माताओं की कामेस—पंडित सुन्दरलाल .

1. ہندستان اور ایران کا سہولہ
—ڈاکٹر ساراچند
2. "نیا چین" کے نام
—پंडित सुन्दरलाल
3. اہیسویں صدی کے ایک نقیر کی ڈاوری
—پंडित सुन्दरलाल
4. ہوچین شو 'آدش مزدور' کیسے بنی ؟
—شریتی پرہا ایم . اے .
5. محمد صاحب کے کچھ اُپدیش
—انورادک شری محبوب رضوی
6. ڈاکٹر بھوان داس اور ورن دیوتا
—بھائی رگھوپتی سہائے 'فیراق'
7. تپدیک کا ٹیکا
—شری چکرورتی راجاگوپالچاری
8. کچھ کتاریں—
9. ہماری رائے—
نئے چین کو مبارکباد !; یہ
کیوں ؟; دنیا کی ماتوں کی
کامیس—پंडित सुन्दरलाल .

معلوم ہوتا ہے کہ ان دو ملکوں کے لوگوں نے ایک ہی ایک

میں پہلے تب کرنی شروع کی۔ یہ دونوں ملک عرب ساگر کے دوسروں پر ہیں۔ پہچم کے سرے پر کارون ندی، دکھلی زاگروس میں سے بہتی ہوئی اور ان میدانوں میں سے ہوتی ہوئی جہاں ایران کی سب سے پہلی سیہنٹاؤں نے جنم لیا تھا، ایران کی کھاری میں جا کر گرتی ہے۔ پورب میں سندھ ندی جس کا نکلس ہمالیہ کی ہرنالی چوٹیوں سے ہے، پنجاب اور سندھ کے میدانوں کو سیلاب کرتی ہوئی کسی زمانے میں کچھ کی کھاری میں جا کر گرتی تھی۔ کارون اور سندھ دونوں پہاڑوں کے پتھروں اور طرح طرح کی اڈچاؤ متی کو اپنے ساتھ تھکھلتی ہوئی ہمیشہ اپنا راستہ بدلتی اور ان دونوں ملکوں کے الگ الگ حصوں کو اُچھاؤ بناتی رہی ہیں۔

عرب ساگر کے ان دونوں سروں پر انسانی تہذیب ساتھ ساتھ شروع ہوئی۔ دونوں جگہ ساتھ ساتھ شہر آباد ہوئے۔ کھیتی باڑی، پشوپالن اور دھات کی چیزوں کے بننے کے ساتھ دونوں جگہ انسان ایک بہت بڑے درجے تک قدرت کی غمی سے ایک ساتھ آزاد ہوا۔ دولت اور تجارت، سامراج سنسٹھائیں، راج سرکار، علم اور ہنر دونوں جگہ پلے پھولے اور دونوں جگہ کی سیہنٹاؤں کو ترقی دینے لگے۔ پہچم میں تخت جمشید (پرسی پولس)، شوش، کاشان اور نہاوند۔ اُتر میں استرآباد اور اناؤ جیسے بہت سے پراچین ایرانی شہروں کی کھدائی سے تانبہ، پتھر، کانسا، سونا، جواہرات اور متی کے وہ برتن ملے ہیں جن سے اُس زمانے کی ایرانی تہذیب اور اُس کی ترقی کی منزلوں کا پتہ چلتا ہے۔ ٹھیک اُسی زمانے کی اُسی طرح کی چیزیں موہن جودارو، ہڑپا اور سندھ ندی کے اُس پاس کے اور مقاموں کی کھدائی میں ملی ہیں۔ دونوں طرف کی ان چیزوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں سیہنٹاؤں کتنی ملتی جلتی تھیں اور ان دونوں نے ایک دوسرے سے کسی قدم لیا تھا۔ ایلام میں شوش اور انزان کے راج کچی سمندھ اور وہاں کی راج کچی سنسٹھائیں ہڑپا اور موہن جودارو کے راج کچی سمندھوں اور سنسٹھائوں سے بے حد ملتی جلتی ہیں۔

ایلام اور ہڑپا دونوں کی اُس زمانے کی حکومتیں راج پروہتوں یا پروہت راجاؤں کے ہاتھوں میں تھیں۔ دونوں جگہ وہی پروہت اور وہی راجا ہوتے تھے۔ دونوں جگہ لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ دونوں جگہ ان بہت سے دیوی دیوتاؤں کے اوپر ایک سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا جو ان سب کا راجا سمجھا جاتا تھا اور جو کسی پہاڑ کے شکر پر رہتا تھا۔ دونوں جگہ سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، چل اور نل کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، پریم کی دیوی اور سلتان انہی کی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ ماں یعنی دیوی ماتا کی پوجا ہوتی تھی۔ دونوں جگہ کچھ جانوروں اور درختوں کو بھی پاک مانا

ایلام اور ہڑپا دونوں کی اُس زمانے کی حکومتیں راج پروہتوں یا پروہت راجاؤں کے ہاتھوں میں تھیں۔ دونوں جگہ وہی پروہت اور وہی راجا ہوتے تھے۔ دونوں جگہ لوگ بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ دونوں جگہ ان بہت سے دیوی دیوتاؤں کے اوپر ایک سب سے بڑا دیوتا مانا جاتا تھا جو ان سب کا راجا سمجھا جاتا تھا اور جو کسی پہاڑ کے شکر پر رہتا تھا۔ دونوں جگہ سورج اور چاند کی پوجا ہوتی تھی، چل اور نل کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی، پریم کی دیوی اور سلتان انہی کی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ ماں یعنی دیوی ماتا کی پوجا ہوتی تھی۔ دونوں جگہ کچھ جانوروں اور درختوں کو بھی پاک مانا

जाता था जैसे खंड, जंग, शेर, बसौरा, हर राहुर, हर गाँव और हर घर का अपना एक अलग छोटा सा मंदिर होता था जिसमें इन देवी देवताओं की मूर्ति या पत्थर की छोटी छोटी मूर्तियाँ होती थीं.

बड़े बड़े मंदिर जो जगूरात या खुदा का घर कहलाते थे चारों तरफ ऊँची ऊँची दिवारों से घिरे होते थे. उनके अन्दर बड़े बड़े चबूतरे होते थे. कई कई मंजिले एबान होते थे जिन तक पहुँचने के लिये ऊँची ऊँची सीढ़ियाँ होती थीं. इनके चारों तरफ ऊँचे मीनार होते थे. यह बिलकुल क़िले की तरह होते थे और इन मंदिरों में बेशुमार दौलत और लाखों मन गल्ला जमा रहता था.

एलाम और सिंध दोनों के इलाके पुरोहित राजाओं के हाथों में एक जबरदस्त शिकंजे में बंद रहते थे. सारा समाज पुराने रीत-रिवाजों के तंग साँच्चों में जकड़ा हुआ था. किसी को उससे बाहर निकलने या कोई नई बात करने की इजाजत नहीं थी.

नतीजा दोनों जगह एक सा हुआ. दोनों जगह के बाशिन्दों पर एक सी आफत दूटी. एलाम और सिंध दोनों पर उत्तर से उठाऊ चूल्हा आर्य हमलावरों ने, जो घोड़ों पर सवार और लोहे के हथियार लिये हुए थे, धावा बोल दिया. उन्होंने इन दोनों मुल्कों को रौंद डाला और उन्हें जीत कर अपने अधीन कर लिया. धीरे धीरे पुराने बाशिन्दे और नये हमलावर दोनों की नसलें एक दूसरे में रल मिलकर एक हो गईं. यही आजकल के ईरानियों और हिन्दुस्तानियों दोनों के पुरखे थे. उनकी नसल एक थी, बोली एक थी, धर्म एक था और कलचर एक थी.

इन आर्य लोगों के ईरान में बस जाने के बाद उन पर वहाँ के चारों तरफ के हालात का पूरा असर पड़ा. ईरान में तरह तरह के भू भाग हैं—कहीं पहाड़ और कहीं रेगिस्तान, कहीं दरियाओं की घाटियाँ और बीच के मैदान जो आदिमियों, जानवरों और हरियाली से भरे हुए हैं, और कहीं रेतीले सफ़ाचट मैदान, जिनमें दूर दूर तक न कोई जानदार दिखाई पड़ता है और न कोई घास का तिनका, जहाँ सिवाय हवा की सांय सांय के कोई आवाज सुनाई नहीं देती. उजाले और अंधेरे, नेकी और बदी की शक्तियाँ वहाँ साफ अलग अलग काम करती दिखाई देती थीं.

हिन्दुस्तान में इसके जिलाफ प्रकृति क्यादा नरम, मीठी, मुलायम और रहमदिल मालूम होती थी. एक दूसरे के बाद खुलते हुए बड़े मैदान जिन्हें बहुत से बड़े बड़े दरिया सींचते थे और हर साल मौसमी बारिश जिन्हें फिर से शादाब कर देती थी. इन मैदानों में तरह तरह के दरख्त, जकी बूटियां और सब्जाखार और तरह तरह के जानवर रहते थे. हर साल की नई बहार वहां आदमी के दिमाग में यह ख्याल

چلتا تھا چہسہ سالز، سائپا، شہر و فہرۃ۔ ہر شہر ہر
گاہوں اور ہر گھر کا اپنا ایک الگ چھوٹا سا مندر ہوتا
تھا جس میں ان دیوی ذیبتاؤں کی مٹی یا پتھر کی چھوٹی
چھوٹی مورتیاں ہوتی تھیں۔

ہرے ہرے ملندے جو 'دُکورات' یا خدا کا گھر کہلاتے تھے چاروں طرف اُرنچی اُرنچی دُواروں سے گھرے ہوتے تھے۔ اُن کے اندر ہرے ہرے چبوترے ہوتے تھے۔ کئی کئی منزلہ ایوان ہوتے تھے جن تک پہنچنے کے لئے اُرنچی اُرنچی سیڑھیاں ہوتی تھیں۔ اُن کے چاروں طرف اُرنچے میٹھے ہوتے تھے۔ یہ بالکل قلعہ کی طرح ہوتے تھے اور اُن مندروں میں ہمیشہ دولت اور لاکھوں من غلہ جمع رکھتا تھا۔

ایقام اور سلسلہ دیوتوں کے علاقہ پروست راجاؤں کے ہاتھوں
میں ایک زبردست شکنجے میں کسے رہتے تھے۔ سارا سماج
پورے ریت راجوں کے تنگ سانچوں میں جکڑا ہوا تھا۔ کسی
کو اُس سے باہر نکلنے یا کوئی نئی بات کرنے کی اجازت نہیں
تھی۔

نتیجہ دونوں جگہ ایک سا ہوا۔ دونوں جگہ کے باشندوں پر ایک سی آفت ٹوٹی۔ ایلیم اور سندھ دونوں پر آگر سے آگھاؤ چولہا آریہ حملہ آوروں نے، جو گہوڑوں پر سوار اور لوہے کے ہتھیار لٹے ہوئے تھے، دھاوا بول دیا۔ انہوں نے ان دونوں ملکوں کو روند ڈالا اور انہیں جہت کر اپنے آدھین کر لیا۔ دھیرے دھیرے پورے باشندے اور نئے حملہ آور دونوں کی نسلیں ایک دوسرے میں رل مل کر ایک ہو گئیں۔ یہی آجکل کے ایرائیہوں اور هندوستانیوں کے پرکھے تھے۔ ان کی نسل ایک تھی، ہولی ایک تھی، دھرم ایک تھا اور کلچر ایک تھی۔

اُن آریہ لوگوں کے ایران میں بس جانے کے بعد اُن پر وہاں کے چاروں طرف کے حالات کا پورا اثر پڑا۔ ایران میں طرح طرح کے یہودیہاگ تھے—کہیں پہاڑ اور کہیں ریکستان، کہیں دریاؤں کی گھاٹیاں اور بیچ کے میدان جو آدمیوں، جانوروں اور ہریالی سے بھرے تھوئے ہیں، اور کہیں ریتیلے صفاچٹ میدان، جن میں دور دور تک نہ کوئی جاندار دکھائی پڑتا ہے اور نہ کوئی گھاس کا تنکا، جہاں سوائے ہوا کی سائیں سائیں کے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اُجالہ اور آندھیرے، نیکی اور بدی کی شکستیاں وہاں صاف الگ الگ کام کرتی دکھائی دیتی تھیں۔

ہندوستانی میں اُس کے خلف پر کرنی زیادہ نرم، میٹھی، مقلم اور رحم دل معلوم ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کے بعد کھاتے ہوئے بڑے بڑے میدان جنھیں بہت سے بڑے بڑے دریا سینچتے تھے اور ہر سال موسمی بارش جنھیں پور سے شاداب کر دیتی تھی۔ اُن مہدانوں میں طرح طرح کے درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کے جانور رہتے تھے۔ ہر سال کی نئی بہار وہاں آدمی کے دماغ میں یہ خیال

ہی پیدا ہونے نہ دیتی تھی کہ پرکرتی کی فہمی کی کہیں
حدیں بھی ہیں یا آبادی کے مقابلہ میں کہیں ویرانی بھی ہے۔

پھر دنیا میں کہیں بھی کوئی بھی پرپررتن کیوں نہ ہو
شروع کے خانچے کی چھاپ اُس پر برابر رہتی ہی ہے۔

ایران کے پہلے زرتشت کے سدھاروں سے پہلے ایرانیوں کا جو
مذہب تھا، جو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بعد کے ہخامنشی اور
ساسانی زمانوں میں بھی قائم رہا، وہ ہندوستانی آریوں کے ویدک
مذہب سے بے حد ملتا ہوا تھا۔ اُس سے بھی ادھک دھیان
دینے کی بات یہ ہے کہ زرتشت نے دھرم کو جو نیا روپ دیا وہ
اپنے ہر پہلو میں صاف صاف یہ بتا رہا ہے کہ وہ اور ویدک
دھرم دونوں ایک ہی خاندان سے ہیں۔ زرتشت نے پرانی
نئی پیچیدگیوں، جٹل ریت رواجوں اور آندھ وشواسوں کو
ہٹا کر جہوں کی سادگی اور چلن کی پاکیزگی پر زور دیا۔
انہوں نے آدمی کے نیکی کے جیوں کے لئے صاف صاف اور سیدھے
سیدھے قاعدے بنا دیے اور حدیں قائم کر دیں۔

آریوں کی کتاب وید اور زرتشت کی کتاب اوستا دونوں
بھی اعلان کرتی ہیں کہ خدا، ایشور ایک ہے۔ وید میں
لکھا ہے کہ:۔۔۔ ”وہ ایک ہے، ودوان لوگ اُسے طرح طرح سے
بیان کرتے ہیں۔“ اوستا کے مطابق ”آہورمزد (ایشور) ہی
اِس سارے وشو کا بنانے والا اور ساری زندگی کا مالک ہے۔“

ایران کی آریہ دھرمک کتابوں کا اُس دورن وہی ہے جو
ایرانیوں کا آہورمزد۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ویدوں
میں ”آسر“ کہا گیا ہے حالانکہ بعد کے سامتیہ میں ”آسر“
کا مطلب دائر یعنی دیوتاؤں کا دشمن ہوتا ہے۔

ویدوں کے مطابق ”اِس ساری دنیا کا بنانے والا، قائم
رکھنے والا اور رکشا کرنے والا ہے اور سروگیہ (علیم) ہے۔ وہی زمین
اور آسمانوں کا بنانے والا ہے، اُسی نے آسمان کے اندر تاروں اور اُن
کی چالوں کو قائم کیا ہے اور جل اور تھل کو پھیلا کر اُن میں
جانداروں کو بسایا ہے۔ وہی سب کچھ جاننے والا اور سب کا حامی
ہے۔ وہ بیوت، بھوشیہ اور ورتہمان (ماضی، مستقبل اور حال)
سب کو جانتا ہے۔ وہ سوا کے راستوں اور اُس میں اڑنے والے
پرندوں اور سمندر میں چلنے والے جہازوں سب کے راستوں
کو جانتا ہے۔ وہ آدمی کے پلک کی چھٹکیوں کو بھی گن لیتا
ہے۔ وہ دنیاؤں کا رکشک اور مالک ہے۔ وہ سب چیزوں کو
دیکھتا ہے۔“

”اگر میں اُر کر دور سے دور کے آسمان پر بھی پہنچ
جاؤں تب بھی میں اُس دور کے راج سے باہر نہیں نکل
سکتا۔ آسمان سے بیٹھے ہونے اِس کے دوت (فرشتے)

ایران کے پہلے زرتشت کے سدھاروں سے پہلے ایرانیوں کا جو
مذہب تھا، جو کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بعد کے ہخامنشی اور
ساسانی زمانوں میں بھی قائم رہا، وہ ہندوستانی آریوں کے ویدک
مذہب سے بے حد ملتا ہوا تھا۔ اُس سے بھی ادھک دھیان
دینے کی بات یہ ہے کہ زرتشت نے دھرم کو جو نیا روپ دیا وہ
اپنے ہر پہلو میں صاف صاف یہ بتا رہا ہے کہ وہ اور ویدک
دھرم دونوں ایک ہی خاندان سے ہیں۔ زرتشت نے پرانی
نئی پیچیدگیوں، جٹل ریت رواجوں اور آندھ وشواسوں کو
ہٹا کر جہوں کی سادگی اور چلن کی پاکیزگی پر زور دیا۔
انہوں نے آدمی کے نیکی کے جیوں کے لئے صاف صاف اور سیدھے
سیدھے قاعدے بنا دیے اور حدیں قائم کر دیں۔

ایران کی آریہ دھرمک کتابوں کا اُس دورن وہی ہے جو
ایرانیوں کا آہورمزد۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ویدوں
میں ”آسر“ کہا گیا ہے حالانکہ بعد کے سامتیہ میں ”آسر“
کا مطلب دائر یعنی دیوتاؤں کا دشمن ہوتا ہے۔

ویدوں کے مطابق ”اِس ساری دنیا کا بنانے والا، قائم
رکھنے والا اور رکشا کرنے والا ہے اور سروگیہ (علیم) ہے۔ وہی زمین
اور آسمانوں کا بنانے والا ہے، اُسی نے آسمان کے اندر تاروں اور اُن
کی چالوں کو قائم کیا ہے اور جل اور تھل کو پھیلا کر اُن میں
جانداروں کو بسایا ہے۔ وہی سب کچھ جاننے والا اور سب کا حامی
ہے۔ وہ بیوت، بھوشیہ اور ورتہمان (ماضی، مستقبل اور حال)
سب کو جانتا ہے۔ وہ سوا کے راستوں اور اُس میں اڑنے والے
پرندوں اور سمندر میں چلنے والے جہازوں سب کے راستوں
کو جانتا ہے۔ وہ آدمی کے پلک کی چھٹکیوں کو بھی گن لیتا
ہے۔ وہ دنیاؤں کا رکشک اور مالک ہے۔ وہ سب چیزوں کو
دیکھتا ہے۔“

”اگر میں اُر کر دور سے دور کے آسمان پر بھی پہنچ
جاؤں تب بھی میں اُس دور کے راج سے باہر نہیں نکل
سکتا۔ آسمان سے بیٹھے ہونے اِس کے دوت (فرشتے)

ہاروں طرف اپنی ہزاروں آنکھوں سے دنیا کو ہر وقت دیکھ رہے ہیں۔

وہ دن کیوں آدمیوں کے گناہوں کو ہی نہیں دیکھتا اور لوگوں کے دلوں کے گہرے سے گہرے پھیسوں کو ہی نہیں جانتا؟ ”وہ دیا اور پریم کا بھی ایشور ہے۔“ اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں دونوں جگہ وہ اپنے بھکتوں کی خبر رکھتا ہے۔ وہ اُن سب پر دبا کرتا ہے اور اُن کے گناہ معاف کر دیتا ہے جو ان شبدوں میں اُس سے پراپت کرتے ہیں۔ ”اے اسور دن! اگر میں نے اپنے کسی پیارے ساتھی یا ناتے دار کے ساتھ کوئی برائی کی ہے، یا اپنے کسی بھائی یا پڑوسی کے ساتھ، یا اپنے کسی ہم وطن کے ساتھ یا کسی اجنبی کے ساتھ، تو اُس کے لئے تو میرا وہ گناہ معاف کر دے!“

”وہ اُس دنیا میں لوگوں کا مہتر ہے۔ سب سے ملتا ہے۔ اور اس کے بعد اُس دنیا میں، جو اُن لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے، جن پر اُس کی نعمتوں میں اور جہاں نیک روحوں کے لئے ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی آتی رہتی ہے، اور ہر اکہ کی زندگی پہلے کی زندگی سے زیادہ بھر پور اور سنہرے ہوتی ہے، اُس دنیا کا بھی وہی مالک ہے۔“

زندگی کے انوسار ایشور، خدا یعنی اہور مزد کے دو صاف روپ ہیں جو اہور مزد نام سے ظاہر ہیں۔ اہور کی حیثیت سے وہ ساری جان کا یعنی سب روحوں کا مالک ہے اور مزد کی حیثیت سے وہ ساری مادی دنیا کا بنانے والا ہے۔ ”اہور مزد سرور شکتی مان یعنی قادر مطلق ہے، وہی سب کا انصاف کرنے والا ہے، وہ عقل کل ہے، وہ سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہے، وہ سب پر حاوی ہے۔ اُس کے من کے اندر سب چیزوں کی یاد موجود ہے۔ ہر سنگھ والے کے دل میں وہ گواہ کی طرح موجود ہے۔ اُس کی یاد اور مہر سب دھونڈتے ہیں۔ جو اُس سے روشنی چاہتے ہیں انہیں اُس سے روشنی ملتی ہے۔ اُسی نے دنیا کو بنایا ہے، وہی اُس میں پھر پھر جان ڈالتا ہے۔ وہ سچائی کی دنیا میں باس کرتا ہے، اُس کا پریم سب جانداروں، آدمیوں اور جانوروں کو اپنے دائرے کے اندر گھیرے ہوئے ہے۔“

ویدوں کے اندر دن کی جتنی تعریفیں گنائی گئی ہیں وہ لگ بھگ سب اوستا کے اندر اہور مزد کی تعریفیں بتائی گئی ہیں۔

اوستا میں ”امیہس سپندوں“ کا بھی ذکر آتا ہے جس کا مطلب پاک روحوں ہے۔ کہیں پر انہیں اہور مزد کی کیوں صفتیں یعنی اُس کے گن بتایا گیا ہے اور کہیں اُس کے سہوک یا اُس کی شکتیاں یا اُس کے الگ الگ روپ کہا گیا ہے۔ ویدوں میں بھی ٹھیک اِس طرح سے اہور دن کے سہوکوں اور شکتیوں کا بیان ہے۔

وہ دن کیوں آدمیوں کے گناہوں کو ہی نہیں دیکھتا اور لوگوں کے دلوں کے گہرے سے گہرے پھیسوں کو ہی نہیں جانتا؟ ”وہ دیا اور پریم کا بھی ایشور ہے۔“ اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں دونوں جگہ وہ اپنے بھکتوں کی خبر رکھتا ہے۔ وہ اُن سب پر دبا کرتا ہے اور اُن کے گناہ معاف کر دیتا ہے جو ان شبدوں میں اُس سے پراپت کرتے ہیں۔ ”اے اسور دن! اگر میں نے اپنے کسی پیارے ساتھی یا ناتے دار کے ساتھ کوئی برائی کی ہے، یا اپنے کسی بھائی یا پڑوسی کے ساتھ، یا اپنے کسی ہم وطن کے ساتھ یا کسی اجنبی کے ساتھ، تو اُس کے لئے تو میرا وہ گناہ معاف کر دے!“

زندگی کے انوسار ایشور، خدا یعنی اہور مزد کے دو صاف روپ ہیں جو اہور مزد نام سے ظاہر ہیں۔ اہور کی حیثیت سے وہ ساری جان کا یعنی سب روحوں کا مالک ہے اور مزد کی حیثیت سے وہ ساری مادی دنیا کا بنانے والا ہے۔ ”اہور مزد سرور شکتی مان یعنی قادر مطلق ہے، وہی سب کا انصاف کرنے والا ہے، وہ عقل کل ہے، وہ سب سے اونچا اور سب سے بڑا ہے، وہ سب پر حاوی ہے۔ اُس کے من کے اندر سب چیزوں کی یاد موجود ہے۔ ہر سنگھ والے کے دل میں وہ گواہ کی طرح موجود ہے۔ اُس کی یاد اور مہر سب دھونڈتے ہیں۔ جو اُس سے روشنی چاہتے ہیں انہیں اُس سے روشنی ملتی ہے۔ اُسی نے دنیا کو بنایا ہے، وہی اُس میں پھر پھر جان ڈالتا ہے۔ وہ سچائی کی دنیا میں باس کرتا ہے، اُس کا پریم سب جانداروں، آدمیوں اور جانوروں کو اپنے دائرے کے اندر گھیرے ہوئے ہے۔“

ویدوں کے اندر دن کی جتنی تعریفیں گنائی گئی ہیں وہ لگ بھگ سب اوستا کے اندر اہور مزد کی تعریفیں بتائی گئی ہیں۔

اوستا میں ”امیہس سپندوں“ کا بھی ذکر آتا ہے جس کا مطلب پاک روحوں ہے۔ کہیں پر انہیں اہور مزد کی کیوں صفتیں یعنی اُس کے گن بتایا گیا ہے اور کہیں اُس کے سہوک یا اُس کی شکتیاں یا اُس کے الگ الگ روپ کہا گیا ہے۔ ویدوں میں بھی ٹھیک اِس طرح سے اہور دن کے سہوکوں اور شکتیوں کا بیان ہے۔

“अमेश स्पन्द” दो तरह के हैं—एक वह जिनका सम्बन्ध क्रिया यानी फल से है और दूसरे वह जिनका सम्बन्ध भाव यानी जगत् से है. इनमें पहले का सम्बन्ध अहुर से है और दूसरे का मज्द से. इनमें सब से ऊपर ‘अशा’ है. वेद में ‘अशा’ का नाम ‘ऋत’ रखा गया है, दोनों बिलकुल एक हैं.

अवस्ता में अशा का मतलब है दुनिया की तरतीब, कुरबत का वह कानून जो दुनिया को चलाता है और हमेशा एक सा रहता है और अहुर मज्द की वह इच्छा जो लोगों के सारे सदाचार के कानून की नींव है. अशा ही सच्चाई और धर्म का कानून है.

वेदों में “ऋत” का मतलब है तीन तरह का कानून—एक जड़ यानी मादे का कानून जिससे दुनिया का माही रूप कायम रहता है, दूसरा कुरबानी का कानून, और तीसरा नेकी यानी सदाचार का कानून. “ऋत ही के जरिये सूरज सुबह को निकलता है और बारह महीने के अन्दर आसमान में अपना चक्कर पूरा करता है. ऋत ही के जरिये अग्नि यानी आग लोगों की हवन में चढ़ाई हुई चीजों को देवताओं तक पहुंचा देती है. ऋत बुराई से रोकता है और नेकी का हुक्म देता है. ऋत ही सच्चाई है, ऋत ही धर्म है.”

अवस्ता के दूसरे अमेश स्पन्दों के भी रूप वेदों के अन्दर मिलते हैं.

बहुत से हिन्दुस्तानी देवी देवताओं का अवस्ता में चिक्र आता है. वेदों के आदित्य अवस्ता के स्पन्द मैन्नु हैं. वेदों का ‘मित्र’ और ईरानी ‘मित्र’ दोनों बिलकुल एक हैं. पर न जाने कैसे वेदों का ‘इन्द्र देवता’ अवस्ता का ‘इन्द्र दानव’ यानी इन्द्र शैतान हो गया. वेदों का वृत्राहन ईरान का बिरित्राघन है.

ईरानी किताब गाथा में तीन ‘एज्द’ का चिक्र है. उनमें से एक आज़र है, जो पहलवी ज़बान में आतर हो गया और आजकल की ईरानी में आतरश हो गया. आज़र वही देवता है जिसे वेदों में अग्नि यानी आग कहा गया है. वेदों के अनुसार अग्नि कई तरह की होती है, आसमानी भी और ज़मीनी भी. “अग्नि बिजली की तरह आसमान में पैदा होती है और दो लकड़ियों की रगड़ से उसी तरह निकल पड़ती है जिस तरह दो प्रेमियों के मेल से. यह अग्नि बादलों से उतर कर पानी में जाती है, पानी से निकल कर पौधों में जाती है और पौधों से आग की लौ और धुँए की शकल में उठकर फिर बादलों में पहुंच जाती है. यही आदमी के अन्दर हरायत उसकी यानी जान है. यही जानवरों और परिन्दों के अन्दर गरमी है. सब दोपायों और चौपायों में यही जान है. यही अमर जीवन यानी हयाते अबदी का मरकज है.”

ईरानी आज़र के पांच रूप हैं:—(1) बरज़ीस वह (बहराम), (2) बहु करयाना (जानदारों के अन्दर की गरमी)

“अमेश स्पन्द” दो तरह के हैं—एक वह जिन का सम्बन्ध क्रिया यानी फल से है और दूसरे वह जिन का सम्बन्ध भाव यानी जगत् से है. इनमें पहले का सम्बन्ध अहुर से है और दूसरे का मज्द से. इनमें सब से ऊपर ‘अशा’ है. वेद में ‘अशा’ का नाम ‘ऋत’ रखा गया है, दोनों बिलकुल एक हैं.

आस्ता में अशा का मतलब है दुनिया की तरतीब, कुरबत का वह कानून जो दुनिया को चलाता है और हमेशा एक सा रहता है और अहुर मज्द की वह इच्छा जो लोगों के सारे सदाचार के कानून की नींव है. अशा ही सच्चाई और धर्म का कानून है.

वेदों में “ऋत” का मतलब है तीन तरह का कानून—एक जड़ यानी मादे का कानून जिससे दुनिया का माही रूप कायम रहता है, दूसरा कुरबानी का कानून, और तीसरा नेकी यानी सदाचार का कानून. “ऋत ही के जरिये सूरज सुबह को निकलता है और बारह महीने के अन्दर आसमान में अपना चक्कर पूरा करता है. ऋत ही के जरिये अग्नि यानी आग लोगों की हवन में चढ़ाई हुई चीजों को देवताओं तक पहुंचा देती है. ऋत बुराई से रोकता है और नेकी का हुक्म देता है. ऋत ही सच्चाई है, ऋत ही धर्म है.”

आस्ता के दूसरे अमेश स्पन्दों के भी रूप वेदों के अन्दर मिलते हैं.

बहुत से हिन्दुस्तानी देवी देवताओं का अवस्ता में चिक्र आता है. वेदों के आदित्य अवस्ता के स्पन्द मैन्नु हैं. वेदों का ‘मित्र’ और ईरानी ‘मित्र’ दोनों बिलकुल एक हैं. पर न जाने कैसे वेदों का ‘इन्द्र देवता’ अवस्ता का ‘इन्द्र दानव’ यानी इन्द्र शैतान हो गया. वेदों का वृत्राहन ईरान का बिरित्राघन है.

ईरानी किताब गाथा में तीन ‘एज्द’ का चिक्र है. उनमें से एक आज़र है, जो पहलवी ज़बान में आतर हो गया और आजकल की ईरानी में आतरश हो गया. आज़र वही देवता है जिसे वेदों में अग्नि यानी आग कहा गया है. वेदों के अनुसार अग्नि कई तरह की होती है, आसमानी भी और ज़मीनी भी. “अग्नि बिजली की तरह आसमान में पैदा होती है और दो लकड़ियों की रगड़ से उसी तरह निकल पड़ती है जिस तरह दो प्रेमियों के मेल से. यह अग्नि बादलों से उतर कर पानी में जाती है, पानी से निकल कर पौधों में जाती है और पौधों से आग की लौ और धुँए की शकल में उठकर फिर बादलों में पहुंच जाती है. यही आदमी के अन्दर हरायत उसकी यानी जान है. यही जानवरों और परिन्दों के अन्दर गरमी है. सब दोपायों और चौपायों में यही जान है. यही अमर जीवन यानी हयाते अबदी का मरकज है.”

ईरानी आज़र के पांच रूप हैं:—(1) बरज़ीस वह (बहराम), (2) बहु करयाना (जानदारों के अन्दर की गरमी)

ईरानी आज़र के पांच रूप हैं:—(1) बरज़ीस वह (बहराम), (2) बहु करयाना (जानदारों के अन्दर की गरमी)

(3) برہمنیستا (بھ گارمی جو دو لکڑیوں کے رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے)، (4) بچیشتا (بیجلی) اور (5) سہیشتا (بھ آگ جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک قائم رہتی ہے)۔

بدوں کے پوجا پاٹ میں اور ابھستا کے پوجا پاٹ میں دونوں میں سے کسی میں مہیروں کے یا مورتیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہر گھڑی کا یا نی ہر خانہ دار کا، چاہے وہ راجا ہو یا معمولی آدمی، یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے گھر میں آگ کو قائم رکھے اور اُس میں یکمہ کرتا رہے۔ ویدوں میں جسے یکمہ کہا گیا ہے اُسی کو اوستا میں یسن کہا گیا ہے۔ جو لوگ ان یکمہوں یا یسنوں میں پروہت کا کام کرتے ہیں ان کے دونوں میں ایک ہی سے نام ہیں—جسے ’ہوتار‘، ’زونا‘، ’آنہرون‘، ’آئرون‘، ’کریا آگن‘ کے کاؤس۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ ویدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر پکا وشواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ ویدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر پکا وشواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

زمنے کے ساتھ ساتھ دونوں جگہ تبدیلیاں ہوئیں، ایران اور ہندستان دونوں پہر سے تلگ نگاہ پروہتوں کے جال میں پھنس گئے۔ دونوں جگہ مذہب بھر کیول اُوری ریت رواج کی چیز رہ گیا۔ مذہب کی روح دونوں جگہ بھر کم ہو گئی۔ سچائی کی جگہ اندھ وشواسوں نے پھر لے لی اور لوگوں کی نئی نئی دچکا کرنے اور ترقی کرنے کی شکی مٹ کر سب کیول رسوم پرستی میں پھنس کر رہ گئے۔

اُس گدلہ پانی کو پہر سے صاف کر کے مذہب کی شروع کی پاکیزگی کو پہر سے واپس لانے کے لئے ایران میں کوئی نیا مہابوہی پیدا نہیں ہوا۔ ہندستان میں خوش قسمتی سے گوتم بدھ نے جنم لیا۔ گوتم بدھ نے ریت رواجوں اور اندھ وشواسوں کے بوجھ سے لوگوں کو آزاد کر کے انہیں پہر سے اپدیش دیا کہ وہ اس طرح کی نیکی اور سچائی کی زندگی بسر کریں جس میں ان کا اس دنیا میں بھی بھٹ ہو اور آنا کے ہمیشہ کے جنوں میں بھی کلہاں ہو۔

اس کے بعد باہر سے پہر ایک ایسی آمد آئی جس نے ہندستان اور ایران دونوں کو پہر ملا کر ایک کر

اور بھی بہت سی ملتی جلتی چیزیں ہیں۔ ویدوں کا مذہب اور اوستا کا مذہب دونوں ایسے لوگوں کے مذہب ہیں جو جنوں کو خوشی اور اُمنگ کے ساتھ دیکھتے تھے۔ دونوں اُنہی زندگی اور نیکی کے اصولوں کے سچے کھوجی تھے۔ دونوں نے اس اصول کو پایا تھا کہ سب کا خدا یعنی ایشور ایک ہے۔ دونوں یہ مانتے تھے کہ ایشور کی روشنی سب کو مدد دیتی ہے اور جو اُس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اُسے اُذیت سہ کے مقام تک پہنچا دیتی ہے۔ دونوں کو اس بات پر پکا وشواس تھا کہ یہ ساری دنیا ایک ایسے اچھے قانون کے سہارے چل رہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔

زمنے کے ساتھ ساتھ دونوں جگہ تبدیلیاں ہوئیں، ایران اور ہندستان دونوں پہر سے تلگ نگاہ پروہتوں کے جال میں پھنس گئے۔ دونوں جگہ مذہب بھر کیول اُوری ریت رواج کی چیز رہ گیا۔ مذہب کی روح دونوں جگہ بھر کم ہو گئی۔ سچائی کی جگہ اندھ وشواسوں نے پھر لے لی اور لوگوں کی نئی نئی دچکا کرنے اور ترقی کرنے کی شکی مٹ کر سب کیول رسوم پرستی میں پھنس کر رہ گئے۔

اُس گدلہ پانی کو پہر سے صاف کر کے مذہب کی شروع کی پاکیزگی کو پہر سے واپس لانے کے لئے ایران میں کوئی نیا مہابوہی پیدا نہیں ہوا۔ ہندستان میں خوش قسمتی سے گوتم بدھ نے جنم لیا۔ گوتم بدھ نے ریت رواجوں اور اندھ وشواسوں کے بوجھ سے لوگوں کو آزاد کر کے انہیں پہر سے اپدیش دیا کہ وہ اس طرح کی نیکی اور سچائی کی زندگی بسر کریں جس میں ان کا اس دنیا میں بھی بھٹ ہو اور آنا کے ہمیشہ کے جنوں میں بھی کلہاں ہو۔

اس کے بعد باہر سے پہر ایک ایسی آمد آئی جس نے ہندستان اور ایران دونوں کو پہر ملا کر ایک کر

اس کے بعد باہر سے پہر ایک ایسی آمد آئی جس نے ہندستان اور ایران دونوں کو پہر ملا کر ایک کر

اس کے بعد باہر سے پہر ایک ایسی آمد آئی جس نے ہندستان اور ایران دونوں کو پہر ملا کر ایک کر

لڑن اور شراب سے دھڑا رہے۔ دوسری اپنے ہاتھ پر سحر لگانا یا یانی کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کسی دوسرے کو ڈھک پڑے۔ تیسری اپنے دھڑلے پر سحر لگانا یا یانی ہر قسم کے شہوانی کاموں یا نی اندری سے پرہیز۔

مہاتما مانی کا مذہب بہت دنوں ایران میں رہا اور دور دور کے ملکوں میں بھی پہنچا۔ لیکن ایرانی قوم نے قوم کی حیثیت سے کبھی اسے نہ اپنا یا۔ پر اس کے بعد زرتشتی دھرم بھی بہت دنوں تک ایران میں نہ چل سکا۔ تہوڑے ہی دنوں میں اسلام اُس سارے علاقے میں پھیل گیا۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

خون اور شراب سے دھڑا رہے۔ دوسری اپنے ہاتھ پر سحر لگانا یا یانی کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے کسی دوسرے کو ڈھک پڑے۔ تیسری اپنے دھڑلے پر سحر لگانا یا یانی ہر قسم کے شہوانی کاموں یا نی اندری سے پرہیز۔

مہاتما مانی کا مذہب بہت دنوں ایران میں رہا اور دور دور کے ملکوں میں بھی پہنچا۔ لیکن ایرانی قوم نے قوم کی حیثیت سے کبھی اسے نہ اپنا یا۔ پر اس کے بعد زرتشتی دھرم بھی بہت دنوں تک ایران میں نہ چل سکا۔ تہوڑے ہی دنوں میں اسلام اُس سارے علاقے میں پھیل گیا۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

اگرچہ ایرانیوں نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ایران کی پرانی کلچر باہر کے اثرات کے سامنے نہیں جھکی۔ اُس کے خلاف ایران کی پرانی کلچر نے اسلامی دنیا کے اداروں، اُس کے وچاروں، اُس کے رخ، اُس کے سائنس اور اُس کے فلسفہ پر اپنی پوری چھاپ لگائی۔

تصوف کے اصولوں کو سب سے پہلے خراسانیوں نے
طوس کے رہنے والے ابو نصر سراج نے کتاب اللمع فی التصوف
نہی۔ ابو الحسن الہمدانی نے جو غزنہ کا رہنے والا تھا، کشف
المحجوب لکھی۔ طوس کے رہنے والے الفزالی نے جو اسلامی
زندگی کا سب سے بڑا حکیم اور عالم مانا جاتا ہے، تصوف کے
اوپر بے شمار عالمانہ کتابیں لکھیں۔ آخر میں عبدالرحمان
نیرالدین چلی نے لوائح نام کی وہ بے نظیر کتاب لکھی جو
اسلامی تصوف کی سب سے زیادہ ہر دل عزیز کتاب مانی
جاتی ہے۔

ایک تصوف کی سب سے بڑی قیمت خدمت خراسان
کے ان صوفی، سنتوں اور شاعروں نے کی—نیرالدین عطار جس
نے مطلق الطہر لکھا۔ ابوالمجد سلانی جس نے حقیقۃ الحقیقت
لکھی۔ اور ان سب میں بزرگ سادت، جو تصوف کے فلسفے کے
سرتاج مانے جاتے ہیں، مولانا جلال الدین رومی ہلنڈی نے اپنی
مشہور مثنوی لکھی۔

یہ بھی قدرتی تھا کہ پوری ایران کا وہی حصہ جو ہندستان
کے دھرمک وچاروں سے اوت پرور ہو چکا تھا اسلام کے آنے کے
بعد ایرانی کلچر کی بیداری اور اسلامی تصوف کا سب سے بڑا گہوارہ
ناہت ہوا۔ بلخ ہی کا رہنے والا خالد، جو بوندہ نوہار کے سب
سے بڑے پروہت (پرمکھ) کے خاندان سے تھا، عباسی خلیفوں
کا 'پرمکی وزیر' ہوا۔ اُس نے اسلامی سلطنت کو حقیقی ایرانی
روپ دینے میں بہت زبردست حصہ لیا۔ خالد ہی نے عباسی
خلیفوں کے دربار میں بہت سی سنسکرت اور پہلوی کتابوں کا
عربی میں ترجمہ کرایا۔

ان سب چیزوں کی طرف دھیان دلانے کے لئے زیادہ وقت
کی ضرورت ہے۔ اب میں صرف تھوڑے سے میں مولانا روم کی
مشہور مثنوی کا ذکر کرونگا اور یہ دیکھنا چاہوں گا کہ مولانا روم کے
وچاروں اور ہندستانی فلسفہ ویدانت کے وچاروں میں کتنی
گہری مماثلت ہے۔

مثنوی میں بہت سی کہانیاں اور قصے ہیں۔ ان میں سے
کئی ہندستان کی کہانیاں ہیں جو ترجموں کے ذریعہ مولانا روم
نک پہنچیں۔ مثال کے طور پر:—

(1) شیو اور خرگوش کی کہانی؛
(2) اندھے آدمیوں اور ہاتھی کی کہانی؛
(3) لومڑی اور قہول کی کہانی؛
(4) خرگوش کی کہانی جنہوں نے ہاتھی کے پاس اپنا
سندیش بھیجا تھا؛

(5) درویش کی کہانی جس نے خود اپنی جان دی
تھی۔
مولانا روم کے وچاروں میں بہت سے بلہادی وچار ہندستان
کے وچاروں سے ملتے ہیں۔ مثلاً:—

(1) خدا کا وچار؛

لیکن تصوف کی سب سے بڑی قیمت خدمت خراسان
کے ان صوفی، سنتوں اور شاعروں نے کی—نیرالدین عطار جس
نے مطلق الطہر لکھا۔ ابوالمجد سلانی جس نے حقیقۃ الحقیقت
لکھی۔ اور ان سب میں بزرگ سادت، جو تصوف کے فلسفے کے
سرتاج مانے جاتے ہیں، مولانا جلال الدین رومی ہلنڈی نے اپنی
مشہور مثنوی لکھی۔

یہ بھی قدرتی تھا کہ پوری ایران کا وہی حصہ جو ہندستان
کے دھرمک وچاروں سے اوت پرور ہو چکا تھا اسلام کے آنے کے
بعد ایرانی کلچر کی بیداری اور اسلامی تصوف کا سب سے بڑا گہوارہ
ناہت ہوا۔ بلخ ہی کا رہنے والا خالد، جو بوندہ نوہار کے سب
سے بڑے پروہت (پرمکھ) کے خاندان سے تھا، عباسی خلیفوں
کا 'پرمکی وزیر' ہوا۔ اُس نے اسلامی سلطنت کو حقیقی ایرانی
روپ دینے میں بہت زبردست حصہ لیا۔ خالد ہی نے عباسی
خلیفوں کے دربار میں بہت سی سنسکرت اور پہلوی کتابوں کا
عربی میں ترجمہ کرایا۔

ان سب چیزوں کی طرف دھیان دلانے کے لئے زیادہ وقت
کی ضرورت ہے۔ اب میں صرف تھوڑے سے میں مولانا روم کی
مشہور مثنوی کا ذکر کرونگا اور یہ دیکھنا چاہوں گا کہ مولانا روم کے
وچاروں اور ہندستانی فلسفہ ویدانت کے وچاروں میں کتنی
گہری مماثلت ہے۔

مثنوی میں بہت سی کہانیاں اور قصے ہیں۔ ان میں سے
کئی ہندستان کی کہانیاں ہیں جو ترجموں کے ذریعہ مولانا روم
نک پہنچیں۔ مثال کے طور پر:—

(1) شیو اور خرگوش کی کہانی؛
(2) اندھے آدمیوں اور ہاتھی کی کہانی؛
(3) لومڑی اور قہول کی کہانی؛
(4) خرگوش کی کہانی جنہوں نے ہاتھی کے پاس اپنا
سندیش بھیجا تھا؛
(5) درویش کی کہانی جس نے خود اپنی جان دی
تھی۔
مولانا روم کے وچاروں میں بہت سے بلہادی وچار ہندستان
کے وچاروں سے ملتے ہیں۔ مثلاً:—

(1) خدا کا وچار؛

میلانا "بھگوان" کے ماننے والے یہ جیسا کہ متل ہے کہ سیوا کے اور کوئی چیز ہے ہی نہیں، باقی جو دیکھا دیتا ہے کرے یا نہیں دیکھا ہے۔

مسلک میں لکھا ہے:—

"ہرک یا نی اسالیات ایک ہی جگہ ہے اور جگہ یا نی دنیا میں جو چیزیں دیکھا دیتی ہیں وہ ایسی ہی ہیں جیسے رسی ایک ہو اور اس میں جگہ جگہ سے لگادی جائیں۔ ایک حقیقت کا ہزاروں جگہ دیکھا دینا اس حقیقت کو ہزاروں نہیں کر دیتا۔ یہ سب کھول گلی کا پھر ہے۔ خدا کی وحدانیت ایک سمندر ہے، جس میں ایک اور دو کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس سمندر کے اندر موتی، مچھلی اور لہریں سب سمندر ہی کے روپ اور سمندر ہی سمندر ہیں۔"

ہندو فلسفہ میں خدا کی بابت "ایکم ایادوتھیم" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے—وہ ایک ہی ہے اور دوسرا کوئی ہے نہیں۔

بھگوت گیتا میں لکھا ہے:—

"وہ آتما سب دہی شکتیوں میں سب سے اعلیٰ اور سب سے پرانے ہے، اس میں جو کچھ ہے سب اس کے اندر ہے۔"

میلانا روم لکھتے ہیں:—

"نہ اس کا کوئی اشارہ مل سکتا ہے، نہ وہ ظاہر ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا علم ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا نشان مل سکتا ہے۔ عقل اس کو سوچ سکتی یا بیان میں لاسکتی کی قابلیت نہیں رکھتی۔ وہ نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ نیچے ہے نہ اوپر، وہ نزدیک سے نزدیک ہے، پھر بھی نہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ وہ قیاس یعنی گمان میں آسکتا ہے۔"

ہندوستان کے فلسفہ کی کتابوں کہتی ہیں:—

"وہ آنرچلیو ہے یعنی اسے کسی بھی شے میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نہ آگے اسے دیکھ سکتی ہے، نہ زبان بیان کر سکتی ہے، نہ خیال اس تک پہنچ سکتا ہے۔"

"پرم آتما" کا مطلب ٹھیک وہی ہے جو "ذات مطلق" کا۔

میلانا روم لکھتے ہیں:— "خدا دنیا میں ایسا ہی ہے جیسے چاچے کے اندر مکھن (روغن آندز دوغ)۔" آپنشدوں میں لکھا ہے کہ—"پرم آتما دنیا میں اس طرح رہا ہوا ہے جیسے پانی میں نمک۔"

(2) دنیا کا بیکار;

میلانا روم لکھتے ہیں:— "وہ آنرچلیو ہے یعنی اسے کسی بھی شے میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نہ آگے اسے دیکھ سکتی ہے، نہ زبان بیان کر سکتی ہے، نہ خیال اس تک پہنچ سکتا ہے۔"

میلانا روم لکھتے ہیں:—

"حق یعنی اصلیت ایک ہی وجود ہے اور خلق یعنی دنیا میں جو چیزیں دیکھا دیتی ہیں وہ ایسی ہی ہیں جیسے رسی ایک ہو اور اس میں جگہ جگہ سے لگادی جائیں۔ ایک حقیقت کا ہزاروں جگہ دیکھا دینا اس حقیقت کو ہزاروں نہیں کر دیتا۔ یہ سب کھول گلی کا پھر ہے۔ خدا کی وحدانیت ایک سمندر ہے، جس میں ایک اور دو کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ اس سمندر کے اندر موتی، مچھلی اور لہریں سب سمندر ہی کے روپ اور سمندر ہی سمندر ہیں۔"

ہندو فلسفہ میں خدا کی بابت "ایکم ایادوتھیم" کہا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے—وہ ایک ہی ہے اور دوسرا کوئی ہے نہیں۔

بھگوت گیتا میں لکھا ہے:—

"وہ آتما سب دہی شکتیوں میں سب سے اعلیٰ اور سب سے پرانے ہے، اس میں جو کچھ ہے سب اس کے اندر ہے۔"

میلانا روم لکھتے ہیں:—

"نہ اس کا کوئی اشارہ مل سکتا ہے، نہ وہ ظاہر ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا علم ہو سکتا ہے، نہ کسی کو اس کا نشان مل سکتا ہے۔ عقل اس کو سوچ سکتی یا بیان میں لاسکتی کی قابلیت نہیں رکھتی۔ وہ نہ آگے ہے نہ پیچھے، نہ نیچے ہے نہ اوپر، وہ نزدیک سے نزدیک ہے، پھر بھی نہ اس کی کوئی کیفیت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ وہ قیاس یعنی گمان میں آسکتا ہے۔"

ہندوستان کے فلسفہ کی کتابوں کہتی ہیں:—

"وہ آنرچلیو ہے یعنی اسے کسی بھی شے میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نہ آگے اسے دیکھ سکتی ہے، نہ زبان بیان کر سکتی ہے، نہ خیال اس تک پہنچ سکتا ہے۔"

"پرم آتما" کا مطلب ٹھیک وہی ہے جو "ذات مطلق" کا۔ میلانا روم لکھتے ہیں:— "خدا دنیا میں ایسا ہی ہے جیسے چاچے کے اندر مکھن (روغن آندز دوغ)۔" آپنشدوں میں لکھا ہے کہ—"پرم آتما دنیا میں اس طرح رہا ہوا ہے جیسے پانی میں نمک۔"

(2) دنیا کا بیکار;

میلانا روم لکھتے ہیں :—

”یہ جہان نفی (نہیں) ہے، تو اگر اصلیت کو ڈھونڈنا چاہتا ہے تو اُس کے اندر ڈھونڈنا چاہیے۔ جتنی صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب صفر (شونہ) ہیں۔ حقیقت (اصلیت) شدوں میں نہیں، معنی میں ہے۔ ہم سب عدم (نہیں) ہیں، ہمارا وجود ایک دھوکا ہے۔ خدا وجود مطلق ہے۔ اکیلے اسی کا وجود ہے۔ شکل کیوں جسموں کے لئے ہے اور معنی کے سامنے جسم کیوں نام ہی نام ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ سارا وجود ایک موتی کی طرح ہے، نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر، یا یوں کہا جائے کہ سب ایک ہی موتی تھا، جیسے ایک آفتاب۔ وہ پانی کی طرح صاف تھا، اُس میں کوئی گرہ نہ تھی، وہ نور ہی نور تھا۔ جب اُس سے صورتیں نکلیں تو وہ اس طرح ظاہر ہوئیں جس طرح الگ لگ سائے آئینہ کو دکھائی دیتے ہیں۔“

ہندوستان کے فلاسفے کی کتابوں میں لکھا ہے :—

”یہ سارا विश्व माया سے پیدا ہوا ہے۔ یہ سب ایک دھوکا ہے، اسکا کوئی وجود نہیں، یہ دنیا کیوں ایک دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ یہ کیوں نام اور روپ کی دنیا ہے۔ پرانا یعنی برہمنہ ہی اصلیت ہے۔ باقی سب سائے کی طرح دھوکا ہے۔ شروع میں کیوں وہی تھا—ایک جس کے کوئی آنگ یا حصہ نہ تھے، جس میں کوئی فرق نہ تھا، جو اُنسا ہی اُنسا تھا، جو اپنی ہی روشنی سے روشن تھا، جو روشنی ہی روشنی تھا۔ اُسی نے پرکری یعنی غیر اُنسا کو روشن کیا جس سے سائے بنے اور ہزاروں لاکھوں روپ بنے۔ اِس طرح یہ وشو وجود میں آیا۔“

(3) آدمی کا بیچارہ؛

میلانا روم کے متاویک آدمی کی جان یا آتما اس پریتم خدا کی آتما کا کبھل ایک پرتو یعنی عکس ہے۔ لیکن اُنسا نور ہی نور ہے۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”جس طرح جان کا پرتو یعنی عکس جسم پر پڑتا ہے اُسی طرح میری جان بھی کیوں اُس پریتم کا کیوں ایک عکس ہے۔ یہ جان نور ہی نور ہے اور جسم رنگ اور بو ہے۔ تو اِس رنگ و بو سے ہٹ جا، اِسے چھوڑ دے اور مت کہ کہ کوئی بھی دوسرا یا غیر ہے۔“

میلانا کے متاویک آدمی کی رُخ شروع میں ایک سوڈے ڈھال میں تھی۔ لیکن جیوں جیوں اُسے مارکیت یا جیانی جانی حاصل ہوتا گیا وہ اپنی اصلیت کو سمجھتی گئی۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”آدمی جب سوچا ہوا ہوتا ہے تو اُس کی روح آفتاب کی طرح آسمان پر چمکتی ہے اور وہ خود پہلوں میں لپٹا رہتا ہے۔ اُسے میرے دل! جب کہ معرفت یعنی گہان ہی جان کی پہچان ہے تو جس کو جھٹکا

میلانا روم لکھتے ہیں :—

”یہ جہان نفی (نہیں) ہے، تو اگر اصلیت کو ڈھونڈنا چاہتا ہے تو اُس کے اندر ڈھونڈنا چاہیے۔ جتنی صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب صفر (شونہ) ہیں۔ حقیقت (اصلیت) شدوں میں نہیں، معنی میں ہے۔ ہم سب عدم (نہیں) ہیں، ہمارا وجود ایک دھوکا ہے۔ خدا وجود مطلق ہے۔ اکیلے اسی کا وجود ہے۔ شکل کیوں جسموں کے لئے ہے اور معنی کے سامنے جسم کیوں نام ہی نام ہیں۔ ہم سب ایک ہیں۔ سارا وجود ایک موتی کی طرح ہے، نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر، یا یوں کہا جائے کہ سب ایک ہی موتی تھا، جیسے ایک آفتاب۔ وہ پانی کی طرح صاف تھا، اُس میں کوئی گرہ نہ تھی، وہ نور ہی نور تھا۔ جب اُس سے صورتیں نکلیں تو وہ اس طرح ظاہر ہوئیں جس طرح الگ لگ سائے آئینہ کو دکھائی دیتے ہیں۔“

ہندوستان کے فلسفے کی کتابوں میں لکھا ہے :—

”یہ سارا विश्व माया سے پیدا ہوا ہے۔ یہ سب ایک دھوکا ہے، اس کا کوئی وجود نہیں، یہ دنیا کیوں ایک دکھاوا ہی دکھاوا ہے۔ یہ کیوں نام اور روپ کی دنیا ہے۔ پرانا یعنی برہمنہ ہی اصلیت ہے۔ باقی سب سائے کی طرح دھوکا ہے۔ شروع میں کیوں وہی تھا—ایک جس کے کوئی آنگ یا حصہ نہ تھے، جس میں کوئی فرق نہ تھا، جو اُنسا ہی اُنسا تھا، جو اپنی ہی روشنی سے روشن تھا، جو روشنی ہی روشنی تھا۔ اُسی نے پرکری یعنی غیر اُنسا کو روشن کیا جس سے سائے بنے اور ہزاروں لاکھوں روپ بنے۔ اِس طرح یہ وشو وجود میں آیا۔“

(3) آدمی کا بیچارہ؛

میلانا روم کے مطابق آدمی کی جان یعنی اُنسا اُس پریتم خدا کی آتما کا کبھل ایک پرتو یعنی عکس ہے۔ لیکن اُنسا نور ہی نور ہے۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”جس طرح جان کا پرتو یعنی عکس جسم پر پڑتا ہے اُسی طرح میری جان بھی کیوں اُس پریتم کا کیوں ایک عکس ہے۔ یہ جان نور ہی نور ہے اور جسم رنگ اور بو ہے۔ تو اِس رنگ و بو سے ہٹ جا، اِسے چھوڑ دے اور مت کہ کہ کوئی بھی دوسرا یا غیر ہے۔“

میلانا کے مطابق آدمی کی روح شروع میں ایک سوڈے ڈھال میں تھی۔ لیکن جیوں جیوں اُسے معرفت یعنی گہان حاصل ہوتا گیا وہ اپنی اصلیت کو سمجھتی گئی۔ میلانا لکھتے ہیں :—

”آدمی جب سوچا ہوا ہوتا ہے تو اُس کی روح آفتاب کی طرح آسمان پر چمکتی ہے اور وہ خود پہلوں میں لپٹا رہتا ہے۔ اُسے میرے دل! جب کہ معرفت یعنی گہان ہی جان کی پہچان ہے تو جس کو جھٹکا

۱۰۰۔ کیاں ہوجانے اُس کی چٹان اتنی ہی مضبوط ہوجائے گی ۔
خ کی تانہر آگے یعنی کیاں ہے ۔ جس کسی کو پورا کیاں
اصل ہو گیا وہی اللہ ہے ۔“

اور آدمی کا اخیر یعنی انجام کیا ہے ؟

مولانا روم کے مطابق آدمی کا انجام اُس مقام یعنی جگہ حاصل کرنا ہے جہاں پر منصور پہنچتا تھا اور جہاں پہنچ کر اس نے کہا تھا—”انا الحق“ یعنی میں ہی حق یعنی اللہ ہوں۔ اسی مقام پر پہنچ کر بازید بسطامی نے کہا تھا—”مہجالی ما اعظم شانی“

मौलाना रुम लिखते —

”چونکہ آدمی خدا ہی کے نور سے پیدا ہوا ہے اور اُسی کے
کا ایک حصہ ہے اُسی لئے وہ فرشتوں کے لئے بھی سجدہ
نے کی چیز سمجھا گیا۔ یریتم وہی ہے جو اپنے پھار کرنے والے
ساتھ ایک ہو۔ وہی پھار کرنے والے کا شروع ہو اور وہی اُس
اُخبر ہو۔“

ہندستان کی ويدانت فلاسفی اسی اصول سے شروع ہوتی ہے کہ آدمی کی آتما ہی پر م آتما ہے۔ ”آتما ہی برہمہ“ یعنی ماہی برہمہ ہے۔ ”وہی وہ ہے“ وہی تو ہے، وہی میں ہوں، ہی روشنی کی روشنی ہے۔“ ہندو فلسفہ کے مطابق آدمی آتما حقیقت میں حیوانی یعنی نور ہے، پرکرتی یعنی مایا، ساتھ ملکر وہ اپنے کو بھول جاتی ہے اور پھر جاگتی ہے اور اپنے پہچانتی ہے۔ بھکوت گیتا میں لکھا ہے :—

”سب لوگوں کے لئے جو رات ہے مسجددار پر کی اُس میں
ناگنا ہے اور جس میں سب جاگتے ہیں مسجددار پر کی کے لئے
رات ہوتی ہے۔“

بہکت گیتا میں ایشور کہتا ہے کہ:—

”مجھ میں اپنے من کو لگا، مجھے بیمار کر، میرے لئے قربانی
اور تو بیشک میرے پاس ہی آئے گا۔ یہ میں تجھ سے وعدہ
تا ہوں چونکہ تو مجھے بیمار آہ۔“

مولانا ددوم نے لکھا ہے : —

”حضرت نوح نے اپنے دشمنوں سے کہا کہ آے سر اُٹھالے
 الو ! میں میں نہیں ہوں‘ میں اپنی جان سے مرچکا‘ اب
 ہی صرف اپنے معشوق یعنی خدا سے زندہ ہوں ۔ چونکہ میں
 فی جان سے مرچکا اور اپنے معشوق سے زندہ ہوں اس لئے میرے
 اب کوئی موت نہیں ہو سکتی ۔ اب میں ہمیشہ ہمیشہ کے
 زندہ اور قائم رہوں گا۔“

یہ کچھ تھوڑے سے خیالات ہیں جو میں نے ادھر ادھر سے
نی لائے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران اور ہندستان کے
مابینک وچار ایک دوسرے سے کتنے ملتے ہیں۔

نیا دین

کلاں والی فن یا ہنر میں، ساہتیہ میں، کلاں کے میں، کلاں اور سماجی زندگی میں، فنی تامل میں، گزشتہ کلاں کے ہر پہلو میں ہندوستان اور ایران کے مہل جوں کی ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

یہ قصہ بہت لمبا ہے۔ لیکن مجھے آپ کو اب بہت زیادہ نہیں روکنا چاہیئے۔

آبوان ہاں سے خالی ہو گئی اور راز (رہسہ) ابھی باقی ہے، سخن کی پونجی ختم ہو گئی اور سخن ابھی باقی ہے۔

یہ قصہ بہت لمبا ہے۔ لیکن مجھے آپ کو اب بہت زیادہ نہیں روکنا چاہیئے۔

زبان حرفوں سے خالی ہو گئی اور راز (رہسہ) ابھی باقی ہے، سخن کی پونجی ختم ہو گئی اور سخن ابھی باقی ہے۔

سہا دیکا "نیا چین" کے نام

سہا دیکا "نیا چین" کے نام

بہتی منورما،

بہتی منورما،

توہارا 12-8-55 کا پتر ملا۔ تو جانتی ہو میں تو ہاربر کا اور ہرم کا ماننے والا ہوں۔ پرائس میں کچھ کہانیاں بڑی کھانیوں بڑی سندر ملتی ہیں۔ ایک یہ ہے:—

توہارا 12-8-55 کا پتر ملا۔ تم جانتی ہو میں تو ہاربر کا اور ہرم کا ماننے والا ہوں۔ پرائس میں کچھ کہانیاں بڑی کھانیوں بڑی سندر ملتی ہیں۔ ایک یہ ہے:—

ایک راجہ تھا۔ اُس کا ایک باغ تھا۔ باغ میں دو مالی تھے۔ وہ دونوں مالی دو طبیبوں کے تھے۔ ایک مالی کا کام یہ تھا کہ روز صبح جب راجہ صاحب کے اُٹھ کر محل سے نکلے اور باغ کی سیر کو جانے کا سہمے آتا تو وہ مالی محل کے دوار پر پہنچ جاتا۔ راجہ صاحب کے نکلتے ہی وہ دھرتی چھو کر انہیں پرونام کرتا۔ اُن کی اور اُن کے پوروں کی استوتی گن کرتا۔ استوتی گن کرتے کرتے وہ اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیتا۔ اور جب تک راجہ صاحب باغ کی سیر کرتے رہتے وہ ساتھ ساتھ رہتا رہتا رہتا رہتا۔ لوٹکر جب راجہ صاحب محل میں پرویش کرتے تو وہ پھر دھرتی چھو کر انہیں پرونام کرتا اور دن بھر آرام کرتا۔ شام کو پھر جب راجہ صاحب کے سیر کا سہمے آتا وہ پھر محل کے دوار پر پہنچ جاتا اور یہی سب کرتا۔ راجہ صاحب کے محل میں چلے جانے پر پھر آکر رات بھر آرام سے سوتا۔ دوسرا مالی بہت سویرے اُٹھ کر اُسی سہمے سے باغ کے پھروں اور پودوں کی

ایک راجہ تھا۔ اُس کا ایک باغ تھا۔ باغ میں دو مالی تھے۔ وہ دونوں مالی دو طبیبوں کے تھے۔ ایک مالی کا کام یہ تھا کہ روز صبح جب راجہ صاحب کے اُٹھ کر محل سے نکلے اور باغ کی سیر کو جانے کا سہمے آتا تو وہ مالی محل کے دوار پر پہنچ جاتا۔ راجہ صاحب کے نکلتے ہی وہ دھرتی چھو کر انہیں پرونام کرتا۔ اُن کی اور اُن کے پوروں کی استوتی گن کرتا۔ استوتی گن کرتے کرتے وہ اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیتا۔ اور جب تک راجہ صاحب باغ کی سیر کرتے رہتے وہ ساتھ ساتھ رہتا رہتا رہتا رہتا۔ لوٹکر جب راجہ صاحب محل میں پرویش کرتے تو وہ پھر دھرتی چھو کر انہیں پرونام کرتا اور دن بھر آرام کرتا۔ شام کو پھر جب راجہ صاحب کے سیر کا سہمے آتا وہ پھر محل کے دوار پر پہنچ جاتا اور یہی سب کرتا۔ راجہ صاحب کے محل میں چلے جانے پر پھر آکر رات بھر آرام سے سوتا۔ دوسرا مالی بہت سویرے اُٹھ کر اُسی سہمے سے باغ کے پھروں اور پودوں کی

دھل ریل میں سمن آئے۔ کسی کو مہلا، کسی کو سہیچکا، کسی پر مٹی چڑھاتا۔ وہ اس کلم میں اٹتا رہتا رہتا کہ کبھی کبھی جب باغ کے اندر راجہ صاحب سیر کرتے ہوئے پاس سے نکلتے تو آئے آئے کر نسر کر لے گی بھی نہ سوچتی۔ اُسے فرصت ہی کہاں! دن بھر اسی طرح لگا رہتا۔ شام کو جب راجہ صاحب باغ کی سیر کو آتے تب بھی اُس کی بہن بھی حالت رہتی۔ رات کو راجہ صاحب کے محل میں چلے جانے کے بعد وہ دن بھر کے آگے سے آگے پھل پھول ٹوکریوں میں بھر کر سر پر رکھ کر محل کے دیوار پر پہنچتا اور راجہ صاحب کے کسی نوکر کو آواز دیکر وہ پھل پھول راجہ صاحب کے بچوں کے لئے دیکر اور پہلے دن کی خالی ٹوکریاں واپس لے کر آتا۔ رات کو آرام کرتا اور صبح سے پھر وہی درختوں اور پودوں کی سیوا۔ اُسے کبھی کبھی راجہ صاحب کے درشن آئے بھی مہینوں بیت جاتے۔

اب بتاؤ دونوں میں کون سا مالی سچا مالی تھا ؟

دوسری ایک کہانی یہ ہے:—

اب بتاؤ دونوں میں کون سا مالی سچا مالی تھا ؟

دوسری ایک کہانی یہ ہے:—

ناراد نے ایک بار دشا بھگوان سے پوچھا—
”بھگوان! مہتو لوک میں آپکا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“
بھگوان نے کہا—
”ناراد! تم تو بل بھر میں کہیں بھی پہنچ سکتے ہو، تم ہی جاکر دیکھو اور آکر مجھے بتاؤ کہ میرا سب سے بڑا بھکت کون ہے۔“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

ناراد نے کہا—
”ناراد! دھوکھا کھا گئے۔ جاؤ پھر جاؤ اور دیکھو ہمارا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟“

اسپر نارادھ مونی نے کہا—“مگبن! میں ہارا، اب آپ ہی بتائیے آپکا سب سے بڑا مکت کون ہے؟”

بیٹھو مگبن نے اتر دیا—“نارادھ! امیوک مرام میں جاکر دیکھو، امیوک نام کا بڑا کسان ہمارا سب سے بڑا مکت ہے۔”

نارادھ اترے، اس مرام میں پہنچے۔ ادرشت رہکر ایک دن اور ایک رات اس کسان کے ساتھ رہے۔ وہ تاروں کی چھل اٹھا کسی طرح منہ ہاتھ دھو کر اپنے بیلوں کو لیکر کھیت میں پہنچا، درپہر تک بیلوں کے پیچھے “ڈیہ-ڈیہ” کرتا رہا۔ کبھی کبھی بیلوں کو گالی بھی دیتا رہا، درپہر بعد تھک کر بیلوں کو بانڈھکر درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے ٹکڑا کھا یا، پانی پیا اور پھر شام تک وہی دھرتی کی سیوا۔ اندھیرا ہو جانے پر وہ گھو لوٹا۔ پر نارادھ مانی نے ایک بار بھی اس کے منہ سے بھوکاں کا نام نکلتے نہ سنا۔ پھر بھی وہ تھا بھوکاں کی نگاہ میں بھوکاں کا سب سے بڑا بھکت!

اوپر کی دونوں کہانیاں بڑی ماریٹک ہیں۔

اب جو مارتواسی چین ہو آئے ہیں وہ اپنے دلوں کو تھول کر دیکھیں کہ اس سرشتی رویہ باغ کے سچے مانی اور بھوکاں کے سچے بھکت انہیں کہاں ادھک ملے ہیں—

چین میں یا اس سب سے بھارت کے ہیں؟

آزاد بھارت کے شہروں میں کہیں بھی بنا ملاوت کی کھالے کی چیزیں ملنا بہت مشکل ہے۔ نئے چین کے شہروں میں کہیں بھی ملاوت والی کوئی چیز مل سکتا لگ بھگ اسی ہے۔ یہاں چوری اور رشوت خوری کا بازار سب جگہ گرم ہے۔ اور مجھے کہتے لجا آتی ہے کہ انگریزی راج کے زمانے سے کہیں ادھک گرم ہے۔ چین سے ابھی پرسنہ ودوان ڈاکٹر رکھویر لوت کر آئے ہیں جن پر کوئی کمپننسٹ ہونے کا آرڈر نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے دانی میں کہا ہے کہ بے ایمانی اور رشوت خوری (corruption and bribery) چین سے نابود ہو چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے دور دور تک سڑکوں مہل گھوم کر دیکھا۔ سرشتی رویہ باغ کے اس بھاگ میں کوئی پیڑ کوئی پودا مرجھایا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ ہر چہرہ کھلا ہوا اور خوشحال ہے۔ وشنو کے اس سب سے بڑے بھکت کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر رکھویر نے یہ بھی کہا ہے کہ وہاں ہر آدمی دیہی کے دھن اور دیہی کی پیدوار کو ادھک سے ادھک بچھالے میں لگا ہوا ہے۔ ساتھ کروڑ کی آبادی میں کوئی بیکار نہیں۔ دیشیا ورنی اور بھکتوں کی سٹھیا میں نیا چین شونہ ہے تو نیا بھارت دھلتیہ! بھارت کے کوئی کوئی شاکت کہتے نہیں تھکتے کہ انہیں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں ضرورت ہے کریکروں اور انجینئروں کی۔ مہری اپنی جانکاری میں نہ

اس پر غور مانی نے کہا—“بھوکاں! میں ہارا، اب آپ ہی بتائیے آپکا سب سے بڑا بھکت کون ہے؟”

ویشنو بھوکاں نے اتر دیا—“نارادھ! امیوک مرام میں جا کر دیکھو، امیوک نام کا بھوکاں ہمارا سب سے بڑا بھکت ہے۔”

نارادھ اترے، اس مرام میں پہنچے۔ ادرشت رہکر ایک دن اور ایک رات اس کسان کے ساتھ رہے۔ وہ تاروں کی چھل اٹھا کسی طرح منہ ہاتھ دھو کر اپنے بیلوں کو لیکر کھیت میں پہنچا، درپہر تک بیلوں کے پیچھے “ڈیہ-ڈیہ” کرتا رہا۔ کبھی کبھی بیلوں کو گالی بھی دیتا رہا، درپہر بعد تھک کر بیلوں کو بانڈھکر درخت کے نیچے بیٹھ کر اس نے ٹکڑا کھا یا، پانی پیا اور پھر شام تک وہی دھرتی کی سیوا۔ اندھیرا ہو جانے پر وہ گھو لوٹا۔ پر نارادھ مانی نے ایک بار بھی اس کے منہ سے بھوکاں کا نام نکلتے نہ سنا۔ پھر بھی وہ تھا بھوکاں کی نگاہ میں بھوکاں کا سب سے بڑا بھکت!

اوپر کی دونوں کہانیاں ماریٹک ہیں۔

اب جو بھارت واپسی چین ہو آئے ہیں وہ اپنے دلوں کو تھول کر دیکھیں کہ اس سرشتی رویہ باغ کے سچے مانی اور بھوکاں کے سچے بھکت انہیں کہاں ادھک ملے ہیں—

چین میں یا اس سب سے بھارت کے ہیں؟

آزاد بھارت کے شہروں میں کہیں بھی بنا ملاوت کی کھالے کی چیزیں ملنا بہت مشکل ہے۔ نئے چین کے شہروں میں کہیں بھی ملاوت والی کوئی چیز مل سکتا لگ بھگ اسی ہے۔ یہاں چوری اور رشوت خوری کا بازار سب جگہ گرم ہے۔ اور مجھے کہتے لجا آتی ہے کہ انگریزی راج کے زمانے سے کہیں ادھک گرم ہے۔ چین سے ابھی پرسنہ ودوان ڈاکٹر رکھویر لوت کر آئے ہیں جن پر کوئی کمپننسٹ ہونے کا آرڈر نہیں لگا سکتا۔ انہوں نے دانی میں کہا ہے کہ بے ایمانی اور رشوت خوری (corruption and bribery) چین سے نابود ہو چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے دور دور تک سڑکوں مہل گھوم کر دیکھا۔ سرشتی رویہ باغ کے اس بھاگ میں کوئی پیڑ کوئی پودا مرجھایا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ ہر چہرہ کھلا ہوا اور خوشحال ہے۔ وشنو کے اس سب سے بڑے بھکت کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ڈاکٹر رکھویر نے یہ بھی کہا ہے کہ وہاں ہر آدمی دیہی کے دھن اور دیہی کی پیدوار کو ادھک سے ادھک بچھالے میں لگا ہوا ہے۔ ساتھ کروڑ کی آبادی میں کوئی بیکار نہیں۔ دیشیا ورنی اور بھکتوں کی سٹھیا میں نیا چین شونہ ہے تو نیا بھارت دھلتیہ! بھارت کے کوئی کوئی شاکت کہتے نہیں تھکتے کہ انہیں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں ضرورت ہے کریکروں اور انجینئروں کی۔ مہری اپنی جانکاری میں نہ

जाने कितने इंजीनियरी पास सबके काम की तलाश में दपतर दपतर की ठोकें खाते फिर रहे हैं.

गोस्वामी तुलसीदास जी का 'रामराज' का आदर्श—
जिसके लिये गान्धी जी बेचैन थे—वहाँ अत्यन्त निकट दिखाई
दे रहा है। वहाँ हम से दूर भागता हुआ माखूम होता है,
और 'रामराज' वहाँ होता है जहाँ धर्म का राज हो। यतो धर्म-
स्ततोऽन्युदय' हम सदियों से पढ़ते सुनते आए हैं।

इस सब के अतिरिक्त भारतीय दर्शन शास्त्र के अनुसार इस पृथ्वी पर मनुष्य का सबसे बड़ा धर्म सब के अन्दर अपने को और अपने अन्दर सब को देखना है। हमारे उपनिषद् और गीता बारबार इसी बात को दोहराते हैं, धरती के सब मनुष्यों से भेदभाव उठाकर संसार की सारी जनता को एक सूत्र में बांधने का काम आज आध्यात्मिक दृष्टि से सबसे पवित्र काम है। कमजोर और बलवान, प्रच्छे और बुरे, दुनिया के सब धर्मों और सब आन्दोलनों में होते हैं। पर आज मानव समाज को एक करने का काम, दुनिया की नीचे दबी हुई अरबों जनता को मिलाकर एक करने का काम, कोई आन्दोलन इतनी अच्छी तरह और तने जोरों के साथ नहीं कर रहा है जितना दुनिया का कम्युनिस्ट आन्दोलन। इसी एक आन्दोलन के साथ राष्ट्रों, जातों और लाल, पीले, गोरे, काले के भेद मिटते जा रहे हैं। किंग के सब से बड़े हाल में—“आसमान के नीचे सब एक हैं” मोटे सुन्दर अक्षरों में लिखा हुआ देखकर और उस पर साथ के चीनी दोस्तों की टीका-टिप्पणी सुनकर मे और मेरे साथियों को एक बार आशा बंधी कि सृष्टि इस बात में भी—

ये हैं बहुरि वसन्त ऋतु,

इन छारन वे फल.

उस ऐस्किमो जाति के बच्चों को जो दो हजार बरस
रूसी ईसाई धर्म के स्वर्ण युग में भी सदा जंगली और
मध्य कहलाती रही और थी और मध्य एशिया की नीम
ली क्रौमों के लड़कों को मास्को के विश्वविद्यालय में
रे योरपीनों के साथ कंधे से कंधा मिलाकर पढ़ते, प्रोफेसरी
ते और एक कुटुम्ब की तरह प्रेम के साथ रहते देखकर
स का हृदय गद्गद न हो उठेगा. अपने देश को पचास
स तक ध्यान से देखने और इस उमर में बाहर की आधी
या को देखने के बाद मुझे इस में कोई भी सन्देह नहीं
किसी देश विरोध की कम्युनिस्ट पार्टी के लोग, चाहे
भदार हों या नासमझ, अच्छे हों या बुरे, पर दुनिया
कम्युनिस्ट आन्दोलन, अनेक दोषों के होते हुए भी, इस
का सबसे बड़ा आध्यात्मिक आन्दोलन है, और भारतीय
ध्यात्मिक निगाह से मुझे रूस से भी बिन अधिक प्यारा है.
एक और धर्म के नाम पर अपने यहां के लोगों में, सड़े
अन्धविश्वासों, पाखंडों और रुढ़ि पूजा को देखकर और

تجارتی کتبہ انجینئری پاس لڑکے کام کی تلاش میں دھنر دھنر کی
تھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔

گھسواہی تلسی داس جی کا 'رام راج' کا آدرش'—جس کے لئے گاندھی جی بے چین تھے—وہاں اتھوٹ نکٹ دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں ہم سے دور بھاگتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور 'رام راج' وہیں ہوتا ہے جہاں دھرم کا راج ہو۔ بتو دھرم استو مہرنتہ ہم صدیوں سے پڑھتے سنتے آئے ہیں۔

اس سب کے انہرکت بھارتیہ دشمن شاستر کے انوسار اس پوتروی پر منوشیہ کا سب سے بڑا دھرم سب کے اندر اپنے کو اور اپنے اندر سب کو دیکھنا ہے۔ ہمارے آئینشت اور گیتا بار بار اسی بات کو دہراتے ہیں، دھرتی کے سب منشیوں سے بھیدھاڑ اٹھا کر سلسار کی ساری چلتا کو ایک سوتر میں باندھنے کا کام آج ادھیاتمک درشتی سے سب سے پوتر کام ہے۔ کمزور اور ہلوان اچھے اور برے، دنیا کے سب دھرموں اور سب آندولنوں میں ہوتے ہیں۔ پر آج مانو سماج کو ایک کرنے کا کام، دنیا کی نیچے دی ہوئی لوہوں چلتا کو ملا کر ایک کرنے کا کام، کوئی آندولن اتلی اچھی طرح اور اپنے زوروں کے ساتھ نہیں کر رہا ہے جتنا دنیا کا کمونسٹ آندولن۔ اسی ایک آندولن کے ساتھ راشٹروں راشٹروں اور لال، پیلے، گورے، کالے کے بھید مٹتے جا رہے ہیں۔ پیکنگ کے سب سے بڑے ہال میں—”آسمان کے نیچے سب ایک ہے“ موٹے سندر اکشروں میں لکھا ہوا دیکھ کر اور پھر اس پر ساتھ کے چینی دوستوں کی قیکا ٹپھنی سن کر مجھے اور میرے ساتھیوں کو ایک بار آشا بلدی کہ سرشتی کے اس باغ میں بھی—

اٹھواں بہاری بسنت رت

این قاریں سے پھول ۔

اُس اُسکومو جاتی کے بچوں کو جو دو ہزار برس تک
 روسی عیسائی دھرم کے سورن بگ میں بھی سدا جنگلی اور
 اسبہتہ کھلاتی رہی اور تھی اور مدھتہ ایشیا کی نیم جنگلی
 قوموں کے لڑکوں کو موسکو کے وشدیالیہ میں گورے یورپیوں کے
 ساتھ لکڑی سے کدھا ملا کر پڑھتے، پروفیسری کرتے اور ایک کتسب کی
 طارح پریم کے ساتھ رھتے دیکھکر کس کا ہر دئے گدگ نہ ہو اُٹھے گا۔
 اپنے دیش کو پچاس برس تک دھیان سے دیکھنے اور اِس عمر
 میں باہر کی آدھی دنیا کو دیکھنے کے بعد مجھے اِس میں
 کوئی بھی سنبہتہ نہیں کہ کسی دیش وشیش کی کمپونست
 پارٹی کے لوگ، چاہے سمجھدار ہوں یا ناستسمجھ اچھے ہوں یا
 برے، پر دنیا کا کمپونست آندولن، اُنیک دوشوں کے ہوتے ہوئے
 ہی، اِس یک کا سب سے بڑا آدھیاتک آندولن ہے، اور
 بھارتیہ آدھیاتک نگاہ سے مجھے روس سے بھی چین ادھک
 بھارا ہے۔

ایک اور دھرم کے نام پر اپنے یہاں کے تھونگیوں میں، سڑے گئے
انڈے، مشوا سوں، پانکھوندوں اور روڑھی پوجا کو دیکھ کر اور

نیا چین

دوسری اور باہر کی کمیونسٹ کہانے دلی دنیا کو دیکھ کر مجھے ہار
را لگتی تھی جی کے وہ درد بھرے ہند یاد آتے تھے جو انہوں نے
1924 میں دلی میں جگہ جگہ کے ہندو مسلم دنکوں کی
تصویروں کو سلک کر رکھے تھے۔ ”مجھے سے کیا پوچھو ہو؟ میں تو
کہانے کو تیار ہوں کہ یہ سب کے سب لاسٹک ہو جائیں تو
چھاپان کے لئے ماننے سے کوئی خدا تھوڑے ہی مت چاہیگا۔
یہ آدمی تو ہلکا۔“

اس میں کوئی سادہ نہیں کہ لکھ چین اور نئے بھارت کو
ایک دوسرے کے ٹکٹ لانے کی کوشش اس سب کے لئے ان دونوں
بیشوں کی اور انسانی قوم کی سب سے بڑی سہوا ہے۔ ہمیں
ہمت جلدی اپنے دیہ کو جدھر لے جانا ہے اُس میں بھی ہمیں
س دوستی اور ایک دوسرے کی جانکاری سے بہت کچھ مدد
مل سکتی ہے۔

اس لئے بھتی ملو رہا! میں تمہاری چھوٹی سے پتھر کا
”نیا چین“ کا دل سے سواگت کرتا ہوں، اُس کی اُلتی چاہتا
ہوں اور تمہیں اُس نیک کام کے لئے بدھائی دیتا ہوں۔

تم نے لکھ چاہا ہے، مجھے اور لکھ لکھ کا سہمے تو نہیں ملیگا۔
خوش رہو۔

خوش رہو۔

سستہہ تونھارا،
سندرلال۔

—سستہہ تونھارا—
—سندرلال—

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.
—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi.

پیشکش مندر لال

پیشکش مندر لال

(پہلے نمبر سے آگے)

(پہلے نمبر سے آگے)

(20)

(20)

ایک دن توحید ارتہات ایکشورواں کے رشتہ میں بات چیت شروع ہوئی۔ کہہ لکے میں سچ پوچھو تو توحید (ارتہات ایکشور کو ایک کہنا) بھی شریک (ایکشور کے ساتھ کسی کو شریک کرنا) ہے۔ ایکشور کو ایک کہنا ہی اسے سہما کے اندر ہاندھنا ہے جب کہ وہ اذیت ہے اور اس کی کوئی سہما یا سہکھا نہیں۔ وہ سہما اور سہکھا دونوں سے پرے ہے۔ اس لئے اسے ایک کہنا بھی ٹھیک نہیں اور اگر یہ کہو کہ قرآن کے اندر کل ہو اللہ ہو احد، ارتہات ایکشور ایک ہے، یہ کیوں کہا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بات کہنے کے لئے اس سے بہتر کوئی شہدائے نہیں۔ یہی منشاء سب کو چھوڑ چھوڑ کر ایک کے سر ہو رہے تو کہا ہی اچھی بات ہے اور یہی اس سے اوپر آتھو ایک سے بھی پاک صاف ہو جاوے تو پھر کہا ہی کہہ ہیں۔

ہمیں اس سلسلہ میں ایک کہانی یاد آئی۔ مہاتما دتاترے نے 24 کروڑ تھے جن میں سے ایک بیڑیونجن تھی۔ یہ بیڑیونجن جب اپنی سسرال گئی تو اسے کوڑے کا کام دیا گیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے تھیں۔ اسے اجا آئی کہ مہری چوڑیوں کی جھنگار سسرال کے مردوں کے گل میں بڑیکی۔ یہ سوچ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ایک چوڑی توڑ دی۔ پھر بھی آواز ہلی رہی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چوڑی اور توڑ دی۔ ہوتے ہوتے دونوں ہاتھوں میں کیول ایک ایک چوڑی رہ گئی۔ اس سلسلے جھنگار بالکل بند ہو گئی۔ دتاترے نے اس کہنا سے ایکشورواں کی شکشا پائی اور اس اسٹری کو اپنا کرو مانا۔ کتنو ہمارے نزدیک تو یہی ایک ہی توڑ دی جائے تو بالکل بکھڑا صاف ہو جائے۔ اصلی ادویت یہی ہے کہ ادویت کے پھاؤ کو سمجھنے کے لئے ادویت کے دھار کو بھی ملنا دینا چاہئے۔

ہمیں اس سلسلہ میں ایک کہانی یاد آئی۔ مہاتما دتاترے نے 24 کروڑ تھے جن میں سے ایک بھڈمبھونجن تھی۔ یہ بھڈمبھونجن جب اپنی سوسرال گئی تو اسے کھڑنے کا کام دیا گیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے تھیں۔ اسے لڑکھا آئی کہ میری چوڑیوں کی بھنکار سوسرال کے مردوں کے کان میں پڑے گی۔ یہ سوچ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ایک چوڑی توڑ دی۔ پھر بھی آواز بھنی رہی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چوڑی اور توڑ دی۔ ہوتے ہوتے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک چوڑی رہ گئی۔ اس سلسلے جھنگار بالکل بند ہو گئی۔ دتاترے نے اس کہنا سے ایکشورواں کی شکشا پائی اور اس اسٹری کو اپنا کرو مانا۔ کتنو ہمارے نزدیک تو یہی ایک ہی توڑ دی جائے تو بالکل بکھڑا صاف ہو جائے۔ اصلی ادویت یہی ہے کہ ادویت کے پھاؤ کو سمجھنے کے لئے ادویت کے دھار کو بھی ملنا دینا چاہئے۔

ہمیں اس سلسلہ میں ایک کہانی یاد آئی۔ مہاتما دتاترے نے 24 کروڑ تھے جن میں سے ایک بھڈمبھونجن تھی۔ یہ بھڈمبھونجن جب اپنی سوسرال گئی تو اسے کھڑنے کا کام دیا گیا۔ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے تھیں۔ اسے لڑکھا آئی کہ میری چوڑیوں کی بھنکار سوسرال کے مردوں کے کان میں پڑے گی۔ یہ سوچ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک ایک چوڑی توڑ دی۔ پھر بھی آواز بھنی رہی۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی ایک ایک چوڑی اور توڑ دی۔ ہوتے ہوتے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک چوڑی رہ گئی۔ اس سلسلے جھنگار بالکل بند ہو گئی۔ دتاترے نے اس کہنا سے ایکشورواں کی شکشا پائی اور اس اسٹری کو اپنا کرو مانا۔ کتنو ہمارے نزدیک تو یہی ایک ہی توڑ دی جائے تو بالکل بکھڑا صاف ہو جائے۔ اصلی ادویت یہی ہے کہ ادویت کے پھاؤ کو سمجھنے کے لئے ادویت کے دھار کو بھی ملنا دینا چاہئے۔

نہستہ من ہر پے ہستی بس توری،
چو یکی نہ بھد کھجا باراد توری۔

نہستہ من ہر پے ہستی بس توری،
چوں یکی نہ ہون کھجا باشد دوتی۔

اگرچہ میں ہوں ہی نہیں، جو کہتا ہے بس تو ہی ہے۔
جب اکیلی ہی نہ رہی تو دوتی کہلی رہ سکتی ہے ؟

اگرچہ میں ہوں ہی نہیں، جو کہتا ہے بس تو ہی ہے۔
جب اکیلی ہی نہ رہی تو دوتی کہلی رہ سکتی ہے ؟

एक दिन जब मैं सेवा में उपस्थित हुआ तो गुरु जी ने एक पद सुनाया—

आप लगाना आप में और आप ही दूँदुनहार,
और होवे 'तो पाइये यह तो आपही आप.

यह पद सुनाकर गुरु जी कहने लगे कि अद्वैत के इस मुकाम पर अज्ञान या सबाब, पाप या पुण्य कुछ बाक़ी नहीं रहता.

ज्ञान ध्यान सब उठ गयो, सभा भई सब सुन्न,
ऊँच नीच अन्तर नहीं, नहीं पाप नहीं पुन्न.

एक आदमी ने उस समय प्रश्न किया कि महाराज जब पाप पुण्य नहीं तब बहिरत और दोषल्ल क्यों है ? उत्तर दिया कि है भी और नहीं भी है. अगर दुई है तो सब कुछ है और नहीं तो कुछ भी नहीं.

एक दिन कहने लगे कि कबीर बड़े सच्चे अद्वैतवादी थे. जब उनके अद्वैत की खबर रैदास तक पहुँची तो रैदास ने कबीर के पास यह पद लिखाकर भेजा, क्योंकि रैदास सगुण के उपासक थे, जिन्हें सूफी परिभाषा में 'अहले सिकात' कहते हैं और कबीर निर्गुण के उपासक थे, जिन्हें 'अहले जात' कहते हैं—

मा त्रिगुनी बाप जुलाहा, पूत भये ब्रह्मज्ञानी,
आदि अन्त की जाने नार्हीं, अपने मन की ठानी;
जुलहे नहीं नैनहित मोरे रे.

इसका उत्तर कबीर ने इस प्रकार भेजा—

ब्रह्मज्ञान बिन ब्रह्मतत्व बिन, काया शुद्ध न होई,
पूरन ब्रह्म सकल घट व्यापक, दूजे और न कोई;
चमरे नहीं नैनहित मोरे रे.

होते होते एक दिन दोनों की भेंट हुई. दोनों में ज्ञान चर्चा की ठहरी. कबीर ने अपनी भक्ति को उत्तम बताया, रैदास ने अपने मार्ग के उच्चतर होने का दावा किया. अब निर्णय हो तो कैसे ? रैदास सगुण के सच्चे उपासक तो थे ही, उन्होंने रामचन्द्र जी को याद किया. तुरन्त घांड़े पर सवार होकर धनुष बाण हाथ में लिए रामचन्द्र आ उपस्थित हुए और कहा कि—“ए कबीर ! रैदास की बात क्यों नहीं मानता ?” कबीर ने उत्तर दिया—“महाराज ! आप सीता जी की चौकसी करें. इस मामले में दखल न दीजिए. बात नीत मेरी और इनकी है, हम दोनों भुगत लेंगे.” रामचन्द्र जी चुप होकर दूर खड़े हो गए. तब रैदास ने कृष्ण जी को याद किया. वह भी गरुड़ पर सवार, सिर पर मुकुट लगाए, मुख पर मुरली धरे सामने आ गए और कबीर को समझाने

एक दिन जब मैं सेवा में उपस्थित हुआ तो गुरु जी ने एक पद सुनाया—

आप लगाना आप में और आप ही दूँदुनहार,
और होवे 'तो पाइये यह तो आपही आप.

यह पद सुनाकर गुरु जी कहने लगे कि अद्वैत के इस मुकाम पर अज्ञान या सबाब, पाप या पुण्य कुछ बाक़ी नहीं रहता.

ज्ञान ध्यान सब उठ गयो, सभा भई सब सुन्न,
ऊँच नीच अन्तर नहीं, नहीं पाप नहीं पुन्न.

एक आदमी ने उस समय प्रश्न किया कि महाराज जब पाप पुण्य नहीं तब बहिरत और दोषल्ल क्यों है ? उत्तर दिया कि है भी और नहीं भी है. अगर दुई है तो सब कुछ है और नहीं तो कुछ भी नहीं.

एक दिन कहने लगे कि कबीर बड़े सच्चे अद्वैतवादी थे. जब उनके अद्वैत की खबर रैदास तक पहुँची तो रैदास ने कबीर के पास यह पद लिखाकर भेजा, क्योंकि रैदास सगुण के उपासक थे, जिन्हें सूफी परिभाषा में 'अहले सिकात' कहते हैं और कबीर निर्गुण के उपासक थे, जिन्हें 'अहले जात' कहते हैं—

मा त्रिगुनी बाप जुलाहा, पूत भये ब्रह्मज्ञानी,
आदि अन्त की जाने नार्हीं, अपने मन की ठानी;
जुलहे नहीं नैनहित मोरे रे.

इसका उत्तर कबीर ने इस प्रकार भेजा—

ब्रह्मज्ञान बिन ब्रह्मतत्व बिन, काया शुद्ध न होई,
पूरन ब्रह्म सकल घट व्यापक, दूजे और न कोई;
चमरे नहीं नैनहित मोरे रे.

होते होते एक दिन दोनों की भेंट हुई. दोनों में ज्ञान चर्चा की ठहरी. कबीर ने अपनी भक्ति को उत्तम बताया, रैदास ने अपने मार्ग के उच्चतर होने का दावा किया. अब निर्णय हो तो कैसे ? रैदास सगुण के सच्चे उपासक तो थे ही, उन्होंने रामचन्द्र जी को याद किया. तुरन्त घांड़े पर सवार होकर धनुष बाण हाथ में लिए रामचन्द्र आ उपस्थित हुए और कहा कि—“ए कबीर ! रैदास की बात क्यों नहीं मानता ?” कबीर ने उत्तर दिया—“महाराज ! आप सीता जी की चौकसी करें. इस मामले में दखल न दीजिए. बात नीत मेरी और इनकी है, हम दोनों भुगत लेंगे.” रामचन्द्र जी चुप होकर दूर खड़े हो गए. तब रैदास ने कृष्ण जी को याद किया. वह भी गरुड़ पर सवार, सिर पर मुकुट लगाए, मुख पर मुरली धरे सामने आ गए और कबीर को समझाने

लगे. कबीर ने कहा—“हे महाराज ! आप गोपियों से कसौल कीजिए. मेरा इनका कगड़ा है, चुक जायगा.” वह भी अलग हो गए. फिर रैदास ने महादेव जी का ध्यान किया. तुरन्त बैल पर सवार त्रिशूल हाथ में लिए आए और वरान दिया. कबीर ने उनका कहना भी न माना और उत्तर दिया कि—“महाराज ! आप पार्वती के पास जायें और उनकी खैर मनायें. इस बात से आपको क्या मतलब ?” महादेव जी को क्रोध आया और उन्होंने कबीर के मारने को त्रिशूल उठाया. कबीर तुरन्त ‘रम’ अर्थात् ‘ला’ कहकर अन्तर्धान हो गए. उस समय रैदास के तीनों इष्टदेव बोले—“इस अद्वैत और एक मेव के दरिया में जहाँ कबीर ने डुबकी लगाई है हम और वह सब बराबर हैं. यहाँ हमारा भी कुछ बस नहीं चलता.” रैदास ने कहा कि—“महाराज ! मैंने इतने दिनों आपकी सेवा की और इस समय कुछ न हो सका तब भविष्य में आप लोगों से क्या आशा रखूँ ? बस मेरा नमस्कार है !” इसके पश्चात् रैदास ने सबको धंता बताई, कबीर से दीक्षा ली और अद्वैत का मार्ग अंगीकार किया—

माला लक्कड़, ठाकुर पत्थर, तीरथ सगरे पानी,
रामा कृष्णा मरते देखे, चारों वेद कहानी.
रामा मर गये कृष्णा मर गए, मर गई लक्खोबाई,
उसको साधो क्यों ना पूजो, जिसको मौत न आई.

दिल गुप्त मरा इत्थं लडुओ हविस अस्त,
तालीम कुन अगर तुरा दस्तरस अस्त.
गुप्तम के अलिफ गुप्त दिगर गुप्तम हेच,
दर खाना अगर कसस्त यक हर्फ बसस्त.

अर्थात्—मेरे दिल ने कहा कि मुझे ब्रह्मविद्या सीखने की आकांक्षा है. अगर तू जानता है तो मुझे शिक्षा दे. मैंने उत्तर दिया—‘अलिफ़’. दिल ने कहा—इसके आगे ? मैंने कहा—कुछ नहीं. सावधान ! मनुष्य के लिए एक अक्षर काफी है.

(23)

एक दिन कहने लगे कि हमने एक मौलवी से यह बात पूछी कि कलमे 'ला इलाह इल्-अल्लाह' में 'ला' शब्द निषेधात्मक है और इस बात का द्योतक है कि और भी खुदा हैं, जिनमें से एक को हमने ले लिया और औरों का छोड़ दिया. अर्थात् एक को मानते हैं, औरों को नहीं मानते. इसमें तो बड़ा ही 'शिक' (बहुत ईश्वरवाद) भरा हुआ है. यह अद्वैत नहीं है. मौलवी साहब ने उत्तर दिया कि बहुत से लोगों ने और और खुदा भी मान रखे हैं. हमने कहा कि झूठरत ! पहले तो यह बताइये कि क़ुरान

لکھ۔ کبیر نے کہا—”ہے مہاراج! آپ گویہوں سے قبول کیجئے۔ مہرا انکا چھڑا ہے، چک جاتیگا۔“ وہ بھی الگ ہوگئے۔ پھر ریداس نے مہادیو جی کا دھیان کیا۔ ترنت بیل پر سوار قوشول ہاتھ میں لٹے آئے اور درشن دیا۔ کبیر نے انکا کہنا بھی نہ مانا اور اُتر دیا کہ—”مہاراج! آپ پاروتی کے پاس جانیں اور اُن کی خیر مٹائیں۔ اس بات سے آپ کو کیا مطلب؟“ مہادیو جی کو گردہ آیا اور انہوں نے کبیر کے مارنے کو ترشول اُٹھایا۔ کبیر ترنت ’زم‘ اڑھات ’لا‘ کھکھر اتر دھان ہوگئے۔ اُس سنہ ریداس کے تیلوں اشت دیو ہوئے—”اِس ادویت اور ایک مہو کے دریا میں جہاں کبیر نے قبکی لگائی ہے ہم اور وہ سب برابر ہیں۔ یہاں ہمارا بھی کچھ بس نہیں چلتا۔“ ریداس نے کہا کہ—”مہاراج! میں نے اِنہ دنوں آپ کی سیوا کی اور اِس سنہ کچھ نہ ہو سکا تب ہوشیہ میں آپ لوگوں سے کیا اُشا رکھوں؟ بس مہرا نمسکار ہے!“ اِس کے پشچت ریداس نے سب کو دھتا بتائی، کبیر سے دیکھالی اور ادویت کا مارگ اُنکھار کیا—

مالا لکڑ، تھاکر پتھر، تھوڑے سکرے پانی،
 رام! کرشنا مرتے دیکھے، چاروں وید کہانی،
 رام! مرگئے کرشنا مرگئے، مرگئی لکھو ہانی،
 اُس کو سادھو کہیں نہ پوچھو، جس کو موت نہ آئی۔

دل گفت مرا علم لدون و حوس است،
تعلیم کن اگر ترا دسترس است .
گفتم که آف گفت دگر گفتم هیچ،
دیرخانه اگر کس است یک حرف بس است .

لڑکھاتے ہوئے دل نے کہا کہ مجھے ہر دم ودیا سیکھنے کی
 آگتا ہے۔ اگر تو جانتا ہے تو مجھے شکشا دے۔ میں نے اتر
 دیا۔ الف۔ دل نے کہا۔ اس کے آگے؟ میں نے کہا۔ کچھ
 نہیں۔ سادھان! منشیہ کے لئے ایک اکثر کفلی ہے۔

(23)

ایک دن کہلے کہ ہم نے ایک مولوی سے یہ بات پوچھی کہ کلمۃ
 "لا الہ الا اللہ" میں لا شہدہ آتمک ہے اور اِس بات کا دیکھنا
 ہے کہ اور بھی خدا ہیں، جن میں سے ایک کو ہم نے لیا اور
 اوروں کو چھوڑ دیا۔ ارنہات ایک کو ماننے ہیں، اوروں کو نہیں
 ماننے۔ اِس میں تو بڑا ہی 'شرک' (بہو ایشور واد)
 پھرا ہوا ہے۔ یہ ادویت نہیں ہے۔ مولوی صاحب
 نے اُتر دنیا کے بہت سے لوگوں نے اور اور خدا بھی مان رکھے
 ہیں۔ ہم نے کہا کہ حضرت! پہلے تو یہ بتائیے کہ قرآن

‘لوح محفوظ’ پر کب لکھا گیا تھا؟ جس مسئلے پر کلمہ اور قرآن لوح پر لکھا گیا اُس مسئلے پر کون جو دوسرا خدا ماننا؟ مولوی صاحب نے یہ سن کر کہا کہ تم وہابی معلوم ہوتے ہو؟ ہم نے کہا کہ توہمک ہے۔ جب ہم نے ایک سچی بات کہی اور آپ جواب نہ دے سکے تو ہم وہابی ہو گئے!

لا بھللا ہر دو لفظے ساکتانہ
خاک را در دامہ بھم انداختنہ

مترجم—‘لا’ اور ‘ہللا’ ان دو شब्दوں کو گڈکر
سंसार کو بھم کے جال میں فंسا رکھا ہے۔

(24)

ایک دن کہنے لگے کہ ‘سُن پت’ میں اُرخوند عبدالغفور ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہ میں لُنا اللہ دھریہ † آیا اور ایک برکش کا پتہ توڑ کر اُرخوند صاحب کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ اُرخوند صاحب بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ سامرہ ہے۔ اُس نے اُنر دیا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اُرخوند صاحب اُسے گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لُنا لہ ولم یولد ہے۔ نہ خدا کا باپ ہوگا نہ پتہ لگانیکا۔ اُسے ہکلمہ دیجئے۔

(25)

ایک دن کہنے لگے کہ ‘سُن پت’ میں اُرخوند عبدالغفور ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہ میں لُنا اللہ دھریہ † آیا اور ایک برکش کا پتہ توڑ کر اُرخوند صاحب کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ اُرخوند صاحب بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ سامرہ ہے۔ اُس نے اُنر دیا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اُرخوند صاحب اُسے گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لُنا لہ ولم یولد ہے۔ نہ خدا کا باپ ہوگا نہ پتہ لگانیکا۔ اُسے ہکلمہ دیجئے۔

(25)

ایک دن کہنے لگے کہ ‘سُن پت’ میں اُرخوند عبدالغفور ہمارے پاس بیٹھے تھے۔ اُنہ میں لُنا اللہ دھریہ † آیا اور ایک برکش کا پتہ توڑ کر اُرخوند صاحب کے سامنے پیش کیا اور کہنے لگا کہ بھلا کوئی ایسا ہے جو اسے پھر جوڑ دے۔ اُرخوند صاحب بولے کہ خدا تعالیٰ کو یہ سامرہ ہے۔ اُس نے اُنر دیا کہ یہ تو خدا کے باپ سے بھی نہیں لگ سکتا۔ اُرخوند صاحب اُسے گالیاں دینے لگے۔ میں نے کہا کہ صاحب! آپ کیوں خفا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تو لُنا لہ ولم یولد ہے۔ نہ خدا کا باپ ہوگا نہ پتہ لگانیکا۔ اُسے ہکلمہ دیجئے۔

* مسلمانوں کے مہر کے انوسار قرآن شریف سوشی کے آدمی میں ابھیر کے یہاں ایک تختی پر لکھا گیا تھا جسے ‘لوح محفوظ’ کہتے ہیں اور وہاں قرآن اُسی مسئلے سے ٹھہک اُسی طرح چلے آ رہا ہے۔

† مونیوں کی ایک سہولت و شہی کا نام۔

سکھدیو جی کو دیکھا اور ایک کٹورہ دودھ سے لہا لہا ہوا
ان کے ہاتھ پر رکھ کر کہا جاؤ ساری جنگ پوری کی
پوری کر دو، لیکن خبردار دودھ نہ گرنے پاوے۔ دو سپاہی
ننگی تلوار لیے ان کے ساتھ کر دیئے کہ اگر ایک ہوند بھی اس میں
ہے گرنے تو سکھدیو کے کٹورے کٹورے آرا در۔ راجہ جنگ کے حکم
سے وہ دونوں سپاہی سکھدیو جی کو شہر کے چاروں طرف
گھما لائے۔ راجہ نے پوچھا کہ دودھ تو نہیں گرا۔ سپاہیوں نے
جواب دیا کہ مہاراج! اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کے پاس جیتے
کھسے پہنچتے۔ پھر راجہ نے سکھدیو جی سے پوچھا کہ آج تم نے
شہر میں چاروں طرف ناچ رنگ کا تماشا تو خوب دیکھا۔
انہوں نے جواب دیا کہ مہاراج! میرے لئے تو اس کٹورے کی
حفاظت جان کی ایک آنت تھی۔ تر تھا کہ کہیں ایک ہوند
چھلکی اور مارا گیا، یہ ایسی حالت میں تماشا کیا خاک
دیکھتا! مجھے تو اس کٹورے کے سوائے اور کوئی چیز دکھائی ہی
نہیں دی۔ اس پر راجہ جنگ نے کہا کہ جس طرح تمہاری
یہ ایک گھڑی بیٹی ہے اسی طرح ہمارا ایک ایک پل بیٹکا
ہے۔ یہ دھن دولت اور شان شوکت ہماری نظروں میں سب
ہلچ ہے۔ ہمارا دھیان یہی اُس کی طرف نہیں جاتا۔ مال
اسباب، سونا چاندی، بیوی بچے، یہ سب دنیا نہیں ہے، دنیا
ایشور کی طرف سے بے خبر ہو جانے کا نام ہے۔ تم نے باہر کی
سلطنت اور مال اور دولت کو دیکھ کر ہماری حالت کا غلط
انداز لگا لیا ہے۔ اے سکھدیو! اسی بات سے جو تم پر بیٹی ہے
سمجھ لو کہ وہ سپاہی یم کے دوت ہیں، کٹورہ تن ہے، دودھ
میں ہے اور راگ رنگ جو راستہ میں ہو رہے تھے اس اسار
سنسار کے عین آرام ہیں۔ اسی طرح ہم بھی دنیا کے دھندلوں
میں اس قدر سے مشغول نہیں ہوتے کہ کہیں دودھ نہ چھلک
جائے یعنی دل ایشور کی یاد سے چوک کر مارا نہ جائے۔

جب کوئی ایسے من کو لگاوے،
من کے لگاؤ سے ہر پاوے۔

جیسے کابن भरत रूप जल, कर छोड़त मसकावे.
अपना प्रेम सखी से भाखे, सुरति गगरि में लावे.
जैसे नटनी बद्धत बाँस पर, नटवा ढोल बजावे.
भार अपना तोल देह का, सुरत बाँस में लावे.

इसके बाद राजा जनक ने सुखदेव जी को उनकी समझ
के मुताबिक ब्रह्म-ज्ञान का उपदेश देकर विदा किया.

(26)

एक फकीर बटाले में रहते थे, उनका नाम था, सबरात-
उल्लाह. कुछ दिनों के बाद उन्होंने अपने माथे पर तिलक
लगावा, गले में जनेक डाला, पन्डितों का सा रहन सहन

سکھدیو جی کو دیکھا اور ایک کٹورہ دودھ سے لہا لہا ہوا
ان کے ہاتھ پر رکھ کر کہا جاؤ ساری جنگ پوری کی
پوری کر دو، لیکن خبردار دودھ نہ گرنے پاوے۔ دو سپاہی
ننگی تلوار لیے ان کے ساتھ کر دیئے کہ اگر ایک ہوند بھی اس میں
ہے گرنے تو سکھدیو کے کٹورے کٹورے آرا در۔ راجہ جنگ کے حکم
سے وہ دونوں سپاہی سکھدیو جی کو شہر کے چاروں طرف
گھما لائے۔ راجہ نے پوچھا کہ دودھ تو نہیں گرا۔ سپاہیوں نے
جواب دیا کہ مہاراج! اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ کے پاس جیتے
کھسے پہنچتے۔ پھر راجہ نے سکھدیو جی سے پوچھا کہ آج تم نے
شہر میں چاروں طرف ناچ رنگ کا تماشا تو خوب دیکھا۔
انہوں نے جواب دیا کہ مہاراج! میرے لئے تو اس کٹورے کی
حفاظت جان کی ایک آنت تھی۔ تر تھا کہ کہیں ایک ہوند
چھلکی اور مارا گیا، یہ ایسی حالت میں تماشا کیا خاک
دیکھتا! مجھے تو اس کٹورے کے سوائے اور کوئی چیز دکھائی ہی
نہیں دی۔ اس پر راجہ جنگ نے کہا کہ جس طرح تمہاری
یہ ایک گھڑی بیٹی ہے اسی طرح ہمارا ایک ایک پل بیٹکا
ہے۔ یہ دھن دولت اور شان شوکت ہماری نظروں میں سب
ہلچ ہے۔ ہمارا دھیان یہی اُس کی طرف نہیں جاتا۔ مال
اسباب، سونا چاندی، بیوی بچے، یہ سب دنیا نہیں ہے، دنیا
ایشور کی طرف سے بے خبر ہو جانے کا نام ہے۔ تم نے باہر کی
سلطنت اور مال اور دولت کو دیکھ کر ہماری حالت کا غلط
انداز لگا لیا ہے۔ اے سکھدیو! اسی بات سے جو تم پر بیٹی ہے
سمجھ لو کہ وہ سپاہی یم کے دوت ہیں، کٹورہ تن ہے، دودھ
میں ہے اور راگ رنگ جو راستہ میں ہو رہے تھے اس اسار
سنسار کے عین آرام ہیں۔ اسی طرح ہم بھی دنیا کے دھندلوں
میں اس قدر سے مشغول نہیں ہوتے کہ کہیں دودھ نہ چھلک
جائے یعنی دل ایشور کی یاد سے چوک کر مارا نہ جائے۔

جب کوئی ایسے من کو لگاوے،
من کے لگاؤ سے ہر پاوے۔

جیسے کاون भरत रूप जल, कर छोड़त मसकावे.
अपना प्रेम सखी से भाखे, सुरति गगरि में लावे.
जैसे नटनी बद्धत बाँस पर, नटवा ढोल बजावे.
भार अपना तोल देह का, सुरत बाँस में लावे.

इसके बाद राजा जनक ने सुखदेव जी को उनकी समझ
के मुताबिक ब्रह्म-ज्ञान का उपदेश देकर विदा किया.

(26)

ایک فقیر ہلالہ میں رہتے تھے، اُن کا نام تھا
سبیر اللہ. کچھ دنوں کے بعد انہوں نے اپنے ماتھے پر
تیلک لگایا، گالے میں جنتی ڈالا، پندیتوں کا سا رہن سہن

آکھیاں کیااں اور رانگیرام اپنا نام رکھا۔ ایک دن
 اک دوسرے مسلمان فقیر جو شیعہ کریم الدین دھرم برہانوی
 کے چیلوں میں سے تھے، اُن سے ملنے بقالہ آنے اور بوجھا
 کہ آپ کا نام کیا ہے اور یہ کیا تھنگ ہے؟ انہوں نے
 جواب دیا کہ سہنت کا مطلب ہے رنگ اور اللہ کی
 جگہ پر ہم نے رام بدل دیا۔ یعنی سہنت اللہ کی جگہ اب
 ہمارا نام رنگی رام ہے۔ یہ سب سن کر اُس نے ثروت کے ساتھ رنگی
 رام سے کہا کہ تم نے اسلام اور ہندو دھرم میں کیا فرق دیکھا
 جو ایک قید سے نکل کر دوسری قید میں جا پہنچے؟ اگر
 نکلا تھا تو دونوں ہی سے نکلے ہوئے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ تم
 مہد (ادویت وادی) ہو۔ تم تو ابھی ہندو اور مسلمان ہی
 کے پتھر میں پڑے ہو۔ یہ کہہ کر چل دیئے اور اُن کے پاس
 نہ ٹھہرے۔

(باکلی فیر)

(ہلتی پیر)

ہو چین شو 'آدرش مزدور' کیسے بنی؟

شریمتی پریم ایم۔ اے۔ ہندی ادھیاپکا پیننگ
 یونیورسٹی پیننگ، چین

ہو چین شو 'آدرش مزدور' کیسے بنی یہ ایک دلچسپ
 کہانی ہے۔ 12 فروری '55 کو جب مجھے اس سے ملاقات
 کرنے کا موقع ملا تو اُس نے مجھے تفصیل سے بتایا۔ اسے
 اسی کی زبانی سنوئے:—

”جب میں پہلی بار چینگ تاو کی نمبر 6 کپڑا میل میں
 گئی اور مشین دیکھی تو قہر گئی۔ مگر موندہ ہمت سے کام لیا۔
 پچیس سالہوں کے ساتھ میں کارخانے کی ورکشاپ میں کام
 سیکھنے لگی۔ شروع میں بڑی کٹھالی ہوئی، پر میں، لڑائی نہیں
 ہوئی اور دن پر دن ادھک من لگا کر کم سیکھتی رہی۔ راستہ
 میں، ہر سٹے مورا دھواں اپنے کام پر ہی دھتا تھا۔ سوت ٹوٹا
 پر فوراً اسے ملا لیا ایک خاص کا (ٹینک) ہے، مگر اُس سٹے
 اس کے لئے کوئی خاص طریقہ نہ تھا۔ میں کارخانے سے گھر
 واپس آتی پر دھواں کارخانے میں ہی دھتا تھا۔ گھر میں ما تا
 جی کے چرخہ کے کچے سوت سے سوت چڑنے کا ابھاس کرتی۔
 اس طرح کا ابھاس کرتے کرتے میری آنکھیں پھول جاتی تھیں۔
 اکثر آدھی رات سے ہی نیند کھل جاتی اور میں دن بھر کا
 انتظار کرتی جس سے کارخانے جا کر اپنا ابھاس کر سکوں۔

“ایک دن آجائیک مہینے سوت ملا لیا۔ عام طور سے کئی پہلے کے بعد اس کام کا آپہاس ہو یا تا ہے۔ پر میں کچھ بھی نہیں میں اچھی طرح سوت ملانے لگی۔ اس لئے جب کام ختم کیا تو دوسرے ساتھیوں کو 200 اسپنڈل اور مجھے 300 اسپنڈل دی گئیں۔ 300 اسپنڈل پر اچھی طرح کام کرتے دیکھ لیکر وہی 400 اسپنڈل مجھے دے دی گئیں۔

“تین ماہ بعد سوت کا کام ختم ہوا اور ٹریلنگ کا سیمٹہ آیا۔ 1950 میں تین سال کے تیسرے دن میں پہلی بار کام پر گئی۔ میں رات کی پالی میں کام کرنے کے لیے جونی گئی۔ مگر رات میں کام کرنا ہے تو دن میں آرام کرنا چاہئے تھا، پر کام ملنے سے میں کافی خوش تھی کہ مجھے نیند نہ آئی۔ میں گھر میں ٹھہر ہی نہ سکی۔ اسی دن تین سال کے آپلکس میں گر خالے میں ایک چینی ٹانگ ہوا۔ میں اسے دیکھ گئی۔ ٹانگ تھا 'لیو ہولن'—ایک 15 سال کی بہادر لڑکی کی کہانی تھی جو کومنگانگ فوج سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئی تھی۔ اس کے لئے چھترمیں ماؤ نے کہا ہے 'اس کا جیون مہان تھا اور اس کی موت شاندار'۔ اس کہانی کا میرے دل پر بہت پریکڑا ہوا اور مہینے میں میں کہا—'لیو ہولن!—میں آپ سے سبق لوں گی۔

“رات کو کام پر گئی مگر دن میں نہ سوتے اور عادت نہ ہونے کے کارن 12 بجے رات تک جاگتی رہی۔ اس کے بعد چھپکی لگ گئی۔ اس سیمٹہ مشین سے ایک سوت ٹوٹ گیا اور بہت سے روئی پھیل گئی۔ مشین کی آواز سے میں جگ نو گئی پر انسپکٹر نے مجھے چیتاؤنی دی۔ مجھے اپنی اساو دھانی پر برا دیکھ ہوا۔ کام ختم ہوتے ہی میں گھر واپس آئی اور برابر روئی رہی۔ ماں نے بہت پوچھا پر میں نے کارن نہ بتایا۔ مجھے قہر تھا کہ بڑی مشکل سے تو گر خالے میں کام ملا اور اب اپنی ہی لاپرواہی کے کارن شاید نکال دی جائیگی۔ اسی سیمٹہ مجھے لیوہولن کی یاد آگئی۔ میں نے سوچا کہ روئے سے کیا فائدہ ؟ ہمت کر کے سدھار کرنا چاہئے۔ اس وچار سے مجھے بڑی شانتی ملی اور نیند آگئی۔

“دوسرے دن سیمٹہ سے بہت پہلے گر خالے گئی۔ مشین کو صاف کیا اور کام میں لگ گئی۔ پورے سیمٹہ میں بڑی سرگرمی رہی۔ اس دن کوئی خاص گھٹنا نہیں ہوئی۔

“اپنے انویسٹمنٹ کے ساتھ ساتھ میں گر خالے کے پرانے مزدوروں سے ان کے انویسٹمنٹ بھی پوچھتی اور اس سے نتیجہ نکالتی اس کے آگوسار کام کرتی۔ دھیرے دھیرے سوت ملانے کے کام میں لڑکی ہوئی۔ اس کام میں ترقی ہوتے دیکھ مجھے تین چار لوگوں کے ساتھ دوسرے ورکشاپ میں بھیج دیا گیا۔ ہم سبکو سنی میں بڑا تر لگا۔ سوچا—شاید ہم نے کچھ غلطی کی ہے اس سے ہمیں یہاں سے ہٹا یا جا رہا ہے۔ مگر بعد میں ہمیں اصلی کارن معلوم ہو گیا۔ نئی ورکشاپ نمبر 3 میں ہو رہی تھی اس لئے ہم کام کرتے تھے۔

“ایک دن آجائیک مہینے سوت ملا لیا۔ عام طور سے کئی پہلے کے بعد اس کام کا آپہاس ہو یا تا ہے۔ پر میں کچھ بھی نہیں میں اچھی طرح سوت ملانے لگی۔ اس لئے جب کام ختم کیا تو دوسرے ساتھیوں کو 200 اسپنڈل اور مجھے 300 اسپنڈل دی گئیں۔ 300 اسپنڈل پر اچھی طرح کام کرتے دیکھ لیکر وہی 400 اسپنڈل مجھے دے دی گئیں۔

“تین ماہ بعد سوت کا کام ختم ہوا اور ٹریلنگ کا سیمٹہ آیا۔ 1950 میں تین سال کے تیسرے دن میں پہلی بار کام پر گئی۔ میں رات کی پالی میں کام کرنے کے لیے جونی گئی۔ مگر رات میں کام کرنا ہے تو دن میں آرام کرنا چاہئے تھا، پر کام ملنے سے میں کافی خوش تھی کہ مجھے نیند نہ آئی۔ میں گھر میں ٹھہر ہی نہ سکی۔ اسی دن تین سال کے آپلکس میں گر خالے میں ایک چینی ٹانگ ہوا۔ میں اسے دیکھ گئی۔ ٹانگ تھا 'لیو ہولن'—ایک 15 سال کی بہادر لڑکی کی کہانی تھی جو کومنگانگ فوج سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئی تھی۔ اس کے لئے چھترمیں ماؤ نے کہا ہے 'اس کا جیون مہان تھا اور اس کی موت شاندار'۔ اس کہانی کا میرے دل پر بہت پریکڑا ہوا اور مہینے میں میں کہا—'لیو ہولن!—میں آپ سے سبق لوں گی۔

“رات کو کام پر گئی مگر دن میں نہ سوتے اور عادت نہ ہونے کے کارن 12 بجے رات تک جاگتی رہی۔ اس کے بعد چھپکی لگ گئی۔ اس سیمٹہ مشین سے ایک سوت ٹوٹ گیا اور بہت سے روئی پھیل گئی۔ مشین کی آواز سے میں جگ نو گئی پر انسپکٹر نے مجھے چیتاؤنی دی۔ مجھے اپنی اساو دھانی پر برا دیکھ ہوا۔ کام ختم ہوتے ہی میں گھر واپس آئی اور برابر روئی رہی۔ ماں نے بہت پوچھا پر میں نے کارن نہ بتایا۔ مجھے قہر تھا کہ بڑی مشکل سے تو گر خالے میں کام ملا اور اب اپنی ہی لاپرواہی کے کارن شاید نکال دی جائیگی۔ اسی سیمٹہ مجھے لیوہولن کی یاد آگئی۔ میں نے سوچا کہ روئے سے کیا فائدہ ؟ ہمت کر کے سدھار کرنا چاہئے۔ اس وچار سے مجھے بڑی شانتی ملی اور نیند آگئی۔

“دوسرے دن سیمٹہ سے بہت پہلے گر خالے گئی۔ مشین کو صاف کیا اور کام میں لگ گئی۔ پورے سیمٹہ میں بڑی سرگرمی رہی۔ اس دن کوئی خاص گھٹنا نہیں ہوئی۔

“اپنے انویسٹمنٹ کے ساتھ ساتھ میں گر خالے کے پرانے مزدوروں سے ان کے انویسٹمنٹ بھی پوچھتی اور اس سے نتیجہ نکالتی اس کے آگوسار کام کرتی۔ دھیرے دھیرے سوت ملانے کے کام میں لڑکی ہوئی۔ اس کام میں ترقی ہوتے دیکھ مجھے تین چار لوگوں کے ساتھ دوسرے ورکشاپ میں بھیج دیا گیا۔ ہم سبکو سنی میں بڑا تر لگا۔ سوچا—شاید ہم نے کچھ غلطی کی ہے اس سے ہمیں یہاں سے ہٹا یا جا رہا ہے۔ مگر بعد میں ہمیں اصلی کارن معلوم ہو گیا۔ نئی ورکشاپ نمبر 3 میں ہو رہی تھی اس لئے ہم کام کرتے تھے۔

“1950 کا مہرے دیس آیا۔ کارخانے میں بھس شروع ہوئی۔ بیسویں یا “پیداوار کا بڑا نا اور مशीن کی سفاکی۔”
 مجھے معلوم ہوا کہ روز شام کو آدھیکری معائنہ کریں اور
 دیکھیں کہ کسی کی مشین سے کتنی روٹی باہر نکل کر خراب
 ہوئی۔ اس لئے کم سے کم روٹی خراب ہونا چاہئے یہ کارخانے
 کا نعرہ ہو گیا۔ میں نے بھی اس مقابلے میں بڑے اُتساح سے
 بھاگ لیا۔ مہرے مقابلے لنگ آئے سن نام کی ایک بڑی سے
 ہوا۔ روز ایک آدمی کتنی کم روٹی خراب کرتا ہے اس کا مقابلہ
 تھا۔ پہلے تو ہر آدمی کی مشین سے کئی پونڈ روٹی خراب ہو
 جاتی تھی پھر اس مقابلے میں رشید سادھانی کے کارن ایک
 آدمی کی مشین سے صرف دو پونڈ روٹی خراب ہوئی تھی۔

“اس سب سے میں سوچا کرتی تھی کہ کیسے کوئی اچھا
 طریقہ نکالا جائے جس سے روٹی کم سے کم خراب ہو۔ میں نے
 دیکھا کہ مزدور ہر بار یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں دور دور کر
 سوت ملایا کرتے ہیں اس لئے ہمیشہ بہت ویست دکھائی
 دیتے ہیں اور جب مشین بہت گندی ہوجاتی ہے تبھی صغائی کرتے
 ہیں۔ اس سے سب سے بہت لگتا ہے۔ میں نے سوچا کیا دونوں کا
 کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتا یعنی کیا ایسا طریقہ نہیں ہو سکتا
 جس سے سوت ملانے کا کام اور مشین کی صغائی کا کام ایک
 ساتھ چلتا رہے۔ تجربے کے طور پر یہاں وہاں دورے کے بجائے
 میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر سوت ملانے لگی اور ساتھ ہی
 مشین کی صغائی کا کام کرنے کی کوشش کرتے لگی۔ پوری
 مشین کو میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر دھیان پرورک دیکھتی
 رہتی اور اگر سوت نہیں ٹوٹتا تو صغائی کا کام کرتی رہتی۔
 اس سے آرمیہ میں بڑی کٹھنائی ہوئی یہاں تک کہ کبھی کبھی
 جلدی سے سوت ملانے میں مہری اُنکیاں مشین سے چھو جاتیں
 اور کٹ جاتیں۔ کبھی کبھی کٹائی میں چوٹ آجاتی۔ مگر اس سے
 میں نے اپنا تجربہ نہیں چھوڑا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک
 فرق صاف دکھائی دینے لگا۔ مجھے خود ایسا لگا کہ میں دوسرے
 مزدوروں کی طرح پریشان نہیں رہتی۔ ایکدم کام ختم ہونے
 کے بعد روٹی خراب ہونے کی قللا کی کٹی تو مہری مشین سے
 کھل 5 اُونس روٹی خراب ہوئی تھی۔ جب کہ دوسرے
 مزدور ایک بار میں 27 اُونس روٹی خراب کرتے تو مجھ سے
 صرف 5 اُونس روٹی خراب ہوتی تھی۔ یہ تعداد مہری
 مشین پر روز روز ایک سی رہی۔

“دوسرے مزدور ساتھیوں نے میرے اوپر آباواجے کسنتی
 شروع کی۔ اس سے مجھے بہت دُخ ہوا۔ کبھی کبھی میں سوچتی
 تھی کہ ن پھلے کے ہی طریقے سے کام کروں، کارخانے کے یوک
 سب کے ممبروں نے بھی میرے اوپر آباواجے کسنتی۔ پر یوک سب
 کی پرہان بھیجی جان شولن نے ایک سبھا کی اور
 ممبروں کے اس برباد کی نیندا کی۔ ساتھ ہی انہوں نے
 مجھے بھی جیسا کہ کیا۔ میرا اُتساح فیر دُنا ہو گیا۔

“1950 کا مہرے دیس آیا۔ کارخانے میں
 شروع ہوئی۔ بیسویں یا “پیداوار کا بڑا نا اور مशीن کی سفاکی۔”
 مجھے معلوم ہوا کہ روز شام کو آدھیکری معائنہ کریں اور
 دیکھیں کہ کسی کی مشین سے کتنی روٹی باہر نکل کر خراب
 ہوئی۔ اس لئے کم سے کم روٹی خراب ہونا چاہئے یہ کارخانے
 کا نعرہ ہو گیا۔ میں نے بھی اس مقابلے میں بڑے اُتساح سے
 بھاگ لیا۔ مہرے مقابلے لنگ آئے سن نام کی ایک بڑی سے
 ہوا۔ روز ایک آدمی کتنی کم روٹی خراب کرتا ہے اس کا مقابلہ
 تھا۔ پہلے تو ہر آدمی کی مشین سے کئی پونڈ روٹی خراب ہو
 جاتی تھی پھر اس مقابلے میں رشید سادھانی کے کارن ایک
 آدمی کی مشین سے صرف دو پونڈ روٹی خراب ہوئی تھی۔

“اس سب سے میں سوچا کرتی تھی کہ کیسے کوئی اچھا
 طریقہ نکالا جائے جس سے روٹی کم سے کم خراب ہو۔ میں نے
 دیکھا کہ مزدور ہر بار یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں دور دور کر
 سوت ملایا کرتے ہیں اس لئے ہمیشہ بہت ویست دکھائی
 دیتے ہیں اور جب مشین بہت گندی ہوجاتی ہے تبھی صغائی کرتے
 ہیں۔ اس سے سب سے بہت لگتا ہے۔ میں نے سوچا کیا دونوں کا
 کام ایک ساتھ نہیں ہو سکتا یعنی کیا ایسا طریقہ نہیں ہو سکتا
 جس سے سوت ملانے کا کام اور مشین کی صغائی کا کام ایک
 ساتھ چلتا رہے۔ تجربے کے طور پر یہاں وہاں دورے کے بجائے
 میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر سوت ملانے لگی اور ساتھ ہی
 مشین کی صغائی کا کام کرنے کی کوشش کرتے لگی۔ پوری
 مشین کو میں جلدی جلدی گھوم گھوم کر دھیان پرورک دیکھتی
 رہتی اور اگر سوت نہیں ٹوٹتا تو صغائی کا کام کرتی رہتی۔
 اس سے آرمیہ میں بڑی کٹھنائی ہوئی یہاں تک کہ کبھی کبھی
 جلدی سے سوت ملانے میں مہری اُنکیاں مشین سے چھو جاتیں
 اور کٹ جاتیں۔ کبھی کبھی کٹائی میں چوٹ آجاتی۔ مگر اس سے
 میں نے اپنا تجربہ نہیں چھوڑا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ایک
 فرق صاف دکھائی دینے لگا۔ مجھے خود ایسا لگا کہ میں دوسرے
 مزدوروں کی طرح پریشان نہیں رہتی۔ ایکدم کام ختم ہونے
 کے بعد روٹی خراب ہونے کی قللا کی کٹی تو مہری مشین سے
 کھل 5 اُونس روٹی خراب ہوئی تھی۔ جب کہ دوسرے
 مزدور ایک بار میں 27 اُونس روٹی خراب کرتے تو مجھ سے
 صرف 5 اُونس روٹی خراب ہوتی تھی۔ یہ تعداد مہری
 مشین پر روز روز ایک سی رہی۔

“دوسرے مزدور ساتھیوں نے میرے اوپر آوازیں کسنا شروع
 کیں۔ اس سے مجھے بہت دُخ ہوا۔ کبھی کبھی میں سوچتی
 تھی کہ ن پھلے کے ہی طریقے سے کام کروں۔ کارخانے کے یوک
 کے ممبروں نے بھی میرے اوپر آوازیں کسیں۔ پر یوک سب کی
 پرہان شریستی وین بولن نے ایک سبھا کی اور مزدوروں کے
 اس دُہار کی نیندا کی۔ ساتھ ہی انہوں نے مجھے بھی
 آسٹھت کیا۔ مہرے اُتساح فیر دُنا ہو گیا۔

“इसके बाद कुल चीन टेक्सटाइल ट्रेड यूनियन के पैदावार विभाग के उपमंत्री चू. स. फू. नए अनुभवों और तरीकों को समझने के लिये स्वयं छिगताब आए. हमारे कारखाने में एक खास कमेटी बनाई गई—‘हो चैन शू के तरीके की अध्ययन कमेटी.’ 4 जून 1951 को इस कमेटी के सब मेम्बर मेरा काम देखने आए. उस समय मैं दल में बहुत घबराती थी, लेकिन सब लोगों को बहुत ताज्जुब हुआ कि मैं क्रम के साथ और बड़ी आसानी के साथ काम करती हूँ. चार दिन तक मेरा काम देखने के बाद 8 जून 1951 को मेरे तरीके के संबंध में एक सभा की गई. सभा में खास खास सवालों पर बहस हुई और यह नतीजा निकाला गया कि मैं एक खास ढंग और क्रम के अनुसार मशीन पर अपना समय बांटती हूँ इससे मुझे कोई कठिनाई नहीं होती. अधिकारियों की राय में यह तरीका ठीक था. सबसे पहले छिगताब के सरकारी टेक्सटाइल कारखाने नं० 1 में एक प्रगतिशील मजदूरों के दल ने इसे लागू किया जिसकी प्रधान ली. सू. इन थीं. दूसरों को सिखाने के लिये मैं ली सू इन के साथ काम करने लगी. कारखाने के और मजदूर देखने आते थे पर उन्हें विश्वास नहीं होता था. लेकिन जब ली सू इन के दल ने इस तरीके

”اس کے بعد نل چین ٹھیکہ، ٹل، قریب یونہن کے پیداوار بھاگ کے آپ ملٹری چو۔ سو۔ نو۔ نیٹے انہیوں اور طریقوں و سمجھنے کے لئے سویم چھنگٹاؤ آئے۔ ہمارے کارخانے میں ایک خاص کمیٹی بنائی گئی۔ ”ہو چین شو کے طریقہ کی ادھین لیتی“؛ 4 جون 1951 کو اس کمیٹی کے سب ممبر میرا کام دیکھتے آئے۔ اس سٹہ میں دل میں بہت گہرائی تھی، لیکن سب لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ میں کرم کے ساتھ اور بڑی آسانی کے ساتھ کام کرتی ہوں۔ چار دن تک میرا کام دیکھنے کے بعد 8 جون 1951 کو میرے طریقہ کے سہ بندہ میں ایک سبھا لی گئی۔ سبھا میں خاص خاص سوالوں پر بحث ہوئی اور یہ نتیجہ نکالا گیا کہ میں ایک خاص ڈھنگ اور کرم کے نوسار سفین پر اپنا سٹہ باقی ہوں اس سے مجھے کوئی گتھائی نہیں ہوتی۔ ادھیکاریوں کی رائے میں یہ طریقہ ٹھیک تھا۔ سب سے پہلے ہنگٹاؤ کے سوکاری ٹیکسٹائل کارخانے نمبر 1 میں یک پرگتی شیل مزدوروں کے دل نے اسے لاگو کیا۔ جس کی پردہان ای۔ سو۔ این۔ تھیں۔ دوسروں کو سکھانے کے لئے میں لی سو این کے ساتھ کام کرنے لگی۔ کارخانے کے اور مزدور دیکھتے آتے تھے پر انہیں رشواس نہیں ہوتا تھا لیکن جب لی سو این کے دل نے اس طریقہ

کے अनुसार سہولیاتا پورے کام کر دیا گیا تو دوسرے مزدوروں کو بھی شمول ہو گیا۔ اس کے بعد چھٹکاو کے دوسرے کارخانوں میں بھی مزدوروں نے اس طریقے کے انوسار کم کیا اور اسی سال یعنی مئی 1951 میں مجھے دوسرے درجے کا یعنی پورے چھٹکاو کا "آدھی مزدور" اعلان کر دیا گیا۔

"میرے طریقے پر اب اٹھکریں کو پکا وشولس ہو گیا : چھٹکاو کے ٹیکسٹائل کارخانوں کے بعد اب وہ اس طریقے کو دیہ کے دوسرے ٹیکسٹائل کارخانوں میں بھی لاگو کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے اگست 1951 میں چھٹکاو میں ٹیکسٹائل ایڈمنسٹریٹو بورڈ نے چھٹکاو کے ٹیکسٹائل ملوں کے کرمچاریوں کی ایک سہا کی اور میرے طریقے پر ایک دوسرے نے اپنے انویسٹمنٹ اور اپنی اپنی رائے بتائی۔ اس میں ٹیکسٹائل چھٹکاو ٹریڈ یونین کے پردھان چون ساؤ من نے حساب لگایا کہ اگر 'ہوچین شو طریقے' سے کام لیا جائے تو سارے دیہ میں ایک سال میں 44460 یونٹ سوت کی پیداوار بڑھ سکتی ہے اور روٹی کی بربادی میں سے 86 فیصدی روٹی بچائی جاسکتی ہے۔

"ستمبر 1951 میں میں اپنے برائے کارخانے واپس آگئی اور اپنے نئے طریقے سے کام شروع کر دیا۔

"اب سب لوگ بڑی خوشی اور وشولس کے ساتھ مجھے سہوگ دیتے اور میرے طریقے کے انوسار کم کرتے تھے۔ اس سہ سارے دیہ کے لئے میرا طریقہ منظور کیا جا چکا تھا۔ اسی سہ مجھے پہلے درجے کا یعنی پورے دیہ کا "آدھی مزدور" گھنٹہ کر دیا گیا۔"

ابنھا بھ نہیں جس کی آنکھ پھوٹ گئی ہے۔
ابنھا وہ ہے جو اپنے دوش تھانکتا ہے۔

—گاندھی جی

—گاندھی جی

موہممد ساہب کے کچھ उपदेश

محمد صاحب کے کچھ آپدیشی

ابن ماجہ—ابو یوسف ریحانی

ابو داؤد—شری محمد ریحانی

موہممد ساہب نے کہا :—”تو میں سے کسی کو جب کسی کیسی مورتی کا جنازہ جاتا دیکھا ہے اور تو اس کے ساتھ نہ چلو تو تمہیں اس سے تک اپنی جگہ پر کھڑا رہنا چاہئے جب تک کہ وہ جنازہ نکل نہ جائے یا اسے نیچے اتار کر نہ رکھ دیا جائے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”تم میں سے کسی کو جب کسی مردہ کا جنازہ جاتا دکھائی دے اور تم اس کے ساتھ نہ چلو تو تمہیں اس سے تک اپنی جگہ پر کھڑا رہنا چاہئے جب تک کہ وہ جنازہ نکل نہ جائے یا اسے نیچے اتار کر نہ رکھ دیا جائے۔“

—امامیر بن ربیعہ: بخاری، مسلیم; ابوداؤد; تیرمیزی; نسائی

—عمر بن ربیعہ; بخاری; مسلم; ابوداؤد; ترمذی; نسائی

موہممد ساہب کے پاس سے ایک جنازہ گزرا اور وہ بھڑکے ہوئے تھے۔ ان سے کسی نے کہا—”یہ تو ایک یھودی کا جنازہ تھا۔“

محمد صاحب کے پاس سے ایک جنازہ گزرا اور وہ بھڑکے ہوئے تھے۔ ان سے کسی نے کہا—”یہ تو ایک یھودی کا جنازہ تھا۔“

—ابن ابی نعیم: بخاری، مسلیم

—عبدالرحمان بن ابی نعیم; بخاری; مسلم

موہممد ساہب نے کہا :—”اے آدم کی اولاد! تمہارے لیے یہ زیادہ اچھا ہے کہ جتنی بھی دولت یا سامان تمہارے پاس گذرے سے زیادہ ہو وہ تم اپنے ہاتھ سے دوسروں کو دے دو اور یہ تمہارے لئے برا ہے کہ اس دولت یا سامان کو تم اپنے پاس چھوڑ دے۔“

محمد صاحب نے کہا :—”اے آدم کی اولاد! تمہارے لئے یہ زیادہ اچھا ہے کہ جتنی بھی دولت یا سامان تمہارے پاس گذرے سے زیادہ ہو وہ تم اپنے ہاتھ سے دوسروں کو دے دو اور یہ تمہارے لئے برا ہے کہ اس دولت یا سامان کو تم اپنے پاس چھوڑ دے۔“

—ابن ماجہ: مسلیم; تیرمیزی

—ابو نعیم; مسلم; ترمذی

موہممد ساہب نے کہا :—”روزہ رکھنے، زکوٰۃ (دین) دینے اور نماز پڑھنے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ تمہیں بگاڑے گی۔“

محمد صاحب نے کہا :—”روزہ رکھنے، زکوٰۃ (دین) دینے اور نماز پڑھنے سے بھی بڑھ کر جو چیز ہے وہ تمہیں بگاڑے گی۔“

—ابن ماجہ: ابوداؤد; تیرمیزی

—ابوداؤد; ابو داؤد; ترمذی

موہممد ساہب نے یہ بھی کہا کہ :—”میرے کہنے کا یہ मतलब نہیں ہے کہ یہود کی خشکی سے سر کے بال اڑ جائیں، مگر یہ کہ یہود کی خشکی سے دین کی جڑ جاتی ہے۔“

محمد صاحب نے یہ بھی کہا کہ :—”میرے کہنے کا یہ मतलब نہیں ہے کہ یہود کی خشکی سے سر کے بال اڑ جائیں، مگر یہ کہ یہود کی خشکی سے دین کی جڑ جاتی ہے۔“

—تیرمیزی

—ترمذی

موہممد ساہب نے کہا کہ :—”یو سی بات میں پدے کسی آدمی کو جو کوئی تاملی دوتا ہے اس کو اللہ سے اچت پل ملتا ہے۔“

—ابن مسعود: تیرمیزی

موہممد ساہب نے کہا کہ :—”سچ یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی آدمی اسلام کا یا نبی سچے سنا تان دین کا پالان کرنے والا نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس کے سب بڑوسی اس کے انیاچاروں سے بڑی طرح سوزکشت نہ ہوں۔“

—ابن مسعود: احمد: بقی

موہممد ساہب نے کہا:—”اس زمین پر خودا کی مصلوکت (سٹریٹ) کے ساتھ جو کوئی نافرست سے پش آتا ہے وہ خدا کے ساتھ نافرست کا دینہار کرتا ہے۔“

—ابوبکر: تیرمیزی

پیرامبر سے کہا گیا کہ :—”آپ مزاریکوں یا نبی مورتی پوجکوں کے بیکر خودا سے پراثریتا کیجئے اور انہیں بدعا دیجئے۔“ پیغمبر نے جواب دیا:—”میں سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں کسی کو بد دعا دینے کے لئے دنیا میں نہیں آیا۔“

—ابو ہریرہ: مسلم

ابوبکر اپنے کسی ظلم کو گالی دے رہے تھے۔ اسی سمنے پیغمبر اذہر سے آنکلیے۔ پیغمبر نے ابوبکر سے کہا :—”کیا کوئی سچا اور نیک آدمی کبھی کسی کو گالی دیتا ہے؟ کعبہ کے خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔“ ابوبکر نے اسی دن اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور آکر پیغمبر سے کہا :—”میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کرونگا۔“

—عائشہ: بقی

ابوبکر اپنے کسی ظلم کو گالی دے رہے تھے۔ اسی سمنے پیغمبر اذہر سے آنکلیے۔ پیغمبر نے ابوبکر سے کہا :—”کیا کوئی سچا اور نیک آدمی کبھی کسی کو گالی دیتا ہے؟ کعبہ کے خدا کی قسم! ہرگز نہیں۔“ ابوبکر نے اسی دن اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا اور آکر پیغمبر سے کہا :—”میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کرونگا۔“

—عائشہ: بقی

موہممد ساہب نے کہا کہ :—”جو کوئی آدمی چاہتا ہے کہ قیامت کے دن کی باتلاؤں (اذیتوں) سے خدا اُسے بچائے اُسے چاہئے کہ اگر اُس کا کوئی قرضدار کھنائی میں ہے تو وہ اُسے مہات دے یا اُس کا قرضہ صاف کر دے۔“

—مسلم

میں نے پیغمبر سے پوچھا :—”نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟“ انہوں نے جواب دیا :—”سب کے ساتھ اچھا سلوک کرنا نیکی ہے اور جو چیز تمہارے دل میں کہتے اور تم اُسے دوسروں پر ظاہر کرنا نہ چاہو وہی گناہ ہے۔“

—مسلم: ترمیزی

مोہम्मد ساہب نے کہا: — ”نہیں! دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا ہونا چاہیے۔ اگر آپ نے اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لی ہوتی تو آپ اس کا مرتبہ حاصل کر لیتا۔“

محمّد صاحب نے کہا: — ”نہیں! دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا ہونا چاہیے۔ اگر آپ نے اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لی ہوتی تو آپ اس کا مرتبہ حاصل کر لیتا۔“

— ابوہریرہؓ: ترمذی

مोہम्मد ساہب نے کہا: — ”قانون میں جین چیزوں کی حاکمیت ہے ان میں سے اگر کسی چیز سے اللہ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو وہ طلاق ہے۔“

محمّد صاحب نے کہا: — ”قانون میں جین چیزوں کی حاکمیت ہے ان میں سے اگر کسی چیز سے اللہ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو وہ طلاق ہے۔“

— ابوہریرہؓ

— ابوہریرہؓ

مोہम्मد ساہب نے کہا: — ”اے مومن! زمین کی سطح پر اللہ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو ظالموں کو آزاد کرنے کے مقابلہ میں اللہ کو زیادہ پیاری ہو۔ اور اللہ نے زمین پر ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی جس سے وہ تلافی سے زیادہ نفرت کرتا ہو۔“

محمّد صاحب نے کہا: — ”اے مومن! زمین کی سطح پر اللہ نے کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو ظالموں کو آزاد کرنے کے مقابلہ میں اللہ کو زیادہ پیاری ہو۔ اور اللہ نے زمین پر ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی جس سے وہ تلافی سے زیادہ نفرت کرتا ہو۔“

— مومن بن جلال

— مومن بن جلال

مोہम्मد ساہب نے کہا: — ”نہیں! سارے گناہوں کی جگہ ہے۔“

محمّد صاحب نے کہا: — ”نہیں! سارے گناہوں کی جگہ ہے۔“

— حذیفہؓ: راہنہ

— حذیفہؓ: راہنہ

مोہम्मد ساہب نے کہا: — ”دوسروں سے حسد کرنے سے اپنے کو بچاؤ، کیونکہ سچ حسد نہیں کو ایسے ہی کہا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ہضم کر جاتی ہے۔“

محمّد صاحب نے کہا: — ”دوسروں سے حسد کرنے سے اپنے کو بچاؤ، کیونکہ سچ حسد نہیں کو ایسے ہی کہا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو ہضم کر جاتی ہے۔“

— ابوہریرہؓ: ابوہریرہؓ

— ابوہریرہؓ: ابوہریرہؓ

پیرامبر نے کہا: — ”جس کسی کے پاس بارہرہداری کے جانور اس کی ضرورت سے زیادہ ہیں اسے چاہئے کہ ان میں سے کچھ اس آدمی کو دے دے جس کے پاس کوئی جانور نہیں ہے۔ اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان ہے اسے چاہئے کہ کچھ اسے دے دے جس کے پاس کچھ نہیں ہے۔“

پیرامبر نے کہا: — ”جس کسی کے پاس بارہرہداری کے جانور اس کی ضرورت سے زیادہ ہیں اسے چاہئے کہ ان میں سے کچھ اس آدمی کو دے دے جس کے پاس کوئی جانور نہیں ہے۔ اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان ہے اسے چاہئے کہ کچھ اسے دے دے جس کے پاس کچھ نہیں ہے۔“

— ابوہریرہؓ: ابوہریرہؓ

— ابوہریرہؓ: ابوہریرہؓ

भाई रघुपति सहाय 'किराक'

بھائی دھوپتی سہائے 'نراق'

[پڑھ ڈا॰ بگوانداس کے لکھ "نیا ہند" میں
 لکھتے رہے ہیں۔ وہ سب بڑے بڑے دھرموں کی بنیادی
 کے ماننے والے ہیں، وہ الگ الگ دھرموں کے اوپر
 ریت و راجوں کو کم اور ان سب کے ان بنیادی اصولوں کو
 ایک مہتمم دیتے ہیں جو سب دھرموں میں ایک
 ایک سے ہیں۔ یہی ان کے دہوتا پورے لیکھوں کا خاص
 مضمون رہا ہے۔ انہیں سے سیکھ کر اور پڑھنا پاکر "ہندوستانی
 کلچر سوسائٹی" اور "نیا ہند" سب دھرموں کی ایک
 میں وشواسی رہے ہیں اور ہیں۔ ہندوؤں کی آجکل کی
 جنم سے جاتی کو اور ہر طرح کی چھوچھوت کو ڈاکٹر
 بھگوان داس بالکل غلط مانتے ہیں اور اُس کے خلاف ہیں۔
 جنم کی ان سیکڑوں جاتوں کی جگہ چار ورنوں کا اصول
 ان کے لیکھوں اور وچاروں کا قبول ایک پہلو ہے۔ ان کے
 ان چار ورنوں کا جنم سے کوئی سبب نہ نہیں، نہ ان میں
 ہندو، مسلمان، عیسائی آدمی کا کوئی فرق رہ جاتا ہے۔
 ساری دنیا اور سارا مانو سماج اُس میں سما جاتا ہے۔
 ان کے اس اصول کے انوسار آئنسٹائن اور ہرنرڈشا ویسے ہی
 دیکے پراہمن تھے جیسے ہمارے کے پلڈت شوکار شاستری۔
 ان کے ان ورنوں کا چھٹے جنم سے یا دھرم سے کوئی سبب نہ
 نہیں ویسے ہی بیاہ شادی سے بھی کوئی سبب نہ نہیں۔
 ان کے انوسار ان کی ورن ویسٹھا نئی دیواریں کھڑی کرکے
 والی چھٹے نہیں، دیواریں توڑنے والی چھٹے ہے۔ ان کی
 ورن ویسٹھا کوئی چیز یا تھوس چیز نہیں ہے۔ وہ دہر کی
 طرح لکھتی ہے۔ ان کے چار ورنوں میں اونچ نیچ کا
 بھی کوئی سوال نہیں۔ ان کے انوسار آدمی جب چاہے
 اپنے سوہاؤ اور پڑھنے کے انوسار اپنا 'ورن' بھی بدل
 سکتا ہے، ٹھیک جس طرح کمپوٹسٹ سبب سے جانے والے دہشوں
 میں کوئی مزدور، 'لہرو' یا 'ورکر' جب چاہے ہوگتا حاصل
 کرکے 'پروفیسر' یا 'پارلیمنٹ' کا ممبر بن سکتا ہے، اور
 اپنے کو 'مزدور'، 'لہرو' یا 'ورکر' کہے میں اسے کہیں
 آپنا مخصوص نہیں ہوتا۔ ہمارے مگر شری دھوپتی
 سہائے 'نراق' بھی بہت اُن کے خیالی، صاف صاف
 کو اور ترقی پسند دہوتوں ہیں۔ ان کی اتنی بات
 میں بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ اب وہ سنہ
 آ رہا ہے اور آنا چاہئے جب دنیا کا ایک

بھائی دھوپتی سہائے 'نراق' میں
 لکھتے رہے ہیں۔ وہ سب بڑے بڑے دھرموں کی بنیادی
 کے ماننے والے ہیں، وہ الگ الگ دھرموں کے اوپر
 ریت و راجوں کو کم اور ان سب کے ان بنیادی اصولوں کو
 ایک مہتمم دیتے ہیں جو سب دھرموں میں ایک
 ایک سے ہیں۔ یہی ان کے دہوتا پورے لیکھوں کا خاص
 مضمون رہا ہے۔ انہیں سے سیکھ کر اور پڑھنا پاکر "ہندوستانی
 کلچر سوسائٹی" اور "نیا ہند" سب دھرموں کی ایک
 میں وشواسی رہے ہیں اور ہیں۔ ہندوؤں کی آجکل کی
 جنم سے جاتی کو اور ہر طرح کی چھوچھوت کو ڈاکٹر
 بھگوان داس بالکل غلط مانتے ہیں اور اُس کے خلاف ہیں۔
 جنم کی ان سیکڑوں جاتوں کی جگہ چار ورنوں کا اصول
 ان کے لیکھوں اور وچاروں کا قبول ایک پہلو ہے۔ ان کے
 ان چار ورنوں کا جنم سے کوئی سبب نہ نہیں، نہ ان میں
 ہندو، مسلمان، عیسائی آدمی کا کوئی فرق رہ جاتا ہے۔
 ساری دنیا اور سارا مانو سماج اُس میں سما جاتا ہے۔
 ان کے اس اصول کے انوسار آئنسٹائن اور ہرنرڈشا ویسے ہی
 دیکے پراہمن تھے جیسے ہمارے کے پلڈت شوکار شاستری۔
 ان کے ان ورنوں کا چھٹے جنم سے یا دھرم سے کوئی سبب نہ
 نہیں ویسے ہی بیاہ شادی سے بھی کوئی سبب نہ نہیں۔
 ان کے انوسار ان کی ورن ویسٹھا نئی دیواریں کھڑی کرکے
 والی چھٹے نہیں، دیواریں توڑنے والی چھٹے ہے۔ ان کی
 ورن ویسٹھا کوئی چیز یا تھوس چیز نہیں ہے۔ وہ دہر کی
 طرح لکھتی ہے۔ ان کے چار ورنوں میں اونچ نیچ کا
 بھی کوئی سوال نہیں۔ ان کے انوسار آدمی جب چاہے
 اپنے سوہاؤ اور پڑھنے کے انوسار اپنا 'ورن' بھی بدل
 سکتا ہے، ٹھیک جس طرح کمپوٹسٹ سبب سے جانے والے دہشوں
 میں کوئی مزدور، 'لہرو' یا 'ورکر' جب چاہے ہوگتا حاصل
 کرکے 'پروفیسر' یا 'پارلیمنٹ' کا ممبر بن سکتا ہے، اور
 اپنے کو 'مزدور'، 'لہرو' یا 'ورکر' کہے میں اسے کہیں
 آپنا مخصوص نہیں ہوتا۔ ہمارے مگر شری دھوپتی
 سہائے 'نراق' بھی بہت اُن کے خیالی، صاف صاف
 کو اور ترقی پسند دہوتوں ہیں۔ ان کی اتنی بات
 میں بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ اب وہ سنہ
 آ رہا ہے اور آنا چاہئے جب دنیا کا ایک

ہر انسان کو اپنے اپنے وقتوں کے لیے دوسروں کی مانسک، آर्थیک، سماجیک اور شاریरिक سب तरह کی سہاؤوں میں حصہ لےنا اور سب तरह کی سہاؤوں کا آمانند لےنا۔ تب ہی مانسک سب سبھ کھل سکے گی۔ کسی لےک کے کسی پتریکا میں پرکاشیت ہونے کا یہ مصلحت نہیں ہوتا کہ پتریکا یا اسکا سہاؤک لےک کے سب سبھوں سے سہمت ہے۔ اس لیے ہم سہرہں بھائی رگوبھتی سہائے 'فراق' کا یہ لےک نیچے دیتے ہیں۔—سہاؤک۔]

میں ان بہت سے لیکھوں کو دھیان سے پڑھتا رہا ہوں جو ڈاکٹر بھگوانداس کے کلام سے 'نیا ہند' میں نکلتے رہے ہیں، اور جن میں انہوں نے بھارت کی نیا، بھارت، مانو، بھارت اور نیلی کے انوسار بتایا ہے۔ میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں اسے اسے بھارت کے نیچے دیتا ہوں۔

اب وہ زمانہ آچکا ہے جب سو فیصدی آبادی کو اچھی طرح سے پڑھا لکھا بنا دیا جائے۔ ایسا ہونے کے بعد سو فیصدی لوگوں میں کیا کیا صلاحیت آجائے گی؟ مادری زبان میں سادھارن سے سادھارن آدمی ہر کی ایلڈ اور آرتھسی، مہاہارت، رامین، منوسمرتی، فردوسی کا شاہنامہ، سعدی کی گلستان، مہاتما فالستائے کی کتابیں، شمسہر کے نائک، کالی داس کے نائک، یونان، فرانس اور دوسرے دیشوں کے نائک، دنیا بھر کے سفرنامے، مشہور جہوں چتر، دنیا بھر کے مشہور آپنیس، ساروجنک یا عام فہم وگیاں، دنیا بھر کی کہانیاں اور خود مادری زبان میں جو اچھی شاعری ہوئی ہے، اس کا بہت بڑا حصہ، بڑے اور سبھ سکھایا۔ وہ زمانہ بھی شروع ہو چکا ہے جب چھاتی پہاڑ، کمر توڑ یا شریہ کو تھکا دینے والی محنت کا بھار مشینیں اٹھالیں گی۔ اسٹان سے پوچھا گیا کہ جب ورگ ہیں سماج یا ایسا سماج جس میں طبقہ نہ ہو، قائم ہو جائیگا تو کیا سب لوگ فلم کے سرما بن جائیں گے؟ اسٹان نے جواب دیا کہ سب لوگ انجینیر بن جائیں گے لیکن اپنی پسند کے مطابق کام کے سہاؤوں کی رچنوں کا آند اٹھا سکیں گے۔ جس طرح کی کتابوں کو میں اڈپر گنوا چکا ہوں انہیں جب پڑھکر سب لوگ سمجھ سکیں گے اور شریہ یا ہاتھ پاؤں کو کڑی محنت سے چھٹکارا مل جائیگا تو شریہ کون رہ جائیگا؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایتھ یا پرمانو شکتی کے جگ میں معمولی سے معمولی آدمی تو وہ تمام سکھ اور سہاؤوں حاصل ہو جائیں گی جو تہڑے سے سمیں لوگوں تک آج محدود ہیں۔ ایسی دشا میں شریہ کون رہ جائیگا؟ اس بات کو شریہ رویندر ناتھ ٹیکور، ایچ۔ جی۔ ویلس، سامہووان کے اور دوسرے وچارک اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ شریہ رویندر ناتھ ٹیکور جانی پانتی کے ہی نہیں گن - کرم - سہاؤ کے انوسار

میں ان بہت سے لیکھوں کو دھیان سے پڑھتا رہا ہوں جو ڈاکٹر بھگوان داس کے کلام سے 'نیا ہند' میں نکلتے رہے ہیں، اور جن میں انہوں نے بھارت کی نیا، بھارت، مانو، بھارت اور نیلی کے انوسار بتایا ہے۔ میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں اسے اسے بھارت کے نیچے دیتا ہوں۔

اب وہ زمانہ آچکا ہے جب سو فیصدی آبادی کو اچھی طرح سے پڑھا لکھا بنا دیا جائے۔ ایسا ہونے کے بعد سو فیصدی لوگوں میں کیا کیا صلاحیت آجائے گی؟ مادری زبان میں سادھارن سے سادھارن آدمی ہر کی ایلڈ اور آرتھسی، مہاہارت، رامین، منوسمرتی، فردوسی کا شاہنامہ، سعدی کی گلستان، مہاتما فالستائے کی کتابیں، شمسہر کے نائک، کالی داس کے نائک، یونان، فرانس اور دوسرے دیشوں کے نائک، دنیا بھر کے سفرنامے، مشہور جہوں چتر، دنیا بھر کے مشہور آپنیس، ساروجنک یا عام فہم وگیاں، دنیا بھر کی کہانیاں اور خود مادری زبان میں جو اچھی شاعری ہوئی ہے، اس کا بہت بڑا حصہ، بڑے اور سبھ سکھایا۔ وہ زمانہ بھی شروع ہو چکا ہے جب چھاتی پہاڑ، کمر توڑ یا شریہ کو تھکا دینے والی محنت کا بھار مشینیں اٹھالیں گی۔ اسٹان سے پوچھا گیا کہ جب ورگ ہیں سماج یا ایسا سماج جس میں طبقہ نہ ہو، قائم ہو جائیگا تو کیا سب لوگ فلم کے سرما بن جائیں گے؟ اسٹان نے جواب دیا کہ سب لوگ انجینیر بن جائیں گے لیکن اپنی پسند کے مطابق کام کے سہاؤوں کی رچنوں کا آند اٹھا سکیں گے۔ جس طرح کی کتابوں کو میں اڈپر گنوا چکا ہوں انہیں جب پڑھکر سب لوگ سمجھ سکیں گے اور شریہ یا ہاتھ پاؤں کو کڑی محنت سے چھٹکارا مل جائیگا تو شریہ کون رہ جائیگا؟ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایتھ یا پرمانو شکتی کے جگ میں معمولی سے معمولی آدمی تو وہ تمام سکھ اور سہاؤوں حاصل ہو جائیں گی جو تہڑے سے سمیں لوگوں تک آج محدود ہیں۔ ایسی دشا میں شریہ کون رہ جائیگا؟ اس بات کو شریہ رویندر ناتھ ٹیکور، ایچ۔ جی۔ ویلس، سامہووان کے اور دوسرے وچارک اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔ شریہ رویندر ناتھ ٹیکور جانی پانتی کے ہی نہیں گن - کرم - سہاؤ کے انوسار

وہی व्यवस्था کے بھی खिलाफ थे۔ पूज्य डाक्टर भगवानदास ने इस विषय पर अपने लेखों में समाजवाद और साम्यवाद की चरचा भी की है। निवेदन है कि समाजवाद और साम्यवाद के साथ साथ वर्ण व्यवस्था को कायम नहीं रक्खा जा सकता। जब पूरा समाज पढ़ा लिखा होगा, सम्पन्न या गुराहाल होगा और छाती-फाड़ मेहनत से बच जावेगा तो कोई शूद्र कैसे रहेगा ? जब पीठ या सर पर बोझ लादकर चलने के बदले बैलगाड़ी पर बोझ लादना शुरू किया गया और बाद को माल गाड़ियों और मोटर ट्रकों पर बोझ लदने लगा या क्रेनों द्वारा टनों बोझ उठने लगा, यानी जब बोझ लाद कर चलने वाला गाड़ीवान बन गया, क्रेन का ऑपरेटर बन गया, ट्रक ड्राइवर या इंजिन ड्राइवर बन गया तो वह शूद्र नहीं रहा हालांकि समाज की सेवा वह अब भी कर रहा है। फिर जब हर आदमी संसार साहित्य पढ़ने लगेगा और कई गुना ज्यादा मजदूरी भी पाने लगेगा और वह सब आराम और आसाइश, सुख और सुविधायें भी जन्म-सिद्ध अधिकार या पैदाइशी हक की तरह हासिल कर लेगा जो आज केवल मुट्ठी-भर आदमियों को नसीब हैं, तो वह शूद्र नहीं रह जावेगा। अंग्रेजी शब्द लेबरर या फारसी शब्द मजदूर भी उस पर लागू नहीं होंगे।

पूज्य डाक्टर भगवानदास कुछ लोगों को स्वभाव से ही दौलत कमाने वाला या वैश्य समझते हैं। नई सभ्यता में दूसरों से मजदूरी या मेहनत कराके किसी को पूंजीपति बनने नहीं दिया जायगा। धन पैदा करना सब का पैदाइशी काम होगा। बड़ी बड़ी तिजारतें पंचायत यानी हुकूमत के हाथ में होंगी। दलालों, आदतियों, सट्टे बाजों और मिल मालिकों के दिन अब लदने वाले हैं। जैसे जैसे हुकूमत, जरूरी तालीम देकर लोगों को इस क्राबिल बनाती जायगी कि यह जिम्मेदारी पूंजीपतियों के हाथ से ले ली जाय, वैसे वैसे यह तब्दीली सामाज के जीवन में आती जायगी। यह भी सांचने की बात है कि खौन्चा लगाने वाले, पटरियां पर दूकान लगाने वाले, पान और मूँगफली बेचने वाले, अपना रक्शा या इस्का रखकर चलाने वाले, बुनकर, माची, वगैरा जा किसी की टहल या सेवा नहीं करते और थोड़ा बहुत धन भी कमा लेते हैं, क्या ये सब लोग उन्हीं अर्थों में वैश्य हैं जिन अर्थों में टाटा, बिड़ला, डालमिया, जैपूरिया वगैरा ? बन्दर नचाने वाले, सँपेरे, भालू नचाने वाले, भानमती का पिटारा लेकर घूमने वाले, यह सब भी तो किसी की मजदूरी नहीं करते। रंगरेज, सुनार, धुनियां, बदर्ई, लोहार, हज्जाम (जो केवल पैसे लेकर बाल काटते हैं) मल्लाह, मछुए, चिड़ीमार, केरी लगाने वाले, बहुरूपिये क्या ये सब उन्हीं मानों में वैश्य हैं जिन मानों में राजा मोतीचन्द वैश्य थे ? क्या राजा मोतीचन्द या बिड़ला ने जो सेवाएं समाज की कीं वह

उन دیوسٹھا کے بھی خلاف تھے۔ پوجیہ ڈاکٹر بھگوان داس نے اس شے پر اپنے لیکچر میں سماج واد اور سامیتوان کی چرچا کی ہے۔ فریدین ہے کہ سماج واد اور سامیتوان کے ساتھ ساتھ وہی دیوسٹھا کو قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ جب پورا سماج پڑھا لکھا ہوگا، سمین یا خوشحال ہوگا اور چھاتی ہزار محنت سے بچ جاویگا تو کوئی شودر کیسے رہیگا ؟ جب پیٹھ یا سر پر بوجھ لاد کر چلنے کے بدلے ہیل گاڑی پر بوجھ لادنا شروع کیا گیا اور بعد کو مال گاڑیوں اور موٹر ٹرکوں پر بوجھ لادنے لگا یا کرینوں دوارائن بوجھ اٹھانے لگا، یعنی جب بوجھ لاد کر چلنے والا گاڑی دان بن گیا، کرین کا آپریٹر بن گیا، ٹرک ڈرائیور یا انجن ڈرائیور بن گیا تو وہ شودر نہیں رہا حالانکہ سماج کی سیوا وہ اب بھی کر رہا ہے۔ پھر جب ہر آدمی سنسار سہایتیہ پڑھنے لکھا اور کئی گنا زیادہ مزدوری بھی پانے لگیگا اور وہ سب آرام اور آسائش، سکھ اور سوبدھانیں بھی سدہ ادھیکار یا پیدایشی حق کی طرح حاصل کرلیگا، جو آج کھول مٹھی ہر آدمیوں کو نصیب ہیں، تو وہ شودر نہیں رہ جاویگا۔ انگریزی شد لیبرر یا فارسی شد مزدور بھی اُس پر لاگو نہیں ہونگے۔

پوجیہ ڈاکٹر بھگوان داس کچھ لوگوں کو سوہاؤ سے ہی دولت کمانے والا یا ویشیہ سمجھتے ہیں۔ نئی سیہیتا میں دوسروں سے مزدوری یا محنت کرا کے کسی کو پونجی پتی بنانے نہیں دیا جائیگا۔ دھن پیدا کرنا سب کا پیدایشی کام ہوگا۔ بڑی بڑی تجارتیں پنچایت یعنی حکومت کے ہاتھ میں ہونگی۔ دلالوں، آڑھتوں، سٹہ بازوں اور مل مالکوں کے دن اب لڈے والے ہیں۔ جیسے جیسے حکومت ضروری تعلیم دیکر لوگوں کو اس قابل بنانی جائیگی کہ یہ ذمہ داری پونجی پتیوں کے ہاتھ سے لے لی جائے ویسے ویسے یہ تبدیلی سماج کے جیون میں آئی جائیگی۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ خونچہ گانے والے، پتھریوں پر درکان لگانے والے، پان اور مونگ پھلی بیچنے والے، اپنا رکشا یا بیکہ رکھ کر چلانے والے، ہنکر، موچی وغیرہ جو کسی کس ٹہل یا سیوا نہیں کرتے اور تھوڑا بہت دھن بھی کما لیتے ہیں، کیا یہ سب لوگ انہیں ارتھوں میں ویشیہ ہیں جن ارتھوں میں ٹاٹا، بڑلا، ڈالیمیا، جھپوریا وغیرہ ؟ ہندر نچانے والے، سنپیرے، بھالو نچانے والے، بھانستی کا پکارا لیکر گھومنے والے، یہ سب بھی تو کسی کی مزدوری نہیں کرتے۔ رنگریز، سنار، دھنیا، بڑھئی، لوہار، حکام (جو کھول پیسے لیکر ہال کاتھ ہیں) ملح، مجھرنے، چڑسار، پھوری لگانے والے، بھروپتہ کیا یہ سب انہیں بھالوں میں ویشیہ ہیں جن میں راجہ موتی چند ویشیہ تھے ؟ کیا راجہ موتی چند یا بڑلا نے جو سہولتیں سماج کی کیں وہ

کوئی پंचایات (جس میں کئی طرح کے کام کرنے والے شریک ہوں) یا کوئی سرکاری مزدور یا سرکاری کرمچاری تانخواہ پا کر نہیں کر سکتے؟ تو پھر 'ویشیہ' کا کیا ارادہ ہے؟ اور ان لوگوں کو آپ کیا کہیں گے جو وکیل ہیں، زمیندار ہیں، پروفیسر ہیں، ذیلی کلکٹر ہیں، تھانہ دار ہیں، فوجی انسپر ہیں، ایکٹر ہیں، پینٹر ہیں، سائیکسٹر ہیں، لیکن کمپنیوں میں حصہ لیکر ڈویڈنڈ اور منافع بھی کمانے ہیں، یہ لوگ سب ویشیہ ہیں یا کچھ اور؟

فرض کر لیں جیسے کہ کسی دیہی میں کل ریلوے کمپنیاں مہاجن چلا رہے ہیں۔ کہاں کا کام بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہے۔ سرکاری فوج اور پولیس کو جس سامان اور جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مہاجلوں سے مول لیئے جاتے ہیں۔ لڑھ کے کارخانے، دھات کی خانے، موٹروں کے کارخانے اور دوسرے سب بڑے بڑے کارخانے مہاجلوں کے ہاتھ میں ہیں۔ بیک بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہے، تو یہ مہاجن اور ان کے لاکھوں کرمچاری تو 'ویشیہ' یا 'تاجر' ٹھہرے۔ لیکن سماج وادی یا سامیہ وادی دیہی میں یا ملی جلی آرٹیک پرائی یا مالی انتظام والے دیہیوں میں یہ سب کار بار سرکاری ملکیت ہیں اور بندھی ہوئی تانخواہ پانے والے سرکاری کرمچاری یا ملازم یہ سب کار بار چلا رہے ہیں، تب یہ سرکاری ملازم یا کرمچاری اور ان دیہاتوں کے منسٹر 'عامل' یا 'چھتری' ہو جائیں گے کیونکہ یہ سارا کار بار اب حکومت کر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایک ہی کام کرنے والے، ایک ہی طرح کی لیاقت رکھنے والے کہیں چھتری کہلائے اور کہیں ویشیہ۔ جب بی۔ این۔ ڈبلیو۔ ریلوے کمپنی کو یا اسپرل بینک کو بھارت سرکار نے لیا تھا یا جب کانپور کے پارہاؤس کو کمپنی سے بھارت سرکار نے لیا تو ان کے سب کرمچاری چھتری بجاتے ویشیہ سے چھتری ہو گئے! اس یگ کی حکومت، حکومت کم کرتی ہے، انتظام زیادہ کرتی ہے۔

دہلی کی حکومت اور صوبوں کی حکومت کی وزارتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ مولانا ابولکلام آزاد و دوان اور دھرمادھاریہ ہونے کے ناتے براہمن ہیں اور شاکس ہونے کے ناتے چھتری۔ پندت کیلاش ناتھ کاتھو سوہاؤ اور وکالت کے پیشے کے ناتے براہمن تھے اور ڈیفنس منسٹر ہونے کے ناتے وہ چھتری بن گئے۔ پندت جواہر لال بھی پیرسٹر (براہمن) سے بل مارنے چھتری بن گئے۔ ایک آندھ اور مثالین لیجٹم۔ سورگیت شری رمیش چندر دت بڑے بڑے بھاری شاکس (حاکم) تھے، اور انہیں آئیناس، راماین اور مہابھارت کا انگریزی کویتا میں انوآن، ارادہ شاکس پر بستیں بھی حاکم ہوتے ہوئے لکھتے رہے یعنی ایک ہی ستم دے براہمن بھی تھے اور چھتری بھی تھے۔ سورگیت شری سی۔ وائی۔

فرض کر لیں جیسے کہ کسی دیہی میں کل ریلوے کمپنیاں مہاجن چلا رہے ہیں۔ کہاں کا کام بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہے۔ سرکاری فوج اور پولیس کو جس سامان اور جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مہاجلوں سے مول لیئے جاتے ہیں۔ لڑھ کے کارخانے، دھات کی خانے، موٹروں کے کارخانے اور دوسرے سب بڑے بڑے کارخانے مہاجلوں کے ہاتھ میں ہیں۔ بیک بھی مہاجلوں کے ہاتھ میں ہے، تو یہ مہاجن اور ان کے لاکھوں کرمچاری تو 'ویشیہ' یا 'تاجر' ٹھہرے۔ لیکن سماج وادی یا سامیہ وادی دیہی میں یا ملی جلی آرٹیک پرائی یا مالی انتظام والے دیہیوں میں یہ سب کار بار سرکاری ملکیت ہیں اور بندھی ہوئی تانخواہ پانے والے سرکاری کرمچاری یا ملازم یہ سب کار بار چلا رہے ہیں، تب یہ سرکاری ملازم یا کرمچاری اور ان دیہاتوں کے منسٹر 'عامل' یا 'چھتری' ہو جائیں گے کیونکہ یہ سارا کار بار اب حکومت کر رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلا کہ ایک ہی کام کرنے والے، ایک ہی طرح کی لیاقت رکھنے والے کہیں چھتری کہلائے اور کہیں ویشیہ۔ جب بی۔ این۔ ڈبلیو۔ ریلوے کمپنی کو یا اسپرل بینک کو بھارت سرکار نے لیا تھا یا جب کانپور کے پارہاؤس کو کمپنی سے بھارت سرکار نے لیا تو ان کے سب کرمچاری چھتری بجاتے ویشیہ سے چھتری ہو گئے! اس یگ کی حکومت، حکومت کم کرتی ہے، انتظام زیادہ کرتی ہے۔

دہلی کی حکومت اور صوبوں کی حکومت کی وزارتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ مولانا ابولکلام آزاد و دوان اور دھرمادھاریہ ہونے کے ناتے براہمن ہیں اور شاکس ہونے کے ناتے چھتری۔ پندت کیلاش ناتھ کاتھو سوہاؤ اور وکالت کے پیشے کے ناتے براہمن تھے اور ڈیفنس منسٹر ہونے کے ناتے وہ چھتری بن گئے۔ پندت جواہر لال بھی پیرسٹر (براہمن) سے بل مارنے چھتری بن گئے۔ ایک آندھ اور مثالین لیجٹم۔ سورگیت شری رمیش چندر دت بڑے بڑے بھاری شاکس (حاکم) تھے، اور انہیں آئیناس، راماین اور مہابھارت کا انگریزی کویتا میں انوآن، ارادہ شاکس پر بستیں بھی حاکم ہوتے ہوئے لکھتے رہے یعنی ایک ہی ستم دے براہمن بھی تھے اور چھتری بھی تھے۔ سورگیت شری سی۔ وائی۔

دہلی کی حکومت اور صوبوں کی حکومت کی وزارتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ مولانا ابولکلام آزاد و دوان اور دھرمادھاریہ ہونے کے ناتے براہمن ہیں اور شاکس ہونے کے ناتے چھتری۔ پندت کیلاش ناتھ کاتھو سوہاؤ اور وکالت کے پیشے کے ناتے براہمن تھے اور ڈیفنس منسٹر ہونے کے ناتے وہ چھتری بن گئے۔ پندت جواہر لال بھی پیرسٹر (براہمن) سے بل مارنے چھتری بن گئے۔ ایک آندھ اور مثالین لیجٹم۔ سورگیت شری رمیش چندر دت بڑے بڑے بھاری شاکس (حاکم) تھے، اور انہیں آئیناس، راماین اور مہابھارت کا انگریزی کویتا میں انوآن، ارادہ شاکس پر بستیں بھی حاکم ہوتے ہوئے لکھتے رہے یعنی ایک ہی ستم دے براہمن بھی تھے اور چھتری بھی تھے۔ سورگیت شری سی۔ وائی۔

نیتامنی سمادک تہ راج نیتی کے پلذت تہ اور منسٹر ہی بن گئے۔ بعد کو پھر سمادک بن بیٹھے۔ گلستان گریک سہیتہ کا پلذت تھا، تدریلی اوجہ کوئی کا اپنیسکار تھا اور یہ دونوں انگلستان کے مکہہ منتری ہی بن گئے۔ لینن دھورندسر ودوان ہوتا ہوا اپنے یگ کا سب سے بڑا چہتری نکلا یعنی 'عالم' ہی تھا اور عامل ہی۔ مہا کری گیتے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں وہ رہتا تھا وہاں سے مہلوں تک اُس کے سرینکا کوئی کارباری آدمی نہیں تھا۔ ملٹن سیکریٹری تھا کراویل کا۔ ارسطو منتری تھا سکندر کا۔ سہور نے مہان دھرم شاستر لکھا۔ نیہولین نے منو اسمرتی سے تکر لینہ والا تالون بنا یا۔ اب 'عالم' اور عامل کی تقسیم کہاں گئی؟ نئے روس میں بیسوں ہزار آدمی مزدور سے ملوں کے منجیر، سینا پتی اور مہان شاسک بن بیٹھے۔ یہی چین میں بھی ہوا ہے۔ انہیں نے اور سماج کی ترقی کے عالم، عامل، تاجر اور مزدور کے بھید بھاؤ کو توڑ پھڑ کر رکھ دیا۔

چہتری کس کو کہا جائے؟ اگر کسی سماج میں دو تین کروڑ آدمی 'سویاؤ' سے چہتری ہیں تو گویا اُس دیس میں فوج، پولس، جہازی سینک، ہوائی سینک، چوڑے اور بڑے شاسک ان میں کسی کی تعداد گھٹائی یا بڑھائی نہیں جاسکتی۔ روس میں حال میں شاید پانچ لاکھ سینک فوج سے ہٹا کر کارخانوں میں لگا دیئے گئے ہیں، گویا چہتری سے شہر بنا دیئے گئے ہیں۔ ہٹلر کو روس کے جن فوجیوں اور گروہوں نے پیچھے دھکیل دیا، چیانگ کائی شیک کو، میکازنہر کو اور چا پانی حملہ آوروں کو جن چینوں نے چین سے نکال کر دیس کی رکشا کی ان میں دس پندرہ فیصدی ہی باغابادہ فوجی تھے۔ باقی سب کسان اور مزدور تھے، اور دیس رکشا کا کام ختم کر کے پھر کسان، مزدور اور کاریگر بن گئے۔ لڑائی ہو یا شامس، اینٹی کرپشن آندولن ہو یا کھیتی اور کارخانوں کا بڑے پیمانوں پر انتظام ہو، حکومت کے ایسے ہی سینکڑوں کاموں کے لئے پورے سماج کے آزاد سہدرگ اور سوچے بوجھ اور تجربے کی ضرورت پڑتی ہے۔ منوشہہ سادھارن طور پر ناگزیر ہوتے ہیں، عالم، عامل، تاجر اور مزدور نہیں ہوتے۔ نئی شکشا لوگوں کو ایک نفا نہیں ہٹائیگی۔ کسی کو لکیر کافتیر نہیں ہٹائیگی، بلکہ کسی طرح کی صلاحیتیں دینے والی (Multipurpose Education) ہو گی۔ آبادی کا ذیادہ حصہ کئی طرح کے کام کر سکیگا یا یوں کہیں کہ ایک کام چھوڑ کر دوسرا کام بھی کر سکیگا۔ اور نئے سماج میں سب لوگ ہر روز اپنے نس کے منورنجانوں یا مشنوں میں ہی سمٹے ہٹائیں گے۔ مٹی پھر حکومت کرنے والے لوگوں کے انتظام اور راج

نیتامنی سمادک تہ راج نیتی کے پلذت تہ اور منسٹر ہی بن گئے۔ بعد کو پھر سمادک بن بیٹھے۔ گلستان گریک سہیتہ کا پلذت تھا، تدریلی اوجہ کوئی کا اپنیسکار تھا اور یہ دونوں انگلستان کے مکہہ منتری ہی بن گئے۔ لینن دھورندسر ودوان ہوتا ہوا اپنے یگ کا سب سے بڑا چہتری نکلا یعنی 'عالم' ہی تھا اور عامل ہی۔ مہا کری گیتے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں وہ رہتا تھا وہاں سے مہلوں تک اُس کے سرینکا کوئی کارباری آدمی نہیں تھا۔ ملٹن سیکریٹری تھا کراویل کا۔ ارسطو منتری تھا سکندر کا۔ سہور نے مہان دھرم شاستر لکھا۔ نیہولین نے منو اسمرتی سے تکر لینہ والا تالون بنا یا۔ اب 'عالم' اور عامل کی تقسیم کہاں گئی؟ نئے روس میں بیسوں ہزار آدمی مزدور سے ملوں کے منجیر، سینا پتی اور مہان شاسک بن بیٹھے۔ یہی چین میں بھی ہوا ہے۔ انہیں نے اور سماج کی ترقی کے عالم، عامل، تاجر اور مزدور کے بھید بھاؤ کو توڑ پھڑ کر رکھ دیا۔

چہتری کس کو کہا جائے؟ اگر کسی سماج میں دو تین کروڑ آدمی 'سویاؤ' سے چہتری ہیں تو گویا اُس دیس میں فوج، پولس، جہازی سینک، ہوائی سینک، چوڑے اور بڑے شاسک ان میں کسی کی تعداد گھٹائی یا بڑھائی نہیں جاسکتی۔ روس میں حال میں شاید پانچ لاکھ سینک فوج سے ہٹا کر کارخانوں میں لگا دیئے گئے ہیں، گویا چہتری سے شہر بنا دیئے گئے ہیں۔ ہٹلر کو روس کے جن فوجیوں اور گروہوں نے پیچھے دھکیل دیا، چیانگ کائی شیک کو، میکازنہر کو اور چا پانی حملہ آوروں کو جن چینوں نے چین سے نکال کر دیس کی رکشا کی ان میں دس پندرہ فیصدی ہی باغابادہ فوجی تھے۔ باقی سب کسان اور مزدور تھے، اور دیس رکشا کا کام ختم کر کے پھر کسان، مزدور اور کاریگر بن گئے۔ لڑائی ہو یا شامس، اینٹی کرپشن آندولن ہو یا کھیتی اور کارخانوں کا بڑے پیمانوں پر انتظام ہو، حکومت کے ایسے ہی سینکڑوں کاموں کے لئے پورے سماج کے آزاد سہدرگ اور سوچے بوجھ اور تجربے کی ضرورت پڑتی ہے۔ منوشہہ سادھارن طور پر ناگزیر ہوتے ہیں، عالم، عامل، تاجر اور مزدور نہیں ہوتے۔ نئی شکشا لوگوں کو ایک نفا نہیں ہٹائیگی۔ کسی کو لکیر کافتیر نہیں ہٹائیگی، بلکہ کسی طرح کی صلاحیتیں دینے والی (Multipurpose Education) ہو گی۔ آبادی کا ذیادہ حصہ کئی طرح کے کام کر سکیگا یا یوں کہیں کہ ایک کام چھوڑ کر دوسرا کام بھی کر سکیگا۔ اور نئے سماج میں سب لوگ ہر روز اپنے نس کے منورنجانوں یا مشنوں میں ہی سمٹے ہٹائیں گے۔ مٹی پھر حکومت کرنے والے لوگوں کے انتظام اور راج

पाठ के दिन गए. आगे का पंचायती शासन और पुरानी वर्ण व्यवस्था साथ साथ नहीं चल सकते.

रही ब्राह्मणों की बात. इस लेख के शुरू में मैंने बताया है तो फ्रीसदी लोग संसार साहित्य को पढ़ और समझ सकते हैं. तो क्या साहित्य, धर्म, विज्ञान की किताबें लिखने वाले ब्राह्मण हैं और इन्हें समझकर आनन्द लेने वाले शूद्र हैं ? महात्मा टालस्टाय ने तो ऐसी चीज को कला या साहित्य माना ही नहीं जिसे किसान मजदूर न समझ सकें. महात्मा टालस्टाय के बयान में थोड़ा सा मुबालागा हो सकता है लेकिन बुनियादी तौर पर उनके बयान को ठीक मानना पड़ेगा. लेखक ब्राह्मण और पाठक शूद्र ! यह कैसे हो सकता है ? सब में रचनात्मक शक्ति नहीं होती. लेकिन यह भी कहा गया है कि लन्दन के जन साधारण शेक्सपीयर के नाटकों को एक एक आने का टिकट लेकर देखते थे. यह भी कहा गया है कि जब जब वे नाटक देखते समय अच्छी तरह उसका आनन्द लेते थे उस समय उनकी आत्माएँ शेक्सपीयर की आत्मा को छू लेती थीं. लन्दन के "शूद्र" Groundlings कहलाते थे. इसी तरह जो बहुत कुशल टेकनालजिस्ट है या मूर्ति-निर्माता है, या चित्रकार है या सर्जन अथवा डाक्टर है, उनको आप क्या कहेंगे ? कबीर जुलाहे थे, रविदास मोची थे, सद्ना कसाई थे, पलदूदास कंवट थे, स्पाइनोजा ऐनक बनाता था और संसार का महान दार्शनिक था. सुक्रात आत्मज्ञानी और सिपाही था, प्लोटाचार्य धनुर्विद्या में निपुण थे, कृष्ण, समाज में उनका कोई भी काम रहा हो, लेकिन गीता के ज्ञानेश्वर थे, राबर्ट बर्न्स किसान था, इन सब को किस वर्ण में रक्खा जाय ?

अन्त में मैं यही कहूँगा कि वर्ण व्यवस्था एक ऐसी तहजीब और एक ऐसे समाजी इन्तजाम की पैदावार है जिसमें दस, पन्द्रह, फ्रीसदी आदिमियों को सुख और आराम से रखने के लिये अरसी नब्बे फ्रीसदी आदिमी जांगर तोड़ मेहनत करते थे और दरिद्र भी थे. यह ऐटम, मशीन और साम्यवाद का युग है. इस युग में जब इसकी सम्भावनायें या हमकानात पूरे होंगे तो रोखी कमाने के लिये किसी को चौबीस घंटे में घंटे दो घंटे से अधिक काम न करना पड़ेगा और वह काम भी बहुत हलका होगा. बाक़ी समय में सभी लोग कला, काव्य, साहित्य या अदब के दूसरे रूप विज्ञान और अनेक विद्याओं से दिलचस्पी लेंगे. केवल ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य कहे जाने वाले बहुत कम लोग होंगे. शूद्र कोई होगा ही नहीं. ऐसी मिली जुली लियाक़त वाले सब होंगे जिसमें ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य के गुण-कर्म-स्वभाव मिले हुए हों. ऐसा होकर ही सभ्यता या तहजीब का मक़सद पूरा होगा. आदिमी पेशे से नहीं पहचाना जायगा बल्कि कुरसत के लमहों में वह क्या करता है इससे पहचाना

पाठ के दिन क्ले. अके का बलप्राप्ति शासन और प्रान्तीय वर्ण व्यवस्था साथ साथ नहीं चल सकते.

रही ब्राह्मणों की बात. इस लेख के शुरू में मैंने बताया है तो फ्रीसदी लोग संसार साहित्य को पढ़ और समझ सकते हैं. तो क्या साहित्य, धर्म, विज्ञान की किताबें लिखने वाले ब्राह्मण हैं और इन्हें समझकर आनन्द लेने वाले शूद्र हैं ? महात्मा टालस्टाय ने तो ऐसी चीज को कला या साहित्य माना ही नहीं जिसे किसान मजदूर न समझ सकें. महात्मा टालस्टाय के बयान में थोड़ा सा मुबालागा हो सकता है लेकिन बुनियादी तौर पर उनके बयान को ठीक मानना पड़ेगा. लेखक ब्राह्मण और पाठक शूद्र ! यह कैसे हो सकता है ? सब में रचनात्मक शक्ति नहीं होती. लेकिन यह भी कहा गया है कि लन्दन के जन साधारण शेक्सपीयर के नाटकों को एक एक आने का टिकट लेकर देखते थे. यह भी कहा गया है कि जब जब वे नाटक देखते समय अच्छी तरह उसका आनन्द लेते थे उस समय उनकी आत्माएँ शेक्सपीयर की आत्मा को छू लेती थीं. लन्दन के "शूद्र" Groundlings कहलाते थे. इसी तरह जो बहुत कुशल टेकनालजिस्ट है या मूर्ति-निर्माता है, या चित्रकार है या सर्जन अथवा डाक्टर है, उनको आप क्या कहेंगे ? कबीर जुलाहे थे, रविदास मोची थे, सद्ना कसाई थे, पलदूदास कंवट थे, स्पाइनोजा ऐनक बनाता था और संसार का महान दार्शनिक था. सुक्रात आत्मज्ञानी और सिपाही था, प्लोटाचार्य धनुर्विद्या में निपुण थे, कृष्ण, समाज में उनका कोई भी काम रहा हो, लेकिन गीता के ज्ञानेश्वर थे, राबर्ट बर्न्स किसान था, इन सब को किस वर्ण में रक्खा जाय ?

अन्त में मैं यही कहूँगा कि वर्ण व्यवस्था एक ऐसी तहजीब और एक ऐसे समाजी इन्तजाम की पैदावार है जिसमें दस, पन्द्रह, फ्रीसदी आदिमियों को सुख और आराम से रखने के लिये अरसी नब्बे फ्रीसदी आदिमी जांगर तोड़ मेहनत करते थे और दरिद्र भी थे. यह ऐटम, मशीन और साम्यवाद का युग है. इस युग में जब इसकी सम्भावनायें या हमकानात पूरे होंगे तो रोखी कमाने के लिये किसी को चौबीस घंटे में घंटे दो घंटे से अधिक काम न करना पड़ेगा और वह काम भी बहुत हलका होगा. बाक़ी समय में सभी लोग कला, काव्य, साहित्य या अदब के दूसरे रूप विज्ञान और अनेक विद्याओं से दिलचस्पी लेंगे. केवल ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य कहे जाने वाले बहुत कम लोग होंगे. शूद्र कोई होगा ही नहीं. ऐसी मिली जुली लियाक़त वाले सब होंगे जिसमें ब्राह्मण, क्षत्री और वैश्य के गुण-कर्म-स्वभाव मिले हुए हों. ऐसा होकर ही सभ्यता या तहजीब का मक़सद पूरा होगा. आदिमी पेशे से नहीं पहचाना जायगा बल्कि कुरसत के लमहों में वह क्या करता है इससे पहचाना

جائیگا۔ جیہاں ہر کلا بن جائیگا جسکا کلاکار ہر آدمی ہوگا۔ اور جیہاں کے کلاکاروں میں براہمن، کھتری، ویشیہ اور شودر کا بھد نہیں ہوگا۔

جب ہٹلر کی فوج نے روس پر حملہ کیا تو کئی جگہوں سے روسی فوج کو ہٹلر پر۔ معمولی سپاہی ہٹلر کی جلدی میں ہزاروں کی تعداد میں اپنے ہٹلر اور سامان چھوڑ گیا جن میں کتابیں بھی تھیں۔ ان میں سے روسی ہٹلر میں ارسطو کی کتابیں، سائنس کی انیک کتابیں، دشن کی انیک کتابیں، شیکسپیر اور دوسرے شاعروں کی کئی کتابیں ہرآمد ہون۔ یہ دیکھ کر جرمن فوجی افسروں نے کہا کہ اس قوم کو ہم فتح نہیں کر سکتے۔ ورن ویوستہا کو مٹا کر یہ قوم اور یہ قومی زندگی بڑی کئی ہے نہ کہ ورن ویوستہا کے نظام کو مان کر۔ مزاجوں اور طبیعتوں میں براہمن، کھتری، ویشیہ اور شودر کا فرق نہیں ہوا بلکہ فرق یہ ہوتا ہے کہ کسی کو شاعری پسند ہے، کسی کو فلسفہ پسند ہے، کسی کو اپنیاس پسند ہے، کسی کو سائنس، اور ان میں بھی خاص خاص قسم کی رجحانیں۔ ورن ویوستہا مثلاً پر یہی فرق قائم دھینکے۔ جہاں سب پڑھ لکھ ہونکے، کافی سمجھدار ہونکے، سماج میں سب کے برابر حیثیت رکھنے والے آدمی ہونکے، خوشحال ہونکے، ہانہ پاؤں کی کڑی محنت سے آزاد ہونکے، زندگی کی ضرورتوں کے لئے جس سماج میں ہر ایک کو بہت کم کم کرنا پڑیگا، ایسے سماج میں ورن ویوستہا کی کہاں ضرورت؟

سماجی جیہاں میں میں ایک کام کرنے کی یوگتہا رکھتا ہوں، تم کوئی دوسرا کام کرنے کی یوگتہا رکھتے ہو۔ تم دیش کا شاسن کر سکتے ہو، میں پڑا لے جوتوں کی مرمت کر سکتا ہوں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تم مجھ سے بڑے ہو۔ میں دیش کا شاسن نہیں کر سکتا تو تم بھی جوتوں کی مرمت نہیں کر سکتے۔ میں جوتوں کی مرمت کرنے میں کشل ہوں اور تم وید پڑھنے میں۔ لیکن یہ کوئی وجہ نہیں کہ تم میرے سر پر پاؤں رکھو۔

—سوامی ویوکانند

—سوامی ویوکانند

تپےدیک کا टीका

تپ دق کا ٹیکہ

میں بھارتی راجاگوپالاچاری

شری چکرورتی راجا گوپالا چاری

س टीके की कोई साइंसी बुनियाद नहीं

اس ٹیکے کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں

میں اس ویسے کی جیتنی جتنی جانچ کرتا ہوں اور جتنا جتنا اس پر غور کرتا ہوں اتنا اتنا ہی میرا یہ وشواس اور ادھک بکا ہوتا جاتا ہے کہ اس بڑے پیمانے پر بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانے کا کام 'نیم حکیم خطرہ جان' والی چیز ہے اور اس ٹیکے کے لئے کوئی سچی سائنسی بنیاد ہے ہی نہیں۔ ادھک تو اس سے کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کافی صورتوں میں اس سے نقصان ہوتا ہے۔ جن صورتوں میں اس سے نقصان ہو جاتا ہے ان میں کہہ دیا جاتا ہے کہ جس آدمی کو ٹیکے سے نقصان ہوا ہے اس میں 'بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی پہلے ہی سے کم تھی'؛ بھارت میں اس ٹیکے کا کام جس طرح بڑے پیمانے پر چلایا جا رہا ہے اس میں ساری باتیں خطرناک اور انارزی بن کی ہیں۔ دوسرے سببہ دیشوں میں جہاں کہیں یہ ٹیکہ آزمایا گیا ہے بڑی بڑی احتیاطیں برتی جاتی ہیں۔ بھارت کے بچوں پر آج اسی طرح کے تجربے کئے جا رہے ہیں جس طرح کے جنگ کے بعد نیم جنگی اور پراڈھین قوموں کے اندر ان علاقوں میں کئے گئے تھے جو جنگ سے ویران اور برباد ہو گئے تھے۔ سرکار کی طرف سے بار بار کہا جا رہا ہے اور اخباروں میں نکل رہا ہے کہ اس سال اتنے لاکھ بچے تپ دق کے خطرے سے سدا کے لئے بچا دیئے گئے اور اگلے دو سال کے اندر اتنے کرور اور بچے بچا دیئے جائیں گے وغیرہ۔ اس بارے میں جتنا میں جو پروپیگنڈا کیا جاتا ہے وہ بہت دھوکے کا ہے۔ کیونکہ تپ دق کے حامی بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کا دعویٰ قبول اتنا ہی ہے کہ ٹیکہ لگنے کے دو سال تک بچے کو تپ دق نہیں ہوگا اور دو سال کے اندر بھی اگر کہیں زور کا تپ دق پھیل گیا اور بچے کو کہیں سے لگ گیا تو اس حالت میں بھی ٹیکہ اسے نہیں بچا سکے گا اور اس دو سال کی مہمان کو بڑھانے کے لئے دو بارہ ٹیکے لگانے کا بھی کوئی سوال نہیں ہوتا۔ سب ڈاکٹروں کی یہ صاف رائے ہے کہ دوبارہ بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگانا خطرناک ہوگا۔ ڈاکٹروں - ڈاکٹروں کی رائے میں فرق اس بات پر ہے کہ شروع کے پہلے ایک ٹیکے سے بھی سچے سچے کچھ فائدہ ہوتا ہے یا نہیں؛ یا فائدہ کی جگہ اور اتنا نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے اب ہمیں خود اپنا فہم نقصان سمجھنا ہے۔

یہ چیز سارے راسخوں کے سامنے سمجھائی گئی ہے۔
 جب بڑے بڑے ودیائی ڈاکٹروں کی رائے اس میں ایک دوسرے
 نہیں ملتی تو ایک ایسی بات نہیں ہے جس میں بہت
 آپسٹ یعنی ڈاکٹروں کی گنتی پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا
 جائے۔ سائنس جب تک کہ میدانوں میں بڑھتی تو سائنسدانوں
 رائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ ایسے معاملوں میں جہاں عام
 منطق پر اس کا اثر نہ پڑتا ہو وہاں ہم سائنس دانوں پر یہ بات
 چھوڑ سکتے ہیں کہ وہ خود اپنے مت بھد کو طے کر لیں۔ لیکن
 یہاں عام جنتا کی بھائی یا برائی، اُن کی زندگی اور موت پر
 اس کا اثر پڑتا ہو تو ہم اس طرح کا فیصلہ کیوں سائنس دانوں
 نہیں چھوڑ سکتے۔

مگر پورا विश्वास ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب دنیا کے
 سب سائنس دان بی۔ سی۔ جی۔ کی بابت اس نتیجے پر
 پہنچ جائیں گے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ اپنے اس
 فیصلے کا اعلان کر دیں گے، بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانا چھوڑ دینے
 اور اُسے بھول جائیں گے۔ لیکن بھارت میں چونکہ سرکار کا تندرستی
 کا محکمہ اس خلاف سائنس کلم کی طرف اپنا سارا دن ڈال
 رہا ہے اس لئے یہاں کے سائنس دانوں کے اس ٹیکے کو چھوڑ دینے
 میں دیر لگے گی۔ اس بیچ سارے ملک کے اندر نامورے بچوں
 اور ہمارے اچھے سے اچھے ہونہار بچوں کے اندر جان بوجھ کر
 اتنے بڑے پیمانے پر ایک ایسی بیماری کے زندہ کڑے داخل
 کئے جا رہے ہیں جو مہلک سے مہلک بیماریوں میں سے ہے۔
 نئی بڑے سے بڑے اور مشہور سائنس دان یہ کہہ چکے ہیں کہ انہیں
 اس کا بہت بڑا تر ہے کہ آدمی کے جسم کے اندر پہنچ کر یہ
 کڑے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کیا کچھ نہیں بن سکیں گے اور
 کھا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہ جب لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں
 پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اتنی تیزی کے ساتھ اتنے بڑے پیمانے پر
 ٹیکے لگائے کی وجہ سے ایک سے دوسرے کو بیماری لگنے کا موقع
 رہتا ہے تو یہ خطرہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

اس ٹیکے کے لگانے کی غرض یہ بتائی جاتی ہے کہ بچوں
 کو تپدق کی بیماری نہ ہونے پڑے۔ اول تو بھارت میں
 بچوں کے تپدق سے مرنے کے جو آئندہ ہمیں عام طور پر بتائے
 جاتے ہیں وہ ٹھیک آئندہ نہیں ہیں۔ وہ کیوں اندازے سے تیار
 کر لئے گئے ہیں۔ دوسری بات کہ یہ بیماری پلنگ یا وبا
 کی طرح اس طرح نہ آج تک کہی پھیلی اور نہ پھیلے گی
 کہ اُس سے کسی کے لئے یہ جائز ہو جائے کہ وہ سب
 بچوں کے جسموں کے اندر ایک اس طرح کا زہر داخل
 کرے جس کی بابت ابھی تک یہ ثابت نہیں ہوا
 ہے کہ وہ نقصان نہیں کرتا۔ اس ٹیکے کے لئے جو دعویٰ
 کیا جاتا ہے وہ بھی یہ نہیں ہے کہ اُس سے بچہ

یہ چیز سارے راسخوں کے سامنے سمجھائی گئی ہے۔
 جب بڑے بڑے ودیائی ڈاکٹروں کی رائے اس میں ایک دوسرے
 نہیں ملتی تو ایک ایسی بات نہیں ہے جس میں بہت
 آپسٹ یعنی ڈاکٹروں کی گنتی پر اس کا فیصلہ چھوڑ دیا
 جائے۔ سائنس جب تک کہ میدانوں میں بڑھتی تو سائنسدانوں
 رائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ ایسے معاملوں میں جہاں عام
 منطق پر اس کا اثر نہ پڑتا ہو وہاں ہم سائنس دانوں پر یہ بات
 چھوڑ سکتے ہیں کہ وہ خود اپنے مت بھد کو طے کر لیں۔ لیکن
 یہاں عام جنتا کی بھائی یا برائی، اُن کی زندگی اور موت پر
 اس کا اثر پڑتا ہو تو ہم اس طرح کا فیصلہ کیوں سائنس دانوں
 نہیں چھوڑ سکتے۔

مگر پورا विश्वास ہے کہ وہ دن آنے والا ہے جب دنیا کے
 سب سائنس دان بی۔ سی۔ جی۔ کی بابت اس نتیجے پر
 پہنچ جائیں گے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ اپنے اس
 فیصلے کا اعلان کر دیں گے، بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانا چھوڑ دینے
 اور اُسے بھول جائیں گے۔ لیکن بھارت میں چونکہ سرکار کا تندرستی
 کا محکمہ اس خلاف سائنس کلم کی طرف اپنا سارا دن ڈال
 رہا ہے اس لئے یہاں کے سائنس دانوں کے اس ٹیکے کو چھوڑ دینے
 میں دیر لگے گی۔ اس بیچ سارے ملک کے اندر نامورے بچوں
 اور ہمارے اچھے سے اچھے ہونہار بچوں کے اندر جان بوجھ کر
 اتنے بڑے پیمانے پر ایک ایسی بیماری کے زندہ کڑے داخل
 کئے جا رہے ہیں جو مہلک سے مہلک بیماریوں میں سے ہے۔
 نئی بڑے سے بڑے اور مشہور سائنس دان یہ کہہ چکے ہیں کہ انہیں
 اس کا بہت بڑا تر ہے کہ آدمی کے جسم کے اندر پہنچ کر یہ
 کڑے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کیا کچھ نہیں بن سکیں گے اور
 کھا کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہ جب لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں
 پر اس کا اثر پڑتا ہے اور اتنی تیزی کے ساتھ اتنے بڑے پیمانے پر
 ٹیکے لگائے کی وجہ سے ایک سے دوسرے کو بیماری لگنے کا موقع
 رہتا ہے تو یہ خطرہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

जस्तर तपेदिक से बचा ही रहेगा, बचे रहने की ओं थोड़ी बहुत उम्मीद दिलाई जाती है वह भी अधिक से अधिक दो साल के लिये दिलाई जाती है, इन सब बातों पर विचार करते हुए भाव्यमी इस नतीजे पर पहुँचे बगैर नहीं रह सकता कि यह टीके लगाने का काम जो चलाया जा रहा है यह बिलकुल गलत है.

जब इस तरह का काम इतने बड़े पैमाने पर किया जाता है तो उसमें एक बहुत बुरी बात यह हो जाती है कि वह लोग, जिन की बात का लोगों पर असर पड़ता है, इस कोशिश में लगे रहते हैं कि अधिकतर जनता के अन्दर उस बीमारी का डर पैदा हो जावे. हर आदमी के अन्दर हर बीमारी का मुक्काबला करने की एक दर्जे तक कुदरती शक्ति होती है. पर जब यह डर फैल जाता है तो लोगों के अन्दर से वह डर इस शक्ति को कम कर देता है. नजीता यह होता है कि जां लोग अभी तक अपने अन्दर की शक्ति से अपने को बीमारी से बचाये रखते थे अब वह बीमारी के शिकार हो जाते हैं. एक दूसरा बुरा नतीजा इस तरह की तहरीक का यह भी होता है कि तपेदिक को सचमुच क़ाबू में रखने के जां दूसरे अधिक काराभद तरीक़े हैं उनकी तरफ़ से लोग बेपरवाह हो जाते हैं.

बी० सी० जी० का तरीका असली साइंसी इलाज के तरीके के भी खिलाफ है. एक दर्जे तक यह कुछ कुछ होम्योपैथी से मिलता है. इसका उसूल यह है कि बीमारी का इलाज करने के लिये उन चीजों को ही, जिनसे बीमारी पैदा होती है, हल्की मात्रा में जिस्म के अन्दर दाखिल कर दिया जावे. बी० सी० जी० के इस उसूल में और होम्योपैथी के असली उसूल में फर्क यह है कि होम्योपैथ आदमी के जिस्म के अन्दर कभी कोई ऐसी चीज दाखिल नहीं करता जो जिस्म के अन्दर पहुँच कर बच्चे दे और बढ़े. बी० सी० जी० वाला इस तरह के ज़िन्दे कीड़े काफ़ी बड़ी मात्रा में आदमी के जिस्म के अन्दर दाखिल कर देता है फिर जो कभी भी इस जिस्म से बाहर नहीं निकलते बल्कि अन्दर रह कर बच्चे दे दे कर खूब बढ़ते रहते हैं और हमेशा के लिये इस जिस्म को अपना घर बना लेते हैं.

हमें यह भी याद रखना चाहिये कि बी० सी० जी० के टीके की हिमायत करने वाले यह दावा नहीं करते कि उससे किसी बीमारी का इलाज हो सकता है, उनका दावा सिर्फ यह है कि इस टीके के लग जाने से जिनके टीका लगाया जायेगा उनमें से कुछ लोग एक बहुत बड़े से खरसे तक के लिये मुमकिन है बीमारी से बचे रहें, यानी—अगर इन्हें बीमारी अभी तक नहीं हुई है तो उम्मीद की जाती है कि कुछ खरसे तक खौर न हो, मुझे यह इसलिये बোहराना पड़ रहा है क्योंकि कुछ अच्छे पड़े लिखे लोगों ने मुझ पर यह बेशरार

مردو تہدیق سے بچا ہی رہے گا۔ بچے رہنے کی جو
 تہذیب بہت اُمید دلائی جاتی ہے وہ بھی اُدھک سے
 اُدھک دو سال کے اندر دلائی جانی ہے۔ اِن سب
 باتوں پر وچار کرتے ہوئے اُدنی اِس نتیجے پر پہنچے بغیر
 نہیں رہ سکتا کہ یہ ٹیکے لگانے کا کم جو چلایا جا رہا ہے یہ
 بالکل غلط ہے۔

جب اسی طرح کا کام اُنہ بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے تو اُس میں ایک بہت بڑی بات یہ ہو جاتی ہے کہ وہ لوگ، جن کی بات کا لوگوں پر اثر پڑتا ہے، اُس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ادھک تر جنتا کے اندر اُس بیماری کا تر پیدا ہو جاوے۔ ہر آدمی کے اندر ہر بیماری کا مقابلہ کرنے کی ایک درجہ تک قدرتی شکتی ہوتی ہے۔ پر جب یہ تر پھیل جاتا ہے تو لوگوں کے اندر سے وہ تر اُس شکتی کو کم کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ابھی تک اپنے اندر کی شکتی سے اپنے کو بیماری سے بچاؤ رکھتے تھے اب وہ بیماری کے شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرا بڑا نتیجہ اِس طرح کی تحریک کا یہ بھی ہوتا ہے کہ تپ دق کو سچ میچ قابو میں رکھنے کے جو دوسرے ادھک کڑا آمد طریقے ہیں ان کی طرف سے لوگ بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔

ہی۔ سی۔ جی کا طریقہ اصلی سائنسی علاج کے طریقے کے
 بھی خلاف ہے۔ ایک درجے تک یہ کچھ کچھ ہومیوپیتھی سے
 ملتا ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ بیماری کا علاج کرنے کے لئے اُن
 چیزوں کو ہی جن سے بیماری پیدا ہوتی ہے، ہلکی मात्रا میں
 جسم کے اندر داخل کر دیا جاوے۔ ہی۔ سی۔ جی کے اس
 اصول میں اور ہومیوپیتھی کے اصلی اصول میں فرق یہ ہے کہ
 ہومیوپیتھ آدمی کے جسم کے اندر کبھی کوئی ایسی چیز داخل
 نہیں کرنا جو جسم کے اندر پہنچ کر بچے دے اور بڑھے۔ ہی۔
 سی۔ جی والا اس طرح کے زندہ کھڑے کافی بڑی मात्रا میں
 آدمی کے جسم کے اندر داخل کردیتا ہے جو پھر دیہی ہی اُس جسم
 سے باہر نہیں نکلتے بلکہ اندر رہ کر بچے دے دے کر خوب
 بڑھتے رہتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے اُس جسم کو اپنا گھر
 بنا لیتے ہیں۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سی. سی. جی کے ٹیمہ کی حمایت کرنے والے یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ اُس سے کسی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے۔ اُن کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ اِس ٹیمہ کے اگ جانے سے جن کے ٹوٹہ لگایا جائیگا، اُن میں سے کچھ لوگ ایک بہت تیز رفتاری سے عرصے تک کے لئے ممکن ہے بیماری سے بچے رہیں۔ یعنی—اگر انہیں بیماری ابھی تک نہیں ہوئی ہے تو امید کی جاتی ہے کہ کچھ عرصہ تک اور نہ ہو۔ مجھے یہ اِس لئے دھڑانا پڑ رہا ہے کہ یہ کچھ اچھے بڑے لکھ لوگوں نے مجھ پر یہ اعتراض

کیا ہے کہ میں ایسی چیز کا پورہ نہیں کرتا ہوں کہ جس سے کچھ بیمار اپنی بیماری سے اچھے ہو سکیں۔ بی۔ سی۔ جی کسی بیمار کی بیماری کو دور نہیں کرتا۔ اس کی یہ فرضی نہیں ہے۔

نیم حکیم یا انارکلی حکیم ہمیشہ جان کے لیے خطرناک ہوتا ہے، چاہے وہ آج کل کا سائنسی نیم حکیم ہو اور چاہے پرانی چال کا دھیانسی نیم حکیم۔ پرانی چال کے نیم حکیم سے بچنا آسان ہوتا ہے لیکن نئی چال کے نیم حکیموں سے بچنا مشکل پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ نیا نیم حکیم اپنی غلط بات کے سمرتوں میں بڑے بڑے موٹے شدید اور سائنسی فقرے استعمال کرتا ہے۔ کوئی جھوٹا اگر پورا جھوٹا ہو تو اس کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جس میں کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا ہوا ہو اس سے اپنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس طرح کے نیم ڈاکٹر یا انارکلی سائنسدان پہلے کوئی اصول نکال بیٹھتے ہیں جو کہیں لکھا ہے اور کہیں نہیں لکھا اور پھر جہاں وہ نہیں لکھا وہاں بھی اسے زبردستی تھپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر اگر کہیں غلطی نکل آتی ہے تو اپنی بات کی پیچ مہوں پڑ کر ضد کرتے ہیں۔ بی۔ سی۔ جی۔ کا اصول سیدھا سادا یہ ہے کہ جس طرح کے زہر یا جس طرح کے کیڑوں سے کوئی بیماری پیدا ہوتی ہے اسی طرح کے زہر یا اسی طرح کے کیڑوں کو اگر ہم خود باہر سے لے کر جسم کے اندر داخل کر دیں تو جسم پھر اس بیماری کے حملے سے بچ جاتا ہے۔ کہا یہ جانا ہے کہ اس زہر یا ان کیڑوں کے جسم میں داخل ہوتے ہی جسم ان کے مقابلے کی تیاری کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ہر معمولی بیماری میں بھی جسم خود بخود بیماری کے مقابلے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن تپدق کی صورت میں اس اصول کو لگانا بالکل غلط ہے کیونکہ تپدق ہوجانے پر جسم کے اندر کوئی ایسی نئی چیز یا نئی طرح کے کیڑے خود بخود پیدا نہیں ہوتے جو بیماری کا مقابلہ کریں۔ اس کے جواب میں بی۔ سی۔ جی۔ کے حاسی ہمیں بتاتے ہیں کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگالے سے ٹیکہ کی جگہ جو پھوٹ آتی ہے یا بخار اُجھاتا ہے اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ جسم اندر سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ غلط دلیل دہکر وہ چاہتا ہے کہ ہم ان سب خطروں کو اپنے سر پر لے لیں جو اس ٹیکہ سے ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی صرف دو برس تک بچے رہنے کی توثیق نہیں دیتے۔

اب ایک دلیل آنکروں کی دے جاتی ہے کہ کتلیں کے ٹیکہ اور کتلیں کو نقصان ہوا اور کتلیں کو نہیں ہوا۔ یہ آنکروں سے دھوئے گئے ہیں۔ ان سے احمک سے

نیم حکیم یا انارکلی حکیم ہمیشہ جان کے لیے خطرناک ہوتا ہے، چاہے وہ آج کل کا سائنسی نیم حکیم ہو اور چاہے پرانی چال کا دھیانسی نیم حکیم۔ پرانی چال کے نیم حکیم سے بچنا آسان ہوتا ہے لیکن نئی چال کے نیم حکیموں سے بچنا مشکل پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ نیا نیم حکیم اپنی غلط بات کے سمرتوں میں بڑے بڑے موٹے شدید اور سائنسی فقرے استعمال کرتا ہے۔ کوئی جھوٹا اگر پورا جھوٹا ہو تو اس کا مقابلہ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جس میں کچھ جھوٹ اور کچھ سچ ملا ہوا ہو اس سے اپنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اس طرح کے نیم ڈاکٹر یا انارکلی سائنسدان پہلے کوئی اصول نکال بیٹھتے ہیں جو کہیں لکھا ہے اور کہیں نہیں لکھا اور پھر جہاں وہ نہیں لکھا وہاں بھی اسے زبردستی تھپنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پھر اگر کہیں غلطی نکل آتی ہے تو اپنی بات کی پیچ مہوں پڑ کر ضد کرتے ہیں۔ بی۔ سی۔ جی۔ کا اصول سیدھا سادا یہ ہے کہ جس طرح کے زہر یا جس طرح کے کیڑوں سے کوئی بیماری پیدا ہوتی ہے اسی طرح کے زہر یا اسی طرح کے کیڑوں کو اگر ہم خود باہر سے لے کر جسم کے اندر داخل کر دیں تو جسم پھر اس بیماری کے حملے سے بچ جاتا ہے۔ کہا یہ جانا ہے کہ اس زہر یا ان کیڑوں کے جسم میں داخل ہوتے ہی جسم ان کے مقابلے کی تیاری کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح ہر معمولی بیماری میں بھی جسم خود بخود بیماری کے مقابلے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن تپدق کی صورت میں اس اصول کو لگانا بالکل غلط ہے کیونکہ تپدق ہوجانے پر جسم کے اندر کوئی ایسی نئی چیز یا نئی طرح کے کیڑے خود بخود پیدا نہیں ہوتے جو بیماری کا مقابلہ کریں۔ اس کے جواب میں بی۔ سی۔ جی۔ کے حاسی ہمیں بتاتے ہیں کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگالے سے ٹیکہ کی جگہ جو پھوٹ آتی ہے یا بخار اُجھاتا ہے اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ جسم اندر سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ غلط دلیل دہکر وہ چاہتا ہے کہ ہم ان سب خطروں کو اپنے سر پر لے لیں جو اس ٹیکہ سے ہمیشہ کے لئے پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی صرف دو برس تک بچے رہنے کی توثیق نہیں دیتے۔

اب ایک دلیل آنکروں کی دے جاتی ہے کہ کتلیں کے ٹیکہ اور کتلیں کو نقصان ہوا اور کتلیں کو نہیں ہوا۔ یہ آنکروں سے دھوئے گئے ہیں۔ ان سے احمک سے

اب تک وہی مانا جاتا ہے کہ جی۔سی۔جی کے ہاتھوں کا کتنا اثر ہے اور ان کے کتنا وصلے ہیں۔

میں فیر کھتا ہوں کہ جی۔سی۔جی۔ سائنس دانوں کی کمی ہے۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں، لیکن میں کبھی ڈر اور شاک ہی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سبھی دنیا کے بہت سے بڑے بڑے اور مشہور ڈاکٹروں کی صاف صاف رائے کے آدھار پر کہہ رہا ہوں۔ جو ہندوستانی ڈاکٹر سرکار کی ہیلتھ منسٹری نے جی۔سی۔جی۔ کے ٹیمے اگلے اور اُس کی تعریفیں کرنے کے لئے رکھے ہیں ان میں سے بڑے بڑے ڈاکٹر بھی آئے ہیں اور مشہور ڈاکٹر نہیں ہیں جنہوں نے دنیا کے وہ ڈاکٹر جن کے تجربوں اور جن کی رائے کے آدھار پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تپیدق کے زندہ کیڑوں کا ٹیکہ اس طرح سب بچوں کے لگانا غلط ہے اور اسے بند کر دینا چاہئے۔

بدقسمتی سے سرکار کی چلائی ہوئی کسی بھی بات کا جو لوگ رو رو کر کرتے ہیں انہیں ہمارے آجکل کے اخبار بھی زیادہ جگہ دیتے یا ان کی بات جتنا تک پہنچانے کے لئے بہت آدھک تیار نہیں ہوتے چاہے ان کی بات کتنی بھی سچی کہیں نہ ہو اور جتنا کے لئے کتنی بھی ضروری اور مفید کیوں نہ ہو۔ مہری غرض کوئی راج کاجی غرض نہیں ہے۔ اخبار جب کہیں کرپا کر کے مہری اس دشہ کی تقریریں یا مہرے لکھے ہوئے بیان چھاپ دیتے ہیں تب بھی جتنے ڈاکٹروں کے حوالہ میں دیتا ہوں ان سب کو وہ اپنے اخبار میں جگہ نہیں دے پاتے۔ اسی لئے مجھے یہ چھوٹا سا لکھ نکلنا پڑا۔ اس میں میں کچھ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی رائے دے رہا ہوں۔ اپنی بات میں لے کر سے کم کہی ہے۔

اس ٹیکے سے تپیدق ہو کر پھیپھڑے گل سکتے ہیں

پروفیسر ہیف جی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے ایک بہت بڑے حامی تھے۔ انکلوڈ کے "لینسٹ" (Lancet) اخبار میں جی۔سی۔جی۔ کے پکھی میں پروفیسر ہیف کا ایک لکھ نکلا۔ 5 مارچ سن 1955 کے "لینسٹ" میں پروفیسر ہیف کے جواب میں ڈاکٹر آر۔سی۔وسٹر کا ایک خط شائع ہوا۔ اس خط میں ڈاکٹر وسٹر نے در باتوں پر زور دیا ہے۔ پہلی یہ کہ مارچ سن 1955 تک پچیس سال سے اوپر کے تجربوں کے بعد بھی "کوئی آنکڑے اس بات کے ثبوت میں نہیں ملتا کہ جی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے لکھ سے آدمی کے اندر تپیدق کی بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ جاتی ہے۔" انہوں نے اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اس پر ابھی بہت سے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو شک ہے۔ دوسری بات انہوں نے اس خط میں یہ دہائی ہے کہ جی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے لکھ سے اس جگہ

میں یہ کہتا ہوں کہ جی۔سی۔جی۔ خطرناک ٹیم حکمی ہے میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ لیکن میں کبھی ڈر اور شاک کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سبھی دنیا کے بہت سے بڑے بڑے اور مشہور ڈاکٹروں کی صاف صاف رائے کے آدھار پر کہہ رہا ہوں۔ جو ہندوستانی ڈاکٹر سرکار کی ہیلتھ منسٹری نے جی۔سی۔جی۔ کے ٹیمے اگلے اور اُس کی تعریفیں کرنے کے لئے رکھے ہیں ان میں سے بڑے بڑے ڈاکٹر بھی آئے ہیں اور مشہور ڈاکٹر نہیں ہیں جنہوں نے دنیا کے وہ ڈاکٹر جن کے تجربوں اور جن کی رائے کے آدھار پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تپیدق کے زندہ کیڑوں کا ٹیکہ اس طرح سب بچوں کے لگانا غلط ہے اور اسے بند کر دینا چاہئے۔

بدقسمتی سے سرکار کی چلائی ہوئی کسی بھی بات کا جو لوگ رو رو کر کرتے ہیں انہیں ہمارے آجکل کے اخبار بھی زیادہ جگہ دیتے یا ان کی بات جتنا تک پہنچانے کے لئے بہت آدھک تیار نہیں ہوتے چاہے ان کی بات کتنی بھی سچی کہیں نہ ہو اور جتنا کے لئے کتنی بھی ضروری اور مفید کیوں نہ ہو۔ مہری غرض کوئی راج کاجی غرض نہیں ہے۔ اخبار جب کہیں کرپا کر کے مہری اس دشہ کی تقریریں یا مہرے لکھے ہوئے بیان چھاپ دیتے ہیں تب بھی جتنے ڈاکٹروں کے حوالہ میں دیتا ہوں ان سب کو وہ اپنے اخبار میں جگہ نہیں دے پاتے۔ اسی لئے مجھے یہ چھوٹا سا لکھ نکلنا پڑا۔ اس میں میں کچھ بڑے بڑے ڈاکٹروں کی رائے دے رہا ہوں۔ اپنی بات میں لے کر سے کم کہی ہے۔

اس ٹیکے سے تپیدق ہو کر پھیپھڑے گل سکتے ہیں

پروفیسر ہیف جی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے ایک بہت بڑے حامی تھے۔ انکلوڈ کے "لینسٹ" (Lancet) اخبار میں جی۔سی۔جی۔ کے پکھی میں پروفیسر ہیف کا ایک لکھ نکلا۔ 5 مارچ سن 1955 کے "لینسٹ" میں پروفیسر ہیف کے جواب میں ڈاکٹر آر۔سی۔وسٹر کا ایک خط شائع ہوا۔ اس خط میں ڈاکٹر وسٹر نے در باتوں پر زور دیا ہے۔ پہلی یہ کہ مارچ سن 1955 تک پچیس سال سے اوپر کے تجربوں کے بعد بھی "کوئی آنکڑے اس بات کے ثبوت میں نہیں ملتا کہ جی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے لکھ سے آدمی کے اندر تپیدق کی بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ جاتی ہے۔" انہوں نے اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اس پر ابھی بہت سے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو شک ہے۔ دوسری بات انہوں نے اس خط میں یہ دہائی ہے کہ جی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے لکھ سے اس جگہ

کی مثال جو فکد آتی ہے اس کی بات بہت سے بڑے بڑے ڈاکٹروں کی یہ مانہ آتی ہے کہ وہ پھینڈنا مرکز یہ ثابت نہیں کرتا کہ جس کے ٹیکہ لگا ہے وہ تھقی سے اب بچا ہی رہا۔

ڈاکٹر وینسٹر نے اس خط میں لکھا ہے کہ کی پروکسیر ہی نے اپنے بیان میں اس بات کو مانا ہے کہ آنکروں سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ بی . سی . جی . کے ٹیکے سے آدمی میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ جاتی ہے . ٹیکہ لگنے سے کھال کا پھینڈنا مرکز یہ ثابت نہیں کرتا کہ آدمی میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ گئی ہے . ڈاکٹر وینسٹر نے کئی بیماریوں کا ذکر کیا ہے جن میں اسی طرح کے ٹیکہ لگائے اور کھال کے پھینڈنے سے آدمی کے اندر بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھنے کا کوئی سمجھنا نہیں ہوتا اور کوئی بھی یہ نہیں مانتا کہ ان بیماریوں کے ٹیکے سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی کسی میں بڑھتی ہے . ڈاکٹر وینسٹر نے لکھا ہے کہ :—”کیا سچمچ ہمارے لئے یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم بچوں کے ماں باپ سے یہ کہیں کہ وہ اپنے بچوں کے اسی طرح کے ٹیکے لگائے دیں جن میں کچھ صورتوں میں ٹیکہ کی جگہ پھینڈنا آئے اور تھقی بہت تکلیف ہو جاوے اور ساتھ ہی تھوڑا سا بہت اس بات کا خطرہ بھی ہو کہ جس کے ٹیکہ لگایا گیا ہے اسے سچمچ دہی بیماری ہو جاوے اور یہ اس صورت میں جب کہ ٹیکہ کے اچھے نتیجوں کا ہمیں کوئی پکا علم نہیں ہے ؟“

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ :—”ہمیں یاد ہے کہ اسکراپٹ نیو (ایک طرح کا بخار) کے اسی طرح کے ٹیکہ لگائے کا بیس سال ہوئے کافی خبط چلا تھا . اب میں سمجھتا ہوں وہ ٹیکہ بالکل غلط ثابت ہو چکا اور چھوڑ دیا گیا . ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ نوکر کھانسی کے لئے بھی اسی طرح کے ٹیکہ لگائے گئے ہیں لوگوں نے کسی سمہ بہت جوش دکھایا تھا . پر اب سب مان گئے کہ وہ چار بھی بالکل بیکار تھی .“

وہ لکھتے ہیں کہ :—”یہ بات سب ماننے میں کہ بہت سے بڑے بڑے ہوشیار ڈاکٹر بی . سی . جی . کے بارے میں اب شک کرنے لگے ہیں اور حال میں ان شک کرنے والوں کی آواز بڑھتی جا رہی ہے . اس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے . قندقی شہر کے پھیپھڑوں کی بیماری کے سب سے بڑے ڈاکٹر مینٹلی نے لکھا ہے کہ سن 1947 سے لے کر سن 1951 تک ان کے شہر میں تھقی سے موتیں بہت گھٹ گئیں . پر وہاں اس عرصہ میں بی . سی . جی . کا ٹیکہ نہیں لگایا گیا تھا . دوسرے ہی احتیاط کے طریقے کام میں لائے گئے تھے .“

ڈاکٹر وینسٹر نے اس خط میں لکھا ہے کہ کی پروکسیر ہی نے اپنے بیان میں اس بات کو مانا ہے کہ آنکروں سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ بی . سی . جی . کے ٹیکے سے آدمی میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ جاتی ہے . ٹیکہ لگنے سے کھال کا پھینڈنا مرکز یہ ثابت نہیں کرتا کہ آدمی میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھ گئی ہے . ڈاکٹر وینسٹر نے کئی بیماریوں کا ذکر کیا ہے جن میں اسی طرح کے ٹیکہ لگائے اور کھال کے پھینڈنے سے آدمی کے اندر بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی بڑھنے کا کوئی سمجھنا نہیں ہوتا اور کوئی بھی یہ نہیں مانتا کہ ان بیماریوں کے ٹیکے سے بیماری کا مقابلہ کرنے کی شکتی کسی میں بڑھتی ہے . ڈاکٹر وینسٹر نے لکھا ہے کہ :—”کیا سچمچ ہمارے لئے یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم بچوں کے ماں باپ سے یہ کہیں کہ وہ اپنے بچوں کے اسی طرح کے ٹیکے لگائے دیں جن میں کچھ صورتوں میں ٹیکہ کی جگہ پھینڈنا آئے اور تھقی بہت تکلیف ہو جاوے اور ساتھ ہی تھوڑا سا بہت اس بات کا خطرہ بھی ہو کہ جس کے ٹیکہ لگایا گیا ہے اسے سچمچ دہی بیماری ہو جاوے اور یہ اس صورت میں جب کہ ٹیکہ کے اچھے نتیجوں کا ہمیں کوئی پکا علم نہیں ہے ؟“

19 مارچ سن 1955 کے ”ٹیلیگراف“ میں ایک اور مشہور

19 مارچ سن 1955 کے ”ٹیلیگراف“ میں ایک اور مشہور

ڈاکٹر ڈاکٹر ڈی. ای. براؤن نے لکھا ہے کہ—“ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ کھال کے پیہد آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمی آئندہ تپدق سے بچا رہے گا۔” وہ لکھتے ہیں کہ “بی. سی. جی. کے ٹیکے کے خلاف ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ دلیل بڑی پکی اور ایسی دلیل ہے جسے کوئی کھٹ نہیں سکتا۔” انہوں نے لکھا ہے کہ—“ایک تیسرے ڈاکٹر، ڈاکٹر براؤنکی (Brownke) نے یہ دہرایا ہے کہ بہت سے لوگوں کے ایک طرف ٹیکے کی جگہ کی کھال خوب پیہد بھی جاتی ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اُس کے بعد پیہد بڑے کل کر تپدق سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ کھال کے پیہد آنے سے جب بیماری سے بچت نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑی چیز ہے۔”

ڈاکٹر لاکسٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود پروفیسر ہیف نے یہ صاف لکھا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے تپدق کے بیکسکول نہ سیرے سے پیدا ہونے یا نہ ہونے پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر بیماری کوئی اثر پڑ سکتا ہے تو اُس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔” اب یہ کہہ سکتا ہے کہ “بی. سی. جی. کے ٹیکے سے نفع کی امید زیادہ ہے یا نقصان کی اور آدمی کے بچے رہنے کی امید زیادہ ہے یا بیمار ہو کر مرنے کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ پروفیسر ہیف نے خود اِس بات کو مانا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے شاید سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بہت سے دیشوں میں معمولی جنتا کو یہ غلط شواہس ہو جاتا ہے کہ وہ اب تپدق سے بچے رہیں گے۔ ہمیں اپنے کو اِس دھوکے میں نہیں رکھنا چاہئے کہ ٹیکے سے کھال کے پیہد آنے یعنی ٹیکے کا جاد پر ایک خاص اثر ہونے سے اور تپدق سے بچے رہنے سے کچھ بھی سمجھنا ہے۔”

16 مئی سن 1952 کے “لینسٹ” میں ڈاکٹر کیرول ای. پالمر ڈی. (Dr. Carroll E. Palmer M. D.) نے، جو کاپن ہیگن ٹی. وی. ریسرچ ٹیم کے ہیڈ ہیں، لکھا ہے کہ:—“لیکن آجکل تپدق کے بڑے سے بڑے ماہیروں میں بھی اس بات پر بہت مت پیہد ہے کہ تپدق کے ٹیکے کے کھال پر ایک خاص اثر ہونے یا نہ ہونے کا اصلی مطلب کیا ہوتا ہے۔ ہمارا گمان اِس بارے میں اتنا ادھورا ہے کہ ہمارے دذکر نے خاصی طور پر اِس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کا کھال پر جو اثر ہوتا ہے اُس کا کیا مطلب ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات اب ظاہر ہو چکی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بہت عام طور پر ہم جو کچھ جانتے تھے اور جو کچھ ہم نے مان رکھا تھا وہ سب پہلاد تھا۔ جو باتیں ہم ٹھیک سمجھتے تھے جب وہی غلط نکلیں تو اِس ٹیکے کے اُن بڑے بڑے تپدقوں کی بہت اچھی

ڈاکٹر ڈاکٹر ڈی. ای. براؤن نے لکھا ہے کہ—“ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ کھال کے پیہد آنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدمی آئندہ تپدق سے بچا رہے گا۔” وہ لکھتے ہیں کہ “بی. سی. جی. کے ٹیکے کے خلاف ڈاکٹر ہائسٹر کی یہ دلیل بڑی پکی اور ایسی دلیل ہے جسے کوئی کھٹ نہیں سکتا۔” انہوں نے لکھا ہے کہ—“ایک تیسرے ڈاکٹر، ڈاکٹر براؤنکی (Brownke) نے یہ دہرایا ہے کہ بہت سے لوگوں کے ایک طرف ٹیکے کی جگہ کی کھال خوب پیہد بھی جاتی ہے اور ساتھ ہی دوسری طرف اُس کے بعد پیہد بڑے کل کر تپدق سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ کھال کے پیہد آنے سے جب بیماری سے بچت نہیں ہوتی تو یہ بہت بڑی چیز ہے۔”

ڈاکٹر لاکسٹن نے یہ بھی لکھا ہے کہ خود پروفیسر ہیف نے یہ صاف لکھا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے تپدق کے بیکسکول نہ سیرے سے پیدا ہونے یا نہ ہونے پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر بیماری کوئی اثر پڑ سکتا ہے تو اُس پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔” اب یہ کہہ سکتا ہے کہ “بی. سی. جی. کے ٹیکے سے نفع کی امید زیادہ ہے یا نقصان کی اور آدمی کے بچے رہنے کی امید زیادہ ہے یا بیمار ہو کر مرنے کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ پروفیسر ہیف نے خود اِس بات کو مانا ہے کہ—“بی. سی. جی. کے ٹیکے سے شاید سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بہت سے دیشوں میں معمولی جنتا کو یہ غلط شواہس ہو جاتا ہے کہ وہ اب تپدق سے بچے رہیں گے۔ ہمیں اپنے کو اِس دھوکے میں نہیں رکھنا چاہئے کہ ٹیکے سے کھال کے پیہد آنے یعنی ٹیکے کا جاد پر ایک خاص اثر ہونے سے اور تپدق سے بچے رہنے سے کچھ بھی سمجھنا ہے۔”

16 مئی سن 1952 کے “لینسٹ” میں ڈاکٹر کیرول ای. پالمر ڈی. (Dr. Carroll E. Palmer M. D.) نے، جو کاپن ہیگن ٹی. وی. ریسرچ ٹیم کے ہیڈ ہیں، لکھا ہے کہ:—“لیکن آجکل تپدق کے بڑے سے بڑے ماہیروں میں بھی اس بات پر بہت مت پیہد ہے کہ تپدق کے ٹیکے کے کھال پر ایک خاص اثر ہونے یا نہ ہونے کا اصلی مطلب کیا ہوتا ہے۔ ہمارا گمان اِس بارے میں اتنا ادھورا ہے کہ ہمارے دذکر نے خاصی طور پر اِس بات کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کا کھال پر جو اثر ہوتا ہے اُس کا کیا مطلب ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بات اب ظاہر ہو چکی ہے کہ بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بہت عام طور پر ہم جو کچھ جانتے تھے اور جو کچھ ہم نے مان رکھا تھا وہ سب پہلاد تھا۔ جو باتیں ہم ٹھیک سمجھتے تھے جب وہی غلط نکلیں تو اِس ٹیکے کے اُن بڑے بڑے تپدقوں کی بہت اچھی

ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ٹھیک معلوم کرنے کا اور ثابت کرنے کا اسی طریقہ ہے۔“

اسکا मतलब یہ ہے کہ تپیدق اور उसके टीके की साईसी ब्लोज में लगी हुई दुनिया की एक बहुत बड़ी डाक्टरी संस्था भी अभी तक इस टीके की बाबत कोई अच्छी बात नहीं कह सकती और उसके बुरे नतीजों से डرتी है۔

آدمی کے جیسم میں جڑھریلے کیڑوں کو داخل کر دینا بہت بُرا ہے

لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹری کے پروفیسر پروفیسر جیمس مینڈلیس نے رائل سوسائٹی آف میڈیسن کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:—“ساہنسی نیاہ سے اس بات میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا کہ چاہے ہم کسی بھی پہلو سے دیکھیں کسی آدمی کے جسم میں اس طرح کے زہریلے کیڑوں کو داخل کر دینا جو بدن کے اندر جانکر بچے دے سکتے ہیں اور بڑھ سکتے ہیں، بہت ہی بُری بات ہے۔ جب یہ کیڑے بڑھ جاتے ہیں تو ہم کسی طرح یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ روگی کے اندر جو کیڑے داخل کئے گئے تھے وہ کس ماترا میں تھے۔ نتیجے پر پھر ہمارا کوئی قابو نہیں رہتا اور نتیجے اُنہی بڑے پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔“

پروفیسر وان پیرکے (Prof. Von Pirquet) نے، جو اپنے সময় کے بہت بڑے ماہر ڈاکٹر مانے جاتے تھے، سن 1930 میں کہا تھا:—“اس طرح کے ٹیکے سے تپدق کے کیڑے بدن کے اندر اپنی بستیاں بناسکتے ہیں جس کے نتیجوں کا ہمیں پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی خطرناک گروائی کو نہ پسند کیا جاسکتا ہے اور نہ برداشت کیا جاسکتا ہے۔“

امریکا کے ڈاکٹر جے۔ وائی۔ رینے (J. W. Rainey) نے لکھا ہے:—“ہم پہلے یہ سمجھتے تھے کہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا بیماری کا جواب ہو سکتا ہے۔ لیکن ٹائیس اخبار کے میڈیکل سیکشن میں بڑے سے بڑے امریکی ڈاکٹروں نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے جو خطرے پیدا ہو سکتے ہیں اُن کا نہ ابھی تک ہم پورا اندازہ لگا سکتے ہیں اور نہ انہیں روک سکتے ہیں۔“

اوپر کی ٹوٹی سی راہیں ان لوگوں کے جواب کے لئے تھیں جو بھارت کی ہیلتھ منسٹری کی طرف سے ماہر ہونے کا دایا کرتے ہیں اور ہیلتھ منسٹری کو سلاہ دیتے ہیں۔

امریکا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کی راہ بی۔ سی۔ جی۔ کے خلیا

امریکا میں بی۔ سی۔ جی۔ کے بڑے سے بڑے حامیوں میں ڈاکٹر مایرس (Dr. Myers) کا نام آتا تھا۔ لکھ

ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ٹھیک معلوم کرنے کا اور ثابت کرنے کا اسی طریقہ ہے۔“

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تپدق اور اُس کے ٹیکے کی سائنسی کوج میں لگی ہوئی دنیا کی ایک بہت بڑی ڈاکٹری سنسٹھا بھی ابھی تک اس ٹیکے کی بابت کوئی اچھی بات نہیں کہہ سکتی اور اُس کے بڑے نتیجوں سے ڈرتی ہے۔

آدمی کے جسم میں زہریلے کیڑوں کو داخل کر دینا بہت بُرا ہے

لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹری کے پروفیسر جیمس مینڈلیس نے رائل سوسائٹی آف میڈیسن کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا:—“سائنسی نگاہ سے اس بات میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جاسکتا کہ چاہے ہم کسی بھی پہلو سے دیکھیں کسی آدمی کے جسم میں اس طرح کے زہریلے کیڑوں کو داخل کر دینا جو بدن کے اندر جانکر بچے دے سکتے ہیں اور بڑھ سکتے ہیں، بہت ہی بُری بات ہے۔ جب یہ کیڑے بڑھ جاتے ہیں تو ہم کسی طرح یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ روگی کے اندر جو کیڑے داخل کئے گئے تھے وہ کس ماترا میں تھے۔ نتیجے پر پھر ہمارا کوئی قابو نہیں رہتا اور نتیجے اُنہی بڑے پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔“

پروفیسر وان پیرکے (Prof. Von Pirquet) نے، جو اپنے سے بہت بڑے ماہر ڈاکٹر مانے جاتے تھے، سن 1930 میں کہا تھا:—“اس طرح کے ٹیکے سے تپدق کے کیڑے بدن کے اندر اپنی بستیاں بناسکتے ہیں جس کے نتیجوں کا ہمیں پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی خطرناک گروائی کو نہ پسند کیا جاسکتا ہے اور نہ برداشت کیا جاسکتا ہے۔“

اوپر کی ٹوٹی سی راہیں ان لوگوں کے جواب کے لئے تھیں جو بھارت کی ہیلتھ منسٹری کی طرف سے ماہر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہیلتھ منسٹری کو صلاح دیتے ہیں۔

امریکا کے بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کی راہ بی۔ سی۔ جی۔ کے خلیا

امریکا میں بی۔ سی۔ جی۔ کے بڑے سے بڑے حامیوں میں ڈاکٹر مایرس (Dr. Myers) کا نام آتا تھا۔ لکھ

تجزیہ کے بارے کامیاب ثابت ہوئے۔ اس بارے میں ان نئیوں پر پوری ہے۔

“(1) بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے آبادی تپہ دق سے بچا رہتا ہے اس بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

“(2) جن جانوروں کے بی۔ سی۔ جی۔ لگایا گیا ہے انہیں یہ ٹیکہ تپہ دق سے نہیں بچا سکا۔ امریکا کے جانوروں کے ڈاکٹروں نے کافی تجزیہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ مریضوں میں تپہ دق کو روکنے کے کام میں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ بالکل بے اثر رہا۔

“(3) پچیس سال سے اوپر ہونے والوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگاتے ہوئے اس عرصہ میں دنیا بھر کے اندر ستر لاکھ سے زائد لوگوں کے ٹیکے لگ چکے ہیں۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ سچے معیار پر کارگر ہوتا تو اس کے کافی ثبوت اب تک ہمارے سامنے آگئے ہوتے۔ لیکن جن قوموں میں یہ ٹیکہ بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے ان میں نہ تپہ دق کی بیماری پر اس کے آچے اثر کا ثبوت ملتا ہے اور نہ تپہ دق سے موتوں پر اس کا کوئی اچھا اثر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کے خلاف انہی کے جن حصوں میں بی۔ سی۔ جی۔ ابھی تک نہیں لگا ہے ان میں تپہ دق سے بیمار بھی کم پڑے ہیں اور مرے بھی کم ہیں۔

“(4) یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے نقصان نہیں ہوتا۔ کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ جو کڑے دسی کے جسم میں داخل کر دیئے جاتے ہیں وہ ہرگز نہ سیڑوں ہرگز زندہ نہیں رہتے اور دھیرے دھیرے خطرناک نہیں ہوجاتے۔

“(5) اس ٹیکے کے کارآمد ہونے کی بات جو نئیوں پہلے نکالے گئے تھے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد باتوں سے نکالے گئے تھے۔

“(6) جنہیں ایک مرتبہ تپہ دق ہو چکا ہوگا اس کی تپہ دق سے دوبارہ نہیں ہوتی۔

“(7) اگر یہ ٹیکہ بڑے پیمانے پر لگائے جاتے رہے تو آجکل ہر قوم لوگ تپہ دق کا آزمائشی ٹیکہ لگاتے ہیں وہ بھی بے اثر ہے۔ اگر ہو جائے اور تپہ دق کے روک تھام کے جو طریقہ اب تک بہت کارگر بھی ہو سکتے ہیں انہیں بھی ہم کو یہ نہیں کہہ سکتا نام کے علاوہ وہ دور دور تک تپہ دق کی بیماری خاص کر بچوں میں روک دی گئی ہے اور یہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ ہے۔ یہ کامیابی ان زیادہ اچھے اور کارگر طریقوں سے ہوتی ہے جنہیں ہم اس سے پہلے کام میں لاتے رہے ہیں۔

“(8) اگر ہم بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے پر زور دیتے رہیں اس بات کا ترہ کہ لوگوں کو یہ غلط پورے بچائے جانے کے ٹیکے کی طرح بی۔ سی۔ جی۔ کا

تجزیہ کے بعد ڈاکٹر مائرس خود اس بارے میں اپنی کتابوں پر پوری ہے۔

“(1) بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے آدمی تپہ دق سے بچا رہتا ہے اس بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔

“(2) جن جانوروں کے بی۔ سی۔ جی۔ لگایا گیا ہے انہیں یہ ٹیکہ تپہ دق سے نہیں بچا سکا۔ امریکا کے جانوروں کے ڈاکٹروں نے کافی تجزیہ کرنے کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ مریضوں میں تپہ دق کو روکنے کے کام میں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ بالکل بے اثر رہا۔

“(3) پچیس سال سے اوپر ہونے والوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگاتے ہوئے اس عرصہ میں دنیا بھر کے اندر ستر لاکھ سے زائد لوگوں کے ٹیکے لگ چکے ہیں۔ اگر بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ سچے معیار پر کارگر ہوتا تو اس کے کافی ثبوت اب تک ہمارے سامنے آگئے ہوتے۔ لیکن جن قوموں میں یہ ٹیکہ بہت زیادہ استعمال کیا گیا ہے ان میں نہ تپہ دق کی بیماری پر اس کے آچے اثر کا ثبوت ملتا ہے اور نہ تپہ دق سے موتوں پر اس کا کوئی اچھا اثر ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کے خلاف انہی کے جن حصوں میں بی۔ سی۔ جی۔ ابھی تک نہیں لگا ہے ان میں تپہ دق سے بیمار بھی کم پڑے ہیں اور مرے بھی کم ہیں۔

“(4) یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے نقصان نہیں ہوتا۔ کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ جو کڑے دسی کے جسم میں داخل کر دیئے جاتے ہیں وہ ہرگز نہ سیڑوں ہرگز زندہ نہیں رہتے اور دھیرے دھیرے خطرناک نہیں ہوجاتے۔

“(5) اس ٹیکے کے کارآمد ہونے کی بات جو نئیوں پہلے نکالے گئے تھے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد باتوں سے نکالے گئے تھے۔

“(6) جنہیں ایک مرتبہ تپہ دق ہو چکا ہوگا اس کی تپہ دق سے دوبارہ نہیں ہوتی۔

“(7) اگر یہ ٹیکہ بڑے پیمانے پر لگائے جاتے رہے تو آجکل ہر قوم لوگ تپہ دق کا آزمائشی ٹیکہ لگاتے ہیں وہ بھی بے اثر ہے۔ اگر ہو جائے اور تپہ دق کے روک تھام کے جو طریقہ اب تک بہت کارگر بھی ہو سکتے ہیں انہیں بھی ہم کو یہ نہیں کہہ سکتا نام کے علاوہ وہ دور دور تک تپہ دق کی بیماری خاص کر بچوں میں روک دی گئی ہے اور یہ بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ ہے۔ یہ کامیابی ان زیادہ اچھے اور کارگر طریقوں سے ہوتی ہے جنہیں ہم اس سے پہلے کام میں لاتے رہے ہیں۔

“(8) اگر ہم بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے پر زور دیتے رہیں اس بات کا ترہ کہ لوگوں کو یہ غلط پورے بچائے جانے کے ٹیکے کی طرح بی۔ سی۔ جی۔ کا

کتابیں

'The Story Of My Life'—by M. K. Gandhi.

چھاپنے والے نوجھون پبلشنگ ہاؤس، احمدآباد؛ صفحہ 208؛ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے؛ زبان انگریزی۔

مہاتما گاندھی کی انگریزی آتم کہتا کو شری بہارتن کماریا نے 170 صفحہ میں اس خوبی کے ساتھ مختصر کیا ہے کہ دلچسپی اور زبان دونوں کی خوبصورتی ذرا بھی نہیں گھٹی ہے۔ کتاب کے آخر میں ڈاکٹر سی۔ این۔ زتشی نے 38 صفحہ میں کتاب سے تعلق رکھنے والے گرامر کے سبق دیئے ہیں۔ گاندھی جی کی آتم کہتا کا یہ چھوٹا ایڈیشن خاص طور پر ودیارتھوں کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ بیٹنی اسکول اور انٹرمیڈیٹ درجوں کے طالب علموں کے لئے یہ کتاب بڑے کام کی، شکاورد (سبق آموز) اور ان کے گھان کو بڑھانے والی ثابت ہوگی۔

Ashram Observances in Action—by M. K. Gandhi.

چھاپنے والے اوپر کے؛ صفحہ 151؛ قیمت ایک روپیہ۔ گجراتی سے انگریزی ترجمہ کرنے والے وال جی، گووند جی دیسائی۔

دکن افریقہ سے ہی گاندھی جی نے سماجی جھون کی بنیاد ڈالنے کے لئے آشرم قائم کرنے اور اس میں بہت سے خاندانوں کے ایک ساتھ ملکر رہنے کی پرمہرا قائم کی۔ الگ الگ دھوم ماننے والے، الگ الگ جاتی والے، الگ الگ رنگ والے کیسے پریم، سداچار اور مچھلی جیندگی بھیتاے ہوئے سب ایک ساتھ ملکر رہ سکتے ہیں یہ آشرم اسی مقصد سے گاندھی جی نے قائم کئے تھے۔ دکن افریقہ میں فنکس آشرم، احمدآباد میں پہلے کوچرب اور بعد میں ساہرمتی آشرم، اور اس کے بعد وردھا کے پاس سہواگرام آشرم گاندھی جی کے کیندر بنے۔

ان آشرم میں رہنے والے آشرم واسیوں کے لئے انہوں نے زندگی کے کچھ بنیادی اصول بیان کیے۔ وہ تھے سترہ پر آگرہ، پرارتھنا یعنی عبادت، اہلسا یا پریم، برہمچریہ یعنی نفس کشی، استیہ یعنی اپنے حق یعنی ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا چاہئے وہ پانی ہی کیوں نہ ہو، شرم دان یعنی جو محنت کرے اسی کو

دکن افریقہ سے ہی گاندھی جی نے سماجی جھون کی بنیاد ڈالنے کے لئے آشرم قائم کرنے اور اس میں بہت سے خاندانوں کے ایک ساتھ ملکر رہنے کی پرمہرا قائم کی۔ الگ الگ دھوم ماننے والے، الگ الگ جاتی والے، الگ الگ رنگ والے کیسے پریم، سداچار اور مچھلی جیندگی بھیتاے ہوئے سب ایک ساتھ ملکر رہ سکتے ہیں یہ آشرم اسی مقصد سے گاندھی جی نے قائم کئے تھے۔ دکن افریقہ میں فنکس آشرم، احمدآباد میں پہلے کوچرب اور بعد میں ساہرمتی آشرم، اور اس کے بعد وردھا کے پاس سہواگرام آشرم گاندھی جی کے کیندر بنے۔

ان آشرم میں رہنے والے آشرم واسیوں کے لئے انہوں نے زندگی کے کچھ بنیادی اصول بیان کیے۔ وہ تھے سترہ پر آگرہ، پرارتھنا یعنی عبادت، اہلسا یا پریم، برہمچریہ یعنی نفس کشی، استیہ یعنی اپنے حق یعنی ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا چاہئے وہ پانی ہی کیوں نہ ہو، شرم دان یعنی جو محنت کرے اسی کو

ان آشرم میں رہنے والے آشرم واسیوں کے لئے انہوں نے زندگی کے کچھ بنیادی اصول بیان کیے۔ وہ تھے سترہ پر آگرہ، پرارتھنا یعنی عبادت، اہلسا یا پریم، برہمچریہ یعنی نفس کشی، استیہ یعنی اپنے حق یعنی ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا چاہئے وہ پانی ہی کیوں نہ ہو، شرم دان یعنی جو محنت کرے اسی کو

گاندھی جی کے تھارو برص—ساتھ، پرم یا اہلسا، برہمچریہ، ابریکر (دولت پر نجی مالکانہ چھوڑنا) اسکیم (ضرورت سے زیادہ کسی چیز کو لینے کو چوری سمجھنا) شریر شرم، اسوان، اہلے (نڈرتا) سرو دھرم سمبھاؤ، اسپرشتالوارن اور سودیشی—گاندھی جی کے سماج وادی تھانچے کے بنیادی اصول تھے۔ گاندھی جی علی اصول وادی تھے۔ جو دوسروں کو کہتے تھے اچھے پہلے خود اپنی زندگی میں اُتارتے تھے۔ اس نقطہ نظر سے یہ کتاب بڑے کام کی ہے۔ ہماری سفارش ہے کہ ہر پڑھے لکھے ہندوستانی کو یہ کتاب، سماج واد کا اصلی مول آئینے کے لئے ضرور پڑھنی چاہیئے۔

—ویربمبھرناتھ پانڈے

—ویربمبھرناتھ پانڈے

700 PAGES,
22 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

ہماری رہنمائی

نہ چین کو مبارکباد !

نئے چین کو مبارکباد !

1 اکتوبر سن 1955 کو چین میں نئے چینی لوک راج (پیپلس ریپبلک آف چین) کی چھٹی سال-گیرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی . دنیا کے سب سوشلسٹ ریپبلکوں نے چین کے شاموں اور نیٹاؤں کو بدھائی دی . بھارت کے اشتراکی اور پردھان منتری نے بھی چین کے اشتراکی اور پردھان منتری کو اس شبہ آور پر بدھائی کے سندیہ بھیجے . بھارت چین منتری سنگھ کے پریسیڈنٹ نے دلی سے چین بھارت منتری سنگھ کے پریسیڈنٹ کو پیکنگ میں بدھائی کا تار بھیجا اور انہیں دشواری دلائی کہ بھارت کی جنتا دنیا میں شانتی قائم رکھنے اور دنیا کے دوسرے دیشوں کی جنتا کو آزاد اور خوشحال کرنے کی کوششوں میں چینی جنتا کا ہمیشہ پورا پورا ساتھ دے گی .

ان چھ برس کے اندر نئے چین نے جیوں کے ہر میدان میں جو زبردست ترقی کی ہے وہ دنیا بھر پر آجاکر ہوجی ہے . یہاں آئے دھرانے کی ضرورت نہیں ہے . نئے چین نے دنیا کے لوگوں کو اور ان لوگوں کو بھی جانتے نئے چین کے ارادوں پر کسی طرح کے شک نہ یہ ثابت کر دیا کہ نیا چین کسی سے لڑتا نہیں چاہتا . وہ سب دیشوں اور سب لوگوں کے ساتھ شانتی اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے . چین اور بھارت کے نیٹاؤں نے مل کر وہ پانچ اونچے سدھانت دنیا کے سامنے رکھے جو آج پانچ شہل کے نام سے مشہور ہیں ' جنہیں ایک دوسرے کے بعد دنیا کے سب دیش اپنی انتر راشٹریتی کے بنیادی اصول ماننے جارہے ہیں ' اور جنہوں نے بتا دیا کہ کمیونسٹ چین ان سب دیشوں کے ساتھ مترقا سے رہنا چاہتا ہے جو اُس کے ساتھ مترقا سے رہنا چاہیں . اس میں چین کی نظروں میں کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ مارکسسٹ اور غیر مارکسسٹ کا کوئی فرق نہیں .

کرپا میں ان پچھلی ملکوں کی فوجوں نے جن کی لوسروں پر حکومت کرنے کے دھن اور شمتی سے بھجا نڈھ اٹھانے کی ناپاک لاسا ابھی ختم نہیں ہوئی ہے

ان چھ برس کے اندر نئے چین نے جیوں کے ہر میدان میں جو زبردست ترقی کی ہے وہ دنیا بھر پر آجاکر ہوجی ہے . یہاں آئے دھرانے کی ضرورت نہیں ہے . نئے چین نے دنیا کے لوگوں کو اور ان لوگوں کو بھی جانتے نئے چین کے ارادوں پر کسی طرح کے شک نہ یہ ثابت کر دیا کہ نیا چین کسی سے لڑتا نہیں چاہتا . وہ سب دیشوں اور سب لوگوں کے ساتھ شانتی اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے . چین اور بھارت کے نیٹاؤں نے مل کر وہ پانچ اونچے سدھانت دنیا کے سامنے رکھے جو آج پانچ شہل کے نام سے مشہور ہیں ' جنہیں ایک دوسرے کے بعد دنیا کے سب دیش اپنی انتر راشٹریتی کے بنیادی اصول ماننے جارہے ہیں ' اور جنہوں نے بتا دیا کہ کمیونسٹ چین ان سب دیشوں کے ساتھ مترقا سے رہنا چاہتا ہے جو اُس کے ساتھ مترقا سے رہنا چاہیں . اس میں چین کی نظروں میں کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ مارکسسٹ اور غیر مارکسسٹ کا کوئی فرق نہیں .

کرپا میں ان پچھلی ملکوں کی فوجوں نے جن کی لوسروں پر حکومت کرنے کے دھن اور شمتی سے بھجا نڈھ اٹھانے کی ناپاک لاسا ابھی ختم نہیں ہوئی ہے

وہاں کے بڑے بڑے کاموں میں بابرہستی دھڑلے دھڑلے کر رہا تھا۔ کوئٹہ والوں کے لڑاکا کر فاکھا بٹانا چاہا۔ کوئٹہ کے بھادور سپاہیوں نے انکا ہٹ کر مٹا دیا کیا۔ نئے چین نے اس وقت تک دھڑلے نہیں دیا جب تک کہ لڑائی کی سرحد تک نہیں پہنچ گئی اور نئے چین کی ہمدستی پر ہر سہ ماہی کے گولوں نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ دوسروں کی آزادی کے دشمنوں کی نگاہیں کھول کر رہا ہے۔ نئے چین پر بھی لگی ہوئی ہیں۔ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا پلڑا پلٹا۔ ٹھیک اُس جہت کے سہ جب دنیا کے دوسرے شائق پر یہ دیکھیں گے، جن میں بھارت خاص تھا، چاہا کہ کوریا کا معاملہ شانتی کے ساتھ طے ہو جاوے اور چین کو اس کی اُسا دلائی نہ چین نے اپنے ہاتھ لڑائی سے کھینچ لئے۔ کوریا کی لڑائی کو بند کرنے میں چین کا حصہ سب سے زبردست، چین کے بھائی کو بڑھانے والا اور نئے چین کی آسن پسندی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

ہند چین (ہندو چین) کی لڑائی کو بند کرنے میں چین اور ہندو دونوں نے مل کر جو حصہ لیا ہے وہ ان دونوں دیکھوں کے لئے بڑے گورو کی چیز ہے۔

تائیوان (فارموسا) چین کے شہر کا ایک ٹکڑا ہے۔ کسی بھی بھر کی قوم کا وہاں داخل دینا اور اُسے اپنا فوجی اڈا بنانے دیکھنا انتہائی دشمنی ہے۔ تائیوان کے اُپر دیکھوں کو، جو تائیوان کے رہنے والے نہیں ہیں، چینی مہادیپ سے ہار کر اور بھاگ کر غیروں کی کرچوں کے سایہ میں وہاں پر پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ناہر میں کر لینا نئے چین کے لئے یانیں ہاتھ کا کھیل تھا اور تائیوان اور وہاں کی جنتا کو آزاد کرنا نئے چین کا فرض بھی ہے۔ پھر بھی نئے چین نے تائیوان کی لڑائی سے فی الحال اپنا ہاتھ کھینچ لیا اس لئے تاکہ دنیا کی جنتا جنگ کی ہمدستی سے بچی رہے، تائیوان کا یہ معاملہ بھی صلح صفائی ہی سے طے ہو سکے اور سب ملکوں کے بیچ شانتی اور دوستی قائم رہ سکے۔

دنیا کی انتہائی کٹھنوں میں سے ایک کٹھن ہے۔ چین کے رہنے والوں نے دنیا بھر پر یہ بھڑک کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لڑا کر اپنی ساٹھ کروڑ جنیتا کو سچی آزادی دلوائی ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیکھ اور دنیا کے سب سے اچھک شکتی شالی دیکھوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیکھوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے۔ یہی کلن ہے کہ نئے چین اور

دنیا کی انتہائی کٹھنوں میں سے ایک کٹھن ہے۔ چین کے رہنے والوں نے دنیا بھر پر یہ بھڑک کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لڑا کر اپنی ساٹھ کروڑ جنیتا کو سچی آزادی دلوائی ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیکھ اور دنیا کے سب سے اچھک شکتی شالی دیکھوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیکھوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے۔ یہی کلن ہے کہ نئے چین اور

دنیا کی انتہائی کٹھنوں میں سے ایک کٹھن ہے۔ چین کے رہنے والوں نے دنیا بھر پر یہ بھڑک کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لڑا کر اپنی ساٹھ کروڑ جنیتا کو سچی آزادی دلوائی ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیکھ اور دنیا کے سب سے اچھک شکتی شالی دیکھوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیکھوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے۔ یہی کلن ہے کہ نئے چین اور

دنیا کی انتہائی کٹھنوں میں سے ایک کٹھن ہے۔ چین کے رہنے والوں نے دنیا بھر پر یہ بھڑک کر دیا کہ وہ نیا چین جس نے کچھ سال پہلے دنیا کی سب سے بڑی سامراجی طاقتوں سے لڑا کر اپنی ساٹھ کروڑ جنیتا کو سچی آزادی دلوائی ہے وہی نیا چین شانتی کا سب سے بڑا دشمن بھی ہے۔ ایشیا کا سب سے شکتی شالی دیکھ اور دنیا کے سب سے اچھک شکتی شالی دیکھوں میں سے ایک ہونے ہونے بھی وہ دنیا کے سب دیکھوں کے ساتھ امن اور دوستی سے رہنا چاہتا ہے۔ یہی کلن ہے کہ نئے چین اور

وہاں کے لوگوں کا مان اور ان کے ساتھ ہم آواز دنیا بھر میں بڑھتا جا رہا ہے۔

اس سب کے ساتھ ساتھ نئے چین کے لوگوں نے اپنے دیہوں کے اندر کے چھوٹے چھوٹے شہروں سے سب سے پہلے اُنہیں جس طرح اُنہیں چاہئے، جس طرح دیہوں کی آرتھک اوسٹیا کو سدھارا ہے، کروڑوں چنتا کے سداچار کو اُوندھا کیا ہے، سارے دیہوں سے بیگانگی، چوری اور دہرائی کو مٹا کر اُسے ایک بھرا باغ بنا دیا ہے اُس کی دوسری مثال دنیا کے ابھی تک کے انہما میں آسانی سے نہیں مل سکتی۔

ایشیا اور افریقہ کے اُن دیہوں کے لئے جو ابھی تک غریبوں سے کچھ نہ کچھ دیے ہوئے اور انسانی ترقی کی دوز میں پھنسے ہوئے ہیں نیا چین سب سے بڑا آدرش اور سب سے بڑا سہارا ہے۔ دنیا کی چنتا کو ایک کرنے کے لئے نیا چین آج سب سے بڑی شکتی دکھائی دیتا ہے۔ کارن یہ ہے کہ نیا چین "چنتا کا چین" ہے۔ دنیا کی چنتا ایک ہے۔ کالی یا گوری، لال یا پھلی چنتا کہیں بھی ایک دوسرے سے لڑنا نہیں چاہتی۔ چنتا میں پریم ہے۔ چنتا میں ہی چلارہن ہیں۔ چنتا میں اذیت شکتی چھپی ہوئی ہے۔ وہ شکتی اب تیزی کے ساتھ جاگتی جا رہی ہے اور دنیا کو ایک کرتی جا رہی ہے۔ اُن سب باتوں میں جو ہوا، جو وچار اور جو اُمکیں چینی چنتا کے اندر جاگ چکی ہیں وہی بھارت کی چنتا کے دلوں میں ہلرے مار رہی ہیں۔ یہ دونوں پرلے دیہوں سے سچے معنی میں ادھیاتم پردھان دیہیں ہیں۔ دونوں کی پچھلی اندھیری صدیوں کی بہت کچھ کالہ دھل چکی ہے، باقی دھلتی جا رہی ہے۔ دونوں پر انسانی سماج کو اُس کے لکھن تک پہنچانے کے لئے زبردست ذمہ داری ہے۔ اِس لئے ہم "نیا ہند" پروار کی طرف سے نئے چین کی چنتا کو اُن کی اِس چھٹی سالگرہ کے اوسر پر دل سے بھائی دیتے ہیں، ہماری دلی اچھا ہے کہ چین کے لئے یہ دن ہزاروں سال تک بڑھتی ہوئی شان اور چمک دمک کے ساتھ بار بار آتا رہے۔ ہماری یہ بھی اچھا ہے کہ مانو سماج کی سچی سیوا کے لئے ہندستان اور چین کی دوستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے !

1. 10. '55

—سندھ لال

—سندھ لال

1. 10. '55

یہ کیوں ؟

دش میں سرکاری طرف سے نپدی کے 'نیکہ کا کام' جسے بی. سی. جی کا نیکہ کہا جاتا ہے برابر جاری ہے۔ خاص کر اسکولوں کے اندر جگہ جگہ ایک طرف سے سب بچوں کے یہ نیکہ لگائے جا رہے ہیں۔ دہلی کے کچھ عکاشوں

یہ کیوں ؟

دش میں سرکاری طرف سے نپدی کے 'نیکہ کا کام' جسے بی. سی. جی کا نیکہ کہا جاتا ہے برابر جاری ہے۔ خاص کر اسکولوں کے اندر جگہ جگہ ایک طرف سے سب بچوں کے یہ نیکہ لگائے جا رہے ہیں۔ دہلی کے کچھ عکاشوں

نے اس टीके का विरोध किया. इनमें दो खास नाम श्री. सा. राजागोपालाचारी और श्री विनोबा भावे के हैं. राजा जी के कई बयान और भाषण इस विषय पर समाचार पत्रों में छप चुके हैं. सरकारी अफसरों ने इस विरोध की कोई परवाह नहीं की. यहां तक कि कुछ सरकारी अफसरों और राजा जी के बीच थोड़ी बहुत बहसा बहसी भी हुई. देश के कई बड़े बड़े डाक्टरों ने राजा जी का समर्थन किया. राजा जी ने अपने एक बयान में कहा है कि सरकार ने किसी सरकुलर के जरिये देश के डाक्टरों, खास कर सरकारी नौकरी को, यह हिदायत दी है कि वह देश के मामूली अखबारों के अन्दर इस विषय पर अपनी राय जाहिर न करें और अगर उन्हें कुछ कहना ही हो तो साईंसी डंग से साईंसी पत्रिकाओं के अन्दर कहें. राजा जी का कहना है कि इस पर बहुत से डाक्टरों को डर हो गया कि अगर वह सरकार की पालिसी के खिलाफ बी० सी० जी० के टीके पर कोई राय जाहिर करेंगे तो उनका रजिस्ट्रेशन छिन सकता है. भारत सरकार की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृत कौर ने पार्लिमेंट के अन्दर कहा कि राजाजी का यह कहना कि डाक्टरों पर इस तरह का दबाव डाला गया है गलत है. हम इस बारे में केवल इतना ही कह सकते हैं कि सब कई तरह के होते हैं. अदालती या कानूनी सब एक अलग चीज है, सरकारी या राजकाजी सब दूसरी चीज है और मामूली जनता का सब तीसरी चीज है. राजा जी के चरित्र और उनकी निस्वार्थता से भी देश अच्छी तरह परिचित है. जो हो, इतने दिनों की बहसा बहसी के बाद भी सरकार का टीके लगाने का काम बेधड़क जोरों के साथ जारी है, और राजा जी ज्यों के त्यों अपनी बात पर डटे हैं.

हाल में राजा जी ने अंग्रेजी में एक छोटी सी पुस्तिका प्रकाशित की है जिसमें उन्होंने दिखाया है कि वह बी० सी० जी० का विरोध क्यों करते हैं. इसमें उन्होंने यह भी लिखा है कि इस पुस्तिका के निकालने की उन्हें जरूरत क्यों पड़ी. हम इस बी० सी० जी० के मामले में राजा जी राय से पूरी तरह सहमत हैं. इसलिये हम अपना फर्ज समझकर राजा जी की पुस्तिका का हिन्दुस्तानी अनुवाद पाठकों की भेंट कर रहे हैं. हम चाहते हैं कि हमारे अधिक से अधिक देशवासी इसे पढ़कर या सुनकर लाभ उठावें.

14. 10. '55

—सुन्दरलाल

“दुनिया की माताओं की कांग्रेस”

दुनिया को जंग के खतरे से बचाने और दुनिया में अमन क़ायम रखने के लिये जो कोशिशें आज जगह जगह हो रही हैं उनमें एक बहुत बड़ी कोशिश दुनिया भर की माताओं की कांग्रेस है जो 7 जुलाई 1955 से 10 जुलाई 1955

ने इस ठीके का उद्देश्य किया. इन में दो खास नाम श्री. राजा गोपालाचारी और श्री विनोबा भावे के हैं. राजा जी के कई बयान और भाषण इस विषय पर समाचार पत्रों में छप चुके हैं. सरकारी अफसरों ने इस विरोध की कोई परवाह नहीं की. यहां तक कि कुछ सरकारी अफसरों और राजा जी के बीच थोड़ी बहुत बहसा बहसी भी हुई. देश के कई बड़े बड़े डाक्टरों ने राजा जी का समर्थन किया. राजा जी ने अपने एक बयान में कहा है कि सरकार ने किसी सरकुलर के जरिये देश के डाक्टरों, खास कर सरकारी नौकरी को, यह हिदायत दी है कि वह देश के मामूली अखबारों के अन्दर इस विषय पर अपनी राय जाहिर न करें और अगर उन्हें कुछ कहना ही हो तो साईंसी डंग से साईंसी पत्रिकाओं के अन्दर कहें. राजा जी का कहना है कि इस पर बहुत से डाक्टरों को डर हो गया कि अगर वह सरकार की पालिसी के खिलाफ बी० सी० जी० के टीके पर कोई राय जाहिर करेंगे तो उनका रजिस्ट्रेशन छिन सकता है. भारत सरकार की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृत कौर ने पार्लिमेंट के अन्दर कहा कि राजाजी का यह कहना कि डाक्टरों पर इस तरह का दबाव डाला गया है गलत है. हम इस बारे में केवल इतना ही कह सकते हैं कि सब कई तरह के होते हैं. अदालती या कानूनी सब एक अलग चीज है, सरकारी या राजकाजी सब दूसरी चीज है और मामूली जनता का सब तीसरी चीज है. राजा जी के चरित्र और उनकी निस्वार्थता से भी देश अच्छी तरह परिचित है. जो हो, इतने दिनों की बहसा बहसी के बाद भी सरकार का टीके लगाने का काम बेधड़क जोरों के साथ जारी है, और राजा जी ज्यों के त्यों अपनी बात पर डटे हैं.

हाल में राजा जी ने अंग्रेजी में एक छोटी सी पुस्तिका प्रकाशित की है जिसमें उन्होंने दिखाया है कि वह बी० सी० जी० का विरोध क्यों करते हैं. इसमें उन्होंने यह भी लिखा है कि इस पुस्तिका के निकालने की उन्हें जरूरत क्यों पड़ी. हम इस बी० सी० जी० के मामले में राजा जी राय से पूरी तरह सहमत हैं. इसलिये हम अपना फर्ज समझकर राजा जी की पुस्तिका का हिन्दुस्तानी अनुवाद पाठकों की भेंट कर रहे हैं. हम चाहते हैं कि हमारे अधिक से अधिक देशवासी इसे पढ़कर या सुनकर लाभ उठावें.

—सुन्दरलाल

14. 10. '55

“दुनिया की माताओं की कांग्रेस”

दुनिया को जंग के खतरे से बचाने और दुनिया में अमन क़ायम रखने के लिये जो कोशिशें आज जगह जगह हो रही हैं उनमें एक बहुत बड़ी कोशिश दुनिया भर की माताओं की कांग्रेस है जो 7 जुलाई 1955 से 10 जुलाई 1955

تک یورپ کے مشہور شہر لندن میں ہوئی۔ اس کانگریس میں دنیا کے چھٹے دیشوں سے، جن میں امریکا، انگلینڈ، فرانس، روس، چین اور ہندوستان سب شامل تھے، ایک ہزار سے اوپر مائیں جمع ہوئی تھیں۔ ان میں چھ مہادیہوں، سب دھرموں اور سب بولوں والی مائیں موجود تھیں۔ دنیا کی تاریخ میں اپنی قسم کی یہ پہلی کانگریس تھی۔

چار دن کی بھس کے بعد جہاں کسلا ان ایک ہزار سے زور ماآوں نے ایک رای سے دنیا کے سامنے رکھا اس کے کھڑ باکھ ہم نیچے دتے ہیں :—

“کھاسٹھ ملکوں اور سب مہادیہوں سے آنے والی، االگ االگ بالیوں والی، االگ االگ باریک برباس، االگ االگ ببار اور ترھ ترھ کے ساماآکک ہالاکت میں رھنے والی ہم اورتوں اور ماآے ہتہاس میں پھلی بار اس کانگریس میں جما ہئی ہیں۔

“ہم سب ایک ہی پک کے ہراڈے کے ساآ جما ہئی ہیں اور بھ یھ ہے کک آپنے بککوں کو آنگ کے ہر ترھ کے کھترے سے بکابوں اور انھیں سول اور آئن کے ساآ آہندا رھنے کا موکھا دے۔

“یھ کانگریس آنگ سے پءا ہونے والی موسیبتوں سے آؤج رھی ہے۔ دوسری بڈی آنگ نے آین کروزوں کو کلاآیا، آین بککوں کو مٹا ڈالا اور آس ترھ دنیا کے ہنسانوں کو رآج اور رام میں ڈوبا دیا اسے ہم بھل نہیں سکتی۔ چار کراڈ سے زور آءامو اس آنگ میں مرے، آین کراڈ سے زور آکھمی یا ہمیشا کے لیکے بکار ہو گآ، کراڈوں یتم ہو گآ، کراڈوں اس کے باڈ دربرتا اور آکال کا شکار ہوآ۔ ن آانے کتانی زممیڈے ڈوٹی، کتانی کی ککابلیاتے مٹری میں مل گئی۔ کتانی برباڈ ہو گآ !

“ان تمام موسیبتوں کو یاڈ رکتے ہوآ ہم اس پک کے ہراڈے کے ساآ جما ہئی ہیں کک آب ہم نڈ آکھ ہونے ڈوگی۔ ہمانے یھاں ایک دوسرے کو آان اور پھآان لیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے پآار ہے۔ ہمانے اس باآ کو بھی ڈکھ لیا ہے کک ہم ماآوں میں کتانی بڈی شاکت آپی ہئی ہے۔ آہ آہ ہم میں ایک دوسرے سے فکڑ کرتی ہیں بھ آکھ اور آوٹی ہیں، آہ ہمیں ایک دوسرے سے مٹاآی ہیں بھ آہم اور بڈی ہیں، ہم اس باآ کو آکھئی ترھ سمکھ گئی ہیں کک کوئی کارآ نہیں ہے کک دنیا کی االگ االگ ککریں ایک دوسرے کی ڈشمان بن کر رھیں۔ یھ دنیا کا آکی بڈی ہے، اس میں سب کے لیکے آؤجاہش ہے۔ سب ملکر آمن سے رھ سکتے ہیں۔

“لکین دنیا میں آب تک االگ االگ ملک ہتہازوں کی ڈوز میں ایک دوسرے سے بربھ کی کرکھ کرتے رھتے، آب تک االگ االگ ککریں اال اور آکھارے ہتہ

تک یورپ کے مشہور شہر لندن میں ہوئی۔ اس کانگریس میں دنیا کے چھٹے دیشوں سے، جن میں امریکا، انگلینڈ، فرانس، روس، چین اور ہندوستان سب شامل تھے، ایک ہزار سے اوپر مائیں جمع ہوئی تھیں۔ ان میں چھ مہادیہوں، سب دھرموں اور سب بولوں والی مائیں موجود تھیں۔ دنیا کی تاریخ میں اپنی قسم کی یہ پہلی کانگریس تھی۔

چار دن کی بھس کے بعد آہنا آو نیصلہ ان ایک ہزار سے زور ماآوں نے ایک رائے سے دنیا کے سامنے رکھا اس کے ککھ واکھ ہم نیچے دتے ہیں :—

چھٹے ملکوں اور سب مہادیہوں سے آئے والی، االگ االگ بولوں والی، االگ االگ دھارمک وشواس، االگ االگ وچار اور طرح طرح کے سامآکک حالات میں رھنے والی ہم عورتیں اور مائیں انہاس میں پہلی بار اس کانگریس میں جمع ہوئی ہیں۔

”ہم سب ایک ہی پک کے ارآڈے کے ساآ جما ہوئی ہیں اور وہ یہ ہے کک آپنے بککوں کو آنگ کے ہر طرح کے کھترے سے بکابوں اور انہیں سکھ اور آین کے ساآ زڈہ رھنے کا موآع دیں۔

”یہ کانگریس آنگ سے پیدا ہونے والی مصیبتوں سے آؤج رھی ہے۔ دوسری بڈی آنگ نے آین کروزوں کو کلاآیا، آین بککوں کو مٹا ڈالا اور آس طرح دنیا کے انسانوں کو رآج اور غم میں ڈوبا دیا آہ ہم بھول نہیں سکتیں۔ چار کروز سے اوپر آدمی اس آنگ میں مرے، آین کروز سے اوپر زخمی یا ہمیشہ کے لٹے پے کار ہو گئے، کروزوں یتم ہو گئے، کروزوں اس کے بعد دربرتا اور آکال کا شکار ہوئے۔ نہ آانے کتانی آسیدیں ٹوٹیں، کتانی ہی قابلقوی مٹی میں مل گئیں۔ کتنے برباڈ ہو گئے !

”ان تمام مصیبتوں کو یاڈ رکتے ہوئے ہم اس پک کے ارآڈے کے ساآ جما ہوئی ہیں کک آب ہم نئی آنگ نہ ہونے ڈینگی۔ ہم نے یہاں ایک دوسرے کو آان اور پھآان لیا ہے۔ ہمیں ایک دوسرے سے پآار ہے۔ ہم نے اس بات کو بھی ڈیکھ لیا ہے کک ہم ماآوں میں کتانی بڈی شاکت آپی ہوئی ہے۔ آہ آہ ہمیں ایک دوسرے سے فرق کرتی ہیں وہ آکھ اور آوٹی ہیں، آہ ہمیں ایک دوسرے سے مٹاآی ہیں وہ آہم اور بڈی ہیں۔ ہم اس بات کو آکھئی طرح سمکھ گئی ہیں کک کوئی ککریں نہیں ہے کک دنیا کی االگ االگ ککریں ایک دوسرے کی ڈشمن بن کر رھیں۔ یہ دنیا کا آکی بڈی ہے، اس میں سب کے لٹے ککجائے ہیں۔ سب ملکر آمن سے رھ سکتے ہیں۔

”لکین دنیا میں آب تک االگ االگ ملک ہتہازوں کی ڈوز میں ایک دوسرے سے بربھ کی کرکھ کرتے رھتے، آب تک االگ االگ ککریں اال اور آکھارے ہتہ

ہوں گے، جب تک ایک دوسرے کی ہینسا کی جاتی رہے گی اور جگہ کا پریوینکٹا کیا جاتا رہے گا، جب تک پेटمی ہتھیار جما ہوتے رہیں گے اور ان کے ہتھیار بڑھتے رہیں گے، جب تک الگ الگ سرکاروں نے ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، تب تک دنیا کے امن کو خطرہ بنا رہے گا۔

”ہر آدمی کو یہ حق ہے کہ وہ آزاد زندگی بسر کرے اور دوسرے کی قومی آزادی کی بھی عزت کرے۔ امن قبول اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔“

”آج ہم نے یہ جان لیا ہے کہ جگہ ضروری نہیں ہے۔ جنگ کو روکا جا سکتا ہے اور امن قائم رہ سکتا ہے۔“

”دنیا کے کچھ لوگوں نے ہراوا کیا اور کورییا اور ویتنام میں دونوں جگہ جگہ رک گئی۔“

”ہالڈنگ کانفرنس میں جو دس اصول قائم کئے گئے ان میں سے ماحولم ہوتا ہے کہ الگ الگ ویسٹیا یا نظام رکھنے والے دیہات ہی ملکر امن سے رہ سکتے ہیں۔“

”آسٹریا کے سولہ ناموں سے ثابت ہے کہ دنیا کے سب سوالوں کا حل مل سکتا ہے۔“

”ہتھیار بندی کے سوال پر سمجھوتہ صاف ممکن دکھائی دے رہا ہے۔“

”ہم عورتیں آدمی انسانی قوم ہیں۔ اپنے بچوں کی طرف اور دنیا کے سب لوگوں کی طرف ہماری بھی زبردست ذمہ داریاں ہیں۔“

”سب دیشوں کی ماؤں سے ہمارا کہنا ہے کہ ماؤں! یہ دنیا بھر کی ماؤں کی کانگریس تمہیں پریم اور ایکٹا کا سدھیش ہو جاتی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بچوں کے پیدا کرنے، پالنے اور انہیں آدمی بنانے میں کتنا وقت لگتا ہے اور کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ہم اپنے بچوں کو جیون دیتی ہیں، ہم اُس جیون کو برباد ہوتے نہیں دیکھنا چاہتیں۔“

”ہم جنگ نہیں ہونے دینگے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہم یہ برداشت نہیں کر سکتیں کہ جب کہ بے شمار انسان ہتھیاروں میں پھنسے ہوئے ہیں اور کھربوں روپیہ جنگ کی تھاریوں میں پھونکا جا رہا ہے۔“

”ہتھیار اور ہتھیاروں کی دور ختم ہونی چاہئے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ جو روپیہ ہتھیاروں کے بنانے میں خرچ کیا جاتا ہے وہ مکانات، اسکولوں، زچہ خانوں کے بنانے میں اور ہمارے بچوں کو جیون کا سک پھونچانے میں خرچ کیا جاوے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”ہماری یہ مانگ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کا ہٹنا بند کیا جائے اور جو ہیں اُن کو نشٹ کر دیا جائے۔“

”جب تک ہمارا یہ وعدہ پورا نہیں ہوگا ہم چین نہیں چھوڑیں گے۔“

”سب देशوں کی औरتوں سے ہمارا کہنا ہے بھنوں! ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارے سب کے بچے ایک دوسرے کو قتل کریں۔ ہم اپنے بچوں کو سیکھانا چاہتے ہیں کہ وہ سب دیشوں اور سب قوموں کے لوگوں سے پیار کریں۔ ہم اس بات کی ہرجائز نہیں دے سکتے کہ ہمارے بچوں کو ایک دوسرے سے نفرت اور ایک دوسرے کے ساتھ بدتمیزی کا پرتاؤ سکھائیں کہ ان کے دلوں اور دماغوں کو گندہ کیا جائے۔“

”سب بچے چاہے وہ گورے ہوں، یا پیلے، یا کالے، برابر ہیں۔ سب کے برابر کے حقوق ہیں۔ سب کو جان پیاری ہے۔ سب کی رक्षा ہونی چاہی ہے۔“

”ہماری کانگریس نے یہ دکھا دیا ہے کہ تمام دنیا کی عورتیں ایک دوسرے کی مہتر ہیں۔“

”ہم یہ پرتکاپ کرتی ہیں کہ ہم ملکر دھولکی اور اپنے بچوں کو جنگ سے بچانے کے لئے، ہتھیار بندی کرانے کے لئے اور دنیا کی تمام قوموں میں دوستی کرانے کے لئے بار بار ملتی دھولکی۔“

”ہمارے کروڑوں ہاتھ ساری زمین پر پھیل کر انسانی دوستی اور انسانی محبت کو مضبوط کرتے دھولکی۔“

یہ اعلان 10 جولائی سن 1955 کو لاہور میں دنیا کی مائوں کی کانگریس میں ایک رائے سے پاس ہوا۔ اس اعلان کی مائیں دنیا کے ہر حصے دیشوں کی سرکاروں کو اور یو۔ این۔ او۔ کے دفتر کو بھیجی گئیں۔ مائوں کی ایک استھانی کمیٹی بھی مادی گئی جس کا کام ہونا دنیا بھر کی مائوں میں دوستی کو بڑھانا اور مضبوط کرنا اور دنیا بھر کے بچوں کو جنگ کے خطرے سے بچانے دھولکی۔

ہم اس کانگریس کی تجویز کرنے والی اور اس میں شریک ہونے والی دنیا بھر کی سب مائوں اور بہنوں کو دل سے دھانی دیتے ہیں۔ آج تک اس کے لئے جتنی کوششیں کی گئی ہیں اور کی جارہی ہیں ان میں سب سے مبارک سب سے زبردست اور سب سے شہ نسیب یہی کوشش ہے۔ نمبرتی میں لکھا ہے:—”جہاں نارہوں کی پوجا ہوتی ہے وہاں دیوتا آکر رہتے ہیں۔“ محمد صاحب کی ایک شہر حدیث ہے:—”اس میں شک نہیں کہ جنت مائوں کے قدموں کے نیچے دھولکی ہے۔“ اس شہ لکھن کے ہمد میں برا یقین ہے کہ دنیا اب کئی جنگ کے خطرے میں نہیں رہ سکتی۔

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرٹک साहित्य

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस नाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—परिचित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

मुमर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سمبندھ میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندھ کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسا اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولاہ—ڈیڑ روپیہ

مہاتما زر تھوسٹرو اور ایرانی سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودوں کا دھرم اور سامی سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

سمیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

لیکھک—وشومہر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنڈرہ)

لیکھک—شری منجیب رضوی، قیمت—دو روپیہ

آگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑ روپیہ

قرآن اور دھارمک متبھید

لیکھک—مولانا ابوالکلام آزاد، قیمت—ڈیڑ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاں کا سنڈرہ)

لیکھک—رگوبتی سہائے فراق، قیمت—تین روپیہ

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مئی گانج ہلالاھلالاھ 145 مئی گانج، الہ آباد

हिन्दी घर

कलचर पर हर तरह की किताबें मिलने का एक बड़ी केन्द्र—पाठक हिन्दी, उर्दू, अंग्रेजी की अपनी मन-पसन्द किताबों के लिये हमें लिखें।

हमारी नई किताबें

महात्मा गान्धी की वसीयत

(हिन्दी और उर्दू में)

लेखक—गान्धीवाद के माने जाने

विद्वान : श्री मंजर अली सोरठा

सफे 225, कीमत दो रुपया

— : ० : —

गान्धी बाबा

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

लेखिका—क्रुदसिया जैदी

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

मोटा कागज, मोटा टाइप, बहुत-सी रंगीन तस्वीरें

दाम दो रुपया

— : ० : —

पंडित सुन्दरलाल जी की लिखी किताबें

गीता और कुरान

275 सफे, दाम ढाई रुपया

हिन्दू मुसलिम एकता

100 सफे, दाम बारह आने

महात्मा गान्धी के बलिदान से सबक

कीमत बारह आने

पंजाब हमें क्या सिखाता है

कीमत चार आने

बंगाल और उससे सबक

कीमत दो आने

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

145 मुट्ठोगंज इलाहाबाद

हिन्दी घर

नापूर पर हर طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لیکھک—گاندھی داس کے مانے جانے

ویدوان : شری منظر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : ० : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لیکھک—قدسیہ زیدی

بیرنگ—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاغذ، موتا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دوم دو روپیہ

— : ० : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیٹا اور قران

275 صفحہ، دام تھائی روپیہ

ہندو مسام ایکتا

100 صفحہ دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگل اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندستانی کلچر سوسائٹی

145، مٹی گنج الہ آباد

نیا حصہ

اس نمبر کے خاص لیکھ

اس نمبر کے خاص لیکھ

دوم اور راج نیتی

—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

میل مینا پ کا संगम—बंगाल

میل ملاپ کا سنگم—بنگال

—ڈاکٹر لतीف دفتری

—ڈاکٹر لطیف دفتری

ایم. اے. اے. قی. فل. ام. اے., ڈی. فیل.

رام نام دھن جاگو! (ایکانکی نائک) (एकांकी नाटक)

—شری سادشو ٹی. ایل. وشنوونی

تپےدیکر کا ٹیکہ

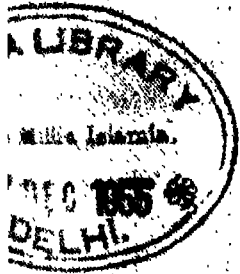
—شری چکرورنی راجاگوپالاچاری

دوستی اور تلچری سہوگ کی راہ پر

—شری ولیمیر یاگوولینو

اس کے علاوہ

دیس بیہس کے مسئلوں پر ہماری راہ میں ضروری سمپاد کی نوٹ



نئی کلتچر سوسائٹی، ایلاہاباد



دہلی کی کلتچر سوسائٹی

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

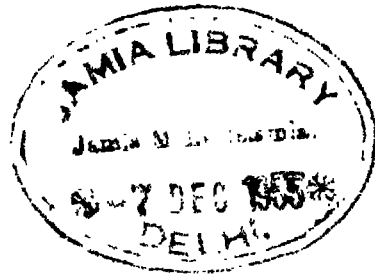
Can be had from —

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا ادب و فن

نمبر 5 نمبر جلد 20 جلد



نومبر 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈل گنج، دہلی

145 مڈل گنج، دہلی

کیا کس سے	صفحہ	سفر
1. کلہان جاتری (کویتا)
— شری گنونت مہتا	251	...
2. دھرم اور راج نہتی
— ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت	253	...
3. میل ملاپ کا سنگم—بنگال
— ڈاکٹر لطیف دفتری ایم. اے. بی. اے. ڈی. اے. 266	266	...
4. رام نام دھن جاکو ! (ایکانکی نائک)
— شری سادھو ٹی. ایل. وسمانی	270	...
5. رختنترتا کی یاترا کی تیسری پیڑی
— لکھت— شری مکن بھائی دیسائی
— انورادک— کنبو بھائی نانالال پٹیل	274	...
6. تپدیق کا ٹیکہ
— شری چکرورتی راجا گوپالاجاری	277	...
7. محمد صاحب کی کچھ حدیثیں
— انورادک شری محبوب رضوی	293	...
8. دوستی اور کلچری سہیوگ کی راہ پر
— شری ولیمیمیریا گولڈو	299	...
9. ہماری رائے
— شری بلگاتن اور شری کھرچچو بھارت
— میں— سندرلال

کلیان جاتری

کلیان جاتری

شی گونہنت مہتا

شی گونہنت مہتا

ہر ہر بڑے دین ہٹارا ہر ہر گئے نارا;
"دے دو ہم کو بھٹی اپنی کرتا ہوں بٹوارا!"
بھٹی، کرتا ہوں بٹوارا!

کون ہے دھلا پتلا پورا لہری دارھی والا؟
لاٹھی تھامے ڈنگ چلتا چھوٹی دھوتی والا؟
ہاتھ کی پرچھائیں کا سا کس نے روپ سنوارا؟
ہاں، کس نے روپ سنوارا!

کیا کہتا ہے سب کے آگے اڑتی ذلنوں والا؟
"میں بھی ایک تمہارا بیٹا، میں بھی دھتسے والا!"
"دے دو تم کو میرا دھتسا"—کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!
بھٹی، کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!

ایکڑ چھتیس کوٹی بھٹی ہری بھٹی ایللی;
"سپتہم دھتسا کرو ہوالے ہر دو میری مچولی!"
آواز کی آواز لیتی ہوتا سون سونہرا!
ہاں، ہوتا سون سونہرا!

کیوں چاہے ہے بھٹی ہماری بھٹی کا متوالا;
آب، ہوا اور دھرتی کا ہے ہر کوئی حق والا.
ایک نظر سے سب کو دیکھے سب کا سرجن ہارا!
بھٹی، سب کا سرجن ہارا!

کڑکڑ، مچھروں، دھتسوں اور دین دلت کا پھارا;
بھٹس، موہتاؤں، ماسوں کی آوازوں کا تارا!
ماتحتا کی بھٹس کھڑا ہر-ہر مائگن ہارا!
ہاں، ہر-ہر مائگن ہارا!

کون یگانا، کون بیگانا؟ سب کو گلے لگانا!
انسانی اطلال کا دیکھو کیسا ناٹا ناٹا!
روشن کرتی ہے بھارت کو نو پرکاش کی دھارا!
بھٹی، نو پرکاش کی دھارا!

در در کہو دین دلا کہو کہو گونہنت نارا;
"دے دو ہم کو بھٹی اپنی کرتا ہوں بٹوارا."
بھٹی، کرتا ہوں بٹوارا!

کون ہے دھلا پتلا پورا لہری دارھی والا؟
لاٹھی تھامے ڈنگ چلتا چھوٹی دھوتی والا؟
ہاتھ کی پرچھائیں کا سا کس نے روپ سنوارا؟
ہاں، کس نے روپ سنوارا!

کیا کہتا ہے سب کے آگے اڑتی ذلنوں والا؟
"میں بھی ایک تمہارا بیٹا، میں بھی دھتسے والا!"
"دے دو تم کو میرا دھتسا"—کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!
بھٹی، کھڑکھڑا ہاتھ پسارا!

ایکڑ چھتیس کوٹی بھٹی ہری بھٹی ایللی;
"سپتہم دھتسا کرو حوالے ہر دو میری مچولی!"
آواز کی آواز لیتی ہوتا سون سونہرا!
ہاں، ہوتا سون سونہرا!

کیوں چاہے ہے بھٹی ہماری بھٹی کا متوالا;
آب، ہوا اور دھرتی کا ہے ہر کوئی حق والا.
ایک نظر سے سب کو دیکھے سب کا سرجن ہارا!
بھٹی، سب کا سرجن ہارا!

کڑکڑ، مچھروں، دھتسوں اور دین دلت کا پھارا;
بھٹس، مچھروں، ماسوں کی آوازوں کا تارا!
ماتحتا کی مچھروں پور رہا در در مائگن ہارا!
ہاں، در در مائگن ہارا!

کون یگانا کون بیگانا؟ سب کو گلے لگانا!
انسانی اطلال کا دیکھو کیسا ناٹا ناٹا!
روشن کرتی ہے بھارت کو نو پرکاش کی دھارا!
بھٹی، نو پرکاش کی دھارا!

बत का उसको ध्यान नहीं है धुन है मानवता की
देख रहा है सब जग उसमें ऐसी माँकी बाँकी !
मात्सी और समाजी काया चला पलटने हारा !
हाँ, चला पलटने हारा !

बर बैठे गंगाजी आईं फिर काहे की देरी ?
मुँह ना मोड़ो, बिज ना तोड़ो, आशा लगी घनेरी !
डोल रहा है डगर-डगर बाबन रूपी बनजारा !
बाबन रूपी बनजारा !

गाँव-गाँव गोकुल बन जाये प्रामोद्योग बढ़ाओ;
सर्वोदय कल्याण मार्ग में आओ क्रदम मिलाओ !
जीवन-लक्ष्मी पार लगेगी रामहि खेबन हारा !
भई, रामहि खेबन हारा !

भूमि, प्राम, सम्पत्ति दान से नया समाज बनेगा;
बर्गहीन, शोषण बिहीन बह चिन्ता सभी हरेगा !
भारत की किस्मत का तारा सन्त विनोबा प्यारा !
भई, सन्त विनोबा प्यारा !

‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’

‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’

‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’

‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’
‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’ ‘दुनियाँ की’

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.
—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known
—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.
—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.
—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.
—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of man and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.
—Vigil, Delhi.

ڈاکٹر مہیندر ناتھ دت

ڈاکٹر مہیندر ناتھ دت

آج اس لکھ میں جو باتیں میں کہہ جا رہا ہوں اس سے بہت سے پانٹھوں کے دل میں بے صبری پیدا ہوگی۔ لکھک اس لئے بدنام ہے کہ وہ 'نئی باتیں کہتا ہے' اور خاص طور پر ہندوؤں کے بارے میں انتہاس کے خلاف بات کہتا ہے۔ یہ بات میں سن 1925 سے سُناتا آ رہا ہوں کہ لکھک بہت برس تک ویدوں میں رہ کر اُشستریہ ویدیا سیکھ کر اس دیہ میں اُس کا پرچار کر رہا ہے۔ پہلے لکھک اس الزام کا راز نہیں سمجھ پایا۔ اُنیسویں صدی میں جو کتابیں انگلستان میں چھپیں وہ اس سلسلے تک کلکتہ وشدیالکے کے گلیے کا پھندا بنی ہوئی تھیں، جب کہ لکھک نے یورپ اور امریکہ میں بیسویں صدی میں تعلیم پائی ہے۔ اسی لئے شاید لکھک اور کچھ پانٹھوں کے بیچ میں کھائی پیدا ہوگئی ہے۔

اس انوشٹان (Phenomenon) کے متعلق لکھک کے پاس ایک نظر ہے۔ شری پرستہ ناتھ چودھری (بیربل) نے زمہداری پرتھا کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا—”آجکل کی ارتھ نیتک (اقتصادی) ویوستھا دیکھ کر لوگ سوچیں گے کہ یہ بنگال کی ہمیشہ کی ویوستھا ہے۔ وہ یہ سمجھ لے پائیں گے کہ موجودہ ارتھ نیتک ویوستھا انگریزوں کی رچی ہوئی ہے۔ کوئی بھی سماج اپنی ارتھ نیٹی کے اوپر کھڑا رہتا ہے۔ موجودہ بھارت کی ارتھ نیٹی انگریزی حکومت نے رچی تھی اور اُسے مضبوط کیا تھا۔ ہمارے سامنے تو انگریزوں کی بنائی ہوئی تصویر ہی ہے۔ عام چلتا کے سامنے یہ تصویر رہتی ہے۔ اسی لئے انگریزوں تھا یورپیہ عالموں نے بھارت کے سماج، دھرم، ارتھ نیٹی، انتہاس اُدی وشدوں کے اوپر جو وچار ظاہر کئے ہیں انہیں کو ہم بھارت، اُسوں نے ہذا کسی ورڈ کے ’ویڈک اور سناتن‘ مانکر گلیے سے اتار لیا ہے اور انہیں اپنے پرکھوں کے کارنامے ماننے لگے ہیں۔“ ہاں دو چار کھوجوں اور چھان بین کرنے والوں کے اوپر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ بلکہ انہیں کی کھوجوں کی بنا پر بھارت کے انتہاس کا نہا روپ نہر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسی غلطی نے بھارت واسوں کے دل اور دماغ پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ گڑبے زمانے کے اپنے بڑی اور اپنی کلچر کو بھول گئے تھے۔ پرلے زمانے کے وجہتوں کا قاعدہ تھا کہ کسی ملک کو جیتنے کے

آج اس لکھ میں جو باتیں میں کہہ جا رہا ہوں اس سے بہت سے پانٹھوں کے دل میں بے صبری پیدا ہوگی۔ لکھک اس لئے بدنام ہے کہ وہ 'نئی باتیں کہتا ہے' اور خاص طور پر ہندوؤں کے بارے میں انتہاس کے خلاف بات کہتا ہے۔ یہ بات میں سن 1925 سے سُناتا آ رہا ہوں کہ لکھک بہت برس تک ویدوں میں رہ کر اُشستریہ ویدیا سیکھ کر اس دیہ میں اُس کا پرچار کر رہا ہے۔ پہلے لکھک اس الزام کا راز نہیں سمجھ پایا۔ اُنیسویں صدی میں جو کتابیں انگلستان میں چھپیں وہ اس سلسلے تک کلکتہ وشدیالکے کے گلیے کا پھندا بنی ہوئی تھیں، جب کہ لکھک نے یورپ اور امریکہ میں بیسویں صدی میں تعلیم پائی ہے۔ اسی لئے شاید لکھک اور کچھ پانٹھوں کے بیچ میں کھائی پیدا ہوگئی ہے۔

اس انوشٹان (Phenomenon) کے متعلق لکھک کے پاس ایک نظر ہے۔ شری پرستہ ناتھ چودھری (بیربل) نے زمہداری پرتھا کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا—”آجکل کی ارتھ نیتک (اقتصادی) ویوستھا دیکھ کر لوگ سوچیں گے کہ یہ بنگال کی ہمیشہ کی ویوستھا ہے۔ وہ یہ سمجھ لے پائیں گے کہ موجودہ ارتھ نیتک ویوستھا انگریزوں کی رچی ہوئی ہے۔ کوئی بھی سماج اپنی ارتھ نیٹی کے اوپر کھڑا رہتا ہے۔ موجودہ بھارت کی ارتھ نیٹی انگریزی حکومت نے رچی تھی اور اُسے مضبوط کیا تھا۔ ہمارے سامنے تو انگریزوں کی بنائی ہوئی تصویر ہی ہے۔ عام چلتا کے سامنے یہ تصویر رہتی ہے۔ اسی لئے انگریزوں تھا یورپیہ عالموں نے بھارت کے سماج، دھرم، ارتھ نیٹی، انتہاس اُدی وشدوں کے اوپر جو وچار ظاہر کئے ہیں انہیں کو ہم بھارت، اُسوں نے ہذا کسی ورڈ کے ’ویڈک اور سناتن‘ مانکر گلیے سے اتار لیا ہے اور انہیں اپنے پرکھوں کے کارنامے ماننے لگے ہیں۔“ ہاں دو چار کھوجوں اور چھان بین کرنے والوں کے اوپر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ بلکہ انہیں کی کھوجوں کی بنا پر بھارت کے انتہاس کا نہا روپ نہر رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسی غلطی نے بھارت واسوں کے دل اور دماغ پر پردہ ڈال دیا تھا۔ وہ گڑبے زمانے کے اپنے بڑی اور اپنی کلچر کو بھول گئے تھے۔ پرلے زمانے کے وجہتوں کا قاعدہ تھا کہ کسی ملک کو جیتنے کے

बाद वे वहाँ के पुस्तकालयों को जला डालते थे. इसका मकसद यह होता था कि उस देश वाले अपने बचपन और गुणों जमाने की अपनी महानता को भूल जायें. लेकिन अंगरेज हाकिमों ने यहाँ दूसरी नीति अपनाई. उन्होंने हिन्दुस्तान के ऊपर क्रयामी हुकूमत करने के खयाल से उसकी कस्बों को समझने की कोशिशें शुरू कीं. वे पंडितों और मौलवीयों की शरण में गये. पुरानी धूल भरी पोथियों की गर्द झाड़कर पंडितों ने अंगरेज हाकिमों के सामने पेश किया. अंगरेज विद्वान उनको पढ़कर इस नतीजे पर पहुँचे कि हिन्दुस्तानी सिर्फ मजहबी पागल हैं. उन्हें देश और राजनीति की कोई जानकारी न थी. कहा है—'मुस्ला की दीद मस्जिद तक', वही हालत हमारे पंडितों की विद्या की थी. मसल्ले जमाने के हिन्दुस्तान में प्रतिक्रियावादी (तनज्जुली पसन्द) पुरोहितों ने जो निबन्ध लिखे उन्हें पंडित लोग धर्म और समाज के सम्बन्ध में प्रामाणिक (मुस्तनद) मानकर इनकी इफ्जल करने लगे. देशी भाषाओं में लिखी रामायण और महाभारत के क्रिस्ते कहानियाँ इतिहास और राजनीति की प्रामाणिक पुस्तक मानी जाने लगीं और उस दिन तक मानी जाती रही.

जो भी हो, काल का पहिया घूमता गया. दूर दक्खिन भारत से एक एक कर प्राचीन पोथियाँ ढूँढ़ ढूँढ़ कर रोशनी में लाई जाने लगीं. उन पोथियों के देखने के बाद इतिहास के सुताल्लिक हमारी राय में भी तब्दीली होने लगी. हम अपने बचपन से ही चारणक्य नाम के एक शक्स का नाम सुनते आ रहे थे. लेकिन बीसवीं सदी में एक दिन सबेरे अखानक 'कौटिल्य की अर्थनीति' नामक एक मोटी राजनैतिक पुस्तक रोशनी में आई. इस पुस्तक ने देशी और विलायती पंडितों के महल को ढा दिया. विलायती पंडितों ने सम्मल कर कहा—'यह मुक्काबलेतन बाद की किताब है.' पहली बात तो यह है कि जो भारतीय पेड़ के नीचे बैठकर नाक दाब कर 'माँ' 'माँ' करते थे वे क्या कूट राजनीतिक पुस्तक लिखेंगे! इसके बाद भारतीय इतिहास की छान छान करने वाले भारतीय विद्वानों ने कहा कि 'धर्म शास्त्र' भारतीयों की एक मात्र पुस्तक है, 'अर्थ शास्त्र' नाम की एक और ऊँचे दर्जे की पुस्तक है. वह धर्मशास्त्र से भी ऊँचे दर्जे की है. अर्थशास्त्र की तीन पुस्तकों के नाम हमें मिलते हैं—एक कौटिल्य की, दूसरी कामन्दक की और तीसरी शुक्रनीतिसार. इसपर बहस उठी कि कौटिल्य किस जमाने में हुआ? कामन्दक के सुताविक्र मौयों का शासन चलाने के लिये ही कौटिल्य व विष्णु गुप्त ने यह पुस्तक लिखी. उसके बाद डाक्टर काशी प्रसाद जायसवाल ने और अनेक पोथियों के नाम खोज निकाले जो आज मिलती नहीं. इसके बाद बात्स्यायन की 'काम शास्त्र' नामक पुस्तक खोजकर निकाली गई. इस पुस्तक में 'खतने' (Circumcision) का

बद में पहली के पंक्तियों को चढ़े डाले. इस का मकसद यह होता था कि उस देश वाले अपने बचपन और गुणों जमाने की अपनी महानता को भूल जायें. लेकिन अंगरेज हाकिमों ने यहाँ दूसरी नीति अपनाई. उन्होंने हिन्दुस्तान के ऊपर क्रयामी हुकूमत करने के खयाल से उसकी कस्बों को समझने की कोशिशें शुरू कीं. वे पंडितों और मौलवीयों की शरण में गये. पुरानी धूल भरी पोथियों की गर्द झाड़कर पंडितों ने अंगरेज हाकिमों के सामने पेश किया. अंगरेज विद्वान उनको पढ़कर इस नतीजे पर पहुँचे कि हिन्दुस्तानी सिर्फ मजहबी पागल हैं. उन्हें देश और राजनीति की कोई जानकारी न थी. कहा है—'मुस्ला की दीद मस्जिद तक', वही हालत हमारे पंडितों की विद्या की थी. मसल्ले जमाने के हिन्दुस्तान में प्रतिक्रियावादी (तनज्जुली पसन्द) पुरोहितों ने जो निबन्ध लिखे उन्हें पंडित लोग धर्म और समाज के सम्बन्ध में प्रामाणिक (मुस्तनद) मानकर इनकी इफ्जल करने लगे. देशी भाषाओं में लिखी रामायण और महाभारत के क्रिस्ते कहानियाँ इतिहास और राजनीति की प्रामाणिक पुस्तक मानी जाने लगीं और उस दिन तक मानी जाती रही.

जो भी हो, काल का पहिया घूमता गया. दूर दक्खिन भारत से एक एक कर प्राचीन पोथियाँ ढूँढ़ ढूँढ़ कर रोशनी में लाई जाने लगीं. उन पोथियों के देखने के बाद इतिहास के सुताल्लिक हमारी राय में भी तब्दीली होने लगी. हम अपने बचपन से ही चारणक्य नाम के एक शक्स का नाम सुनते आ रहे थे. लेकिन बीसवीं सदी में एक दिन सबेरे अखानक 'कौटिल्य की अर्थनीति' नामक एक मोटी राजनैतिक पुस्तक रोशनी में आई. इस पुस्तक ने देशी और विलायती पंडितों के महल को ढा दिया. विलायती पंडितों ने सम्मल कर कहा—'यह मुक्काबलेतन बाद की किताब है.' पहली बात तो यह है कि जो भारतीय पेड़ के नीचे बैठकर नाक दाब कर 'माँ' 'माँ' करते थे वे क्या कूट राजनीतिक पुस्तक लिखेंगे! इसके बाद भारतीय इतिहास की छान छान करने वाले भारतीय विद्वानों ने कहा कि 'धर्म शास्त्र' भारतीयों की एक मात्र पुस्तक है, 'अर्थ शास्त्र' नाम की एक और ऊँचे दर्जे की पुस्तक है. वह धर्मशास्त्र से भी ऊँचे दर्जे की है. अर्थशास्त्र की तीन पुस्तकों के नाम हमें मिलते हैं—एक कौटिल्य की, दूसरी कामन्दक की और तीसरी शुक्रनीतिसार. इसपर बहस उठी कि कौटिल्य किस जमाने में हुआ? कामन्दक के सुताविक्र मौयों का शासन चलाने के लिये ही कौटिल्य व विष्णु गुप्त ने यह पुस्तक लिखी. उसके बाद डाक्टर काशी प्रसाद जायसवाल ने और अनेक पोथियों के नाम खोज निकाले जो आज मिलती नहीं. इसके बाद बात्स्यायन की 'काम शास्त्र' नामक पुस्तक खोजकर निकाली गई. इस पुस्तक में 'खतने' (Circumcision) का

वस्तुतः है, वह विद्वान् आजकल उक्त ग्रन्थ और पश्चिमी ने भी इसको स्तुताकर रखा, इसके बाद महाकवि मास के 18 नाटकों को दक्षिण भारत के विद्वानों ने खोज निकाला। इन नाटकों से उस समय के भारतीय समाज, रामचन्द्र के युद्ध और महाभारत में वर्णित व्यापार के सुतास्तिक एक नई तस्वीर पाठकों के सामने रखी, इसके बाद दक्षिण भारत और तिब्बत में 'आर्य मन्जुश्रीमूलकल्प' नामक एक इतिहास की पोथी प्रकाश में आई, इसके पहले तिब्बती लामा तारा-नाथ राय की लिखी 'भारत में बौद्ध धर्म का इतिहास' नामक पुस्तक खोज निकाली गई और उसका अंगरेजी में तर्जुमा भी हुआ, इन सब ज्ञान बीन और खोजों से पढ़े लिखे हिन्दुस्तानियों की धारणा अपने देश के इतिहास और कल्चर के सुतास्तिक बबली, भारतीय इतिहास और संस्कृति पर लिखी एक दूसरी पुस्तक 'बोस्तान' जिसे एक बौद्ध विद्वान ने लिखा है जिसका जर्मन में तो अनुवाद हो गया लेकिन जो इस देश में अज्ञात रही, इसके बाद बंगाली विद्वान मधुरक्षित द्वारा लिखी एक अर्थनीति 'सम्बन्धी' पुस्तक का तिब्बती अनुवाद हाथ लगा, इस देश के लोगों को इस पुस्तक का भी ज्ञान नहीं है, बहुत सी पुस्तकें अभी तक खोजकर ढूँढ़ी जा रही हैं, बहुत सी क्लास क्लास पोथियाँ एक दम से, मालूम होता है, नष्ट होगई—जैसे बृहस्पति और शुक्राचार्य की 'रणनीति' सम्बन्धी पुस्तक, जिन्होंने संस्कृत भाषा में रामायण और महाभारत पढ़ा है वे जानते हैं कि किस प्रकार योधा लोग बार बार बृहस्पति और शुक्राचार्य की दोहाई लेकर युद्ध का संचालन करते थे, अगर 'रणनीति' पर ये पुस्तकें खोजकर ढूँढ़ी जा सकें तो भारतीयों के युद्ध कौशल को लेकर जो उपहास किया जाता है उससे हमें निजात मिल जाती,

नारद और कात्यायन की लिखी पुस्तकें भी आज तक लाइप्सी के अँधेरे में पड़ी हुई हैं। एक जर्मन पण्डित ने कहीं से 'नारद स्मृति' की एक कापी खोजकर उसका जमन भाषा में तरजुमा किया है, किन्तु कात्यायन स्मृति अब तक प्रकाश में नहीं आई। एक बार कलकत्ता विश्वविद्यालय के स्मृति के अध्यापक ने लेखक से दुख के साथ कहा था—“देखा, कात्यायन और नारद की स्मृतियाँ अभीन में दबी पड़ी हैं।” लेखक ने जवाब दिया—“नारद स्मृति इतनी ज्यादा चरम पन्थी (radical) है कि आज का भारत भी उसकी शिक्षा को बरदाश्त न कर सकेगा।”

इसका कारण क्या है ? जब राजशक्ति और पुरोहितों की शक्ति एक साथ मिलकर हिन्दुओं के हृदय पर बड़ी बैठि थी तब इन सब पुस्तकों से जनता की आँखें खोलने की क्या जरूरत थी ? (ब्राह्मण्य, तारक, कात्यायन विधवा-विवाह, तलाक (Divorce) और फिर से विवाह करने की व्यवस्था

اُنہیں ہے۔ وہ رواج آج آگے گیا اور پلٹنے لے بھی اس کو
 چھپا کر رہا۔ اس کے بعد مہاروی بھاس کے 13
 نائکوں کو دشمن بھارت کے ودوانوں نے کھوج نکالا۔ انہیں
 نائکوں سے اس سچے کے بھارتیہ سماج، رام چند کے
 بدھ اور مہابھارت میں ورنست دیپاوار کے متعلق ایک نئی
 تصویر پائٹھوں کے سامنے رکھی۔ اس کے بعد دشمن بھارت اور
 تبت میں 'اریہ منچوشری مول کلپ' نامک ایک ایتھاس کی
 پوتھی پرکاش میں آئی۔ اس کے پہلے تبتی لاما تارا ناتھ وانہ
 کی انھی بھارت میں ہونے دھرم کا ایتھاس' نامک پستک
 کھوج نکالی گئی اور اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا۔ ان سب
 چھان بین اور کھوجوں سے پڑھے لکھے ہندستانوں کی دھارنا اپنے
 دیس کے ایتھاس اور کلچر کے متعلق بدلی۔ بھارتیہ ایتھاس اور
 سلسلہ رتی پر انھی ایک دوسری پستک 'ہوستان' جسے ایک
 ہونہ ودوان نے لکھا ہے جس کا جرمن میں تو انووان ہو گیا لیکن
 جو اس دیس میں آگیا تھا۔ اس کے بعد ہنگالی ودوان
 مہویشٹ دیوارا انھی ایک اریہ تبتی سمبندھی پستک کا
 تبتی انووان ہا ہا نکا۔ اس دیس کے لوگوں کو اس پستک کا
 بھی گمان نہیں ہے۔ بہت سی پستکیں ابھی نک کھوج کر
 قلمونڈھی جارہی ہوں۔ بہت سی خاصی خاص پوتھیاں
 ایک دم سے معام ہوتا ہے' نشٹ ہو گئیں—جیسے برہسپتی اور
 شکر اچاریہ کی 'زن تبتی' سمبندھی پستک۔ جنہوں نے سنسکرت
 بھاشا میں رامین اور مہابھارت پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس
 پرکار ہوندا لوگ بار بار برہسپتی اور شکر اچاریہ کی دیوانی دیکر
 بدھ کا سچا جان لرتے تھے۔ اگر 'زن تبتی' پر یہ پستکیں کھوج کر
 قلمونڈھی جاسکیں تو بیماروں کے بدھ توتل کو لیکر جو آپھاس
 لیا جاتا ہے اس سے ہمیں نجات مل جانی۔

ناراد اور گاہیاہن کی لکھی پستکیں بھی آج تک لاعلمی کے اندھیرے میں پڑی ہوئی ہیں۔ ایک جرمن پندت نے کہیں سے 'نارادسمرتی' کی ایک کاپی بھوج کر اس کا جرمن بھاشا میں ترجمہ کیا ہے۔ نام تو گاہیاہن سمرتی اب تک پردکاش میں نہیں آئی۔ ایک ہمارے حکمتہ وشوہدایہ نے 'سمرتی کے ادھیاپکے لیے لیکھک سے دہ کے ساتھ لیا تھا۔' گاہیاہن اور ناراد کی 'سمرتیاں زمین میں دی ہوئی ہیں۔' لیکھک نے جواب دیا — "نارادسمرتی اپنی زیادہ چرم پڑھی (radical) ہے نہ آج کا بھارت بھی اس کی شکشا تو ہرانت نہ کر سکیگا۔"

اِس کا کارن کیا ہے ؟ جب راج شکتی اور پروہتوں کی شکتی ایک ساتھ ملکر ہندوؤں کے ہر مذہم پر چڑھی بیٹھی تھی تب اِن سب پسگوں سے جلتا کی انکھیں کھولنے کی کہا ضرورت تھی ؟ ('جانکھہ' ناراد' کانیاہن ودھوا رواہ' ملاق (Divorce) اور پھر سے رواہ کرنے کی وجہ سے

ہوتے ہیں۔ مارہم نے نوجوانوں کے بیباک پر بہت سے بھنبھن (مناہی ہے)۔ ان سبھیوں کو ہم نیکھکوں نے پرامتک مالک شروع کیا۔ ہودہ نائیکوں کے الیک گپ سموہ کو ہم نے دھرم اور دگیان کے آسن پر بیٹھایا۔ پروہت گپ کے مقابلہ میں ہم نے ان سب پستکوں کو ساج کی سلتی دوسلما کم کر مانیہ دلتی اور انہیں ویدی شاسکوں کے ہاتھ میں یہ کم کر رکھا کہ یہ ہماری سنسکرتی کی مستند پرتھیاں ہیں۔ ویدیہوں نے انہیں کی بنا پر ہماری سنسکرتی کا انہیں لکھ کر ہمارے سامنے رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی یہ دھارنا بن گئی کہ پراچین کل میں ہندستانی صرف دھرم پاگل (Religious Paranoiac) ہے۔ دھرم کو چھوڑ کر ان کا دنیا سے اور کوئی ناتا رشتہ نہیں تھا۔ اسی دھارنا کے وہی میں ہو کر روس کے منیشی ٹالسٹائی نے ڈاکٹر تارکناٹ داس کو "An open letter to a young Hindu" (ایک نوجوان ہندو کے نام خولا پتر) لکھا۔ "توہارے بودھ اور کھنڈ کے دہا، توہارے آدھیا کے دہا میں، توہارے ویدیکانند اور بابا भारतीय वीरह हिंसा के रास्ते पर लोजाकर भौत कर रहे हैं۔"

اسیالیہ ہمارا یہ مکتبہ ہے کہ دھرم اور راجنیتی کا لوگوں میں جھان بده۔ آجادی भारतीय राष्ट्र को इसकी बड़ी जरूरत है. एक दल अभी तक पुरोहितों के हाथ में है. इसी वर्ग के हाथ में आज शासन का भार पड़ा है. आज यह अपने बुनियादी स्वार्थ कायम रखने की बात करते हैं. भारत की लोक परम्परा अहिंसावाद की बातों को वहन करती हुई आ रही है. भविष्य में भी भारत का अहिंसा-वाद के ऊपर प्रतिष्ठित करना होगा. इसी के प्रतिउत्तर में Indian History Congress के पिछले अधिवेशन में महामहोपाध्याय पांडुरंग ने कहा था,—“अगर यही है तो हमें बारहवीं शताब्दी (तुर्की हमलों का जमाना) से लेकर 1921 (अहिंसा आन्दोलन आरम्भ काल) तक भारत के इतिहास को बिलकुल निकाल देना होगा. यहां पर यह सवाल उठता है कि जिस जाति ने सुदूर अतीत में रणनीति विषय पर पुस्तक लिखी हो, हजरत ईसा से तीसरी शताब्दी पहले राजनीति पर पुस्तक लिखी हो, उससे भी पहले कामसूत्र पर पुस्तक लिखी हो, किसी अजाने जमाने में गीता का दूसरा अध्याय लिखा हो, फिर अरब देश से लेकर फिली-पाइन द्वीप समूह तक नौ-आबादियाँ बसाई हों, जिसने भारत से लेकर फिलीपाइन द्वीप तक विशाल शैलेन्द्र साम्राज्य की स्थापना की हो, वह जाति क्या सिर्फ पेड़ के नीचे बैठकर, नाक दबाकर हजारों वर्षों तक केवल प्राण-धाम ही करती रही.

इसीलिये यह जरूरी है कि हम इस बात को जानें कि धर्म

दینہ ہیں۔ مارہم نے نوجوانوں کے بیباک پر بہت سے بھنبھن (مناہی ہے)۔ ان سبھیوں کو ہم نیکھکوں نے پرامتک مالک شروع کیا۔ ہودہ نائیکوں کے الیک گپ سموہ کو ہم نے دھرم اور دگیان کے آسن پر بیٹھایا۔ پروہت گپ کے مقابلہ میں ہم نے ان سب پستکوں کو ساج کی سلتی دوسلما کم کر مانیہ دلتی اور انہیں ویدی شاسکوں کے ہاتھ میں یہ کم کر رکھا کہ یہ ہماری سنسکرتی کی مستند پرتھیاں ہیں۔ ویدیہوں نے انہیں کی بنا پر ہماری سنسکرتی کا انہیں لکھ کر ہمارے سامنے رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی یہ دھارنا بن گئی کہ پراچین کل میں ہندستانی صرف دھرم پاگل (Religious Paranoiac) ہے۔ دھرم کو چھوڑ کر ان کا دنیا سے اور کوئی ناتا رشتہ نہیں تھا۔ اسی دھارنا کے وہی میں ہو کر روس کے منیشی ٹالسٹائی نے ڈاکٹر تارکناٹ داس کو "An open letter to a young Hindu" (ایک نوجوان ہندو کے نام خولا پتر) لکھا۔ "توہارے بودھ اور کھنڈ کے دہا، توہارے آدھیا کے دہا میں، توہارے ویدیکانند اور بابا भारतीय वीरह हिंसा के रास्ते पर लोजाकर भौत कर रहे हैं."

اس لئے ہمارا یہ مقصد ہے کہ دھرم اور راجنیتی کا لوگوں میں گیان بڑھے۔ آزاد بھارتیہ - راشٹر کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔ ایک دل ابھی تک پروہتوں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی درگ کے ہاتھ میں آج شاسن کا بھار پڑا ہے۔ آج یہ اپنے بنیادی سواتھ قائم رکھنے کی بات کرتے ہیں۔ بھارت کی لوک پروردہ امنسواد کی وارنا کو وہن کرتی ہوئی آ رہی ہے۔ بیوشیہ میں بھی بھارت کو امنسواد کے اوپر پرتشہوت کرنا ہوگا۔ اسی کے پرتی اتر میں Indian History Congress کے پچھلے ادھرویشن میں مہامہریدھیاہ پانڈورنگ نے کہا تھا۔ "اگر یہی ہے تو ہمیں بارہویں شتাবدی (توکی حملوں کا زمانہ) سے لیکر 1921 (امنسا آندولن آرمہ کال) تک بھارت کے انہاس کو بالکل نکال دینا ہوگا۔ یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ جس جاتی نے سدور انہمت میں رن نہیتی وشنہ پر پستک لکھی ہو، حضرت عیسیٰ سے تیسری شتাবدی پہلے راجنیتی پر پستک لکھی ہو، اس سے بھی پہلے کام موتر پر پستک لکھی ہو، کسی اچالے زمانے میں گیتا کا دوسرا ادھیانہ لکھا ہو، پھر عرب دیہی سے لیکر فلپائن دوپ سموہ تک نو - آبادیاں ہسانی ہوں، جس نے بھارت سے لیکر فلپائن دوپ تک وشال شیلندر سامراجیہ کی استہانہ کی ہو، وہ جاتی کیا صرف پیڑ کے نیچے بیٹھ کر، ٹاک دبا کر ہزاروں ورشوں تک کھول پرانا نام ہی کرتی رہی۔

اسی لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات کو جانیں کہ دھرم

کے ساتھ राजनीति का क्या जोगायोग है। जिस तरह मंगले जमाने में बार-बार निबन्धकारों ने हमारे इतिहास को माफ़ूस ब्रह्म से रखा, उसी तरह आज भी राजनीतिक पुरोहित मंथी के हाथ से बचाकर हमें भारत के इतिहास के यथार्थ स्वरूप को सामने रखना है।

अंगरेजी में एक कहावत है कि, "Religion follows the flag" यानी धर्म राजराज के पीछे-पीछे चलता है। पुराने जमाने से लेकर हाल तक जमाने का यही दस्तूर रहा है, जतना जिस शासन के मातहत रहती है उसी शासन के बीच में अपनी जिंदगी में स्फूर्ति पाने के लिये राजा का ही धर्म महय्य करती है।

हम बंगाल को ही लें। कितनी ही बार बंगाल के लोगों ने अपने मजहब को बदला है। मिस्र और ईरान में भी यही अनुष्ठान (Phenomenon) रहा है। तारीख को अगर आप बठाकर देखें तो पता चलेगा कि किसी देश को जीत कर विजेता हारे हुये लोगों का धर्म नष्ट कर देते हैं। उसके पश्चात् उनकी भाषा में तब्दीली करने की कोशिश करते हैं। पुराने जमाने में ईरानी विजेता कुब (Cyrus the Great) बेबीलोन को जीत करके वहां के मन्दिर की देव-मूर्ति लेकर अपनी राजधानी परसूपोलि ले आया था। उसके लड़के कैम्बिसस ने मिस्र को जीतकर वहां के मन्दिर के पवित्र नन्दी का वध किया था। सिकन्दर ने ईरान को जीत कर पारसियों की धर्म पुस्तकों को नष्ट करवा दिया था। अरबों ने उत्तर-पश्चिम भारत के अन्दर कंधार नगर को जीतकर मणि-मणिक्यों से जड़ी हुई बुद्ध मूर्ति को नष्ट कर दिया था। उसके बाद ईरानी और तुर्क मुसलमानों ने भारत के हिस्सों को विजय करके बुद्ध और दूसरी बौद्ध समूह की मूर्तियों को विध्वंस किया था। बामिया (अफगानिस्तान) की गुफा में रहने वाले बौद्ध भिक्षुओं ने भागकर स्रोतन में शरण ली। उन्हीं की कोशिशों से पूर्वी तुर्किस्तान (मौजूदा सिकियांग) और पश्चिम चीन की (हजार बुद्धों की गुफा) में अद्भुत मूर्ति कला ने जन्म लिया। यह मूर्ति कला भारत के इतिहास की गुप्त काल की कला का बहुत सुन्दर नमूना है। इसके बाद के तुर्क आक्रमणों के फलस्वरूप अफगानिस्तान के हिरात से लेकर पूर्वी बंगाल के चटगाम तक बहुत से पूजाघर धूल में बिखर गये। कहते हैं कान्य-कुब्ज नगर में 10 हजार मन्दिर थे। कान्यकुब्ज नगर की खूबसूरती को देखकर महमूद गजनवी हैरान रह गया। उसने कान्यकुब्ज के नमूने पर गजनवी का शहर आबाद करने की योजना बनाई। इसीलिये वह यहाँ से बहुत से कारीगरों को ले गया। गजनवी के हमले के पश्चात् उत्तर भारत की सैकड़ों बरस बसी हुई मराहूर राजधानी कान्यकुब्ज (कन्नौज) आज सुनसान नगरी बन गई है। दो-एक जगह मिट्टी के ढेर

साले राज नैती का क्या जोगा योग है। जिस तरह मंगले जमाने में बार-बार निबन्धकारों ने हमारे इतिहास को माफ़ूस ब्रह्म से रखा, उसी तरह आज भी राजनीतिक पुरोहित मंथी के हाथ से बचाकर हमें भारत के इतिहास के यथार्थ स्वरूप को सामने रखना है।

अंगरेजी में एक कहावत है कि, "Religion follows the flag" यानी धर्म राजराज के पीछे-पीछे चलता है। पुराने जमाने से लेकर हाल तक जमाने का यही दस्तूर रहा है, जतना जिस शासन के मातहत रहती है उसी शासन के बीच में अपनी जिंदगी में स्फूर्ति पाने के लिये राजा का ही धर्म महय्य करती है।

हम बंगाल को ही लें। कितनी ही बार बंगाल के लोगों ने अपने मजहब को बदला है। मिस्र और ईरान में भी यही अनुष्ठान (Phenomenon) रहा है। तारीख को अगर आप बठाकर देखें तो पता चलेगा कि किसी देश को जीत कर विजेता हारे हुये लोगों का धर्म नष्ट कर देते हैं। उसके पश्चात् उनकी भाषा में तब्दीली करने की कोशिश करते हैं। पुराने जमाने में ईरानी विजेता कुब (Cyrus the Great) बेबीलोन को जीत करके वहां के मन्दिर की देव-मूर्ति लेकर अपनी राजधानी परसूपोलि ले आया था। उसके लड़के कैम्बिसस ने मिस्र को जीतकर वहां के मन्दिर के पवित्र नन्दी का वध किया था। सिकन्दर ने ईरान को जीत कर पारसियों की धर्म पुस्तकों को नष्ट करवा दिया था। अरबों ने उत्तर-पश्चिम भारत के अन्दर कंधार नगर को जीतकर मणि-मणिक्यों से जड़ी हुई बुद्ध मूर्ति को नष्ट कर दिया था। उसके बाद ईरानी और तुर्क मुसलमानों ने भारत के हिस्सों को विजय करके बुद्ध और दूसरी बौद्ध समूह की मूर्तियों को विध्वंस किया था। बामिया (अफगानिस्तान) की गुफा में रहने वाले बौद्ध भिक्षुओं ने भागकर स्रोतन में शरण ली। उन्हीं की कोशिशों से पूर्वी तुर्किस्तान (मौजूदा सिकियांग) और पश्चिम चीन की (हजार बुद्धों की गुफा) में अद्भुत मूर्ति कला ने जन्म लिया। यह मूर्ति कला भारत के इतिहास की गुप्त काल की कला का बहुत सुन्दर नमूना है। इसके बाद के तुर्क आक्रमणों के फलस्वरूप अफगानिस्तान के हिरात से लेकर पूर्वी बंगाल के चटगाम तक बहुत से पूजाघर धूल में बिखर गये। कहते हैं कान्य-कुब्ज नगर में 10 हजार मन्दिर थे। कान्यकुब्ज नगर की खूबसूरती को देखकर महमूद गजनवी हैरान रह गया। उसने कान्यकुब्ज के नमूने पर गजनवी का शहर आबाद करने की योजना बनाई। इसीलिये वह यहाँ से बहुत से कारीगरों को ले गया। गजनवी के हमले के पश्चात् उत्तर भारत की सैकड़ों बरस बसी हुई मराहूर राजधानी कान्यकुब्ज (कन्नौज) आज सुनसान नगरी बन गई है। दो-एक जगह मिट्टी के ढेर

ہماری پوری تاریخ کو نظر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔
دھار آج افغانستان کا حصہ بن گیا ہے اور اُس کے پرانے شاندار
پہاڑی قلعے برباد ہوئے ہیں۔

یہی آج اتر بھارت کے رہنے والے ایک آتم وسرت جانی
ہیں۔ چوتھے شتাবدی قبل ہمارے دیہی یو دوشوں کے سدھی
نہلے ہوئے تھے، لیکن بھارت واسیوں کے لئے سندر یا تو تک
عہد قیام میں گئی۔ اس پرانی ٹاسک گروہ میں لکھا ہے کہ
مگ میں سندر پھر آئی مغلھی رہی۔ گہت بگ کے بعد
ج شکی اور پردھوں کی شکتی نے اکٹھا ہو کر بھارت کے جن
نہوں کو لٹکا بنا دیا تھا۔ اُس کے بعد اس دیہی کے اوپر
دیشوں کے آکرمن شروع ہوئے اور اُن آکرمنوں کے پل سروپ
ارتھ سماج ہے جس اور بے دم ہو گیا۔ ویدیشی ایتھس لکھا
اں نے لکھا کہ بھارت واسیوں کی یہی دین ہیں دشا
واہیاوک دشا ہے اور ہیشہ کی دشا ہے۔ اُنہوں نے لکھا کہ
بارتھ ایک لہم جنگلی قوم ہے۔ اُن لوگوں کو نہ ٹھیک سے کھانا
تا ہے، نہ ٹھیک سے کپڑے پہننا آتا ہے، نہ انہیں بچھونے کا
سعمال آتا ہے اور نہ اچھے مکانوں میں رہنا آتا ہے۔ ویدیشیوں
ہی انہیں چوتھ - چہکن پہننا سکھایا۔ پاؤں میں بوت جوتا
پہننا سکھایا۔ پلو، پڑاٹھا، سنج کباب، حلوہ کھانا سکھایا اور
یساری دور کرنے کے لئے حکیمی اوشدھی کا ویوہار کرنا سکھایا۔

اور ہم لوگ ہاھا کر کرتے ہوئے کہہ لے یہی ہماری ویدک
ریہ سہیٹا ہے۔ چتر پردھت وری، اپنی ذاتی خود غرضیں
نے لئے بھارتیہ سہیٹا کے بارے میں جس کا اُس سمہ 'ہندو
مذہب' نام پڑ گیا تھا، طرح طرح کی غلط اطلاعات جلتا کو
بنے لگے۔ اسی لئے کلک ہیٹ نے ویدک شبد 'شکو' کی دیاکھا
ہی۔ وہ وائلک (بلخ) دیہی میں پیدا ہوئے والی ایک
سبزی ہے۔ اُسے براہمن نہیں کھائیں گے لیکن شودر اُسے کھاسکتے
ہے۔ شکوں نے 'سہمن' کا رواج جاری کیا، لیکن رگھونندن نے
دعویٰ کیا کہ یہ ویدک وہاں ہے۔ یہ بھی کہا کہ لبہ کوٹ
(ویدک-آنگا) چوتھ، چہکن، ازلو، بوت، جوتا وغیرہ یوں
نے ایجاد کئے ہیں اور اب بھی موزہ لوگ ایسا وشواس کرتے
ہیں۔ راماین میں جہاں جہاں 'پرہچچود' شبد آتا ہے اُس
کی دیاکھا لوچن گوسوامی نے کی کہ اُس کا مطلب 'الکار' ہے۔
وہ اُنہی پلذتوں نے اعلان کیا کہ پلو، کباب اور پڑاٹھا آدمی کھانے
کی دستک نہیں یوں اور ویدیشیوں کی دین ہیں۔ انگریزی ویدیا
کے پلذت کی لکھی ہوئی مشہور کتاب 'ادب اردو' (History
of Urdu Literature) میں لکھا کہ 'روٹی' لفظ ہم
نے پرتگالیوں کے پس سے پایا۔ اُن دیہی ماننے وششت
پلذتوں کی مرہکتا سے باری ہوئی باتوں کی ناپ تول کوں کرے گا ؟
4 پلذت ہیں کہ موزہ ہیں اُس کا فیصلہ کوں کرے گا ؟

اقتصادی اور اجتماعی مکتوں کا پرچار کر کے دنیا کی لگاتار
میں بہارت ولسوں کے سماں کے ساتھ کھلا کر کرنے میں
ن بہارت ولسوں کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ لیکھ لے ایک
بار مشورہ دے لے ایک انہاس کے ادھیپاک سے پرچار۔ "ان لے
سر پر لے ادھیپاک مکتوں کے پرچار میں ان کا کیستد ہے؟" انہوں
لے جواب دیا۔ "جس ارہ نہتی یا اختصاریت کی جس ہوا
میں یہ پلے پلے اُس سے یہ باہر نہیں نکل پا رہے۔" اس
صاف مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ان مکتوں کو ظاہر کر کے
چاکری کے لئے انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے اور اس قدر سے
یہ کہیں انگریز پر واپس نہ آجائے یہ اپنا سر نہیں بدل رہے۔
لیکھ کی یہ بات سن کر انہاس کے ادھیپاک خاموش رہ گئے۔

بات صاف ہے۔ انگریز اب واپس آنے سے رہے۔ اس لئے
دوسرا راستہ پتہ کر اپنی تقدیر کی آزمائش کرو۔ مسلمانوں کی
حکومت جب ختم ہوئی تو ان کے سب کے پرچلت آچار، وچار،
بہار اور بہار دھارا کو دیہی لے چہر دیا۔ مدھیہ بگ کی
ساماجک دیہستہ نہ تو ویدک تھی اور نہ سناتن تھی۔ اسی
طرح آجکل کی ساماجک اوستہ اور کرم وکس انگریزی شاسن
دیہستہ کی دس سالہ بندوبست تھی۔ پورو بہارت میں انگریز
شاسن نے پہلے زمینداروں اور تعلقداروں کی سرشتی کی۔ پھر
بشچس شمشا دیگر انہیں نوکریاں دیں۔ پھر ان کے لئے ڈاکٹر،
وکیل اور مختار کے پیشہ کھل کر سماج میں ایک مدھیہ درگ
بہار کیا۔ اُس کے بعد کل کارخانے اور ریل پتہ بنا کر ایک
مزدوروں کا گروہ تیار کیا۔ انگریزی شاسن کی یہی سماج
دیہستہ تھی جو بہارت کو ان کے سمہرک میں پراپت ہوئی۔
نئی ارہ نہتی کی دیہستہ سے سماج کا نئے روپ میں گھن ہوا۔
نئے آچار اور وہار جاری ہوئے۔ نئے واناورن میں پودا ہو کر
نئے سماج میں نئی شمشا پا کر لوگ اپنے پرکھوں اور ان کی
منسکرتی کے مول سرور کو کھرچنے لگے۔ اسی کے پل سرور
نیا سنسکار آندولن (Reformation) اور پتر جاگرن
(Renaissance) کا آندولن چلا۔ اسی کے ذریعہ نئے
بہارت کی بنیادیں پڑیں۔

دنیا کا یہ چرنتن نیم ہے کہ حکومت کرنے والا گروہ اپنی
خردغرضوں کو پورا کرنے کے لئے شاست وک کو اپنی وچار
دھارا، اپنی چنتا دھارا، اپنے آچار وہار اور اپنے دماغی رجحان کے
موانق بناتا ہے۔ یہ کسی مطلب باز کی ہر نہیں
ہے بلکہ سماج شاستریوں دوارا مانا ہوا اصول ہے۔ اسلئے ہم نے
دیکھا ہے کہ دھرم دھرم ہم میں سے بہت سے سوشکشت
ہندستانی اپنے میں پرائی میں 'کالم انگریز' بن گئے ہیں۔ میکالم
کی پڑشیں کوئی سچ ثابت ہو رہی ہے۔ ہم نے باہری

ادھیپاک اور ادھیپاک مکتوں کا پرچار کر کے دنیا کی لگاتار
میں بہارت ولسوں کے سماں کے ساتھ کھلا کر کرنے میں
ن بہارت ولسوں کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ لیکھ لے ایک
بار مشورہ دے لے ایک انہاس کے ادھیپاک سے پرچار۔ "ان لے
سر پر لے ادھیپاک مکتوں کے پرچار میں ان کا کیستد ہے؟" انہوں
لے جواب دیا۔ "جس ارہ نہتی یا اختصاریت کی جس ہوا
میں یہ پلے پلے اُس سے یہ باہر نہیں نکل پا رہے۔" اس
صاف مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ان مکتوں کو ظاہر کر کے
چاکری کے لئے انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے اور اس قدر سے
یہ کہیں انگریز پر واپس نہ آجائے یہ اپنا سر نہیں بدل رہے۔
لیکھ کی یہ بات سن کر انہاس کے ادھیپاک خاموش رہ گئے۔

دُنیا کو آنگرےآں کے ہاتھ سے دیکھنا شروع کیا۔ ڈاکٹر راجندر لال مہتر اور ایشور چندر دتھا نے اس کمپوزٹ کی اپنی چھاپ نہیں تھی مگر بعد میں یہ چھاپ صاف نظر آئے گی۔ اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ انجلی تعلیم عام کا ذریعہ صرف انگریزی زبان تھی۔ اس لئے انجلی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہم باہری دنیا کی دیکھا انگریزوں کے مطابق ہی کرتے تھے۔ دنیا کے جتنے انیشنٹھان (Pheno-menon) ہیں۔ ان میں انگریزوں کے سوائے اور بھی دوسری جاتوں کے مت اور رائیں ہیں یہ ہمارے پیچھے تھے لوگ ماننے کو تیار ہی نہ تھے۔ کچھ دن پہلے تک یہ حالت تھی۔ دہلی جاتے ہیں داس منورونی کا سب سے زیادہ اثر پڑتا ہے۔ آج کے آزاد بھارت میں بھی اسی داس منورونی کی پرچھائیں جب تب گہنی ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ سات آٹھ برس کی سواندھیتا اب تک ان لوگوں کے دہے اور چمڑے کو بھد کر نل کے اندر داخل نہیں ہو سکی۔ آج بھی ان کے دل اور دماغ نے داس منورونی کو دہوں ہاتھوں سے کس کر پکڑ رکھا ہے۔ اپنے من پرلن میں ہم اب تک غم، وہی غم ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب تک غم جاتی حاکموں کی 'ہاں' میں 'ہاں' نہ ملے تب تک اس کی دنیاوی ترقی نہیں ہو سکتی۔ نوکر پیشہ لوگ اپنی نوکری میں آزاد خیالی دکھا کر کیسے ترقی کر سکتے ہیں؟ جس نے اپنے من اور اپنے دہے کو آزاد کرنے کا بیڑا دکھایا ہے یا تو اندمان میں نوراسن ملا اور یا پھانسی کا تختہ ملا۔ یہ آنکھوں کے آنچالے پن کا ویار تھا۔ اسی لئے جب بھارت کے چلتا چھتھر میں دیکھان کی ترقی جب حکومت کے ماتحت ہوئی تب اپنی سریدھا کے مطابق 'ہاں' جی، 'ہاں' جی، کہتے ہی میں بھارتیہ ودوانوں نے شریہ اور پریم سچھا۔ اس لئے ہمارے جتنے بھی ودوان تھے ویدک، پراکیتھاسک اور بھارتیہ سبھیتا اور سلسکرتی کے پرکانت پنڈت وہ سب 'ہاں' میں 'ہاں' ملنے کی نیلی سے اوپر نہ آئے سکے۔ 'کرنا کی اچھا کے مطابق کرم' اس اصول کو کسی نے پوری طرح سچھا نہیں۔ جب تک نوکر ہیں تب تک شاکس درگ سے پرتی کول اپنی کوئی رائے ظاہر کرنے میں نوکری کے اوپر سلکٹ آسکتا تھا۔ جنہوں نے نوکروں کے مت کے خلاف راجندر لال مہتر کی پستک پڑھی ہے وہی اس سمس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔ * خوش تسمی سے راجندر لال سرگرمی تھاکر نہیں تھے مگر تب بھی وہ 'بنگالی بابو' تھے۔

ایک موجودہ مثال دیکر اس پرسنگ کو بند کرونگا۔ بچلے مہاید سے پہلے ایک نوجوان کھرجی کے ساتھ 'سندھو کی

دیکھیں نوکروں کی بدھ گیا وشٹہ کی پستک۔

* دیکھیں نوکروں کی بدھ گیا وشٹہ کی پستک۔

‘प्रागैतिहासिक सभ्यता’ को लेकर लेखक की आलोचना अक्सर होती थी। वे कहते थे—“देखा महाशय ! हमारे ही देश के लोग, हमारा ही टका पैसा पाकर मोहन-जो-दड़ो के सम्बन्ध में मिथ्या बातें बोलते हैं। किन्तु अमुक ने एक बात कही थी। उन्होंने कहा था कि ‘क्या करें भाई, चाकरी में जो हूँ।’ बाद में मैंने उनसे कहा कि अमुक महाशय ने (वह अब स्वर्ग में हैं) जो आपसे इस सम्बन्ध में कहा था क्या मैं उसे समाचार-पत्रों में प्रकाशित कर सकता हूँ ? उन्होंने जवाब दिया—“वह आज जीवित नहीं हैं। आप अगर कुछ छपवायेंगे भी तो वे उसका प्रतिवाद न कर सकेंगे। उन्होंने मुझसे यह बात निजी तौर पर कही थी, छपाने के लिये नहीं।” फिर कहा यह तो बहुत पहले कहा था और यह बात अंगरेज विद्वानों के कानों में नहीं पड़ी। मैंने बाद में समझा कि यह नौजवान खोजी महाशय भी सरकारी चाकरी के फेर में हैं और अपने नाम के साथ कोई ऐसी बात रोशनी में नहीं लाना चाहते जिससे इनके रास्ते में सरकारी नौकरी मिलने में बाधा पड़े। इन्हीं खोजी महाशय ने एक और दूसरे सज्जन से भी, जो सिन्धु सभ्यता के बारे में अनुसन्धान का काम करते हैं, सन् 1948 में कहा कि, “मैंने भूपेन्द्रदत्त से झूठी बात कही थी कि फ़लों शरुस ने मुझसे यह बात कही।” इन सज्जन ने जवाब दिया—“अब तो अङ्गरेज नहीं हैं। डरका कोई सबब भी नहीं है। अब आप सच्ची बात कह सकते हैं। आगे इसके बारे में सच्ची बात कहेंगे तो ?”

विश्वविद्यालय के अध्यापकों की जब यह हालत है तो फिर भारत के साधारण इतिहास के सम्बन्ध में सच्ची बातों की जानकारी और कहाँ मिलेगी ? हमारे दिमाग के हर एक सेल (Cell) के बीच में अब तक विराजमान है ! इसलिये हर नई ऐतिहासिक सच्चाई की बात सुनकर हमारे देश के लोग चौंक उठते हैं और कहते हैं यह—“नई बात !”

इसीलिये कहा है “धर्म राजनीति का एक जुड़ा है।” जैसा राष्ट्र होता है वैसा ही उसका धर्म होता है। राजनीति राष्ट्र के हर अङ्ग में अनुरूप असर डालती है। राजनीति को छोड़ कर धर्म नहीं खड़ा हो सकता। आकाशवाणी यानी गैब की आवाज और निभन्ति इलहाम से धर्म का सिरजन हुआ और उसे सच कर लोगों ने फ़ौरन क़बूल कर लिया। यह अनैतिहासिक और गपवाडियों की कहानी है। इसीलिये पुराने जमाने में राजाओं को धर्म का यानी ‘वर्णाश्रम का नियामक और चालक’ (धर्मपाल, बिमहपाल—देखो प्रभाकर वर्धन का साम्रलेख) कहकर पुकारा जाता था।

धर्म चूँकि सियासत का एक जुड़ा है इसलिये अनुयायियों की राजनीति शासक के धर्म का रूप ले लेती है। दर-असल धर्म राष्ट्र को चलाने वाला एक यंत्र होता है। हिन्दु-स्तान में बार बार इसकी मिसाल देखने को मिलती है।

प्रागैतिहासिक सभ्यता को लेकर लेखक की आलोचना अक्सर होती थी। वे कहते थे—“देखा महाशय ! हमारे ही देश के लोग, हमारा ही टका पैसा पाकर मोहन-जो-दड़ो के सम्बन्ध में मिथ्या बातें बोलते हैं। किन्तु अमुक ने एक बात कही थी। उन्होंने कहा था कि ‘क्या करें भाई, चाकरी में जो हूँ।’ बाद में मैंने उनसे कहा कि अमुक महाशय ने (वह अब स्वर्ग में हैं) जो आपसे इस सम्बन्ध में कहा था क्या मैं उसे समाचार-पत्रों में प्रकाशित कर सकता हूँ ? उन्होंने जवाब दिया—“वह आज जीवित नहीं हैं। आप अगर कुछ छपवायेंगे भी तो वे उसका प्रतिवाद न कर सकेंगे। उन्होंने मुझसे यह बात निजी तौर पर कही थी, छपाने के लिये नहीं।” फिर कहा यह तो बहुत पहले कहा था और यह बात अंगरेज विद्वानों के कानों में नहीं पड़ी। मैंने बाद में समझा कि यह नौजवान खोजी महाशय भी सरकारी चाकरी के फेर में हैं और अपने नाम के साथ कोई ऐसी बात रोशनी में नहीं लाना चाहते जिससे इनके रास्ते में सरकारी नौकरी मिलने में बाधा पड़े। इन्हीं खोजी महाशय ने एक और दूसरे सज्जन से भी, जो सिन्धु सभ्यता के बारे में अनुसन्धान का काम करते हैं, सन् 1948 में कहा कि, “मैंने भूपेन्द्रदत्त से झूठी बात कही थी कि फ़लों शरुस ने मुझसे यह बात कही।” इन सज्जन ने जवाब दिया—“अब तो अङ्गरेज नहीं हैं। डरका कोई सबब भी नहीं है। अब आप सच्ची बात कह सकते हैं। आगे इसके बारे में सच्ची बात कहेंगे तो ?”

शुद्धियाँ के अध्यापकों की जब यह हालत है तो फिर भारत के साधारण इतिहास के सम्बन्ध में सच्ची बातों की जानकारी और कहाँ मिलेगी ? हमारे दिमाग के हर एक सेल (Cell) के बीच में अब तक विराजमान है ! इसलिये हर नई ऐतिहासिक सच्चाई की बात सुनकर हमारे देश के लोग चौंक उठते हैं और कहते हैं यह—“नई बात !”

इसीलिये कहा है “धर्म राजनीति का एक जुड़ा है।” जैसा राष्ट्र होता है वैसा ही उसका धर्म होता है। राजनीति राष्ट्र के हर अङ्ग में अनुरूप असर डालती है। राजनीति को छोड़ कर धर्म नहीं खड़ा हो सकता। आकाशवाणी यानी गैब की आवाज और निभन्ति इलहाम से धर्म का सिरजन हुआ और उसे सच कर लोगों ने फ़ौरन क़बूल कर लिया। यह अनैतिहासिक और गपवाडियों की कहानी है। इसीलिये पुराने जमाने में राजाओं को धर्म का यानी ‘वर्णाश्रम का नियामक और चालक’ (धर्मपाल, बिमहपाल—देखो प्रभाकर वर्धन का साम्रलेख) कहकर पुकारा जाता था।

धर्म चूँकि सियासत का एक जुड़ा है इसलिये अनुयायियों की राजनीति शासक के धर्म का रूप ले लेती है। दर-असल धर्म राष्ट्र को चलाने वाला एक यंत्र होता है। हिन्दु-स्तान में बार बार इसकी मिसाल देखने को मिलती है।

راجنیتی کو دیکھ کر بھگوان کے دیکھنے والے کو بھی طرح گدا جاتا ہے۔ پھر اس مسئلے کو ہم بھگوان کی نظر سے دیکھیں تو ہمیں دکھائی دے گا کہ چاندوگیتہ آپنشد کے پانچواں باب میں جہاں کے زمانے سے لے کر آج تک کے زمانے تک اس کی نشانی ملے گی۔ راجا اور راج کی بنیاد کے متعلق ہی دھرم اپنا روپ گڑھتا ہے۔ اشوک نے اپنے مہاتما کے انوشاں کے تحت پرستار کیا۔ ہنگال کے سرور، برہمن اور سین راجوں نے پراچین ہندو سنسکرتی کو جو مول سے اٹھا کر اس کی جگہ براہمن واد کو اپنایا۔ اس زمانے میں ہندو دھرم نے نئی اسمرتی چلائی اور جدیدیت وادھن 'دائے بھاگ' نامک نئے آئین کے پرستار تھے۔ یہ سب مثالیں اس سماجک سچائی کی گواہ ہیں۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہنگال میں حسین شاہ سیکھ پیر (ہندوؤں کے سیکھ ناراہن) کی پوجا جاری کرتے ہیں و اس کے پرستار پوشک بنتے ہیں۔ اس کے بعد اکبر دوارا اپنے نئے دھرم دین الہی کا پرچار ہوتا ہے۔ پھر اورنگ زیب زبردستی جنتا کے اوپر اپنا دھرم لادنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دلی دربار میں رانی وندھیا کو 'بھارت کی سامراجی' کہہ کر پکرا جاتا ہے اور انگریز سرکار کیشو چندرسین، سوامی دیا نند اور سید احمد کو ملا کر ایک سارو جنہوں دھرم سنگھت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان سب مثالوں سے اسی سماجی اصول پر روشنی پڑتی ہے کہ ایک 'راشٹر' ایک راجا، ایک نیشن، ایک دھرم—یہی ہمیشہ سے سامراجیہ وادیوں کی کامنا رہی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انہاس آئے بار بار دہرا رہا ہے۔

ان تہیوں سے صاف ہے کہ راج نیتی کے چھتر سے دھرم کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسی راج نیتی ہوگی اسی طرح دھرم کا کرم وکس اور روپ ہوگا۔ بلیادی طور پر سب دھرم Anthropological religion ہوتے ہیں یعنی جانتوں کی ابھویکتی کے ساتھ دھرم کا بیوی وپرتن ہوتا ہے، جو لوگ دھرم کو ایشور کرت یا الہامی مانتے ہیں ان سے پوچھ جا سکتا ہے کہ کل کی دورہیں لیکر بہت دور گذرے ہوئے زمانے سے اب تک یہی نظر دوڑاتی چلتی تو دکھائی دے گا کہ آج جسے ایشور پرورت، الہامی یا آپورشرٹھے اور رشمن دورا بتایا نہرہوانت سیکھ کہا جاتا ہے وہ دور زمانے کے ایک ہیج کا ہی ترقی کیا ہوا روپ ہے۔ اس پر اسی ہیج کی چھاپ ہوتی ہے۔ رگید کے یکہ کے 'برہما' (سائن نے اس شبد کے سات اوتہ نئے ہیں) بعد میں سرشتی کے بنائے والے برہما کے روپ میں پوچھ جانے لگے۔ بعد میں برہما نے 'شیت برہما' و'سپستر برہما' کے روپ بدھ دیو سے اُپدیہیں سنا۔ پھر آپنشدوں میں

راجنیتی کو دیکھ کر بھگوان کے دیکھنے والے کو بھی طرح گدا جاتا ہے۔ پھر اس مسئلے کو ہم بھگوان کی نظر سے دیکھیں تو ہمیں دکھائی دے گا کہ چاندوگیتہ آپنشد کے پانچواں باب میں جہاں کے زمانے سے لے کر آج تک کے زمانے تک اس کی نشانی ملے گی۔ راجا اور راج کی بنیاد کے متعلق ہی دھرم اپنا روپ گڑھتا ہے۔ اشوک نے اپنے مہاتما کے انوشاں کے تحت پرستار کیا۔ ہنگال کے سرور، برہمن اور سین راجوں نے پراچین ہندو سنسکرتی کو جو مول سے اٹھا کر اس کی جگہ براہمن واد کو اپنایا۔ اس زمانے میں ہندو دھرم نے نئی اسمرتی چلائی اور جدیدیت وادھن 'دائے بھاگ' نامک نئے آئین کے پرستار تھے۔ یہ سب مثالیں اس سماجک سچائی کی گواہ ہیں۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہنگال میں حسین شاہ سیکھ پیر (ہندوؤں کے سیکھ ناراہن) کی پوجا جاری کرتے ہیں و اس کے پرستار پوشک بنتے ہیں۔ اس کے بعد اکبر دوارا اپنے نئے دھرم دین الہی کا پرچار ہوتا ہے۔ پھر اورنگ زیب زبردستی جنتا کے اوپر اپنا دھرم لادنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دلی دربار میں رانی وندھیا کو 'بھارت کی سامراجی' کہہ کر پکرا جاتا ہے اور انگریز سرکار کیشو چندرسین، سوامی دیا نند اور سید احمد کو ملا کر ایک سارو جنہوں دھرم سنگھت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان سب مثالوں سے اسی سماجی اصول پر روشنی پڑتی ہے کہ ایک 'راشٹر' ایک راجا، ایک نیشن، ایک دھرم—یہی ہمیشہ سے سامراجیہ وادیوں کی کامنا رہی ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ انہاس آئے بار بار دہرا رہا ہے۔

ان تہیوں سے صاف ہے کہ راج نیتی کے چھتر سے دھرم کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ جیسی راج نیتی ہوگی اسی طرح دھرم کا کرم وکس اور روپ ہوگا۔ بلیادی طور پر سب دھرم Anthropological religion ہوتے ہیں یعنی جانتوں کی ابھویکتی کے ساتھ دھرم کا بیوی وپرتن ہوتا ہے، جو لوگ دھرم کو ایشور کرت یا الہامی مانتے ہیں ان سے پوچھ جا سکتا ہے کہ کل کی دورہیں لیکر بہت دور گذرے ہوئے زمانے سے اب تک یہی نظر دوڑاتی چلتی تو دکھائی دے گا کہ آج جسے ایشور پرورت، الہامی یا آپورشرٹھے اور رشمن دورا بتایا نہرہوانت سیکھ کہا جاتا ہے وہ دور زمانے کے ایک ہیج کا ہی ترقی کیا ہوا روپ ہے۔ اس پر اسی ہیج کی چھاپ ہوتی ہے۔ رگید کے یکہ کے 'برہما' (سائن نے اس شبد کے سات اوتہ نئے ہیں) بعد میں سرشتی کے بنائے والے برہما کے روپ میں پوچھ جانے لگے۔ بعد میں برہما نے 'شیت برہما' و'سپستر برہما' کے روپ بدھ دیو سے اُپدیہیں سنا۔ پھر آپنشدوں میں

برہما 'برہما' کے پد پر پڑھتے ہیں اور آنت میں ساویتری کے अभिराप से ब्रह्मा अपने पद से पदच्युत होकर ब्रह्मा का भारत से लोप हो जाता है.*

इसी तरह प्रागैतिहासिक जमाने का Yave यहूदी कौम का सर्वशक्तिमान 'जेहोवा' (Jehovah) हो जाता है. इसी तरह सेमेटिक जातियों के रेगिस्तान में 'एलि,' 'एल,' 'एलियन' और उसके बाद वही कुरान में 'अल्लाह' बन जाते हैं. भगवान की धारणा का यही जातितात्त्विक (enthrological) रूप है. वैदिक 'भग' देवता ही बाद में सृष्टि कर्त्ता भगवान बन गये. रूस में इनकी Bugus नाम से पूजा होती है. जैसे जैसे कौम की राजनीति का चक्र घूमता है वैसे वैसे क्रिया कांड, ध्यान धारणा और भगवान के रूप की अभिव्यक्ति होती है. इसी नुस्ते नज़र से हम आर्यों की राजनीतिक और समाजनीतिक प्रगति पर ज़रा गौर करें. आर्यों की जातिगत संस्कृति को ज़रा देखें. आर्य सोमरस पीने वाले, हल्दी रंग की ढाढ़ी वाले, और हल्दी रंग के कपड़े पहनने वाले और उनके नेता 'हरित' (हल्दी रंग के) घोड़े पर सवार इन्द्र हैं जिन्होंने सम्बर असुर को ध्वंस किया. वही पुराणों के इन्द्र बनकर दैत्य और असुरों के हाथों पराजित होते हैं. इसका सबब क्या है? इसका सबब यह है कि आर्यों के नेता इन्द्र की हैसियत अब बेहद घट गई थी, उसके सर पर ब्रह्मा, विष्णु और महेश्वर बैठा दिये गये थे. इन्द्र खाली स्वर्ग का इन्तज़ाम करने वाला रह गया. इन्द्र को बार बार पराजित होने वाला दिखाकर त्रिमूर्ति की प्रतिष्ठा जो क्रायम करनी थी. स्वर्ग के ऊपर भी और दूसरे लोकों की कल्पना करके इन्द्र का दर्जा बेहद घटा दिया गया. 'महेश्वर,' महाभारत के मुताबिक, सबसे बड़ा देवता बन जाता है. (वाकाटक और भारशिवों के वक्त महेश्वर की पूजा सबसे प्रधान पूजा ऐलान की गई). लेकिन गुप्तों के जमाने में विष्णु की पूजा सबसे मुख्य पूजा करार दी गई.

यह भी देखा जाता है कि हर जमाने में हुकूमत करने वाले समाज को अपनी राय का बनाने के लिये धर्म पुस्तकें तैयार कराते हैं और नये नये क्रिया कांड और आचार व्यवहार जारी करते हैं. चण्डाशोक ने 'धर्माशोक' बनकर स्त्रियों से सम्बन्धित कई आचार व्यवहार बदले. बुद्ध की ज़िन्दगी को लेकर तरह तरह की जात्राएँ, और क्रीड़ा प्रदर्शन जारी किये गये. (जिस तरह ईसा की ज़िन्दगी को लेकर Passion play शुरू किये गये). वाकाटक और भारशिवों के समय भारत में शिव के मन्दिर बनाये जाने लगे; ब्राह्मणों को ग्रामदान मिलने लगा; यज्ञ वगैरह फिर से जारी किये गये और शिव को लेकर अनेक पुराण लिखे गये.

बहुत गुप्तरे हुये जमाने के इतिहास में न जाकर अगर हम बंगाल के इतिहास पर ही नज़र डालें तो देखेंगे कि बौद्ध

برہما 'یوم' کے پد پر پڑھتے ہیں اور آنت میں ساویتری کے अभिराप से ब्रह्मा अपने पद से पदच्युत होकर ब्रह्मा का भारत से लोप हो जाता है.*

اسی طرح پراگیتھاسک زمانے کا Yave یہودی قوم کا سرشکتمان 'جہووا' (Jehovah) ہو جاتا ہے. اسی طرح سیمٹک جاتوں کے ریگستان میں 'ایلی,' 'ایل,' 'ایلین' اور اُس کے بعد وہی قرآن میں اللہ بن جاتے ہیں. بھگوان کی دھارنا کا یہی جاتیاتھوک (enthrological) روپ ہے. ویدک 'بگ' دیوتا ہی بعد میں سرشتی کرتا بھگوان بن گئے. روس میں اِن کی Bugus نام سے پوجا ہوتی ہے. جیسے جیسے قوم کی راج نیٹی کا چکر گھومتا ہے ویسے ویسے کربا کاند' دھیان دھارنا اور بھگوان کے روپ کی ابھوبکتی ہوتی ہے. اسی نقطہ نظر سے ہم آریوں کی راج نیٹک اور سماجک پرگتی پر ذرا غور کریں. آریوں کی جاتیاتک سنسکرتی کو ذرا دیکھیں. آریہ سوم رس پینے والے; ہلدی رنگ کی دارہی والے اور ہلدی رنگ کے کپڑے پہننے والے اور اُن کے نیٹا 'ہرت' (ہلدی رنگ کے) گھوڑے پر سوار اُندر ہیں جنہوں نے سمیر اسور کو دھونس کیا. وہی پرائوں کے اُندر بن کر دیتے اور اسوروں کے ہاتھوں پر راجت ہوتے ہیں. اِس کا سبب کیا ہے؟ اِس کا سبب یہ ہے کہ آریوں کے نیٹا اُندر کی حیثیت اب بے حد گھٹ گئی تھی. اُس کے سر پر برہما، وشنو اور مہیشور بیٹھا دیئے گئے تھے. اُندر خالی سورگ کا انتظام کرنے والا رہ گیا. اُندر کو بار بار پراجت ہونے والا دکھا کر تریمورتی کی پرستشہا جو قائم کرنی تھی. سورگ کے اوپر بھی اور دوسرے لوگوں کی کاہنا کر کے اُندر کا درجہ بے حد گھٹا دیا گیا. 'مہیشور' مہابھارت کے مطابق سب سے بڑا دیوتا بن جاتا ہے. (واکتک اور بھارشیوں کے وقت مہیشور کی پوجا سب سے پردھان پوجا اعلان کی گئی). لیکن گہتوں کے زمانے میں وشنو کی پوجا سب سے مکھیہ پوجا قرار دی گئی.

یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر زمانے میں حکومت کرنے والے سماج کو اپنی رائے کا بنانے کے لئے دھرم پسندیں تیار کرتے ہیں اور نئے نئے کربا کاند اور آچار ویبھار جاری کرتے ہیں. چنڈاشوگ نے 'دھرماشوک' بن کر استریوں سے سلطنت کئی آچار ویبھار بدلے. بدھ کی زندگی کو لیکر طرح طرح کی جاترائیں اور کربا پررشن جاری کئے گئے. (جس طرح عیسیٰ کی زندگی کو لیکر Passion Play شروع کئے گئے). واکتک اور بھارشیوں کے سئم. بھارت میں شو کے مندر بنائے جاتے تھے; براہمنوں کو کرام دان ملنے لگا; بیکہ وغیرہ پیر سے جاری کئے گئے اور شو کو لیکر اُن کے یوان لکھے گئے.

بہت گزیرے ہوئے زمانے کے ایتھاس میں نہ جاکر اگر ہم بنگال کے ایتھاس پر ہی نظر ڈالیں تو دیکھیں گے کہ ہردھ

ماسن کو ختم کر کے راتھ کے شوروں، ہرمیوں، اور گور کے سین
ناسکوں نے پرائیویٹوں کو جاری کرنے کی بے حد کوششیں کیں۔
س کے لئے قلعہ سے سانک بڑھیں کو بلایا گیا۔ یہودیہ ہوسٹ کے
ٹی ایس آر کے بلائی۔ فنی کریا کرم، اور نئے پائے منتر بلاتے گئے۔
پہلیوں کی 'دائرتن' بلال سین کی 'دان ساگر' ہائیڈ کی
رہن 'سروس' آدی ایکسپسٹن لکھوائی گئیں۔

پھرتی ہے مستحکمت ؛ اور اُن کے بھائی نے اُنہیں بدھتی ،
سنگ لگتی ۔ اِس طرح بدھ سنسکرتی کو ہر پرکار سے مقابلے
کی کوشش کی گئی۔ یہ سب باہر سے آئے ہوئے براہمن وادی غیر
نگالوں دوآرا کرایا گیا ۔ اِسی لئے بنکم چندر نے آکشیپ کیا تھا ۔
، بنگال کا راجتو قنوج تک ہے ۔ دیوال دتو ، ملا بدھ ، شری
رہن آدمی کی اِسمرتیاں ہی بنگال کے دل اور دماغ پر چھا
لیں ۔ سرگتہ ہر پرساد شاستری نے لکھا تھا — ’بنگالی ایک
قاتی ہے جو اپنے کو بھول چکی ہے ۔‘ بنگالی اِس بات کو
بھول گئے ہیں کہ دھرم پال نے کس پرکار بنگال کو سارو بھوم
حکومت بنایا تھا اور کس طرح دھندلہن کے جنگی ہاتھوں نے
جنگ کی توجہ سے کامروپ راجتہ کو ہرایا تھا ۔ بنگالی یہ بھی بھول
گئے ہیں کہ کس طرح ’ہی‘ ! ’ہی‘ ! (war cry) کے
ساتھ اُن کی نو سوہائیں جنگی نعرے لگا کر حملہ کرتی تھیں ۔
نگالی یہ بھی بھول گئے ہیں کہ کس طرح جاوا اور سنگیل میں
نگالی ویاپاری تجارت کے لئے جایا کرتے تھے ۔ (دیکھو چاند
بھنپتی اور شریمنت آدمی اپانکھان) زمین کوہد کر تاسراہتی کا
جو پراچین دیہو سہن شہر نلا ہے اُس کا ذکر صرف کہانہوں
میں ملتا ہے ۔

شریلی سنگرام اسی بیہانک روپ سے کام کرتا ہے۔ آپسی حملہ اور جوابی حملہ اور ہمدہ کی بھاونامیں لکھتے ہوئے لوگوں کے بارے میں شانتی پرور مہوشم نے کہا ہے۔ ”پورو دیہی کے لوگ سب شاستروں کے وشارد یعنی جانکار ہیں۔“ انہوں نے لکھا کہ آج سب لوگ ’بھات کھاؤ‘ ہنگالی کہہ کر پکارتے ہیں۔ آج ہنگالی جنگ کا نام سن کر کانپنے لگتے ہیں۔ ہنگالی بہ لکھکر درخولست دینے میں بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

”We are a cowardly people !“

اِس لئے ہم کہتے ہیں کہ راج نیتی کے ساتھ دھرم کا گہرا
تعلق ہے۔ حکومت کرنے والے جس طرح راج نیتی کو چاہتے
ہیں اُس دیش میں وہاں کی سنسکرتی اُسی کے مطابق
رہا لیتی ہے۔

[باقی ہے]

* پرمہمان سادقہ میدان سے سہاپتی کا اہم ہواشن ۔

ڈاکٹر لاتیف دفتری ایم. اے. ڈی. فیل.

ڈاکٹر لطیف دفتری ایم. اے. ڈی. فیل.

کریب آٹھ صدیوں تک بنگال مسلمانوں کی حکومتوں کے ماتحت رہا۔ اس سارے زمانے میں بنگال کے ہندو-مسلمان ایک دوسرے سے مل کر آپسی بھائی چارے کے ساتھ رہتے رہے۔ کبھی کبھی کوئی تاناشاہ بنگال کی گہری پر بٹھا پر بھ آپنی تاناشاہی سے بنگال کے پرم پورن واپاروں کو زیادہ تھیس پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ زیادہ تر شمسوں اور عام جلتا نے بنگال میں ہندو مسلمانوں کے سانسکرتک میل جول میں ہی یوگ دیا۔ ہندو مسلمانوں میں مذہبی کٹھن کا اُس زمانے میں بڑے تک نہ تھا۔ سراج میں اور ذاتی دہوار میں پرم مکترا اور بھائی چارے کی بھاننا ہی دکھائی دیتی تھی۔

ہندو مسلمانوں کے سانسکرتک میل جول کو بنگال کے جن سلطانوں نے بڑھا دیا اُن میں سلطان غیاث الدین، نصیر شاہ، حسین شاہ اور اُن کے علاوہ صوبیدار پراگل خان، چوٹے خان، آدمی کے نام خاص ہیں۔ میتھل کوئی ودیاتی نے نصیر شاہ کی پحد تعریف کی ہے۔

نصیر شاہ نے بنگال پر چالیس برس تک یعنی سن 1325 عیسوی تک راج کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نصیر شاہ نے ہی پہلے پہل مہابھارت کا سنسکرت سے بنگالی ترجمہ کرایا۔ حسین شاہ کا زمانہ (15 ویں صدی) تو بنگال سمیتہ کا سہلا بگ تھا۔ جس طرح انڈیلڈ کی رانی ایلیزبیتھ (16 ویں صدی) نے سمیتہ کو اپنا سرکشن دیا اور اسپینسر، مہرلی، شیکسپیر اور دوسرے انھک سمیتہوں کو بڑھاوا اور راجا شہنہ دیا اُسی طرح بنگال کے چکرورنی راجا حسین شاہ نے بنگال سمیتہ کو پرتسامن دیکر پرتسامن بنگالی کوئی ملدھر بسو، بچے گوت، جسو راج خان اور انھک سمیتہوں کو سرکشن، آبھار اور اشرے دیا۔

حسین شاہ کے زور دینہ پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اُس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسامن بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیتہ کو جلتا پرتسامن دیا اُنکا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسامن کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ اُن کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

نصیر شاہ نے بنگال پر چالیس برس تک یعنی سن 1325 عیسوی تک راج کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نصیر شاہ نے ہی پہلے پہل مہابھارت کا سنسکرت سے بنگالی ترجمہ کرایا۔ حسین شاہ کا زمانہ (15 ویں صدی) تو بنگال سمیتہ کا سہلا بگ تھا۔ جس طرح انڈیلڈ کی رانی ایلیزبیتھ (16 ویں صدی) نے سمیتہ کو اپنا سرکشن دیا اور اسپینسر، مہرلی، شیکسپیر اور دوسرے انھک سمیتہوں کو بڑھاوا اور راجا شہنہ دیا اُسی طرح بنگال کے چکرورنی راجا حسین شاہ نے بنگال سمیتہ کو پرتسامن دیکر پرتسامن بنگالی کوئی ملدھر بسو، بچے گوت، جسو راج خان اور انھک سمیتہوں کو سرکشن، آبھار اور اشرے دیا۔

حسین شاہ کے زور دینہ پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اُس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسامن بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیتہ کو جلتا پرتسامن دیا اُنکا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسامن کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ اُن کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

حسین شاہ کے زور دینہ پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اُس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسامن بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیتہ کو جلتا پرتسامن دیا اُنکا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسامن کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ اُن کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

حسین شاہ کے زور دینہ پر ہی سن 1480 میں ملدھر بسو نے بھاگوت کا سنسکرت سے بنگالی انواد کیا۔ اُس انواد کے پورا ہو جانے پر حسین شاہ نے ملدھر بسو کو "گدراج خان" کا خطاب دیا۔ پرتسامن بنگالی کوئی بچے گوت نے لکھا ہے کہ حسین شاہ نے بنگال سمیتہ کو جلتا پرتسامن دیا اُنکا کسی دوسرے راجا نے نہیں دیا۔ کوئی جسو راج خان کہتا ہے—"چکرورنی سمرات حسین شاہ" جو کہ پرتسامن کے ابھوشن میں، کویتا کی بھانناؤں سے خوب واقف ہیں اور وہ اُن کی بڑی سنجیدگی سے جان بچھرتے ہیں۔"

سکندر کبوتر شاہ کی ایک کتاب سے سکندر کے دوسرے
 کاتبوں کی اور درباری بھی بے حد پرभावت ہوئے۔ سکندر کے
 صوبیدار اور سیناپتی پراگل خاں نے کبندر پر مشور کو پرتساعت
 دیگر مہابارت کا سنسکرت سے ہنگ میں 'شوری پورا' تک ترجمہ
 کروایا۔ اس طرح ہنگ بھاشا میں پہلی بار جلتا کو مہابارت
 حاصل ہوا۔ پراگل چنگاؤں کا صوبیدار تھا جہاں وہ لگ بگ
 ایک سو ادھین شاک کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ پراگل کا
 یوگہ پتر اور سرو دھرم سمبھاری تھا۔ چوٹے خاں نے کبندر
 پر مشور کے ادھر سے کام کو پورا کرنے کے لئے شوری کرشن ندی
 کو نہت کیا۔ شوری کرشن ندی نے مہابارت کے انواد کے پہلے
 ادھین میں کھلے دل سے ان مسلمان شاکوں کی باریز
 تعریف کی ہے۔

سکندر حسین شاہ کی اس مثال سے سرائے کے دوسرے ائمہ
 کو سمجھائی اور درباری بھی بے حد پرभावت ہوئے۔ سکندر کے
 صوبیدار اور سیناپتی پراگل خاں نے کبندر پر مشور کو پرتساعت
 دیگر مہابارت کا سنسکرت سے ہنگ میں 'شوری پورا' تک ترجمہ
 کروایا۔ اس طرح ہنگ بھاشا میں پہلی بار جلتا کو مہابارت
 حاصل ہوا۔ پراگل چنگاؤں کا صوبیدار تھا جہاں وہ لگ بگ
 ایک سو ادھین شاک کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ پراگل کا
 یوگہ پتر اور سرو دھرم سمبھاری تھا۔ چوٹے خاں نے کبندر
 پر مشور کے ادھر سے کام کو پورا کرنے کے لئے شوری کرشن ندی
 کو نہت کیا۔ شوری کرشن ندی نے مہابارت کے انواد کے پہلے
 ادھین میں کھلے دل سے ان مسلمان شاکوں کی باریز
 تعریف کی ہے۔

یوگہ دہش چندر سن نے 'جن کی بستک ہنگ بھاشا
 اور ہنگ ساتھ کے ایتھس پر بہت مستند مانی جاتی ہے'
 لکھا ہے۔

"ہنگ بھاشا کو ساتھ کے درجہ تک پہنچانے میں کئی
 ائروں نے کام کیا ہے جن میں نسلیہ ایک سب سے ادھک
 سہوین پرہاؤ مسلمانوں کا ہنگال وجہ کرنا تھا۔ بدی ہندو
 راجاؤں کا ادھکار ہذا رہتا تو ہنگ بھاشا کو راج دربار تک
 پہنچانے کا مشکل سے ہی موقع مل سکتا تھا۔"

راجا کلس کے اترادھیکاری نے اسلام مت سوہکار کیا اور
 کرتھواس درارا سنسکرت سے ہنگ میں رامین کا انواد کرانے کا
 انتظام کیا۔ ایک دوسرے مسلمان امرا علول نے ملک محمد
 چائسی کی ہندی بستک پدموات کا ہنگ میں انواد کیا۔
 علول نے اور بھی انیک ناریسی کتابوں کا ہنگ میں انواد کیا ہے۔
 دہش چندر سن لکھتے ہیں۔

اس طرح کی بے حد مثالیں ملتی ہیں جن میں کہ
 مسلمان سرائوں اور سرداروں نے سنسکرت اور فارسی کے
 کرتھوں کا اپنی اور سے ہنگ میں ترجمہ کروایا اور دوسروں کو
 اس طرح کے کاموں میں مدد دی۔ جب کہ ہنگال کے بلوان
 مسلمان بادشاہوں نے دیہ کی بھاشا کو اپنے درباروں میں یہ اوج
 استھان دیا ہے تو قدرتی طور پر ہندو راجاؤں نے ان کا انوسرن
 کیا۔ اس طرح ہندو راجاؤں کے درباروں میں ہنگالی کہوں کی
 نیوکتی کا رواج مسلمان بادشاہوں کی دیہ دیکھی شروع ہوا۔

نہ صرف بھاشا اور سماجک دائرے میں ہی سنسکرت
 میل جول کی یہ دھارا بہ رہی تھی بلکہ دھرمک چہتر میں

سکندر کبوتر شاہ کی ایک کتاب سے سکندر کے دوسرے
 کاتبوں کی اور درباری بھی بے حد پرभावت ہوئے۔ سکندر کے
 صوبیدار اور سیناپتی پراگل خاں نے کبندر پر مشور کو پرتساعت
 دیگر مہابارت کا سنسکرت سے ہنگ میں 'شوری پورا' تک ترجمہ
 کروایا۔ اس طرح ہنگ بھاشا میں پہلی بار جلتا کو مہابارت
 حاصل ہوا۔ پراگل چنگاؤں کا صوبیدار تھا جہاں وہ لگ بگ
 ایک سو ادھین شاک کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ پراگل کا
 یوگہ پتر اور سرو دھرم سمبھاری تھا۔ چوٹے خاں نے کبندر
 پر مشور کے ادھر سے کام کو پورا کرنے کے لئے شوری کرشن ندی
 کو نہت کیا۔ شوری کرشن ندی نے مہابارت کے انواد کے پہلے
 ادھین میں کھلے دل سے ان مسلمان شاکوں کی باریز
 تعریف کی ہے۔

سکندر حسین شاہ کی اس مثال سے سرائے کے دوسرے ائمہ
 کو سمجھائی اور درباری بھی بے حد پرभावت ہوئے۔ سکندر کے
 صوبیدار اور سیناپتی پراگل خاں نے کبندر پر مشور کو پرتساعت
 دیگر مہابارت کا سنسکرت سے ہنگ میں 'شوری پورا' تک ترجمہ
 کروایا۔ اس طرح ہنگ بھاشا میں پہلی بار جلتا کو مہابارت
 حاصل ہوا۔ پراگل چنگاؤں کا صوبیدار تھا جہاں وہ لگ بگ
 ایک سو ادھین شاک کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ پراگل کا
 یوگہ پتر اور سرو دھرم سمبھاری تھا۔ چوٹے خاں نے کبندر
 پر مشور کے ادھر سے کام کو پورا کرنے کے لئے شوری کرشن ندی
 کو نہت کیا۔ شوری کرشن ندی نے مہابارت کے انواد کے پہلے
 ادھین میں کھلے دل سے ان مسلمان شاکوں کی باریز
 تعریف کی ہے۔

یوگہ دہش چندر سن نے 'جن کی بستک ہنگ بھاشا
 اور ہنگ ساتھ کے ایتھس پر بہت مستند مانی جاتی ہے'
 لکھا ہے۔

"ہنگ بھاشا کو ساتھ کے درجہ تک پہنچانے میں کئی
 ائروں نے کام کیا ہے جن میں نسلیہ ایک سب سے ادھک
 سہوین پرہاؤ مسلمانوں کا ہنگال وجہ کرنا تھا۔ بدی ہندو
 راجاؤں کا ادھکار ہذا رہتا تو ہنگ بھاشا کو راج دربار تک
 پہنچانے کا مشکل سے ہی موقع مل سکتا تھا۔"

راجا کلس کے اترادھیکاری نے اسلام مت سوہکار کیا اور
 کرتھواس درارا سنسکرت سے ہنگ میں رامین کا انواد کرانے کا
 انتظام کیا۔ ایک دوسرے مسلمان امرا علول نے ملک محمد
 چائسی کی ہندی بستک پدموات کا ہنگ میں انواد کیا۔
 علول نے اور بھی انیک ناریسی کتابوں کا ہنگ میں انواد کیا ہے۔
 دہش چندر سن لکھتے ہیں۔

اس طرح کی بے حد مثالیں ملتی ہیں جن میں کہ
 مسلمان سرائوں اور سرداروں نے سنسکرت اور فارسی کے
 کرتھوں کا اپنی اور سے ہنگ میں ترجمہ کروایا اور دوسروں کو
 اس طرح کے کاموں میں مدد دی۔ جب کہ ہنگال کے بلوان
 مسلمان بادشاہوں نے دیہ کی بھاشا کو اپنے درباروں میں یہ اوج
 استھان دیا ہے تو قدرتی طور پر ہندو راجاؤں نے ان کا انوسرن
 کیا۔ اس طرح ہندو راجاؤں کے درباروں میں ہنگالی کہوں کی
 نیوکتی کا رواج مسلمان بادشاہوں کی دیہ دیکھی شروع ہوا۔

نہ صرف بھاشا اور سماجک دائرے میں ہی سنسکرت
 میل جول کی یہ دھارا بہ رہی تھی بلکہ دھرمک چہتر میں

ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے بہت نژدیک آ رہے تھے۔ ویشوا دھرم کے ایتھاس میں مسلمان ویشنوسنتوں کی مثالیں بے حد بڑی بڑی تھیں۔ ہارہویں صدی کے بنگال میں ہندوؤں کا مسلمانوں کی درگاہوں میں مقناہی چڑھانا، قرآن پڑھنا اور مسلمانوں کے تھوہار منانا اور اسی طرح مسلمانوں کا ہندوؤں کے دھارمک رواجوں کی اور علی اور دھانا ایک عام بات تھی۔ اسی میل جول میں سے بنگال کے اندر ایک نئے دیوتا کی پوجا شروع ہوئی جسے 'ستھ پیر' کہتے تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ستھ پیر کی پوجا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سراج حسین شاہ اس نئے پنتھ کا سنسٹاپک تھا۔

پندرہویں صدی کے آخر میں بنگال میں مہا پرہو چیتنہ کا جنم ہوا۔ چیتنہ کے جنم سے پہلے کی حالت بیان کرتے ہوئے دنیس چلنر سین لکھتے ہیں—

“براہمنوں کا پرہو بہت تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ جاتی بید نے شکنجے کی طرح سماج کی گردن کو جکڑ رکھا تھا۔... نیچی جاتیوں کے لوگ اُچی جاتیوں کے لوگوں کے جھڑموں کے نیچے آہٹے بھر رہے تھے۔ ان اُچی جاتی کے لوگوں نے نیچی جاتی والوں کے لئے دیا کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ ان لوگوں کے لئے ادھک اُنچے جہوں میں پرویش کرنے کی منامی تھی اور نئے پورائک دھرم پر اس طرح براہمنوں کا ٹھیکہ ہو گیا تھا مانو وہ کوئی بازار چھوڑ دے۔“†

مہا پرہو چیتنہ نے اس حالت پر گمبیرتا سے بیچارہ کیا۔ بار بار بھاڑکر وہ دشاٹن کے لیے نکلے۔ انیک سادھوں اور فقروں کے ساتھ اُن کی گناں چرچا ہوئی۔ چیتنہ کے جہوں چرتو کا رچنیتا کرشن داس لکھتا ہے کہ ہندوؤں میں چیتنہ نے کئی مہینے ایک مسلمان فقیر کے ساتھ دھرم چرچا کی۔ جدو بیکچارہ لکھتا ہے—

“چیتنہ کے جہوں کی انیک گھنٹائیں ایسی تھیں جن سے یہ بات پوری طرح صاف ہو جاتی ہے کہ چیتنہ کو مسلمانوں سے بے حد پریم تھا۔“*

چیتنہ نے گورو کی سوا اور بھکت کا اُپدیش دیا۔ جاتیبید کی زبردست مخالفت کی۔ براہمنوں کے کرم کارڈوں کو تھاجی بتایا۔ چیتنہ کے شہوں میں ہندو اور مسلمان اُچھی جاتی اور نیچی جاتی کے لوگ سبھی شامل تھے۔ چیتنہ اپنے سبھی شہوں میں ہریداس کو سب سے ادھک پکار کرتے تھے۔ ہریداس پہلے ایک مسلمان فقیر تھے بعد میں ویشوا سادھو ہو گئے۔ چیتنہ چربتا مروت میں بھولی خاں اور دوسرے پھانوں کے ویشوا دھرم قبول کرنے کا ذکر بھی ہے۔ مسلمان شاکس چیتنہ کو ایشور کا اوتار سمجھتے

ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے بے حد نژدیک آ رہے تھے۔ ویشوا دھرم کے ایتھاس میں مسلمان ویشنوسنتوں کی مثالیں بے حد بڑی بڑی تھیں۔ ہارہویں صدی کے بنگال میں ہندوؤں کا مسلمانوں کی درگاہوں میں مقناہی چڑھانا، قرآن پڑھنا اور مسلمانوں کے تھوہار منانا اور اسی طرح مسلمانوں کا ہندوؤں کے دھارمک رواجوں کی اور علی اور دھانا ایک عام بات تھی۔ اسی میل جول میں سے بنگال کے اندر ایک نئے دیوتا کی پوجا شروع ہوئی جسے 'ستھ پیر' کہتے تھے۔ ہندو اور مسلمان دونوں ستھ پیر کی پوجا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سراج حسین شاہ اس نئے پنتھ کا سنسٹاپک تھا۔

پندرہویں صدی کے آخر میں بنگال میں مہا پرہو چیتنہ کا جنم ہوا۔ چیتنہ کے جنم سے پہلے کی حالت بیان کرتے ہوئے دنیس چلنر سین لکھتے ہیں—

“براہمنوں کا پرہو بہت تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ جاتی بید نے شکنجے کی طرح سماج کی گردن کو جکڑ رکھا تھا۔... نیچی جاتیوں کے لوگ اُچی جاتیوں کے لوگوں کے جھڑموں کے نیچے آہٹے بھر رہے تھے۔ ان اُچی جاتی کے لوگوں نے نیچی جاتی والوں کے لئے دیا کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ ان لوگوں کے لئے ادھک اُنچے جہوں میں پرویش کرنے کی منامی تھی اور نئے پورائک دھرم پر اس طرح براہمنوں کا ٹھیکہ ہو گیا تھا مانو وہ کوئی بازار چھوڑ دے۔“†

مہا پرہو چیتنہ نے اس حالت پر گمبیرتا سے بیچارہ کیا۔ بار بار چھوڑ کر وہ دیشائن کے لئے نکلے۔ انیک سادھوں اور فقروں کے ساتھ اُن کی گناں چرچا ہوئی۔ چیتنہ کے جہوں چرتو کا رچنیتا کرشن داس لکھتا ہے کہ ہندوؤں میں چیتنہ نے کئی مہینے ایک مسلمان فقیر کے ساتھ دھرم چرچا کی۔ جدو بیکچارہ لکھتا ہے—

“چیتنہ کے جہوں کی انیک گھنٹائیں ایسی تھیں جن سے یہ بات پوری طرح صاف ہو جاتی ہے کہ چیتنہ کو مسلمانوں سے بے حد پریم تھا۔“*

چیتنہ نے گورو کی سوا اور بھکتی کا اُپدیش دیا۔ جاتی بید کی زبردست مخالفت کی۔ براہمنوں کے کرم گانڈوں کو تھاجی بتایا۔ چیتنہ کے شہوں میں ہندو اور مسلمان اُچھی جاتی اور نیچی جاتی کے لوگ سبھی شامل تھے۔ چیتنہ اپنے سبھی شہوں میں ہریداس کو سب سے ادھک پکار کرتے تھے۔ ہریداس پہلے ایک مسلمان فقیر تھے بعد میں ویشوا سادھو ہو گئے۔ چیتنہ چربتا مروت میں بھولی خاں اور دوسرے پھانوں کے ویشوا دھرم قبول کرنے کا ذکر بھی ہے۔ مسلمان شاکس چیتنہ کو ایشور کا اوتار سمجھتے

† Ibid.

‡ Hindu Castes and Sects, by Jadu Bhattacharya, p. 464.

یہ مذہب سراسر ایک کجی کا حال دیتا ہے جو دین کے 'بشر' کہہ کر پکارتا تھا۔

دین کے سنہ پیدائش کی ایک شاخ کا نام 'کرتا' تھا۔ اُس کے سانسپائیک کرتا ہا کو ایک مسلمان فقیر نے ہی پالا تھا۔ اس سنہ پیدائش کے آجاریوں میں کئی ہندو اور مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کھول ایک ایشور دی آپاسنا کرتے تھے، دن میں پانچ بار گرومنتر جپتے تھے، مانس مدیرا سے پرہیز کرتے تھے، شکرور کو پوتر دن مانتے تھے اور جات-پانت، ہندو-مسلمان عیسائی اور اونچ نیچ میں کوئی بھد نہ کرتے تھے۔

بنگال کے سکالین ہندو گرتھوں—'شوپنہ پوان'، 'دھرم پوجا پدھتی'، 'دھرم گچن' اور 'دھرم جنلی' وغیرہ میں اور ہندو گیتوں میں براہمنوں کی طرف غصہ اور بدال کی بھڑکنا اور مسلمانوں کے پرتی محبت کے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ان ہندو گرتھوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُس سمنے کے ہنگالی مسلمان مانس سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے—

“خوکڈ مزارب کی طرف مٹھ کیتے خداسے دھڑا مائتا ہے۔

“کوئی اٹلاہ کی پوجا کرتا ہے، کوئی اٹلی کی اور کوئی ممد سائے کی۔

“میاں کسی جیو کی ہتھا نہیں کرتا اور نہ مردار کھاتا ہے۔

“جانت پانت کے بھد اب دھیرے دھیرے توت جائینگے کیونکہ دیکھو ہندو کتب کے اندر ایک مسلمان ہے۔“

مسلمان جو پہلے کورتا کے ساتھ ایک خدا کی عبادت کرتے تھے دھیرے دھیرے ہندوؤں کے دھرمک اثر میں آکر کالی، شہلا، سوسوتی، شو، وشو آدی انیک دیوتاؤں کی آپاسنا کرنے لگے۔

مشہور وجہ شمسورغازی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اُسے سینے میں بھگوان کالی نے درشن دیا اور کہا— “دیکھو! تیرا راج والہ مہری پوجا عبادت کرتے ہیں۔ بدی تم بھی مہری آپاسنا کرو گے اور مجھ پر ہلی چڑھاؤ گے تو اُس کے عہد میں میں تمہیں در دونگی کہ تم آسانی کے ساتھ جنگ میں فتکابی حاصل کرو۔“ دوسری بار یہ دیوی نے شمسیر کو درشن دیکر اپنی وہی مانگ دھوانی، اس پر غازی نے توت توتے دیوی سے کہا— “آپ ہندوؤں کی دیوی ہیں اور میں مسلمان ہوں، تب آپ کیسے میری پوجا قبول کریں گی؟“ دیوی نے اُسے براہمن دوارا پوجا کرنے کے لئے راضی کیا اور پریدام سروپ وہ اپنے سبھی بدھوں میں وجئی ہوا۔

بھگوان کے سنہ پیدائش کی ایک شاخ کا نام 'کرتا' تھا۔ اُس کے سانسپائیک کرتا ہا کو ایک مسلمان فقیر نے ہی پالا تھا۔ اس سنہ پیدائش کے آجاریوں میں کئی ہندو اور مسلمان ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کھول ایک ایشور دی آپاسنا کرتے تھے، دن میں پانچ بار گرومنتر جپتے تھے، مانس مدیرا سے پرہیز کرتے تھے، شکرور کو پوتر دن مانتے تھے اور جات-پانت، ہندو-مسلمان عیسائی اور اونچ نیچ میں کوئی بھد نہ کرتے تھے۔

بنگال کے سکالین ہندو گرتھوں—'شوپنہ پوان'، 'دھرم پوجا پدھتی'، 'دھرم گچن' اور 'دھرم جنلی' وغیرہ میں اور ہندو گیتوں میں براہمنوں کی طرف غصہ اور بدال کی بھڑکنا اور مسلمانوں کے پرتی محبت کے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ان ہندو گرتھوں سے پتہ چلتا ہے کہ اُس سمنے کے ہنگالی مسلمان مانس سے پرہیز کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھا ہے—

“کھونکر مغرب کی طرف منہ کئے خدا سے دعا مانگتا ہے۔
“کوئی اللہ کی پوجا کرتا ہے، کوئی علی کی اور کوئی مسعود سانہی کی۔

“میاں کسی جیو کی ہتھا نہیں کرتا اور نہ مردار کھاتا ہے۔
“جانت پانت کے بھد اب دھیرے دھیرے توت جائینگے کیونکہ دیکھو ہندو کتب کے اندر ایک مسلمان ہے۔“

مسلمان جو پہلے کورتا کے ساتھ ایک خدا کی عبادت کرتے تھے دھیرے دھیرے ہندوؤں کے دھرمک اثر میں آکر کالی، شہلا، سوسوتی، شو، وشو آدی انیک دیوتاؤں کی آپاسنا کرنے لگے۔

مشہور وجہ شمسورغازی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ اُسے سینے میں بھگوان کالی نے درشن دیا اور کہا— “دیکھو! تیرا راج والہ مہری پوجا عبادت کرتے ہیں۔ بدی تم بھی مہری آپاسنا کرو گے اور مجھ پر ہلی چڑھاؤ گے تو اُس کے عہد میں میں تمہیں در دونگی کہ تم آسانی کے ساتھ جنگ میں فتکابی حاصل کرو۔“ دوسری بار یہ دیوی نے شمسیر کو درشن دیکر اپنی وہی مانگ دھوانی، اس پر غازی نے توت توتے دیوی سے کہا— “آپ ہندوؤں کی دیوی ہیں اور میں مسلمان ہوں، تب آپ کیسے میری پوجا قبول کریں گی؟“ دیوی نے اُسے براہمن دوارا پوجا کرنے کے لئے راضی کیا اور پریدام سروپ وہ اپنے سبھی بدھوں میں وجئی ہوا۔

‘ہمام یا تار پنہی’ نامک ایک سمکالینی بنگالا مرنھ کے مسلمانان لکھک نے اپنی پستک سرسختی دہی کی پراتہنا سے شروع کی ہے۔ ایک دوسرا لکھک کریم اللہ اپنے گرنہ ‘یا ونی وشال’ میں دیرانی دیوشو کی استوتی کرتا ہے۔ ‘جمیل دلا رام’ نامک پستک کا کوئی افتاب الدین اپنے نایک سے سہت رشہوں کی پوجا کرتا ہے۔ ایک دوسرے لکھک حمید اللہ کی پستک ‘بہلول اسلدری’ میں براہمن لوگ قران کی مدد سے شہ مہورت نکالتے ہیں۔ ‘پدوں’ کا رچنیتا پرسدھ کوئی کرم علی اپنے انیک کپیتاؤں کو رادھا اور کرشن کو بھیجتا کرتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ لکشمی کی آپاسنا کے گیت گا کر ہی اپنا پیٹ پالتا تھا۔ یہ لوگ اب تک یہی کرتے ہیں۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جن سے اُس زمانے کے بنگال کے ہندو مسلمانوں کے سانسکرت میل جول کے جیون پر تہزوی سی روشنی پڑتی ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جن سے اُس زمانے کے بنگال کے ہندو مسلمانوں کے سانسکرت میل جول کے جیون پر تہزوی سی روشنی پڑتی ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہیں جن سے اُس زمانے کے بنگال کے ہندو مسلمانوں کے سانسکرت میل جول کے جیون پر تہزوی سی روشنی پڑتی ہے۔

رامناما دن جا کو !

دام نام دھن جا کو !

ساڈھ ٹی. ایل. بستانانی

سادھو ٹی. ایل. وسواتی

[عکاںکی ناٹک]

[ایکانکی ناٹک]

پاتر:

گورو نانک (گورو بننے سے پہلے)
کالو—گورو نانک کے پیتا
غریب—کالو کا نوکر
خزیدار—غریب، اداہج، فقہر ادی

دکھ پھلا

ستھان—کالو کے घर کا ایک کمرہ

[کالو اور غریب دونوں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
باتیں کرتے کرتے کالو گورو نانک کو آواچ دیتا ہے۔
نانک بھی مائے رکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں
جنگ ہو رہی ہیں، مانو دے دل کی گہرائی میں کوئی
روشن نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ کالو چنکت اور کچھ غصہ میں بہرا
ہوا دکھائی دیتا ہے۔]

کالو—نانک ! تیرے तरीکنوں سے میں بہت پریشان ہوگیا
ہوں ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تہرا کیا کروں !

پتر:

گرونانک (گورو بننے سے پہلے)
کالو—گرونانک کے پیتا
غریب—کالو کا نوکر
خزیدار—غریب، اداہج، فقہر ادی
درشہ پہلا

استھان—کالو کے گھر کا ایک کمرہ

[کالو اور غریب دونوں آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔
باتیں کرتے کرتے کالو گرونانک کو آواز دیتا ہے۔ ننانک دھیمے
پاؤں رکھتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں
جنگ ہو رہی ہیں، مانو دے دل کی گہرائی میں کوئی
روشن نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ کالو چنکت اور کچھ غصہ میں بہرا
ہوا دکھائی دیتا ہے۔]

کالو—نانک ! تیرے طریقوں سے میں پریشان ہوگیا
ہوں ! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تہرا کیا کروں !

नानक—(गाने लगते हैं)—

नानक—(गाने लगते हैं)—

साधो यह तन मिथ्या जानो !

سادھو یہ تن مٹیا جانو !

या भीतर जो राम बसत है, साँचो ताहि पिछानो ॥

यह जग है सम्पति सुपने की, देख कहा पेड़ानो ।

संग तिहारे कछू न चाले, ताहि कहा लपटानो ॥

अस्तुति निंदा दोऊ परिहरि, हरि-कीरति उर आनो ।

जन 'नानक' सब ही में पूरन, एक पुरुष भगवानो ॥

یا بھتر جو رام بست ہے، ساँچو تاہی پچھانو .

یہ جگ ہے سمپتی سوپنے کی، دیکھ کہا ایڑانو .

سنگ تہارے کچھو نہ چالے، تاہی کہا لپٹانو .

استوتی نندا دوؤ برہری، ہری کیرتی اُرنو .

جن 'نانک' سب ہی میں پورن، ایک پورس بھگانو .

कालू—(गरीब से)—नानक को तलबएडी ले जाओ !

वहाँ इसके लिये एक आटे की दुकान खोल देना; यह पैसा

ला (रुपये की थैली देता है) और इसे खुश रखना, और

यह देखते रहना कि इसका रोजगार ठीक से चल रहा है.

کالو—(غریب سے)—نانک کو تلوٹندی لے جاؤ ! وہاں

اِس نے لٹے ایک آٹے کی دوکان کھول دینا؛ یہ پیسہ لو (روپے

کی ٹھیلی دیتا ہے) اور اُسے خوش رکھنا اور یہ دیکھتے رہنا کہ

اِس کا روزگار ٹھیک سے چل رہا ہے .

गरीब—हाँ सरकार !

غریب—ہاں سرکار !

[गरीब नानक को ले जाता है. नानक उसके साथ भजन गाते हुये जाते हैं.]

[غریب نانک کو لے جاتا ہے . نانک اُس کے ساتھ بھجن

گاتے ہوئے جاتے ہیں .]

दृश्य दूसरा

درشیه دوسرا

स्थान—आटे की दुकान

استهان—آٹے کی دوکان .

[नानक दुकान में बैठे हुये हैं. एक गरीब और अराधित आदमी वहाँ से गुजरता है. नानक तराजू में आटा तोलते हुये उसे बुलाते हैं.]

[نانک دوکان میں بیٹھے ہوئے ہیں . ایک غریب اور

अधमि آدمी वहाँ से گذرता है . नानक तराजू में आटा तोलते

हुए उसे बुलाते हैं .]

नानक—क्यों भाई ! तुम तो बहुत बूढ़े, गरीब और भूखे मालूम होते हो ? ला यह आटा लो (तराजू उसकी तरफ बढ़ाते हैं), इसकी तुम्हें कोई क़ामत न देनी पड़ेगी ! ला इसे लो और अल्लाह के गुन गाओ !

نانک—کیوں بھائی ! تم تو بہت بوڑھے، غریب اور بھوکے

معلوم ہوتے ہو ؟ لا یہ آٹا لو (ترازو اُس کی طرف بڑھاتے ہیں)

اِس کی تمہیں کوئی قیمت نہ دینی پڑیگی ! لا اسے ! اور اللہ

کے گن گلو !

(फिर एक दूसरे क़रीब को बुलाकर)—

(پھر ایک دوسرے فقیر کو بلاکر)—

ला भाई यह आटा तुम्हारे लिये है ! यह मेरी मोहब्बत की सौगात कुबूल करो क़रीब ! और लोगों को अल्लाह की नियामतों की बात बताओ !

لو بھائی یہ آٹا تمہارے لٹے ہے ! یہ میری محبت کی

سوغات قبول کرو فقیر ! اور لوگوں کو اللہ کی نعمتوں کی بات

بتاؤ !

(फिर एक बूढ़ी भिखमंगन को गांव में बचवा लिये हुए देखकर)—

(پھر ایک بوڑھی بھیمکن کو گوت میں بچھے لٹے ہوئے

دیکھکر)—

ला मेरी माँ ! यह आटा तुम्हारे और तुम्हारे इस देवता जैसे सुकुमार छौने के लिये है ! जाओ उसी ईश्वर की महिमा का बखान करो !

لو میری ماں ! یہ آٹا تمہارے اور تمہارے اِس دیوتا جیسے

سوکمار چہلے کے لٹے ہے ! جاؤ اُسی ایشور کی سہما کا بھان کرو !

(پھر ایک غریب مسلمان کو دیکھکر)—

(फिर एक गरीब मुसलमान को देखकर)—

भाई ! तेरे अन्दर भी उसी अल्लाह का ज़हूर है ! उस अल्लाह का जो सब के अन्दर है और सब जिसके अन्दर है !

بھائی ! تیرے اندر بھی اُسی اللہ کا ظہور ہے ! اُس اللہ کا

جو سب کے اندر ہے اور سب جس کے اندر ہیں !

हिन्दू जपते राम नाम, मुसलमान खुदाय,

ہندو جپتے رام نام، مسلمان خدائے

इक्को राम रहीम है, मन में देखो लाय ।

اِکو رام رحیم ہے، من میں دیکھو لائے .

ऐ मेरे भाई, इस आटे से अपनी कोली भरलो, अपना मुँह उस परवरदिगार की तरफ उठाओ; और उसी के पाक नाम का सुभिरन करो !

اے میرے بھائی، اِس آٹے سے اپنی جھولی بھر لو، اپنا منہ

اُس پروردگار کی طرف اٹھاؤ؛ اور اُسی کے پاک نام کا سمرن

کرو !

(गरीब लौटकर जब दूकान पर आता है तो वहाँ भीड़ को खड़ा पाता है और नानक से कहता है)—

गरीब—तुम्हारी दूकान पर तो खरीदारों की भीड़ है. आज तो तुमने काफ़ी कमाया होगा. तुम्हारे बाप यह जान कर बहुत खुश होंगे.

नानक—मैं जानता हूँ मेरा वह पिता बहुत खुश होगा; पिता ! जिसने मुझे यहाँ भेजा है !

गरीब—अब तक तुमने कितना कमाया ?

नानक—इतना कि जिसे मैं बयान नहीं कर सकता !

गरीब—कितना ? लाओ देखूँ तुम्हारा सन्दूक ?

(सन्दूक खोलकर देखता है ता उसे छूछा पाता है)

हैं ! रुपये कहाँ हैं ?

नानक—मेरा खजाना इन आँखों से नहीं दिखाई देता !

गरीब—नानक, भइया ! बता दा रुपये कहाँ हैं, नहीं तो मैं तुम्हारे बाप से जाकर शिकायत करूँगा.

नानक—त्याग के बने मेरे रुपये हैं ! अपरिग्रह मेरी दौलत है ! तर्क दुनिया ही ज़िन्दगी की सब से बड़ी कमाई है ! और राम नाम ही सबा लेन देन है !

(वह फिर आटा तोल तोल कर गरीबों को मुफ्त देते हुये गाते हैं)—

जो नर दुख में दुख नहीं माने.

सुख सनेह अरु भय नहीं जाके, कंचन माटी जाने.

नहिं निन्दा नहिं अस्तुति जाके, लोभ मोह अभिमाना,

हर्ष सोक तें रहै नियारो, नाहिं मान अभिमाना.

आसा मनसा सकल त्यागिके, जग तें रहे निरासा,

काम क्रोध जेहि परसें नाहिंन, तेहि घट ब्रह्म निवासा.

गुरु-किरपा जेहि नर पै कीन्हों, तिन यह जुगति पिछानी,

नानक लीन भयो गोबिन्द सों, ज्यों पानी संग पानी.

गरीब-- (बहुत दुखी होकर), नानक, तुम तो बिलकुल पागल हो गये हो !

नानक—धन्य हैं ऐसे पागल ! और नियामत है यह पागल पन ! क्योंकि ये पागल असहायों और दुखियों में, उस सारी दुनिया के शाहशाह को देखते हैं जो नाना रूप और नाना भेदों में पृथ्वी में व्याप्त है ! धन्य हैं, धन्य हैं ऐसे पागल ! वे दौलत गरीबों में बाँट देते हैं और उसके नाम का महिमा कः बखान करते हैं !

दृश्य तीसरा

[नानक गाते हैं और आटा बाँटते हैं और गाते हैं. दूसरे दिन दूकान बन्द हो जाती है, आटा बचा ही नहीं जिसे गरीबों में बाँटा जाता. गरीब कालू के पास जाकर "पागल" नानक की शिकायत करता है और कालू बेहद लाल पीला हुआ आता है.]

(गरीब लौट कर जब दुकान पर आता है तो वहाँ भीड़ को खड़ा पाता है और नानक से कहता है)—

गरीब—तुम्हारी दुकान पर तो खरीदारों की भीड़ है. आज तो तुमने काफ़ी कमाया होगा. तुम्हारे बाप यह जान कर बहुत खुश होंगे.

नानक—मैं जानता हूँ मेरा वह पिता बहुत खुश होगा; पिता ! जिसने मुझे यहाँ भेजा है !

गरीब—अब तक तुमने कितना कमाया ?

नानक—इतना कि जिसे मैं बयान नहीं कर सकता !

गरीब—कितना ? लाओ देखूँ तुम्हारा सन्दूक ?

(सन्दूक खोलकर देखता है तो उसे छूछा पाता है)

हैं ! रुपये कहाँ हैं ?

नानक—मेरा खजाना इन आँखों से नहीं दिखाई देता !

गरीब—नानक, भइया ! बता दा रुपये कहाँ हैं, नहीं तो मैं तुम्हारे बाप से जाकर शिकायत करूँगा.

नानक—त्याग के बने मेरे रुपये हैं ! अपरिग्रह मेरी दौलत है ! तर्क दुनिया ही ज़िन्दगी की सब से बड़ी कमाई है ! और राम नाम ही सबा लेन देन है !

(वह फिर आटा तोल तोल कर गरीबों को मुफ्त देते हुये गाते हैं)—

जो नर दुख में दुख नहीं माने.

सुख सनेह अरु भय नहीं जाके, कंचन माटी जाने.

नहिं निन्दा नहिं अस्तुति जाके, लोभ मोह अभिमाना,

हर्ष सोक तें रहै नियारो, नाहिं मान अभिमाना.

आसा मनसा सकल त्यागिके, जग तें रहे निरासा,

काम क्रोध जेहि परसें नाहिंन, तेहि घट ब्रह्म निवासा.

गुरु-किरपा जेहि नर पै कीन्हों, तिन यह जुगति पिछानी,

नानक लीन भयो गोबिन्द सों, ज्यों पानी संग पानी.

गरीब-- (बहुत दुखी होकर), नानक, तुम तो बिलकुल पागल हो गये हो !

नानक—धन्य हैं ऐसे पागल ! और नियामत है यह पागल पन ! क्योंकि ये पागल असहायों और दुखियों में, उस सारी दुनिया के शाहशाह को देखते हैं जो नाना रूप और नाना भेदों में पृथ्वी में व्याप्त है ! धन्य हैं, धन्य हैं ऐसे पागल ! वे दौलत गरीबों में बाँट देते हैं और उसके नाम का महिमा कः बखान करते हैं !

दृश्य तेसरा

[नानक गाते हैं और आटा बाँटते हैं और गाते हैं. दूसरे दिन दुकान बन्द हो जाती है, आटा बचा ही नहीं जिसे गरीबों में बाँटा जाता. गरीब कालू के पास जाकर "पागल" नानक की शिकायत करता है और कालू बेहद लाल पीला हुआ आता है.]

कालू—तुमने मेरी खिन्दी तल्ल कर दी नानक ! तुमने अपने खान्दान का नाम जुबा दिया नानक ! तुमने नवाब की नौकरी से इनकार किया, मैंने तुम्हें यह दूकान कर दी. लेकिन तुमने दे देकर दूकान का भी सकाया कर दिया !

नानक—पिता जी ! अपने इस अज्ञान बेटे पर खफा न होइये ! यह देना ही सब से बड़ा पाना है पिता जी ! क्योंकि बीथड़ों में लिपटे हुये इन दुखियों के बेश में ही वह सारे जगत का राजा आता है !

कालू—लेकिन तुमने तो मेरी सारी दौलत लुटा दी !

नानक—मैंने यह सब उसी परम पिता के नाम पर किया जिसने मुझे यहाँ भेजा है.

कालू—मैंने तुम्हें कमाने के लिये भेजा था, लुटाने के लिये नहीं !

नानक—मुहब्बत की राह में कोई चीज नहीं लुटती पिता जी ! वह दिन दूनी रात चौगुनी बढ़ती है. सच्चाई के महल में इसका लेखा जोखा होकर भण्डार लगता जाता है.

कालू—पागलचन्द ! तुम मुझे अमीर से गरीब कर दोगे !

नानक—धन्य हैं वे गरीब, क्योंकि उनके पास रामनाम की अथाह दौलत है !

कालू—क्यों बकवास करते हो. तुम्हें कोई नहीं समझा बुझा सकता. चलो वापस. व्यापार रोजगार तुम्हारे बस का नहीं है !

नानक—पिता जी ! राम नाम ही मेरा व्यापार है ! दुखियों से ही मेरा लेन देन है ! उन्हीं के हृदय के भीतर जो सतमंजला महल है वहीं ईश्वर वास करता है और जब उसकी मेहर होती है तो वह हमारे दिलों की गाँठ खोलकर हमें त्याग में जो रहस्यमय सत्य छिपा हुआ है उसके दर्शन कराता है !

कालू—तुमने मेरी खिन्दी तल्ल कर दी नानक ! तुमने अपने खान्दान का नाम जुबा दिया नानक ! तुमने नवाब की नौकरी से इनकार किया, मैंने तुम्हें यह दूकान कर दी. लेकिन तुमने दे देकर दूकान का भी सकाया कर दिया !

नानक—पिता जी ! अपने इस अज्ञान बेटे पर खफा न होइये ! यह देना ही सब से बड़ा पाना है पिता जी ! क्योंकि बीथड़ों में लिपटे हुये इन दुखियों के बेश में ही वह सारे जगत का राजा आता है !

कालू—लेकिन तुमने मेरी सारी दौलत लुटा दी !
नानक—मैंने यह सब उसी परम पिता के नाम पर किया जिसने मुझे यहाँ भेजा है.

कालू—मैंने तुम्हें कमाने के लिये भेजा था, लुटाने के लिये नहीं !

नानक—मुहब्बत की राह में कोई चीज नहीं लुटती पिता जी ! वह दिन दूनी रात चौगुनी बढ़ती है. सच्चाई के महल में इसका लेखा जोखा होकर भण्डार लगता जाता है.

कालू—पागलचन्द ! तुम मुझे अमीर से गरीब कर दोगे !

नानक—धन्य हैं वे गरीब, क्योंकि उनके पास रामनाम की अथाह दौलत है !

कालू—क्यों बकवास करते हो. तुम्हें कोई नहीं समझा बुझा सकता. चलो वापस. व्यापार रोजगार तुम्हारे बस का नहीं है !

नानक—पिता जी ! राम नाम ही मेरा व्यापार है ! दुखियों से ही मेरा लेन देन है ! उन्हीं के हृदय के भीतर जो सतमंजला महल है वहीं ईश्वर वास करता है और जब उसकी मेहर होती है तो वह हमारे दिलों की गाँठ खोलकर हमें त्याग में जो रहस्यमय सत्य छिपा हुआ है उसके दर्शन कराता है !

स्वतंत्रता کی यात्रا کی تیسری پیڑی

سوئٹزرلینڈ کی یاترا کی تیسری پیڑی

(1885 سے 1920)

شری مگن مائی دےسائی

سن 1885ء، ہٹلرین نیشنل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہٹلرین نیشنل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہٹلرین نیشنل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔

دوسری پیڑی کے بھڑگوں نے ملکر اس سلسلہ کی تاسیس کی۔ اس سلسلہ کی تاسیس کا سال تھا۔ یہاں تک پہنچتے پہنچتے ہٹلرین نیشنل کانگریس کی تاسیس کا سال تھا۔

شروع کے بیس سالوں میں 1885ء سے 1905ء تک—اس سلسلہ کا جو کاروبار تھا اس کے مدبروں پر اور اس کے فیصلوں پر غور کریں تو اس میں سے بہت دلچسپ سامگری حاصل ہو سکتی ہے۔ اس بارے میں ایک خاص دھڑلہ میں لہے جیسی بات یہ ہے کہ کام کاج کی نئی ریت اور آدیشوں کے بارے میں بیس سال کے آمد نوئی خاص الگ روشنی یا بعض صاف نہیں ہوئے تھے۔ جس سلسلہ میں آدیش کو لیکن دوسری پیڑی چلی تھی، عام طور پر اس کو منظور کر کے کام چلایا گیا۔ دہش کے بھڑگوں مقصد اور اس کے حاصل کرنے کے بارے میں بھی 1905ء کے بعد ہی ایسا صاف بید نظر آئے گا۔ سو راج یاترا کی تیسری پیڑی اسی بید پر کڑی ہوئی دہانی دی ہے۔

اس بید سے منشا نرم اور گرم یا جہاں اور موال پکھوں اور نقطہ نظر کی پیدائش سے ہے۔ ہند اور انگلینڈ کے اکتھ مارے میں دونوں کی بھائی کا ایشوریہ سکوت ہے—یہی بھارنا موال پکھ کی نہو ہے۔ ہند ایک براچھن الگ راشٹر ہے اور اس کے انوروپ اے اپنی پرستھا حاصل کرنی چاہئے، اس پر کر ئی بھارنا اور پرتکھا جہاں پکھ کی نہو ہے۔ پارلیمانی طریقہ سے ہمیں کم کر کے آگے چلنا چاہئے۔ یہ موال پکھ کی رہت ہے۔

اس بڑے کام نہیں چل سکتا، سوشلی ایٹمی سائنسوں سے جنگ میں کام کر کے راشن کو جگانا چاہئے یہ جہاں ہمیں کی ریت ہے۔ انگریزوں کے ماتھے سے کام چلانے کی بدھتی موائوں کی اور لوگ ہمارے ماتھے سے کام چلانے کی بدھتی جہاں کی ہے۔ اس پر کار کے صاف راستے تیسری پڑھی میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ بھارت سبک کوٹھے اور لوکمانیہ تلک کی اس پڑھی کے دوسرے کئی نام لکھے جا سکتے ہیں۔

اس پڑھی کا دھیان دینے لائق ایک عام لکھن یہ ہے کہ راشن کی سہولت کے لئے زندگی وقف کرنی چاہئے، یہ بھاؤ اس یک میں صاف طور سے پرکٹ ہوا۔ راج نیتی ایک سہو دھرم ہے، اس میں راشن سہو ہے، اس میں پر یہ پڑھی کوڑی ہوئی۔ راج نیتی میں بھی مذہبی نگاہ سے کام لینا چاہئے، اس پر کار کی ادار بھاؤنا سیاسی کلموں کو ملی۔ تیگ، بلیدان، اپنے آپ کو بھاؤ دینا ایٹمی گن راشن سبک کے لئے ضروری سمجھے جانے لگے۔ بھارت سبک سماج کی استہانہ ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ، بھارت کا بھی سہو بڑھا۔ انگریزوں پر راجیہ کے بداء سر راجیہ آنا چاہئے، ایسا بھاؤ لوگوں میں پیدا ہونے لگا۔

ایسی سیاست کے علاوہ مذہبی اور روحانی رنگ بھی اس کے ساتھ لوگوں پر چڑھنے لگا، بلکہ یہ رنگ پورنا دینے والا بنیادی رنگ تھا۔ ساماد ایک پروشارتہ کی نئے دھرم اور ادھیاتم میں سے پرابت کی گئی۔ گیتا ایٹمی کے ذریعہ اوپر بٹانے ہوئے جہاں سماج اور راشن دھرم کا سموتھن کیا جانے لگا۔ انگریزوں کی شکشا کی نئی ودیاؤں سے ایک پرکار کے شکشاؤں، شوٹھواد تنہا ناسٹکواد کا جو زور پڑھے لکھے درگ میں پیدا ہوتا جاتا تھا، اس پر اس بات نے بہت سی اچھا اثر ڈالا۔ اس میں سومی ویوکانند کی دین سب سے اونچی ہے۔ سوامی شوڈھا نند، لالہ لاجپت، رائے، اروند گھوش، لالہ ہردیال، اپنی بسینٹ ایٹمی کئی مہان وچارکوں کے نام بھی نوٹ دئے جانے چاہئیں۔ راشن کے اس نئے دھرم کے لئے اور نئے پرانم کے لئے نئی شکشا ہونی چاہئے، اس خیال میں سے راشن شکشا کا بھی منتر پیدا ہوا اور اس کے مختلف پریوگ شروع ہوئے۔

کئی سادھنوں کو کام میں لینا چاہئے اس کے بارے میں ہم نے توڑا سا دیکھا۔ جہاں ہمیں کے ساتھ ساتھ ترانس واد اور کائناتی وچار بھی اس کال میں پر مٹ ہوئے۔ ان کی مثالیں بھی ایک خاص دھے کے طور پر دیکھا جیسی ہیں۔

1905 سے 1915-20 تک اس پڑھی کی سرگرمی یہاں تک پہنچی کہ کانگریس سے الگ ایک راجیہ سنسٹھا بھی قائم ہوئی، اور اس طرح آخر میں دونوں دل ویوہستہ طور پر الگ ہوئے۔

اس پڑھی کا دھیان دینے لائق ایک عام لکھن یہ ہے کہ راشن کی سہولت کے لئے زندگی وقف کرنی چاہئے، یہ بھاؤ اس یک میں صاف طور سے پرکٹ ہوا۔ راج نیتی ایک سہو دھرم ہے، اس میں راشن سہو ہے، اس میں پر یہ پڑھی کوڑی ہوئی۔ راج نیتی میں بھی مذہبی نگاہ سے کام لینا چاہئے، اس پر کار کی ادار بھاؤنا سیاسی کلموں کو ملی۔ تیگ، بلیدان، اپنے آپ کو بھاؤ دینا ایٹمی گن راشن سبک کے لئے ضروری سمجھے جانے لگے۔ بھارت سبک سماج کی استہانہ ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ، بھارت کا بھی سہو بڑھا۔ انگریزوں پر راجیہ کے بداء سر راجیہ آنا چاہئے، ایسا بھاؤ لوگوں میں پیدا ہونے لگا۔

ایسی سیاست کے علاوہ مذہبی اور روحانی رنگ بھی اس کے ساتھ لوگوں پر چڑھنے لگا، بلکہ یہ رنگ پورنا دینے والا بنیادی رنگ تھا۔ ساماد ایک پروشارتہ کی نئے دھرم اور ادھیاتم میں سے پرابت کی گئی۔ گیتا ایٹمی کے ذریعہ اوپر بٹانے ہوئے جہاں سماج اور راشن دھرم کا سموتھن کیا جانے لگا۔ انگریزوں کی شکشا کی نئی ودیاؤں سے ایک پرکار کے شکشاؤں، شوٹھواد تنہا ناسٹکواد کا جو زور پڑھے لکھے درگ میں پیدا ہوتا جاتا تھا، اس پر اس بات نے بہت سی اچھا اثر ڈالا۔ اس میں سومی ویوکانند کی دین سب سے اونچی ہے۔ سوامی شوڈھا نند، لالہ لاجپت، رائے، اروند گھوش، لالہ ہردیال، اپنی بسینٹ ایٹمی کئی مہان وچارکوں کے نام بھی نوٹ دئے جانے چاہئیں۔ راشن کے اس نئے دھرم کے لئے اور نئے پرانم کے لئے نئی شکشا ہونی چاہئے، اس خیال میں سے راشن شکشا کا بھی منتر پیدا ہوا اور اس کے مختلف پریوگ شروع ہوئے۔

کئی سادھنوں کو کام میں لینا چاہئے اس کے بارے میں ہم نے توڑا سا دیکھا۔ جہاں ہمیں کے ساتھ ساتھ ترانس واد اور کائناتی وچار بھی اس کال میں پر مٹ ہوئے۔ ان کی مثالیں بھی ایک خاص دھے کے طور پر دیکھا جیسی ہیں۔

1905 سے 1915-20 تک اس پڑھی کی سرگرمی یہاں تک پہنچی کہ کانگریس سے الگ ایک راجیہ سنسٹھا بھی قائم ہوئی، اور اس طرح آخر میں دونوں دل ویوہستہ طور پر الگ ہوئے۔

1905 سے 1915-20 تک اس پڑھی کی سرگرمی یہاں تک پہنچی کہ کانگریس سے الگ ایک راجیہ سنسٹھا بھی قائم ہوئی، اور اس طرح آخر میں دونوں دل ویوہستہ طور پر الگ ہوئے۔

تپیدق کا टीका

تپدق کا ٹیکہ

श्री चक्रवर्ती राजागोपालाचारी

(पिछले नम्बर से आगे)

شادی چکرورتی راجاگوپالچاری

[بچیلے نمبر سے آگے]

امریکا کے ڈاکٹروں نے سیکڑوں تजर بے کر کے اس خطرے کو سمجھا ہے۔ ان سب تजर بوں کو ہم یہاں نہیں دے سکتے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ٹیکہ کتنا خطرناک ہو سکتا ہے اور ہے۔ امریکہ کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں اس طرح کے تजर بے چھپتے رہے ہیں۔

اب ہم سن 1954 میں اور سن 1955 کے بڑے بڑے میڈیکل پتر پترکوں سے کچھ گھٹنائیں بیان کرتے ہیں۔ ان بیانیوں میں سے تکنیکی ڈاکٹری باتیں اور بڑے بڑے ڈاکٹری لہجہ ڈاڈ دیے گئے ہیں۔

27 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں لکھا ہے کہ ڈینمارک کے ایک لڑکے کو پانچ برس کی عمر میں بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ لگنے کے دو ہفتے کے اندر اسے بہت خطرناک قسم کا تپدق شروع ہو گیا اور دو سال کے اندر وہ اس بیماری سے مر گیا۔ بیماری کس طرح پیدا ہوئی اور بڑی اس کی تفصیل وہاں دی ہوئی ہے۔ یہ صاف دیکھا گیا کہ تپدق کے جو کپڑے لڑکے کے اندر پھیلے اور چلوں نے آخر میں اس کی جان لے لی وہ بی۔سی۔ جی کے ہی کپڑے تھے۔

اس گھٹنا کے بارے میں جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں لکھا ہے کہ:—”اس گھٹنا سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بی۔سی۔ جی کے ٹیکے سے جو کپڑے جسم کے اندر داخل کئے جاتے۔ وہ اس سے آدمی کو اس طرح کا تپدق ہو سکتا ہے جو اس کی جان لے لے۔“

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڈے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے لہجے باجھو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھد آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڈے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوچا، جانگہ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پور پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

27 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں لکھا ہے کہ ڈینمارک کے ایک لڑکے کو پانچ برس کی عمر میں بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ لگنے کے دو ہفتے کے اندر اسے بہت خطرناک قسم کا تپدق شروع ہو گیا اور دو سال کے اندر وہ اس بیماری سے مر گیا۔ بیماری کس طرح پیدا ہوئی اور بڑی اس کی تفصیل وہاں دی ہوئی ہے۔ یہ صاف دیکھا گیا کہ تپدق کے جو کپڑے لڑکے کے اندر پھیلے اور چلوں نے آخر میں اس کی جان لے لی وہ بی۔سی۔ جی کے ہی کپڑے تھے۔

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڈے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے لہجے باجھو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھد آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڈے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوچا، جانگہ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پور پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڈے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے لہجے باجھو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھد آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڈے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوچا، جانگہ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پور پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڈے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے لہجے باجھو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھد آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڈے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوچا، جانگہ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پور پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

ایک دوسری گھٹنا 13 نومبر سن 1954 کے جنرل آف دی امریکن میڈیکل एसोसियेशन میں یہ چھپی ہے:—ملائینڈ میں ساڈے چوبیس برس کی عمر کے ایک آدمی کے لہجے باجھو پر بی۔سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ ٹیکہ کی جگہ پھپھد آئی جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ یہ ٹیکے کے کارگر اور سہل ہونے کی خاص پہچان ہے۔ سال بھر کے بعد اس آدمی کے داہنی طرف ایک ہورا نکلا۔ پورے کو چیر دیا گیا۔ اگلے ساڈے چار برس کے اندر اس آدمی کو طرح طرح کی بیماریاں آئیں۔ ہایاں ہانہ سوچا، جانگہ پو، دمر میں اور جگہ جگہ پورے نکلے اور پور پورے خراب ہوئے۔ اب بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کا اچھی طرح سے امتحان کیا۔ آخر پہلا

کوبہ نیکالنے کے ساڑھے چار برس کے اندر बी० सी० जी० का टीका लगाने के साढ़े पांच बरस के अन्दर वह आदमी तरह तरह की बीमारियों में मुबतिला होकर मर गया. इस बीच समय समय पर उसकी पीप व खून वगैरा का जो इस्तदान लिया गया तो बी० सी० जी० के टीके के कीड़े उसमें साफ साफ मिले. इस घटना पर अमरीकन मैडिकल एसोसियेशन के जरनल में डाक्टरों ने वह साफ राय दी है कि:—
“आहिर है कि बी० सी० जी० के टीके से आदमी के जिस्म में और खून में इस तरह का मवाद फैल सकता है और उसके शरीर में बहुत सी इस तरह की बीमारी के कीड़ों की बस्तियां बन सकती हैं जिन से उस आदमी की मौत हो जाये.”

सन् 1954 के अमरीकन मैडिकल एसोसियेशन के जरनल में अलग तारीखों अलग एडीटर के नाम तीन खत छपे हैं. इन तीनों खतों को मिलाकर पढ़ने की जरूरत है. हम उन तीनों का खुलासा नीचे देते हैं.

पहला खत 3 जुलाई सन् 1954 के जरनल में छपा है. इस खत में किसी आदमी ने एडीटर से पूछा है कि एक नौजवान लड़के को तपेदिक का आज़माइशी टीका लगाया गया. टीके की जगह नहीं फफदी तो अब उस आदमी का तपेदिक से बचाये रखने के लिये बी० सी० जी० का टीका लगाना मुनासिब है या नहीं ?

यह याद रखने की बात है कि आमतौर पर आदमी के पहले तपेदिक का आज़माइशी टीका लगाया जाता है यह देखने के लिये कि उसे तपेदिक है या नहीं और फिर अगर मालूम हो कि तपेदिक नहीं है तो बी० सी० जी० का टीका लगाया जाता है.

एडीटर ने इस खत का जो जवाब दिया वह भी जरनल के उसी नम्बर में छपा है. एडीटर का जवाब यह है कि:—

“यह बात कि उस आदमी के बी० सी० जी० का टीका लगाना ठीक होगा या नहीं बिल्कुल हालात पर निर्भर है. अगर वह आदमी एक मामूली शहरी है, चलता फिरता है और खास तौर पर तपेदिक से या तपेदिक के मरीजों से उसका संबंध नहीं आता तो बी० सी० जी० का टीका लगाने की जरूरत नहीं है. अगरचे टीका लगाने से कोई खास नुकसान भी नहीं होगा, लेकिन अगर आज़माइशी टीके में उसके टीके की जगह नहीं फफदी और तपेदिक के बीमारों से उसको मिलना जुलना पड़ता है यानी उसके घर के अन्दर तपेदिक के मरीज हैं, या वह कोई ऐसा काम करता है जिसमें उसे तपेदिक के मरीजों से मिलना पड़ता है तो उसे बी० सी० जी० का टीका लगवा लेना चाहिये.”

इस पर एडीटर के पास बड़े-बड़े डाक्टरों के दो जोरदार खत और आए. इनमें पहला खत 4 सितम्बर सन् 1954 के जरनल में छपा है और अमरीका के मशहूर डाक्टर,

पेरो लकले के साढ़े चार बरस के अन्दर बी० सी० जी० का टीका लगाने के साढ़े पांच बरस के अन्दर वह آدمी तरह तरह की बीमारियों में मुबतिला होकर मर गया. इस बीच समय समय पर उसकी पीप व खून वगैरा का जो इस्तदान लिया गया तो बी० सी० जी० के टीके के कीड़े उसमें साफ साफ मिले. इस घटना पर अमरीकन मैडिकल एसोसियेशन के जरनल में डाक्टरों ने यह साफ राय दी है कि:—
“आहिर है कि बी० सी० जी० के टीके से आदमी के जिस्म में और खून में इस तरह का मवाद फैल सकता है और उसके शरीर में बहुत सी इस तरह की बीमारी के कीड़ों की बस्तियां बन सकती हैं जिन से उस आदमी की मौत हो जाये.”

सन् 1954 के अमरीकन मैडिकल एसोसियेशन के जरनल में अलग तारीखों अलग एडीटर के नाम तीन खत छपे हैं. इन तीनों खतों को मिलाकर पढ़ने की जरूरत है. हम उन तीनों का खुलासा नीचे देते हैं.

पहला खत 3 जुलाई सन् 1954 के जरनल में छपा है. इस खत में किसी आदमी ने एडीटर से पूछा है कि एक नौजवान लड़के को तपेदिक का आज़माइशी टीका लगाया गया. टीके की जगह नहीं फफदी तो अब उस आदमी का तपेदिक से बचाये रखने के लिये बी० सी० जी० का टीका लगाना मुनासिब है या नहीं ?

यह याद रखने की बात है कि आमतौर पर आदमी के पहले तपेदिक का आज़माइशी टीका लगाया जाता है यह देखने के लिये कि उसे तपेदिक है या नहीं और फिर अगर मालूम हो कि तपेदिक नहीं है तो बी० सी० जी० का टीका लगाया जाता है.

एडीटर ने इस खत का जो जवाब दिया वह भी जरनल के उसी नम्बर में छपा है. एडीटर का जवाब यह है कि:—

“यह बात कि उस आदमी के बी० सी० जी० का टीका लगाना ठीक होगा या नहीं बिल्कुल हालात पर निर्भर है. अगर वह आदमी एक मामूली शहरी है, चलता फिरता है और खास तौर पर तपेदिक से या तपेदिक के मरीजों से उसका संबंध नहीं आता तो बी० सी० जी० का टीका लगाने की जरूरत नहीं है. अगरचे टीका लगाने से कोई खास नुकसान भी नहीं होगा, लेकिन अगर आज़माइशी टीके में उसके टीके की जगह नहीं फफदी और तपेदिक के बीमारों से उसको मिलना जुलना पड़ता है यानी उसके घर के अन्दर तपेदिक के मरीज हैं, या वह कोई ऐसा काम करता है जिसमें उसे तपेदिक के मरीजों से मिलना पड़ता है तो उसे बी० सी० जी० का टीका लगवा लेना चाहिये.”

इस पर एडीटर के पास बड़े-बड़े डाक्टरों के दो जोरदार खत और आए. इनमें पहला खत 4 सितम्बर सन् 1954 के जरनल में छपा है और अमरीका के मशहूर डाक्टर,

ڈاکٹر مائرس (Dr. J. A. Myers M. D.) کا لیکھا
ہوٹا ہے۔ ڈاکٹر مائرس دُنیا بھر میں تپیدیک کے بڑے سے
بڑے مائیر ڈاکٹروں میں گنے جاتے ہیں۔ ان کے کُت کا کُلاسا
یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر ساہب،

آپ کے 3 جولائی سن 1954 کے اُنک میں سکا 949 پر
بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے بارے میں کسی کا ایک
سوال اور آپ کا جواب چھپا ہے۔ آپ نے اپنے جواب میں یہ کہا
ہے کہ اس ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔ اس بات
کو کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں
ہوتا بہت سے ڈاکٹر بہت دنوں سے غلط بتا رہے ہیں۔ میں
سمجھتا ہوں کہ اُن کے اس غلط بتانے کے جو کارن ہیں اُن
میں سے کچھ آپ کے پانچوں کو بھی معلوم ہوئے چاہئیں۔

بی۔سی۔جی۔ کا آجکل کا टीका سن 1921 میں
دو ڈاکٹروں نے شروع کیا تھا جن کے نام کالمیٹ
(Calmette) اور گورین (Goerin) تھے۔ انہیں دونوں کے نام پر وہ کیڑا
جس کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے بی۔سی۔جی۔ کہلاتا ہے۔ اُن
دونوں ڈاکٹروں نے اس ٹیکے کے کیڑے کو تپیدق کی بیماری کے
کیڑے سے خاص طور پر تیار کیا اور سن 1924 میں یہ اعلان
کیا کہ ٹیکے کی خاص غرض کے لئے جو کیڑے اُنہوں نے تیار کئے
ہیں اُن میں زور اور زہر دونوں اتنے کم ہو گئے ہیں کہ آدمی
کے یا جانور کے جسم میں اُن سے تپیدق پیدا نہیں ہو سکتا۔
لیکن اُس وقت سے اب تک جگہ جگہ دواخانوں میں
جو کیڑے اس ٹیکے کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور تیار کئے جارہے
ہیں اُن میں اور سن 1924 کے اُن کیڑوں میں بہت گہرا
فرق پڑ گیا ہے۔ خود اُن دونوں ڈاکٹروں کے دواخانوں میں
جو کیڑے اس کام کے لئے اب تیار کئے جارہے ہیں وہ بھی اب
پہلے والے کیڑے نہیں رہے۔ اُس کے علاوہ دو دواخانوں میں
تیار کئے ہوئے کیڑے بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم نے
اس طرح کے تیار کئے ہوئے جتنے کیڑوں کو دیکھا ہے ہر ایک
میں بچائے اُس طرح کے کیڑے کے جو ڈاکٹر کالمیٹ نے تیار
کیا تھا ہمیں کئی طرح کے بیماریوں کے کیڑے ملتے ہیں۔ اس
سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے
کے لئے جو کیڑے تیار کئے جا رہے ہیں وہ ڈاکٹر کالمیٹ کے وقت
سے اب تک پُرحد بدل گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک
دواخانے کے تیار ہوئے کیڑے دوسرے دواخانوں کے تیار ہوئے
کیڑوں سے بالکل الگ ہیں۔ کوئی دو آپس میں نہیں ملتے۔
شاید اُن تبدیلیوں کے کارن ہی پچھلے پچیس برس کے اندر
جن آدمیوں یا جن جانوروں کے بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے لگائے
گئے ہیں اُن میں خطرناک صورتحال پیدا ہوتی دکھائی دی ہو۔
بہت سے لوگوں کے جن کے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا اُس

ڈاکٹر مائرس (Dr. J. A. Myers M. D.) کا لیکھا ہوا ہے۔
ڈاکٹر مائرس دُنیا بھر میں تپیدق کے بڑے سے بڑے مائیر ڈاکٹروں
میں گنے جاتے ہیں۔ اُن کے خط کا خلاصہ یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر صاحب،

آپ کے 3 جولائی سن 1954 کے اُنک میں صفحہ 949
پر بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے بارے میں کسی کا ایک
سوال اور آپ کا جواب چھپا ہے۔ آپ نے اپنے جواب میں یہ کہا
ہے کہ اس ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوگا۔ اس بات
کو کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے سے کوئی خاص نقصان نہیں
ہوتا بہت سے ڈاکٹر بہت دنوں سے غلط بتا رہے ہیں۔ میں
سمجھتا ہوں کہ اُن کے اس غلط بتانے کے جو کارن ہیں اُن
میں سے کچھ آپ کے پانچوں کو بھی معلوم ہوئے چاہئیں۔

بی۔سی۔جی۔ کا آجکل کا ٹیکہ سن 1921 میں دو
ڈاکٹروں نے شروع کیا تھا جن کے نام کالمیٹ (Calmette)
اور گورین (Goerin) تھے۔ انہیں دونوں کے نام پر وہ کیڑا
جس کا ٹیکہ لگایا جاتا ہے بی۔سی۔جی۔ کہلاتا ہے۔ اُن
دونوں ڈاکٹروں نے اس ٹیکے کے کیڑے کو تپیدق کی بیماری کے
کیڑے سے خاص طور پر تیار کیا اور سن 1924 میں یہ اعلان
کیا کہ ٹیکے کی خاص غرض کے لئے جو کیڑے اُنہوں نے تیار کئے
ہیں اُن میں زور اور زہر دونوں اتنے کم ہو گئے ہیں کہ آدمی
کے یا جانور کے جسم میں اُن سے تپیدق پیدا نہیں ہو سکتا۔
لیکن اُس وقت سے اب تک جگہ جگہ دواخانوں میں
جو کیڑے اس ٹیکے کے لئے تیار کئے گئے ہیں اور تیار کئے جارہے
ہیں اُن میں اور سن 1924 کے اُن کیڑوں میں بہت گہرا
فرق پڑ گیا ہے۔ خود اُن دونوں ڈاکٹروں کے دواخانوں میں
جو کیڑے اس کام کے لئے اب تیار کئے جارہے ہیں وہ بھی اب
پہلے والے کیڑے نہیں رہے۔ اُس کے علاوہ دو دواخانوں میں
تیار کئے ہوئے کیڑے بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ہم نے
اس طرح کے تیار کئے ہوئے جتنے کیڑوں کو دیکھا ہے ہر ایک
میں بچائے اُس طرح کے کیڑے کے جو ڈاکٹر کالمیٹ نے تیار
کیا تھا ہمیں کئی طرح کے بیماریوں کے کیڑے ملتے ہیں۔ اس
سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے
کے لئے جو کیڑے تیار کئے جا رہے ہیں وہ ڈاکٹر کالمیٹ کے وقت
سے اب تک پُرحد بدل گئے ہیں اور ساتھ ہی ایک
دواخانے کے تیار ہوئے کیڑے دوسرے دواخانوں کے تیار ہوئے
کیڑوں سے بالکل الگ ہیں۔ کوئی دو آپس میں نہیں ملتے۔
شاید اُن تبدیلیوں کے کارن ہی پچھلے پچیس برس کے اندر
جن آدمیوں یا جن جانوروں کے بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے لگائے
گئے ہیں اُن میں خطرناک صورتحال پیدا ہوتی دکھائی دی ہو۔
بہت سے لوگوں کے جن کے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا اُس

جگہ پر قابو نہیں ہو سکتا تھا۔ جین سے مہینوں پہلے اور مواد بہتا رہا یہاں تک کہ ٹیکہ لگانے کے طریقہ کو کچھ بدلنا پڑا۔ اس سے تکلیف تو گہلی لیکن یہ بھی ہر سال اس طرح کی بہت سی گھٹناؤں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس طرح کے روگہوں کو جو گھاؤ اور پھوڑے ہوتے ہیں وہ بالکل اسی طرح کے ہوتے ہیں جس طرح کے تپدق کی بیماری میں ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے بیماروں کا چہرہ ہار کے ذریعہ علاج کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے ایسی دوائیں دیلی پڑتی ہیں جن سے بیماری کے کیزے مرنے لگتے ہیں۔

بہت سے ایسے لوگوں کو جنہیں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا بعد میں باغابطہ تپدق ہو گیا اور ان میں سے بہت سے تپدق سے مر بھی گئے۔ پہلی مئی سن 1954 کے آپ کے رسالے میں صفحہ 61 پر سات ایسی گھٹناؤں درج ہیں جن میں بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے لوگوں کو کھال کی وہ گندی بیماری ہو گئی جسے لیوپس و لکروس کہتے ہیں۔ 19 جون سن 1954 کے انک میں صفحہ 773 پر ایک بہت بڑی گھٹنا دی ہوئی ہے جس میں بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے ہی آدمی کو تپدق ہوا اور اسی سے اس کی موت ہوئی۔ اس آدمی کے بیس برس کی عمر میں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا۔ چھ ہفتے کے اندر وہ جگہ پھیند اٹھی۔ لگ بھگ ایک سال کے بعد بیماری کی پہلی علامتیں دکھائی دیں۔ اس کے بعد ہر بار بدن کے بہت سے حصوں میں، یہاں تک کہ پھیپھڑوں اور گردن میں بھی، بیماری کے لکشن بڑھتے چلے گئے۔ دسمبر سن 1953 میں وہ آدمی تپدق سے مر گیا۔ اس کے گھاؤں کا جب امتحان لیا گیا تو ایک نہیں بہت سے گھاؤں سے بی۔ سی۔ جی۔ کے ہی کیزے ملے۔ ایسی گھٹناؤں بہت ہو چکی ہیں۔ ان سے ہمیں یہ بھی گہرا شک ہونے لگتا ہے کہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو جن کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگ چکا تھا اور جنہیں اس کے بعد تپدق ہوا اور وہ تپدق سے مرے، انہیں دی چھپی بیماری پہلے سے موجود نہیں تھی جس سے بی۔ سی۔ جی۔ انہیں نہ بچا سکی ہو بلکہ بات یہ تھی کہ انہوں نے بیماری ہوئی ہی بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے۔ بہر صورت بی۔ سی۔ جی۔ کے کیزوں کی بابت جو پکی اور پر امن باتیں ہمیں معلوم ہو چکی ہیں اور اس ٹیکے سے آدمیوں اور جانوروں میں جس طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ ہمیں چونکا اور ساروہان کردینے کے لئے کافی ہیں۔ ان کی بنا پر ہم پکی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا یہ بالکل غلط ہے، کہیں کوئی بھی یہ بات کہہ تو یہ بالکل غلط ہے۔

بہت سے ایسے لوگوں کو جنہیں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا بعد میں باغابطہ تپدق ہو گیا اور ان میں سے بہت سے تپدق سے مر بھی گئے۔ پہلی مئی سن 1954 کے آپ کے رسالے میں صفحہ 61 پر سات ایسی گھٹناؤں درج ہیں جن میں بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے لوگوں کو کھال کی وہ گندی بیماری ہو گئی جسے لیوپس و لکروس کہتے ہیں۔ 19 جون سن 1954 کے انک میں صفحہ 773 پر ایک بہت بڑی گھٹنا دی ہوئی ہے جس میں بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے ہی آدمی کو تپدق ہوا اور اسی سے اس کی موت ہوئی۔ اس آدمی کے بیس برس کی عمر میں بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا۔ چھ ہفتے کے اندر وہ جگہ پھیند اٹھی۔ لگ بھگ ایک سال کے بعد بیماری کی پہلی علامتیں دکھائی دیں۔ اس کے بعد ہر بار بدن کے بہت سے حصوں میں، یہاں تک کہ پھیپھڑوں اور گردن میں بھی، بیماری کے لکشن بڑھتے چلے گئے۔ دسمبر سن 1953 میں وہ آدمی تپدق سے مر گیا۔ اس کے گھاؤں کا جب امتحان لیا گیا تو ایک نہیں بہت سے گھاؤں سے بی۔ سی۔ جی۔ کے ہی کیزے ملے۔ ایسی گھٹناؤں بہت ہو چکی ہیں۔ ان سے ہمیں یہ بھی گہرا شک ہونے لگتا ہے کہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو جن کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگ چکا تھا اور جنہیں اس کے بعد تپدق ہوا اور وہ تپدق سے مرے، انہیں دی چھپی بیماری پہلے سے موجود نہیں تھی جس سے بی۔ سی۔ جی۔ انہیں نہ بچا سکی ہو بلکہ بات یہ تھی کہ انہوں نے بیماری ہوئی ہی بی۔ سی۔ جی۔ کے ٹیکے سے۔ بہر صورت بی۔ سی۔ جی۔ کے کیزوں کی بابت جو پکی اور پر امن باتیں ہمیں معلوم ہو چکی ہیں اور اس ٹیکے سے آدمیوں اور جانوروں میں جس طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ ہمیں چونکا اور ساروہان کردینے کے لئے کافی ہیں۔ ان کی بنا پر ہم پکی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ بی۔ سی۔ جی۔ سے کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا یہ بالکل غلط ہے، کہیں کوئی بھی یہ بات کہہ تو یہ بالکل غلط ہے۔

(دستخط) جے۔ پی۔ مائرس ایم۔ ڈی۔ برٹرا، برٹرا۔

(دستخط) جے۔ اے۔ مائرس ایم۔ ڈی۔ برٹرا، برٹرا۔

دوسرا خت امریکا ہی کے ایک مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر سیمور ایم. فاربر (Dr. Seymour M. Farber M. D.) کا ہے جو سین ٹرانسکو کے اسپتال میں تپ دق کے مریضوں کے خاص چارج میں ہیں۔ اُن کا خط یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر صاحب !

3 جولائی سن 1954 کے جرنل میں سفا 949 پر جو آپ نے بی۔سی۔جی۔ کی ہابت ایک سوال کا جواب دیا ہے وہ مجھے کھٹکا۔ مجھے معلوم ہونا ہے کہ اُس سے پڑنے والے پر یہ پڑے گا نہ اس چیز سے جسے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ کہا جاتا ہے۔ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ پچھلے برسوں میں بی۔سی۔جی۔ نے ٹیکوں کی تہاری کو اچھی طرح دیکھ کر اور جانوروں اور انسانوں پر اُس کے اثر کو معلوم کر کے جو جانکاری ہمیں ملی ہے وہ اتنی اہم اور اتنی ہی ہے کہ ہمیں مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا ہے کہ بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہوتا، غلط ہے۔ لگ بھگ چالیس برس ہمیں اُس کے تجربے کرنے اور اسے استعمال کرتے ہوئے۔ اور دنیا کے سارے حصوں میں تجربے کے لئے جا چکے ہیں۔ اُس سب کو سامنے رکھ کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے، بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہو سکتا۔ بہت سوں کی رائے اُس ٹیکے کے خلاف ہے۔ اُس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اُس معاملے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

(دستخط) ایم. فاربر ایم. ڈی. وریو، وریو۔

ڈاکٹر کے آٹکڈے

بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے سمर्थن میں جو آٹکڈے دیے جاتے ہیں، خاص کر یورپ کے ملکوں میں، اُن پر بھی آنکھ بند کر کے ایتبار کر لینا غلط ہے۔

ایڈینبرا کے فیکڈوں کی بیماری کے مشہور ڈاکٹر ایف. کئلر مین (Dr. F. Kellermann M. D.) نے 15 ستمبر سن 1954 کے انگلینڈ کے اخبار "مڈیکل پریس" میں لکھا ہے :—

"بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے نفاذ کا ٹیکہ-ٹیکہ اندازاً لگانے میں ایک بڑی مشکل یہ آ جاتی ہے کہ آرم تہر پر پھیلے پچاس برس کے اندر دنیا کے بہت سے حصوں میں تپ دق کی بیماری اور اس سے مرئیوں کا بڑا بڑا خطرہ ہے۔ اس معاملے میں یہ بات خاص دھیان دینے کی ہے کہ امریکہ میں کچھ ریاستوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ چلایا اور کچھ نے نہیں چلایا، لیکن تپ دق کی بیماری اور اُس سے مرئیوں میں بہت بڑی اور صاف صاف کمی انہیں ریاستوں میں ہوئی ہے جنہوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ نہیں چلایا۔"

دوسرا خط امریکہ ہی کے ایک اور مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر سیمور ایم. فاربر (Dr. Seymour M. Farber M.D.) کا ہے جو سین ٹرانسکو کے اسپتال میں تپ دق کے مریضوں کے خاص چارج میں ہیں۔ اُن کا خط یہ ہے :—

جناب ایڈیٹر صاحب !

3 جولائی سن 1954 کے جرنل میں صفحہ 949 پر جو آپ نے بی۔سی۔جی۔ کی ہابت ایک سوال کا جواب دیا ہے وہ مجھے کھٹکا۔ مجھے معلوم ہونا ہے کہ اُس سے پڑنے والے پر یہ پڑے گا نہ اس چیز سے جسے بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ کہا جاتا ہے۔ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ پچھلے برسوں میں بی۔سی۔جی۔ نے ٹیکوں کی تہاری کو اچھی طرح دیکھ کر اور جانوروں اور انسانوں پر اُس کے اثر کو معلوم کر کے جو جانکاری ہمیں ملی ہے وہ اتنی اہم اور اتنی ہی ہے کہ ہمیں مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا ہے کہ بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہو سکتا، غلط ہے۔ لگ بھگ چالیس برس ہمیں اُس کے تجربے کرنے اور اسے استعمال کرتے ہوئے۔ اور دنیا کے سارے حصوں میں تجربے کے لئے جا چکے ہیں۔ اُس سب کو سامنے رکھ کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے، بی۔سی۔جی۔ سے نقصان نہیں ہو سکتا۔ بہت سوں کی رائے اُس ٹیکے کے خلاف ہے۔ اُس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اُس معاملے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

(دستخط) سیمور ایم. فاربر ایم. ڈی. وریو، وریو۔

دھوکے کے آنکڑے

بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے سمर्थن میں جو آنکڑے دیے جاتے ہیں، خاص کر یورپ کے ملکوں میں، اُن پر بھی آنکھ بند کر کے اعتبار کر لینا غلط ہے۔

ایڈینبرا کے فیکڈوں کی بیماری کے مشہور ڈاکٹر ایف. کئلر مین (Dr. F. Kellermann M. D.) نے 15 ستمبر سن 1954 کے انگلینڈ کے اخبار "مڈیکل پریس" میں لکھا ہے :—

"بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے کے نفع نقصان کا ٹیکہ ٹیکہ اندازہ لگانے میں ایک بڑی مشکل یہ آ جاتی ہے کہ عام طور پر پچھلے پچاس برس کے اندر دنیا کے بہت سے حصوں میں تپ دق کی بیماری اور اُس سے مرئیوں کا بڑا بڑا خطرہ ہے۔ اس معاملے میں یہ بات خاص دھیان دینے کی ہے کہ امریکہ میں کچھ ریاستوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ چلایا اور کچھ نے نہیں چلایا، لیکن تپ دق کی بیماری اور اُس سے مرئیوں میں بہت بڑی اور صاف صاف کمی انہیں ریاستوں میں ہوئی ہے جنہوں نے اپنے یہاں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ نہیں چلایا۔"

ڈاکٹر جے. ای. مائرس نے لکھا ہے کہ :—

”یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سن 1924 اور سن 1944 کے درمیان نیویارک شہر میں تپیدق سے موتیں قریب قریب 95 فیصدی کم ہو گئیں، یعنی سو موتوں کی جگہ صرف پانچ رہ گئیں اور وہاں اس عرصے میں بی. سی. جی کا ٹیکہ نہیں لگایا گیا۔“

ڈاکٹر ٹاپلے (Dr. Topley) اور ڈاکٹر ویلسن (Dr. Wilson) نے اپنی کتاب 'Principles of Bacteriology & Immunity' میں لکھا ہے کہ—

”فرانس میں اور فرانسیسی بولنے والے देशوں میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کے کافی تजरے ہو چکے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں جو آکڑے دیئے جاتے ہیں ان پر بیلکول ایتبار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بالکل نکلے ہیں۔ ہم اس نتیجے پر بھی نہیں پہنچ سکتے کہ بی. سی. جی کے ٹیکے سے تپیدق کا مقابلہ کرنے کی شکی آدمی میں ذرا سی بھی بڑھتی ہے۔ اگر دو تین برس کے بعد دوبارہ ٹیکہ نہ لگایا جاوے تو پہلے ٹیکے سے جو کچھ بیماری کے مقابلے کی شکی کسی خاص آدمی میں آئی ہو وہ دوبارہ سال دو سال کے اندر بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ ٹیکہ لگایا جاوے تو اس کے نتیجے اور بھی زیادہ گہرے اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ہم تو یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ شروع میں بھی اس ٹیکے سے کسی کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔“

ڈاکٹر جے. ای. مائرس نے لکھا ہے کہ :—

”یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ سن 1924 اور سن 1944 کے درمیان نیویارک شہر میں تپیدق سے موتیں قریب قریب 95 فیصدی کم ہو گئیں، یعنی سو موتوں کی جگہ صرف پانچ رہ گئیں اور وہاں اس عرصے میں بی. سی. جی کا ٹیکہ نہیں لگایا گیا۔“

ڈاکٹر ٹاپلے (Dr. Topley) اور ڈاکٹر ویلسن (Dr. Wilson) نے اپنی کتاب 'Principles of Bacteriology & Immunity' میں لکھا ہے کہ—

”فرانس میں اور فرانسیسی بولنے والے देशوں میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کے کافی تजरے ہو چکے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں جو آکڑے دیئے جاتے ہیں ان پر بالکل اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بالکل نکلے ہیں۔ ہم اس نتیجے پر بھی نہیں پہنچ سکتے کہ بی. سی. جی کے ٹیکے سے تپیدق کا مقابلہ کرنے کی شکی آدمی میں ذرا سی بھی بڑھتی ہے۔ اگر دو تین برس کے بعد دوبارہ ٹیکہ نہ لگایا جاوے تو پہلے ٹیکے سے جو کچھ بیماری کے مقابلے کی شکی کسی خاص آدمی میں آئی ہو وہ دوبارہ سال دو سال کے اندر بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ ٹیکہ لگایا جاوے تو اس کے نتیجے اور بھی زیادہ گہرے اور خطرناک ہوتے ہیں۔ ہم تو یہ بھی ماننے کو تیار نہیں کہ شروع میں بھی اس ٹیکے سے کسی کو کوئی فائدہ ہوتا ہے۔“

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ کی رائے

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ کی رائے

انگلینڈ کی منسٹری آف ہیلتھ نے نومبر سن 1953 میں اپنے تمام میڈیکل انسٹروں کے نام ایک میمورنڈم نمبر 324 جاری کیا تھا۔ اس میمورنڈم میں بی. سی. جی. کے ٹیکے کی بابت یہ لکھا ہے :—

”باوجود اس بات کے کہ پچھلے بیس برس کے اندر لوگوں ایک بہت بڑی تعداد کے بی. سی. جی کا ٹیکہ لگایا جا چکا ہے، اور ان ٹیکوں میں دونوں طرح کا ویکسین استعمال کیا گیا ہے، یعنی کچھ میں نازہ اور کچھ میں جما کر سکھایا ہوا، پھر بھی اس ٹیکے سے اصلی فائدے ہونے کی کوئی سائنسی شہادت نہیں ملتی۔“

”باوجود اس بات کے کہ پچھلے بیس برس کے اندر لوگوں ایک بہت بڑی تعداد کے بی. سی. جی کا ٹیکہ لگایا جا چکا ہے، اور ان ٹیکوں میں دونوں طرح کا ویکسین استعمال کیا گیا ہے، یعنی کچھ میں نازہ اور کچھ میں جما کر سکھایا ہوا، پھر بھی اس ٹیکے سے اصلی فائدے ہونے کی کوئی سائنسی شہادت نہیں ملتی۔“

ایک ڈاکٹر بینجمن نے یہ بیان دیا تھا کہ انگلینڈ، فرانس اور سوئٹن تینوں ملکوں میں بی. سی. جی کا ٹیکہ لازمی طور پر سب کے لگایا جاتا ہے۔ اس پر انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کو ایک خط لکھا گیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ڈاکٹر بینجمن کا بیان کہاں تک ٹھیک ہے۔ انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کے ڈاکٹر ٹی ٹامسن نے 24 مئی سن 1956 کے اپنے خط میں جواب دیا۔ اس جواب میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ انگلینڈ میں یہ ٹیکہ کن کن کن حالات میں اور کس کس

ایک ڈاکٹر بینجمن نے یہ بیان دیا تھا کہ انگلینڈ، فرانس اور سوئٹن تینوں ملکوں میں بی. سی. جی کا ٹیکہ لازمی طور پر سب کے لگایا جاتا ہے۔ اس پر انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کو ایک خط لکھا گیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ڈاکٹر بینجمن کا بیان کہاں تک ٹھیک ہے۔ انگلینڈ کی ہیلتھ منسٹری کے ڈاکٹر ٹی ٹامسن نے 24 مئی سن 1956 کے اپنے خط میں جواب دیا۔ اس جواب میں انہوں نے تفصیل سے لکھا ہے کہ انگلینڈ میں یہ ٹیکہ کن کن کن حالات میں اور کس کس

ترہ کی اہلیت کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کے یہاں دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈی۔ ڈامسن نے اپنے خط میں صاف شدہ میں لکھا ہے کہ:—

”اس ملک کے کسی حصے میں بھی اور کسی طرح کے لوگوں کے لئے بھی یہ ٹیکہ لازمی نہیں ہے اور نہ اس وقت ہمارا یہ کوئی ارادہ ہے کہ ہم اپنے اس ٹیکے کے پروگرام کو بڑھادیں۔“

ڈاکٹر ڈامسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:—

”فرانس اور سویڈن میں بھی بی۔سی۔سی۔جی۔ کا टीका लाजिमी नहीं है और डेनमार्क، نار्वे، سویڈن और فنلینڈ چاروں ملکوں میں मौजूदा राय आम तौर से टीके लगाये जाने के खिलाफ है۔“

امریکا، ہی سے ’پولियो‘ کے لیے جو بچوں کی ایک بیماری ہے اور جس میں بچوں کو لکڑی مارا جاتا ہے ایک اور نیا टीका निकला था जिसे सालक वैक्सीन कहते हैं۔ इस नये टीके की तारीफ में बार बार बड़े बड़े आंकड़े दिये गये۔ यहाँ तक कि कुछ दिनों तक यह इंग्लैंड में भी चल पड़ा۔ पर अब इंग्लैंड की ब्रिटिश मैडिकल रिसर्च कौंसिल ने इस नये टीके का लगाना बिलकुल बन्द कर देने का फैसला कर लिया है क्योंकि बच्चों के इस टीके का लगाना उन्हें खतरनाक साबित हुआ۔

अब हम फिर अपने देश की तरफ आते हैं। हम सब लोगों के यह टीका क्यों लगा रहे हैं ? और ऐतराजों का छोड़कर टीके के हाथी हमें इससे क्या उम्मीद दिला रहे हैं। वह हमें ज्यादा से ज्यादा यही उम्मीद दिला रहे हैं कि एक बहुत थोड़े से अर्से के लिये यानी अधिक से अधिक दो बरस के लिये हमारा बच्चा तपेदिक से बचा रहेगा और इस दो बरस के लिये भी वह पूरा भरोसा नहीं दिला सकते। इन दो बरस के बाद फिर हमें अपने को बचाने के लिये वही दूसरी तरकीबें, दूसरी तरह की तालीम, खाना पीना और दूसरी तरह की अहलियातों का सहारा लेना पड़ेगा। बी० सी० जी० का असर उनके मुताबिक इससे आगे चल ही नहीं सकता।

इस टीके से नई नई बीमारियां

एक और बीमारी है जिसे इनसिफेलाइटिस (Encephalitis) कहते हैं जिसमें रोगी के दिमाग के अन्दर सूजन आजाती है। बी० सी० जी० का टीका जहाँ जहाँ लगाया गया है वहाँ वहाँ यह बीमारी भी अनेक बार दिखाई दी है। दूसरे मुल्कों में यह कम लोगों का दुई है, हमारे मुल्क में ज्यादा लोगों का दुई है, जिसका कारण यह है कि हमारे देश में गरीबी अधिक है और लोगों को काफी और ठण्ड का खाने को नहीं मिलता। यह भी मालूम हुआ है कि बी० सी० जी० के टीके से इस बीमारी के पैदा होने की

طرح کی احتیاط کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کے یہاں دھرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈی۔ ڈامسن نے اپنے خط میں صاف شدہ میں لکھا ہے کہ:—

”اس ملک کے کسی حصے میں بھی اور کسی طرح کے لوگوں کے لئے بھی یہ ٹیکہ لازمی نہیں ہے اور نہ اس وقت ہمارا یہ کوئی ارادہ ہے کہ ہم اپنے اس ٹیکے کے پروگرام کو بڑھادیں۔“

ڈاکٹر ڈامسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ:—

”فرانس اور سویڈن میں بھی بی۔سی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ لازمی نہیں ہے اور ڈنمارک، ناروے، سویڈن اور فنلینڈ چاروں ملکوں میں موجودہ رائے عام طور سے ٹیکے لگانے کے خلاف ہے۔“

امریکا ہی سے ’پولیو‘ کے لئے جو بچوں کی ایک بیماری ہے اور جس میں بچوں کو لکڑی مارا جاتا ہے ایک اور نیا ٹیکہ نکلا گیا جسے سالک ویکسین کہتے ہیں۔ اس نئے ٹیکے کی تعریف میں بار بار بڑے بڑے آنکڑے دیئے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں تک یہ انگلینڈ میں بھی چل پڑا۔ پھر اب انگلینڈ کی برٹش میڈیکل ریسرچ کونسل نے اس نئے ٹیکے کا لگانا بالکل بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے کیونکہ بچوں کے اس ٹیکے کا لگانا انہیں خطرناک ثابت ہوا۔

اب ہم پھر اپنے دیس کی طرف آتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کے یہ ٹیکہ بھوں لگا رہے ہیں ؟ اور اعتراضوں کو چھوڑ کر ٹیکے کے حامی ہمیں اس سے کیا امید دلا رہے ہیں ؟ وہ ہمیں زیادہ سے زیادہ یہی امید دلا رہے ہوں کہ ایک بہت تھوڑے سے عرصے کے لئے یعنی ادھک سے ادھک دو برس کے لئے ہمارا بچہ تپیدیک سے بچتا رہے گا اور اس دو برس کے لئے بھی وہ پورا بھروسہ نہیں دلا سکتے۔ ان دو برس کے بعد پھر ہمیں اپنے کو بچانے کے لئے بھی دوسری ترکیبیں، دوسری طرح کی تعلیم، کھانا پینا اور دوسری طرح کی احتیاطوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ بی۔سی۔جی۔ کا اثر ان کے مطابق اس سے آگے چل ہی نہیں سکتا۔

اس ٹیکے سے نئی نئی بیماریاں

ایک اور بیماری ہے جسے انسوفیلایٹس (Encephalitis) کہتے ہیں جس میں رگی کے دماغ کے اندر سوجن آجاتی ہے۔ بی۔سی۔جی۔ کا ٹیکہ جہاں جہاں لگایا گیا ہے وہاں یہ بیماری بھی اُنیک بار دکھائی دی ہے۔ دوسرے ملکوں میں یہ کم لوگوں کو ہوتی ہے، ہمارے ملک میں زیادہ لوگوں کو ہوتی ہے جس کا کارن یہ ہے کہ ہمارے دیس میں غربی ادھک ہے اور لوگوں کو کافی اور تھنک کا کھانے کو نہیں ملتا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بی۔سی۔جی۔ کے ٹیکے سے اس بیماری کے پیدا ہونے کی

جیتانی ہڈیاں ہوتی ہیں ان میں بہت کم ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ڈاکٹر ڈاپلے اور ڈاکٹر ویلسن نے اپنی کتاب میں جس کی چورچا ہم اوپر کر چکے ہیں لکھا ہے کہ حال میں سی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگنے سے یہ بیماری بھی اکثر ہوتی دکھائی دی ہے اور اس طرح کی ”کئی سو گھنٹاں“ ان کے سامنے آچکی ہیں۔

ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے اپنی کتاب ”ایس ایس ڈی ٹیکسٹ بک آف دی پریکٹس آف مینڈیسین“ میں لکھا ہے کہ ایک اور بیماری اکثر اس ٹیکے کے بعد دیکھی گئی ہے جو ٹیکہ لگنے کے سات دن سے لیکر بارہ دن کے اندر نمودار ہوتی ہے جس میں سر میں درد ہوتا ہے، تھ آتی ہے، ایک طرح سے ہلکا سا قہقہہ ہو جاتا ہے، روگی بک بک کرنے لگتا ہے، بھڑکی آ جاتی ہے اور کبھی کبھی موت بھی ہو جاتی ہے۔ اس بیماری سے اکثر پچاس فیصدی آدمی مر جاتے ہیں۔ انہو نے لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کبھی کبھی کئی طرح کی دبی ہوئی بیماریاں چمک بھی اُٹھتی ہیں۔

جس بیماری کا ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکثر روگی کے آنکھ کی روشنی بھی جاتی رہتی ہے۔ کوریوٹور کی جس اُہاگی لڑکی کا حال اخباروں میں نکل چکا ہے اُسے یہی بیماری ہوئی تھی۔

مدرسہ سرکار کی تھکیڑا کی کمیٹی

جس بیماری کا ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکثر روگی کے آنکھ کی روشنی بھی جاتی رہتی ہے۔ کوریوٹور کی جس اُہاگی لڑکی کا حال اخباروں میں نکل چکا ہے اُسے یہی بیماری ہوئی تھی۔

مدرسہ سرکار کی تھکیڑا کی کمیٹی اس لڑکی کا نام وسنت تھا۔ جب اُس کا حال کچھ ڈاکٹروں کی رائے کے ساتھ اخباروں میں چھپا تو مدرسہ کی سرکار نے تحقیقات کے لئے کچھ سرکاری ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ اُس کمیٹی نے وسنت اور کچھ اور روگیوں کو بھی دیکھ کر اپنی رپورٹ سرکار کر دے دی۔ اُن اور روگیوں کو بھی کم یا ادھک اسی طرح کی شکایتیں تھیں۔ اُس کمیٹی کی رپورٹ شائع نہیں کی گئی۔ اُس کی جگہ سرکار نے ایک ایسا ہی پریس نوٹ اخباروں میں نکال دیا کہ کمیٹی کی رپورٹ سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ وسنت کی آنکھیں سی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کے کارن نہیں گئیں بلکہ ایک اور بیماری اُس علاقے میں شاید پہلے سے پھیلی ہوئی تھی جو وسنت کو لگ گئی اور جس کے کارن اُس کی آنکھیں گئیں۔ اِس بیماری کا نام بھی سرکار نے اپنے پریس نوٹ میں دیا ہے۔

ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے اپنی کتاب ”ایس ایس ڈی ٹیکسٹ بک آف دی پریکٹس آف مینڈیسین“ میں لکھا ہے کہ ایک اور بیماری اکثر اس ٹیکے کے بعد دیکھی گئی ہے جو ٹیکہ لگنے کے سات دن سے لیکر بارہ دن کے اندر نمودار ہوتی ہے جس میں سر میں درد ہوتا ہے، تھ آتی ہے، ایک طرح سے ہلکا سا قہقہہ ہو جاتا ہے، روگی بک بک کرنے لگتا ہے، بھڑکی آ جاتی ہے اور کبھی کبھی موت بھی ہو جاتی ہے۔ اس بیماری سے اکثر پچاس فیصدی آدمی مر جاتے ہیں۔ انہو نے لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کبھی کبھی کئی طرح کی دبی ہوئی بیماریاں چمک بھی اُٹھتی ہیں۔

ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے اپنی کتاب ”ایس ایس ڈی ٹیکسٹ بک آف دی پریکٹس آف مینڈیسین“ میں لکھا ہے کہ ایک اور بیماری اکثر اس ٹیکے کے بعد دیکھی گئی ہے جو ٹیکہ لگنے کے سات دن سے لیکر بارہ دن کے اندر نمودار ہوتی ہے جس میں سر میں درد ہوتا ہے، تھ آتی ہے، ایک طرح سے ہلکا سا قہقہہ ہو جاتا ہے، روگی بک بک کرنے لگتا ہے، بھڑکی آ جاتی ہے اور کبھی کبھی موت بھی ہو جاتی ہے۔ اس بیماری سے اکثر پچاس فیصدی آدمی مر جاتے ہیں۔ انہو نے لکھا ہے کہ اس ٹیکے سے کبھی کبھی کئی طرح کی دبی ہوئی بیماریاں چمک بھی اُٹھتی ہیں۔

جس بیماری کا ڈاکٹر فریڈرک ڈبلو۔ پرائس نے ذکر کیا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکثر روگی کے آنکھ کی روشنی بھی جاتی رہتی ہے۔ کوریوٹور کی جس اُہاگی لڑکی کا حال اخباروں میں نکل چکا ہے اُسے یہی بیماری ہوئی تھی۔

مدرسہ سرکار کی تحقیقاتی کمیٹی

اُس لڑکی کا نام وسنت تھا۔ جب اُس کا حال کچھ ڈاکٹروں کی رائے کے ساتھ اخباروں میں چھپا تو مدرسہ کی سرکار نے تحقیقات کے لئے کچھ سرکاری ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ اُس کمیٹی نے وسنت اور کچھ اور روگیوں کو بھی دیکھ کر اپنی رپورٹ سرکار کر دے دی۔ اُن اور روگیوں کو بھی کم یا ادھک اسی طرح کی شکایتیں تھیں۔ اُس کمیٹی کی رپورٹ شائع نہیں کی گئی۔ اُس کی جگہ سرکار نے ایک ایسا ہی پریس نوٹ اخباروں میں نکال دیا کہ کمیٹی کی رپورٹ سے انہیں معلوم ہوا ہے کہ وسنت کی آنکھیں سی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کے کارن نہیں گئیں بلکہ ایک اور بیماری اُس علاقے میں شاید پہلے سے پھیلی ہوئی تھی جو وسنت کو لگ گئی اور جس کے کارن اُس کی آنکھیں گئیں۔ اِس بیماری کا نام بھی سرکار نے اپنے پریس نوٹ میں دیا ہے۔

مدرسہ سرکار نے جب یہ کمیٹی مقرر کی تھی تب 2 جون سن 1955 کو پہلے ہی سے اعلان کر دیا تھا کہ ”اخباروں میں جس بچے کی آنکھیں چلے چالے کا حال چھپا ہے اُس کی بابت سرکار کی شریعت کی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ آنکھیں چالے کا ہی۔ سی۔ جی کے ٹیکے سے کوئی سمبندھ نہیں تھا۔ یہ بھی سرکار اور ادھک تحقیقات کے لئے ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی مقرر کر رہی ہے۔“

یہی وہ کمیٹی تھی جس کی رپورٹ نہیں چھاپی گئی پر جس سے نتیجہ وہی نکلا جو سرکار پہلے سے نکال چکی تھی۔

سرکار کے پریس نوٹ کے بعد ڈاکٹر ایل. این. انننت رامن اے. بی. کا ایک خط ممبران کے "ہینڈ" اخبار میں شائع ہوا جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اول تو سرکار کو چاہئے تھا کہ اس معاملے کے لئے جو تحقیقاتی کمیٹی سرکار نے مقرر کی تھی اس میں کم سے کم ایک غیر سرکاری ڈاکٹر بھی رکھا جاتا۔ دوسرے جس بیماری کا نام سرکار نے اپنے پریس نوٹ میں لیا ہے اور لکھا ہے کہ وسنت کو وہ بیماری ہوئی ہوگی اور اسی سے اس کی آنکھیں کٹیوں، اس بیماری کا ڈاکٹر کی کتابوں میں آنکھوں کے جانے کے ساتھ کہیں کوئی سمبندھ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر ایل. این. نے بہت سی کتابوں کے نام اپنے خط میں دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ میں بہت اچھی شہرت رکھتا ہوں اور اس سے سمبندھ نہ ہوتا ہے اور یہ کہیں ہوتا ہے۔

سرکار کے پریس نوٹ کے بعد ڈاکٹر ایل. این. انننت رامن اے. بی. کا ایک خط ممبران کے "ہینڈ" اخبار میں شائع ہوا جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ اول تو سرکار کو چاہئے تھا کہ اس معاملے کے لئے جو تحقیقاتی کمیٹی سرکار نے مقرر کی تھی اس میں کم سے کم ایک غیر سرکاری ڈاکٹر بھی رکھا جاتا۔ دوسرے جس بیماری کا نام سرکار نے اپنے پریس نوٹ میں لیا ہے اور لکھا ہے کہ وسنت کو وہ بیماری ہوئی ہوگی اور اسی سے اس کی آنکھیں کٹیوں، اس بیماری کا ڈاکٹر کی کتابوں میں آنکھوں کے جانے کے ساتھ کہیں کوئی سمبندھ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر ایل. این. نے بہت سی کتابوں کے نام اپنے خط میں دیئے ہیں اور لکھا ہے کہ میں بہت اچھی شہرت رکھتا ہوں اور اس سے سمبندھ نہ ہوتا ہے اور یہ کہیں ہوتا ہے۔

ڈاکٹر انننت رامن کے خط کا کوئی جواب سرکار کی طرف سے نہیں مل سکا۔

ڈاکٹر انننت رامن کے خط کا کوئی جواب سرکار کی طرف سے نہیں مل سکا۔

ایک قانونی سوال

ایک قانونی سوال

اب رہا یہ سوال کہ سب بچوں کے اس طرح کا ٹیکہ لگانا یہاں تک قانون کے انحصار ہے اور اس میں کیا احتیاطیں ضروری ہیں۔ سرکار نے کوئی قانون پاس نہ کیا تو یہ ادھیکار نہیں لیا۔ کم سے کم اتنا اسے کرنا چاہئے تھا۔ کہا ابھی تک یہی جانا ہے کہ یہ ٹیکہ لازمی نہیں ہے یعنی زبردستی کسی کے نہیں لگایا جاتا جو چاہتے ہیں انہیں کے لگنا ہے۔ اس معاملہ میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ اسکول کے بچوں کے ماں باپ اگر لکھ کر اپنا اعتراض اسکول ماسٹر کے پاس نہیں بھیج دیتے تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کے ٹیکہ لگایا جائے۔ میں نے دیکھا کہ یہ طریقہ بالکل قانون کے خلاف ہے۔ خاص کر ایک ایسے دیش میں جس میں انہک تو ماں باپ ان پڑھ ہیں جن کے چہرے چھوٹے بچے اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ میں نے سرکار کو لکھا۔ اس کے جواب میں مدراس سرکار کے ہیلتھ منسٹر شری اے. بی. شامی کا پہلی جولائی سن 1955 کا جو خط میرے پاس آیا اس میں لکھا ہے کہ:—

"مدراس ریاست میں اسکولوں کے بچوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کی بات جو طریقہ برتا جاتا ہے وہ یہ ہے۔ ہر اسکول میں بچوں کے پہلے تپدیک کا آجماہشی ٹیکہ اور پھر بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کے لئے نارینکھوں مقرر کردی جاتی ہیں۔ پھر اسکول

"مدراس ریاست میں اسکولوں کے بچوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کی بات جو طریقہ برتا جاتا ہے وہ یہ ہے۔ ہر اسکول میں بچوں کے پہلے تپدیک کا آجماہشی ٹیکہ اور پھر بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگانے کے لئے نارینکھوں مقرر کردی جاتی ہیں۔ پھر اسکول

کے अधिकारियों की मारकेत बच्चों के माँ बाप को उन कारोखों की पहले से सूचना दी जाती है और यह लिख दिया जाता है कि टीका लायिमी नहीं है. स्कूलों के अधिकारियों से कहा जाता है कि वह बच्चों के माँ बाप की रजामन्दी हासिल कर लें. जिन सरकारी अफसरों की टीके का काम सुपुर्व होता है वह फिर हेडमास्टर और स्कूल के दूसरे टीचरों से अलग अलग मिलते हैं या सब टीचरों की मीटिंग कर लेते हैं और उन्हें यह बता देते हैं कि टीका लगवाना माँ बाप की मरजी पर है और माँ बाप को पहले से सूचना दे देना जरूरी है. जो माँ बाप इस बात पर ऐतराज करते हैं कि उनके बच्चों के बी० सी० जी० का टीका न लगाया जाये वे या तो आजमाइशी टीके के दिन अपने बच्चों को स्कूल ही नहीं भेजते या स्कूल के अधिकारियों को अपना ऐतराज लिखकर भेज देते हैं.

इस पर मैंने (श्री सी. राजगोपालाचारी) 12 जुलाई सन् 1955 के मद्रास के अखबार 'इन्डियन एक्सप्रेस' में अपना एक खत शायी कराया जिसमें लिखा है :—

“मेरे पास मद्रास के हेल्थ मिनिस्टर का पहली जुलाई का लिखा एक खत आया है जिससे मेरा यह खयाल पक्का हो गया कि जब बच्चों के माँ बाप की तरफ से कोई लिखा हुआ ऐतराज नहीं आता तो यह कर्ज कर लिया जाता है कि वह अपने बच्चे के टीका लगवाने के लिये रजामन्द हैं. असलियत यह है कि स्कूल मास्टर का ही बच्चों के जिस्म और उनकी आत्मा का पूरा मुहाफिज मान लिया जाता है. यह बात हद दर्जे कानून के खिलाफ है. सरकार के कानूनी अफसरों का कर्ज है कि इस बात को सोचें कि उन्हें सरकार को यह सलाह देनी चाहिये या नहीं कि वह इस बेजा कार्रवाई से बाज रहे.”

कोइमबटूर की घटनाएं

जब लोगों का मालूम हुआ कि मैं इस मामले में दिल-चस्पी ले रहा हूँ तो लोगों ने कुछ घटनाएँ मुझे लिखकर भेजीं. उनमें से बहुत-सी मैं दैनिक अखबारों में शायी करा चुका हूँ ताकि सब उन्हें जान जायें. मैं कुछ घटनाएँ नीचे देता हूँ. इनमें पहली दस घटनाएँ सब कोइमबटूर की ही हैं.

(1) श्री जी. एम. कृष्ण राजा चेटियर ने मुझे लिखा कि :—

“मेरी छै साल की एक लड़की वसंत लन्दन मिशन स्कूल कोइमबटूर में पहली क्लास में पढ़ती थी. 18 नवम्बर सन् 1954 को उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. उस वक्त तक वह बिलकुल तन्दुरुस्त थी और खूब बढ़ती थी. 3 दिसम्बर सन् 1954 को उसके दूसरा टीका चेचक का लगाया गया. इस दूसरे टीके के लगने के बाद मेरी लड़की अंधी हो गई. अधिकारियों ने बगैर मेरी रजामन्दी

के अहिकारियों की معرفत बच्चों के माँ बाप को उन नारिखों की पहले से सूचना दी जाती है और यह लिख दिया जाता है कि टीके लयिमी नहीं है. स्कूलों के अधिकारियों से कहा जाता है कि वह बच्चों के माँ बाप की रजामन्दी हासिल कर लें. जिन सरकारी अफसरों की टीके का काम सुपुर्व होता है वह फिर हेडमास्टर और स्कूल के दूसरे टीचरों से अलग अलग मिलते हैं या सब टीचरों की मीटिंग कर लेते हैं और उन्हें यह बता देते हैं कि टीका लगवाना माँ बाप की मरजी पर है और माँ बाप को पहले से सूचना दे देना जरूरी है. जो माँ बाप इस बात पर ऐतराज करते हैं कि उनके बच्चों के बी० सी० जी० का टीका न लगाया जाये वे या तो आजमाइशी टीके के दिन अपने बच्चों को स्कूल ही नहीं भेजते या स्कूल के अधिकारियों को अपना ऐतराज लिखकर भेज देते हैं.

इस पर मैंने (श्री सी. राजगोपालाचारी) 12 जुलाई सन् 1955 के मद्रास के अखबार 'इन्डियन एक्सप्रेस' में अपना एक खत शायी कराया जिसमें लिखा है :—

“मेरे पास मद्रास के हेल्थ मिनिस्टर का पहली जुलाई का लिखा एक खत आया है जिससे मेरा यह खयाल पक्का हो गया कि जब बच्चों के माँ बाप की तरफ से कोई लिखा हुआ ऐतराज नहीं आता तो यह कर्ज कर लिया जाता है कि वह अपने बच्चे के टीका लगवाने के लिये रजामन्द हैं. असलियत यह है कि स्कूल मास्टर का ही बच्चों के जिस्म और उनकी आत्मा का पूरा मुहाफिज मान लिया जाता है. यह बात हद दर्जे कानून के खिलाफ है. सरकार के कानूनी अफसरों का कर्ज है कि इस बात को सोचें कि उन्हें सरकार को यह सलाह देनी चाहिये या नहीं कि वह इस बेजा कार्रवाई से बाज रहे.”

कोइमबटूर की गेठानों

जब लोगों को मालूम हुआ कि मैं इस मामले में दिल-चस्पी ले रहा हूँ तो लोगों ने कुछ गेठानों मुझे लिखकर भेजीं. इनमें से बहुत-सी मैं दैनिक अखबारों में शायी करा चुका हूँ ताकि सब उन्हें जान जायें. मैं कुछ गेठानों नीचे देता हूँ. इनमें पहली दस गेठानों सब कोइमबटूर की हैं.

(1) श्री जी. एम. कृष्ण राजा चेटियर ने मुझे लिखा कि :—

“मेरी छै साल की एक लड़की वसंत लन्दन मिशन स्कूल कोइमबटूर में पहली क्लास में पढ़ती थी. 18 नवम्बर सन् 1954 को उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. उस वक्त तक वह बिलकुल तन्दुरुस्त थी और खूब बढ़ती थी. 3 दिसम्बर सन् 1954 को उसके दूसरा टीका चेचक का लगाया गया. इस दूसरे टीके के लगने के बाद मेरी लड़की अंधी हो गई. अधिकारियों ने बगैर मेरी रजामन्दी

کے کھول میں میرے بچے کے ٹیکے لگائے اور جلد سے میرے بچے کی آؤں جاتی رہیں۔ مینے مٹکامی نیونیٹل اٹھیکاریوں کا دھیان اس بات کی طرف دلاایا لیکین کھج ن ہوا۔ مینے اس کھت کے ساتھ کویمبڈر کے سینیٹری انسپکٹر کی رپورٹ اور مٹیکال افسر کی رپورٹ دونوں آپکو بھج رہا ہوں۔ مٹیکے نہیں مالوم کیم مینے اس ماملے میں اور کیا کرے۔ یہاں کے ڈاکٹر یہی کھتے ہیں کیم اب میرے بچے کی آؤں کا ٹیکہ ہاں سکنا ناممکن ہے۔“

(2) شری سی. ک. سندر راجن نے مٹیکے ایک کھت میں لیکھا کیم :-

”میری ایک لڑکی سات سال کی اور ایک لڑکا دو سال کا دونوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا لگایا گیا۔ تین دن کے بعد دونوں کے سارے جسم کے ارد گرد بھڑکے نکل آئے۔ ہر طرح کا علاج دیا گیا لیکن تین مہینے تک ان دونوں کو بہت سخت تکلیف تھی۔ ان کے کئی انسپکشن لگائے گئے۔ تیسرے مہینے میں جاکر آچے رہے۔ دونوں ابھی تک بہت کمزور چلے جاتے ہیں۔“

(3) شری ایس. وردراج نے اپنے کھت میں لکھا کیم :-

”جب سے میرے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا ہے، میرے انڈین بازو میں بہت سخت درد ہوتا ہے۔ کئی طرح کا علاج دیا پر ابھی فائدہ نہیں ہوا۔ میں بھس بھس کی عمر کا جوان دسی ہوں۔ میرے ایک ماں ہے، دو بھائی ہیں اور دو بھینس ہیں۔ مجھے خود کام کر کے سب کو پالنا پڑتا ہے۔“

(4) شری بیلا سوامی چٹتی لکھتے ہیں :-

”میری چھ برس کی لڑکی راکمینی کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا لگایا گیا۔ اس پر اسکی آؤں جاتی رہیں۔ مٹکامی سرکاری اسپتال میں علاج کرایا گیا تو اس کی نظر کھچ کھچ ایس آئی۔ لیکن وہ ابھی تک بہت کمزور ہے اور اس کا مانغ بھی ابھی تک بالکل ٹھیک نہیں ہے۔“

(5) شری مٹی رگممال لیکھتی ہیں :-

”میری آٹارہ سال کی لڑکی سرسا کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا لگایا گیا۔ اسی دن سے اس کے سر درد اور گلے کی خرابی شروع ہو گئی۔ کچھ دنوں تک ایک مقامی ڈاکٹر سے علاج کرایا گیا۔ پھر اسی ڈاکٹر کے ہنم پر ہم اس لڑکی کو سرکاری اسپتال کے آنکے کے سرجن کے پاس لے گئے۔ آنکے کے سرجن نے کھا کیم اسکی آؤں میں کای خرابی نہیں ہے، ہم فیر پورانے ڈاکٹر کے پاس آ گئے، اس کے علاج سے کھج کھج کھج ہونا فیر بھی جاری رہا۔ ہم فیر ایک آنکے کے اسپتال میں گئے۔ وہاں اس کے عینک لگا دی گئی۔ عینک لگانے سے سر درد اور بڑھ گئی۔ اس کے بعد ہم اسے پھر پہلے ہی والے سرکاری اسپتال میں لے گئے۔ یہاں وہ لڑکی مر گئی۔“

(6) شری ک. एस. گاراڈیا سٹی نے لیکھا کیم :-

”میرے چھ سال کے لڑکے سیم سندر کے بی۔ سی۔ جی۔

نے اسکول میں مٹیکے بچے کے ٹیکے لگائے اور اسی کی جگہ سے میرے بچے کی آنکھیں جاتی رہیں۔ میں نے مقامی میونسپل ادھیکاریوں کا دھیان اس بات کی طرف دلاایا لیکن کھج نہ ہوا۔ میں اس خط کے ساتھ راجپور کے سینٹری انسپکٹر کی رپورٹ اور مٹیکال انسپکٹر کی رپورٹ دونوں آپ کو بھج رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کیم میں اس معاملے میں اور کیا کروں۔ یہاں کے ڈاکٹر یہی کھتے ہیں کیم اب میرے بچے کی آنکھوں کا ٹھیک ہو سکنا ناممکن ہے۔“

(3) شری سی. ک. سندر راجن نے مجھے ایک خط میں لکھا کیم :-

”میری ایک لڑکی سات سال کی اور ایک لڑکا دو سال کا دونوں کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا۔ تین دن کے بعد دونوں کے سارے جسم کے ارد گرد بھڑکے نکل آئے۔ ہر طرح کا علاج دیا گیا لیکن تین مہینے تک ان دونوں کو بہت سخت تکلیف تھی۔ ان کے کئی انسپکشن لگائے گئے۔ تیسرے مہینے میں جاکر آچے رہے۔ دونوں ابھی تک بہت کمزور چلے جاتے ہیں۔“

(3) شری ایس. وردراج نے اپنے کھت میں لکھا کیم :-

”جب سے میرے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا ہے، میرے انڈین بازو میں بہت سخت درد ہوتا ہے۔ کئی طرح کا علاج دیا پر ابھی فائدہ نہیں ہوا۔ میں بھس بھس کی عمر کا جوان دسی ہوں۔ میرے ایک ماں ہے، دو بھائی ہیں اور دو بھینس ہیں۔ مجھے خود کام کر کے سب کو پالنا پڑتا ہے۔“

(4) شری بیلا سوامی چٹتی لکھتے ہیں :-

”میری چھ برس کی لڑکی راکمینی کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا۔ اس پر اس کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مقامی سرکاری اسپتال میں علاج کرایا گیا تو اس کی نظر کھچ کھچ ایس آئی۔ لیکن وہ ابھی تک بہت کمزور ہے اور اس کا مانغ بھی ابھی تک بالکل ٹھیک نہیں ہے۔“

(5) شری مٹی رگممال لکھتی ہیں :-

”میری آٹارہ سال کی لڑکی سرسا کے بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا۔ اسی دن سے اس کے سر درد اور گلے کی خرابی شروع ہو گئی۔ کچھ دنوں تک ایک مقامی ڈاکٹر سے علاج کرایا گیا۔ پھر اسی ڈاکٹر کے ہنم پر ہم اس لڑکی کو سرکاری اسپتال کے آنکے کے سرجن کے پاس لے گئے۔ آنکے کے سرجن نے کھا کیم اسکی آؤں میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ہم پھر پورانے ڈاکٹر کے پاس آئے۔ اس کے علاج سے کھج کھج کھج ہونا فیر بھی جاری رہا۔ ہم پھر ایک آنکے کے اسپتال میں گئے۔ وہاں اس کے عینک لگا دی گئی۔ عینک لگانے سے سر درد اور بڑھ گئی۔ اس کے بعد ہم اسے پھر پہلے ہی والے سرکاری اسپتال میں لے گئے۔ یہاں وہ لڑکی مر گئی۔“

(6) شری ک. एस. گاراڈیا سٹی نے لکھا کیم :-

”میرے چھ سال کے لڑکے سیم سندر کے بی۔ سی۔ جی۔

کا توہم لگایا گیا۔ اُس کے ہاتھ سے پیپ اُٹے لگی۔ تین مہینہ تک اُسے تکلیف رہی۔ اُس کے بعد اُس نے ایک مہینہ تک ایک ڈاکٹر سے دوا لی تب وہ اچھا ہو گیا۔ لیکن ابھی تک کمزور چلا جاتا ہے۔“

(7) شری وائی . آر . نارائن سوامی نے لکھا ہے :—

”میرے لڑکے جے رتہ کے بچھلی نمبر میں بی۔سی۔جی۔ کا ٹیٹہ لگایا گیا تھا۔ اُسی وقت سے پیپ پڑ گئی جو ابھی تک اچھی نہیں ہوئی۔ میں نے ہر طرح کی دوائیں کیں لیکن ابھی تک وہ اچھا نہیں ہوا۔“

(۵) شری ٹی۔ این۔ راما چاری نے لکھا ہے کہ :—

”مہروی نہیں سال کی لڑکی بھانومتی کے جب سے
 بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا تب سے ہی اُس جگہ پر
 ایک بھورا بن گیا ہے جس سے پیپ آتی رہتی ہے۔ وہ بھورا
 ابھی تک اچھا نہیں ہوا۔ لڑکی ہر وقت درد سے چلائی رہتی
 ہے۔ ہم اُسے کئی ڈاکٹروں کے پاس لے گئے، ہونڈ کوارٹرس اسپتال
 میں بھی لے گئے اور مدورائی اسپتال میں بھی لے گئے لیکن
 کوئی فائدہ نہیں ہوا۔“

(9) شری سبنا گوندین نے لکھا ہے :—

”مہروی ذیروز سال کی پہلی پونسل کے بی . سی . جی . کا ٹیٹ لگایا گیا . اُس سے اُسے بخار آگیا . ایک ڈاکٹر سے اُس کا علاج کرایا . وہ ایک ہفتہ کے اندر مر گئی .“

(10) شری وی . کپو سوامی نے لکھا ہے کہ :—

”مہرے بھائی دی . رام . کرشنن نے جس کی عمر ساڑھے چار سال کی تھی . سی . سی . جی کا تینکے لگایا گیا . اُس جگہ پر اُس کے پھوڑا بن گیا . ہیڈ ٹرائٹرس اسپتال میں ایک ہفتے علاج کرایا گیا . کوئی فائدہ نہیں ہوا . ایک دوسرے ڈاکٹر سے علاج کرایا . اُس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا . آج تک وہ پھوڑا ویسا ہی ہے اور اُس سے پیپ بھتی رہتی ہے .“

میں لکھ چکا ہوں کہ اُردو کی دس کی دس گھنٹائیں سب ایک ہی جگہ کی یعنی کراچی پور کے شہر کی ہیں ۔

کچھ اور خط

9 جولائی سن 1958ء کے ہندوستان ٹانمس میں ترویجی
کے ڈاکٹر آر۔ سب شون ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ کا ایک خط
چبھا ہے جس میں لکھا ہے کہ:—

”میرے علاج میں آجکل ایک چودہ برس کا لڑکا ہے جو میرا اپنا پوتا ہے اور جس کی نندرستی بالکل برباد ہو گئی ہے۔ سن 1954 میں اُس کے پی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکہ لگایا گیا تھا۔ ٹیکہ لگانے کے وقت تک اُس کی نندرستی بالکل اولیٰ درجے کی تھی—بہت اچھا مضبوط جسم، خوب شکتی اور بیساروں کو نزدیک آنے سے روکنے والے۔ اُسے بہت

اچھا کھانا دیا جاتا تھا۔ اسکول کے بچے بڑے خوب کھلتا تھا۔ ٹیکہ مکہ کے سیمے سے ہی اُس کا بدن بھیدنا شروع ہو گیا۔ لال لال چمکیاں رنگیں۔ تب سے اب تک اُس کے شہر کے الگ الگ بھاگوں پر چھوٹے بڑے پوزے برابر نکلتے رہتے ہیں۔ یہ پوزے معمولی تھنگ سے اور معمولی سیمے کے اندر اچھے نہیں ہوتے حالانکہ علاج تھیک تھیک ہوتا رہتا ہے۔ اب کچھ پوزوں پر سے کھرنٹ اتر گئے ہیں۔ لیکن کھرنٹوں کے نیچے بھی پیالے کی شکل کے پوزے بنے ہوئے ہیں جن میں چاروں طرف دالے سے بنتے رہتے ہیں۔ دوسری خاص بات ان پوزوں کی یہ ہے کہ جب کہ معمولی پوزوں میں سونے پوزے تک ہی رہتی ہے ان پوزوں میں پوزوں کے چاروں طرف کئی اونچ نک سوجن اور دم بنا رہتا ہے۔ جو بھی ہو، میں اپنی سی پوری کوشش کر رہا ہوں کہ اُس بچے کو پوز سے تندرست کر دوں۔“

دھراڈون سے شری وکیان پرکاش لکھتے ہیں :-

”میں نے ’ہندوستان ٹائمز‘ میں آپ کے لیکچر اور خط اس وقت کے پڑھے ہیں کہ بی۔ سی۔ جی سے کتنا نقصان ہوتا ہے۔ انہیں پوز پر مجھے سانس ہوا کہ آپ جیسے بڑے آدمی کو خود اپنے بیٹے جے دیو کا حال لکھوں۔ جے دیو کی عمر تیرہ سال کی ہے۔ ساڈھو رام ہارمسکندری اسکول دھراڈون میں وہ آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ لگ بھگ ایک سال ہوا اسکول میں اُس کے بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگایا گیا۔ تب ہی سے اُس کی تندرستی گرتی شروع ہو گئی، یہاں تک کہ اُس کے ہڈی پوزے خراب ہو گئے اور خون میں زہر پیدا ہو گیا۔ اُسے کھانسی اور دمہ ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ اُسے تپیدیک ہو گیا ہے۔ اُس کا وزن گھٹا جا رہا ہے۔ اب تک اُس کا بارہ پونڈ وزن گھٹ چکا ہے۔ میں اُسے چنڈی گڑھ علاج کے لئے لے گیا۔ وہاں وہ ایک مہینے سے اوپر ڈرنل دی ہائیڈر۔ بی۔ ای۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس۔ جے۔ ایف۔ میڈیکل انسٹر چنڈی گڑھ کے علاج میں رہا۔ ڈرنل دی ہائیڈر ٹی بھی رہی وائے ہے کہ اُسے تپیدیک ہے۔ میں بہت دنوں وہاں کے علاج کا خوجہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اُس لئے میں اُسے دھراڈون لے گیا۔ وہاں اُسے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوا۔ یہاں اسکول کے ہیڈ ماسٹر کی صلاح سے اور ہیڈ ماسٹر کی چھٹی نے کہ میں اُسے دھراڈون کے سول سرجن کے پاس لے گیا۔ سول سرجن نے کوئی پرواہ نہیں کی اور نہ مہوے لڑکے کا ذاتی امتحان کیا۔ میں پھر ایک دوسرے آدمی کی معرفت سول سرجن کے پاس گیا۔ اُس بار اسپتال میں میں نے سولہ روپیہ اُن کی فیس بھی دے دی۔ انہوں نے میڈے لڑکے کو تھوڑا سا لیکچر ایک نرسنگ لکچر دیا۔ اب میں سول سرجن ہی کی دوا دے رہا ہوں۔ سول سرجن نے بھی مجھ سے یہی کہا کہ ممکن ہے مہوے لڑکے کو یہ تکلیف بی۔ سی۔ جی کے کارن ہی ہوئی ہو۔“

ایک بدقسمت خلیا افسر کا خات

اب میں نیچے ایک ایسے آدمی کا خط دے رہا ہوں جس نے خط میں اپنا نام اور پتا لکھ دیا ہے اور جو سرکار کے اذین خلیا-افسر کے پد پر ہے۔ اس نے مجھے لکھا ہے کہ:-

”آپ نے بہ بہت اچھا کیا کہ گمبھرتا اور بھادری کے ساتھ نپٹنے کے بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کے اس طرح اندھا دھند سب کے لگائے جانے کا وردھ کیا اور اُسے آپ برا کہہ رہے ہیں۔ میں ایک باپ ہوں جو اسی بی۔ سی۔ جی کی بدولت اپنا گیارہ برس کا سندھ بیٹھا ہو چکا ہوں۔ میرا بیٹا سن 1951 میں یہاں ایک پرائمری اسکول میں پڑھتا تھا۔ بی۔ سی۔ جی کے حامیوں اور پرچارکوں نے اُس اسکول میں ٹیکے لگائے جانے کا پرہیز کیا۔ میرا بیٹا یہ کہہ کر اسکول کے کھاؤنڈ سے بھاگ آیا کہ ”میں ہذا اپنے باپ کی اجازت کے یہ ٹیکے نہیں لکوا سکتا“ نہیں تو میرے باپ مجھے مارینگے۔ اُسے زبردستی پکڑ کر کھینچ کر اندر لے جا یا گیا اور ٹیکے لگا دیا گیا۔ اُس کے شاید خصرہ نکلنے والی تھی۔ چوتھے یا پانچویں دن اُس کے خصرہ نکل آئی۔ اُسے زور کا بخار آ گیا۔ اُس کا ٹھورپچر ایک سو نو تک پہنچ گیا۔ اسے مہلنجانٹیمز اور نیمونہ بھی ساتھ ساتھ ہو گئے۔ دوسرے دن یعنی 4 اپریل سن 1951 کو وہ مر گیا۔ اُس کی موت مڈری پتنی کی موت کے ٹھیک ایک سال بعد ہوئی۔ میری پتنی کی موت دوسری بیماری کے کارن ہوئی تھی۔ اس طرح مجھے پر دھری مصیبت آئی۔ بی۔ سی۔ جی کا ٹیکہ لگنے سے پہلے میرا لوکا خوب تندرست تھا اور کھیلنا تھا۔ لیکن اور باپوں کو چھوڑ دیجئے، جسے یہ کہ ٹیکے لگائے سے پہلے مانتا پتا سے اجازت لے لینا ضروری ہے اس ٹیکے کے لگائے میں یہ بھی نہیں دیکھا جاتا کہ بچوں کو کوئی لکھی بھاری تو ہولے والی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں اور بھوکاں سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ آپ کو بڑی عمر دے اور تندرست رکھے تاکہ آپ بے گناہ بچوں کے اوپر اُن غیر ضروری اور اندھا دھند ٹیکوں کے خلاف لڑ سکیں۔“

میں اس آدمی کا نام اس لئے نہیں دے رہا ہوں کہ وہ سرکاری نوکر ہے اور ایسا نہ ہو کہ نام دینے سے اس اُپاکے باپ پر ایک تیسری مصیبت آئے۔

کچھ اور گھٹنائیں

کچھ اور گھٹنائیں

نیچے کی گھٹنائیں 12 جولائی سن 1955 کے مدراس کے اخبار ”انڈین ایکسپریس“ میں چھپ چکی ہیں:-

1—بیلگاپٹ کے شری ان. کھننہ سوامی پیلے کے 18 سال کے بٹے بال سوبرمننن کے اسکول میں بی۔ سی۔ جی

نیچے کی گھٹنائیں 12 جولائی سن 1955 کے مدراس کے اخبار ”انڈین ایکسپریس“ میں چھپ چکی ہیں:-

چنکل پٹ کے شری این کرشن سوامی پیلے کے 18 سال کے بٹے بال سوبرمنن کے اسکول میں بی۔ سی۔ جی

کا टीका लगाया गया. यह पिछले मार्च-अप्रैल की बात है. बाल सुबरमनियन चौथी क्लास में पढ़ता था तब ही से उसकी तन्दुरुस्ती गिरती जा रही है. अब वह अबसर कैं करता रहता है. सर में सरत दर्द रहता है. आँख की रोशनी बहुत खराब हो गई है. चक्कर आते रहते हैं. कभी-कभी बेहोश हो जाता है. दिमाग कुछ-कुछ खराब हो चला है. कभी-कभी बोलना बन्द हो जाता है. वजन कम होता जा रहा है. वह अपने मां बाप का इकलौता लड़का है. मां बाप बहुत परेशान हैं. 3 जुलाई से उसे इलाज के लिये सरकारी अस्पताल में दाखिल कर दिया गया है.

2—माइकल एन्थनी अब औध कैम्प पूना के फौजी अस्पताल में है. उसे बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. तपेदिक हो गया. नौकरी से जाता रहा और अब अस्पताल में बहुत बीमार है. जब उसके टीका लगाया गया तब वह बंगलौर के एक फौजी दफ्तर में काम कर रहा था. इससे पहले वह बिलकुल तन्दुरुस्त था. उसके घर में कभी किसी को तपेदिक नहीं हुआ था. उसने मुझे (श्री राजागोपालाचारी को) एक बहुत दुख और गुस्से से भरा हुआ खत लिखा है कि यह विदेशी "दुनिया भर के तन्दुरुस्ती के माहिर" बन कर आते हैं. उनके सामने ही उसके टीका लगाया गया था.

3—श्री एम. एस. फ़कीर कोइमबदूर के एक बीड़ी के कारखाने में मजदूरी करता है. उसके एक ढाई बरस के बच्चे के 18 दिसम्बर सन् 1954 को बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. आँख की रोशनी खराब हो गई और तन्दुरुस्ती गिरती गई

लोदी कालोनी दिल्ली से श्री प्रीतसिंह ने 20 जुलाई सन् 1955 को मुझे यह खत लिखा :—

"मैं नीचे आपको इस बात का पूरा हाल लिख रहा हूँ कि मेरे बेटे पर बी० सी० जी० के टीके का किस तरह बुरा असर पड़ा. मेरे लड़के का नाम उदयवीर सिंह है. उसकी उम्र साढ़े नौ साल की थी वह उस वक्त बहुत तन्दुरुस्त था. अगस्त सन् 1953 में स्कूल में उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. हमारी बदकिस्मती से अगले दिन ही उसके एक तरह कि गिल्टियाँ निकल आईं और गदन पर सूजन आ गई. मैंने एक होम्योपैथिक डाक्टर को दिखाया. उसके इलाज से बच्चे को बहुत आराम मिला. पर ठीक एक साल के बाद वही चीज फिर और ज्यादा जोर के साथ निकल आई. अब मेरे बच्चे की हालत खतरनाक हो गई. 8 सितम्बर सन् 1954 को मैंने नई दिल्ली के सफदरजंग अस्पताल में उसका एक्सरे कराया. एक्सरे से मालूम हुआ कि बायें फेफड़े में तपेदिक हो गया है और फेफड़ों के बीच की गिल्टियाँ बढ़ गई हैं. लड़के को नई दिल्ली के इरविन

का ठिके लगाया गया. ये पच्चेस मार्च अप्रैल की बात है. बाल सुबरमनियन चौथी क्लास में पढ़ता था तब ही से उसकी तन्दुरुस्ती गिरती जा रही है. अब वह अक्षर्य कर रहा है. सर में सरत दर्द रहता है. आँख की रोशनी बहुत खराब हो गई है. चक्कर आते रहते हैं. कभी-कभी बेहोश हो जाता है. दिमाग कुछ-कुछ खराब हो चला है. कभी-कभी बोलना बन्द हो जाता है. वजन कम होता जा रहा है. वह अपने मां बाप का इकलौता लड़का है. मां बाप बहुत परेशान हैं. 3 जुलाई से उसे सरकारी अस्पताल में दाखल कर दिया गया है.

2—मानकल इन्तेली अब ओम्ह के कैंप पूना के नोजी अस्पताल में है. उसे बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. तपेदिक हो गया. नौकरी से जाता रहा और अब अस्पताल में बहुत बीमार है. जब उसके टीका लगाया गया तब वह बंगलौर के एक फौजी दफ्तर में काम कर रहा था. इससे पहले वह बिलकुल तन्दुरुस्त था. उसके घर में कभी किसी को तपेदिक नहीं हुआ था. उसने मुझे (श्री राजागोपालाचारी को) एक बहुत दुख और गुस्से से भरा हुआ खत लिखा है कि यह विदेशी "दुनिया भर के तन्दुरुस्ती के माहिर" बन कर आते हैं. उनके सामने ही उसके टीका लगाया गया था.

3—श्री एम. एस. फ़कीर कोइमबदूर के एक बीड़ी के कारखाने में मजदूरी करता है. उसके एक ढाई बरस के बच्चे के 18 दिसम्बर सन् 1954 को बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. आँख की रोशनी खराब हो गई और तन्दुरुस्ती गिरती गई. लोदी कालोनी दिल्ली से श्री प्रीतसिंह ने 20 जुलाई सन् 1955 को मुझे यह खत लिखा :—

"मैं नीचे आपको इस बात का पूरा हाल लिख रहा हूँ कि मेरे बेटे पर बी० सी० जी० के टीके का किस तरह बुरा असर पड़ा. मेरे लड़के का नाम उदयवीर सिंह है. उसकी उम्र साढ़े नौ साल की थी वह उस वक्त बहुत तन्दुरुस्त था. अगस्त सन् 1953 में स्कूल में उसके बी० सी० जी० का टीका लगाया गया. हमारी बदकिस्मती से अगले दिन ही उसके एक तरह कि गिल्टियाँ निकल आईं और गदन पर सूजन आ गई. मैंने एक होम्योपैथिक डाक्टर को दिखाया. उसके इलाज से बच्चे को बहुत आराम मिला. पर ठीक एक साल के बाद वही चीज फिर और ज्यादा जोर के साथ निकल आई. अब मेरे बच्चे की हालत खतरनाक हो गई. 8 सितम्बर सन् 1954 को मैंने नई दिल्ली के सफदरजंग अस्पताल में उसका एक्सरे कराया. एक्सरे से मालूम हुआ कि बायें फेफड़ों में तपेदिक हो गया है और फेफड़ों के बीच की गिल्टियाँ बढ़ गई हैं. लड़के को नई दिल्ली के इरविन

ہسپتال میں بےجا گیا۔ وہاں پوری طرح امتحان ہوا۔ 18 ستمبر سن 1954 کو انہوں نے کہا کہ گردن میں تپدق کی گتھیاں ہیں۔ انہوں نے طاعت کی دوائیں اور ویتھین کھانے کی صلاح دی اور آئرا واپولٹ کرنوں کا علاج بتایا۔ یہ سب علاج ہو چکے کے بعد بھی ابھی تک وہ پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔ ہمارے گھر میں آج تک کوئی کسی کو تپدق نہیں ہوا تھا۔ اس معاملے میں ہمیں کافی پریشانی ہوئی اور زہر بار ہونا پڑا۔ یہ سب بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے کی بدولت۔ کئی برس سے یہ ٹیکے آنے آندھا دھندلی سے لگایا جا رہا ہے وہ اثر اُس سے جو فائدہ سوچا جاتا ہے اُس کی نسبت نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ سرکار کو سمجھانے کی ضرورت ہے۔ اس سب کی روک تھام ہونی چاہئے۔“

ہمارے بچوں پر خतरناک تاجر با

یہ بڑی سی کتاب ابھی انگریزی میں چھپ رہی تھی کہ مڈن پللی کے یونیٹن میشن ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر فریڈموت مولر نے اپنے سینیٹوریئم کے کام کی چرچا کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ:—“بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا کھانے کے بعد بچوں کو تپدق کی بیماری سے بچا سکتا ہے، اس پر جب تک ابھی کافی وقت نہ نکل جائے اور نتیجہ تو نہ دیکھ لیں تب تک ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔“ یہ ایک بہت ہی تجربے کا اور ذمہ دار ڈاکٹر کا بیان ہے، جس میں شہدوں کو تول تول کر رکھا گیا ہے۔ ہمارے لئے یہ کافی اترہ رکھتا ہے۔ یہ بات بالکل پکی ہے کہ ہندوستان میں بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانے کی جو یہ تحریک چل رہی ہے یہ کسی بیماری کو روکنے کا کوئی آزمایا ہوا طریقہ نہیں ہے، یہ ایک بڑے پیمانے پر ہمارے بچوں پر ایک خطرناک تجربہ کیا جا رہا ہے، جسے کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔

ہمارے بچوں پر خطرناک تجربہ

یہ چھوٹی سی کتاب ابھی انگریزی میں چھپ رہی تھی کہ مڈن پللی کے یونیٹن میشن ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر فریڈموت مولر نے اپنے سینیٹوریئم کے کام کی چرچا کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ:—“بی۔ سی۔ جی۔ کا ٹیکا کھانے کے بعد بچوں کو تپدق کی بیماری سے بچا سکتا ہے، اس پر جب تک ابھی کافی وقت نہ نکل جائے اور نتیجہ تو نہ دیکھ لیں تب تک ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔“ یہ ایک بہت ہی تجربے کا اور ذمہ دار ڈاکٹر کا بیان ہے، جس میں شہدوں کو تول تول کر رکھا گیا ہے۔ ہمارے لئے یہ کافی اترہ رکھتا ہے۔ یہ بات بالکل پکی ہے کہ ہندوستان میں بی۔ سی۔ جی کے ٹیکے لگانے کی جو یہ تحریک چل رہی ہے یہ کسی بیماری کو روکنے کا کوئی آزمایا ہوا طریقہ نہیں ہے، یہ ایک بڑے پیمانے پر ہمارے بچوں پر ایک خطرناک تجربہ کیا جا رہا ہے، جسے کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

کिसی نے محمد صاحب سے پوچھا:—”اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”جب کسی نےک کام کے کرنے سے تمہیں خوشی ہو، اور بُرا کام کرنے سے تمہیں دُکھ ہو تب سمجھو کہ تم ’مومن‘ یعنی ایمان والے ہو۔“ اُس آدمی نے پھر پوچھا—”اور گناہ کیا ہے؟“ اُنہوں نے جواب دیا—”جب کوئی چیز اندر ہی اندر تمہیں کوجبتی ہو تو اُسے مت کرو۔“

—ابو امامہ، احمد۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچ مچ اُس آدمی کا کوئی ایمان نہیں جو کسی کے ساتھ دشواریاں گھات کرنا ہے، اور اُس کا کوئی دین نہیں جو اپنے وعدوں کو پورا نہیں کرتا۔“

—انس، بیہقی۔

میں نے پوچھا—”اسلام کیا ہے؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”جہان کو پاک رکھنا اور مہمان کی خاطر کرنا۔“

میں نے پوچھا—”ایمان کیا ہے؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”سچ کرنا اور دُوسروں کے ساتھ بھلائی کرنا۔“

—امرو، احمد۔

محمد صاحب نے کہا:—”دُوسروں کو دُکھ پہنچانے سے اپنے کو روکنا ایمان ہے؛ مومن کو چاہئے کہ کسی کو دُکھ نہ پہنچائے۔“

—ابو ہریرہ، ابو داؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جو آدمی جھوٹ بولتا نہیں چھوڑتا اور جو اُسی طرح کے دُوسرے برے کاموں سے باز نہیں آتا اُس کے کھانا اور پانی چھوڑ کر روزہ رکھنے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

—ابو ہریرہ، بخاری۔

محمد صاحب نے کہا:—”تم سے پہلے جو قومیں ہوئی ہیں وہ اُس لئے برباد ہوئیں کہ جب اُن میں سے کسی بڑے گھرانے کا آدمی چوری کرتا تھا تو وہ اُسے سزا نہیں دیتے تھے، اور جب اُن میں سے کوئی کمزور یا غریب آدمی چوری کرتا تھا تو اُسے وہ سزا دیتے تھے۔ اللہ کی

کرم ! چوری کرنے والی چاہے محمد کی بیٹی ناطقہ ہی کہیں نہ ہو میں اس کے ہاتھ کاٹ لوں گا۔“

—آیاشا، بخاری: مسلم: ابوداؤد: ترمذی: نسائی۔

محمد صاحب نے کہا: —”تم میں سے کسی کو اتنا بیوقوف نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کہے کہ —”میں لوگوں کے ساتھ رہوں گا، اگر لوگ میرے ساتھ بھلائی کریں تو میں ان کے ساتھ بھلائی کروں گا، اور وہ اگر میرے ساتھ برائی کریں تو میں ان کے ساتھ برائی کروں گا۔“ اس کے خلاف تمہیں اس طرح سمجھ سے کام لینا چاہئے کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ نیکی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرو اور وہ اگر تمہارے ساتھ برائی کریں تو تم ان کے ساتھ برائی کرنے سے بچو۔“

—حذیفہ، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا: —”سچ میں کسی بھی پیشوا یا لیڈر کے لیے یہ زیادہ اچھا ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو معاف کر دے بجائے اس کے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے۔“

—عائشہ، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا: —”موسیٰ نے اللہ سے پوچھا: —”اے میرے اللہ! تیری نظروں میں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت کے قابل کون ہے؟“ اللہ نے جواب دیا: —”وہ جس میں بدلہ لینے کی شکی ہے اور پھر بھی وہ معاف کر دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا: —”اے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت کے قابل کون ہے؟“ اللہ نے جواب دیا: —”وہ جس میں بدلہ لینے کی شکی ہے اور پھر بھی وہ معاف کر دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب نے کہا: —”اے اللہ! تیرے بندوں میں سب سے زیادہ عزت کے قابل کون ہے؟“ اللہ نے جواب دیا: —”وہ جس میں بدلہ لینے کی شکی ہے اور پھر بھی وہ معاف کر دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، بیہقی۔

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب نے کہا: — ”سب مخلوق (پ्राणी) अल्लाह का कुनबा हैं और इस कुनबे में अल्लाह को सबसे ज्यादा प्यारा वह है जो अल्लाह के इस कुनबे के साथ बलाई करता है۔“

—अनस और अबुदुल्ला, बेहकी

محمد صاحب ने कहा: — ”ऐ अबुजर ! किसी भी नेक काम को हिकारत की निगाह से न देखा जाये वह अपने किसी भाई से केवल इसकर बोलना ही क्यों न हो۔“

—अबुजर, बुखारी; मुसलिम; तिरमिजी.

محمد صاحب ने कहा: — ”भूखों को खाना खिलाओ, बीमारों को देखने जाओ और गुलामों और कैदियों को आजाद करो۔“

अबूमुसा, बुखारी, अबुदाऊद.

محمد صاحب ने कहा: — ”क्रियामत के दिन अल्लाह कहेगा — ”ऐ आदमी के बेटे ! मैं बीमार था और तू मुझे देखने नहीं आया, आदमी जवाब देगा — ”ऐ मेरे अल्लाह ! तू तो सारी दुनिया का मालिक है. मैं तुझे देखने कैसे आ सकता था ?“ अल्लाह कहेगा — ”क्या तुझे यह मालूम नहीं था कि मेरे बन्दों में से फ़लां बन्दा बीमार था और तू उसे देखने नहीं गया ? क्या तू यह नहीं जानता था कि अगर तू उसे देखने जाता ता बिला शक मुझे उसके पास पाता ?“ अल्लाह फिर कहेगा — ”ऐ आदमी के बेटे ! मैंने तुमसे खाना मांगा था और तूने मुझे खाना नहीं दिया था. आदमी जवाब देगा — ”ऐ मेरे अल्लाह ! तू तो सारी दुनिया का मालिक है मैं तुझे खाना कैसे दे सकता था ?“ अल्लाह कहेगा — ”क्या तू यह नहीं जानता था कि मेरे फ़लां बन्दे ने तुमसे खाना मांगा था और तूने उसे खाना नहीं दिया था ? क्या तू यह नहीं जानता था कि अगर तू उसे खाना देता ता बिला शक वह खाना मुझे पहुँचता ?“ अल्लाह फिर कहेगा — ”ऐ आदमी के बेटे ! मैंने तुमसे पानी मांगा था और तूने मुझे पानी पीने को नहीं दिया. आदमी जवाब देगा — ”ऐ मेरे अल्लाह ! तू तो सारा दुनिया का मालिक है मैं तुझे पानी कैसे दे सकता था ?“ अल्लाह कहेगा — ”मेरे फ़लां बन्दे ने तुम से पानी मांगा था और तूने उसे पानी नही दिया. बिलाशक अगर तू उसे पानी पीने का देता ता वह पानी मुझे पहुँचता. “

—अबुदुरैरा, मुसलिम.

محمد صاحب ने कहा : — ”नेक विचार ही अच्छी इबादत है۔“

—अबुदुरैरा, अबुदाऊद: अहमद

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

محمد صاحب نے کہا: — ”سب مخلوق (پرائی) اللہ کا کنبا ہیں اور اس کنبہ میں اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے اللہ کے اس کنبہ کے ساتھ بھائی کرتا ہے۔“

— انس اور عبداللہ، بیہقی .

محمد صاحب نے کہا: — ”اے ابوذر ! کسی بھی نیک کام حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھو چاہے وہ اپنے کسی بھائی سے قبول ہو کر ہو یا ہی کیوں نہ ہو۔“

— ابوذر، بخاری؛ مسلم؛ ترمذی .

محمد صاحب نے کہا: — ”بھوکوں کو کھانا کھاؤ، بیماروں کو کھانے جاؤ اور غلاموں اور قیدیوں کو آزاد کرو۔“

— ابو موسیٰ، بخاری: ابوداؤد .

محمد صاحب نے کہا: — ”دیانمت کے دن اللہ کہے گا — ”اے آدمی بیٹہ ! میں بیمار تھا اور تو مجھے دیکھنے نہیں آیا. آدمی جواب دے گا — ”اے میرے اللہ ! تو تو ساری دنیا کا مالک ہے. میں تجھے کھانے دیسے آسکتا تھا ؟“ اللہ کہے گا — ”کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ میرے بندوں میں سے فلاں بندہ بیمار تھا اور تو اُسے دیکھنے نہیں گیا ؟ کیا تو یہ نہیں جانتا تھا کہ اگر تو اُسے دیکھنے جاتا ہلاتک مجھے اُس کے پاس پانا ؟“ اللہ پھر کہے گا — ”اے آدمی کے بیٹہ ! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے مجھے نا نہیں دیا تھا. آدمی جواب دے گا . ”اے میرے اللہ ! تو ساری دنیا کا مالک ہے میں تجھے کھانا دیسے دے سکتا ؟“ اللہ کہے گا — ”کیا تو یہ نہیں جانتا تھا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اُسے کھانا نہیں دیا تھا ؟“ تو یہ نہیں جانتا تھا کہ اگر تو اُسے کھانا دیتا تو ہلاشک وہ نا مجھے پہنچتا ؟“ اللہ پھر کہے گا — ”اے آدمی کے بیٹہ ! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے مجھے پانی نہیں دیا. آدمی جواب دے گا — ”اے میرے اللہ تو تو ساری دنیا کا مالک ہے میں تجھے پانی کیسے دے سکتا تھا ؟“ اللہ کہے گا — ”میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا اور تو نے پانی نہیں دیا. ہلاتک اگر تو اُسے پانی پینے کو دیتا تو پانی مجھے پہنچتا. “

— ابو ہریرہ، مسلم .

محمد صاحب نے کہا نیک وچار ہی اچھی عبادت ہے۔“

— ابو ہریرہ، ابو داؤد: احمد .

مورماد صاحب نے کہا:—”اگر مومن کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اُس کے گناہوں کی کیا سزا دے گا تو کوئی مومن جنت کی آشا نہ رکھگا اور اگر کافر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کتنا رحم ہے تو کوئی کافر جنت سے نا امید نہیں ہوگا۔“

—ابو ہریرہؓ بخاری: مسلم .

—انوارک مجیب رضوی

—ابو ہریرہؓ بخاری: مسلم .

—انوارک مجیب رضوی

آوارا شاعر !

آوارا شاعر !

شری علی اکبر امیری

شری علی اکبر امیری

بابو صاحبان! پرنام! ارے! آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ پرنام کا ارتھ نہیں جانتے؟ جس زبان کو ہماری حکومت نے سرکاری زبان بنایا ہے اُسے جانتا تو ہر بھارتی کا فرض ہے۔ خیر نہ جانو سہی! لاکھوں میں آپ دونوں کے نمبر شامل ہو گئے تو کیا ہو گیا؟

بابو صاحبان! پرنام! ارے! آپ لوگ خاموش کیوں ہیں؟ پرنام کا ارتھ نہیں جانتے؟ جس زبان کو ہماری حکومت نے سرکاری زبان بنایا ہے اُسے جانتا تو ہر بھارتی کا فرض ہے۔ خیر نہ جانو سہی! لاکھوں میں آپ دونوں کے نمبر شامل ہو گئے تو کیا ہو گیا؟

مجھے دیکھو! انگریزی، بنگلا، مراٹھی، گجراتی، سندھی، اردو، فارسی، ہندی یہ سبھی زبانیں جانتا ہوں۔ مگر کسی بھی زبان کا ”ڈپلوما ہولڈر“ (Diploma-holder) نہیں ہوں۔ ویسے ہی ایک ایک کر کے سیکھ لی تھی۔ انتہا یہ کہ اردو کا شاعر بھی ہوں۔ ”جوش“ ملیح آبادی نہیں، ”مخدوم“ محی الدین بھی نہیں اور ”الطاف“ مشہدی تو ہوں ہی نہیں بلکہ ایک معمولی شاعر ہوں۔ صنعتی کلچر کی بھی جانتا ہوں۔ ان تمام فنون کے جاننے کے باوجود بھی آج صبح سے بھوکا ہوں۔ ارے! آپ لوگ چونک کیوں گئے؟ اس لئے کہ میں آپ سے کچھ مانگوں گا؟ اطمینان رکھئے صاحبان! میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔

مجھے دیکھو! انگریزی، بنگلا، مراٹھی، گجراتی، سندھی، اردو، فارسی، ہندی یہ سبھی زبانیں جانتا ہوں۔ مگر کسی بھی زبان کا ”ڈپلوما ہولڈر“ (Diploma-holder) نہیں ہوں۔ ویسے ہی ایک ایک کر کے سیکھ لی تھی۔ انتہا یہ کہ اردو کا شاعر بھی ہوں۔ ”جوش“ ملیح آبادی نہیں، ”مخدوم“ محی الدین بھی نہیں اور ”الطاف“ مشہدی تو ہوں ہی نہیں بلکہ ایک معمولی شاعر ہوں۔ صنعتی کلچر کی بھی جانتا ہوں۔ ان تمام فنون کے جاننے کے باوجود بھی آج صبح سے بھوکا ہوں۔ ارے! آپ لوگ چونک کیوں گئے؟ اس لئے کہ میں آپ سے کچھ مانگوں گا؟ اطمینان رکھئے صاحبان! میں آپ سے کچھ بھی نہیں مانگوں گا۔

آج اتوار ہے۔ شہر کی لگ بھگ سبھی دوکانیں بند ہیں۔ چھٹی جو ہے نا؟ اور میں نے بھی اپنے پھٹ کو چھٹی دے رکھی ہے۔ آپ لوگ اس پارک میں شاید تعریض کے لئے آئے ہیں۔ میں بھی اسی غرض سے آیا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس جگہ بیٹھے دیکھ کر خیال ہوا۔ چلو کچھ دیر باتیں سے دل بہلائیں۔ جان پہچان نہیں تو کیا ہوا؟ اپنا تعارف آپ خود کرالیں گے۔ یعنی کہ ادیبوں کی زبان میں اپنی قلبی آپ حود بجا لینگے۔ ارے! آپ لوگ ہنسے ہیں۔ ہنسے صاحب! خوب ہنسے۔ مجھے اُس کی پرواہ نہیں۔ شاید

آج اتوار ہے۔ شہر کی لگ بھگ سبھی دوکانیں بند ہیں۔ چھٹی جو ہے نا؟ اور میں نے بھی اپنے پھٹ کو چھٹی دے رکھی ہے۔ آپ لوگ اس پارک میں شاید تعریض کے لئے آئے ہیں۔ میں بھی اسی غرض سے آیا ہوں۔ آپ لوگوں کو اس جگہ بیٹھے دیکھ کر خیال ہوا۔ چلو کچھ دیر باتیں سے دل بہلائیں۔ جان پہچان نہیں تو کیا ہوا؟ اپنا تعارف آپ خود کرالیں گے۔ یعنی کہ ادیبوں کی زبان میں اپنی قلبی آپ حود بجا لینگے۔ ارے! آپ لوگ ہنسے ہیں۔ ہنسے صاحب! خوب ہنسے۔ مجھے اُس کی پرواہ نہیں۔ شاید

آپ لوگ مجھے ندم پاگل سمجھتے ہیں۔ پورا پاگل ہی سمجھتے۔ آخر شاعر جو ہے؟

ہوں ! میں اپنا تعارف کرانا تو بھول ہی گیا۔ یوں ہی اینٹی بینڈی بکتا جا رہا ہوں۔ میں ایک شریف خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ دفلی میڈی جنڈ بھومی ہے، یعنی کہ جائے پیدائش۔ جب سے شوہر سنبھالا اپنے آپ کو آزادی کا رسیا پایا۔ سن 1947ء سے پہلے میرے دلوانے اپنے جوان تھے کہ کچھ پڑھو نہیں۔ میں نے حصول آزادی میں جان توڑ کوشش کی۔ اس سلسلے میں مجھے جیل بھی بھیجا گیا۔ جیل میں چکی پیوستہ پیوستہ صاحبہ شائقوں میں چھالے پڑ گئے اور جو ”مہذب لوگ“ میرے ساتھ جیل بھیجے گئے، انہیں جیل میں بھی ریلوے کمپارٹمنٹ کی طرح ”ڈسٹ کلاس“ ملی اور بھات آزاد ہونے کے بعد انہیں جاگیریں بھی دی گئیں۔ لیکن میں؟ ایک معمولی انسان جو ٹھہرا۔ میری بساط ہی کیا؟

پھر بھی مجھے اننی خوشی تو ضرور ہے کہ کچھ نہ سہی، ہندستان آزاد تو ہو گیا۔ میں اپنی فکر کروں ہی کیوں؟ میں دن میں ایک دو وقت کے لئے بھوکھا بھی رہوں تو کیا بکڑ گیا جب کہ انگلستان انسانیت پر کڑی ”پاک دھا“ میں دن بھر بھوکے پڑے رہتے ہیں۔ کبھی نہیں سے کچھ مل گیا تو کھاتے ہیں۔ اُن کا ایسا کرنا سائنس کی رو سے تھوک ہی تو ہے۔ پیٹ کے لئے زیادہ کھانا معدے کی خرابی کا باعث بنتا ہے اور...

کیا کہا؟ میرا پیشہ؟ صاحب! یوں ہی در بدر کی ٹھوکریں دھانا پھر رہا ہوں، جیسے آجکل کے گریجویٹ اور ڈبل ایم. اے. نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ انہیں نوکری دیگا بی بی نون صاحب؟ وہ تو نوکری میں نواب گیری کرنا چاہتے ہیں۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ میں ٹھہرا ایک آوارہ شاعر۔ یوں تو آجکل کے ادیب اور شاعر میں بہت سے ادب فروش ہوتے ہیں مگر میری خوداری مجھے یہ بننے نہیں دیتی۔ اگر میں ادب فروش بننا بھی چاہوں تو کوئی میری رچنائیں اپنے پرچے میں شائع نہیں کریگا۔ کیونکہ میری شاعری خشک ہے جس میں رنگینی نہیں، عریانیت نہیں اور ایسی چیز نہیں جسے ہمارے پائیک چاہتے ہیں۔ آخر ایک معمولی شاعر جو ٹھہرا۔ اور اُس کے علاوہ...

آن..... یہ ریڈیو پر کونسا ریکارڈ بچ رہا ہے؟ ”آجا میرے بالما نہرا انتظار ہے۔“ نہ جانے ہمارے فلمی شاعر ایسے گانے کیوں لکھتے ہیں؟ پھر یہی اس میں اُن بیچاروں کا کیا قصور ہے۔ فلمی ناخداؤں کی مرضی ہے۔ وہ جیسا چاہتے ہیں فلمی شاعر اُسی طرح لکھتے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ عریاں اور فحش فلمیں بنانے میں ہماری موجودہ فلم انڈسٹری دوسرے ممالک سے بازی لے گئی ہے۔ ہماری حکومت کو خوں بھی اس بات کا فخر ہے کہ اینٹرٹینمنٹ ٹیکس (entertainment tax) لاپس کے

آپ لوگ مجھے ندم پاگل سمجھتے ہیں۔ پورا پاگل ہی سمجھتے۔ آخر شاعر جو ہے؟

ہوں ! میں اپنا تعارف کرانا تو بھول ہی گیا۔ یوں ہی اینٹی بینڈی بکتا جا رہا ہوں۔ میں ایک شریف خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ دفلی میڈی جنڈ بھومی ہے، یعنی کہ جائے پیدائش۔ جب سے شوہر سنبھالا اپنے آپ کو آزادی کا رسیا پایا۔ سن 1947ء سے پہلے میرے دلوانے اپنے جوان تھے کہ کچھ پڑھو نہیں۔ میں نے حصول آزادی میں جان توڑ کوشش کی۔ اس سلسلے میں مجھے جیل بھی بھیجا گیا۔ جیل میں چکی پیوستہ پیوستہ صاحبہ شائقوں میں چھالے پڑ گئے اور جو ”مہذب لوگ“ میرے ساتھ جیل بھیجے گئے، انہیں جیل میں بھی ریلوے کمپارٹمنٹ کی طرح ”ڈسٹ کلاس“ ملی اور بھات آزاد ہونے کے بعد انہیں جاگیریں بھی دی گئیں۔ لیکن میں؟ ایک معمولی انسان جو ٹھہرا۔ میری بساط ہی کیا؟

پھر بھی مجھے اننی خوشی تو ضرور ہے کہ کچھ نہ سہی، ہندستان آزاد تو ہو گیا۔ میں اپنی فکر کروں ہی کیوں؟ میں دن میں ایک دو وقت کے لئے بھوکھا بھی رہوں تو کیا بکڑ گیا جب کہ انگلستان انسانیت پر کڑی ”پاک دھا“ میں دن بھر بھوکے پڑے رہتے ہیں۔ کبھی نہیں سے کچھ مل گیا تو کھاتے ہیں۔ اُن کا ایسا کرنا سائنس کی رو سے تھوک ہی تو ہے۔ پیٹ کے لئے زیادہ کھانا معدے کی خرابی کا باعث بنتا ہے اور...

کیا کہا؟ میرا پیشہ؟ صاحب! یوں ہی در بدر کی ٹھوکریں دھانا پھر رہا ہوں، جیسے آجکل کے گریجویٹ اور ڈبل ایم. اے. نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ انہیں نوکری دیگا بی بی نون صاحب؟ وہ تو نوکری میں نواب گیری کرنا چاہتے ہیں۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ میں ٹھہرا ایک آوارہ شاعر۔ یوں تو آجکل کے ادیب اور شاعر میں بہت سے ادب فروش ہوتے ہیں مگر میری خوداری مجھے یہ بننے نہیں دیتی۔ اگر میں ادب فروش بننا بھی چاہوں تو کوئی میری رچنائیں اپنے پرچے میں شائع نہیں کریگا۔ کیونکہ میری شاعری خشک ہے جس میں رنگینی نہیں، عریانیت نہیں اور ایسی چیز نہیں جسے ہمارے پائیک چاہتے ہیں۔ آخر ایک معمولی شاعر جو ٹھہرا۔ اور اُس کے علاوہ...

آن..... یہ ریڈیو پر کونسا ریکارڈ بچ رہا ہے؟ ”آجا میرے بالما نہرا انتظار ہے۔“ نہ جانے ہمارے فلمی شاعر ایسے گانے کیوں لکھتے ہیں؟ پھر یہی اس میں اُن بیچاروں کا کیا قصور ہے۔ فلمی ناخداؤں کی مرضی ہے۔ وہ جیسا چاہتے ہیں فلمی شاعر اُسی طرح لکھتے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ عریاں اور فحش فلمیں بنانے میں ہماری موجودہ فلم انڈسٹری دوسرے ممالک سے بازی لے گئی ہے۔ ہماری حکومت کو خوں بھی اس بات کا فخر ہے کہ اینٹرٹینمنٹ ٹیکس (entertainment tax) لاپس کے

دیساب میں جسا ہو جاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کیا رن اور چین میں فیملی سمنات سے اتنی آمادنی ہونی ہے؟ خوب بکڑتے ہیں اپنی سیاسی پالیسی پر.....

کيا کھا؟ میں بڑا دلچسپ آدمی ہوں؟ شکریہ صاحب! بیوقوف کہنے کے بجائے دلچسپ آدمی کا خطاب دیا۔ کوئی بات نہیں۔ اگر آپ مجھے بیوقوف بھی کہہ دیتے تو میرا بکڑتا ہی کیا؟ بکڑنے کی تو خوب رہی، آواز تو میں نے گوسا ہی نہیں آتا۔ آخر کسی پر غصہ کر کے بھی کیا فائدہ؟ غصہ تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس دھن دولت کی افراط ہے، جن کے ماتحت کئی نوکر چاکر کم کرتے ہیں اور جن کی توندیں ہلستی گئی سے بلے لڈیڈ کھانوں سے مٹی رھتی ہیں۔ نہ میرے پاس دولت ہے، نہ نوکر اور نہ ہی میں ہلستی گئی سے بنی کوئی چیز کھاتا ہوں۔ ہلستی گئی—سنا ہے اس سے بلی چیز بہت ہی اچھی اور بہت ہی مزیدار ہوتی ہے۔ آخر ہماری سرکار سے سرٹیفکیٹ حاصل کی ہوئی چیز جو ٹھہری! بقول کسی یہ اور بات ہے کہ ”ہلستی گئی کے استعمال سے تیسری پشت میں جائے“ ہمیں کیا اور ہماری سرکار کو کیا!

ارے، آپ لوگ اُٹھتے لگے؟ شاہد چائے پینے کا وقت آگیا۔ میں چائے پینے کا عادی نہیں ہوں صاحب۔ ہوں! چائے میں رکھا ہی کیا ہے؟ اگر ایک پھالی چائے کے پیسے رہے تو ایک روکھی سوکھی روٹی کھا لیتا ہوں۔ چوٹی رہی تو ایک وقت کا کھانا مل جاتا ہے، چھ آدھ پٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اس وقت نو چٹب بالکل ”ایمپٹی“ (empty) ہے۔ نہ آج روکھی سوکھی روٹی ہی ملیگی اور نہ ہی آدھ پٹ کھانا!

ایں، یہ کیا؟ اُٹھنی! مجھے معاف کیجئے صاحب۔ میں غریب ضرور ہوں، مگر بھکاری نہیں۔ آوارہ شاعر ہوں، بیکس ہوں، میرا دنیا میں کوئی نہیں، دریدر کی تھوکریں کھانا پھرتا ہوں، پھر بھی خوددار ہوں۔ اُٹھنی دیکر آپ شاید مہری خوداری کو تھیس پہنچانا چیتے ہیں۔ آپ اس اٹنی کے بتیس پاؤ آئے بتیس بھکاریوں میں ہاتھ دیجئے صاحب۔

اچھا صاحب، تسلیم! آپکی توازش کا شکریہ۔

اچھا صاحب، تسلیم! آپکی توازش کا شکریہ۔

اچھا صاحب، تسلیم! آپکی توازش کا شکریہ۔

دوستی اور کلچری سہیوگ کی راہ پر

دوستی اور کلچری سہیوگ کی راہ پر

میری ولفیمیر یا کوولیو

میری ولفیمیر یا کوولیو

ہندوستان کے دریا اس دیس کی بھومی کو دھوتے ہوئے اور
ہاں کے آبجاء میدانوں میں ہر سال نئی جان ڈالتے ہوئے
ماہ ہند مہاساگر میں آنکلت جل اُندیلے رہتے ہیں۔ روس کے
بے ہڑے دریا بیچ روس سے جنم لیکر دکھن کے گرم سمندروں
دیں یا اُتر کے برفیلے مہاساگر میں اپنے کو خالی کرتے دھتے ہیں۔

روس کے دریا چاروں طرف کو بہتے ہیں اور کون جالے
ہاں بھارت کے گنگا جل کی ایک ہوند روس کے وولگا (Volga)
ایونسی (Yenisse) ندی کی ایک ہوند کے ساتھ مل کر
س بڑی دھار میں مل جاتی ہو جو سب مہادہوں کے کناروں
و دھوتی رہتی ہے اور جس کی تری ساری دنیا کو چھین
یتی ہے۔

ان دونوں دیسوں کی الگ الگ کلچریں بے حد
اندار اور مالا مال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی بابت بہت
چھ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے باغی رنگ روپ الگ الگ ہیں۔
یہ الگ الگ قومی کلچریں مل کر ایک دوسرے کو مالا مال
رتی ہیں اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ اس
بعد بھارت کی کلچر اور روس کی کلچر دونوں اپنے سنذر
نکتے ہوئے رنگوں کو ایک دوسرے کے اندر تانے باندھنے کی طرح
لا کر ایک ایسا سنذر گلدستہ بنادیتی ہیں جسے ہم ساری
نسانی قوم کے لئے ایک ملی جلی کلچر یعنی انسانی کلچر
مانو سنسکرتی کہہ سکتے ہیں۔

نہرو نے اپنی کتاب "دیسکوری آف انڈیا" میں
لیکھا ہے—"پورانے زمانے میں ہندوستان کا یہی مہرکا
رہا ہے کہ وہ دوسری کلچروں کا स्वागत کر کے انہیں اپنے
میں ملاتا رہا ہے۔ آج اس
ی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ کل ہم دنیا بھر کی اُس
بمقام کی طرف بڑھنے والے ہیں جہاں پہنچ کر سب الگ الگ
شعروں کی الگ الگ کلچریں ساری انسانی قوم کی ایک
متراشقریبہ کلچر میں مل کر ایک ہو جائیں گی۔ اس لئے ضروری
ہے کہ ہمیں جہاں سے بھی اچھی باتیں، علم، جانکاری، دوستی
پر سہیوگ مل سکے ہم اُس کا स्वागत کریں اور جو بڑے بڑے
م ساری انسانی قوم کے ہلے کے ہیں ان میں ہم سب کے
اتھ مل کر کوشش کریں۔"

ہندوستان کے دریا اس دیس کی بھومی کو دھوتے ہوئے اور
ہاں کے آبجاء میدانوں میں ہر سال نئی جان ڈالتے ہوئے
ماہ ہند مہاساگر میں آنکلت جل اُندیلے رہتے ہیں۔ روس کے
بے ہڑے دریا بیچ روس سے جنم لیکر دکھن کے گرم سمندروں
دیں یا اُتر کے برفیلے مہاساگر میں اپنے کو خالی کرتے دھتے ہیں۔

روس کے دریا چاروں طرف کو بہتے ہیں اور کون جالے
ہاں بھارت کے گنگا جل کی ایک ہوند روس کے وولگا (Volga)
ایونسی (Yenisse) ندی کی ایک ہوند کے ساتھ مل کر
س بڑی دھار میں مل جاتی ہو جو سب مہادہوں کے کناروں
و دھوتی رہتی ہے اور جس کی تری ساری دنیا کو چھین
یتی ہے۔

ان دونوں دیسوں کی الگ الگ کلچریں بے حد
اندار اور مالا مال ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی بابت بہت
چھ کہا جاسکتا ہے۔ ان کے باغی رنگ روپ الگ الگ ہیں۔
یہ الگ الگ قومی کلچریں مل کر ایک دوسرے کو مالا مال
رتی ہیں اور ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتی ہیں۔ اس
بعد بھارت کی کلچر اور روس کی کلچر دونوں اپنے سنذر
نکتے ہوئے رنگوں کو ایک دوسرے کے اندر تانے باندھنے کی طرح
لا کر ایک ایسا سنذر گلدستہ بنادیتی ہیں جسے ہم ساری
نسانی قوم کے لئے ایک ملی جلی کلچر یعنی انسانی کلچر
مانو سنسکرتی کہہ سکتے ہیں۔

نہرو نے اپنی کتاب "دیسکوری آف انڈیا" میں
لیکھا ہے—"پورانے زمانے میں ہندوستان کا یہی مہرکا
رہا ہے کہ وہ دوسری کلچروں کا स्वागत کر کے انہیں اپنے
میں ملاتا رہا ہے۔ آج اس
ی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ کل ہم دنیا بھر کی اُس
بمقام کی طرف بڑھنے والے ہیں جہاں پہنچ کر سب الگ الگ
شعروں کی الگ الگ کلچریں ساری انسانی قوم کی ایک
متراشقریبہ کلچر میں مل کر ایک ہو جائیں گی۔ اس لئے ضروری
ہے کہ ہمیں جہاں سے بھی اچھی باتیں، علم، جانکاری، دوستی
پر سہیوگ مل سکے ہم اُس کا स्वागत کریں اور جو بڑے بڑے
م ساری انسانی قوم کے ہلے کے ہیں ان میں ہم سب کے
اتھ مل کر کوشش کریں۔"

خباہروں میں، جلسوں میں، ہارتھ جہوں کی اور اپنے ہارتھ دوستوں کی چرچا کی۔ اور ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس سے کہیں اُدھک ہڑے پومالے پر ہمارے دونوں دیشوں کی زبردست کاجچیں ایک دوسرے سے مل کر ایک دوسرے کو اور اُدھک مالا مال کر سکیں۔

سوویت روس کے لوگ بڑے پیار کے ساتھ بھارت کے کلچری دوتوں کا سواگت کرتے ہیں۔ اِس سال ابھی تک الگ الگ کلچری کام کرنے والوں کے علاوہ 'اُنہیس' قیلمکیشن بھارت سے سوویت روس آچکے تھیں۔ اِن میں بھارت کی پارلیمنٹ کے ممبروں کا قیلمکیشن، نئی ٹریڈ یونین قیلمکیشن، قاعدوں کا قیلمکیشن، اخبار نویسوں کا قیلمکیشن، اور سائنس دانوں کا قیلمکیشن سب شامل ہیں۔ جنہوا میں ایسی شکتی کے شانتی منہ آپوگرہ کے بارے میں سائنس دانوں کی جو کانفرنس ہوئی تھی اُس کے 'چیمبرین' شری ایچ۔ بہاوا بھارت کے سائنس دانوں کے قیلمکیشن کے نیما تھے۔

آدھر سے بھارت نے آٹھ ڈیلیکیشن اسی عرصہ میں سروے تہ روس سے بلائے۔ ان میں روسی سائنس دانوں کا ڈیلیکیشن، کالجری ڈیلیکیشن، ذائقور کا ڈیلیکیشن اور دیکلوں کا ڈیلیکیشن شامل تھے۔

ماسکو میں ہمیں معلوم ہوا ہے روس کے مہا کوئی پشکن (Pushkin) کی کویتا ”چپ سوز“ (Gypsies) کا شری ذہلو۔ آرہ رشی نے ہندی بہاشا میں انواد کیا ہے اور وہ بھارت میں چھپ گیا ہے۔ پشکن انیسویں صدی کا روس کا سب سے بڑا کوئی تھا۔ روسی جتنا اُسے سب سے ادھک چاہتی اور پسند کرتی تھی۔ اپنے سینے کے روس کے حالات اُس نے بہت ہی چمکتے ہوئے ڈھنگ سے اپنی کویتاؤں میں بیان کئے ہیں۔ ہمیں اِس بات کی بڑی خوشی ہے کہ بھارت کے بڑھنے والے بھی پشکن کی رچھاؤں سے واقف ہو جائینگے۔

بھارتیہ سائنس اور بھارتیہ کلا کے سنہری یگ کے سب سے چمکتے ہوئے قارئین، زبردست ناک اور ناک کار مہاکوی گائیڈس کے ناک "شکنتلا" کا روسی میں انہوں نے چکا ہے اور اسی سال روس میں شائع ہو چکا ہے۔ کرشن چندر اور ملک راج اند کی کہانیاں اور ان کی چنی ہوئی دچنائوں روس میں شائع ہو چکی ہیں۔ انیسویں صدی کا روسی سائنس دان آئی۔ پی۔ مینایو (I. P. Minayev) اپنے سمنے میں ہندستان پرما آیا تھا۔ روس کے بہت سے ودوانوں کو اُس نے ہندستان کے حالات بتائے اور ہندستان کی بابت انکے جان کاری حاصل کرنے کا روسیوں میں شوق پیدا کیا۔ اُس کی کتاب "ہندستان اور ہرما کے سفر کا روزنامہ" روس میں پہلی بار اب شائع ہوا ہے۔ رہنما ناتھ ٹیکور کی کچھ چنی ہوئی دچنائوں کی پہلی جلد بھی روسی ہاشا میں حال میں شائع ہوئی ہے۔ اور جلدیں نکالنے والے ہیں۔

روسی کلاکار (A. Gerasimov) حال میں بھارت آئے تھے۔ انہوں نے کچھ 'بھارتیہ چٹروں' تصویروں اور خاکوں کا ایک سنگر کتاب کی شکل میں نکالا ہے۔ وہ کتاب روس میں اتنی جلدی ہاتھوں ہاتھ پک گئی کہ پہلی ایڈیشن بالکل ختم ہو گئی اور اب انہیں سینکڑے سینکڑے کتابوں کی دکانوں پر بھی دیکھنے کو نہیں مل سکتی۔

یہاں کی وہاں اور وہاں کی یہاں نمائشوں کے ہونے سے بھی بہت بڑا فائدہ ہوا ہے۔ جواہر لال نہرو نے ماسکو میں جو بھارتیہ دستکاریوں کی نمائش کرائی یہ بڑا غصب کا خیال تھا۔ ہزاروں ماسکونواسیوں نے اور سوویت روس کے دولے دولے سے آئے ہونے ہزاروں لوگوں نے اس نمائش کو دیکھا اور بھارتیہ کا اور دستکاریوں کی ایک جیتی جاگتی تصویر ان کے سامنے آگئی۔ اس نمائش میں ہائس ہزار نمونے تھے۔ پچھلے سال وہاں بھارتیہ چیزوں اور پتھر کی کھدائی کی چیزوں کی ایک نمائش ہوئی تھی۔ اس نمائش کے بعد ہندوستانی چیزوں کی یہ سب سے بڑی نمائش ہے جو ماسکو میں ہوئی ہے۔ ایک اور نمائش روس میں ہوئی جسکا نام تھا "بھارت کی کلچر اور فن"۔ ایک ہندوستانی بھاشاؤں کے سادھتہ کی نمائش ہوئی۔ ماسکو کی یہ سب نمائشیں اس سال بہت ہی کامیاب رہیں۔ ان کے علاوہ روس کے اور بہت سے شہروں میں بھارت کی چیزوں کی نمائشیں ہوئیں جیسے لینن گراڈ (Leningrad)، اڈیسار (Odessa)، کیوبیشو (Kuibyshev)، چیلیابینسک (Cheliabinsk)، سوردلوسک (Sverdlovsk)، ایوانووا (Ivanovo)، کیو (Kiev)، کیو (Kiev)، لور (Lvov)، تلہسی (Tbilisi)، آلا آتا (Alma Ata)، کاراگانڈا (Karaganda)، گومل (Gomel)، پٹروزاوڈسک (Petrozavodsk)، تاشکند، باکو، یشکباد، یرےوان (Yerevan)، ریگا (Riga) تیلن (Tillhn) وغیرہ۔ ان سب نمائشوں کے لئے ہدائتیں سوویت روس کے وہ آدمی دیتے تھے جو بھارت میں ہیں۔ اور ان کی ہدایتوں کے مطابق ان شہروں اور جگہوں کی ساروجنک سہولتیں وہاں کی لائبریریاں، وہاں کی کلچری سوسائٹیاں اور وہاں کے ویدیش سمبندھی محکمے اور خاص خاص آدمی ان نمائشوں کا سارا سرانجام کرتے تھے۔

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا مل میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریاں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت دھرمگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دہلی کی انٹراشریہ نمائش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دہلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریمنی

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا مل میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریاں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت دھرمگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دہلی کی انٹراشریہ نمائش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دہلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریمنی

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا مل میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریاں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت دھرمگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دہلی کی انٹراشریہ نمائش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دہلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریمنی

دوسری طرف سوویت روس کی ویدیشوں کے ساتھ کلچری سمبندھ کی سوسائٹی نے اس سال نیچے لکھا نوماہشوں بھارت بھیجیں:— "سوویت روس کے کھڑا مل میں کام کرنے والے مہذبوں کا کام اور انکا جیون"، "سوویت روس کی سندر دستکاریاں"، "بچوں کی کتابوں اور گڈیوں کی نوماہش" فوڈ کی نوماہش "سوویت دھرمگستان" وغیرہ۔ یہ نوماہشیں دہلی کی انٹراشریہ نمائش میں حصہ لانے کے لئے بھیجی گئی ہیں۔ دہلی میں یہ روسی نمائشیں بھارت کی بھارت روس کلچرل سوسائٹی، وہاں کی روسی کلچر سوسائٹی، ڈاکٹر بالیگا (Dr. Baliga)، شریمنی

رائےشنری نہرو اور دوسرے ہندوستانی میٹروں کی سہائت سے سنگٹیت کی گئی اور سجاڑی گئی۔

حال میں سوویت روس کے اندر भारत کے مشاہیر لکھکار اور ناٹککار کھاجا احمد ابوباس ہمارے مہمان ہیں۔ روس کا ایک مہمان یاتری افاناسی نیکیتین (Afanasi Nikitin) پندرہویں صدی عیسوی میں भारत آیا تھا۔ کھاجا احمد ابوباس اس زمانہ کے حالات کا نگاہ میں رہتے ہوئے افاناسی نیکیتین کے اس لمبے سفر کی ایک پرتشہ ہومی نگاہیں ہیں۔ اس پرتشہ ہومی نگاہ پر روس اور भारत کے علم ہمالیہ والے مل کر भारत کے اس بڑے مہتر روسی یادری کے سفر کی ایک علم تیار کریں گے۔

سن 1951 میں روسی فلمکار پودوون (Pudovkin) اور روسی فلم ایکٹر چرکاساوا (Cherkassov) دونوں भारत آئے۔ اسی سال ہندستان کے فلم والوں کا ایک ڈیلیکیشن جس کے بیٹا ایم۔ بھٹا چارپہرے سوویت روس آیا۔ تب سے اب تک زندگی کے اس خاص میدان کے اندر سوویت روس کے لگاؤں کے اور भारत کے لگاؤں کا سمجھنا برابر بڑھتا اور اس کا مضبوط ہونا جا رہا ہے۔ فلا کا میدان اور سب میدانوں سے زیادہ سروپریہ اور دلچسپ ہے۔ آج ہزاروں میٹر لمبے تیار ہو چکی ہیں جو भारत کے جہیزوں کو سامنے کے سامنے اور روس کے جہیزوں کو भारत کے سامنے کی بھائی بھائی رہتی ہیں۔ فلم کے کی ممد سے ہی भारत کے کہوں آدمی یہ دیکھ سکے کہ روس نے اپنے پیارے مہمان جواہر ل نہرو کا کس طرح اور کتنا زبردست سواگت کیا۔

جواہر ل نہرو کے سوویت یونین آنے سے ایک دوسرے کی جانکاری بہت بڑی اور دونوں میں دوستی اور مضبوط مٹھی۔ اس سے भारत اور روس میں کلچرل سہولت کا بڑھنا بھی آسان ہو گیا۔ ہم سوویت روس کے لوگوں کو پورا دشواری ہے کہ این۔ بے۔ بلگن اور این۔ ایس۔ کوشچیکو کے اب भारत آنے سے ہمارے مٹرنا کے بندھن اور اس کا مضبوط ہونے اور भारत اور سوویت روس میں کلچری سمجھنا اور تیزی سے بڑھنا۔ کلچر اور ترقی کا سب سے بڑا مددگار اور دوست دنیا کا امن یعنی اس دھرتی کے سب دیشوں اور سب لوگوں میں شانتی اور بھائی چارہ ہے۔ ہمیں پورا دشواری ہے کہ بلگن اور کوشچیکو کی اس جوابی भारत یارا سے ان کوششوں کو بڑی مدد ملیگی جو भारत اور روس دونوں مل کر اس عام کوشش شانتی اور بھائی چارہ کی جہت کے لئے کر رہے ہیں۔

(“نیو یارک ٹائمز” میں “نیو یارک ٹائمز” سے)

مشرقی اور کلچری سہولت کی راہ پر

مشرقی اور کلچری سہولت کی راہ پر

سن 1951 میں روسی فلم کار پودوون (Pudovkin) اور روسی فلم ایکٹر چرکاساوا (Cherkassov) دونوں भारत آئے۔ اسی سال ہندستان کے فلم والوں کا ایک ڈیلیکیشن جس کے بیٹا ایم۔ بھٹا چارپہرے سوویت روس آیا۔ تب سے اب تک زندگی کے اس خاص میدان کے اندر سوویت روس کے لگاؤں کے اور भारत کے لگاؤں کا سمجھنا برابر بڑھتا اور اس کا مضبوط ہونا جا رہا ہے۔ فلا کا میدان اور سب میدانوں سے زیادہ سروپریہ اور دلچسپ ہے۔ آج ہزاروں میٹر لمبے تیار ہو چکی ہیں جو भारत کے جہیزوں کو سامنے کے سامنے اور روس کے جہیزوں کو भारत کے سامنے کی بھائی بھائی رہتی ہیں۔ فلم کے کی ممد سے ہی भारत کے کہوں آدمی یہ دیکھ سکے کہ روس نے اپنے پیارے مہمان جواہر ل نہرو کا کس طرح اور کتنا زبردست سواگت کیا۔

جواہر ل نہرو کے سوویت یونین آنے سے ایک دوسرے کی جانکاری بہت بڑی اور دونوں میں دوستی اور مضبوط مٹھی۔ اس سے भारत اور روس میں کلچرل سہولت کا بڑھنا بھی آسان ہو گیا۔ ہم سوویت روس کے لوگوں کو پورا دشواری ہے کہ این۔ بے۔ بلگن اور این۔ ایس۔ کوشچیکو کے اب भारत آنے سے ہمارے مٹرنا کے بندھن اور اس کا مضبوط ہونے اور भारत اور سوویت روس میں کلچری سمجھنا اور تیزی سے بڑھنا۔ کلچر اور ترقی کا سب سے بڑا مددگار اور دوست دنیا کا امن یعنی اس دھرتی کے سب دیشوں اور سب لوگوں میں شانتی اور بھائی چارہ ہے۔ ہمیں پورا دشواری ہے کہ بلگن اور کوشچیکو کی اس جوابی भारत یارا سے ان کوششوں کو بڑی مدد ملیگی جو भारत اور روس دونوں مل کر اس عام کوشش شانتی اور بھائی چارہ کی جہت کے لئے کر رہے ہیں۔

(“نیو یارک ٹائمز” میں “نیو یارک ٹائمز” سے)

ہماری ہمارا راہ

ش्री بولگانین اور श्री खुशचेव भारत में

نومبر 1955 میں سوویت روس کے प्रधान منتری श्री نیکولائی ایلکسیانڈروویچ بولگانین اور روس کی کم్యونیست پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے فاسٹ سیکرٹری श्री निकीता سرगेयेविच खुशचेव کا भारत آنا آجکل کی دنیا کی شاید سب سے زیادہ اہمیت کی بات ہے۔

ش्री نیکولائی ایلکسیانڈروویچ بولگانین سن 1895 میں ایک بڑے ہی غریب گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کسی دفتر میں ایک چھوٹے سے کمرے میں تھے۔ بائیس سال کی عمر میں وہ کمونیست پارٹی کے ممبر بنے۔ تب سے اب تک ان کا سارا جیون کمونیست پارٹی کے ساتھ رہا ہے۔ ان کے بچپن کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے والدین ان کی تعلیم کے لیے بڑے بڑے اخراجات کرتے تھے۔

ش्री بولگانین کبھی بھی نہیں تھے، وہ ایک ہوشیار کاریگر اور انجینئر بھی تھے۔ ان کے والدین ان کے لیے ایک بڑے کام کا بھی انھیں خاص تجربہ دیا۔ سوویت روس کے سٹیٹ بینک کے بڑے بڑے کاموں کا بھی انھیں کامیابی سے انجام دینا پڑا۔ سن 1941 سے 1944 تک کی جنگ میں وہ اپنے اپنے فوجی کونسلوں کے ممبر تھے۔

دوسرے سب سے بڑے شہر میں سن 1894 میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کسی گاؤں میں مزدوری کرتے تھے۔ شہر کو پہنچنے کے بعد وہ بڑے بڑے کاموں میں شامل ہوئے۔ ان کے والدین ان کے لیے ایک بڑے کام کا بھی انھیں خاص تجربہ دیا۔ سوویت روس کے سٹیٹ بینک کے بڑے بڑے کاموں کا بھی انھیں کامیابی سے انجام دینا پڑا۔ سن 1941 سے 1944 تک کی جنگ میں وہ اپنے اپنے فوجی کونسلوں کے ممبر تھے۔

شہری بلگانین اور شہری کھوشچور بھارت میں

نومبر 1955 میں سوویت روس کے प्रधान منتری श्री نیکولائی ایلکسیانڈروویچ بولگانین اور روس کی کم్యونیست پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے فاسٹ سیکرٹری श्री निकीता سرगेयेविच खुशचेव کا भारत آنا آجکل کی دنیا کی شاید سب سے زیادہ اہمیت کی بات ہے۔

ش्री نیکولائی ایلکسیانڈروویچ بولگانین سن 1895 میں ایک بڑے ہی غریب گھر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کسی دفتر میں ایک چھوٹے سے کمرے میں تھے۔ بائیس سال کی عمر میں وہ کمونیست پارٹی کے ممبر بنے۔ تب سے اب تک ان کا سارا جیون کمونیست پارٹی کے ساتھ رہا ہے۔ ان کے بچپن کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کے والدین ان کی تعلیم کے لیے بڑے بڑے اخراجات کرتے تھے۔

ش्री بولگانین کبھی بھی نہیں تھے، وہ ایک ہوشیار کاریگر اور انجینئر بھی تھے۔ ان کے والدین ان کے لیے ایک بڑے کام کا بھی انھیں خاص تجربہ دیا۔ سوویت روس کے سٹیٹ بینک کے بڑے بڑے کاموں کا بھی انھیں کامیابی سے انجام دینا پڑا۔ سن 1941 سے 1944 تک کی جنگ میں وہ اپنے اپنے فوجی کونسلوں کے ممبر تھے۔

دوسرے سب سے بڑے شہر میں سن 1894 میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کسی گاؤں میں مزدوری کرتے تھے۔ شہر کو پہنچنے کے بعد وہ بڑے بڑے کاموں میں شامل ہوئے۔ ان کے والدین ان کے لیے ایک بڑے کام کا بھی انھیں خاص تجربہ دیا۔ سوویت روس کے سٹیٹ بینک کے بڑے بڑے کاموں کا بھی انھیں کامیابی سے انجام دینا پڑا۔ سن 1941 سے 1944 تک کی جنگ میں وہ اپنے اپنے فوجی کونسلوں کے ممبر تھے۔

طرو پر ہڑی عمر کے مزدوروں کے لئے کھولا گیا تھا۔
جنگ کے آخر کے دنوں میں وہ ایک علاقہ کی
نوجوان کونسل کے ممبر تھے۔ ستمبر سن 1938 سے وہ
ایسک روس کی کمیونسٹ پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے
فرسٹ سیکریٹری ہیں، جو روسی کمیونسٹ پارٹی کا سب سے
زمیندار کا عہدہ ہے۔

شری بلگانتن اور شری کھرشچیو دونوں لیٹن کے وفادار چیلے
 ہیں اور اسٹیلن کے ساتھ کام کر چکے ہیں۔ ان دونوں چوٹی کے
 درسی نیتاؤں کے بھارت آئے کے آ رہے ہو سمجھ کے لئے ہمیں
 اس سب سے کی دنیا کی راجکاجی حالت پر ایک نگاہ ڈالنی
 ہوگی۔

اِس میں سندیہ نہیں کہ دنیا دعوے دعوے شافی ' ایکتا' سب کی آراؤں، ترقی اور خوشحالی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے نہ ہاندروجن ہم نے جنم لیکو اور نیچہ کیا ہو یا نہ نکا ہو اُس نے جدگ تو مار ڈالا۔ ایک طرح یہ ایک شجہ لکشن ہے۔ پو مارگ کی ساری ٹھنڈیاں ابھی دور نہیں ہوئی ہیں۔

حال میں جنیوا میں چار بڑے بڑے دیشوں—امریکہ، انگلینڈ، فرانس اور روس—کے دیش مندوبوں کی جو کانفرنس ہوئی تھی اُس کے سامنے چار خاص سوال تھے۔ ایک یہ کہ جرمنی کے درنوں حصوں کو ملا کر پھر سے ایک سنیکت آزاد جرمنی بنا دیا جائے، دوسرا ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی ممانعت پر دردی جاریے اور ہائی سب طرح کے ہتھیاروں اور فوجوں کو سب دیشوں میں دیکڑے دیکڑے نم کر کے، ہتھیاروں اور فوجوں کا ہوجہ دنیا پر سے مٹا لیا جائے۔ تیسرا یہ کہ یورپ کے سب راشٹروں کے ملے جلے سمجھوتے سے یورپ کے امن کو سونپ دیا جائے اور یورپ میں جنگ کی سببوں کو ختم کیا جائے۔ چوتھا یہ کہ یورپ اور پچھم کے بیچ تجارت، لین دین، آنا جانا اِس طرح کھول دیا جائے کہ اُپس کا من مٹو مٹو اور میل ملاپ اور دوستی بڑھے۔

چاروں دہشوں کے ودیشی منتروں میں کئی دن تک کافی بات چیت ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا سب شانتی چاہتے ہیں، کوئی جنگ نہیں چاہتا، لیکن پھر بھی ان چاروں میں سے کسی بات پر بھی وہ ملکر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکے۔ جنیوا کی اس کانفرنس سے دوئی نقصان تو نہیں ہوا، وہ ضرر بھی نہیں تھی، لیکن اُس سے کوئی خاص نایجاد بھی نہیں نکل سکا۔

جیووا کی اِس کانفرنس کا سمبندہ کیول یورپ سے تھا۔ یہ ایک بہت کالی مدرن سچک ہے نہ اُدیو جو دو شبہ 'یورپ' اور 'پنچم' استعمال نئے گئے ہیں اور جیووا کی بحث میں بار بار اُنہ نے اُن میں 'یورپ' سے مطلب روس اور یورپی یورپ کے اُن چہونہ چہونہ چہ دیشوں سے ہے جو

کامنویسٹ یا آئریش-کامنویسٹ یا روس کے साथیہ سمجھے جاتے ہیں۔ 'پچھم' سے مطلب امریکہ، انگلینڈ، فرانس اور ہالینڈ، پرتگال، جیسے دوسری طرف کے देशوں سے ہے۔ کچھ سال پہلے تک ایشیا کو پورب اور یورپ کو پچھم کہا جاتا تھا۔ آج سے پچاس سال پہلے کے روس۔ جاپان میں جب اُس سٹے کا روس جاپان سے جنگ میں ہار گیا تو ایک بہت بڑے یورپیہ ودوان نے جاپان کو نیاٹھ کی اور مانٹہ ہوئے اور جاپان کی جھٹ پر سنوئی پروٹ کرتے ہوئے یہی کہا تھا:—But after all the question is between the East and the West." یانی "کچھ بھی ہوا سوال یورپ اور پچھم کا ہے۔" روس اُس سٹے ایک پچھمی دیہش تھا اور انہیں اِس بات کا دم تھا کہ ایک یورپی دیہش جاپان نے ایک پچھمی دیہش روس کو نیچا دیا یا۔ پچاس برس کے اندر ہوا بدل گئی۔ چین اور بھارت کے ساتھ سب چھوٹے بڑے دیہشوں کی آزادی کے لئے کھڑا ہونے والا روس آج ایک 'یورپی' دیہش ہے۔

سامراج شاہی کا میدان اب بھی بڑا ہے۔ ایٹلیٹک اور فرانس اپنے سامراج شاہی رہنماؤں میں آج شایبہ ہوتے ہوئے نہیں رہے جتنا امریکا کا۔ کاروں میں آج بھی یہاں ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی آئریش ن ہاگا اگر کچھ برسوں کے بعد ایٹلیٹک اور فرانس بھی 'پورب' میں شامل کر لئے جائیں اور پچھم سے مطلب لیون سٹیکٹ راج امریکہ سے رہ جائے! ہمیں بھی انگلینڈ اور فرانس امریکہ کے یورپ میں اور امریکہ انگلینڈ اور فرانس کے پچھم میں۔ یہ ہے دنیا کے تبدیلیوں کی گت۔

جہاں تک ہمارا سمبندھ ہے ہم اپنے پورے آئریش "دیوٹیم" (ساری دھرتی ایک چھوٹا سا کتبہ ہے) کے انوسار چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اِس یورپ اور پچھم کے بھید بھاؤ سے اُپر اُٹھ جائے اور اِس دھرتی کے سب رشتہ والے ایک مانو کتبہ کی طرح رشتہ لگیں۔

ہمیں اِس بات کی بھی بڑی خوشی ہے کہ سویم شری بلگائین نے دلی میں ایک بات ایسی کہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوویت روس کے ایشیائی دیہش والے جالے میں بہت خوش ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ایشیا انریقن کانفرنس میں روس کو ایک ایشیائی دیہش کی حیثیت سے برلین کی جگہ دی جاوے۔

ایشیا، یورپ اور سب ملاکر دنیا کی شانتی کے راستے میں آج خاص خاص بڑی رکاوٹیں یہ ہیں:—

(1) ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی پوری پوری ممانعت کر دینے اور باقی سب طرح کے ہتھیاروں اور فوجوں کو دھیرے دھیرے کم کرنے میں کچھ دیہشوں کا اُنا کانی کرنا۔

جہاں تک ہمارا سمبندھ ہے ہم اپنے پورے آئریش "دیوٹیم" (ساری دھرتی ایک چھوٹا سا کتبہ ہے) کے انوسار چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اِس یورپ اور پچھم کے بھید بھاؤ سے اُپر اُٹھ جائے اور اِس دھرتی کے سب رشتہ والے ایک مانو کتبہ کی طرح رشتہ لگیں۔

ہمیں اِس بات کی بھی بڑی خوشی ہے کہ سویم شری بلگائین نے دلی میں ایک بات ایسی کہی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سوویت روس کے ایشیائی دیہش والے جالے میں بہت خوش ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ایشیا انریقن کانفرنس میں روس کو ایک ایشیائی دیہش کی حیثیت سے برلین کی جگہ دی جاوے۔

ایشیا، یورپ اور سب ملاکر دنیا کی شانتی کے راستے میں آج خاص خاص بڑی رکاوٹیں یہ ہیں:—

(1) ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کی پوری پوری ممانعت کر دینے اور باقی سب طرح کے ہتھیاروں اور فوجوں کو دھیرے دھیرے کم کرنے میں کچھ دیہشوں کا اُنا کانی کرنا۔

(2) اس طرح کے کڑی سمجھوتے اور فوجی کٹ بندیاں جن میں ایک خاص طرح کے دیشوں کو ہی شامل کیا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی مثالیں یورپ میں 'نائٹو' (NATO) اور ایشیا میں 'سیٹو' (SEATO) ہیں۔ حال میں روس نے یورپ کی سروسز کے لیے نائٹو میں شامل ہونے کی پیشکش کی تھی، مگر یہ بھی اسے نہیں لیا گیا۔ جب تک اس طرح کی فوجی گتیں دنیا میں رہیں گی دنیا کی شانتی پر خطرہ بنا رہیگا۔

(3) جرمنی کے دو ٹکڑوں کا بنا رہنا اور ان میں سے ایک ٹکڑے کا نائٹو کٹ کی طرف سے ہتھیاروں سے لیس کیا جانا۔ یورپ کی ہی نہیں دنیا کی شانتی کے لیے اوشیک ہے کہ جرمنی کے ان دونوں حصوں کے لوگوں کو، باہر کی کڑیوں کے دباؤ یا اثر سے آزاد ہوکر، ایک سولنٹر، سوانہن اور سنیٹ جرمنی بنانے کا موقع دیا جائے۔

(4) ہند چین کی باہت جو سمجھوتہ روس، چین، भारत और दूसरे शान्ति प्रेमी देशों की कोशिशों से सन् 1954 में जनीवा ही में हो चुका है उसके खिलाफ हिन्दचीन के कुछ लोगों का अपनी खास कौजी गुट में मिलाकर बाहर के कुछ देशों का उसमें रुकावटें डालते रहना۔ जब तक बाहर के कुछ देशों की इस तरह की दखलअन्दाजी बन्द नहीं होगी और सन् 1954 वाले जनीवा के समझौते पर ईमानदारी से अमल नहीं होगा, एशिया के उस अभागे कोने से दुनिया की शान्ति के भंग होने का खतरा बना रहेगा۔

(5) ताइवान यांनी फारموسا में अमरीकी कौजों का जबरदस्ती डेर डाले रहना۔ ताइवान चीन के शरीर का एक अंग है। किसी बाहर का शक्ति का यह हक नहीं है कि नए चीन और ताइवान के धरलू मामले में किसी तरह का दखल दे। अमरीकी कौजें अगर ताइवान से हटा ली जावें तब नई चीनी सरकार और ताइवान के कुछ लोगों के बीच का आपसी झगडा बिना किसी तरह की लड़ाई के एक दिन में तय हो सकता है। जब तक यह नहीं होता तब तक चीन को और दुनिया के अमन को खतरा बना रहेगा۔

(6) दक्खिन कोरिया को बराबर बढावा दे देकर कोरिया के एक संयुक्त और आजाद देश बनने में कुछ लोगों का रुकावटें डालना۔ कोरिया जब तक बाहर की शक्तियों के दबाव से आजाद हाकर एक संयुक्त राष्ट्र न बन जायगा तब तक उस तरफ से चीन का, एशिया का और दुनिया की शान्ति को खतरा बना रहेगा۔

(7) जापान और दूसरे कुछ देशों में बाहर की शक्तियों के कौजी अड्डों और छात्रानियों की मौजूदगी। जब तक कि सा भी बिदेशी शक्ति के इस तरह के कौजी अड्डे जापान या

(2) इस तरह के फوجी سمجھوتے اور فوجی کٹ بندیاں جن میں ایک خاص طرح کے دیشوں کو ہی شامل کیا جاتا ہے اس کی سب سے بڑی مثالیں یورپ میں 'نائٹو' (NATO) اور ایشیا میں 'سیٹو' (SEATO) ہیں۔ حال میں روس نے یورپ کی سروسز کے لیے نائٹو میں شامل ہونے کی پیشکش کی تھی، مگر یہ بھی اسے نہیں لیا گیا۔ جب تک اس طرح کی فوجی گتیں دنیا میں رہیں گی دنیا کی شانتی پر خطرہ بنا رہیگا۔

(3) جرمنی کے دو ٹکڑوں کا بنا رہنا اور ان میں سے ایک ٹکڑے کا نائٹو کٹ کی طرف سے ہتھیاروں سے لیس کیا جانا۔ یورپ کی ہی نہیں دنیا کی شانتی کے لیے اوشیک ہے کہ جرمنی کے ان دونوں حصوں کے لوگوں کو، باہر کی فوجوں کے دباؤ یا اثر سے آزاد ہوکر، ایک سولنٹر، سوانہن اور سنیٹ جرمنی بنانے کا موقع دیا جائے۔

(4) ہند چین کی باہت جو سمجھوتہ روس، چین، भारत और दूसरे शान्ति प्रेमी देशों की कोशिशों से सन् 1954 में जनीवा ही में हो चुका है उसके खिलाफ हिन्दचीन के कुछ लोगों का अपनी खास कौजी गुट में मिलाकर बाहर के कुछ देशों का उसमें रुकावटें डालते रहना۔ जब तक बाहर के कुछ देशों की इस तरह की दखलअन्दाजी बन्द नहीं होगी और सन् 1954 वाले जनीवा के समझौते पर ईमानदारी से अमल नहीं होगा, एशिया के उस अभागे कोने से दुनिया की शान्ति के भंग होने का खतरा बना रहेगा۔

(5) ताइवान यांनी फारموسا में अमरीकी कौजों का जबरदस्ती डेर डाले रहना۔ ताइवान चीन के शरीर का एक अंग है। किसी बाहर का शक्ति का यह हक नहीं है कि नए चीन और ताइवान के धरलू मामले में किसी तरह का दखल दे। अमरीकी कौजें अगर ताइवान से हटा ली जावें तब नई चीनी सरकार और ताइवान के कुछ लोगों के बीच का आपसी झगडा बिना किसी तरह की लड़ाई के एक दिन में तय हो सकता है। जब तक यह नहीं होता तब तक चीन को और दुनिया के अमन को खतरा बना रहेगा۔

(6) दक्खिन कोरिया को बराबर बढावा दे देकर कोरिया के एक संयुक्त और आजाद देश बनने में कुछ लोगों का रुकावटें डालना۔ कोरिया जब तक बाहर की शक्तियों के दबाव से आजाद हाकर एक संयुक्त राष्ट्र न बन जायगा तब तक उस तरफ से चीन का, एशिया का और दुनिया की शान्ति को खतरा बना रहेगा۔

(7) जापान और दूसरे कुछ देशों में बाहर की शक्तियों के कौजी अड्डों और छात्रानियों की मौजूदगी। जब तक कि सा भी बिदेशी शक्ति के इस तरह के कौजी अड्डे जापान या

کिसی بھی دہش میں موجود ہیں دنیا کے امن کو خطرہ ہے۔

(8) یو. این. آو. میں نہ چین جیسے ساٹھ کروڑ آدمیوں کا اچھا استھان کا نہ ملنا۔ تائیوان کی شہنی سوکار کے نمائندہ کو چین کا نمائندہ مانکر یو. این. آو. میں بیٹھانا ایک ایسا بڑا کھلا تعزیر اور آئینہ ہے کہ جب تک یہ جاری ہے نہ یو. این. آو. صحیح معنی میں سلطنت و اشعار سلطنت کھلا سکتا ہے نہ اس سے دنیا کے امن کو قائم رکھنے میں مدد مل سکتی ہے اور نہ دنیا سے جنگ کا خطرہ جا سکتا ہے۔

(9) افریقہ میں یا دنیا کے کسی حصے میں کسی دہش یا کسی قوم کے اوپر کسی بھی دہشی شکنی کے شائبہ پر پھرتو یا دنیا کا قائم رہنا یا دنیا کے کسی حصے میں بھی رنگ یا نسل کے आधार پر انسانوں کے ساتھ الگ الگ طرح کا بے ہمارا ہونا۔ دنیا میں جب تک غلط دہش یا اس طرح کے بے ہمد ہمارے موجود ہیں تب تک دنیا کے امن کو خطرہ رہیگا۔

(9) افریقہ میں یا دنیا کے کسی حصے میں کسی دہش یا کسی قوم کے اوپر کسی بھی دہشی شکنی کے شائبہ پر پھرتو یا دنیا کا قائم رہنا یا دنیا کے کسی حصے میں بھی رنگ یا نسل کے आधार پر انسانوں کے ساتھ الگ الگ طرح کا بے ہمارا ہونا۔ دنیا میں جب تک غلط دہش یا اس طرح کے بے ہمد ہمارے موجود ہیں تب تک دنیا کے امن کو خطرہ رہیگا۔

سوویت روس اور بھارت کے نیوٹروں کے سرکاری اور غیر سرکاری بیانات اور ابھی حال میں شری بلگائن اور شری کوشچو کے دلی کے ہاشنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اوپر کی سب باتوں میں روس اور بھارت یعنی ان دونوں دہشوں کی جگہ اور ان کی سرکاری بالکل ایک رائے ہیں۔ یہی شری بلگائن اور شری کوشچو کے بھارت آنے کا سب سے بڑا مطلب ہے۔ جب تک دنیا کی شانتی، ترقی اور مہمندی کے راستے ہی یہ سب رکاوٹیں دور نہیں ہوتیں تب تک ہمارا فرض ہے، ہمارا دھرم ہے اور ہماری اور دنیا کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہم ملکر کھڑے ہوں۔ دنیا کی جگہ کو ایک کرے کے لئے اور ساری دنیا کے بے پلے کے لئے آؤشیک ہے کہ پہلے ایشیا اور افریقہ کے سارے دہش، جن میں سے ادھکتر پروانہوتی کے گردے انہیوں میں سے نکل چکے ہیں یا نکل رہے ہیں، ملکر کھڑے ہوں۔ ایشیا اور افریقہ کے سب دہشوں کے ملکر کھڑے ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایشیا کے تین سب سے بڑے دہش—روس، چین اور بھارت—دنیا کے امن اور سب کے بے پلے کے نام پر ملکر کھڑے ہوں۔ اس وہمہارک نگاہ سے شری بلگائن اور شری کوشچو کا بھارت آنا اس سب سے سب سے ادھک مہم کی گھڑانا ہے۔ یہاں پر اس سب سے نہ روس، چین اور بھارت نے اس طرح ملکر کھڑے ہونے کے بعد دنیا کے امن کے راستے کی سب رکاوٹیں ایک ایک کر دور ہوجاؤں گی اور سارا مانو سماج ایک بار سب کے بے پلے، سب کی ترقی اور سب کی خوشحالی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دینگا۔ یہی مسئلہ گاندھی کا بتایا ہوا سرودھ کا آدھس ہے۔

24. 11. '55

—سندھ لال۔

کسی بھی دہش میں موجود ہیں دنیا کے امن کو خطرہ ہے۔

(8) یو. این. آو. میں نہ چین جیسے ساٹھ کروڑ آدمیوں کا اچھا استھان کا نہ ملنا۔ تائیوان کی شہنی سوکار کے نمائندہ کو چین کا نمائندہ مانکر یو. این. آو. میں بیٹھانا ایک ایسا بڑا کھلا تعزیر اور آئینہ ہے کہ جب تک یہ جاری ہے نہ یو. این. آو. صحیح معنی میں سلطنت و اشعار سلطنت کھلا سکتا ہے نہ اس سے دنیا کے امن کو قائم رکھنے میں مدد مل سکتی ہے اور نہ دنیا سے جنگ کا خطرہ جا سکتا ہے۔

(9) افریقہ میں یا دنیا کے کسی حصے میں کسی دہش یا کسی قوم کے اوپر کسی بھی دہشی شکنی کے شائبہ پر پھرتو یا دنیا کا قائم رہنا یا دنیا کے کسی حصے میں بھی رنگ یا نسل کے आधार پر انسانوں کے ساتھ الگ الگ طرح کا بے ہمارا ہونا۔ دنیا میں جب تک غلط دہش یا اس طرح کے بے ہمد ہمارے موجود ہیں تب تک دنیا کے امن کو خطرہ رہیگا۔

سوویت روس اور بھارت کے نیوٹروں کے سرکاری اور غیر سرکاری بیانات اور ابھی حال میں شری بلگائن اور شری کوشچو کے دلی کے ہاشنوں سے صاف ظاہر ہے کہ اوپر کی سب باتوں میں روس اور بھارت یعنی ان دونوں دہشوں کی جگہ اور ان کی سرکاری بالکل ایک رائے ہیں۔ یہی شری بلگائن اور شری کوشچو کے بھارت آنے کا سب سے بڑا مطلب ہے۔ جب تک دنیا کی شانتی، ترقی اور مہمندی کے راستے ہی یہ سب رکاوٹیں دور نہیں ہوتیں تب تک ہمارا فرض ہے، ہمارا دھرم ہے اور ہماری اور دنیا کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہم ملکر کھڑے ہوں۔ دنیا کی جگہ کو ایک کرے کے لئے اور ساری دنیا کے بے پلے کے لئے آؤشیک ہے کہ پہلے ایشیا اور افریقہ کے سارے دہش، جن میں سے ادھکتر پروانہوتی کے گردے انہیوں میں سے نکل چکے ہیں یا نکل رہے ہیں، ملکر کھڑے ہوں۔ ایشیا اور افریقہ کے سب دہشوں کے ملکر کھڑے ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایشیا کے تین سب سے بڑے دہش—روس، چین اور بھارت—دنیا کے امن اور سب کے بے پلے کے نام پر ملکر کھڑے ہوں۔ اس وہمہارک نگاہ سے شری بلگائن اور شری کوشچو کا بھارت آنا اس سب سے سب سے ادھک مہم کی گھڑانا ہے۔ یہاں پر اس سب سے نہ روس، چین اور بھارت نے اس طرح ملکر کھڑے ہونے کے بعد دنیا کے امن کے راستے کی سب رکاوٹیں ایک ایک کر دور ہوجاؤں گی اور سارا مانو سماج ایک بار سب کے بے پلے، سب کی ترقی اور سب کی خوشحالی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دینگا۔ یہی مسئلہ گاندھی کا بتایا ہوا سرودھ کا آدھس ہے۔

—سندھ لال۔

24. 11. '55

सांस्कृतिक साहित्य

سانسکرتک ساہتیہ

हज़रत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हज़रत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आज़ाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फ़िराक़, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता मल्ले का पत्ते

حضرت محمد اور اسلام

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—تین روپیہ
اسلام کے پیغمبر کے سببندہ میں بھارتیہ بھاشاؤں میں اس سے
سندر کوئی دوسری پستک نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

لیکھک—پنڈت سندھ لال، مولیہ—ڈیڑ روپیہ

ہاتما زر تھستور اور ایرانی سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

یہودی دھرم اور سامی سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

اچین مصر کی سبھیتا اور سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

بیل بابل اور اسوریائی پر اچین سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

اچین یونانی سبھیتا اور سانسکرتی

لیکھک—وشومبھر ناتھ پانڈے، قیمت—دو روپیہ

گنگا سے گوتمی تک

(پرگتی شیل کہانی سنوہ)

لیکھک—شری مجیب رضوی، قیمت—دو روپیہ

اگ اور آنسو

(بھاؤپورن سماجک کہانیاں)

لیکھک—ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قیمت—ڈیڑ روپیہ

قرآن اور دھارمک متبھید

لیکھک—مولانا ابولکلام آزاد، قیمت—ڈیڑ روپیہ

جھنکار

(پرگتی شیل کہانیاں کا سنگره)

لیکھک—رگھوپتی سہائے فراق، قیمت—تین روپیہ

ہندستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلتھر سوسائٹی

145 منہی گنج، الہ آباد 145 मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

ہندی घर

ہندی گھر

کلیچر پر ہر तरह کی کتابیں ملنے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈان : شری منچر آلی، مورتا

سکے 225، کرمیت داں رپیا

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بھوت دلچسپ کتاب)

لکھک—کودسیا جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہرلال نہرو

موتا کاڈ، موتا ٹائپ، بھوت-سی رنگین تصویروں

دام داں رپیا

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور کران

275 سکے، دام ڈاڈ رپیا

ہندو مسلم اکوتا

100 سکے، دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبک

کرمیت بارہ آنے

پنجاہ ہمیں کیا سیکھاتا ہے

کرمیت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبک

کرمیت داں آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 مٹھوگنج ایلہاہاد

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

لیکھک—گاندھیباد کے مانے جانے

بیڈان : شری منچر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

— : 0 : —

گاندھی بابا

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

لیکھک—کدسیہ جیدی

بھمیکا—پنڈت جواہر لال نہرو

موتا کاڈ، موتا ٹائپ، بہت سی رنگین تصویریں

دام دو روپیہ

— : 0 : —

پنڈت سندرلال جی کی لکھی کتابیں

گیتا اور قران

275 صفحہ، دام ڈاڈ رپیا

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ دام بارہ آنے

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

پنجاہ ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

بنگال اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 مٹھوگنج ایلہاہاد

دسمبر 1955 دسمبر

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Ramblai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from —

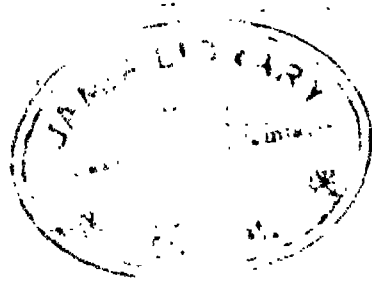
Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

ہندوستان کا نیا ہند

نمبر 6 نمبر 20 جلد 20 جلد

5 JAN 1956



5 JAN 1956

دسمبر 1955

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کولچر سوسائٹی

145 مڈل گنج، کولہاہا آباد

145 مڈل گنج، کولہاہا آباد

دسمبر 1955 ديسمبر

کيا کيس سے	صفحہ	کيا کيس سے
1. ہندوستانی کلچر (ایک اُلچنا)	...	309 ...
—پنڈت سندر لال	...	319 ...
2. چینی عروج کی کہانی	...	328 ...
—شری لی تائو	...	331 ...
3. گاندھی اور کبیر	...	336 ...
—شری امبشکر ناگر ایم. اے.	...	339 ...
4. سولتیرنا کی یاترا کی چوتھی پڑوسی	...	344 ...
—شری مکن بھائی دیسانی	...	353 ...
5. محمد صاحب کے کچھ اُپدیش
—انوارک شری مجیب رضوی
6. دنیا بھر کی ماؤں کے نام
—شریمتی چین کوآنگ. یو
7. قومن قومن کے بیچ دوستی (بھاشن)
—شری نکیتا خورشچیر
8. ہماری رائے—
ہمارے روسی مہمان؛ راجکمار
امرتنور کے چھن کے انویہو—
سندر لال؛ سمجھ کی خوبی؛ گڑوں
کی چاہ—سریس رام بھائی.

ہمارے روسی مہمان؛ راجکمار
امرتنور کے چھن کے انویہو—
سندر لال؛ سمجھ کی خوبی؛ گڑوں
کی چاہ—سریس رام بھائی.

[ایک آلوچنا]

[ایک آلوچنا]

ہیدراآباد کی ایشیائی اڈیڈین سٹی (Institute of Asian Studies) کے ڈائریکٹر، مہارہر ویدوان، شری بھگوت شرین آبادیہائے نے اپنا ایک چپا ہوا انگریزی نبلڈہ ہمارے پاس بھیجا ہے، جس کا نام ہے 'ہیارتھ سنسکرتی کی پرگتی' (March of Indian Culture). نبلڈہ کی کڈڈی چیڈڈی لگبمب ڈنڈی کے شڈڈوں مڈڈ ہم نیچے ڈتے ڈے۔

ہیدراآباد کی ایشیائی اڈیڈین سٹی (Institute of Asian Studies) کے ڈائریکٹر، مشہور ویدوان، شری بھگوت شرین آبادیہائے نے اپنا ایک چپا ہوا انگریزی نبلڈہ ہمارے پاس بھیجا ہے، جس کا نام ہے 'ہیارتھ سنسکرتی کی پرگتی' (March of Indian Culture). نبلڈہ کی کڈڈی چیڈڈی لگبمب ڈنڈی کے شڈڈوں مڈڈ ہم نیچے ڈتے ڈے۔

کلتور یا سنسکرتی کی परिभाषा करते हुए लेखक ने लिखा है कि :—

کلتور یا سنسکرتی کی परिभाषا کرتے ہوئے لیکھک نے لکھا ہے کہ :—

“ہتیاہاس کی तरह کلتور یا سنسکرتی بھی एक ऐसी चीज है जो लगातार फूलती फलती और बढ़ती रहती है और जिसका सम्बन्ध सारी दुनिया से है. कोई देश या कोई काल ऐसा नहीं है कि जहाँ खड़ा होकर कोई आदमी भी यह कह सके कि इसके आगे किसी चीज से मेरा कोई सम्बन्ध नहीं. कलचर के अलग अलग रूप आस पास की तब्दीलियों के साथ बदलते रहते हैं, और यह तब्दीलियाँ अधिकतर अलग अलग जातियों के मिलने से पैदा होती हैं. इसलिये कलचर हम सब की मिली जुली बपौती है जो हम सबकी मिली जुली कोशिश से पैदा होती है. कलचर के अलग अलग हिस्से मिलकर एक शरीर बनाते हैं, फिर यह शरीर खुद एक इकाई बन जाता है, और इस तरह की बहुत सी इकाइयाँ मिलकर लगातार अपने में दूसरे हिस्सों और दूसरी इकाइयों को मिलाती और समोती रहती है, यहाँ तक कि यह सिलमिला सारी धरती के ऊपर फैला हुआ दिखाई देता है. कलचर हम सबकी सबको देन है.”

انہاس کی طرح کلتور یا سنسکرتی بھی ایک ایسی چیز ہے جو لگاتار پھولتی پھلتی اور بڑھتی رہتی ہے اور جس کا سہلڈہ ساری دنیا سے ہے. کوئی دیہش یا کوئی کال ایسا نہیں ہے کہ جہاں کھڑا ہو کر کوئی آدمی بھی یہ کہہ سکے کہ اس کے آگے کسی چیز سے میرا کوئی سہلڈہ نہیں. کلتور کے الگ الگ روپ آس پاس کی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، اور یہ تبدیلیاں اڈھکتر الگ الگ جانتوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں. اس لئے کلتور ہم سب کی ملی جلی بیڑتی ہے جو ہم سب کی ملی جلی کوشش سے پیدا ہوتی ہے. کلتور کے الگ الگ حصے ملکر ایک شریر ہناتے ہیں، پھر یہ شریر خود ایک اڈڈی بن جاتا ہے، اور اس طرح کی بہت سی اڈڈیاں ملکر لگاتار اپنے میں دوسرے حصوں اور دوسری اڈڈیوں کو ملاتی اور سموتی رہتی ہے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ ساری ڈھرتی کے اوپر پھیلا ہوا ڈھکائی ڈیتا ہے. کلتور ہم سب کی سب کو ڈین ہے.”

इसके बाद लेखक ने शुरू से अब तक की दुनिया की बड़ी बड़ी सभ्यताओं, उनके विकास और एक दूसरे के साथ उनके सम्बन्ध की चरचा की है.

اس کے بعد لیکھک نے شروع سے اب تک کی دنیا کی بڑی بڑی سہیڈتاؤں، اُن کے وکس اور ایک دوسرے کے ساتھ اُن کے سہلڈہ کی چرچا کی ہے.

भारत की चरचा करते हुए लेखक ने कहा है कि :—

بھارت کی چرچا کرتے ہوئے لیکھک نے کہا ہے کہ :—

“इस मामले में कोई देश प्रकृति (क़ुदरत) का इतना चहेता नहीं दिखाई देता जितना हिन्दुस्तान. अनगिनत जातियाँ, सभ्य और असभ्य, हमारी सरहद को पार कर इस देश में आती रहीं और यहाँ के समाजी ताने बाने में मिलकर एक होजाती रही हैं. हमारे समाजी ढांचे को उन सब से बल मिला है और उसकी शान और सुन्दरता बड़ी है. तरह तरह के नमूने और तरह तरह की शकलें मिलकर

“اس معاملے میں کوئی دیہش پرکرتی (قدرت) کا اتنا چہیتا نہیں ڈھکائی ڈیتا جتنا ہندستان. انکنت جاتیاں، سہیڈہ اور اسہیڈہ، ہماں سرحد کو پار کر اس دیہش میں آتی رہیں اور یہاں کے سماجی تالے تالے میں ملکر ایک ہو جاتی رہی ہیں. ہمارے سماجی ڈھانچے کو اُن سب سے بل ملا ہے اور اس کی شان اور سنڈرتا بڑھی ہے. طرح طرح کے نمونے اور طرح طرح کی شکلیں ملکر

اس دیش کی کلچر میں سیکڑوں طرح کے نئے نئے رنگ اور فنی شان پیدا کرتے رہے ہیں۔ ہزاروں برس کے اندر انکنت جانوں کے میل سے آجکل کی بھارتیہ سانسرتی بنی ہے۔

لےکھ کا بیچارہ ہے کہ سندھو ندی کی پرانی سپہیتا اور دجلہ اور فرات ندیوں کے کنارے کی پراچین سومیری سپہیتا دونوں میں گہرا سہمیلہ تھا۔

جب جب کوئی دو جاتیان اس دیش میں ملتی تھیں تو پہلی گھر میں لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے تھے۔ پر تھوڑے ہی دنوں میں دونوں کے میل سے ایک نئی اور دونوں سے ادھک سندھ چیز پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ دونوں کے الگ الگ وجود کا نشان تک نہ رہ جاتا تھا۔

آریہ لوگوں نے اپنے سے پہلے کے باشندوں کو نفرت کے ساتھ 'کرشن' (کالے آدمی)، 'اناس' (جن کی ناک دیبی ہوئی تھی)، 'ادیو' (ایشور کو نہ ماننے والے)، 'ایجن' (یکم نہ کرنے والے)، 'ششن دیو' (لنگ پوجنے والے)، 'داس' (غلام)، 'داسیو' (قاتل) جیسے ناموں سے پکارا۔ اُس سمنے کے آریہ ادھکتر یا تو اُٹھاؤ چولہا رھتے تھے یا چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بستے تھے۔ یہاں کے پرانے باشندے جو دروز کہلاتے تھے بڑے بڑے شہروں میں رھتے تھے جن کے چاروں طرف بکی اینٹوں کی اونچی دیواریں ہوتی تھیں۔ صدیوں دونوں میں لڑائیاں ہوتی رھیں۔ آخر دونوں ماکر ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ گئے۔

آریہ لوگوں نے اپنے سے پہلے کے باشندوں کو نفرت کے ساتھ 'کرشن' (کالے آدمی)، 'اناس' (جن کی ناک دیبی ہوئی تھی)، 'ادیو' (ایشور کو نہ ماننے والے)، 'ایجن' (یکم نہ کرنے والے)، 'ششن دیو' (لنگ پوجنے والے)، 'داس' (غلام)، 'داسیو' (قاتل) جیسے ناموں سے پکارا۔ اُس سمنے کے آریہ ادھکتر یا تو اُٹھاؤ چولہا رھتے تھے یا چھوٹی چھوٹی بستیوں میں بستے تھے۔ یہاں کے پرانے باشندے جو دروز کہلاتے تھے بڑے بڑے شہروں میں رھتے تھے جن کے چاروں طرف بکی اینٹوں کی اونچی دیواریں ہوتی تھیں۔ صدیوں دونوں میں لڑائیاں ہوتی رھیں۔ آخر دونوں ماکر ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ گئے۔

دنیا کے انہاس میں انٹر کم سپہیہ جانوروں نے ادھک سپہیہ جانوروں کو چیتا ہے۔ لیکن انت میں کلچر نے معاملہ میں جیتنے والی جاتی نے ہاری ہوئی روم کے سامنے جوا ڈال دیا۔ ایران میں آریوں کے اندر شوقر جانی نہیں تھی۔ انھرو وید لکھ جانے کے سمنے تک اس دیش میں چاروں بڑی بڑی جانیں روپ لے چکی تھیں جن میں شوقر سب سے نیچے تھے۔ دروزوں اور آریوں کے مل جانے سے شوقروں کی گنتی بہت بڑھ گئی۔ دروزوں کے دیونا 'شو' کی پوجا سارے دیش میں ہونے لگی اور دھیرے دھیرے لنگ کے روپ میں سب جگہ چل پڑی۔ یوگ اور دھیان، سانت اور گامہ کی پوجا کا بھی اس سمنے رواج ہوا۔ سانت نے ندی کا روپ لیا۔ گامہ کے لئے وشیش اندر بھی آریوں نے اس دیش کے پرانے باشندوں سے سیکھا۔ دھیرے دھیرے آریوں کے بہت سے نئے نئے شہر یہاں آباد ہو گئے جن میں پشلاوتی، کشلا، ہستناپور، اندر پرستہ، کشی، ایردھیا اور مہمل ادھک مشور رھیں۔

ہے کہ 'اثر' وہد کے ایک منتر میں جو دو شبد 'الہی' اور 'بہلی' آتے ہیں وہ سومہریا کے دو مشہور راجاؤں 'ایللو' اور 'بیللو' کے نام ہیں۔ لیکھک کا خیال ہے بھارت کی انیک ہاشاڑاں میں جر آئمہ بلائم' شبد چلے ہیں وہ انہیں ایللو اور بیللو سے بنے ہیں۔ انہروہد کے بہت سے جادو اور منتر پراچین بیلونیا (بابل) کے ساتھیہ اور وہاں کے رواج سے لئے گئے ہیں ۔

بھارت کے منتر 'شپت پتہ براہمن' میں توفان کی کہانی ہجرات نوح کے کسی توفان کی کہانی ہے جو کہا جاتا ہے عیسیٰ سے لگ بھگ تین ہزار برس پہلے بابل میں آیا تھا ۔ یہ کہانی شپت پتہ براہمن کے لئے چلے گئے سے کم سے کم ایک ہزار برس پہلے پراچین اسوریا میں موجود تھی ۔ سومہریا ساتھیہ میں اس کہانی کے ساتھ زبو سدو کا نام لیا جاتا ہے 'انجیل اور قرآن میں اسی کے ساتھ حضرت نوح کا نام لیا جاتا ہے اور سنسکرت ساتھیہ میں منو کا نام لیا جاتا ہے۔ سنسکرت ساتھیہ میں لکھا ہے کہ جب ائمہ ہجرت توفان کے بعد منو کی کشتی کسی پہاڑ پر جا کر لگی اور منو نے دیکھا کہ اُن کی کشتی میں طرح طرح کے جانداروں کے جوڑے بیچ گئے ہیں جن سے سرشتی ائمہ کو چل سکے تو انہوں نے بھوکاں کو دھنیا باں دیا اور یکہ کرنا چاہا ۔ پر انہوں نے دیکھا کہ یکہ کرانے کے لئے پروہت اس دیش میں نہیں تھے' تب اسوریا یعنی بابل دیش سے پروہت بلائے گئے جنہیں شپت پتہ براہمن میں 'اسور براہمن' کہا گیا ہے ۔ اسوریا کے لوگوں کو اُن دنوں اسور کہا جاتا تھا ۔

اس کے بعد بھارت میں ایرانیوں کا آنا ہوا۔ ایرانی سمرات دارا کا سندھ اور پنجہمی پنجاب تک راج تھا ۔ یہ راج ۳۰ برس سے اوپر تک رہا ۔ چانکیہ اور چندرگپت موریا نے اپنے دربار میں ایرانی طور طریقہ اور ایران کے درباری ریت رواج جاری کیئے ۔ ایران کے اثر سے ہی بھارت میں وہ کھروشتھی لہی چلی جو فارسی کی طرح داہنے سے بائیں کو لکھی جاتی تھی ۔ سمرات اشوک کے بہت سے شلا لیکھ اسی کھروشتھی میں ہیں اور اُن میں بہت سے ایرانی شبد آتے ہیں ۔ پہاڑوں' چٹانوں اور اونچے اونچے کہمیں پر اس طرح کے لیکھ یا کتبہ کھودنے کا رواج بھی' جسے سمرات اشوک نے دنیا میں اُتلا ادھک چمکایا' بھارت نے ایران سے اور ایران نے اسوریا سے لیا ۔

اُس زمانے کے بھارت کی موتی نورمان کلا پر ایران اور اُس کے اُس پاس کے دیشوں کا گہرا اثر پڑا ۔ مصر کے اندر عیسیٰ سے تین ہزار برس پہلے سائڈ کی پوجا' بابل اور اسوریا میں سائڈ کی پوجا اور بھارت میں نندی کی پوجا کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا سمبندھ ہے ۔ کشلا اور دوسرے استھانوں کی ہودہ سورتھیں میں ایرانی اور یونانی

بھارت کے گرنتم 'شپت پتہ براہمن' میں توفان کی کہانی حضرت نوح کے اُسی توفان کی کہانی ہے جو کہا جاتا ہے عیسیٰ سے لگ بھگ تین ہزار برس پہلے بابل میں آیا تھا ۔ یہ کہانی شپت پتہ براہمن کے لئے چلے گئے سے کم سے کم ایک ہزار برس پہلے پراچین اسوریا میں موجود تھی ۔ سومہریا ساتھیہ میں اس کہانی کے ساتھ زبو سدو کا نام لیا جاتا ہے 'انجیل اور قرآن میں اسی کے ساتھ حضرت نوح کا نام لیا جاتا ہے اور سنسکرت ساتھیہ میں منو کا نام لیا جاتا ہے۔ سنسکرت ساتھیہ میں لکھا ہے کہ جب ائمہ ہجرت توفان کے بعد منو کی کشتی کسی پہاڑ پر جا کر لگی اور منو نے دیکھا کہ اُن کی کشتی میں طرح طرح کے جانداروں کے جوڑے بیچ گئے ہیں جن سے سرشتی ائمہ کو چل سکے تو انہوں نے بھوکاں کو دھنیا باں دیا اور یکہ کرنا چاہا ۔ پر انہوں نے دیکھا کہ یکہ کرانے کے لئے پروہت اس دیش میں نہیں تھے' تب اسوریا یعنی بابل دیش سے پروہت بلائے گئے جنہیں شپت پتہ براہمن میں 'اسور براہمن' کہا گیا ہے ۔ اسوریا کے لوگوں کو اُن دنوں اسور کہا جاتا تھا ۔

اس کے بعد بھارت میں ایرانیوں کا آنا ہوا۔ ایرانی سمرات دارا کا سندھ اور پنجہمی پنجاب تک راج تھا ۔ یہ راج ۳۰ برس سے اوپر تک رہا ۔ چانکیہ اور چندرگپت موریا نے اپنے دربار میں ایرانی طور طریقہ اور ایران کے درباری ریت رواج جاری کیئے ۔ ایران کے اثر سے ہی بھارت میں وہ کھروشتھی لہی چلی جو فارسی کی طرح داہنے سے بائیں کو لکھی جاتی تھی ۔ سمرات اشوک کے بہت سے شلا لیکھ اسی کھروشتھی میں ہیں اور اُن میں بہت سے ایرانی شبد آتے ہیں ۔ پہاڑوں' چٹانوں اور اونچے اونچے کہمیں پر اس طرح کے لیکھ یا کتبہ کھودنے کا رواج بھی' جسے سمرات اشوک نے دنیا میں اُتلا ادھک چمکایا' بھارت نے ایران سے اور ایران نے اسوریا سے لیا ۔

اُس زمانے کے بھارت کی موتی نورمان کلا پر ایران اور اُس کے اُس پاس کے دیشوں کا گہرا اثر پڑا ۔ مصر کے اندر عیسیٰ سے تین ہزار برس پہلے سائڈ کی پوجا' بابل اور اسوریا میں سائڈ کی پوجا اور بھارت میں نندی کی پوجا کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا سمبندھ ہے ۔ کشلا اور دوسرے استھانوں کی ہودہ سورتھیں میں ایرانی اور یونانی

اُس زمانے کے بھارت کی موتی نورمان کلا پر ایران اور اُس کے اُس پاس کے دیشوں کا گہرا اثر پڑا ۔ مصر کے اندر عیسیٰ سے تین ہزار برس پہلے سائڈ کی پوجا' بابل اور اسوریا میں سائڈ کی پوجا اور بھارت میں نندی کی پوجا کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا سمبندھ ہے ۔ کشلا اور دوسرے استھانوں کی ہودہ سورتھیں میں ایرانی اور یونانی

اور حارثہ، رنک، مہی، رنگ، ہونے، صاف دکھائی دیتے ہیں۔
سانچتی جیسی جگہوں کے "اسٹوپ" ہمیں مصر کے "پیرمڈ" اور
سومیر کے "گورٹ" کی یاد دلانے ہیں۔ تھیلوں کا سرخرو کے ساتھ
مسلحہ تھا۔

ईसा की शुरु की सदियों में भारत के अन्दर शहर के शहर यूनानियों के आबाद थे. बहुत से दूसरे शहरों में यूनानियों के बड़े बड़े मोहल्ले थे. यूरप का दक्खिन पूरब का सारा हिस्सा, मित्र का उत्तर का भाग और आक्सस और गंगा नदी तक सारा एशिया यूनानियों के कब्जे में था. पाटलीपुत्र (पटना) तक उनके हमले हुए. उस जमाने की लिखी हुई मार्ग संहिता में इन यूनानियों का 'दुष्ट बिक्रान्त यवन:' यानी बदमाश और बहादुर यवन कहा गया है. लिखा है कि इन लोगों के पाटलीपुत्र के एक हमले के बाद आस पास के तमाम इलाक़े से मर्द इतने अधिक मारे गए थे कि बाद में सारा काम काज औरतों को करना पड़ता था, कई कई औरतें मजबूर होकर एक मर्द से शादी करने लगी थीं और जब कभी इधर उधर अचानक कोई मर्द दिखाई दे जाता था तो औरतें उसे हैरान हांकर देखती थीं. लेकिन इस कल्लेआम के बाद भी जब यूनानी और हिन्दु-स्तानी मिल गए तो दोनों दूध और चीनी की तरह एक हो गए और दोनों ने मिलकर भारतीय संस्कृति की रचना की.

उस ज़माने में भारत के अन्दर यूनानी डामे खेले जाते थे, यूनानी साहित्य का भारत की भाषाओं में अनुवाद होता था, और लोग उन किताबों को खूब शौक से पढ़ते थे। यूनानी भाषा का भी भारत की भाषाओं पर गहरा असर पड़ा। संस्कृत डामों में 'यवनिका' शब्द यूनानी से लिया हुआ है। भारतीय डामों पर यूनानी डामों का असर है। उस ज़माने के भारतीय सिक्के जाहिर करते हैं कि इस वंश के बहुत से लोग उन दिनों यूनानी और ख़राष्ट्रि दोनों भाषाओं को समझते थे।

भारत की ज्योतिष विद्या पर भी यूनानी ज्योतिष का बहुत बड़ा असर पड़ा. आज तक हिन्दुओं की जन्म पत्री में जो 'होराचक्र' बनता है उसमें 'होरा' वही है जो अंगरेजी शब्द 'होरोस्कोप' का होरा है और दोनों मिस्र के सूर्य देवता 'होरस' से लिये गए हैं. हिन्दू विवाह के लिये सबसे शुभ लग्न जिसमें कालिदास ने शिव और पार्वती की शादी कराई है 'जामित्र' है जो यूनानी 'ज़ियामेत्रान' से लिया गया है. गार्गी संहिता में लिखा है कि ज्योतिष विद्या का जन्म यवनों से ही हुआ और इसके लिये वह "पूज्य" हैं.

उससे पहले के हमारे सिक्के दूसरी शकल के होते थे। आजकल के सिक्कों की शकल हमने यूनानियों से ली। हिन्दी शब्द दाम, जिसके मानी मोल या क्रीमत् है, यूनानी शब्द है।

عیسائی کی شروع کی صدیوں میں بھارت کے اندر شہر کے شہر یونانیوں کے آباد تھے۔ بہت سے دوسرے شہروں میں یونانیوں کے بڑے بڑے محلے تھے۔ یورپ کا دھنن یورپ کا سارا حصہ، مصر کا اتر کا بھاگ اور آئسس اور گنگا ندی تک سارا ایشیا یونانیوں کے قبضے میں تھا۔ بائبل یتر (یقینہ) تک اُن کے محلے ہوئے۔ اُس زمانے کی لکھی ہوئی لکڑی سے لکھنا میں اُن یونانیوں کو دشت و کرائنت یونہ، یعنی بدشاہی اور بہادر یون کہا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ اُن لوگوں کے بائبل یتر کے ایک محلے کے بعد اُس پاس کے تسلیم علاقہ سے مرد اُتے ادھک مارے گئے تھے کہ بعد میں سارا کلم کچ عورتوں کو کرنا پڑتا تھا، کئی کئی عورتیں مجبور ہو کر ایک مرد سے شادی کرنے لگی تھیں اور جب کبھی اُدھر اُدھر اچانک کوئی مرد دھائی دے جاتا تھا تو عورتیں اُسے حیران ہو کر دیکھتی تھیں۔ لیکن اِس فل عام کے بعد جب یونانی اور ہندوستانی مل گئے تو دونوں دودھ اور چوٹی کی طرح ایک ہو گئے اور دونوں نے ملکر بھارتیہ سنسکرتی کی رچنا کی۔

اُس زمانے میں بھارت کے اندر یونانی قراۓ سے کھیلے جاتے تھے۔ یونانی سہاتیہ کا بھارت کی بھاشاؤں میں انوراد ہوتا تھا اور لوگ اُن کتابوں کو خوب شوق سے پڑھتے تھے۔ یونانی بھاشا کا بھی بھارت کی بھاشاؤں پر گہرا اثر پڑا۔ سنسکرت قراۓوں میں 'یونیکا' شبد یونانی سے لیا ہوا ہے۔ بھارتیہ قراۓوں پر یونانی قراۓوں کا اثر ہے۔ اُس زمانے کے بھارتیہ سکھ ظاہر کرتے ہیں کہ اِس دیش کے بہت سے لوگ اُن دنوں یونانی اور کھروشقی دونوں بھاشاؤں کو سمجھتے تھے۔

بھارت کی جوتھیں دنیا پر بھی یونانی جوتھیں کا بہت بڑا اثر پڑا۔ آج تک ہندوؤں کی جنم پتری میں جو 'ہورا' چکر بنتا ہے اُس میں 'ہورا' وہی ہے جو انگریزی شبد 'ہاروسکوپ' کا ہاور ہے اور دونوں مصر کے سورجیہ دیوتا 'ہورس' سے لٹے گئے ہیں۔ ہندو رواد کے لٹے سب سے شچ لگن جس میں کانداس نے شو اور پاروتی کی شادی کرائی ہے 'جاستر' ہے جو یونانی 'زیا میتھران' سے لیا گیا ہے۔ لاکھی سکھتا میں لکھا ہے کہ جوتھیں دنیا کا جنم یونوں سے ہی ہوا اور اُس کے لٹے وہ "پرجیہ" ہیں۔

اُس سے پہلے کے ہمارے سکہ دوسری شکل کے ہوتے تھے۔
 آجکل کے سکہ کی شکل ہم نے یونانیوں سے لی۔ ہندی شہد
 دام، جس کے معنی مول یا قیمت ہے، یونانی شہد ہے۔

مہاتما बुद्ध थे अपने चेलों को साक शब्दों में बना किया था कि मेरी किसी तरह की मूर्ति हरगिब न बनाना. उसी का नतीजा था कि शुरू के बौद्ध धर्म में जिसे 'हीनयान' कहा जाता है बुद्ध की कोई मूर्ति न बनती थी, और जहाँ किसी चिन्ह की जरूरत पड़ती थी तो केवल छत्र या चक्र या बोधि ध्वज की बसबीर बना दी जाती थी. लेकिन बुद्ध के मरने के कई सौ बरस बाद पहली सदी ईसवी में जब बौद्ध धर्म की महायान सम्प्रदाय कायम हुई तो बुद्ध की मूर्तियाँ भी जगह जगह बनने लगीं, यहां तक कि दुनिया में शायद जितनी बुद्ध की मूर्तियाँ बनी हैं उतनी आज तक किसी दूसरे की नहीं बनीं. शुरू से अब तक बुद्ध की इन मूर्तियों में और बौद्ध मन्दिरों में यूनानी असर साफ दिखाई देता है लेकिन वह सारा असर गहरे भारतीय रंग में रंगा हुआ है.

धीरे धीरे जीवन के हर मैदान में यूनानी और हिन्दु-स्तानी मिलकर एक हो गए. सैकड़ों यूनानियों ने वैष्णव धर्म स्वीकार किया और लाखों ने बौद्ध धर्म अपनाया.

यूनानियों के बाद शाक जाति के लोगों ने बाहर से आकर भारत के बड़े बड़े हिस्सों पर राज किया, मालवा और महाराष्ट्र तक उनकी बसातियाँ और उनकी हुकूमत थी. उनके राजाओं और यहां के राजाओं में लड़ाइयाँ भी हुईं. धीरे धीरे वह सब भी भारत के जीवन में रल मिल गए. आजकल की संस्कृत भाषा और संस्कृत साहित्य को सबसे ज्यादा उन्नत विदेशी शक राजाओं ही न दा. ज्यादा ने भी उनके जमाने में बहुत बड़ी तरफ़गी की. ज्यादा का मशहूर भारतीय विद्वान ब्राह्म मिहिर खुद शाक जाति का था. उसका नाम ईरानी नाम था. यूनानी विद्वान भी उन दिनों इस देश में खूब पढ़ा जाता था.

हमारी आजकल की राष्ट्रीय पोशाक अच्छकन और पाजामा शुरू में शक जाति के लोगों ने इस देश में जारी की, बाद में मुगल बादशाहों ने और अबध क नवाबों ने इसे और अधिक सुन्दर रूप दिया. कुरता और शलवार की चाल भी इस देश में शक लोगों से ही आई.

भारत में 'सूर्य' की जा सब से पुरानी मूर्ति मिलती है वह पहली सदी ईसवी की बनी हुई है. उसके शरीर पर यही विदेशी कुरता, विदेशी शलवार और विदेशी चोरा दिखाई देता है. पांव में ऊँचे पशियाइ जूते हैं, सिर पर ईरानी टोपी और कभर से खंजर लटकता हुआ. किसी हिन्दुस्तानी देवता को बससे पहले इस तरह के कपड़े नहीं पहनाए जाते थे, न इस तरह की टोपी, न इस तरह के जूते.

वैदिक धर्म में भी सूर्य की पूजा का चिक्र आता है लेकिन शकों से पहले यहां सूर्य की मूर्ति नहीं बनती थी. सूर्य की जा मूर्तियाँ धाती पहने हुए और दुपट्टा ढाके हुए मिलती

महान्ता बदे ने अपने चलो को साक शब्दों में बना दिया था कि मेरी किसी तरह की मूर्ति हरगिब न बनाना. उसी का नतीजा था कि शुरू के बौद्ध धर्म में जिसे 'हीनयान' कहा जाता है बुद्ध की कोई मूर्ति न बनती थी, और जहाँ किसी चिन्ह की जरूरत पड़ती थी तो केवल छत्र या चक्र या बोधि ध्वज की बसबीर बना दी जाती थी. लेकिन बुद्ध के मरने के कई सौ बरस बाद पहली सदी ईसवी में जब बौद्ध धर्म की महायान सम्प्रदाय कायम हुई तो बुद्ध की मूर्तियाँ भी जगह जगह बनने लगीं, यहां तक कि दुनिया में शायद जितनी बुद्ध की मूर्तियाँ बनी हैं उतनी आज तक किसी दूसरे की नहीं बनीं. शुरू से अब तक बुद्ध की इन मूर्तियों में और बौद्ध मन्दिरों में यूनानी असर साफ दिखाई देता है लेकिन वह सारा असर गहरे भारतीय रंग में रंगा हुआ है.

दुधरे दुधरे चलो के हर मैदान में यूनानी और हेल्लेस्तानी मकर एक हो गये. सिकरों यूनानियों ने दिसनो दुधरे सुनो र द्या और लाहों ने बुद्धे धर्म अपनाया.

यूनानियों के बाद शाक जाति के लोगों ने बाहर से आकर भारत के बड़े बड़े हिस्सों पर राज किया, मालवा और महाराष्ट्र तक उनकी बसातियाँ और उनकी हुकूमत थी. उनके राजाओं और यहां के राजाओं में लड़ाइयाँ भी हुईं. धीरे धीरे वह सब भी भारत के जीवन में रल मिल गए. आजकल की संस्कृत भाषा और संस्कृत साहित्य को सबसे ज्यादा उन्नत विदेशी शक राजाओं ही न दा. ज्यादा ने भी उनके जमाने में बहुत बड़ी तरफ़गी की. ज्यादा का मशहूर भारतीय विद्वान ब्राह्म मिहिर खुद शाक जाति का था. उसका नाम ईरानी नाम था. यूनानी विद्वान भी उन दिनों इस देश में खूब पढ़ा जाता था.

हमारी आजकल की राष्ट्रीय पोशाक अच्छकन और पाजामा शुरू में शक जाति के लोगों ने इस देश में जारी की, बाद में मुगल बादशाहों ने और अबध क नवाबों ने इसे और अधिक सुन्दर रूप दिया. कुरता और शलवार की चाल भी इस देश में शक लोगों से ही आई.

भारत में 'सूर्य' की जा सब से पुरानी मूर्ति मिलती है वह पहली सदी ईसवी की बनी हुई है. उसके शरीर पर यही विदेशी कुरता, विदेशी शलवार और विदेशी चोरा दिखाई देता है. पांव में ऊँचे पशियाइ जूते हैं, सिर पर ईरानी टोपी और कभर से खंजर लटकता हुआ. किसी हिन्दुस्तानी देवता को बससे पहले इस तरह के कपड़े नहीं पहनाए जाते थे, न इस तरह की टोपी, न इस तरह के जूते.

वैदिक धर्म में भी सूर्य की पूजा का चिक्र आता है लेकिन शकों से पहले यहां सूर्य की मूर्ति नहीं बनती थी. सूर्य की जा मूर्तियाँ धाती पहने हुए और दुपट्टा ढाके हुए मिलती

ہے وہ سب باد کی ہے۔ جہاں تک ماحول ہوتا ہے سورج کی مورتی بنا کر پوجنے کا رواج اس देश میں شک جاتی کے لوگوں سے ہی آیا۔ ہمارے پورائوں میں یہ نکھائی ہے کہ ملتان میں جب سورج کا پہلا مندر بنایا گیا تو مورتی کی استہانہ کرنے اور گھنٹی کی پوجا شروع کرنے کی دہائی یہاں کے کسی براہمن کو نہیں آتی تھی۔ اس لئے اس کام کے لئے ہمارے سے ”شاک دوہی براہمن“ بلاتے گئے تھے۔ آج تک بھارت میں شاک دوہی براہمن موجود ہیں اور اتر بھارت میں بہت سے دوسرے براہمن ان ’ودیشی‘ براہمنوں کا چھوٹا پانی نہیں پیتے۔

شاک جاتی کے لوگوں کی بڑی تعداد بھارت کے رہنے والوں میں مل گئی۔ آج بھارت واسیوں کے خون میں، ان کے سادھنوں میں، ان کی کلا اور حیوان میں، اور ان کی کلچر میں وہ بڑی طرح سمائی ہوئی ہے۔ ان کے بہت سے راجا اور سردار جو ’شاهی‘ اور ’شہان شاهی‘ کہلاتے تھے بھارت سے نکل کر بہت دنوں تک افغانستان میں راج کرتے رہے۔ ساتھ پڑھوں تک وہ اتر پچھمی سرحد پر جم کر باہر کے حملوں سے بھارت کی رکشا کرتے رہے۔ شری بھگت شرن آبادیائے کا کہنا ہے کہ:—”سنسکرت ہماری آواز کا مٹا دینا کتنا چمک اٹھتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس سے ہمارے پوجیہ راجا بھوج اس اہلوارا کے شہر کو لوٹ رہے تھے جس کا راجا مسلمان حملہ آوروں سے لڑنے دور گیا ہوا تھا، ٹھیک اس سے بھارت کے پچھمی بھاگ کے یہ بھادر سنتری، ہندوکش کی پہاڑیوں کے نذر چوکھدار (شاک راجا) اپنی جگہ پر ڈھکے ہوئے لگاتار اتر پچھم کے ان زبردست شتروں سے لڑ رہے تھے جو بھارت پر حملہ کرنے کے لئے اُدھر بڑھتے تھے۔ انت میں وہ اس بارے کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور بے عزتی کی زندگی بتانے کی جگہ انہوں نے آگ میں کود کود کر اپنے کو ختم کر دیا۔“

اس میں سنسکرت نہیں اُتھائیں کے بہت سے بولے ہوئے ہلنے ہمارے لئے کافی منورجک اور شکشاہد ہو سکتے ہیں۔

آج تک ودیشی کنشک کا چلایا ہوا شاکا سموت سودیشی وکرماندیتھ کے نام پر چلے ہوئے وکرماندیتھ میں بھارت کے ایک بھاگوں میں خاص کر جنم پتروں اور پنچانگوں میں ادھک پوتر مانا جاتا ہے۔

کنشک کے راج میں مدھیہ ایشیا کا بہت سا حصہ، کشمیر، پنجاب اور اتر پردیش کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ دھرم کے معاملے میں وہ حد درجہ کا آدار، سب دھرموں کو ایک نگاہ سے دیکھنے والا اور سب کے ساتھ ایکسا برتاؤ کرنے والا تھا۔ ہودہ دھرم کی سیوا ایک اشوک کو چھوڑ کر کسی بھارتیہ راجا نے اس سے ادھک نہیں کی۔ چین کے ساتھ بھی اس کا گہرا سمبندھ تھا۔ پردہی پنجاب میں چینیوں کی سب سے پہلی آبادی ’چین مکتی‘ اسی کی

کانشک کے راج میں مدھیہ ایشیا کا بہت سا حصہ، کشمیر، پنجاب اور اتر پردیش کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ دھرم کے معاملے میں وہ حد درجہ کا آدار، سب دھرموں کو ایک نگاہ سے دیکھنے والا اور سب کے ساتھ ایکسا برتاؤ کرنے والا تھا۔ ہودہ دھرم کی سیوا ایک اشوک کو چھوڑ کر کسی بھارتیہ راجا نے اس سے ادھک نہیں کی۔ چین کے ساتھ بھی اس کا گہرا سمبندھ تھا۔ پردہی پنجاب میں چینیوں کی سب سے پہلی آبادی ’چین مکتی‘ اسی کی

کانشک کے راج میں مدھیہ ایشیا کا بہت سا حصہ، کشمیر، پنجاب اور اتر پردیش کا بہت سا حصہ شامل تھا۔ دھرم کے معاملے میں وہ حد درجہ کا آدار، سب دھرموں کو ایک نگاہ سے دیکھنے والا اور سب کے ساتھ ایکسا برتاؤ کرنے والا تھا۔ ہودہ دھرم کی سیوا ایک اشوک کو چھوڑ کر کسی بھارتیہ راجا نے اس سے ادھک نہیں کی۔ چین کے ساتھ بھی اس کا گہرا سمبندھ تھا۔ پردہی پنجاب میں چینیوں کی سب سے پہلی آبادی ’چین مکتی‘ اسی کی

کلاچم کی دئی تھی۔ آباؤ اور ناراپاتی دونوں چین سے اسی کے سامنے آئے۔ کنشک کے زمانے کے حالات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کی کلاچر کا رپ دینے میں چین کا بھی بڑا حصہ ہے۔ چینی سمراٹ 'سنگ' کے پوتے 'کھلاوے' تھے۔ اسی چال پر کنشک 'دے پوت' کھلاتا تھا۔ کنشک کے سیکھے جن پر کئی کئی دھرموں کے دے پوتے تھے۔ ان کے دھرموں کے دے پوتے میں بھی اُس سے چھٹوں کی مشہور ادارت اور اُن کے سرورہم سبھاؤ کا ہم پر گہرا اثر پڑا۔ اُس زمانے کی 'لا' چترکاری اُدی میں صاف انوک دھرم اور انوک دھرم کے رنگ اور اُن کی چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ بعد کے گھتا یک کی ساری لا اُسی ادار یک کی پیداوار ہے۔

بہت شرم کا کہنا ہے کہ بھارت کے انہاس میں 'راشتریتا' کی یعنی بھارت کے ایک راشتر ہونے کی سب سے پہلی جھلک ہمیں اُس سے ملتی ہے جب کہ ویدیشی شک اور کشن بادشاہوں نے جنہیں شامی کہا جاتا تھا سمجھتے اور اُس کے بیٹے محمود کے حملوں سے بھارت کی رکھا کرنے کے لئے دیہ کی سب شکستوں کو پہلی بار ملانے کی کوشش کی۔ انہاس میں بھارت کی ایکنا ہمیں سب سے پہلے اُسی سے چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

گھتا یک بھارت کا سنہرا یک مانا جاتا ہے۔ واستو میں اُس یک کا سارا بڑین اُن ہی باہر کے اُڑوں کی دین تھا۔

ہن جاتی کے لوگ جو سب سے آخر میں بھارت آئے چین کی ہیونگ - نو جاتی سے سمبند رکھتے تھے۔ یہ وہی ہن تھے جنہوں نے رومن سامراجیہ کی کمزوری۔ یہی لوگ بھارت کے مہدائوں میں بھی آکر بسے۔ چار ہندو جاتوں کے اندر یہ آسانی سے نہ کہپ سکے۔ وہ اتنے شکست شامی تھے کہ اُن سب نے شہر بن کر رہنا سونڈکار نہیں کیا۔ اُس لئے انہیں چھتری ماننا پڑا۔ بہت بڑے پھالے پر اُبو پہاڑ کے اوپر ایک شدھی سنسکار ہوا۔ اور پانچ راجپوت ناوں کے نام سے جنہیں 'اگنی تل' کہا جاتا ہے وہ سب کے سب ہندوؤں میں مل گئے۔ کہا گیا کہ وہ ہن کڈ میں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اُس طرح یہ سب سولہ آئے چھتری ہو گئے۔ راجپوت اُستریوں میں 'جہڑ' کا رواج انہیں سے پڑا۔ 'جہڑ' ایک ویدیشی شہد ہے جس کا نکاس ایک عبرانی شہد سے ہے جس کے معنی آگ اور روشنی ہیں۔

اھیر، گوجر، جات اور راجپوت ہندو سماج کا ایک زبردست انگ ہوتے ہوئے بھی اپنے سنہرے سڈول شہروں اور خاص سبھاؤ کے کارن آج بھی اُس دیہ میں سب سے ادھک الگ چمکتے ہیں۔ کہنے کو یہ سب ویدیشی ہیں۔

لیپک کا کہنا ہے کہ اُس کے بعد بھارت میں وہ لوگ آئے جنہوں نے آجکل کی بھارت کی کلاچر کو رپ دینے

آہیر، گوجر، جات اور راجپوت ہندو سماج کا ایک زبردست انگ ہوتے ہوئے بھی اپنے سنہرے سڈول شہروں اور خاص سبھاؤ کے کارن آج بھی اُس دیہ میں سب سے ادھک الگ چمکتے ہیں۔ کہنے کو یہ سب ویدیشی ہیں۔

لیپک کا کہنا ہے کہ اُس کے بعد بھارت میں وہ لوگ آئے جنہوں نے آجکل کی بھارت کی کلاچر کو رپ دینے

گھتا یک بھارت کا سنہرا یک مانا جاتا ہے۔ واستو میں اُس یک کا سارا بڑین اُن ہی باہر کے اُڑوں کی دین تھا۔

ہن جاتی کے لوگ جو سب سے آخر میں بھارت آئے چین کی ہیونگ - نو جاتی سے سمبند رکھتے تھے۔ یہ وہی ہن تھے جنہوں نے رومن سامراجیہ کی کمزوری۔ یہی لوگ بھارت کے مہدائوں میں بھی آکر بسے۔ چار ہندو جاتوں کے اندر یہ آسانی سے نہ کہپ سکے۔ وہ اتنے شکست شامی تھے کہ اُن سب نے شہر بن کر رہنا سونڈکار نہیں کیا۔ اُس لئے انہیں چھتری ماننا پڑا۔ بہت بڑے پھالے پر اُبو پہاڑ کے اوپر ایک شدھی سنسکار ہوا۔ اور پانچ راجپوت ناوں کے نام سے جنہیں 'اگنی تل' کہا جاتا ہے وہ سب کے سب ہندوؤں میں مل گئے۔ کہا گیا کہ وہ ہن کڈ میں سے پیدا ہوئے ہیں۔ اُس طرح یہ سب سولہ آئے چھتری ہو گئے۔ راجپوت اُستریوں میں 'جہڑ' کا رواج انہیں سے پڑا۔ 'جہڑ' ایک ویدیشی شہد ہے جس کا نکاس ایک عبرانی شہد سے ہے جس کے معنی آگ اور روشنی ہیں۔

اھیر، گوجر، جات اور راجپوت ہندو سماج کا ایک زبردست انگ ہوتے ہوئے بھی اپنے سنہرے سڈول شہروں اور خاص سبھاؤ کے کارن آج بھی اُس دیہ میں سب سے ادھک الگ چمکتے ہیں۔ کہنے کو یہ سب ویدیشی ہیں۔

لیپک کا کہنا ہے کہ اُس کے بعد بھارت میں وہ لوگ آئے جنہوں نے آجکل کی بھارت کی کلاچر کو رپ دینے

میں شاہد سب سے ایک حصہ لیا۔ سن 712 عیسوی میں محمد بن قاسم کے ہاتھوں عربوں کا حملہ ہوا۔ ایک کے بعد ایک "مانو سیٹھا" کو چمکائے اور بڑھائے میں عربوں نے سب سے ایک سمجھداری کا حصہ لیا ہے۔ محمد صاحب کی مرتبہ کے اسی برس کے اندر یورپ میں سندھو ندی اور آکسس ندی سے لیکر پچھم میں اسپین پہلی انلانگ مہاساگر کے کنارے تک اور اتر میں کیپ سپین سندھ سے لیکر دکن میں نیل ندی تک کا سارا علاقہ عربوں کے آئینہ تھا۔ اس سارے علاقہ میں انہوں نے سب جگہ دنیا کی خوب رکشا کی اور اُس کو ایک جگہ سے لیکر دوسری جگہ پر چار کیا۔ انہوں نے یونانی فلسفہ اور یونانی دکان کی رکشا کی اور انہیں سارے یورپ میں پھیلایا۔ بھارت سے گلوٹ اور ویدک کو لیکر ان کی مدد سے انہوں نے یورپ کے گہاں کو بڑھایا۔ چھپ سے گائڈ اور چھاپنے کی کا کو لیکر انہوں نے دنیا بھر میں پھیلایا۔ دنیا اور دکان کے اس طرح پھیلنے سے بعد میں جو جو چمکار دیکھنے کو ملے وہ سب کو معلوم ہیں۔ یہ سب اچکل کی دنیا کو عربوں کی دین ہے۔

اس کے بعد جو مسلمان جانتیاں الگ الگ دیشوں سے بھارت میں آئیں اور پس گئیں انہوں نے بھی بھارت کی ملی جلی کلچر کو روپ دیا۔ میں بہت بڑا اور گہرا حصہ لیا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانیں اُس دیش میں آکر ایک بڑے درجہ تک بھارت کے رنگ میں رنگ گئیں۔ بہت سے باہر سے آئے والے مسلمانوں نے بھارت کی پہاڑوں اور بولوں میں لکھنا اور کاویہ رچنا کرنا شروع کیا۔ اتر میں کھڑی بولی کا ایک نیا روپ سامنے آیا جسے اردو کہا جاتا ہے۔ لائپ اور سوندریہ فصاحت اور بلاغت میں کھڑی بولی کا یہ نیا روپ پہلے کے روپ سے کہیں بڑھ گیا۔ ہندوں اور مسلمانوں دونوں نے ملکر کھڑی بولی کے اُس نئے روپ کو چمکایا۔ اردو کا اسلام دھرم سے کوئی خاص سمبندھ نہیں، یہ بولی بھارت سے باہر کسی بھی دوسرے دیش میں نہیں بولی جاتی۔ یہ سب بھارت واسیوں کی ملی جلی سیپتی ہے۔ دھیرے دھیرے ہندی گدیہ سادھتہ کی رچنا میں بھی ایں نے بہت بڑی مدد دی۔ اسلام کے ساتھ ساتھ مانو ایکٹا کی اپورو کلپنا نے ایں دیش میں جلم لیا۔ تصنیف یعنی ضنی وچاروں نے ایں دیش میں ایک نئی سماجی کرائنتی پیدا کر دی۔ کپور، نائک اور انیک اور سنت مہاتما اسی کرائنتی کی پیدوار اور اُس کے علم بردار تھے۔

اس کے بعد جو مسلمان جانتیاں الگ الگ دیشوں سے بھارت میں آئیں اور پس گئیں انہوں نے بھی بھارت کی ملی جلی کلچر کو روپ دیا۔ میں بہت بڑا اور گہرا حصہ لیا۔ فارسی اور عربی دونوں زبانیں اُس دیش میں آکر ایک بڑے درجہ تک بھارت کے رنگ میں رنگ گئیں۔ بہت سے باہر سے آئے والے مسلمانوں نے بھارت کی پہاڑوں اور بولوں میں لکھنا اور کاویہ رچنا کرنا شروع کیا۔ اتر میں کھڑی بولی کا ایک نیا روپ سامنے آیا جسے اردو کہا جاتا ہے۔ لائپ اور سوندریہ فصاحت اور بلاغت میں کھڑی بولی کا یہ نیا روپ پہلے کے روپ سے کہیں بڑھ گیا۔ ہندوں اور مسلمانوں دونوں نے ملکر کھڑی بولی کے اُس نئے روپ کو چمکایا۔ اردو کا اسلام دھرم سے کوئی خاص سمبندھ نہیں، یہ بولی بھارت سے باہر کسی بھی دوسرے دیش میں نہیں بولی جاتی۔ یہ سب بھارت واسیوں کی ملی جلی سیپتی ہے۔ دھیرے دھیرے ہندی گدیہ سادھتہ کی رچنا میں بھی ایں نے بہت بڑی مدد دی۔ اسلام کے ساتھ ساتھ مانو ایکٹا کی اپورو کلپنا نے ایں دیش میں جلم لیا۔ تصنیف یعنی ضنی وچاروں نے ایں دیش میں ایک نئی سماجی کرائنتی پیدا کر دی۔ کپور، نائک اور انیک اور سنت مہاتما اسی کرائنتی کی پیدوار اور اُس کے علم بردار تھے۔

تھرہ تھرہ کی کلا اور کاریگری میں بھی اس دیش کے اندر اسلام کے آنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔ عمارتوں کے بنانے میں مہل کا اُس سے تک کی سب سے

طرح طرح کی کا اور کاریگری میں بھی ایں دیش کے اندر اسلام کے آنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی جان پیدا ہو گئی۔ عمارتوں کے بنانے میں مہل کا اُس سے تک کی سب سے

شاندار اور سب سے سندر کا تھی۔ نئے تھانگ کی میناریں اور نئے گمبد، محرابیں، محل، قلعے اور مسجدیں، سندر مقبرے، باغ اور نئی نئی طرح کے پھل اور پھول دیس بہر میں دکھائی دیئے گئے۔ آگرے کا تاج بہارت کے مستک پر جھومر کی طرح چمکے لگا اور دنیا بہر کی سندر سے سندر عمارتوں میں گنا جانے لگا۔ میل چتر کا اپنے پرانے نمونے ایرانی چتر کا سے سندرنا میں کہیں بڑھ گئی۔ سنگیت میں بھی اُس زمانے کی دین اُنکی ہی گہری تھی۔ نئے راگوں اور نئی نئی لہروں نے بہارت کے سنگیت میں چار چاند لگا دیئے۔

شری بھگوت شرمن اپادھیائے کا کہنا ہے کہ سمرات اکبر کی دھارمک اُدارنا کو دیکھ کر ہمیں سمرات اشوک کی پھر سے یاد آ جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے دین الہی کے اندر سب دھرموں کی بنیادی باتوں کو ملا دیئے کی کوشش میں اکبر سمے سے شاید تین سو برس پہلے پیدا ہو گیا تھا۔ مغلوں نے ہی بہارت کی راشتریہ پوشاک کو روپ دیا۔ روٹی اور نوا، کپول یہ درنہں شبد ہی باہر کے نہیں ہیں اُن کا اُپوگ بھی ہم نے آگتک مسلمانوں سے ہی سیکھا۔ آج روٹی شبد چھاتی کے معنی میں بھی اور سادھارن بھوجن کے معنے میں بھی بہارت کے کولے کولے میں بولا جاتا ہے۔

شری بھگوت شرمن کے انوسار یورپ والوں یا انگریزوں کی دین بھی ہندوستانی کلاچر کو اتنی کم نہیں ہیں۔ ہماری آجکل کی راشتریہ کی کلپنا، بہارت کے ایک دیس ہونے کا وچار، راجکاجی آزادی کا پریم، ہمارا آج کا سماجی جیون، ہمارے کل کارخانے، نیا وگیاں، ہماری پارلیمنٹ، ہماری راجکاجی سنسٹھائیں، ہماری شکشا، ہمارا ساہتیہ ان سب کے اسدر یورپ کا اثر ہمیں صاف چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ یورپ والوں کی فیت میں کہیں کہیں جو کچھ برائی رہی ہو، اور برائی گئی تھی، اس میں سندیہ نہیں کہ یورپ والوں نے ہی ہمارے بہت سے پرانے خزانوں کو کھود کر ہمارے سامنے رکھا۔ انہوں نے ہی سمرات اشوک کے شالیہوں سے ہماری جانکاری کرائی۔ سیمڑوں ہرائیوں کے ہوتے ہوئے بھی ہندوستانی کلاچر کو اُن کی دین ایک استھانی دین ہے۔

انت میں شری بھگوت شرمن اپادھیائے نے سنسار کی کلاچر کو بہارت کی دین کی چرچا کی ہے۔ انہوں نے دکھایا ہے کہ بہارت نے ہمیشہ اپنے دل سے دوسروں سے لیا ہے اور اپنے دل سے دوسروں کو دیا ہے۔ اُن کی رائے میں مہاتما بدھ کے سمے سے لیکر مہاتما گاندھی تک اور آج تک دنیا میں شانسی قائم کرنے کے لئے بہارت کے پرتن کچھ کم کرد کی چیز نہیں ہیں۔ ابھی دنیا اتنی تیزی سے بدل رہی ہے کہ اُس پر آنکھوں کا ٹک سنا بھی کلہن ہے۔

دنیا اسنی چھوٹی ہو گئی ہے کہ ساری دنیا ہتلی پر رکھ کر ایک ساتھ دیکھی جاسکتی ہے۔ ”دنیا کے لئے یہ ایک شبہ نہیں ہے کہ اب ہم ساری دنیا کو دیکھ سکتے ہیں اور الگ الگ ٹکڑیوں سے آپر اٹھ کر سارے مانو سماج کو اپنا کر سکتے ہیں۔ پچھم نے باہر کی مادی ترستی میں کمال کیا ہے۔ پورب نے مادے کو ہی روحانی روپ دیا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ یہ دونوں ملکر ایک مٹو شریہ کو روپ دیں۔ بہارت اپنے ہر دن کو وشال کر کے ایک نیک اور ضروری کام میں دنیا کو بہت بڑی مدد دے سکتا ہے۔“ ہم شری بہکوت شرن آپادھیائے کو ان کے اُدار پریتنوں پر بدھائی دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اس سے کہیں ادھک بڑے گرنٹ کے روپ میں اپنی کوجوں اور ان کے نفعوں کو جلد سے جلد دیہی کے سامنے رکھ سکیں۔

—سندرلال۔

—سندرلال۔

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7. 8. 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be wide'y known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do not better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to the lighty mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

چینی علاج کی کہانی

چینی علاج کی کہانی

شری لی تاؤ

شری لی تاؤ

پ्राचीन समय में अनेक बार दवाएं तैयार करने में, उन्हें बरतने में और जर्सीही यानी चीर फाड़ की बिद्या में चीन दुनिया का रास्ता बिखता रहा है. लेकिन सामन्तशाही यानी खानदानी राजाओं और सरदारों का राज हमारे यहां इतने अधिक दिनों तक रहा कि उसके कारण जनता में बल न आ सका और हमारी प्राचीन वैद्यक बिद्या का बढ़ना रुक गया. उसके बाद हमारे राजकाजी और कलचरी जीवन पर देशी और बिदेशी सम्राजशाही का जोर रहा जिससे हमारे देश के नई तालीम पाए हुए डाक्टरों ने देश की पुरानी वैद्यक बिद्या की तरफ से बेपरवाही की.

फिर भी चीन की पुरानी वैद्यक बिद्या बराबर जारी रही. उसके अनुसार इलाज करने वाले हकीम लाखों और करोड़ों जनता की सेवा करते रहे हैं और उन्हें अच्छा करते रहे हैं. सन् 1949 से, जब से हमारा मुल्क आजाद हुआ है, बहुत से उसूल जिन्हें हमारी पुरानी वैद्यक बिद्या ने मान रखा था और उसके इलाज के तरीके साइंसी ढङ्ग से परखे जा चुके हैं और आजकल के उन्नत से उन्नत बिचारों के अनुसार ठीक साबित हो चुके हैं. इस तरह हमारी पुरानी वैद्यक बिद्या की महान उपयोगिता साबित हो चुकी है.

आजकल के चीन में पुराने ढङ्ग से इलाज करने वाले लोग और नए ढङ्ग से सीखे हुए डाक्टर दोनों मौजूद हैं. दोनों मिलकर काम करते हैं और दोनों एक दूसरे से सीखते हैं. पर चीनी वैद्यक बिद्या और बाकी दुनिया के इलाज के तरीके इन दोनों के बीच सदियों से एक खाई पैदा हो गई है. इस खाई पर जिस दिन एक पुल बन जायगा तो हमें बिश्वास है कि उससे चीनी जनता की तन्दुरुस्ती को और सारे मानव समाज की तन्दुरुस्ती दोनों को बड़ा लाभ होगा.

चीन की वैद्यक बिद्या कितनी पुरानी है इसका अन्दाजा इस बात से लग सकता है कि चीन में ईसा से तेरह सौ बरस पहले के इस तरह के लेख हड्डियों पर मिले हैं जिनमें आदमी की बहुत सी बीमारियों का जिक्र और उनका ययान दिया हुआ है. इसके थोड़े दिनों बाद का एक ग्रंथ The Book of Rites (रिवाजों की किताब) मौजूद है जिसमें अलग अलग रंगों के लिये दवाओं, जर्सीही, ताकत की दवाओं, शक्ति देने वाले खानों और जानवरों

प्राचीन समे में अनेक बार दوائیں تیار کرتے ہیں، برتنہ میں اور جراحی یعنی چیر پھاڑ کی ودیا میں چین دنیا کو راستہ دکھاتا رہا ہے۔ لیکن سامنت شاہی یعنی خاندانی راجاؤں اور سرداروں کا راج ہمارے یہاں اتنے ادھک دنوں تک رہا کہ اس کارن جنتا میں بل نہ آسکا اور ہماری پراچین ویدیک ودیا کا بڑھنا رگ گیا۔ اس کے بعد ہمارے راج کلجی اور تلچری چین پر دیشی اور ودیشی سامراج شاہی کا زور رہا جس سے ہمارے دیش کے نئے تعلیم پائے ہوئے ڈاکٹروں نے دیش کی پرانی ویدیک دریا کی طرف سے بے پرواہی کی۔

پھر بھی چین کی پرانی ویدیک ودیا برابر جاری رہی۔ اس کے انوسار علاج کرنے والے حکیم لاکھوں اور کروڑوں جنتا کی سہوا کرتے رہے ہیں اور انہیں اچھا کرتے رہے ہیں۔ سن 1949 سے جب سے ہمارا ملک آزاد ہوا ہے، بہت سے اصول جنہیں ہماری پرانی ویدیک ودیا نے مان رکھا تھا اور اس علاج کے طریقہ سائنسی تھنگ سے پرکھے جا چکے ہیں اور آجکل کے آنت سے آنت دچاروں کے انوسار ٹھیک ثابت ہو چکے ہیں۔ اس طرح ہماری پرانی ویدیک ودیا کی مہان آپہرگتا ثابت ہو چکی ہے۔

آجکل کے چین میں پرانے تھنگ سے علاج کرنے والے لوگ اور نئے تھنگ سے سیکھے ہوئے ڈاکٹر دونوں موجود ہیں۔ دونوں ملکر کام کرتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔ پر چینی ویدیک ودیا اور ہائی دنیا کے علاج کے طریقہ ان دونوں کے بیچ صدیوں سے ایک کھائی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کھائی پر جس دن ایک پل بن جائیگا تو ہمیں رشواس ہے کہ اس سے چینی جنتا کی تندرستی کو اور سارے مانو سماج کی تندرستی دونوں کو بہت بڑا लाभ ہوگا۔

چین کی ویدیک ودیا کتنی پرانی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگ سکتا ہے کہ چین میں عیسیٰ سے تیرہ سو برس پہلے کے اس طرح کے لیکے ہدیوں پر ملے ہیں جن میں آدمی کی بہت سی بیماریوں کا ذکر اور انکا بیان دیا ہوا ہے۔ اس کے تہوڑے دنوں بعد کا ایک گرنتہ The Book of Rites (راجوں کی کتاب) موجود ہے جس میں الگ الگ روگوں کے لئے دواؤں، جراحی، طاقت کی دواؤں، شکتی دینے والے کھانوں اور جانوروں

کی بیماریوں کے علاج کا بیان ہے۔ اسی زمانہ کی ایک اور کتاب The Book of Odes (گیتوں کا संग) ہے جس میں سو سے زائد جڑی بوٹیوں اور دواؤں کو بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد چین کے الگ الگ حصوں میں تجارت بڑھتی گئی اور چینی ویدک دوا بھی تجارت کے ساتھ ساتھ دیکھ میں پہنچتی گئی۔ ان دنوں چینی وید ایک طرح کی پتھر کی چھری سے ہڈیوں کو چھرتے تھے۔ اس چھری کو ”پین شیہ“ کہتے تھے۔ روگوں کے علاج کے لئے وہ طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کو کام میں لاتے تھے۔ دواؤں اور چھری کے علاوہ ان دنوں کے علاج کے دو طریقہ خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک طریقہ میں لمبی پتلی دھات کی سونڈوں کے ذریعہ ان سونڈوں کو جسم کے اندر داخل کر کے آدمی کی سست پڑی ہوئی نسیں کو پھر سے جگایا اور ٹھیک کیا جاتا ہے۔ یہ علاج الگ الگ بیماریوں کے لئے شریروں کے الگ الگ حصوں پر کیا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں ایکوپنچر (Acupuncture) کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہے خاص طرح کی بوٹیوں کو جلا کر ان سے جسم کے کسی خاص حصہ کو سینکا۔ اس سے بھی نسیں میں جان آجاتی ہے پر ہال کو نقصان نہیں پہنچنے پاتا۔ اسے انگریزی میں موکسیشن (Moxibustion) کہتے ہیں۔ یہ دونوں طریقہ عیسوی سے بارہ سو برس پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ اور آج تک چین کے سرکاری اسپتالوں تک میں بہت سے روگوں کو اچھا کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ روگوں کے علاج کے لئے شریروں کی مالش بھی ان دنوں طرح طرح سے کی جاتی ہے۔

اسی سے پانچ سو برس پہلے چین میں عام وید ایک ہوتے تھے جو جنتا کا علاج کرتے تھے اور درباری وید الگ ہوتے تھے جو سمرات اور ان کے گھر والوں کا علاج کرتے تھے۔ روگ کا پتا ان دنوں روگی کے سانس لینے کے ڈھنگ سے، اس کے چہرے کے رنگ سے اور اس کی آواز سے لگایا جاتا تھا۔

عیسیٰ سے پانچ سو برس پہلے چین کے ایک مشہور حکیم ہون چو۔ ایچ نے دنیا میں پہلی بار نبض (ناڑی) سے روگ کا پتہ لگانے کا طریقہ ایجاد کیا۔ دنیا کی ویدک دوا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ نبض یعنی ناڑی سے روگ کے پتا لگانے کا طریقہ چھٹی صدی عیسوی میں چین سے کوریا اور وہاں سے جاپان پہنچا۔ نویں صدی عیسوی میں یہ طریقہ عرب پہنچا۔ مشہور مسلم حکیم بوعلی ابو سینا نے دسویں صدی عیسوی میں ویدک کے اوپر اپنی مشہور کتاب لکھی جس میں اس نے نبض سے روگوں کا پتا لگانے کی چھٹی کی۔ بوعلی کی یہ کتاب اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے سب حکیموں اور

اس کے بعد چین کے الگ الگ حصوں میں تجارت بڑھتی گئی اور چینی ویدک دوا بھی تجارت کے ساتھ ساتھ دیکھ میں پہنچتی گئی۔ ان دنوں چینی وید ایک طرح کی پتھر کی چھری سے ہڈیوں کو چھرتے تھے۔ اس چھری کو ”پین شیہ“ کہتے تھے۔ روگوں کے علاج کے لئے وہ طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کو کام میں لاتے تھے۔ دواؤں اور چھری کے علاوہ ان دنوں کے علاج کے دو طریقہ خاص طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک طریقہ میں لمبی پتلی دھات کی سونڈوں کے ذریعہ ان سونڈوں کو جسم کے اندر داخل کر کے آدمی کی سست پڑی ہوئی نسیں کو پھر سے جگایا اور ٹھیک کیا جاتا ہے۔ یہ علاج الگ الگ بیماریوں کے لئے شریروں کے الگ الگ حصوں پر کیا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں ایکوپنچر (Acupuncture) کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ ہے خاص طرح کی بوٹیوں کو جلا کر ان سے جسم کے کسی خاص حصہ کو سینکا۔ اس سے بھی نسیں میں جان آجاتی ہے پر ہال کو نقصان نہیں پہنچنے پاتا۔ اسے انگریزی میں موکسیشن (Moxibustion) کہتے ہیں۔ یہ دونوں طریقہ عیسوی سے بارہ سو برس پہلے سے چلے آ رہے ہیں۔ اور آج تک چین کے سرکاری اسپتالوں تک میں بہت سے روگوں کو اچھا کرنے کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ روگوں کے علاج کے لئے شریروں کی مالش بھی ان دنوں طرح طرح سے کی جاتی ہے۔

عیسیٰ سے پانچ سو برس پہلے چین کے ایک مشہور حکیم ہون چو۔ ایچ نے دنیا میں پہلی بار نبض (ناڑی) سے روگ کا پتہ لگانے کا طریقہ ایجاد کیا۔ دنیا کی ویدک دوا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ نبض یعنی ناڑی سے روگ کے پتا لگانے کا طریقہ چھٹی صدی عیسوی میں چین سے کوریا اور وہاں سے جاپان پہنچا۔ نویں صدی عیسوی میں یہ طریقہ عرب پہنچا۔ مشہور مسلم حکیم بوعلی ابو سینا نے دسویں صدی عیسوی میں ویدک کے اوپر اپنی مشہور کتاب لکھی جس میں اس نے نبض سے روگوں کا پتا لگانے کی چھٹی کی۔ بوعلی کی یہ کتاب اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے سب حکیموں اور

ڈاکٹریں کو پکارے جاتی تھیں اور یورپی ڈاکٹری کی جوتیا کی کتاب مانی جاتی تھی۔ ہندستان کی ویدک کی کتابوں میں توہوں صدی عیسوی سے پہلے نبض دیکھنے کا ذکر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان نے بھی نبض دیکھنے کا طریقہ چین ہی سے لیا۔

چین کی پुरانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس زمانے کا ایک چینی راجہ بیمار پڑا۔ وہ بہوش ہو گیا۔ دربار کے ویدوں نے کہہ دیا کہ راجہ مرنے والا ہے۔ پین چو نے نبض دیکھ کر بتا دیا کہ راجہ ابھی زندہ ہے۔ اس نے علاج کیا اور راجہ بچ گیا۔

پین چو نے چین کی مختلف ریاستوں میں گیا۔ اس نے سب جگہ کے حکمرانوں کا مشورہ کیا۔ اس سے پہلے چین میں کئی جگہ رگوں کا علاج جندو ٹونوں سے کیا جاتا تھا۔ پین چو نے اسی طرح کے اسدہ و شواہوں کا کڑا وردہ کیا اور سائنسی دسک سے شریعہ کے الگ الگ اصول اور ان کے کاموں کے انوسار علاج کے طریقہ پر کتابیں لکھیں۔

عیسیٰ سے دو صدیوں پہلے سارے چین پر پہلی بار ایک راجہ فام ہوا۔ چینی ویدک دیا ہے اب اور تیزی کے ساتھ ترقی دینی شروع کی۔ عیسوی سے چھبیس برس پہلے لی۔ چو۔ کوؤ نام کے ایک چینی حکیم نے بہت سی پرانی چینی کتابوں کو دہرایا۔ ان میں ایک مشہور کتاب 'ہووانگ می نیٹی چنگ' ہسٹریز پر مشتمل ہے۔ چینی حکیموں کو کام دیتی رہی۔ اس کتاب نے ایک خاص بات یہ ہے کہ آجکل کے نئے نئے ڈاکٹری اصول کے انوسار یہ دباہ روک کے پیدا ہو جاتے ہیں اس کا علاج کرنے کی نسبت روک کے پیدا ہونے ہی کو روکنے پر ادھک زور دیتی ہے۔ اس کے انوسار آدمی کا شریعہ سارے وشو کا ایک حصہ ہے اور آدمی اور بھر ہی تبدیل ہونے کے انوسار اپنی عادیوں کو بھی بدلتا رہے تو وہ روک سے بچا رہ سکتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بیماری آجائے کے بعد اس کا علاج کرنا ایسا ہی ہے جیسا پیاس لگنے پر کدواں کھودنا یا لڑائی چھڑ جانے پر ہتھیار گھڑنا۔ بیماریوں کا علاج بیمار بڑے سے پہلے ہونا چاہئے اور اس کا طریقہ ہے ٹھیک جیون بتانا، ٹھیک طرح کا کھانا کھانا، ٹھیک طرح سے کام اور آرام کرنا، اور اپنے دل اور دماغ دونوں کو سدا شانت رکھنا۔

ایک اور پرانی کتاب 'شین ننگ بین تسائو چنگ' ہے جو عیسوی سے نیک بھگ ایک سو برس پہلے لکھی گئی۔ اس میں تین سو سے اوپر دواؤں اور ان کے استعمال کی چرچا

ڈاکٹریوں کو پڑھائی جاتی تھی اور یورپی ڈاکٹری کی کتاب مانی جاتی تھی۔ ہندستان کی ویدک کی کتابوں میں توہوں صدی عیسوی سے پہلے نبض دیکھنے کا ذکر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان نے بھی نبض دیکھنے کا طریقہ چین ہی سے لیا۔

چین کی پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس زمانے کا ایک چینی راجہ بیمار پڑا۔ وہ بہوش ہو گیا۔ دربار کے ویدوں نے کہہ دیا کہ راجہ مرنے والا ہے۔ پین چو نے نبض دیکھ کر بتا دیا کہ راجہ ابھی زندہ ہے۔ اس نے علاج کیا اور راجہ بچ گیا۔

پین چو نے چین کی مختلف ریاستوں میں گیا۔ اس نے سب جگہ کے حکمرانوں کا مشورہ کیا۔ اس سے پہلے چین میں کئی جگہ رگوں کا علاج جندو ٹونوں سے کیا جاتا تھا۔ پین چو نے اسی طرح کے اسدہ و شواہوں کا کڑا وردہ کیا اور سائنسی دسک سے شریعہ کے الگ الگ اصول اور ان کے کاموں کے انوسار علاج کے طریقہ پر کتابیں لکھیں۔

عیسیٰ سے دو صدیوں پہلے سارے چین پر پہلی بار ایک راجہ فام ہوا۔ چینی ویدک دیا ہے اب اور تیزی کے ساتھ ترقی دینی شروع کی۔ عیسوی سے چھبیس برس پہلے لی۔ چو۔ کوؤ نام کے ایک چینی حکیم نے بہت سی پرانی چینی کتابوں کو دہرایا۔ ان میں ایک مشہور کتاب 'ہووانگ می نیٹی چنگ' ہسٹریز پر مشتمل ہے۔ چینی حکیموں کو کام دیتی رہی۔ اس کتاب نے ایک خاص بات یہ ہے کہ آجکل کے نئے نئے ڈاکٹری اصول کے انوسار یہ دباہ روک کے پیدا ہو جاتے ہیں اس کا علاج کرنے کی نسبت روک کے پیدا ہونے ہی کو روکنے پر ادھک زور دیتی ہے۔ اس کے انوسار آدمی کا شریعہ سارے وشو کا ایک حصہ ہے اور آدمی اور بھر ہی تبدیل ہونے کے انوسار اپنی عادیوں کو بھی بدلتا رہے تو وہ روک سے بچا رہ سکتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ بیماری آجائے کے بعد اس کا علاج کرنا ایسا ہی ہے جیسا پیاس لگنے پر کدواں کھودنا یا لڑائی چھڑ جانے پر ہتھیار گھڑنا۔ بیماریوں کا علاج بیمار بڑے سے پہلے ہونا چاہئے اور اس کا طریقہ ہے ٹھیک جیون بتانا، ٹھیک طرح کا کھانا کھانا، ٹھیک طرح سے کام اور آرام کرنا، اور اپنے دل اور دماغ دونوں کو سدا شانت رکھنا۔

ایک اور پرانی کتاب 'شین ننگ بین تسائو چنگ' ہے جو عیسوی سے نیک بھگ ایک سو برس پہلے لکھی گئی۔ اس میں تین سو سے اوپر دواؤں اور ان کے استعمال کی چرچا

کی گئی ہے۔ دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کھال کی بیماریوں کے لیے پارے اور گंधک کا इस्तेمال बताया गया है। इन बीमारियों के लिए यह इलाज अरब और हिन्दुस्तान में इसके एक हजार बरस बाद चला और यूरोप में सोलहवीं सदी ईसवी से जारी हुआ।

दूसरी सदी ईसवी में चाँग चुंग-चिंग नाम के एक हकीम ने तरह तरह के बुखारों पर एक किताब लिखी जिसका नाम 'शाँग हान लुन' है। उसी ने वैद्यक विद्या के बुनियादी उसूलों पर एक और किताब लिखी जिसका नाम 'चिंग कुए याआ लुएह' है। इन दोनों किताबों से चीन की वैद्यक विद्या में बहुत बड़ी तरक्की हुई। इनमें तरह तरह के बुखारों और दूसरी बीमारियों के लिये अलग अलग नुसखे दिये हुए हैं। इसमें दुखार के इलाज के लिये, दस्त लाने के लिये, पेटाव लाने के लिये, क़ै कराने के लिये, ठंडक पैदा करने के लिये, गरमी लाने के लिये, हाजमा ठाक करने के लिये और दस्तों को रोकने के लिये लगभग अस्सी इस तरह के नुसखे दिये हुए हैं जो आज तक चीनी डाक्टरों को बहुत बड़ा काम देते हैं और उनके इलाज के तरीकों का बुनियाद कहे जा सकते हैं। 'शाँग हान लुन' का प्रचार कोरिया और जापान में भी खूब हुआ और उसके द्वारा वहां के लोगों की तन्दुरुस्ती का बहुत बड़ा फ़ायदा पहुँचा।

जराही यानी चार फाड़ की विद्या ने भी प्राचीन चीन में काफी तरक्की की थी। ईसा की सदा का एक मशहूर हकीम 'हुआ तो' दवा के ज़ारिये यह प्रबन्ध करके कि रागी का पीड़ा अनुभव न हाने पावे, पेट के बड़े बड़े आपरेशन (Major abdominal operations) कर लेता था। अताइया के पीड़ा का इलाज करने के लिये वह क़ै की दवाएँ देता था और जख्मों का तरह तरह का इलाज वह पानी से करता था। आदमी के तन्दुरुस्त रहने के लिये उसने एक नई तरह की कसरत ईजाद की थी जिसमें पाँच तरह के जानवरों की चालें शामिल थीं—चीता, बारहसिंगा, रीछ, बन्दर और बिड़िया। इस कसरत के ज़ारिये वह पुरानी पुरानी बीमारियों को अच्छा कर लेता था।

चीन के दुर्भाग्य से उस ज़माने के एक अन्यायी शासक ने हुआ-तो को पकड़ कर फांसी पर लटका दिया जिसके बाद उसकी लिखी हुई बहुत सी किताबें सदा के लिये नष्ट हो गईं।

इसके बाद की सदियों में बौद्ध धर्म के चीन पहुँचने के बाद प्राचीन ताओ धर्म के लोगों ने बहुत सी पुरानी चीनी वैद्यक किताबों का फिर से सम्पादन किया। बौद्ध धर्म के लोगों ने भारत की बहुत सी वैद्यक किताबों का चीनी में अनुवाद किया। जीवक और सुश्रुत की मशहूर संस्कृत किताबों का उसी समय चीनी में अनुवाद हुआ। इस तरह भारत की वैद्यक विद्या और चीनी वैद्यक विद्या दोनों चीन में मिल

की गئی ہے۔ دنیا میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں کھال کی بیماریوں کے لیے پارے اور گंधک کا استعمال बताया گیا ہے۔ ان بیماریوں کے لیے یہ علاج عرب اور ہندستان میں اس کے ایک ہزار برس بعد چلا اور یورپ میں سولہویں صدی عیسوی سے جاری ہوا۔

دوسری صدی عیسوی میں چانگ چونگ جنگ نام کے ایک حکیم نے طرح طرح کے بخاروں پر ایک کتاب لکھی جس کا نام 'شانگ ہان لن' ہے۔ اسی نے ویدیک ویدیا کے بنیادی اصولوں پر ایک اور کتاب لکھی جس کا نام چنگ کوئے باؤ لو ایہہ' ہے۔ ان دونوں کتابوں سے چین کی ویدیک ویدیا میں بہت بڑی ترقی ہوئی۔ ان میں طرح طرح کے بخاروں اور دوسری بیماریوں کے لئے الگ الگ نسخے دیئے ہوئے ہیں۔ اس میں بخار کے علاج کے لئے دست لانے کے لئے، پیشاب لانے کے لئے، قے کرانے کے لئے، تھنڈک پیدا کرنے کے لئے، گرمی لانے کے لئے، ہاضمہ ٹھیک کرنے کے لئے اور دستوں کو روکنے کے لئے لگ بھگ اسی طرح کے نسخے دیئے ہوئے ہیں جو آج تک چینی ڈاکٹروں کو بہت بڑا کام دیتے ہیں اور ان کے علاج کے طریقوں کی بنیاد کہہ جا سکتے ہیں۔ 'شانگ ہان لن' کا پرچار کوریا اور جاپان میں بھی خوب ہوا اور اس کے دوارا وہاں کے لوگوں کی تندرستی کو بہت بڑا فائدہ پہونچا۔

جراحی یعنی چیر پھار کی ویدیا نے بھی پراچین چین میں کافی ترقی کی تھی۔ عیسوی کی شروع کی صدی کا ایک مشہور حکیم 'ہوانو' دواؤں کے ذریعہ یہ پر بندھ کر کے کہ روگی کو بڑا انبوہ نہ ہونے پاوے، پٹ کے بڑے بڑے آپریشن (Major abdominal operations) کر لیتا تھا۔ انتقروں کے کھڑوں کا علاج کرنے کے لئے وہ قے کی دوائیں دیتا تھا اور زخموں کا طرح طرح کا علاج وہ پانی سے کرنا تھا۔ آدمی کے تندرست رہنے کے لئے اس نے ایک نئی طرح کی کسرت ایجاد کی تھی جس میں پانچ طرح کی جانوروں کی چالیں شامل تھیں—چیٹا، بارہ سنگا، ریسچا، بندر اور چڑیا۔ اس کسرت کے ذریعہ وہ پرانی پرانی بیماریوں کو اچھا کر لیتا تھا۔

چین کے دریا گدھ سے اس زمانے کے ایک آئیٹائی شاسک نے ہوانو کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا جس کے بعد اس کی لکھی ہوئی بہت سی کتابیں سدا کے لئے نشت ہو گئیں۔

اس کے بعد کی صدیوں میں ہودہ دھرم کے چین پہونچنے کے بعد پراچین تاؤ دھرم کے لوگوں نے بہت سی پرانی چینی ویدیک اور کتابوں کا پھر سے سپہان کیا۔ ہودہ دھرم کے لوگوں نے بھارت کی بہت سی ویدیک کتابوں کا چینی میں انواں کیا۔ چیوک اور سو شروت کی مشہور سنسکرت کتابوں کا اسی سلسلہ چینی میں انواں ہوا۔ اس طرح بھارت کی ویدیک ویدیا اور چینی ویدیک ویدیا دونوں چین میں مل

گئی۔ اسکا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ عیسوی سے سو برس پہلے کی لکھی ہوئی 'چینی' کتب 'شین ننگ پین تساو چنگ' کو پانچسویں عیسوی کے ایک بیگ جب دہرایا گیا تو تین سو دواؤں کی جگہ اب اس میں چھ سو سے آدھ دواؤں درج ہو گئیں۔

ساتویں صدی عیسوی سے نویں صدی عیسوی تک یورپ میں ایسی اندھکار (Dark ages) کا زمانہ تھا۔ بھارت ان دنوں بہت سی چوٹی چوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ اس سئمے ویدک ویدیا کی نگاہ سے چین دنیا کا کیلندر تھا۔ عرب 'کریا' جاپان اور دوسرے دیشوں سے بڑے بڑے دواؤں ویدک پڑنے کے لئے چین آتے تھے اور چوٹی حکیم تعلیم دینے کے لئے باہر کے دیشوں میں بلائے جاتے تھے۔ اس سے پہلے جاپان میں روگن کا علاج جادو ٹونوں سے ہوتا تھا۔ چینی ویدک ویدیا نے وہاں پہونچکر لوگوں کو ان اندھ وشواسوں سے آزاد کیا اور علاج کا ٹھیک طریقہ بتایا۔ اس نئے طریقہ کا جاپان میں بڑا آدر ہوا۔

دنیا بھر میں ویدک کا سب سے پہلا ویدالیہ (First Medical School) ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں چین میں قائم ہوا۔ اس کا نام 'ویدیکوں کا شاہی ویدالیہ' تھا۔ 'تلی' کا 'سالیونو میڈیکل اسکول' اس کے دو سو برس بعد قائم ہوا، جو یورپ کا سب سے پہلا میڈیکل اسکول تھا۔ اس چینی ویدک ویدالیہ کے قائم ہونے سے پہلے کے چین کے حکیم اپنے اپنے شاگردوں کو ساتھ رکھکر ہی ویدک سکھایا کرتے تھے۔

چین کے اس شاہی ویدالیہ میں ویدک کے چار محکمے تھے جن میں ایک بیگ سارے تین سو ویدارتھی شکشا پاتے تھے۔ ان چار محکموں میں دواؤں کے علاوہ وہ چدر پھاڑ، کن، ناک، منہ اور دانت کے روگن کا علاج اور دوائیں بنانا آدی سب سکھایا جاتا تھا۔ سرکار کی منظور کی ہوئی نتائیں پڑھائی جاتی تھیں اور ویدارتھیں کو تین سال سے ایک سو سات سال تک تعلیم دی جاتی تھی۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

چین میں روگنوں کے لئے سب سے پہلا اسپتال پانچسویں عیسوی میں قائم ہوا۔ کارن یہ تھا کہ ان دنوں چین کے شانس پرانت میں کوئی ایک بیماری پھول گئی تھی۔ اس کے بعد کی صدیوں میں اور ادھک اسپتال کھلتے گئے۔ دھیرے دھیرے راج کی طرف سے غریبوں کے لئے بہت سے اسپتال کھل گئے۔ کوزھوں کے لئے ہی چین میں کوئی اسپتال ہلے۔

کو دھرایا۔ اسی সময় چین میں جاننے کی کلا بڑھادی گئی جسکی بدولت چین کا بھارت ساہتیہ دیش ہر میں خوب پھیل گیا۔

دسویں سدی عیسوی سے چودھویں سدی عیسوی تک چین، عرب اور پورے یورپ کے دیشوں میں جانا جانا بڑھتا ہوا۔ ان سب دیشوں میں تجارت بھی خوب ہونے لگی۔ چینی ویدک دنیا اُن دنوں ہی یورپ پہونچتی۔ اِس اُنے جانے کے کارن چینی ویدک دنیا میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ادرک، (چائنا روٹ) کاسیا (Cassia)، رھاب (Rhubarb) چین سے دوسرے دیشوں کو پہونچے۔ چینی ویدک دنیا کے اس سے لگ بھگ تیرہ الگ الگ دھاک بن گئے جن میں دواؤں کا دھاک، چتر پھاڑ، استریوں کی بیماریاں، آنکھ، اور گلے کی بیماریاں، نسوں کو سونپنے سے ٹھیک کرنا اسی الگ الگ دھاک سمجھے جانے لگے۔ نسوں کی بیماریاں (نروس ڈیپریژن) کو سونپنے سے ٹھیک کرنے کا طریقہ جسے acupuncture کہتے ہیں چین کا پرانا طریقہ ہے جو آج تک چینی اسپتالوں میں خوب کام میں لایا جاتا ہے۔ پندرہویں سدی کے شروع میں چین کے بنے ہوئے جہاز چین سے دکن کے دیشوں اور یورپ تک خوب آتے جاتے تھے اور چینی دوائیں اُن دنوں یورپ میں خوب بکتی اور استعمال کی جاتی تھیں۔

سولہویں سدی میں چینی حکیموں کا دھیان چھک کی بیماری کو روکنے کی طرف گیا۔ پچاس سے زائد کتابیں اس پر لکھی گئیں۔ ایک خاص محکمہ اس بیماری کے لئے قائم ہوا۔ اسی سدی میں چینی حکیموں نے چھک کا ایک طرح کا ٹیکہ ایجاد کیا۔ چھک کے دانوں میں سے مباد نکال کر اسے سوتا لیا جاتا تھا اور پھر اسے با تو فوکنی کے زریعے آدمی کے نالوں میں پھونکا جاتا تھا یا روئی پر رکھ کر نالوں کے اوپر رکھ دیا جاتا تھا، تاکہ سانس کے ساتھ اندر چلا جاوے۔ جن لوگوں کے ساتھ یہ کیا جاتا تھا وہ پھر چھک کے دھلے سے بچ جاتے تھے۔ یعنی آجکل کے چھک کے ٹیکے کی طرح یہ بھی تندرست آدمی کو چھک کے دھلے سے بچانے کے لئے ایک طریقہ تھا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں میں یہ طریقہ سارے چین میں پھیل گیا۔ سترہویں سدی میں روس سے کچھ حکیموں نے چین آکر اِس طریقہ کو سیکھا۔ روس سے اِس کا رواج ترکی میں پھلا۔ سن 1717 میں انگریزوں نے اِسے ترکی سے سیکھا۔ اِس کے اسی برس بعد یورپ میں جینرلے گائے کی چھک کے مواد سے ٹیکہ لگائے کا وہ طریقہ نکالا جو آج تک جاری ہے۔ اِس طرح آجکل کے چھک کا ٹیکہ پرانے چینی طریقہ سے ہی نکالا ہے اور اُس کا ایک سدھارا ہوا روپ ہے۔

دسویں سدی عیسوی سے چودھویں سدی عیسوی تک چین، عرب اور پورے یورپ کے دیشوں میں جانا جانا بڑھتا ہوا۔ ان سب دیشوں میں تجارت بھی خوب ہونے لگی۔ چینی ویدک دنیا اُن دنوں ہی یورپ پہونچتی۔ اِس اُنے جانے کے کارن چینی ویدک دنیا میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ ادرک، (چائنا روٹ) کاسیا (Cassia)، رھاب (Rhubarb) چین سے دوسرے دیشوں کو پہونچے۔ چینی ویدک دنیا کے اس سے لگ بھگ تیرہ الگ الگ دھاک بن گئے جن میں دواؤں کا دھاک، چتر پھاڑ، استریوں کی بیماریاں، آنکھ، اور گلے کی بیماریاں، نسوں کو سونپنے سے ٹھیک کرنا اسی الگ الگ دھاک سمجھے جانے لگے۔ نسوں کی بیماریاں (نروس ڈیپریژن) کو سونپنے سے ٹھیک کرنے کا طریقہ جسے acupuncture کہتے ہیں چین کا پرانا طریقہ ہے جو آج تک چینی اسپتالوں میں خوب کام میں لایا جاتا ہے۔ پندرہویں سدی کے شروع میں چین کے بنے ہوئے جہاز چین سے دکن کے دیشوں اور یورپ تک خوب آتے جاتے تھے اور چینی دوائیں اُن دنوں یورپ میں خوب بکتی اور استعمال کی جاتی تھیں۔

سولہویں سدی میں چینی حکیموں کا دھیان چھک کی بیماری کو روکنے کی طرف گیا۔ پچاس سے زائد کتابیں اس پر لکھی گئیں۔ ایک خاص محکمہ اس بیماری کے لئے قائم ہوا۔ اسی سدی میں چینی حکیموں نے چھک کا ایک طرح کا ٹیکہ ایجاد کیا۔ چھک کے دانوں میں سے مباد نکال کر اسے سوتا لیا جاتا تھا اور پھر اسے با تو فوکنی کے زریعے آدمی کے نالوں میں پھونکا جاتا تھا یا روئی پر رکھ کر نالوں کے اوپر رکھ دیا جاتا تھا، تاکہ سانس کے ساتھ اندر چلا جاوے۔ جن لوگوں کے ساتھ یہ کیا جاتا تھا وہ پھر چھک کے دھلے سے بچ جاتے تھے۔ یعنی آجکل کے چھک کے ٹیکے کی طرح یہ بھی تندرست آدمی کو چھک کے دھلے سے بچانے کے لئے ایک طریقہ تھا۔ سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں میں یہ طریقہ سارے چین میں پھیل گیا۔ سترہویں سدی میں روس سے کچھ حکیموں نے چین آکر اِس طریقہ کو سیکھا۔ روس سے اِس کا رواج ترکی میں پھلا۔ سن 1717 میں انگریزوں نے اِسے ترکی سے سیکھا۔ اِس کے اسی برس بعد یورپ میں جینرلے گائے کی چھک کے مواد سے ٹیکہ لگائے کا وہ طریقہ نکالا جو آج تک جاری ہے۔ اِس طرح آجکل کے چھک کا ٹیکہ پرانے چینی طریقہ سے ہی نکالا ہے اور اُس کا ایک سدھارا ہوا روپ ہے۔

سن 1578 عیسوی میں مشہور چینی حکیم لی شہ چین

سن 1578 عیسوی میں مشہور چینی حکیم لی شہ چین

نے 27 برس کی लगाاتار سوج کے باءد چینی دواؤں پر 'پین ساسو کائو مو' نام کی کتاب لکھی۔ یہ کتاب نہ کھول چیلی ویدک ویدیا کی دواؤں کی سب سے بڑی کتاب ہے، بلکہ آجکل کی یورپیہ ڈاکٹری میں بھی اس نے بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس میں 1892 دواؤں کا ذکر ہے اور ان کے لگ بھگ دس ہزار نسخے درج ہیں۔ ان 1892 دواؤں میں سے 1094 ہنسپتی سے بنتی ہیں۔ ان کی سولہ قسمیں ہیں اور سولہ کی ہر سولہ قسمیں ہیں۔ کتاب میں ان سب ہنسپتیوں کے چتر بھی دیئے ہوئے ہیں۔ اس طرح ہنسپتی ویدیا یعنی ہائٹی کے پڑھنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اس چینی کتاب کا انورڈ لاطینی، فرانسیسی، روسی، انگریزی، جرمن اور جاپانی چھ بھاشاؤں میں ہو چکا ہے۔

ساترہویں صدی کے آخری میں چین میں مانچو خاندان کا راج شروع ہوا۔ مانچو سمرائوں نے ویدیشیوں کے اثر سے بچنے کے لئے باہر کے دیشوں سے تجارت اور آنا جانا بند کر دیا۔ یہ وہم یہاں تک بڑھا کہ جب چین کے کچھ جوتشیوں نے یورپ کی جوتش ویدیا میں کھوج کرنا چاہا تو انہیں یہ انسی پر لٹکا دیا گیا یا دیہی نکالا دے دیا گیا۔ ایک یورپیہ عیسائی پادری نے شریر ویدچھید ویدیا یعنی ایٹائسی پر ایک فرانسیسی کتب کا چینی میں ترجمہ کیا تو اس کتاب کا چلن چین میں قانوناً بند کر دیا گیا۔ چینی ویدک ویدیا کی بھی اُنٹلی رک گئی۔ کھول پرانی چیزوں پر بحثیں رہ گئیں۔ لگ بھگ تھائی سو برس کے مانچو شاسن میں چین آئے بڑھلے کے بجائے ہر طرح کیوں پیدچھے ہی کو ہٹتا رہا۔

یورپ کے سامراج وادی پونجی پتہوں نے زبردستی چین کے دروازے اپنے لئے کھولائے۔ سن 1840 میں چین کی مشہور 'اڈیم جنگ' کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے چین کے دو شہروں —سکاؤ اور کینٹن—میں اپنے اسپتال کھولے۔ پر اس سہم یورپ کی ڈاکٹری کسی طرح بھی چینی ڈاکٹری یا چیلی ویدک ویدیا سے بڑھی ہوئی نہیں تھی۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہونے لگیں جن سے کچھ سبب سے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڑھی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری 'اکریم جگ' کے جلالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسلئے چینییوں کے دلوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رہا۔

ڈاکٹر سونیاٹ سین کی اگواہی میں سن 1911 میں مانچو شاسن کا انت ہو گیا۔ سن 1912 میں چینی

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہونے لگیں جن سے کچھ سبب سے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڑھی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری 'اکریم جگ' کے جلالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسلئے چینییوں کے دلوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رہا۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہونے لگیں جن سے کچھ سبب سے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڑھی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری 'اکریم جگ' کے جلالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسلئے چینییوں کے دلوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رہا۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہونے لگیں جن سے کچھ سبب سے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڑھی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری 'اکریم جگ' کے جلالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسلئے چینییوں کے دلوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رہا۔

سن 1846 میں یورپ کی سرجری کے اندر ہتھ کا ہستہمال پہلی بار شروع ہوا۔ 1867 میں یورپ میں چیر فاڈ کے ساتھ کچھ نئے دواؤں ہستہمال ہونے لگیں جن سے کچھ سبب سے ن پاوے۔ اس کے باءد یورپ کی ویدک ویدیا نے کھاس ترکتکی کرنی شروع کی۔ چینییوں کے دلوں میں بھی یورپ کے چیر فاڈ کے तरीکوں کی کدور بڑھی۔ لکین چوکی یورپ کی یہ ڈاکٹری 'اکریم جگ' کے جلالیم ہملایوؤں کے ساتھ ساتھ آئی تھی اسلئے چینییوں کے دلوں میں اسکی طرف سے شک بربار بنا رہا۔

ڈاکٹر سن یات سین کی اگواہی میں سن 1911 میں مانچو شاسن کا انت ہو گیا۔ سن 1912 میں چینی

سرکار یو آئن شہ کاٹی نے کرائیواریوں کے ساتھ دغا کر کے دیہی کو یورپ کے سامراج وادیوں کا اور ادھک غلام بنا دیا۔ سرکاری لوگوں میں پرانی چینی ویدک ویدیا غیر سائنسی اور بچھڑی ہوئی سمجھی جاتے تھے۔ نئے سرکاری اسکول قائم ہوئے جن میں کٹر یورپ کی ڈاکٹری پڑھائی جاتی تھی۔ اس کے بعد چینگ کاٹی شیک کا زمانہ آیا۔ سن 1929 میں چینگ کاٹی شیک نے پرانے چینی طریقے سے علاج کرنا تک غور قانونی اعلان کر دیا۔ چینی حکیموں کے لئے اب کوئی جگہ نہ رہ گئی۔ لوگوں نے اس پر زبردست اعتراض کیا۔ جنتا کی اٹیجنا سے اور جنتا کے ساتھ ملکر تین سو چینی حکیموں نے کومن ٹانگ کی راجدھانی نانکنگ میں ایک بہت بڑا پردیشن کیا۔ کومن ٹانگ کو کچھ جھینا پڑا لیکن پھر بھی وہ چینی ویدک ویدیا کے راستے میں رکاوٹیں ہی ڈالتے رہے، انہوں نے اسے پنہانہ نہ دیا اور یورپیہ تھنگ کے ڈاکٹروں اور پرانے تھنگ کے چینی حکیموں کو ایک دوسرے سے لڑاتے رہے۔

سن 1949 میں نئے جناتا کی سرکار کرایم ہوئی۔ اس نے اسی وقت سے یورپیہ ڈاکٹری اور چینی ویدک کے بیچ کی کھائی کو پاٹنا شروع کیا۔ سن 1950 میں چین کی پہلی راشنری سوائسٹم کانفرنس ہوئی۔ اس نے یہ بنیادی اصول طے کیا کہ دونوں طرح کے علاج کے طریقوں سے پورا پورا نایدہ اٹھایا جاوے اور علاج کے ان طریقوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاوے جو غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کا بھلا کر سکیں اور جن میں روگ کے پیدا ہو جانے پر علاج کرنے کی نسبت روگوں کے پیدا نہ ہونے پر زیادہ زور دیا جاوے۔

پچھلے سال یعنی سن 1954 میں چین کے سب سے بڑے سماچار پتر "پیپلس ڈیلی" (جن دینک) نے پورانی چینی ویدک ویدیا کی طرف سرکار کے رخ کو بالکل صاف کر دیا۔ اس نے کہا کہ چینی ویدک کے پچھلے ہزاروں سال کا تجربہ ہے، اس سارے عرصہ میں اس نے جنتا کے سوائسٹیم کو ٹھیک کرنے اور ٹھیک رکھنے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ ساتھ ہی اس میں قدرتی طور پر کچھ کمیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ اور ادھک نہیں بڑھ سکی۔ سرکار چاہتی ہے کہ جو چینی لوگ یورپ کی ڈاکٹری میں تعلیم پائے ہوئے ہیں وہ پرانے تھنگ کے چینی ویدیوں اور حکیموں کے ساتھ ملکر کام کریں تاکہ پرانے طریقے کی کمیاں پوری دور ہو سکیں، اسے سائنسی تھنگ سے چلیا جائے اور آجکل کی چینی ڈاکٹری ویدیا کا وہ ایک آرٹیک اور خاص انگ بن جاوے۔

اسی آدھار پر سرکار نے سب جن سوائسٹیم محکموں کو عملی ہدایتیں بھیج دی ہیں۔ نئی آزادی کے بعد چین کے سوائسٹیم منترالے میں پرانے چینی علاج کے طریقے کا

سن 1949 میں نئی جنتا کی سرکار قائم ہوئی۔ اس نے اسی سہ سے یورپیہ ڈاکٹری اور چینی ویدک کے بیچ کی کھائی کو پاٹنا شروع کیا۔ سن 1950 میں چین کی پہلی راشنری سوائسٹم کانفرنس ہوئی۔ اس نے یہ بنیادی اصول طے کیا کہ دونوں طرح کے علاج کے طریقوں سے پورا پورا نایدہ اٹھایا جاوے اور علاج کے ان طریقوں پر سب سے زیادہ زور دیا جاوے جو غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور سپاہیوں کا بھلا کر سکیں اور جن میں روگ کے پیدا ہو جانے پر علاج کرنے کی نسبت روگوں کے پیدا نہ ہونے پر زیادہ زور دیا جاوے۔

پچھلے سال یعنی سن 1954 میں چین کے سب سے بڑے سماچار پتر "پیپلس ڈیلی" (جن دینک) نے پرانی چینی ویدک ویدیا کی طرف سرکار کے رخ کو بالکل صاف کر دیا۔ اس نے کہا کہ چینی ویدک کے پچھلے ہزاروں سال کا تجربہ ہے، اس سارے عرصہ میں اس نے جنتا کے سوائسٹیم کو ٹھیک کرنے اور ٹھیک رکھنے میں بہت بڑی مدد دی ہے۔ ساتھ ہی اس میں قدرتی طور پر کچھ کمیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ اور ادھک نہیں بڑھ سکی۔ سرکار چاہتی ہے کہ جو چینی لوگ یورپ کی ڈاکٹری میں تعلیم پائے ہوئے ہیں وہ پرانے تھنگ کے چینی ویدیوں اور حکیموں کے ساتھ ملکر کام کریں تاکہ پرانے طریقے کی کمیاں پوری دور ہو سکیں، اسے سائنسی تھنگ سے چلیا جائے اور آجکل کی چینی ڈاکٹری ویدیا کا وہ ایک آرٹیک اور خاص انگ بن جاوے۔

اسی آدھار پر سرکار نے سب جن سوائسٹیم محکموں کو عملی ہدایتیں بھیج دی ہیں۔ نئی آزادی کے بعد چین کے سوائسٹیم منترالے میں پرانے چینی علاج کے طریقے کا

اسی آدھار پر سرکار نے سب جن سوائسٹیم محکموں کو عملی ہدایتیں بھیج دی ہیں۔ نئی آزادی کے بعد چین کے سوائسٹیم منترالے میں پرانے چینی علاج کے طریقے کا

ایک الگ محکمہ قائم ہوا۔ اس محکمہ کو اب بہت بڑھا دیا گیا ہے۔ پہلنگ میں ایک راشنریہ ایکادمی قائم ہوئی ہے جس کا کم ہی پرانی ویدک ویدیا میں پوری پوری کہوچ کرنا ہے۔ شکھائی، ناننگ، اور دوسرے شہروں میں سرکاری اسپتال کھول دیئے گئے ہیں جن میں پرانی ویدک ویدیا کے طریقہ سے ہی روگیوں کا علاج کیا جاتا ہے، اور پرانے ڈنگ سے باریک سونپوں کے ذریعہ نرسوں کی بیماریوں (Nervous diseases) کا علاج کیا جاتا ہے۔ پہلنگ میں ایک سنسٹھا قائم کی گئی ہے جس میں نرسوں کے علاج کے اس پرانے طریقہ (acupuncture) اور جڑی بوٹیوں سے داغ کر دردوں کو دور کرنے کے پرانے طریقہ (Moxibustion) دونوں پر تجربے کر کے نئے نئے ڈاکٹری طریقوں سے ان کا مقابلہ کرے، اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ بیماری اور تندرستی کا نرسوں کے ساتھ کتنا گہرا سمبندہ ہے، ان دونوں پرانے طریقوں کو نئے سائنسی تھنگ پر چلایا جا رہا ہے۔ نرسوں کی بیماریوں کے علاج میں، پوسٹ یعنی ہاضمہ کی بیماریوں کے علاج میں اور ہاتھوں پیروں کی بیماریوں کے علاج میں ان پرانے طریقوں سے بہت اچھے اچھے نتیجے پیدا کئے جاتے ہیں۔

چین میں یورپی ڈاکٹری کے بھی اسپتال موجود ہیں۔ ان میں سے بہت سے اسپتالوں نے اپنے الگ محکمہ کھول دیئے ہیں جن میں پرانے ڈنگ سے ہی روگیوں کا علاج ہوتا ہے۔ ان اسپتالوں کے ادھیکاری پرانے ڈنگ کے چینی ڈاکٹروں کو اپنے یہاں رکھتے ہیں اور سب چیزوں میں ان سے صلاحیت کرتے ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں چین کے بہت سے میڈیکل کالجوں میں پرانی ویدک کی کتابیں اور ان کے علاج کے طریقہ بھی ویدیاتھوں کو پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں۔ پرانی چینی ویدک کی کتابیں پھر سے چھاپی جا رہی ہیں اور ہمارے نئے ڈنگ کے ڈاکٹر ان کتابوں کو دھیان کے ساتھ پڑھ رہے ہیں۔ چین میں دوائیں تیار کرنے کی جو سب سے بڑی سوسائٹی ہے The Chinese Pharmaceutical Society، اگلے پانچ برس کے اندر کئی سو پرانی چینی دواؤں پر تجربے کر کے انھیں ٹھیک ٹھیک تیار کرنے کی پوجنا بنا رہی ہے۔ چین میں ڈاکٹروں کی سب سے بڑی ایسوسی ایشن 'چائیز میڈیکل ایسوسی ایشن' ہے۔ پہلے اس کے ممبر کیول یورپین ڈنگ کے ڈاکٹر ہی ہو سکتے تھے۔ اب اس ایسوسی ایشن نے دیہیں پھر میں اپنی سب شاخوں کو ہدایت بھیج دی ہیں کہ پرانے ڈنگ کے تجربہ کار چینی حکیموں کو بھی اسی طرح سے ایسوسی ایشن کا ممبر بنایا جائے جس طرح نئے ڈنگ کے ڈاکٹروں کو۔

دونوں طرح کے ڈاکٹر چین میں ملکر کم کر رہے ہیں۔ دونوں طریقوں میں کہوچ جاری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دیہیں میں جو عام علاج کے طریقہ آگے کو چلیں ان میں پرانی چینی

دونوں طرح کے ڈاکٹر چین میں ملکر کم کر رہے ہیں۔ دونوں طریقوں میں کہوچ جاری ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دیہیں میں جو عام علاج کے طریقہ آگے کو چلیں ان میں پرانی چینی

ویدک کی ساری وراثت کو کھپا لیا جاوے۔ اس کام میں ابھی برسوں لگیں گے۔ لیکن جب یہ پورا ہو جائیگا تو چین کے لوگوں کی تندرستی کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہونچےگا اور دنیا بھر کا ویدک دیکھان اس سے اور ادھک مالامال ہوگا۔

ویدک کی ساری وراثت کو کھپا لیا جاوے۔ اس کام میں ابھی برسوں لگیں گے۔ لیکن جب یہ پورا ہو جائیگا تو چین کے لوگوں کی تندرستی کو اس سے بہت بڑا فائدہ پہونچےگا اور دنیا بھر کا ویدک دیکھان اس سے اور ادھک مالامال ہوگا۔

(“چائنا ریکانسٹرکٹس” سے)

(“چائنا ریکانسٹرکٹس” سے)

گاندھی اور کبیر

گاندھی اور کبیر

شری امبا شنکر ناگر ایم. اے۔

شری امبا شنکر ناگر ایم. اے۔

ان دونوں مہاپروشوں کا جہوں ایک دوسرے سے اتنا زیادہ ملتا جلتا ہے کہ ایک کے بارے میں دچار کرتے وقت دوسرے کا خیال آئے بلنا نہیں رہتا۔ دونوں نے اپنے زمانے کی مانگ کو محسوس کیا تھا۔ دونوں نے وقت اور حالات کی ضرورتوں کو سمجھا تھا اور دونوں ہی عام جنتا کی مشکلوں کو رفع کرنے میں جہوں بھر لگے رہے۔ اتنا ہی نہیں، ان دونوں مہاپروشوں نے آگے بڑھکر آندھڑے میں پہنچنے والے لوگوں کو اس سمنے سہارا دیا تھا جس سمنے انہیں اس امداد کی بڑی ضرورت تھی۔

ان دونوں مہاپروشوں کا جہوں ایک دوسرے سے اتنا زیادہ ملتا جلتا ہے کہ ایک کے بارے میں دچار کرتے وقت دوسرے کا خیال آئے بلنا نہیں رہتا۔ دونوں نے اپنے زمانے کی مانگ کو محسوس کیا تھا۔ دونوں نے وقت اور حالات کی ضرورتوں کو سمجھا تھا اور دونوں ہی عام جنتا کی مشکلوں کو رفع کرنے میں جہوں بھر لگے رہے۔ اتنا ہی نہیں، ان دونوں مہاپروشوں نے آگے بڑھکر آندھڑے میں پہنچنے والے لوگوں کو اس سمنے سہارا دیا تھا جس سمنے انہیں اس امداد کی بڑی ضرورت تھی۔

دونوں ہندو مسلم ایکٹ کے سمرٹھک

دونوں ہندو مسلم ایکٹ کے سمرٹھک

کبیر اور گاندھی دونوں ہی کچلے اور سٹاپے وگ کے پیغمبر تھے۔ اونچ نیچ اور جاتی پانتی کے بھید کو فصول مانتے تھے۔ دونوں نے ہر لئی روزہدوں اور اندھ وشواسوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ دھرم اور مذہب، مندر اور مسجد، ایشور اور اللہ کے نام پر لڑنے والے ہندو اور مسلمانوں میں ایکٹ قائم کرنے کے لئے تو یہ دونوں ہی مہانتا جیوں بھر لگے رہے۔

کبیر اور گاندھی دونوں ہی کچلے اور سٹاپے وگ کے پیغمبر تھے۔ اونچ نیچ اور جاتی پانتی کے بھید کو فصول مانتے تھے۔ دونوں نے ہر لئی روزہدوں اور اندھ وشواسوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ دھرم اور مذہب، مندر اور مسجد، ایشور اور اللہ کے نام پر لڑنے والے ہندو اور مسلمانوں میں ایکٹ قائم کرنے کے لئے تو یہ دونوں ہی مہانتا جیوں بھر لگے رہے۔

کبیر اگر کہتے تھے—

کبیر اگر کہتے تھے—

“भाईरे, दुइ जगदीस कहाँ ते आया।

अल्लाह राम करीमा केसो हरि हज्जरत नाम धराया ॥

तो गाँधी भी प्राथना में 'ईश्वर अल्लाह तेरा नाम' कह कर सबको उसी एकता का पाठ पढ़ाते थे.

بھائی رہے، دونی جگدیس کہاں نے آیا

اللہ رام کریما کسوں ہری حضرت نام دھرایا۔

تو گاندھی بھی پڑاتھنا میں 'ایشور اللہ تیرا نام' کہہ کر سب کو اسی ایکٹ کا پاٹ پڑھاتے تھے۔

दोनों अछूतों के मसीहा

कबीर ने अगर—

“जात पांत पूछै नहीं कोई ।

हरि को भजै सा हरि का होई ॥

कह कर सबको भक्ति का अधिकारी माना था तो गाँधी ने युग युग से दलित अछूतों को सामाजिक कार्यों में शरीक होने का और मंदिरों में प्रवेश करने का अधिकारी करार दिया था. गाँधी अछूतों के मसीहा थे. अछूत उद्धार के जिस नेक काम को कबीर ने शुरू किया था गाँधी ने अपने प्राणों की बाजी लगाकर उसे पूरा कर दिखाया.

दोनों की 'करनी' और 'कथनी' में समानता

ये दोनों ही महात्मा सत्य और ज्ञान के पुजारी थे. असत्य और अज्ञान को मिटाना ही जैसे इनके जीवन का मकसद था. दोनों ही आचार और विचार की शुद्धि को व्यक्ति और समाज के लिए जरूरी मानते थे. सबसे बड़ी बात तो यह है कि इन दोनों महापुरुषों की 'करनी' और 'कथनी' में जरा सा भी भेद नहीं था. जैसा रुद करते थे वैसा ही वे दूसरों का करने के लिए कहते थे. 'करनी' के बिना 'कथनी' बिलकुल बेकार है; इस सचाई को समझ कर ही इन महापुरुषों ने अपने काम में हाथ डाला था. यही वजह है कि इनकी ज़बान में वह तासीर पैदा हुई कि जिसका वजह से न केवल इस देश का बल्कि एक युग की काया पलट हा गई. जो काम कबीर की बाणी न सालहवीं सदी में किया था वही काम इस बीसवीं सदी में महात्मा गाँधी का ज़बान ने किया. इस तरह अगर हम चाहें तो गाँधी का बीसवीं सदी का कबीर भी कह सकते हैं.

दोनों अहिंसा के पुजारी

कबीर और गाँधी दोनों अहिंसा के उसूल को मानते थे. जानवरों का मारकर उनका मांस खाने का वे अप्राकृतिक कहते थे. कबीर ने गोशत-जारों को इस तरह फटकारा है—

“बकरी पाती खात है,

तिसकी कादी खाल ।

जे नर बकरी खात है,

तिनका कौन हवाल ?”

“बकरी पत्ते खाती है, इस पर तो हम उसकी खाल खींच लेते हैं, जो आदमी बकरी का खाते हैं उनकी क्या दशा हागी ? जरा कल्पना तो कीजिये !”

दोनों ने भ्रम का महत्व बढ़ाया

इन दोनों महात्माओं ने भ्रम के महत्व को समझा था. कबीर अगर रात दिन सूत का ताना बुनते रहते थे तो गाँधी जी भी सदा चरखे और तकली का लेकर सूत कातने में लगे रहते थे. गाँधी ने अपने जीवन में जो बड़े काम किए

दोनों अछूतों के मसीहा

कबीर ने अगर—

“जात पांत पूछै नहीं कोई

हरि को भजै सा हरि का होई ॥

कह कर सब को भक्ति का अधिकारी माना था तो गाँधी ने युग युग से दलित अछूतों को सामाजिक कार्यों में शरीक होने का और मंदिरों में प्रवेश करने का अधिकारी करार दिया था. गाँधी अछूतों के मसीहा थे. अछूत उद्धार के जिस नेक काम को कबीर ने शुरू किया था गाँधी ने अपने प्राणों की बाजी लगा कर उसे पूरा कर दिया.

दोनों की 'करनी' और 'कथनी' में समानता

ये दोनों ही महान्मा सत्य और ज्ञान के पुजारी थे. असत्य और अज्ञान को मिटाना ही जैसे इनके जीवन का मकसद था. दोनों ही आचार और विचार की शुद्धि को व्यक्ति और समाज के लिए जरूरी मानते थे. सबसे बड़ी बात तो यह है कि इन दोनों महापुरुषों की 'करनी' और 'कथनी' में जरा सा भी भेद नहीं था. जैसा रुद करते थे वैसा ही वे दूसरों का करने के लिए कहते थे. 'करनी' के बिना 'कथनी' बिलकुल बेकार है; इस सचाई को समझ कर ही इन महापुरुषों ने अपने काम में हाथ डाला था. यही वजह है कि इनकी ज़बान में वह तासीर पैदा हुई कि जिससे न केवल इस देश का बल्कि एक युग की काया पलट हा गई. जो काम कबीर की बाणी न सालहवीं सदी में किया था वही काम इस बीसवीं सदी में महात्मा गाँधी का ज़बान ने किया. इस तरह अगर हम चाहें तो गाँधी का बीसवीं सदी का कबीर भी कह सकते हैं.

दोनों अहिंसा के पुजारी

कबीर और गाँधी दोनों अहिंसा के उसूल को मानते थे. जानवरों को मारकर उनका मांस खाने का वे अप्राकृतिक कहते थे. कबीर ने गोशत-जारों को इस तरह फटकारा है—

“बकरी पाती खात है,

तिसकी कादी खाल ।

जे नर बकरी खात है,

तिनका कौन हवाल ?”

“बकरी पत्ते खाती है, इस पर तो हम उसकी खाल खींच लेते हैं, जो आदमी बकरी का खाते हैं उनकी क्या दशा हागी ? जरा कल्पना तो कीजिये !”

दोनों ने भ्रम का महत्व बढ़ाया

इन दोनों महान्माओं ने भ्रम के महत्व को समझा था. कबीर अगर रात दिन सूत का ताना बुनते रहते थे तो गाँधी जी भी सदा चरखे और तकली का लेकर सूत कातने में लगे रहते थे. गाँधी ने अपने जीवन में जो बड़े काम किए

ہیں انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایک شہر شرم کی پھر سے پرستش کی۔ انگریزی سبھتا کی چکاچوندہ سے لوگوں کی آنکھیں چکرا گئی تھیں۔ دماغ میں ہابوگوری کی ایک ایسی بو بھر گئی تھی کہ لوگ ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایسے سمے میں گاندھی جی جہازو لیکر خود بھنگی کا کام کرنے لگے۔ جو کام سب سے نہیچا سمجھا جاتا تھا اسی سے انہوں نے شروعات کی۔ پیشوں میں جلائے کا پیشہ برا مانا جاتا تھا اُسے بھی گاندھی جی نے ایسی عزت بخشی کہ چرخہ کٹنا آج سب عزت کا کام سمجھتے ہیں۔

भाषा की समस्या पर दोनों एक मत

کहाँ تک کھوں، میں تو ہر کام میں ہن دانوں کو ایک پااتا ہوں۔ ہر مصلہ پر ہنکے وچار ہتہ ملتے-جولتے نہنر آتے ہیں کہ تاہجوب دپ ونا نہی رہتا۔ آجکل भाषा का سوال एक अहम سوال बना हुआ है। पर इस سوال पर भी इन दोनों पीर-मुरिदों को एक ही राय थी। कबीर कहा करते थे—

“संस्क्रित जलकूप कबीरा,
भाषा बहता नीर।”

गांधी जी भी सरल और चलती भाषा के हिमायती थे। वे कहा करते थे कि भाषा तो विचार का वाहन है। हमें भाषा पर ध्यान देने से ज्यादा भाव या विचार पर ध्यान देना चाहिये।

जीवन ही नहीं मृत्यु में भी समानता

न केवल जीवन में बल्कि इन दोनों महात्माओं की मृत्यु में भी मुझे तो एक अजीबा गरीब क्रिस्म की समानता दिखाई देती है।

कबीर मगहर में जाकर मरे यह साधित करने के लिए कि हिन्दुओं का क्याल गलत है कि काशी में मरने से आध्मी स्वर्ग में और मगहर में मरने से नर्क में जाता है। वे हिन्दू मुसलमानों के अर्धावस्थाओं को मिटाकर उनमें बुनियादी एकता कायम रना चाहते थे।

कबीर की मृत्यु की कहानी भी बड़ी दिलचस्प है। वे मगहर में जाकर मरे। उनकी लाश को लेकर हिन्दू मुसलमान लड़ने लगे। हिन्दू उनके शव को जलाना चाहते थे और मुसलमान गाढ़ना। लड़ाई की नौबत आ गई, तलवारें तन गईं। पर जब किसी समझदार ने कफन को उठाकर देखा तो वहाँ सिर्फ एक फूलों का ढेर! दोनों ने फूलों को आधा आधा बाँट लिया। हिन्दुओं ने काशी में उन्हें हिन्दू विधि से जलाया, मुसलमानों ने मगहर में गाढ़ा।

मैं तो यह कहूँगा कि कबीर ने न केवल जीते जी बल्कि मर कर भी हिन्दू मुसलमानों को एकता के सूत्र में बांधा।

بھاشا کی سمسپا پر بھی دونوں ایک مت

کہاں تک کہوں، میں تو ہر کام میں ہن دانوں کو ایک پااتا ہوں۔ ہر مسئلے پر ان کے وچار اتنے ملتے جلتے نظر آتے ہیں کہ تعجب ہوئے بنا نہیں رہتا۔ آجکل भाषा का سوال एक اهم سوال बना ہوا ہے۔ پر اِس سوال پر بھی ان دونوں پیروشدوں کی ایک ہی رائے تھی۔ کبیر کہا کرتے تھے—

“संस्कृत जल कूप कबीरा,
भाषा बहता नीर।”

گاندھی جی بھی سرل اور چلتی بھاشا کے حمایتی تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بھاشا تو وچار کا وائن ہے۔ ہمیں بھاشا پر دھیان دینے سے زیادہ بھاؤ یا وچار پر دھیان دینا چاہئے۔

جیون میں ہی نہیں مرتیو میں بھی سمانتا

نہ کیول جیون میں بلکہ ان دونوں مہاتماؤں کی مرتیو میں بھی مجھے تو ایک عجیب و غریب قسم کی سمانتا دھائی دیتی ہے۔

کبیر مگر میں جاکر مرے، یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہندوں کا یہ خیال غلط ہے کہ کشی میں مرے سے آدمی سرگ میں اور مگر میں مرے سے نرک میں جاتا ہے۔ وہ ہندو مسلمانوں کے اندر وشواسوں کو متاثر انہیں بنیادی ایکتا قائم کرنا چاہتے تھے۔

کبیر کی مرتیو کی کہانی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ وہ مگر میں جاکر مرے۔ ان کی لاش کو لیکر ہندو مسلمان لڑنے لگے۔ ہندو ان کے شو کو جلانا چاہتے تھے اور مسلمان گاڑنا۔ لڑائی کی فوبت آگئی، تلواریں تن گئیں۔ پر جب کسی سمجھدار نے کفن کو اٹھائے دیکھا تو وہاں صرف ایک پھولوں کا ڈھیر! دونوں نے پھولوں کو آدھا آدھا بانٹ لیا۔ ہندوں نے کشی میں انہیں ہندو ودھی سے جلايا، مسلمانوں نے مگر میں گاڑا۔

میں تو یہ کہوں گا کہ کبیر نے نہ کیول جیتے جی بلکہ مرکز بھی ہندو مسلمانوں کو ایکتا کے سوتر میں باندا۔

स्वतंत्रता کی यात्रا کی चौथی پیढ़ی

جو کام انکے جیون نے نہ کیا وہ ان کی مرتبہ نے کر دکھایا۔ آج کبیر پنہ کے مانہ والے ہندو اور مسلمان دونوں ہیں۔ اور دونوں جیون کے بنیادی اصولوں میں ایک ہیں۔

گاندھی جی نے بھی اسی ہندو مسلم ایکٹا کی خاطر اپنے پران دیئے۔ اپنے جیون کی آخری سانس تک وہ ان دونوں جاتہوں میں ایکٹا قائم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ جیون کی ہی طرح گاندھی جی کی مرتبہ بھی مہان تھی۔ وہ اُس سے مرے جب وہ پرارتھنا کر رہے تھے، رلم نام لے رہے تھے اور لوگوں کو جینے کا صحیح طریقہ سکھا رہے تھے۔

گاندھی جی کی سوتی بھی کبیر کی سوتی کی طرح سماج کے لئے بڑی پرभावشالی ثابت ہوئی۔ اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے مارکر ہینڈوؤں کا کلےجا ٹنڈا ہوا۔ شرم سے ہینڈوؤں کا سر اپنے آپ جھک گیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو پتہ نہیں اُس سے جوہی جنوں میں لوگ اُرد کیا کیا کرتے!

سوئنگرا کی باترا کی چوتھی پیڑھی

گاندھی جی نے بھی اسی ہندو مسلم ایکٹا کی خاطر اپنے پران دیئے۔ اپنے جیون کی آخری سانس تک وہ ان دونوں جاتہوں میں ایکٹا قائم کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ جیون کی ہی طرح گاندھی جی کی مرتبہ بھی مہان تھی۔ وہ اُس سے مرے جب وہ پرارتھنا کر رہے تھے، رلم نام لے رہے تھے اور لوگوں کو جینے کا صحیح طریقہ سکھا رہے تھے۔

گاندھی جی کی سوتی بھی کبیر کی سوتی کی طرح سماج کے لئے بڑی پرभावشالی ثابت ہوئی۔ اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے مارکر ہینڈوؤں کا کلےجا ٹنڈا ہوا۔ شرم سے ہینڈوؤں کا سر اپنے آپ جھک گیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو پتہ نہیں اُس سے جوہی جنوں میں لوگ اُرد کیا کیا کرتے!

گاندھی جی کی سوتی بھی کبیر کی سوتی کی طرح سماج کے لئے بڑی پرभावشالی ثابت ہوئی۔ اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے مارکر ہینڈوؤں کا کلےجا ٹنڈا ہوا۔ شرم سے ہینڈوؤں کا سر اپنے آپ جھک گیا۔ ایسا نہ ہوا ہوتا تو پتہ نہیں اُس سے جوہی جنوں میں لوگ اُرد کیا کیا کرتے!

स्वतंत्रता की यात्रा की चौथी पीढ़ी

سوئنگرا کی باترا کی چوتھی پیڑھی

श्री मगनभाई देसाई

श्री मगनभाई देसाई

दक्षिण अफ्रिका से 1915 में गांधी जी भारत आये। यूरोपीय जंग उस समय शुरू हो चुका था। भारत आने के बाद उन्होंने जो काम अपने हाथ में लिये उनमें एक खास काम रंगरूटों की भरती का था। उसके साथ ही साथ 1917 से दूसरे काम भी शुरू हुए—चंपारण और खेड़ा का सत्याग्रह अहमदाबाद की मजदूर हड़ताल, विरमगाम की नाकाबंदी इत्यादि सत्याग्रहों का प्रयोग थे। और उसके साथ साथ स्वतन्त्र यात्रा की नई, हमारी गिनती के मुताबिक चौथी, पीढ़ी शुरू हुई।

इस चौथी पीढ़ी को 1915 या 1920 से गिना जाय तो उसे तब से लेकर 1948 तक माना जा सकता है। मतलब यह कि वह पूरी तीस साल की पीढ़ी है कि जिसके दरमियान एक नई पीढ़ी भी पैदा हो सकती है और हुई भी है। फिर भी उस पीढ़ी ने अपनी बुजुर्ग पीढ़ी के मातहत रहकर ही काम किया है, वह अपना खुद का असर डाल सके उतनी

दक्षिण अफ्रिका से 1915 में गांधी जी भारत आये। यूरोपीय जंग उस समय शुरू हो चुका था। भारत आने के बाद उन्होंने जो काम अपने हाथ में लिये उनमें एक खास काम रंगरूटों की भरती का था। उसके साथ ही साथ 1917 से दूसरे काम भी शुरू हुए—चंपारण और खेड़ा का सत्याग्रह अहमदाबाद की मजदूर हड़ताल, विरमगाम की नाकाबंदी इत्यादि सत्याग्रहों का प्रयोग थे। और उसके साथ साथ स्वतन्त्र यात्रा की नई, हमारी गिनती के मुताबिक चौथी, पीढ़ी शुरू हुई।

इस चौथी पीढ़ी को 1915 या 1920 से गिना जाय तो उसे तब से लेकर 1948 तक माना जा सकता है। मतलब यह कि वह पूरी तीस साल की पीढ़ी है कि जिसके दरमियान एक नई पीढ़ी भी पैदा हो सकती है और हुई भी है। फिर भी उस पीढ़ी ने अपनी बुजुर्ग पीढ़ी के मातहत रहकर ही काम किया है, वह अपना खुद का असर डाल सके उतनी

شکستہ شالی یا اپنے الگ ادھی رکھنے والی نہیں تھی۔ اس طرح یہ ایک سلسلے وار بگ ہونے سے آگے ہم گاندھی بگ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس بگ کا انتہاس ہمارے دیہات کا ایک شاندار اور بہت بلند انتہاس ہے۔ اس کا صحیح مول ہوشیہ کے انتہا کار آنگ سہیٹے۔ اس کا اثر ساری دنیا کے انتہاس پرواہ پر بھی ہو رہا ہے، اس سے وہ حقیقت وشو انتہاس میں بھی ایک نیا باب شروع کرنے والی ثابت ہوئی ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ودیشوں کی غلطی کا انت ہو کر بھارت کا اپنا سولنگر انتہاس پھر سے شروع ہوا ہے، بلکہ اس گھٹا سے وشو انتہاس میں آنسوہیں صدی میں جو سلسلہ بگ اور بلیٹروڈیوگراد شروع ہوئے، اس میں بھی بھاری پھوڑ بھار اور مہان کرائی کے بیج اس نے بوئے ہیں۔

اس کرائی سے اب دنیا میں نئے سوال اور نیا پرشتہ شروع ہوتا ہے جس کی پہلی کڑی بھارت کی سولنگر ہے۔ گاندھی بگ کی پیڑھی نے ایسی مہان گھٹا کو دیکھا، اس میں حصہ لیا اور اسے پیدا کرنے میں یہ پیڑھی خاص سبب بنی۔ سولنگریہ بائرا کے وچار کے پیڑھی نامہ کو مختصر میں ایک بار یاد کر کے اس کی اس چوتھی پیڑھی کے خاص خاص مدوں کو ہم دیکھینگے۔

ہم نے اس پرکار پیڑھیوں کی چرچا کی ہے :-

پہلی پیڑھی—راجا رامموہن راج۔

دوسری پیڑھی—سن 1867 اور اس کے بعد کی سرکڑی کا زمانہ۔

تیسری پیڑھی—جائتگی سے راجر سبھا کا یوگ۔ اس کے دو پرہا—جہال اور موال۔

اس کے بعد آئے والی۔ چوتھی۔ راجر کی سب شکستوں کو ملا کر اکٹھا کرنے کا بگ۔

[2]

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لگے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

(1) جنٹا کا گیلان، اس کی سمجھ، سدھار اور وکاس اتیادی شکستوں کے ذریعہ آگے بڑھنے کا طریقہ، جو راجا رام موہن رائے سے شروع ہوا، ایسا کہا جاسکتا ہے۔

آگے چل کر یہ طریقہ بندھارنیہ بدھنی اتیادی گام سے پہچانا گیا، جو آگے چل کر گاندھی بگ میں شانت ستیاگرہ تک وکست ہوا۔

(2) گھنہاروں اور باہر کی راجہدواری مدد سے لڑ کر کام آگے چلانے کی کوشش۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لگے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لگے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

ہم نے اس پرکار پیڑھیوں کی چرچا کی ہے :-

پہلی پیڑھی—راجا رام موہن رائے۔

دوسری پیڑھی—سن 1857 اور اس کے بعد کی ترقی کا زمانہ۔

تیسری پیڑھی—ظابطگی سے راشتر سیوا کا بگ۔ اس کے دو پرواہ—جہال اور موال۔

اس کے بعد آئے والی۔ چوتھی۔ راجر کی سب شکستوں کو ملا کر اکٹھا کرنے کا بگ۔

[2]

اس سے کے درمیان دیہات کی آزادی کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہوئے اسے حاصل کرنے کے لئے جو کوششیں شروع ہوئیں، ان کے اگر موئے طور پر حصہ لگے جائیں، تو وہ دو تھے، ایسا بتایا جاسکتا ہے۔

(1) جنٹا کا گیلان، اس کی سمجھ، سدھار اور وکاس اتیادی شکستوں کے ذریعہ آگے بڑھنے کا طریقہ، جو راجا رام موہن رائے سے شروع ہوا، ایسا کہا جاسکتا ہے۔

آگے چل کر یہ طریقہ بندھارنیہ بدھنی اتیادی گام سے پہچانا گیا، جو آگے چل کر گاندھی بگ میں شانت ستیاگرہ تک وکست ہوا۔

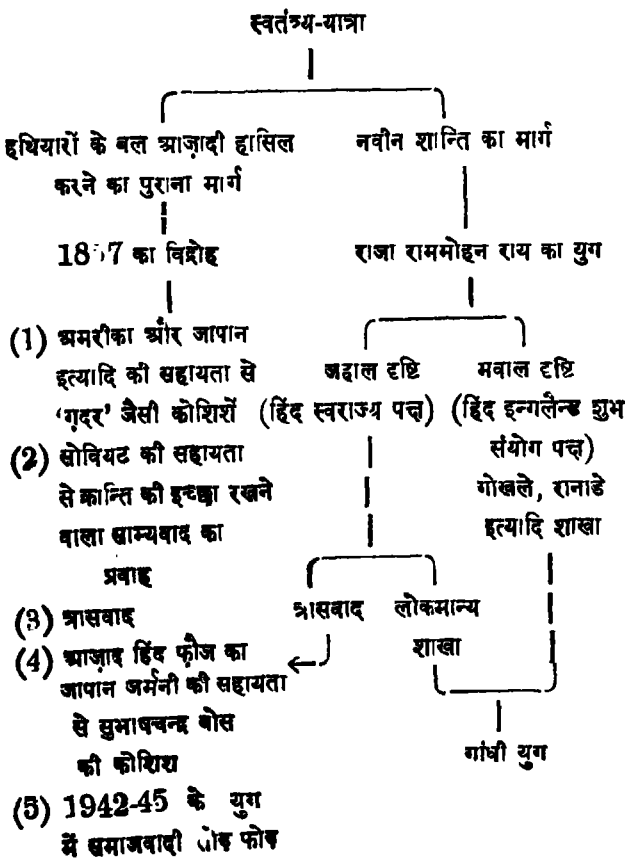
(2) گھنہاروں اور باہر کی راجہدواری مدد سے لڑ کر کام آگے چلانے کی کوشش۔

स्वतंत्रता کی यात्रا کی پانچویں پیڑی

یہ طریقہ عیسوی سن 1757 سے 1857 تک کے سو سال میں برتا گیا ہے۔ 1857 کے بعد، شستر ہندی کے ہوتے ہوئے بھی، وہ ایک یا دوسرے تھنگ سے چلتا رہا ہے اور اُس کا پروا 1947 تک چلتا دکھائی دیتا ہے۔

پہلا طریقہ نیا ہے اور دوسرا طریقہ اتنا پرانا ہے، جتنا مانو سماج کا اِنہاس۔ پہلے طریقہ کی ریتی رسمیں ارواچین میں، ہم نے انہیں انگریزوں کے اِنہاس اور ان کے ساتھ میں سے تھا بھارت میں ان کے راجہ تختہ کے انہیں میں سے سیکھا اور اُسے آپہنگ میں لاکر گرہن کرتے گئے۔ ان بدھتوں کو بدھارنیہ بدھتوں کہیں یا لوگ شامی کی بدھتوں؛ ان کے ایک ایک روپ یا بہن بہن پرگر بتاتے ہیں۔ اِس کا کارن یہ ہے کہ اُس میں جتنا کی شکتی، ودروہ، ہتیار بندی یا راج کارن کے داؤں پہنچوں کے راستے سے نہیں، بلکہ اُس کی سمجھ شکتی تھا سنکارت اور میل جول اُنہادی گنوں کے ذریعہ کلم دیتی ہے۔ گاندی جی نے اِس میں اُس کے کلمی سو روپ ستیاگرہ کا نہیں شستر چور دیا۔

آزادی کی منزل کی قسمیں اور ترقی وکس سمبندی اِس وچار کا مختصر میں اِس طرح آلیکھن کیا جاسکتا ہے—

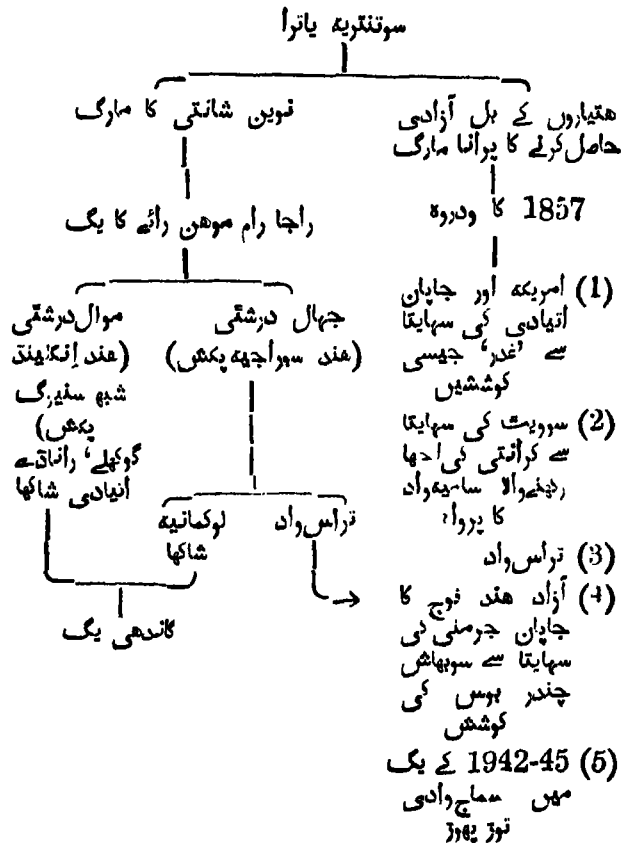


سونتکرتا کی یاत्रا کی چوتھی پیڑی

یہ طریقہ عیسوی سن 1757 سے 1857 تک کے سو سال میں برتا گیا ہے۔ 1857 کے بعد، شستر ہندی کے ہوتے ہوئے بھی، وہ ایک یا دوسرے تھنگ سے چلتا رہا ہے اور اُس کا پروا 1947 تک چلتا دکھائی دیتا ہے۔

پہلا طریقہ نیا ہے اور دوسرا طریقہ اتنا پرانا ہے، جتنا مانو سماج کا اِنہاس۔ پہلے طریقہ کی ریتی رسمیں ارواچین میں، ہم نے انہیں انگریزوں کے اِنہاس اور ان کے ساتھ میں سے تھا بھارت میں ان کے راجہ تختہ کے انہیں میں سے سیکھا اور اُسے آپہنگ میں لاکر گرہن کرتے گئے۔ ان بدھتوں کو بدھارنیہ بدھتوں کہیں یا لوگ شامی کی بدھتوں؛ ان کے ایک ایک روپ یا بہن بہن پرگر بتاتے ہیں۔ اِس کا کارن یہ ہے کہ اُس میں جتنا کی شکتی، ودروہ، ہتیار بندی یا راج کارن کے داؤں پہنچوں کے راستے سے نہیں، بلکہ اُس کی سمجھ شکتی تھا سنکارت اور میل جول اُنہادی گنوں کے ذریعہ کلم دیتی ہے۔ گاندی جی نے اِس میں اُس کے کلمی سو روپ ستیاگرہ کا نہیں شستر چور دیا۔

آزادی کی منزل کی قسمیں اور ترقی وکس سمبندی اِس وچار کا مختصر میں اِس طرح آلیکھن کیا جاسکتا ہے—



पाठक देखेंगे कि बंशवृक्ष में गाँधी युग के अन्दर जहाल और मवाल पक्ष के दो अलग अलग धाराओं का संगम बताया है, मतलब यह कि गाँधी जी लोकमान्य पीढ़ी और रानाडे-गोखले पीढ़ी के इकट्ठा पीढ़ीधर थे. गाँधी जी ने अपनी सियासी पहचान 'गोखले मेरे सियासी गुरु हैं,' इस प्रकार की है. इन दो पक्षों में अगर कोई बुनियादी भेद है तो वह यह कि, गोखले शाखा की ऐसी मान्यता थी कि हिन्द और इंग्लैण्ड का संयोग ईश्वरदत्त शुभ वस्तु है; जबकि तिलक-शाखा की मान्यता थी कि भारत एक स्वतन्त्र राष्ट्र है और उसका स्वराज्य स्वतन्त्र ही हो सकता है. गाँधी जी 1915 में जब भारत आये तब पहले मत के थे, फिर भी वे गोखले शाखा की राजकीय रीति-रस्मों के अतिरिक्त सत्याग्रह की पद्धति में भी श्रद्धा रखते थे, और उस शक्त का सफल प्रयोग करने के बाद ही भारत आये थे. उनके व्यक्तित्व और उनकी प्रतिभा का यह अंश उन्हें गोखले-राज्य कारण में शामिल होकर, उनके भारत सेवक समाज के द्वारा कार्य करने में बाधा रूप हुआ. दूसरी ओर, इस चीज के कारण तिलक-राज्यकारण-शाखा को, उसमें अपने जहाल राजकारण से कुछ नवीनता का अनुभव जरूर हुआ, लेकिन उसकी उग्रता के कारण उसमें उन्होंने सहधार्मिकता और समानता का अनुभव किया. इस प्रकार गाँधी युग के प्रारम्भ में, गाँधी जी में जहाल और मवाल दोनों दृष्टियों का संगम देखने को मिलता है.

इतना ही नहीं, दोनों पक्षों की कार्य-प्रणालियाँ उनके युग में एकत्र होकर एक अखंड कार्य प्रणाली के रूप में जन्म लेती हैं. इस पद्धति के लिए जिस प्रकार की रहनुमाई चाहिये वैसा ही गाँधी जी की जीवन प्रतिभा पूरा करती है.

इससे क्रौम के अन्दर एक दृष्टि, एक कोशिश, तथा एक नीति-नेतृत्व बगैरह एक नये ही ढङ्ग से अपने आप पैदा होते गये. स्वराज्य प्राप्ति अब सारी जनता का पुरुषार्थ बनता है, उसके अंग उपांगों की गहराई तक जाकर वह अपना असर डालने लगता है. ऐसा ही कहना चाहिए कि शस्त्रास्त्र के परंपरागत हिंसा मार्ग को छोड़कर, प्रजा, शांति-अहिंसा मार्ग के नये प्रयोग की पूर्ण रूप से आज्ञामाईश करने के लिए कमर कसती है। जग के व्यापक राज कारण पर गाँधी युग का जो कुछ भी असर हुआ वह इसी कारण से हो सका है. गाँधी जी का वर्णन करते हुए श्री गोखले ने कहा था कि इस व्यक्ति में भारतीय संस्कृति अपने आला दूर्जे तक पहुंची है. गाँधी जी के गुरु ने 1916 से भी पहले उनका जो वर्णन किया था उसे गाँधी जी पूर्ण रूप से सिद्ध कर दिखाते हैं. न केवल राजनीति में बल्कि भारत की

पाठक देखेंगे कि बंशवृक्ष में गाँधी युग के अन्दर जहाल और मवाल पक्ष के दो अलग अलग धाराओं का संगम बताया है, मतलब यह कि गाँधी जी लोकमान्य पीढ़ी और रानाडे-गोखले पीढ़ी के इकट्ठा पीढ़ीधर थे. गाँधी जी ने अपनी सियासी पहचान 'गोखले मेरे सियासी गुरु हैं,' इस प्रकार की है. इन दो पक्षों में अगर कोई बुनियादी भेद है तो वह यह कि, गोखले शाखा की ऐसी मान्यता थी कि हिन्द और इंग्लैण्ड का संयोग ईश्वरदत्त शुभ वस्तु है; जबकि तिलक-शाखा की मान्यता थी कि भारत एक स्वतन्त्र राष्ट्र है और उसका स्वराज्य स्वतन्त्र ही हो सकता है. गाँधी जी 1915 में जब भारत आये तब पहले मत के थे, फिर भी वे गोखले शाखा की राजकीय रीति-रस्मों के अतिरिक्त सत्याग्रह की पद्धति में भी श्रद्धा रखते थे, और उस शक्त का सफल प्रयोग करने के बाद ही भारत आये थे. उनके व्यक्तित्व और उनकी प्रतिभा का यह अंश उन्हें गोखले-राज्य कारण में शामिल होकर, उनके भारत सेवक समाज के द्वारा कार्य करने में बाधा रूप हुआ. दूसरी ओर, इस चीज के कारण तिलक-राज्यकारण-शाखा को, उसमें अपने जहाल राजकारण से कुछ नवीनता का अनुभव जरूर हुआ, लेकिन उसकी उग्रता के कारण उसमें उन्होंने सहधार्मिकता और समानता का अनुभव किया. इस प्रकार गाँधी युग के प्रारम्भ में, गाँधी जी में जहाल और मवाल दोनों दृष्टियों का संगम देखने को मिलता है.

इतना ही नहीं, दोनों पक्षों की कार्य-प्रणालियाँ उनके युग में एकत्र होकर एक अखंड कार्य प्रणाली के रूप में जन्म लेती हैं. इस पद्धति के लिए जिस प्रकार की रहनुमाई चाहिये वैसा ही गाँधी जी की जीवन प्रतिभा पूरा करती है.

इससे क्रौम के अन्दर एक दृष्टि, एक कोशिश, तथा एक नीति-नेतृत्व बगैरह एक नये ही ढङ्ग से अपने आप पैदा होते गये. स्वराज्य प्राप्ति अब सारी जनता का पुरुषार्थ बनता है, उसके अंग उपांगों की गहराई तक जाकर वह अपना असर डालने लगता है. ऐसा ही कहना चाहिए कि शस्त्रास्त्र के परंपरागत हिंसा मार्ग को छोड़कर, प्रजा, शांति-अहिंसा मार्ग के नये प्रयोग की पूर्ण रूप से आज्ञामाईश करने के लिए कमर कसती है। जग के व्यापक राज कारण पर गाँधी युग का जो कुछ भी असर हुआ वह इसी कारण से हो सका है. गाँधी जी का वर्णन करते हुए श्री गोखले ने कहा था कि इस व्यक्ति में भारतीय संस्कृति अपने आला दूर्जे तक पहुंची है. गाँधी जी के गुरु ने 1916 से भी पहले उनका जो वर्णन किया था उसे गाँधी जी पूर्ण रूप से सिद्ध कर दिखाते हैं. न केवल राजनीति में बल्कि भारत की

स्वतन्त्रता की यात्रा की चौथी पीढ़ी

जनता के समस्त जीवन में नया प्रकाश, नई दृष्टि, नया प्रर्थ, नयी सार्थकता और नया सिरजन इस युग में प्रकट होता है. हिन्द की आजादी जनता की सर्वतामुखी शक्ति ग्रंथ के बल पर हासिल हो सकी है, और ऐसा होने से हिन्द के इतिहास ने अपना रुख पलटा है।

ऊपर के वंशवृक्ष में पाठक देखेंगे कि परंपरागत हिंसा-मार्ग की धारा भी 1857 से लेकर कई शक्तियों में वक्र के मुताबिक तबदील होकर 1945 तक चालू रही है. इस धारा में भी पीढ़ियाँ और दृष्टियाँ रही हैं. स्वतंत्र यात्रा के इतिहास में उसका भी एक अलग प्रकरण है. उस पद्धति को ग्रन्थ में यश प्राप्त नहीं हुआ, बाकी उसमें भी त्याग और ललिदान पूर्वक अपने आपका अर्पण करने वाले और स्वतंत्र यात्रा का जलता रखने वाले देशभक्त अवश्य थे.

त्रासवाद और तोड़-फाड़ की प्रवृत्ति की भी इसके साथ जनता की है क्योंकि उनका प्रकार हिंसावत की परंपरागत वचार पद्धति का था.

अनुवादक—कनुभाई नानालाल पटेल

सुतल्लुना की यात्रा की चतुर्थी पीढ़ी

जल्ला के समस्त जीवन में नया प्रकाश, नई दृष्टि, नया अर्थ, नयी सार्थकता और नया सिरजन इस युग में प्रकट होता है. हिन्द की आजादी जनता की सर्वतामुखी शक्ति ग्रंथ के बल पर हासिल हो सकी है, और ऐसा होने से हिन्द के इतिहास ने अपना रुख पलटा है।

ऊपर के वंशवृक्ष में पाठक देखेंगे कि परंपरागत हिंसा-मार्ग की धारा भी 1857 से लेकर कई शक्तियों में वक्र के मुताबिक तबदील होकर 1945 तक चालू रही है. इस धारा में भी पीढ़ियाँ और दृष्टियाँ रही हैं. स्वतंत्र यात्रा के इतिहास में उसका भी एक अलग प्रकरण है. उस पद्धति को ग्रन्थ में यश प्राप्त नहीं हुआ, बाकी उसमें भी त्याग और ललिदान पूर्वक अपने आपका अर्पण करने वाले और स्वतंत्र यात्रा का जलता रखने वाले देशभक्त अवश्य थे.

त्रासवाद और तोड़-फाड़ की प्रवृत्ति की भी इसके साथ जनता की है क्योंकि उनका प्रकार हिंसावत की परंपरागत वचार पद्धति का था.

अनुवादक—कनुभाई नानालाल पटेल

मेरे मत से कम्युनिज्म कोई बुरी चीज हो ऐसी बात नहीं है. बुरी चीज यह है कि वह हिंसा से लादा जाता है. मुझे कम्युनिज्म से डर बिलकुल नहीं लगता, क्योंकि हिन्दुस्तान की हजारों बरसों की कलचर हिंसा विरोधी है और गांधी जी ने हमारे देश को अहिंसा की ताकत दी है. मुझे यकीन है कि हिन्दुस्तान उसी की बदौलत बचने वाला है. मुझे यह भी विश्वास है कि अमरीका जैसा देश डर को छोड़ कर अगर अहिंसा की ताकत को आजमा कर देखेगा, तो वह सारी दुनिया को निडर करेगा और खुद भी निडर बनेगा.

—विनोबा

मेरे मत से कम्युनिज्म कोई बुरी चीज नो ऐसी बात नहिन है. बुरी चीज ये है के वह हिंसा से लादा जाता है. मुझे कम्युनिज्म से डर बालकल नहिन लगता, किउन्के हिन्दुस्तान की हजारों बरसों की कलचर हिंसा विरोधी है और गांधी जी ने हमारे देश को अहिंसा की ताकत दी है. मुझे यकीन है के हिन्दुस्तान उसी की बदौलत बचने वाला है. मुझे यह भी विश्वास है कि अमरीका जैसा देश डर को छोड़ कर अगर अहिंसा की ताकत को आजमा कर देखेगा, तो वह सारी दुनिया को निडर करेगा और खुद भी निडर बनेगा.

—विनोबा

محمد صاحب نے کہا:—”نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُن کی طرف منہ کر کے دعا مانگو۔“

—ابو مرثد الغنوی، مسلم۔

محمد صاحب نے کہا:—”اے اللہ! مہری قبر کو بت بنا کر کوئی اُسے نہ پرچے؛ اللہ کا زبردست کردہ اُن پر نازل ہوتا ہے جو اپنے پیغمبروں کی قبروں کو بوجتے ہیں!“

—عطاء بن یسار، مالک۔

محمد صاحب نے کہا:—”دو بھوکے بھڑیے اگر بھیڑوں کے کسی گلے میں چھوڑ دیئے جاویں تو وہ بھیڑوں کو اپنا برباد نہیں کر سکتے جتنا دھن اور بڑپن کا اویہ آدمی کے دین کو برباد کر دیتا ہے۔“

—کعب بن مالک، ترمذی، داریمی۔

محمد صاحب نے کہا:—”کوئی ظالم جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“

—عقبة بن عامر، ابوداؤد، احمد، داریمی۔

محمد صاحب نے کہا:—”سب سے بڑا جہاد وہ آدمی کرنا ہے ظالم حاکم کے سامنے بھی سچی بات کہتا ہے۔“

—ابو سعید، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، طارق بن شہاب، نسائی، احمد۔

محمد صاحب نے کہا:—”جیسے تم ہو گے ویسے ہی وہ ہو جائیگے جو تمہارے اوپر حاکم بنائے جائیگے۔“

—یعقوب بن ہاشم نے یونس بن ابو اسحاق سے اور اُس نے اپنے باپ سے سنا، بیہقی۔

ایک عورت نے پیغمبر سے آکر کہا:—”میرا پیٹ سچ سچ اس میرے بڑے کا گھر بنا رہا ہے، میری چھاتی اس کی مشک تھی جس سے یہ اپنی بھوک پیاس بجھاتا تھا؛ میری گود وہ جگہ بھی جہاں اسے اشرے ملتا تھا؛ اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دیا ہے اور اسے بھی مجھ سے لے لینا چاہتا ہے۔“ پیغمبر نے کہا:—”تمہیں اس آڑے کو رکھنے کا زیادہ حق ہے، جب تک کہ تم دوسری شادی نہ کرو۔“

—امرو بن شعیب، ابوداؤد۔

محمد صاحب نے کہا:—”رات کو مہمان کی सेवा اور خاتیرداری کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، چاہے کوئی بھی اس کے صحن میں آکر اترے۔“

میں نے پوچھا:—”اے اللہ کے رسول! ایک آدمی ہے جو جب میں سفر میں ہوتا ہوں تو میرے ساتھ مہمان کے حق کو نہیں نبھاتا؛ تو کیا جب وہ سفر میں ہو تو میں اسے اپنا مہمان مانوں اور اس کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کروں؟“

پیغمبر نے جواب دیا:—”ہاں، اس کا سواکت کرو اور اس کی خاطر داری کرو۔“

پیغمبر نے جواب دیا:—”ہاں، اس کا سواکت کرو اور اس کی خاطر داری کرو۔“

—عرف بن مالک، ترمذی۔

محمد صاحب نے کہا:—”سچ سچ آدمی کے جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جیسے دل کہتے تھے: جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہوتا ہے۔“

—نومان بن بشیر، بخاری: مسلم: ابوداؤد: ترمذی: نسائی۔

محمد صاحب نے کہا:—”کلم، کروہ، لوہ، مہ کے بعد دوزخ ہی آک ہے، اور دشمنوں نے بعد جدت ہے۔“

—ابوہریرہ، بخاری: مسلم۔

محمد صاحب نے کہا:—”مذائق یعنی تھوڑی آدمی کی تین پہچانیں تھیں، وہ روزے رکھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، پر جب بولتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا، اور جب اس پر اعتبار کیا جاتا ہے تو دغا دیتا ہے۔“

—ابوہریرہ، مسلم۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“اُک دِن آءِیَا جَب ۛسے لَوِی پَیسا ہَوِیے جَوِ کِی نَام پَر دُنِیَا کَو دَہکا دَیے، لَوِیوں کَے سَامَنے بَہ نِصْرَتَا سَے بَہُڑ بَنے رَہَیے، اُنکی جَبَان چِینی سَے بَہ اَدِک مِیٹِی ہَوِی پَر اُنکَے دِل بَہُڑیوں کَے سَے دِل ہَوِیے۔ اَللّٰہ کَہتا ہُے:—‘کَیا بَہ دُیَان ن دَیے؟ اُور مُک پَر بَہُڑ تَوَہْمَت لَگَاۛیے؟ مَی اُپنی کَسم سَہاکر کَہتا ہُں مَی اُن ہِی مَے سَے ۛسے لَوِی پَیسا کَر دُۛگا جَوِ اُنکَے لَیے آکُت ہَوِ جَاۛیے اُور اُنمَے جَوِ سَب سَے اَدِک بَنے دُۛ ہَوِیے بَہ دَہاکا جَاۛیے’۔”

—اَبُو حُرَیْرَا، تِیرِمِجِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“سَچ مُسِ آءِدَم کی اُیلاَد مَے شَیْطَان کَا بَہ جَوَار ہُے اُور کَرِشْتِے کَا بَہ جَوَار ہُے، شَیْطَان کَا جَوَار آءِدَم کی بَدِی کی تَرَف اُور سَچ کَا بَہُڑ بَتَانِے کی تَرَف لَے جَاتَا ہُے، اُور کَرِشْتِے کَا جَوَار اُسے نَکَا کی تَرَف اُور سَچ کَا سَچ مَانَنے کی تَرَف لَے جَاتَا ہُے؛ اِس لَیے جَوِ اُی جِیتَا اُپنَے اَنَدَر کَرِشْتِے کَا جَوَار اَنُوبَہ کَرِے اُسے جَانَنَا چَاہِیے کِی یَہ اَللّٰہ کی تَرَف سَے ہُے، اِسکَے لَیے اُسے اَللّٰہ کَا شُکُری جَار ہونا چَاہِیے؛ اُور جَوِ اُی جِیتَا اُپنَے اَنَدَر شَیْطَان کَا جَوَار اَنُوبَہ کَرِے اُسے چَاہِیے کِی شَیْطَان سَے بَچَنے کَے لَیے اَللّٰہ کی پَنَاہ لَے۔”

—اَبُو حُرَیْرَا، تِیرِمِجِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“جَوِ کَوِی کِسی آءِدَم کی کِسی کَم جَوَار کَو دَکھ لَیتَا ہُے اُور اُسے دُوسَرِوں سَے دُپَاٹَا ہُے بَہ اُس آءِدَم کی تَرَف ہُے جَوِ کِسی جِندَا گِڑی دُکھ لَکھ کی کَو نِکَال کَرِے پَر سَے پَال لَیتَا ہُے۔”

—اَبُو حُرَیْرَا، تِیرِمِجِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“جَوِ آءِدَم کی چِیوں کَے کُری دَنے یا بَچَنے مَے یا اُپنَے کَرِجَدَارِوں سَے کَرِجَا وُصُول کَرِنے مَے نَرَبِی سَے کَام لَیتَا ہُے اَللّٰہ اُس پَر رَہْم کَرِے گا۔”

—جَابِر، بَخَارِی۔

اَنُوبَادک—شَیْخ مُجِیْب رِجَوِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“اُک دِن اُنہَا جَب اِیسے رَک پَیدا ہونکَے جَوِ دِیْن کَے نَام پَر دُنِیَا کَو دَہکا دَیے، لَوِیوں کَے سَامَنے وہ نِصْرَتَا سَے بَہُڑ بَنے رَہَیے، اُن کی زَبَان چِینی سَے بَہ اَدِک مِیٹِی ہَوِی پَر اُن کَے دِل بَہُڑیوں کَے سَے دِل ہونکَے۔ اَللّٰہ کَہتا ہُے:—‘کَیا وہ دَہیان ن دَیے؟ اُور مَی جَوِی تَہْمَت لَگَاۛیے؟ مَی اُپنی کَسم کَہاکر کَہتا ہوں مَی اُن ہِی مَے سَے اِیسے لَوِی پَیدا کَر دُونگا جَوِ اُن کَے لَے اَنَت سَہاکر اُور اُن مَے جَوِ سَب سَے اَدِک بَنے ہونکَے وہ بَہُڑ جَانِیے۔’

—اَبُو حُرَیْرَا، تِیرِمِجِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“سَچ مُسِ آءِدَم کی اُیلاَد مَے شَیْطَان کَا بَہ جَوَار ہُے اُور فرِشْتِے کَا بَہ جَوَار ہُے، شَیْطَان کَا جَوَار آءِدَم کی بَدِی کی تَرَف اُور سَچ کَا جَوَار بَتَانِے کی تَرَف لَے جَاتَا ہُے، اُور فرِشْتِے کَا جَوَار اُسے نَکَا کی تَرَف اُور سَچ کَا سَچ مَانَنے کی تَرَف لَے جَاتَا ہُے؛ اِس لَے جَوِ اُی جِیتَا اُپنَے اَنَدَر فرِشْتِے کَا جَوَار اَنُوبَہ کَرِے اُسے جَانَنَا چَاہِیے کِی یہ اَللّٰہ کی تَرَف سَے ہُے، اِس کَے لَے اُسے اَللّٰہ کَا شُکُری جَار ہونا چَاہِیے؛ اُور جَوِ اُی جِیتَا اُپنَے اَنَدَر شَیْطَان کَا جَوَار اَنُوبَہ کَرِے اُسے چَاہِیے کِی شَیْطَان سَے بَچَنے کَے لَے اَللّٰہ کی پَنَاہ لَے۔”

—اَبُو حُرَیْرَا، تِیرِمِجِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“جَوِ کَوِی کِسی آءِدَم کی کِسی کَم جَوَار کَو دَکھ لَیتَا ہُے اُور اُسے دُوسَرِوں سَے دُپَاٹَا ہُے وہ اُس آءِدَم کی تَرَف ہُے جَوِ کِسی زَندہ گِڑی گِڑی کَو نِکَال کَرِے پَر سَے پَال لَیتَا ہُے۔”

—اَبُو حُرَیْرَا، تِیرِمِجِی۔

مُحَمَّد صَاحِب نے کہا:—“جَوِ آءِدَم کی چِیوں کَے کُری دَنے یا بَچَنے مَے یا اُپنَے کَرِجَدَارِوں سَے کَرِجَا وُصُول کَرِنے مَے نَرَبِی سَے کَام لَیتَا ہُے اَللّٰہ اُس پَر رَہْم کَرِے گا۔”

—جَابِر، بَخَارِی۔

اَنُوبَادک—شَیْخ مُجِیْب رِجَوِی۔

دُنیا بھر کی ماؤں کے نام

دُنیا بھر کی ماؤں کے نام

شریمنی چین کوآنگ یو

شریمنی چین کوآنگ یو

[جولائی سن 1955 میں سوئٹزرلینڈ کے شہر لاہسن میں 'دُنیا بھر کی ماؤں کی پہلی کانگریس' ہوئی تھی۔ اس میں دور دور کے چھیانوہ دیکھنے سے بارہ سو ماؤں آکر جمع ہوئی تھیں۔ چین اور ہندوستان کی کچھ ماؤں نے بھی اس میں حصہ لیا تھا۔ یہ لکھ ایک ایسی چینی ماں کا لکھا ہوا ہے جو کسی کارن اس کانگریس میں نہیں پہنچ سکی۔ ایڈیٹر]

[جولائی سن 1955 میں سوئٹزرلینڈ کے شہر لاہسن میں 'دُنیا بھر کی ماؤں کی پہلی کانگریس' ہوئی تھی۔ اس میں دور دور کے چھیانوہ دیکھنے سے بارہ سو ماؤں آکر جمع ہوئی تھیں۔ چین اور ہندوستان کی کچھ ماؤں نے بھی اس میں حصہ لیا تھا۔ یہ لکھ ایک ایسی چینی ماں کا لکھا ہوا ہے جو کسی کارن اس کانگریس میں نہیں پہنچ سکی۔ ایڈیٹر]

جس سب دیکھنے والی ماؤں کے نمائندے لاہسن میں جمع رہے تھے میں پیننگ کے پانچویں مونسپل اسپتال کے زچہ خانے (میٹرنٹی وارڈ) میں پڑی ہوئی تھی۔ میرے بچہ ہونے والا تھا۔ اسپتال کا وہ وارڈ مجھے بہت ہی پیارا لگتا تھا، ٹھنڈی اور شانت جگہ، سکےد بسترے، سکےد دیواریں اور سفید وردیاں پہنے ہوئے نرسیں۔ بھری بھری دیر کے بعد کوئی نرس دواؤں کا تاس خانہ میں آئے ٹپ ٹپ کرنی ہوئی کسی ایک زچہ کھر کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی جس سے پتہ لگ جاتا تھا کہ کسی کمرے میں ایک اور نئی جان پیدا ہونے والی ہے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں کے باہر سنہرے درختوں کی ہری کوسل شاخیں ہوا میں اُڑا رہی تھیں۔ کبھی کبھی جھینگر کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

جس سب دیکھنے والی ماؤں کے نمائندے لاہسن میں جمع رہے تھے میں پیننگ کے پانچویں مونسپل اسپتال کے زچہ خانے (میٹرنٹی وارڈ) میں پڑی ہوئی تھی۔ میرے بچہ ہونے والا تھا۔ اسپتال کا وہ وارڈ مجھے بہت ہی پیارا لگتا تھا، ٹھنڈی اور شانت جگہ، سکےد بسترے، سکےد دیواریں اور سفید وردیاں پہنے ہوئے نرسیں۔ بھری بھری دیر کے بعد کوئی نرس دواؤں کا تاس خانہ میں آئے ٹپ ٹپ کرنی ہوئی کسی ایک زچہ کھر کی طرف جاتی ہوئی معلوم ہوتی تھی جس سے پتہ لگ جاتا تھا کہ کسی کمرے میں ایک اور نئی جان پیدا ہونے والی ہے۔ بڑی بڑی کھڑکیوں کے باہر سنہرے درختوں کی ہری کوسل شاخیں ہوا میں اُڑا رہی تھیں۔ کبھی کبھی جھینگر کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔

2 جولائی کو میرے بچہ پیدا ہوا۔ یہ میرا چوتھا بچہ تھا۔ جب میں نے اس کا چھوٹا سا کلاسی چہرہ، کالے بال اور گدگدے چہرے چہرے ہاتھ دیکھے تو میں اپنے گریہوتی دھنکے کے دنوں کی ساری تلبیسوں اور بچہ پیدا ہونے کے سبب درد بھول گئی۔ میں نے اپنی آنکھ پھرا کر وارڈ کی دوسری عورتوں کی طرف دیکھا۔ کئی کے ابھی ابھی اُن کا پہلا بچہ پیدا ہوا تھا۔ اور کئی کے پہلے بھی کئی بچے ہو چکے تھے۔ وہ بھی میری طرف دیکھ کے مسکرائے لگیں۔ ظاہر ہے وہ سب اُننی ہی خوش تھیں جتنی میں۔ اور خوش کیوں نہ ہوتیں؟ بچے ہی ماؤں کی اُمیدیں ہوتے ہیں۔ بچے مانو سماج کے بھول ہوتے ہیں۔

2 جولائی کو میرے بچہ پیدا ہوا۔ یہ میرا چوتھا بچہ تھا۔ جب میں نے اس کا چھوٹا سا کلاسی چہرہ، کالے بال اور گدگدے چہرے چہرے ہاتھ دیکھے تو میں اپنے گریہوتی دھنکے کے دنوں کی ساری تلبیسوں اور بچہ پیدا ہونے کے سبب درد بھول گئی۔ میں نے اپنی آنکھ پھرا کر وارڈ کی دوسری عورتوں کی طرف دیکھا۔ کئی کے ابھی ابھی اُن کا پہلا بچہ پیدا ہوا تھا۔ اور کئی کے پہلے بھی کئی بچے ہو چکے تھے۔ وہ بھی میری طرف دیکھ کے مسکرائے لگیں۔ ظاہر ہے وہ سب اُننی ہی خوش تھیں جتنی میں۔ اور خوش کیوں نہ ہوتیں؟ بچے ہی ماؤں کی اُمیدیں ہوتے ہیں۔ بچے مانو سماج کے بھول ہوتے ہیں۔

اپنے بسترے میں پڑی ہوئی میں بہت کچھ سوچتی رہی۔ سب سے ادھک مجھے یہ دُچار آتا تھا کہ پہلے کے مقابلے میں ماؤں کے ساتھ چین میں اب کتنا ادھک اچھا سلوک ہوتا ہے۔ پرانے چین میں عورت ہونا کوئی مذاق

اپنے بسترے میں پڑی ہوئی میں بہت کچھ سوچتی رہی۔ سب سے ادھک مجھے یہ دُچار آتا تھا کہ پہلے کے مقابلے میں ماؤں کے ساتھ چین میں اب کتنا ادھک اچھا سلوک ہوتا ہے۔ پرانے چین میں عورت ہونا کوئی مذاق

نہیں تھا۔ ایک گیت میں یہ شہد آتے ہیں:—

پُرانا چین ایک گڈھا تھا،
اُتھا بھینکر اور منکوس

عام چلتا اُس گڈھے میں کچلی جاتی تھی،
پوسپ سے ادھک درگت عورتوں کی ہوتی تھی۔

بات بالکل سچی ہے۔ اُن دونوں ماں باپ اپنی لڑکیوں کو ایک ایسے نام سے پکارتے تھے جس کے معنی ہیں ”وہ“۔ مال جس پر گھاتا ہی گھاتا ہو۔“ بہت سی مائیں اگر اُن کے لڑکی ہوتی تھیں تو پیدا ہوتے ہی اُسے پانی میں ڈبو کر مار ڈالتی تھیں۔ لڑکیاں جب بڑی ہو جاتی تھیں تو بیلکھل مال اسباب کی طرح بیچی اور خریدی جاتی تھیں۔ عام طور پر بچپن میں ہی اُن کی سگائی کر دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جس لڑکے کے ساتھ کسی لڑکی کی سگائی کر دی جاتی تھی وہ لڑکا اگر شادی سے پہلے مر جاتا تھا تو اُس لڑکی کی شادی لڑکی کی ایک ایسی بچی کے ساتھ کر دی جاتی تھی جس پر اُس لڑکے کا نام لکھا ہوتا تھا۔ سمجھا جاتا تھا کہ اِس طرح لڑکی کی ”شادی“ لڑکے کی روح کے ساتھ ہو گئی۔ جو لڑکیاں چھوٹی عمر میں دھوا ہو جاتی تھیں انہیں اُس زمانے کے رواج کے अनुसार دوسری شادی کرنے کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو مائیں چاہتی تھیں کہ اُن کے بچے ہوں انہیں قہراً جانا تھا، کیونکہ ہر نئے بچے کا مطلب یہ تھا کہ ایک اور نئے منہ کو کھانا دینا پڑے گا۔ جو مائیں یہ چاہتی تھیں کہ اُن کے بچوں کو بیلے دن دیکھنے کو ملے اُن کی اُشاؤں کے راستہ میں ایک ہزار ایک مصیبتیں تھیں۔ بھوک، سردی، بیماری اور موت تک سدا بچوں کے سامنے ناچتی رہتی تھیں۔ ماں کا جیون اُن دنوں دکھ اور چنٹاؤں سے بھرا رہتا تھا۔

اس کے بعد اِٹھاس نے نیا پننا پلٹا۔ سن 1949 میں چین کے اندر جنٹا کے راج نے جنم لیا۔ ہم عورتوں کو جنہیں اُس سے پہلے کچلا جاتا تھا اور غلام بنا کر رکھا جاتا تھا، اب سماج کے اندر گرو کے ساتھ اُچت استہان ملا۔ تب سے لیکر عورتوں کو راجکاجی، مالی، ساجی اور گڑھستی کے جیون میں مردوں کے ساتھ ساتھ برابر کے ادھکار ملنے لگے۔ سرکار نے عورتوں اور بچوں کی خاص طرح سے رکھا کرنی شروع کی۔ نئے چین کے ودھان میں عورتوں کے ادھکار ایسے شعبوں میں لکھے ہوئے ہیں جن کے کوئی دو اُرتہ نہیں لگائے جاسکتے۔

عورتوں کو سب طرح کی نوکریاں ملنے لگیں۔ سب دھندے اور سب کاروبار اُن کے لئے کھول دیئے گئے۔ سماچار پتروں میں آئے دن طرح طرح کی ”پہلی عورتوں“ کی چرچا ہونے لگی، جیسے—پہلی ٹریکٹر چلانے والی عورت، پہلی ہینچن چلانے والی عورت، پہلی ہوائی جہاز چلانے

ایس کے بعد اِٹھاس نے نیا پننا پلٹا۔ سن 1949 میں چین کے اندر جنٹا کے راج نے جنم لیا۔ ہم عورتوں کو جنہیں اُس سے پہلے کچلا جاتا تھا اور غلام بنا کر رکھا جاتا تھا، اب سماج کے اندر گرو کے ساتھ اُچت استہان ملا۔ تب سے لیکر عورتوں کو راجکاجی، مالی، ساجی اور گڑھستی کے جیون میں مردوں کے ساتھ ساتھ برابر کے ادھکار ملنے لگے۔ سرکار نے عورتوں اور بچوں کی خاص طرح سے رکھا کرنی شروع کی۔ نئے چین کے ودھان میں عورتوں کے ادھکار ایسے شعبوں میں لکھے ہوئے ہیں جن کے کوئی دو اُرتہ نہیں لگائے جاسکتے۔

عورتوں کو سب طرح کی نوکریاں ملنے لگیں۔ سب دھندے اور سب کاروبار اُن کے لئے کھول دیئے گئے۔ سماچار پتروں میں آئے دن طرح طرح کی ”پہلی عورتوں“ کی چرچا ہونے لگی، جیسے—پہلی ٹریکٹر چلانے والی عورت، پہلی ہینچن چلانے والی عورت، پہلی ہوائی جہاز چلانے

بالی اورت، بویرا بویرا، آج اورتے کارخانوں کی ڈائریکٹر ہیں، اورتے سرکاری بویر ہیں۔ آج یہ سب باتیں بیلکول مامولی ہو گئی ہیں۔

بیلی سرکار جناتا کی سرکار ہے۔ اس جناتا کی سرکار نے اورتوں اور بچوں کے لیے بڑی بڑی آجیہ باتیں کر ڈالی ہیں۔ میں پیکنگ کے نمبر 4 سٹینڈرڈ گارنس میڈیکل اسکول میں پڑاتی تھی۔ سن 1949 سے پہلے میں وہاں پڑاتی تھی۔ پر ان دنوں میری نوکری ہر زمانہ خیرت میں رہتی تھی۔ یہ بڑا بڑا تھا کہ جہاں کسی پوہالہ والی عورت کے ایک اور بچہ پیدا ہوا تو نہ تو اس کی نگہداشت ہوگی۔ اب نوکری کے معاملے میں میں بالکل نشیمن ہوں۔ دوسری پوہالہ والی استریوں کی طرح مجھے بچہ پیدا ہونے کے سلسلے 56 دن کی چھٹی پوری تنخواہ پر ملتی ہے۔ اسپتال میں مجھے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ راج کی طرف سے مجھے مفت دوا اور اچھے سے اچھا علاج ملتا ہے۔ ابھی جو میرے بچہ ہوا ہے وہ لڑکی ہے۔ میری اس لڑکی کا لڑکپن اس کی ماں کے لڑکپن کے مقابلہ میں کہیں ادھک سکھ سے بیٹھا۔ نئی سرکار کی بدولت اب لڑکیوں اور لڑکوں سب کے لئے ہزاروں نرسری ہیں، کونڈرگٹن ہیں، پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں اور کالج ہیں۔ ساری تعلیم یا تو بالکل مفت ہے اور یا نام کو تھوڑی سی فیس لی جاتی ہے۔ ان سب سسٹمز کو سرکار سے بڑی بڑی گرانٹیں ملتی ہیں۔ میری لڑکی کو ہر طرح کی تعلیم ٹھیک ٹھیک مل سکے گی۔ اپنی طبیعت اور اپنے رجحان کے انوسار وہ جس دھڑے یا جس گھر کو چاہیگی اپنا سکھائیگی۔ سارا اسی کے اپنے دیہ اور اپنے سماج کے لئے ایک ابدی امدادی ہونے کا اُسے پورا پورا اوسر ملے گا۔

میں اب جانتی ہوں کہ دنیا میں ابھی تک مٹی بھر آدمی اس طرح کے ہیں جو اپنی جیبیں بھرنے کے لئے دنیا کی جناتا کو ایک دوسرے سے لڑانا اور ایک دوسرے سے کٹوا دینا چاہتے ہیں۔ یہ مٹی بھر لوگ تو اور گہراہٹ کی سوا پیدا کر رہے ہیں اور ایک نئی بڑی جنگ کھڑی کر دیلے کی فکر میں ہیں۔ بینکوں میں اپنی جمع بڑھانے کے لئے اور ادبوں کی کل گرانٹوں میں اپنے حصوں کی قسمت بڑھا دینے کے لئے یہ لوگ جان بوجھ کر اس طرح کی سازشیں کر رہے ہیں جن سے لاکھوں آدمی مجبور ہو کر ان کی توہین کا چارہ بن جاویں اور دنیا کی عورتوں سے ان کے بچے اور ان کے بچے جن جاویں۔

میں جس وقت بیٹھی تھی یہ لکھ رہی تھی کہ میں نے سامنے دو دن کا ایک پرانا اخبار پڑا ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سائیکٹ راج امریکہ میں 15 جون سے 17 جون تک ہائٹروجن بم کے حملے کا ایک پریڈرشن کیا گیا۔ یہ

والی عورت، بویرا بویرا، آج عورتیں گرانٹوں کی ڈائریکٹر ہیں، عورتیں سرکاری بویر ہیں۔ آج یہ سب باتیں بالکل معمولی ہو گئی ہیں۔

چھٹی سرکار جناتا کی سرکار ہے۔ اس جناتا کی سرکار نے عورتوں اور بچوں کے لئے بڑی بڑی عظیم باتیں کر ڈالی ہیں۔ میں پیکنگ کے نمبر 4 میونسپل گارنس میڈیکل اسکول میں پڑاتی تھی۔ سن 1949 سے پہلے میں وہاں پڑاتی تھی۔ پر ان دنوں میری نوکری ہر زمانہ خطرے میں رہتی تھی۔ یہ تو رہتا تھا کہ جہاں کسی پوہالہ والی عورت کے ایک اور بچہ پیدا ہوا تو نہ تو اس کی نگہداشت ہوگی۔ اب نوکری کے معاملے میں میں بالکل نشیمن ہوں۔ دوسری پوہالہ والی استریوں کی طرح مجھے بچہ پیدا ہونے کے سلسلے 56 دن کی چھٹی پوری تنخواہ پر ملتی ہے۔ اسپتال میں مجھے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ راج کی طرف سے مجھے مفت دوا اور اچھے سے اچھا علاج ملتا ہے۔ ابھی جو میرے بچہ ہوا ہے وہ لڑکی ہے۔ میری اس لڑکی کا لڑکپن اس کی ماں کے لڑکپن کے مقابلہ میں کہیں ادھک سکھ سے بیٹھا۔ نئی سرکار کی بدولت اب لڑکیوں اور لڑکوں سب کے لئے ہزاروں نرسری ہیں، کونڈرگٹن ہیں، پرائمری اور سیکنڈری اسکول ہیں اور کالج ہیں۔ ساری تعلیم یا تو بالکل مفت ہے اور یا نام کو تھوڑی سی فیس لی جاتی ہے۔ ان سب سسٹمز کو سرکار سے بڑی بڑی گرانٹیں ملتی ہیں۔ میری لڑکی کو ہر طرح کی تعلیم ٹھیک ٹھیک مل سکے گی۔ اپنی طبیعت اور اپنے رجحان کے انوسار وہ جس دھڑے یا جس گھر کو چاہیگی اپنا سکھائیگی۔ سارا اسی کے اپنے دیہ اور اپنے سماج کے لئے ایک ابدی امدادی ہونے کا اُسے پورا پورا اوسر ملے گا۔

میں اب جانتی ہوں کہ دنیا میں ابھی تک مٹی بھر آدمی اس طرح کے ہیں جو اپنی جیبیں بھرنے کے لئے دنیا کی جناتا کو ایک دوسرے سے لڑانا اور ایک دوسرے سے کٹوا دینا چاہتے ہیں۔ یہ مٹی بھر لوگ تو اور گہراہٹ کی سوا پیدا کر رہے ہیں اور ایک نئی بڑی جنگ کھڑی کر دیلے کی فکر میں ہیں۔ بینکوں میں اپنی جمع بڑھانے کے لئے اور ادبوں کی کل گرانٹوں میں اپنے حصوں کی قسمت بڑھا دینے کے لئے یہ لوگ جان بوجھ کر اس طرح کی سازشیں کر رہے ہیں جن سے لاکھوں آدمی مجبور ہو کر ان کی توہین کا چارہ بن جاویں اور دنیا کی عورتوں سے ان کے بچے اور ان کے بچے جن جاویں۔

میں جس وقت بیٹھی تھی یہ لکھ رہی تھی کہ میں نے سامنے دو دن کا ایک پرانا اخبار پڑا ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سائیکٹ راج امریکہ میں 15 جون سے 17 جون تک ہائٹروجن بم کے حملے کا ایک پریڈرشن کیا گیا۔ یہ

ایک بہت بڑا پردرشن تھا جس کے گھبرے میں واشنگٹن اور نیویارک کو ملا کر 50 سے اوپر شہر آگئے تھے۔ یونائیٹڈ پریس نام کی خبر دینے والی ایجنسی نے اس کی بابت لکھا ہے کہ اس طرح کا اتنا بڑا پردرشن کبھی نہیں ہوا تھا اور ”یہ ایک پھینکر پوری پوری نقل تھی جو بالکل اصل کے مطابق تھی۔“

یہ سب کبھی ہو رہا ہے؟ کیا کوئی امریکہ کے اوپر روجن ہم پھینکنے جا رہا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! امریکہ کے کل کارخانوں کے بڑے بڑے سرمایہ دار اور وہاں کے فوجی جنرل ہی ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم پر ہاتھ لگاتے ہیں۔ وہ ہی اس طرح کی ”نقلیں“ کراتے ہیں اور ان سے آجکل کی ٹھنڈی جنگ کو گرما گرم جنگ میں بدل دینا چاہتے ہیں۔ جو دیش امن اور چننا کے ہت کی طرف ہیں وہ شروع سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ایٹمی ہتھاروں پر بندش لگادی جارے اور عام ہتھار بھی کم نہ جائیں۔ سب مائیں امن چاہتی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اپنے بستروں میں شانتی سے سوئیں۔ ہم نے کبھی دوسروں کو دھمکیاں نہیں دیں، اور نہ ہم دوسروں کی دھمکیوں سے ڈرتے ہیں۔

دوسری دوسری بیٹی بیٹی بیٹی نے جب کسی کو یہ کہنا سنا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو شانتی پسند نہیں کرتے اور جنگ چھیڑ دینا چاہتے ہیں تو اس نے گہرا کر مہری طرف دیکھا اور پوچھا:—”کیا ان لوگوں کے سارے بدن پر جانوروں کی طرح بال ہیں؟ کیا ان کے بڑے بڑے دانت اور تیز پلچے ہیں؟“

ہم ہنس پڑے۔ پر سچی بات یہ ہے کہ یہ بات اتنی ہنسی کی نہیں ہے۔ مہری وہ بچی اپنے چہرے سے دماغ سے یہ سمجھتی ہے کہ ہر آدمی میں کچھ شان اور آن ہونا ضروری ہے۔ سچ مچ جو لوگ آدمیوں کے خون سے ڈالر تھالنا چاہتے ہیں وہ آدمی نہیں ہیں۔ وہ آدمیوں کے روپ میں درندے ہیں۔

میرے سب سے بڑے بیٹے کا نام کانگ کانگ ہے۔ وہ اب دو برس سے اسکول جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں کچھ جانتا ہوں۔ اس نے کہا کہ:—”اگر وہ لوگ درندے ہیں تو انہیں زنجیروں سے باندھ کر رکھنا ہوگا۔ ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ لوگوں کو کھا جائیں۔“ اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ ہمیں ایسا کرنا ہی پڑیگا۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے بیٹیاں جنگ میں مٹ جائیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری مائوں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری مائوں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم ہنس پڑے۔ پر سچی بات یہ ہے کہ یہ بات اتنی ہنسی کی نہیں ہے۔ مہری وہ بچی اپنے چہرے سے دماغ سے یہ سمجھتی ہے کہ ہر آدمی میں کچھ شان اور آن ہونا ضروری ہے۔ سچ مچ جو لوگ آدمیوں کے خون سے ڈالر تھالنا چاہتے ہیں وہ آدمی نہیں ہیں۔ وہ آدمیوں کے روپ میں درندے ہیں۔

میرے سب سے بڑے بیٹے کا نام کانگ کانگ ہے۔ وہ اب دو برس سے اسکول جا رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں کچھ جانتا ہوں۔ اس نے کہا کہ:—”اگر وہ لوگ درندے ہیں تو انہیں زنجیروں سے باندھ کر رکھنا ہوگا۔ ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ وہ لوگوں کو کھا جائیں۔“ اس کا کہنا بھی ٹھیک ہے۔ ہمیں ایسا کرنا ہی پڑیگا۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے بیٹیاں جنگ میں مٹ جائیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری مائوں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری مائوں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے بیٹیاں جنگ میں مٹ جائیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری مائوں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری مائوں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے بیٹیاں جنگ میں مٹ جائیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری مائوں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری مائوں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

ہم مانو جاتی کی مائیں ہیں۔ مائیں سدا شانتی چاہتی ہیں اور جنگ کا وردھ کرتی ہیں۔ مائیں دنیا بھر میں بچوں کو پالنے پوسنے میں لگی رہتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے بیٹیاں جنگ میں مٹ جائیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے بیٹے دوسری مائوں کے بیٹوں کو کاٹیں، نہ وہ یہ چاہتی ہیں کہ دوسری مائوں کے بیٹے ان کے بیٹوں کو کاٹیں۔ جو جان پیدا کرتی ہیں انہیں کا کام جان کی رکشا کرنا ہی ہے۔

دُنیا بھر کی ماؤں یہ کبھی نہیں بھول سکتیں کہ دوسرے مہابھ میں چار کروڑ سے اوپر آدمی مرے تھے جن میں بہت سے اُن کے اپنے بچے اور بچے تھے۔ ہم مائیں ایک، بیلسین اور آسٹریشن کے اُن جیل کیمپوں کو کبھی نہیں بھولیں گے جن میں لاکھوں بچے کے قہری رکھے جاتے تھے۔ لیڈائس شہر کے قتل عام کو ہم کبھی نہیں بھولیں گے، نہ ہم ہیروشا اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسائے جانے کو کبھی بھولیں گے، نہ ہم حال میں جنگ کے کارن کرپا اور ویتنام کی بربادی کو بھول سکتے ہیں۔ چین کی ماؤں کو جنگ کا کافی بھینکر تجربہ ہے۔

یہ سب چیزیں ہمارے دماغوں میں ابھی تازہ ہیں۔ ایسی حالت میں دوسرے مہابھ کے ختم ہونے کے دس برس کے اندر ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ایک نئے مہابھ کا خطرہ ہمارے اور ہمارے بچوں کے سامنے ہے۔

یہی کارن تھا کہ جب میں نے اسپتال میں پڑے پڑے بائرنلےس سے یہ خبر سنی کہ دُنیا بھر کی ماؤں کی پہلی کانگریس ہونے جا رہی ہے تو جوش اور خوشی سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد جب میں گھر واپس گئی تو میں نے اخباروں میں وہ اعلان پڑھا جو اُس کانگریس نے شائع کیا تھا۔ اُس اعلان میں یہ مانگ کی گئی تھی کہ سب ایٹمی ہتھیاروں کا استعمال بند کر دیا جائے اور اِس طرح کے سب ہتھیاروں کو نشٹ کر دیا جائے، ایٹمی شہتی کو شانتی کے رجحان تک کموں میں لگایا جائے، سب دیشوں میں ہتھیاروں اور فوجوں کو کم کیا جائے، اور جو روپیہ اِس طرح سے بچے اُسے سماج سیوا کے کموں میں اور بچوں کی بھلائی کے کاموں میں لگایا جائے۔ دُنیا بھر کی ماؤں نے سانجکت راشٹر سنگھ سے اور چار ہڑی سرکاروں کی کانفرنس سے یہی اپیل کی ہے۔

میرا حال کا بچہ یعنی میری چوتھی لڑکی ابھی جاگ گئی ہے۔ مجھے اُسے دودھ پلانا ہے۔ میں اور میرے بچے اُس کے بسترے کی طرف جارہے ہیں۔ وہ اپنی چھوٹی چھوٹی پیاری آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھ رہی ہے۔ پاس کی میز پر سے سفید چمچائی کے پیواریں کی بھیننی بھیننی مہک اُڑی ہے۔ سنہری مچھلیاں خوشی خوشی پاس کے تالاب میں تیر رہی ہیں۔ ہمارا دو برس کا بچہ یونین صحن میں اُدھر اُدھر کھیل رہا ہے اور خوشی سے چلا رہا ہے، ہر چیز جیون اور آند سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پیواریں کی سنگدہ کا آند لیں اور بارود کی درگندہ سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پیواریں کی سنگدہ کا آند لیں اور بارود کی درگندہ سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پیواریں کی سنگدہ کا آند لیں اور بارود کی درگندہ سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پیواریں کی سنگدہ کا آند لیں اور بارود کی درگندہ سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پیواریں کی سنگدہ کا آند لیں اور بارود کی درگندہ سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

میں چاہتی ہوں کہ دُنیا بھر کے بچے پیواریں کی سنگدہ کا آند لیں اور بارود کی درگندہ سے بچے رہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے سب کے بچے جیون کے سکھ کو اُنہوہ کریں، جنگ کی اعنت کو نہیں۔ میں ایک معمولی چینی عورت ہوں۔ میں چار بچوں کی ماں ہوں۔ میں دُنیا بھر کی ماؤں کو سلام کرنا چاہتی ہوں اور اعلان کرتی ہوں کہ لہین کی

ماہوں کی کونگریس نے جو اعلان نکالا ہے اس سے میں پوری طرح جہمت ہوں۔ مہری اپنی چھوٹی سی کوششوں سے بہت کچھ نہیں ہو سکتا، پر بڑی سب دیشوں کی مائیں اٹھ کھڑی ہوں اور اس کلم میں لگ جاویں تو مجھے وشواس ہے کہ ہم جنگ کے خولی ہاتھ کو روک سکتے ہیں، اور اس بات کا پکا پربلندہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے بچوں کا بیوشیہ شانتی اور سکھ سے بھرا ہوا ہو۔

بڑی ہم سب ملکر ہرگز ہرجاویں تو کئی ہمیں جوت نہیں سکتا۔

("پیپرس چائنا" سے)

ملوں کی کونگریس نے جو اعلان نکالا ہے اس سے میں پوری طرح جہمت ہوں۔ مہری اپنی چھوٹی سی کوششوں سے بہت کچھ نہیں ہو سکتا، پر بڑی سب دیشوں کی مائیں اٹھ کھڑی ہوں اور اس کلم میں لگ جاویں تو مجھے وشواس ہے کہ ہم جنگ کے خولی ہاتھ کو روک سکتے ہیں، اور اس بات کا پکا پربلندہ کرسکتے ہیں کہ ہمارے بچوں کا بیوشیہ شانتی اور سکھ سے بھرا ہوا ہو۔

بڑی ہم سب ملکر ہرگز ہرجاویں تو کئی ہمیں جوت نہیں سکتا۔

("پیپرس چائنا" سے)

کروموں کروموں کے بیچ دوستی

کروموں کروموں کے بیچ دوستی

شی نکیٹا خورشچیر

شی نکیٹا خورشچیر

[24 نومبر سن 1955 کی شام کو بربئی میں
ہندو-سویات کلچرل سوسائٹی کی طرف سے شی
بولگانین اور شی خورشچیر کی स्वागत سभा में श्री
निकिता ख़रुचेव का भाषण.]

[24 نومبر سن 1955 کی شام کو بربئی میں ہند
سویات کلچرل سوسائٹی کی طرف سے شری بلگانین اور شری
خورشچیر کی سواگت سبھا میں نکیٹا خورشچیر کا بیاشن۔]

❀ ❀ ❀

❀ ❀ ❀

دوستو،

دوستو،

ہم سب دوست ہیں، کیونکہ یہ جلسہ ایک ایسی
سوسائٹی کی طرف سے ہے جس کا مقصد ہی بھارت اور سوویت
یونین میں دوستی کو بڑھانا اور مضبوط کرنا ہے۔

ہم سب دوست ہیں، کیونکہ یہ جلسہ ایک ایسی
سوسائٹی کی طرف سے ہے جس کا مقصد ہی بھارت اور سوویت
یونین میں دوستی کو بڑھانا اور مضبوط کرنا ہے۔

اپنے دوست نیکولائی بلگانین کی طرح میں بھی اس سوسائٹی
کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر بالیکا کو دھنیواد دیتا ہوں۔ میں بربئی
کے گورنر شری مہتاب کو بھی دھنیہ واد دیتا ہوں کیونکہ وہ
اس سوسائٹی کے کام میں مدد دیتے ہیں اور انہوں نے کرپا کر
کے ہمیں آپ کے اس ادبیت شہر میں آنے کی دعوت دی ہے۔

اپنے دوست نیکولائی بلگانین کی طرح میں بھی اس سوسائٹی
کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر بالیکا کو دھنیہ واد دیتا ہوں۔ میں بربئی
کے گورنر شری مہتاب کو بھی دھنیہ واد دیتا ہوں کیونکہ وہ
اس سوسائٹی کے کام میں مدد دیتے ہیں اور انہوں نے کرپا کر
کے ہمیں آپ کے اس ادبیت شہر میں آنے کی دعوت دی ہے۔

میں آپ کی ریاست کے چیف منسٹر شری دیپتی کا بھی
شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ سب کو جو ہم سے ملنے کے لئے
یہاں آئے ہیں دھنیہ واد دیتا ہوں۔

میں آپ کی ریاست کے چیف منسٹر شری دیپتی کا بھی
شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں آپ سب کو جو ہم سے ملنے کے لئے
یہاں آئے ہیں دھنیہ واد دیتا ہوں۔

क्रीमों क्रीमों के बीच दोस्ती

कभी कभी जब आदमी बोलने लगता है तो भावुकता की वजह से वह अपने भाषण का ठीक ठीक रूप नहीं दे पाता।

ऐसा लगता है कि इस समय मेरे लिये सबसे मुनासिब मजबूत कौमों कौमों के बीच की दास्ती है.

दोस्तीयां कई तरह की होती हैं. एक दोस्ती वह होती है कि जिस में लोग एक दूसरे से घुल मिलकर सबमुच बास्तों की तरह रहते हैं. लेकिन एक तरह की “दास्ता” वह भी होती है जिसमें लोग एक दूसरे के पास पास पड़ासियों की तरह रहते हैं लेकिन एक दूसरे का अपने यहां आने की बाबत नहीं देते. यही हालत देशों और राज्यों का है. कुछ लोग अगरचे एक ही धरती पर रहते हैं फिर भी उनमें सच्ची दोस्ती नहीं होती. ऐसी सूरत में आप पसन्द करें या न करें आप को किसी न किसी तरह एक दूसरे से निबाहना ही पड़ता है.

हमारा महान नेता लैनिन इस तरह के बिनाहने को “को-एगजिस्टेन्स” यानी “साथ-साथ रहना” कहा करता था.

यह साथ साथ रहने की बात बहुत ही मजे की है, दुनिया में कुछ लोग ऐसे हैं जो पूछते हैं कि क्या इस तरह साथ साथ रहना मुमकिन है ? मुझे लगता है कि यह सवाल ही नहीं उठता, क्यों इस तरह के देश अमल में साथ साथ रह ही रहे हैं, फिर भी लांग यह सवाल उठाते रहते हैं. मैं आपसे कहना चाहता हूँ कि बच्चा पैदा हो या न हो यह बात मां बाप के हाथों में जरूर है लेकिन यह बात उनके हाथों में नहीं है कि बच्चा किस दिन और किस घड़ी पैदा हो या बच्चा वैसा ही हो जैसा वह चाहते हैं.

इतिहास की प्रगति को रोक सकना कैसे मुमकिन हो सकता है, और नई नई समाजी व्यवस्थाओं का पैदायश को भी कौन रोक सकता है ? जिस तरह सूरज रोज़ सुबह निकलता है उसी तरह पुराने समाजी ढाँचों की जगह नए और अधिक प्रगतिशील ढाँचों का पैदा होते रहना भी जरूरी है.

ठीक इसी नियम के अनुसार हमारे सोवियत राज का जन्म हुआ. दुनिया में अपने हाथ पाँव से काम करने वालों का यह पहला राज था. यह मजदूरों और किसानों का राज है. जब यह नया राज पैदा हुआ तो और सब देशों और राजों ने घंटे बजाकर उसका स्वागत नहीं किया.

रूस के अन्दर पुरानी जारशाही का ढाँचा बिलकुल खोखला हो चुका था और सड़ चुका था। इसलिये हमारा अक्टूबर (1917) का इनक्रलाव लगभग बिना खून बहे ही सफल हो गया। लेकिन बाद में हमसे यह कहा गया, शब्दों में नहीं और सरकारी तौर पर नहीं, लेकिन कामों के जरिये कहा गया कि इस सावयत राज के पैदा होने की

قوموں قوموں کے بیچ دوستی

کبھی کبھی جب آدمی بولنے لگتا ہے تو بھاؤگتا کی وجہ سے
اُبلے پاشن کو تھیک تھیک روپ نہیں دے پاتا ۔

ایسا لگتا ہے کہ اس سینے مہرے لئے صاب سے مناسب مضمون
 قوموں قبروں کے بیچ کی درستی ہے۔

دوستیاں نئی طرح کی ہوتی ہیں ۔ ایک دوستی وہ ہوتی ہے کہ جس میں لوگ ایک دوسرے سے کھل مکھل سچ سچ دوستوں کی طرح رہتے ہیں ۔ لیکن ایک طرح کی ”دوستی“ وہ بھی ہوتی ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کے پاس پاس پڑوسوں کی طرح رہتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو اپنے یہاں آنے کی دعوت نہیں دیتے ۔ یہی حالت دیشوں اور راجہوں کی ہے ۔ کچھ لوگ اگرچہ ایک ہی دھرتی پر رہتے ہیں پھر بھی اُن میں سچی دوستی نہیں ہوتی ۔ ایسی صورت میں آپ پسند کریں یا نہ کریں آپ کو کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے نبھانا ہی پڑتا ہے ۔

ہمارا مہمان لیتا لینا اس طرح کے نباھلہ کو ”کڑ
ایگزسٹینس“ یعنی ”ساتھ ساتھ رہنا“ کہا کرتا تھا ۔

یہ ساتھ ساتھ رہنے کی بات بہت ہی مزے کی ہے ۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پوچھتے ہیں کہ کیا اِس طرح ساتھ ساتھ رہنا ممکن ہے ؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ سوال ہی نہیں اُٹھتا ، کیونکہ اِس طرح کے دیش عمل میں ساتھ ساتھ رہ ہی رہے ہیں ۔ پھر بھی لوگ یہ سوال اُٹھاتے رہتے ہیں ۔ میں آپ سے کہا چاہتا ہوں کہ بچے پیدا ہو یا نہ ہو یہ بات ماں باپ کے ہاتھوں میں ضرور ہے لیکن یہ بات اُن کے ہاتھوں میں نہیں ہے کہ بچے کس دن اور کس گھڑی پیدا ہو یا بچے ویسا ہی ہو جیسا وہ چاہتے ہیں ۔

اتھاس کی پڑکتی کو روک سکنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے، اور نئی نئی سماجی ویسیتاؤں کی پیدائش کو بھی کون روک سکتا ہے ؟ جس طرح سورج روز صبح نکلتا ہے اُسی طرح ہمارے سماجی قہانچوں کی جگہ نئے اور ادھک پڑکتی شیل قہانچوں کا پیدا ہوتے رہنا بھی ضروری ہے ۔

تھیک اسی فہم کے انوساز ہمارے سوویت راج کا جنم ہوا ۔
دنیا میں اپنے ہاتھ پاؤں سے کام کر رہے والوں کا یہ پہلا راج تھا ۔
یہ مزدوروں اور کسانوں کا راج ہے ۔ جب یہ نیا راج پیدا ہوا
تو اور سب دیشوں اور راجوں نے گھنٹے بجاتر اُس کا سواگت
نہیں کیا ۔

روس کے اندر پرانی زار شاہی کا تھما نیچہ بالکل کھوکھلا ہو چکا تھا اور سڑ چکا تھا۔ اِس لئے عمارتِ القبر (1917) کا انقلاب لگ بھگ بڑا حزنِ بھرا ہی سہی ہو گیا۔ لیکن بعد میں ہم سے یہ کہا گیا شدتوں میں نہیں اور سرکاری طور پر نہیں لیکن ماسکو کے ذریعہ کہا کہ اِس سورہہ تراج کے پیدا ہونے کی

کيا ضرورت تھی ؟ مزدوروں اور کسانوں کو حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کا کیا حکم تھا ؟

لوگوں نے یہ صرف کہا ہی نہیں انہوں نے نئے پیدا ہوئے سوویت راج کے خلاف اپنی فوجیں میدان میں اتار دیں ۔ فرانسیسیوں نے زبردستی اپنی فوجیں ہمارے اتردیس کے بلندگاہ پر اتاریں ۔ انگریزی فوجیں آرک ایلنڈس پر آدھمکیں ۔ امریکی فوجیں ولینڈیا سٹک میں پہنچ گئیں ۔ ان سب کے پیچھے پیچھے جاپانی فوجیں بھی ہمارے خلاف پہنچ گئیں ۔ اس سب سے نکلنے کا یہ ساری دنیا کو اچھی طرح معلوم ہے ۔ سوویت روس کے لوگوں نے ان سب حملہ آور فوجوں کو اسی طرح کھدیز کے اپنے ملک سے باہر نکال دیا جس طرح ایک اچھی سکڑ عورت اپنے گھر سے کڑے کچرے کو جہاز بھار کر باہر پھینک دیتی ہے ۔ لیکن کچھ دیشوں کو اس سے بھی سلتش نہیں ہوا ۔ وہ اپنے تجربے کو دہرانے چاہتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے دوسرا مہادھ کڑا کر دیا ۔ ان لوگوں نے سوویت روس کے خلاف ہٹلری جرمنی کی انکنت ہتھیار بند فوجوں کو بھڑا دیا ۔

ساری دنیا اچھی طرح جانتی ہے کہ اس کا بھی نتیجہ کیا ہوا ۔ سوویت یونین نے پھر ایک بار اپنے دشمنوں پر وجہ پرآپت کی ۔ اس جنگ سے قبول اتفاقی نہیں ہوا کہ سوویت یونین کمزور نہیں ہوئی بلکہ اس کی شکتی اور بڑھ گئی ۔ اس جنگ سے جو گھاؤ ہمارے لئے تھے آج سوویت یونین کے لوگوں کی کوششوں سے وہ سب گھاؤ بھر چکے ہیں اور اچھے ہو گئے ہیں ۔ پھر کے کارن ہمارا جو کاربار برباد ہو گیا تھا اسے سوویت کے لوگوں نے پھر سے ٹھیک کر لیا ہے ۔ یہاں تک کہ ہم نے کامیابی کے ساتھ جنگ کے بعد کی اپنی پہلی پنیج ورشی یوجنا پوری کر لی ہے اور ہم دوسری پنیج ورشی یوجنا پوری کر رہے ہیں ۔ ہمارا دیش تیزی سے بڑھ رہا ہے اور شانہ کے ساتھ پھلنا پھولتا جا رہا ہے ۔

مجموعہ اکتوبر کے انقلاب کے شروع کے دن یاد ہیں ۔ مجھے اپنے یہاں کی گھریلو جنگ کی بھی یاد ہے ۔ اس سمنے کوئل ایک لیٹن دیش کے بھوشہ کو صاف صاف دیکھ سکتا تھا ۔ لیٹن کو ہی اس کا اندازہ تھا کہ نیا پیدا ہوا سوویت راج تھوڑے دنوں میں کتنا شکتی شالی ہو جائیگا ۔

جو لوگ یہاں اس جلسہ میں موجود ہیں ان میں بہت بڑی تعداد دماغی کام کرنے والوں کی ہے ۔ اس سببندہ میں میں آپ کو اپنا اس سمنے کا ایک تجربہ بتانا چاہتا ہوں ۔ اس زمانے کے روس کے دماغی کام کرنے والوں میں اس انقلاب کو کس نگاہ سے دیکھا گیا ۔ بہت سے دماغی کام کرنے والوں نے اس کا سراکت کیا اور وہ ایمانداری کے ساتھ لئے سوویت راج کی سیوا میں لگ گئے ۔ لیکن کچھ

دیواری کام کرنے والوں کو तरह तरह کی دلیلیں سونپنے لگیں۔ وہ سوچنے لگے کہ کیا جانے کیا ہونے جا رہا ہے؟ لنین نے اور کمونسٹوں نے دہش کے شائن کا کام مچھڑوں اور کسانوں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ مچھڑے ان پڑھ ہیں۔ کسان ان سے بھی ادھک انہڑے ہیں۔ یہ لوگ دہش کے نیچے بن گئے ہیں! اب روسی کالچر کا کیا ہونگا؟ روسی آرٹ کی کدھر کون کرے گا؟ وہ روسی بیلے (ناچ) جو ساری دنیا میں مشہور تھے وہ اب سدا کے لئے ختم ہو جائیں گے۔ روسی آپرہ (ڈراما) کی وہ انقلاب سے پہلے اتنی زبردست ترقی کر چکی تھی اب مٹ جائیگی! اسی طرح دوسری طرح کے آرٹ، ناچ اور غزب بھی اب مٹ جائیں گے! کیونکہ ان کی سچی قدر کرنے والا اب کوئی نہ رہیگا!

لیکن اتنے دنوں کے انتہاس نے ان سب شکوں کو چھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ نئی سوویت تلچر پرانی روسی تلچر کے مقابلے میں اتنی اونچی پہنچ چکی ہے کہ دونوں میں کوئی تفرق نہیں رہی۔

آپ میں سے بہت سے اسی سال سوویت یونین جا چکے ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سوویت یونین کے اندر آرٹ اور کلا کی جتنی قدر آج ہوتی ہے اتنی انقلاب سے پہلے کے روس میں نہیں ہوتی تھی۔ سوویت نے اپنے پہلے کبھی بھی اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ مزدوروں اور کسانوں نے اپنے اندر سے اچھے سے اچھے ہونہار لوگوں کو چن کر یونیورسٹیوں اور اسی طرح کی دوسری سنسٹھوں میں بھیجا۔ جو مزدور اور کسان اپنے کام میں لگے رہے ان میں بھی تلچر نے بہت اگنتی لی۔ ہمیں اس کا اہمیان ہے۔ ہمارے دشمن اسے پسند کریں یا نہ کریں سوویت یونین زندہ ہے اور کیول زندہ ہی نہیں ہے، بڑھ رہی ہے اور اگنتی کر رہی ہے۔ ہمارا کارہار اور ہماری مالی حالت بہت مضبوط ہے، تلچر بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کی خوشحالی بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

یہ سب ایسی حالت میں ہو رہا ہے جب کہ اس طرح کی شکایاں موجود ہیں جنہیں ہم سے دشمنی ہے، جنہیں نے ابھی تک ہمارے دہش کا کلا کھونٹ کر اسے ختم کر دینے کا وچار چھڑا نہیں ہے۔ ہمیں مجبور ہو کر اپنے دہش کی رکشا کے لئے اپنی بہت سی شکتی اور اپنا بہت سا دھن سامان خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔ جتنا دھن اور سامان ہم ہتھاروں پر خرچ کر رہے ہیں اس سب کو اگر ہم شانتی کے کاموں میں لگا سکتے تو ہمارے دہش کے لوگوں کی خوشحالی اس سے بھی کہیں ادھک بڑھ جاتی، جس کا اندازہ کر سکتا بھی کتنے ہے۔

ہمارے دشمن اس بات کو سمجھتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ کچھ وڈیشی راج نہتیکہ اب ہتھار بندی کی سچی

لیکن اتنے دنوں کے انتہاس نے ان سب شکوں کو چھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ نئی سوویت تلچر پرانی روسی تلچر کے مقابلے میں اتنی اونچی پہنچ چکی ہے کہ دونوں میں کوئی تفرق نہیں رہی۔

آپ میں سے بہت سے اسی سال سوویت یونین جا چکے ہیں۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سوویت یونین کے اندر آرٹ اور کلا کی جتنی قدر آج ہوتی ہے اتنی انقلاب سے پہلے کے روس میں نہیں ہوتی تھی۔ سوویت نے اپنے پہلے کبھی بھی اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ مزدوروں اور کسانوں نے اپنے اندر سے اچھے سے اچھے ہونہار لوگوں کو چن کر یونیورسٹیوں اور اسی طرح کی دوسری سنسٹھوں میں بھیجا۔ جو مزدور اور کسان اپنے کام میں لگے رہے ان میں بھی تلچر نے بہت اگنتی لی۔ ہمیں اس کا اہمیان ہے۔ ہمارے دشمن اسے پسند کریں یا نہ کریں سوویت یونین زندہ ہے اور کیول زندہ ہی نہیں ہے، بڑھ رہی ہے اور اگنتی کر رہی ہے۔ ہمارا کارہار اور ہماری مالی حالت بہت مضبوط ہے، تلچر بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کی خوشحالی بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔

یہ سب ایسی حالت میں ہو رہا ہے جب کہ اس طرح کی شکایاں موجود ہیں جنہیں ہم سے دشمنی ہے، جنہیں نے ابھی تک ہمارے دہش کا کلا کھونٹ کر اسے ختم کر دینے کا وچار چھڑا نہیں ہے۔ ہمیں مجبور ہو کر اپنے دہش کی رکشا کے لئے اپنی بہت سی شکتی اور اپنا بہت سا دھن سامان خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔ جتنا دھن اور سامان ہم ہتھاروں پر خرچ کر رہے ہیں اس سب کو اگر ہم شانتی کے کاموں میں لگا سکتے تو ہمارے دہش کے لوگوں کی خوشحالی اس سے بھی کہیں ادھک بڑھ جاتی، جس کا اندازہ کر سکتا بھی کتنے ہے۔

ہمارے دشمن اس بات کو سمجھتے ہیں۔ یہی کارن ہے کہ کچھ وڈیشی راج نہتیکہ اب ہتھار بندی کی سچی

بات کرنے سے ڈرتے ہیں۔ وہ دیشوں کے بیچ کے تناؤ کو مثلاً نہیں چاہتے۔ انہیں تو ہے کہ روس کا جو دھن اور جو شکتی اس سلسلہ فوجی رکشا کے کاموں میں خرچ ہو رہی ہے اسے پھر ہم بچا کر دیہی کی شانتی میں رچنا کے کاموں میں لگا سکیں گے۔

باد جود اس سب کے ہمیں پورا دشواری ہے کہ آجکل کی حالتوں میں بھی پونجی پتی دیہستہ (کیپی ٹیلیسٹ سسٹم) اور سماج وادی دیہستہ (سوشلسٹ سسٹم) دونوں اگر شانتی کے ساتھ جتنوں اور دوسروں کو جھٹلے دیں اور ملکر چلیں تو آخر میں ہم جیتیں گے۔ سماج وادی جیتے گا۔

ایکبار کریملن (ماسکو) کے ایک جلسے میں میں نے یہی بات صاف صاف کہہ دی۔ اس پر پونجی پتی دیشوں کے اخبار والوں نے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دیا کہ خرشچیو نے مارا بھد کھل دیا اور بالمشووکوں نے اپنی راجکاجی پرچندوں کو چھڑا نہیں ہے۔ نہیں، میں نے کوئی بھد نہیں کھولا تھا اور نہ میں نے کوئی بھول کی تھی۔ میں نے وہی بات کہی تھی جو ہم ماننے میں آ رہی ہے۔ اپنا راج کاجی کام ہم نے نہ کبھی چھڑا تھا اور نہ ہم کبھی چھڑیں گے۔ یہ وہ راستہ ہے جو مہان لینن نے ہمیں دکھایا ہے۔ اپنا راجکاجی پروگرام ہم نے کبھی نہیں چھڑا اور نہ ہم چھڑیں گے۔

ہمارے یہاں کی ایک کہات ہے—”جس کسی کے پاس کوئی اچھی چیز ہے وہ پھر کسی گھٹیا چیز کی طرف نگاہ نہیں ڈالتا۔“

ہمارا دیش سیکڑوں برس تک ایک پچھڑا ہوا دیش رہنے کے بعد جس چیز کی بدولت اس حالت سے نکل کر ان دیشوں کے برابر میں پہنچ گیا ہے جو آدیوگ دھندوں کی نگاہ سے اور آرتھک نگاہ سے سب سے اچھک آئنت اور بڑے چرے ہیں، اس چیز کو ہم کیوں چھڑیں؟ اسے ہم کیوں اور کس چیز کے لئے چھڑیں؟

اسی لئے ہم ان بڑے مانسوں سے، جو یہ امید کرتے ہیں کہ سوویت یونین اپنا راجکاجی پروگرام بدل دیگی، یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی امید کے پورا ہونے کے لئے اس سے تک انتظار کیجئے جب تک کہ مچھلیاں سیٹی بجانا نہ شروع کر دیں! اور آپ جانتے ہیں مچھلیاں سیٹی بجانا کب شروع کریں گی!

اسی لئے راستہ ایک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں دیہستہائیں ساتھ ساتھ رہیں۔ پونجی وادی دیہستہ بھی رہے اور سماج وادی دیہستہ بھی رہے۔ اسی کا نام ”پیسفول کو-ایگزیسٹنس“ ہے۔

میں خود پونجی وادی دیہستہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں ساتھ ساتھ کی بات اس لئے نہیں کہتا کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ پونجی وادی چلتا رہے، بلکہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پونجی وادی دیہستہ بھی

باد جود اس سب کے ہمیں پورا دشواری ہے کہ آجکل کی حالتوں میں بھی پونجی پتی دیہستہ (کیپی ٹیلیسٹ سسٹم) اور سماج وادی دیہستہ (سوشلسٹ سسٹم) دونوں اگر شانتی کے ساتھ جتنوں اور دوسروں کو جھٹلے دیں اور ملکر چلیں تو آخر میں ہم جیتیں گے۔ سماج وادی جیتے گا۔

ایکبار کریملن (ماسکو) کے ایک جلسے میں میں نے یہی بات صاف صاف کہہ دی۔ اس پر پونجی پتی دیشوں کے اخبار والوں نے دنیا بھر میں یہ اعلان کر دیا کہ خرشچیو نے مارا بھد کھل دیا اور بالمشووکوں نے اپنی راجکاجی پرچندوں کو چھڑا نہیں ہے۔ نہیں، میں نے کوئی بھد نہیں کھولا تھا اور نہ میں نے کوئی بھول کی تھی۔ میں نے وہی بات کہی تھی جو ہم ماننے میں آ رہی ہے۔ اپنا راج کاجی کام ہم نے نہ کبھی چھڑا تھا اور نہ ہم کبھی چھڑیں گے۔ یہ وہ راستہ ہے جو مہان لینن نے ہمیں دکھایا ہے۔ اپنا راجکاجی پروگرام ہم نے کبھی نہیں چھڑا اور نہ ہم چھڑیں گے۔

ہمارے یہاں کی ایک کہات ہے—”جس کسی کے پاس کوئی اچھی چیز ہے وہ پھر کسی گھٹیا چیز کی طرف نگاہ نہیں ڈالتا۔“

ہمارا دیش سیکڑوں برس تک ایک پچھڑا ہوا دیش رہنے کے بعد جس چیز کی بدولت اس حالت سے نکل کر ان دیشوں کے برابر میں پہنچ گیا ہے جو آدیوگ دھندوں کی نگاہ سے اور آرتھک نگاہ سے سب سے اچھک آئنت اور بڑے چرے ہیں، اس چیز کو ہم کیوں چھڑیں؟ اسے ہم کیوں اور کس چیز کے لئے چھڑیں؟

اسی لئے ہم ان بڑے مانسوں سے، جو یہ امید کرتے ہیں کہ سوویت یونین اپنا راجکاجی پروگرام بدل دیگی، یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنی امید کے پورا ہونے کے لئے اس سے تک انتظار کیجئے جب تک کہ مچھلیاں سیٹی بجانا نہ شروع کر دیں! اور آپ جانتے ہیں مچھلیاں سیٹی بجانا کب شروع کریں گی!

اسی لئے راستہ ایک ہے۔ وہ یہ کہ دونوں دیہستہائیں ساتھ ساتھ رہیں۔ پونجی وادی دیہستہ بھی رہے اور سماج وادی دیہستہ بھی رہے۔ اسی کا نام ”پیسفول کو-ایگزیسٹنس“ ہے۔

میں خود پونجی وادی دیہستہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں ساتھ ساتھ کی بات اس لئے نہیں کہتا کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ پونجی وادی چلتا رہے، بلکہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پونجی وادی دیہستہ بھی

میں خود پونجی وادی دیہستہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں ساتھ ساتھ کی بات اس لئے نہیں کہتا کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ پونجی وادی چلتا رہے، بلکہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ پونجی وادی دیہستہ بھی

موجود ہے اور مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس دوستی کا وجود دنیا میں ہے۔

لیکن دوسری طرف کے لوگ یہ ماننا ہی نہیں چاہتے کہ سماج وادی دوستی یہی ہے۔ وہ اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ حالانکہ اگلے ہم سوویت روس والے ہی نہیں ہیں جنہوں نے اپنے یہاں سماج وادی دوستی قائم کر رکھی ہے۔ اور بھی بہت سے دہش اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ ہمارے بڑے دوست مہان چینی راشٹر کے لوگ بھی اپنے یہاں سماج وادی کی رچنا کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جسے کوئی آنکھ سے اوجھل نہیں کر سکتا۔ یورپ اور ایشیا کے کئی دیہات جو سوویت یونین کے ساتھ کھڑے ہیں اپنے اپنے یہاں سماج وادی کی رچنا کر رہے ہیں۔ بھارت کے پردھان منتری شری نہرو نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ بھارت بھی اسی سماج وادی راہ پر چل رہا ہے۔ یہ بات بہت اچھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم 'سماج وادی' سے جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اور چیز ہے۔ آپ جو سمجھتے ہیں وہ کچھ اور ہے۔ پھر بھی ہم اس اعلان کا اور اس طرح کے رجحان کا स्वागत کرتے ہیں۔

بس سماج وادی دوستی دنیا میں ہے اور اس کے لئے ہمیں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہیں کہول اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم اپنے وجود کی رکشا کرنے کی بھی اپنے میں شکتی رکھتے ہیں۔ اگر ہم اب تک دوسروں سے یہی پورا نہیں کرتے رہتے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ ساتھ دو تو ہم اب تک کبھی کے مقابلہ میں گتے ہوتے۔

اور ہمارے دشمن اتنا بھی یہ چاہیں کہ ہم مٹ جاویں مگر ہمیں متانا ان کے ہوتے کی چیز نہیں ہے۔ اس کا اہم یہ ہے کہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں، پسند کریں یا نہ کریں، سماج وادی راج اور پونجی وادی راج دونوں کو اسی دھڑی پر رہنا ہے۔

ہم پونجی وادی دیشوں سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں پسند نہیں کرتے تو ہمیں اپنے یہاں بلاکر دعوت نہ دیجئے، لیکن اس کے بنا ہی ہم نایم رہیں گے۔

آج دنیا کی حالت ٹھیک یہی ہے۔ ہم اس طرح سے ساتھ ساتھ رہنا چاہتے ہیں جس سے سب قوموں کی آنتی میں مدد ملے، جس سے سب دیشوں کے آپسی سمبندھ بڑھیں۔ خاصکر ہم سب دیشوں کے ساتھ تجارت کرنے کے پکھ میں ہیں۔ وہ ہم سے چیزیں خریدیں، ہم ان سے چیزیں خریدیں۔

اس سے تجارت کے معاملے میں وہ لوگ ہم سے بھید بھاڑ برتنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خاص خاص طرح کی اور کم کی چیزوں میں وہ ہمارے ساتھ تجارت کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی اس کوشش کے باوجود ہمارا دیش بڑھ رہا ہے اور ادھک شکتی شالی ہوتا جا رہا ہے۔

آج دنیا کی حالت ٹھیک یہی ہے۔

ہم اس طرح سے ساتھ ساتھ رہنا چاہتے ہیں جس سے سب قوموں کی آنتی میں مدد ملے، جس سے سب دیشوں کے آپسی سمبندھ بڑھیں۔ خاصکر ہم سب دیشوں کے ساتھ تجارت کرنے کے پکھ میں ہیں۔ وہ ہم سے چیزیں خریدیں، ہم ان سے چیزیں خریدیں۔

اس سے تجارت کے معاملے میں وہ لوگ ہم سے بھید بھاڑ برتنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خاص خاص طرح کی اور کم کی چیزوں میں وہ ہمارے ساتھ تجارت کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی اس کوشش کے باوجود ہمارا دیش بڑھ رہا ہے اور ادھک شکتی شالی ہوتا جا رہا ہے۔

موجود ہے اور مجھے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس دوستی کا وجود دنیا میں ہے۔

لیکن دوسری طرف کے لوگ یہ ماننا ہی نہیں چاہتے کہ سماج وادی دوستی یہی ہے۔ وہ اسے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔ حالانکہ اگلے ہم سوویت روس والے ہی نہیں ہیں جنہوں نے اپنے یہاں سماج وادی دوستی قائم کر رکھی ہے۔ اور بھی بہت سے دہش اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ ہمارے بڑے دوست مہان چینی راشٹر کے لوگ بھی اپنے یہاں سماج وادی کی رچنا کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی حالت ہے جسے کوئی آنکھ سے اوجھل نہیں کر سکتا۔ یورپ اور ایشیا کے کئی دیہات جو سوویت یونین کے ساتھ کھڑے ہیں اپنے اپنے یہاں سماج وادی کی رچنا کر رہے ہیں۔ بھارت کے پردھان منتری شری نہرو نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ بھارت بھی اسی سماج وادی راہ پر چل رہا ہے۔ یہ بات بہت اچھی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم 'سماج وادی' سے جو کچھ سمجھتے ہیں وہ اور چیز ہے۔ آپ جو سمجھتے ہیں وہ کچھ اور ہے۔ پھر بھی ہم اس اعلان کا اور اس طرح کے رجحان کا स्वागत کرتے ہیں۔

بس سماج وادی دوستی دنیا میں ہے اور اس کے لئے ہمیں کسی کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہیں کہول اتنا ہی نہیں، بلکہ ہم اپنے وجود کی رکشا کرنے کی بھی اپنے میں شکتی رکھتے ہیں۔ اگر ہم اب تک دوسروں سے یہی پورا نہیں کرتے رہتے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ ساتھ دو تو ہم اب تک کبھی کے مقابلہ میں گتے ہوتے۔

اور ہمارے دشمن اتنا بھی یہ چاہیں کہ ہم مٹ جاویں مگر ہمیں متانا ان کے ہوتے کی چیز نہیں ہے۔ اس کا اہم یہ ہے کہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں، پسند کریں یا نہ کریں، سماج وادی راج اور پونجی وادی راج دونوں کو اسی دھڑی پر رہنا ہے۔

ہم پونجی وادی دیشوں سے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں پسند نہیں کرتے تو ہمیں اپنے یہاں بلاکر دعوت نہ دیجئے، لیکن اس کے بنا ہی ہم نایم رہیں گے۔

آج دنیا کی حالت ٹھیک یہی ہے۔ ہم اس طرح سے ساتھ ساتھ رہنا چاہتے ہیں جس سے سب قوموں کی آنتی میں مدد ملے، جس سے سب دیشوں کے آپسی سمبندھ بڑھیں۔ خاصکر ہم سب دیشوں کے ساتھ تجارت کرنے کے پکھ میں ہیں۔ وہ ہم سے چیزیں خریدیں، ہم ان سے چیزیں خریدیں۔

اس سے تجارت کے معاملے میں وہ لوگ ہم سے بھید بھاڑ برتنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خاص خاص طرح کی اور کم کی چیزوں میں وہ ہمارے ساتھ تجارت کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان کی اس کوشش کے باوجود ہمارا دیش بڑھ رہا ہے اور ادھک شکتی شالی ہوتا جا رہا ہے۔

٢٥

ماہلوں میں اپنی کوششوں کو ڈیلا ہونے دینا نہیں چاہیے۔
رہائش پورک ساتھ ساتھ رہنے کے راستے میں جیتنی دکانیں
ہیں ان سب کو ہمیں دور کرتے رہنا چاہئے اور الگ الگ دیہوں
کے شانتی پورک ساتھ ساتھ رہنے میں جتنی چیزیں مدد دے
سکتی ہیں انہیں ہمیں مضبوط کرنا چاہئے۔

اس سبب سے ہمیں حال میں جانیوا میں چار بڑی شکلیوں
کے ویدیں ملتیریں کی جو کانفرنس ہوئی ہے اس سے ہمیں
بہت سی کم سہلنا ملی ہے یا یوں کہنا چاہئے کہ جو سہلنا ملی
ہے وہ اتنی کم ہے کہ اسے دیکھنے کے لیے خوردبین کی ضرورت ہے۔
یہ کانفرنس ابھی حال میں ختم ہوئی ہے۔ پر اس سے جن
نتیجوں کی آشا تھی وہ پیدا نہیں ہوئے۔ لیکن اس سے ہمیں
کئی خاص دیک بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ابھی وقت نہیں
آیا۔ ابھی یہ سوال اتنا پک نہیں پایا ہے کہ طے ہو سکے۔ ہمارے
دوسری طرف کے ساتھی ابھی تک یہی چاہتے ہیں کہ ”اپنا
ہل دکھاؤ“ ہم سے سمجھوتے کی بات چیت کریں۔ انہوں نے
ابھی تک اس وچار کو چھڑا نہیں ہے۔

مجبور ہو کر مجھے پھر ایک بار ان لوگوں کو سادھان کر دینا
پڑتا ہے کہ جو لوگ ”اپنا ہل دکھاؤ“ ہم سے بات چیت کرنا
چاہتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا نہیں اٹھا سکتے۔

ظاہر ہے کہ جو سوال جانیوا کانفرنس کے سامنے پیش
تھے ان سب کے حل ہونے کے لئے ابھی ہمیں کچھ اور انتظار کرنا
پڑے گا۔ اس میں بات ہی کیا ہے؟ ہم انتظار کرنے کو تیار ہیں۔
ہم پر کوئی آفت نہیں آرہی ہے۔ ہم موسم کے ادھک اچھا ہونے
تک انتظار کریں گے۔ ہم اس وقت تک انتظار کریں گے جب تک
کہ ان سب سوالوں کا فیصلہ دنیا کی جنتا کے ہاتھ میں نہ
ہو سکے۔

حال میں بھارت میں رہتے ہوئے میں نے کئی ویدیشی
نیکوگوں کی تقریریں پڑھی ہیں جن میں انہوں نے جانیوا
کانفرنس پر اپنی اپنی رائے ظاہر کی ہے۔ مجھے اس بات سے
تسلی ہے کہ جانیوا کانفرنس میں جن لوگوں نے حصہ لیا تھا
ان کی تقریروں میں کافی سکون ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ
وہ کوئی اس طرح کے بھاؤ پرگٹ کرنا نہیں چاہتے جن سے
اندر اشقریہ تذاؤ کے بڑھنے کا ڈر ہو۔

اب میں اپنا بھاشن ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سب کو ساتھ
ساتھ تو رہنا ہی ہے۔ اس کے لئے نہ ہم کسی سے کوئی مانگ
کرتے ہیں اور نہ کسی سے کوئی درخواست کرتے ہیں۔ ہم دنیا
میں ہیں ویسے ہی جیسے کہ پونجی وادی دیہ میں ہیں۔ کوئی
ہمیں پکڑ کر اس دھرتی سے منگل نارے میں نہیں بھیج سکتا۔
ابھی تک سائنس والوں نے بھی اس کا کوئی طریقہ نہیں
لازلا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ پونجی وادی دیہ میں یہاں سے

उठकर संगल तारे में बसे जाना नहीं चाहते। इसका मतलब यह है कि हम दोनों को इसी धरती पर रहना है। और दोनों के रहने का मतलब ही "साथ साथ रहना" है।

इन हालात में हमारे लिये काम केवल यह है कि जो देश अपनी शक्ति दिखाते रहते हैं उन्हें नई जंग न छेड़ने दिया जावे।

सारे मानव समाज की कोशिश यही होनी चाहिये कि शान्ति पूर्वक साथ साथ रहने के इस सवाल को हल होने में मदद मिले। जितना जितना हम एक दूसरे को अधिक अच्छी तरह समझने लगेंगे, जितना जितना हम मिलकर काम करेंगे, जितनी जितनी हम एक दूसरे की मदद करेंगे, उतना उतना ही शान्ति की ताकतों को बल मिलेगा, और उतना उतना ही जंगजू ताकतें रुकी रहेंगी। इस तरह के जंगजू लोगों को जंग की चाह से हटाना असम्भव है। लेकिन अगर दुनिया की जनता शान्ति बनाए रखने के लिये अमली कोशिश करती रहे तो उन्हें जंग छेड़ने से रोका जा सकता है और रोक कर रखा जा सकता है।

आप जितने लोग यहां मौजूद हैं और जितने लोग पूरी लगन के साथ इस मकसद के लिये काम करते हैं उन सबकी तन्दुरुस्ती के नाम पर मैं अपना प्याला ऊँचा करता हूँ और उनकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ !

दोस्तो ! मैं दोस्ती के लिये और आप सबकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ।

अनुवादक—मुन्दरलाल।

इन्सान आम तौर पर सांप को बिना जान से मारे नहीं छोड़ता, चाहे वह ज़हरीला हो या बिना ज़हर के, चाहे वह चोट करे यह नहीं, अपने भाइयों की मौत का सांप अगर बदला लेने पर उतारू हो जाये तो वह क्या नहीं कर सकता। गनीमत है कि इन्सान और सांप अलग अलग रहते हैं। कहने को सांप बदनाम है मगर आज इन्सान इन्सान को डस रहे हैं। सांप से बचना मुमकिन है क्योंकि वह अपने ज़हर को अपनी रक्षा के लिये ही काम में लाता है मगर जब इन्सान इस ज़हर को काम में लाये तो फिर भगवान ही खैर कर सकता है।

—अज्ञात

अपने मूल तल्ले में चले जाते हैं। इस का मतलब यह है कि हम दोनों को इसी धरती पर रहना है। और दोनों के रहने का मतलब ही "साथ साथ रहना" है।

इन हालात में हमारे लिये काम केवल यह है कि जो देश अपनी शक्ति दिखाते रहते हैं उन्हें नई जंग न छेड़ने दिया जावे।

सारे मानव समाज की कोशिश यही होनी चाहिये कि शान्ति पूर्वक साथ साथ रहने के इस सवाल को हल होने में मदद मिले। जितना जितना हम एक दूसरे को अधिक अच्छी तरह समझने लगेंगे, जितना जितना हम मिलकर काम करेंगे, जितनी जितनी हम एक दूसरे की मदद करेंगे, उतना उतना ही शान्ति की ताकतों को बल मिलेगा, और उतना उतना ही जंगजू ताकतें रुकी रहेंगी। इस तरह के जंगजू लोगों को जंग की चाह से हटाना असम्भव है। लेकिन अगर दुनिया की जनता शान्ति बनाए रखने के लिये अमली कोशिश करती रहे तो उन्हें जंग छेड़ने से रोका जा सकता है और रोक कर रखा जा सकता है।

आप जितने लोग यहां मौजूद हैं और जितने लोग पूरी लगन के साथ इस मकसद के लिये काम करते हैं उन सबकी तन्दुरुस्ती के नाम पर मैं अपना प्याला ऊँचा करता हूँ और उनकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ !

दोस्तो ! मैं दोस्ती के लिये और आप सबकी तन्दुरुस्ती के लिये दुआ करता हूँ।

अनुवादक—सुन्दरलाल

इन्सान आम तौर पर सांप को बिना जान से मारे नहीं छोड़ता, चाहे वह ज़हरीला हो या बिना ज़हर के, चाहे वह चोट करे यह नहीं, अपने भाइयों की मौत का सांप अगर बदला लेने पर उतारू हो जाये तो वह क्या नहीं कर सकता। गनीमत है कि इन्सान और सांप अलग अलग रहते हैं। कहने को सांप बदनाम है मगर आज इन्सान इन्सान को डस रहे हैं। सांप से बचना मुमकिन है क्योंकि वह अपने ज़हर को अपनी रक्षा के लिये ही काम में लाता है मगर जब इन्सान इस ज़हर को काम में लाये तो फिर भगवान ही खैर कर सकता है।

—अज्ञात

ہماری ہمارا

ہمارے روسی مہمان

ہمارے روسی مہمان

جس সময় ہم یہ لکھ رہے ہیں شری نکلانی بلگانی، شری نکلانی، شری نکلانی، شری نکلانی اور ان کے ساتھیوں کی بھارت یاत्रा آج سے ایک سال پہلے ہو چکی ہے۔ جگہ جگہ بھارت سرکار اور بھارت کی جنیتا دونوں نے جس طرح اپنے پیارے روسی مہمانوں کا سواگت کیا اور ان کے سواگت میں جتنا جوش دکھایا اس نے دنیا بھر میں ایک تہلکہ مچا دیا ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے اہمکنر دیشوں میں اس سواگت سے ایک نیا اُتساہ، نئی آشا اور نئی اُمک پیدا ہو گئی ہے۔ کچھ سامراجی دیش تو ہرگز بہت بھرا گئے ہیں، اور ان میں سے کچھ تو بولتے کہ اس طرح کی باتیں بھی کرنے لگے ہیں کہ جن سے نہ مانوتا کا مان بڑھ سکتا ہے اور نہ کسی کو کوئی لاہ ہو سکتا ہے۔

کالکتہ میں تو جنیتا کا اُتساہ حد کو پہنچ گیا۔ کم سے کم 20 لاکھ آدمی اپنے پیارے مہمانوں کو دیکھنے کے لیے چاروں طرف سے اُمد پڑے۔ ان کی ہڈیوں کو نہ رکی۔ یہاں تک کہ سرکار کو اپنا پروگرام بدلنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ جنیتا کی اتنی بڑی بھیڑ آج تک کسی موقع پر دنیا میں نہیں جمع ہوئی تھی۔ ان کا جوش اور ان کا اُتساہ ہوا یوم ان کی تعداد کو بھی مات کر رہا تھا۔ پھر بھی یہ ایک بڑی بات ہے کہ سویم جواہرلال جی نے جنیتا کے جوش کو سراہتے ہوئے یہ کہا کہ اتنی بڑی بھیڑ نے یورپی شانتی، شمس اور غضب کے انشاسن سے کام لیا۔ کسی طرح کی ایک بھی درگھٹنا نہیں ہو پائی۔

ہمارے روسی مہمانوں کے دلوں پر بھی اس سب کا بہت گہرا اثر ہوا۔ روسی مہمانوں میں دو مسلمان تھے، ازبکستان کے بڑے وزیر شری راشد اور وہاں کے کمیٹی وزیر شری رسول۔ ان دونوں نے کالکتہ کے سواگت کے بعد اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ہاؤس پر گت کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ سواگت کچھ تہڑے سے آدمیوں یا تہڑے سے لوگوں

کالکتہ میں تو جنیتا کا اُتساہ حد کو پہنچ گیا۔ کم سے کم 20 لاکھ آدمی اپنے پیارے مہمانوں کو دیکھنے کے لیے چاروں طرف سے اُمد پڑے۔ ان کی ہڈیوں کو نہ رکی۔ یہاں تک کہ سرکار کو اپنا پروگرام بدلنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ جنیتا کی اتنی بڑی بھیڑ آج تک کسی موقع پر دنیا میں نہیں جمع ہوئی تھی۔ ان کا جوش اور ان کا اُتساہ ہوا یوم ان کی تعداد کو بھی مات کر رہا تھا۔ پھر بھی یہ ایک بڑی بات ہے کہ سویم جواہرلال جی نے جنیتا کے جوش کو سراہتے ہوئے یہ کہا کہ اتنی بڑی بھیڑ نے یورپی شانتی، شمس اور غضب کے انشاسن سے کام لیا۔ کسی طرح کی ایک بھی درگھٹنا نہیں ہو پائی۔

ہمارے روسی مہمانوں کے دلوں پر بھی اس سب کا بہت گہرا اثر ہوا۔ روسی مہمانوں میں دو مسلمان تھے، ازبکستان کے بڑے وزیر شری راشد اور وہاں کے کمیٹی وزیر شری رسول۔ ان دونوں نے کالکتہ کے سواگت کے بعد اپنے اور اپنے ساتھیوں کے ہاؤس پر گت کرتے ہوئے کہا کہ ”یہ سواگت کچھ تہڑے سے آدمیوں یا تہڑے سے لوگوں

کی طرف سے نہیں ہے، یہ سواگت بھارت کی جلتا کی طرف سے ہے۔ اُسے دیکھ کر یہ پکا وشواس جم جاتا ہے کہ بھارت اور روس کی دوستی اب کسی کے تیزے ٹوٹ نہیں سکتی!“

اسمیں سدیدہ نہیں شری نیکولائی بولگانین، شری نیکیتا خروشچےف اور انکے ساثریوں کے سواگت نے یف ساثریت کر دیا کی بھارت کی جناتا روس اور روسیوں کے ساثر ن کےبال سچھی اور گھری دوستی ہی رلختی ہے بلکن سبب اپنے آگے کے راستے کے لئے بھارت کی دوستی ہی رکھتی ہے بلکن سبب اپنے آگے کے راستے کے لئے بھی تھوڑی یا بہت، روس کی طرف نگاہ لگائے ہوئے ہے۔

‘ہندوینی بینی بائی بائی’ کی آواظ سارے بھارت اور سارے بینی میں گونج چکی ہے۔ ہمارے روسی مہمانوں کی اس یاثر کے سمے ‘ہندوینی روسی بائی بائی’ کی نئی آواظ بڑی اور یف آواظ بھی ترونت بھلی کی طرح بھارت اور روس دونوں میں گونج گئی۔

اس سواگت میں نیچے لکھی پانچ باتیں سب سے اذیک بامک بڑی :—

(1) یف ٹیک ہے کی بھارت کی جناتا اپنی سرکار کی بیدیشی نیاتی سے سہمات اور خورا ہے۔ پر یف سواگت جن لگوں نے اور جس طرح کیا وہ کہول سرکار کی ودیشی نیاتی سے سہمات ہوئے کا ہی نتیجے نہیں تھا۔ سرکار اور سرکاروں کو الگ رکھ کر وہ جناتا کے ہردئے کی اذیک تھی۔ بینی کے اندر ان لوگوں نے بھی جو تھیک یا بے تھیک کسی بات پر سرکار سے کافی اسنتوش تھے، اس اسنتوش کو اور اور سب بانوں کو تھوڑی دیر کے لئے الگ رکھ کر، اپنے مہمانوں کا دل کہول سواگت کیا۔ کلکتہ کی جناتا بھی سب کی سب اپنے یف کی سرکار سے پوری طرح سانتوش نہیں ہے۔ اس اسنتوش کے پردرشن انیک بار کلکتے میں ہو چکے ہیں اور سرکار کی طرف سے بھی ان کا کوڑی کے ساتھ جواب دیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کلکتہ کی جناتا کا یہ اپورو انساہ سرکار طرف جناتا کے بھاؤں سے کوئی سبلندہ نہیں رکھتا۔ یہ نتیجے تھا روس کے ساتھ جناتا کے پریم کا سرکاری لوگ کہیں کچھ بھی سمجھ بٹھیں، اس میں سندیہ نہیں جناتا سرکار کو چلاتی ہے، سرکارین جناتا کو نہیں چلائیں۔ جناتا کا بل ہی سرکار اور سرکاروں کا ایک ماتر بل ہوتا ہے۔

(2) اسمیں بھی سدیدہ نہیں کی ہمارے روسی مہمان بھارت کے سچے دوست ہونے ہوئے بھی کافی سمجھدار اور جاگروک ہیں۔ شاید ہم سے سچے پریم کے کارن ہی وہ انہ اذیک جاگروک ہیں۔ انہوں نے ہماری اچانوں کے ساتھ ساتھ ہماری کمزوریوں کو بھی کافی دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنے وچاروں کو چھپایا بھی نہیں۔ سچے پریم کا یہی نقلہ تھا۔ ہمارے انجینیریوں کو جہاں کنکریٹ سے کام چل سکتا

کی طرف سے نہیں ہے، یہ سواگت بھارت کی جلتا کی طرف سے ہے۔ اُسے دیکھ کر یہ پکا وشواس جم جاتا ہے کہ بھارت اور روس کی دوستی اب کسی کے تیزے ٹوٹ نہیں سکتی!“

اس میں سندیہ نہیں شری نیکولائی بولگانین، شری نیکیتا خروشچےف اور ان کے ساتھیوں کے سواگت نے یہ ثابت کر دیا کہ بھارت کی جلتا روس اور روسیوں کے ساتھ نہ کہول سچھی اور گہری دوستی ہی رکھتی ہے بلکہ سبب اپنے آگے کے راستے کے لئے بھی تھوڑی یا بہت، روس کی طرف نگاہ لگائے ہوئے ہے۔

‘ہندی چیتی بھائی بھائی’ کی آواز سارے بھارت اور سارے چین میں گونج چکی ہے۔ ہمارے روسی مہمانوں کی اس یاثر کے سمے ‘ہندی روسی بھائی بھائی’ کی نئی آواز اٹھی اور یہ آواز بھی ترونت بھلی کی طرح بھارت اور روس دونوں میں گونج گئی۔

اس سواگت میں نیچے لکھی پانچ باتیں سب سے اذیک چمک اٹھیں :—

(1) یہ تھیک ہے کہ بھارت کی جلتا اپنی سرکار کی ودیشی نیاتی سے سہمات اور خوش ہے۔ پر یہ سواگت جن لوگوں نے اور جس طرح کیا وہ کہول سرکار کی ودیشی نیاتی سے سہمات ہوئے کا ہی نتیجے نہیں تھا۔ سرکار اور سرکاروں کو الگ رکھ کر وہ جناتا کے ہردئے کی اذیک تھی۔ بینی کے اندر ان لوگوں نے بھی جو تھیک یا بے تھیک کسی بات پر سرکار سے کافی اسنتوش تھے، اس اسنتوش کو اور اور سب بانوں کو تھوڑی دیر کے لئے الگ رکھ کر، اپنے مہمانوں کا دل کہول سواگت کیا۔ کلکتہ کی جناتا بھی سب کی سب اپنے یف کی سرکار سے پوری طرح سانتوش نہیں ہے۔ اس اسنتوش کے پردرشن انیک بار کلکتے میں ہو چکے ہیں اور سرکار کی طرف سے بھی ان کا کوڑی کے ساتھ جواب دیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کلکتہ کی جناتا کا یہ اپورو انساہ سرکار طرف جناتا کے بھاؤں سے کوئی سبلندہ نہیں رکھتا۔ یہ نتیجے تھا روس کے ساتھ جناتا کے پریم کا سرکاری لوگ کہیں کچھ بھی سمجھ بٹھیں، اس میں سندیہ نہیں جناتا سرکار کو چلاتی ہے، سرکارین جناتا کو نہیں چلائیں۔ جناتا کا بل ہی سرکار اور سرکاروں کا ایک ماتر بل ہوتا ہے۔

(2) اس میں بھی سندیہ نہیں کی ہمارے روسی مہمان بھارت کے سچے دوست ہونے ہوئے بھی کافی سمجھدار اور جاگروک ہیں۔ شاید ہم سے سچے پریم کے کارن ہی وہ انہ اذیک جاگروک ہیں۔ انہوں نے ہماری اچانوں کے ساتھ ساتھ ہماری کمزوریوں کو بھی کافی دیکھ لیا۔ انہوں نے اپنے وچاروں کو چھپایا بھی نہیں۔ سچے پریم کا یہی نقلہ تھا۔ ہمارے انجینیریوں کو جہاں کنکریٹ سے کام چل سکتا

یا وہاں ککریٹ کی جگہ کولاہ (کولی) ہستمال کرتے دیکھ کر وہ کہہ ہی بیٹھے کہ بھارت جیسے غریب دیہے کے لئے یہ طریقہ غلط ہے۔ ہمارے انجینئروں کے سمجھانے بچھانے پر انہوں نے یہ بھی صاف کہا کہ کچھ دنوں پہلے روس کے انجینئر بھی اپنی سرکار کو اور وہاں کی جنتا کو اسی طرح سمجھا بچھا دیا کرتے تھے۔ پر اب وہاں یہ چیز نہیں چلتی۔ بھارت سرکار کے اس اعلان کا स्वागत کرتے ہوئے بھی کہ بھارت آگے کو سماج وادی وپستھا کی طرف جائیگا، انہوں نے یہ صاف کہہ دیا کہ ہم سماج واد سے جو کچھ سمجھتے ہیں اور وہ سماج واد کا جو کچھ مطلب لیتے ہیں دونوں میں فرق ہے۔ انہوں نے بھارت کو ابھی اُن دیہوں میں ہی گنا ہے جن کے ساتھ وہ 'کو-ایگزسٹ' کرنا چاہتے ہیں، یعنی کئی فرق کے ہوتے ہوئے بھی 'ساتھ ساتھ جینا' اور 'ساتھ ساتھ رہنا' چاہتے ہیں۔ ہماری سرکار بھی अधिकतर یہی کہتی رہتی ہے اور اسی پر زور دیتی رہتی ہے۔ پنچ شیل کے اصول پر ایمانداری سے عمل کرتے ہوئے ہمارے روسی دوست ہمارے اندر کے معاملوں میں ہماری اچھا کے درودہ کسی طرح کا دخل دینا نہیں چاہتے۔ پر روسی مہمانوں کی اس باترا کے سببے جنتا کے آتساہ اور اُس کے رخ نے ثابت کر دیا کہ جنتا کچھ اور آگے بڑھنا چاہتی ہے اور ہمارے روسی مہمانوں نے بھی یہ دکھا دیا کہ جنتا ہم بڑھنا چاہیں اتنا وہ بھی بڑھنے کو تیار ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی سندیہہ نہیں کہ اس بڑھنے کے لئے بھی ابھی کافی گنجائش ہے۔

(3) جس دن دلی میں روسی مہمانوں کا آگمن ہوا اُس دن ہمارے مقرر بھارت کے پرانے انقلابی راجا مہیندر پرتاپ بھی کچھ گھنٹوں کے لئے دلی میں تھے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹی سی گھنٹا سناتے تھے کہ ٹھیک جس سے स्वागत کا جلوس نکلتا والا تھا دلی کے ایک پل کے نیچے ایک بیمار بھمنگا ہاتھ پسرے پاس سے نکلتا والی موٹرروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کچھ بھدک لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دلی ایک شاندار شہر ہے، بھارت کی راجدھانی ہے۔ پر لجا اور دہلی کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ دلی میں بھمنگوں کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں ہے۔ स्वागत میں جنتا کا جوش ہمیں بھی بہت اچھا لگا پر سرکار نے स्वागत کی تیاری میں اور مہمانوازی میں جس طرح سے خرچ کیا آئے دیکھ کر اور سن کر ہمیں ایسا لگا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے شامک اور نیٹا یہ بھول جاتے ہیں کہ جو دھن وہ خرچ کر رہے ہیں وہ نہ اُن کا پیدا کیا ہوا ہے نہ کسی یونجی بلی یا سرکاری انس کا پیدا کیا ہوا ہے، وہ اُن غریب کسانوں اور مزدوروں کا پیدا کیا ہوا ہے جنہوں نے خون پسینہ ایک کر کے اُسے پیدا کیا ہے، اور جن سے اب بھی خرچ کے معاملے میں کوئی

یا وہاں ککریٹ کی جگہ کولاہ (کولی) ہستمال کرتے دیکھ کر وہ کہہ ہی بیٹھے کہ بھارت جیسے غریب دیہے کے لئے یہ طریقہ غلط ہے۔ ہمارے انجینئروں کے سمجھانے بچھانے پر انہوں نے یہ بھی صاف کہا کہ کچھ دنوں پہلے روس کے انجینئر بھی اپنی سرکار کو اور وہاں کی جنتا کو اسی طرح سمجھا بچھا دیا کرتے تھے۔ پر اب وہاں یہ چیز نہیں چلتی۔ بھارت سرکار کے اس اعلان کا स्वागत کرتے ہوئے بھی کہ بھارت آگے کو سماج وادی وپستھا کی طرف جائیگا، انہوں نے یہ صاف کہہ دیا کہ ہم سماج واد سے جو کچھ سمجھتے ہیں اور وہ سماج واد کا جو کچھ مطلب لیتے ہیں دونوں میں فرق ہے۔ انہوں نے بھارت کو ابھی اُن دیہوں میں ہی گنا ہے جن کے ساتھ وہ 'کو-ایگزسٹ' کرنا چاہتے ہیں، یعنی کئی فرق کے ہوتے ہوئے بھی 'ساتھ ساتھ جینا' اور 'ساتھ ساتھ رہنا' چاہتے ہیں۔ ہماری سرکار بھی अधिकतर یہی کہتی رہتی ہے اور اسی پر زور دیتی رہتی ہے۔ پنچ شیل کے اصول پر ایمانداری سے عمل کرتے ہوئے ہمارے روسی دوست ہمارے اندر کے معاملوں میں ہماری اچھا کے درودہ کسی طرح کا دخل دینا نہیں چاہتے۔ پر روسی مہمانوں کی اس باترا کے سببے جنتا کے آتساہ اور اُس کے رخ نے ثابت کر دیا کہ جنتا کچھ اور آگے بڑھنا چاہتی ہے اور ہمارے روسی مہمانوں نے بھی یہ دکھا دیا کہ جنتا ہم بڑھنا چاہیں اتنا وہ بھی بڑھنے کو تیار ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی سندیہہ نہیں کہ اس بڑھنے کے لئے بھی ابھی کافی گنجائش ہے۔

(3) جس دن دلی میں روسی مہمانوں کا آگمن ہوا اُس دن ہمارے مقرر بھارت کے پرانے انقلابی راجا مہیندر پرتاپ بھی کچھ گھنٹوں کے لئے دلی میں تھے۔ وہ ہمیں ایک چھوٹی سی گھنٹا سناتے تھے کہ ٹھیک جس سے स्वागत کا جلوس نکلتا والا تھا دلی کے ایک پل کے نیچے ایک بیمار بھمنگا ہاتھ پسرے پاس سے نکلتا والی موٹرروں میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے کچھ بھدک لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ دلی ایک شاندار شہر ہے، بھارت کی راجدھانی ہے۔ پر لجا اور دہلی کے ساتھ یہ ماننا پڑتا ہے کہ دلی میں بھمنگوں کی تعداد سیکڑوں نہیں ہزاروں ہے۔ स्वागत میں جنتا کا جوش ہمیں بھی بہت اچھا لگا پر سرکار نے स्वागत کی تیاری میں اور مہمانوازی میں جس طرح سے خرچ کیا آئے دیکھ کر اور سن کر ہمیں ایسا لگا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے شامک اور نیٹا یہ بھول جاتے ہیں کہ جو دھن وہ خرچ کر رہے ہیں وہ نہ اُن کا پیدا کیا ہوا ہے نہ کسی یونجی بلی یا سرکاری انس کا پیدا کیا ہوا ہے، وہ اُن غریب کسانوں اور مزدوروں کا پیدا کیا ہوا ہے جنہوں نے خون پسینہ ایک کر کے اُسے پیدا کیا ہے، اور جن سے اب بھی خرچ کے معاملے میں کوئی

راہ نہیں لی جاتی اور نہ اس ویسٹا میں لی جاسکتی ہے۔ ہم اس معاملہ کو اس سے بڑھانا نہیں چاہتے۔ پر ہمیں وشواس ہے کہ سواگت کا بہت سا خرچ گھٹایا جاسکتا تھا اور اس سے سواگت کی شان بڑھتی ہی گھٹتی نہیں۔

دلی سچ سچ اب سواگتوں، دعوتوں، لنگھوں، تھروں اور رسیپشنوں کا شہر بنتا جا رہا ہے۔ باتیں یہ سب اچھی ہیں اور ایک حد تک ضروری بھی ہیں۔ پر یہ راہ بڑی پسلی راہ ہے۔ اس پر سنبھل سکتا بھی خاصکر اُن کے لئے بہت مشکل ہے جن کے پاؤں میں خرد کبھی ہوائی نہ پھٹی ہو۔

(4) اُس پہاڑ بھری باترا میں ایک خاص بات یہ بھی چمکی کہ ہمارے روسی مہمان کئی ماہ پہلے ہوں۔ خاصکر روسی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکرٹری شری نکیتا خروشچےو تو اس معاملے میں رقم ہی نکلیے۔ اُن کی باتوں میں ایک سادگی، صفائی، سچائی اور تازگی تھی جو طبیعت کو کھلکا دیتی تھی۔ کہیں کہیں تو ہمیں ترہ ہے کہ وہ انٹراشنل راجاچی ششتاچار کے نیموں کا بھی اُلٹا نہیں کر گئے۔ کم سے کم اس میں کوئی شک نہیں انہوں نے کئی باتیں ایسی کہیں جملہیں دیں کے کچھ سرکاری درباری یہ ضرور چاہتے تھے کہ وہ نہ کہتے تو لچھا تھا۔ ظاہر ہے نوجاکرت روس پرانے نیموں اور فارمولوں میں اتنا ادھک بندھکر نہیں رہنا چاہتا۔ ہیں بھی تو وہ کل کے مزدور، درباری ششتاچار کا انہوں نے اتنا تجربہ بھی کہاں ہے! نمونے کے طور پر ہم شری نکیتا خروشچےو کی بمبئی کی ایک تقریر ”نہا ہند“ میں دے رہے ہیں۔

(5) آخری چیز جس کی طرف ہمارا دھیان اس باترا کے کارن اور ادھک زور کے ساتھ جانے لگتا ہے ہمارا اپنا بھوشہ کا مارگ ہے۔ ہمیں یہ بہت غلط اور ہائیپر خطبہ ہو گیا ہے کہ دیہی کو اوپر اُٹھانے کے لئے ہمیں باہر سے پیسے کی مدد کی ضرورت ہے۔ قدرتی طور پر اس خطبہ میں پوکھ ہم بار بار باہر کے سامراج والی دیہیوں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ بات بالکل غلط ہے۔ جہاں تک دھن کا سوال ہے ہمیں ایک پیسے کی بھی باہر سے ضرورت نہیں ہے۔ سات سال پہلے چین بھی ہم سے کم غریب دیہی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے سدھار اور ترقی کے لئے کسی سے ایک پیسے ادھار یا دان نہیں لیا۔ روس کے ساتھ اس سببندہ میں چین کا جو کچھ سمجھوتا ہوا ہے وہ بھی کھول ویاپاری تھنگ کا لین دین ہے۔ جتنی دیر کے لئے روس کا مال چین میں اٹکتا ہے یعنی چین اُس کے بدلے کا مال روس نہیں بھیج پاتا اتنی دیر کے لئے چین ایک فیصدی سالانہ سود دیتا ہے جو مال ہی کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ گاندھی جی کے وچار بھی اس بارے میں ٹھیک بھی تھے اور بڑے پکے تھے۔ غلطی ہماری نکاہیں

دلی سچ سچ اب سواگتوں، دعوتوں، لنگھوں، تھروں اور رسیپشنوں کا شہر بنتا جا رہا ہے۔ باتیں یہ سب اچھی ہیں اور ایک حد تک ضروری بھی ہیں۔ پر یہ راہ بڑی پسلی راہ ہے۔ اس پر سنبھل سکتا بھی خاصکر اُن کے لئے بہت مشکل ہے جن کے پاؤں میں خرد کبھی ہوائی نہ پھٹی ہو۔

(4) اُس پہاڑ بھری باترا میں ایک خاص بات یہ بھی چمکی کہ ہمارے روسی مہمان کئی ماہ پہلے ہوں۔ خاصکر روسی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکرٹری شری نکیتا خروشچےو تو اس معاملے میں رقم ہی نکلیے۔ اُن کی باتوں میں ایک سادگی، صفائی، سچائی اور تازگی تھی جو طبیعت کو کھلکا دیتی تھی۔ کہیں کہیں تو ہمیں ترہ ہے کہ وہ انٹراشنل راجاچی ششتاچار کے نیموں کا بھی اُلٹا نہیں کر گئے۔ کم سے کم اس میں کوئی شک نہیں انہوں نے کئی باتیں ایسی کہیں جملہیں دیں کے کچھ سرکاری درباری یہ ضرور چاہتے تھے کہ وہ نہ کہتے تو لچھا تھا۔ ظاہر ہے نوجاکرت روس پرانے نیموں اور فارمولوں میں اتنا ادھک بندھکر نہیں رہنا چاہتا۔ ہیں بھی تو وہ کل کے مزدور، درباری ششتاچار کا انہوں نے اتنا تجربہ بھی کہاں ہے! نمونے کے طور پر ہم شری نکیتا خروشچےو کی بمبئی کی ایک تقریر ”نہا ہند“ میں دے رہے ہیں۔

(5) آخری چیز جس کی طرف ہمارا دھیان اس باترا کے کارن اور ادھک زور کے ساتھ جانے لگتا ہے ہمارا اپنا بھوشہ کا مارگ ہے۔ ہمیں یہ بہت غلط اور ہائیپر خطبہ ہو گیا ہے کہ دیہی کو اوپر اُٹھانے کے لئے ہمیں باہر سے پیسے کی مدد کی ضرورت ہے۔ قدرتی طور پر اس خطبہ میں پوکھ ہم بار بار باہر کے سامراج والی دیہیوں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ بات بالکل غلط ہے۔ جہاں تک دھن کا سوال ہے ہمیں ایک پیسے کی بھی باہر سے ضرورت نہیں ہے۔ سات سال پہلے چین بھی ہم سے کم غریب دیہی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے سدھار اور ترقی کے لئے کسی سے ایک پیسے ادھار یا دان نہیں لیا۔ روس کے ساتھ اس سببندہ میں چین کا جو کچھ سمجھوتا ہوا ہے وہ بھی کھول ویاپاری تھنگ کا لین دین ہے۔ جتنی دیر کے لئے روس کا مال چین میں اٹکتا ہے یعنی چین اُس کے بدلے کا مال روس نہیں بھیج پاتا اتنی دیر کے لئے چین ایک فیصدی سالانہ سود دیتا ہے جو مال ہی کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ گاندھی جی کے وچار بھی اس بارے میں ٹھیک بھی تھے اور بڑے پکے تھے۔ غلطی ہماری نکاہیں

हमारी समझ, हमारे तरीकों और हमारी योजनाओं में है। इसके लिये अगर हम गांधी जी के उपदेशों और उनके विचारों को फिर से कुछ प्रेम और भ्रष्टा के साथ पढ़ें, और रूस और चीन जैसे देशों की व्यवस्थाओं और उनके कामों को भी ध्यान से देखें और समझें तो हम बहुत सी मुसीबतों से बच सकते हैं। यदि हमारे रूसी मेहमानों की भारत यात्रा से यह नतीजा भी निकल सके कि हमारा लेन देन, सलाह, मशविरा रूस और चीन जैसे देशों के साथ बढ़े और हमारी निगाहें इस तरह के मामलों में पूँजीपति देशों की तरफ से कुछ हटें, तो इस में हमारा भी भला है, दूसरों का भी भला है और खुद आज के पूँजीपती देशों का भी भला है।

3-12-'55

—सुन्दरलाल

राजकुमारी अमृतकौर के चीन के अनुभव

भारत की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृतकौर हाल में चीन गई हुई थीं। वहाँ से लौटकर 31 अक्टूबर को दिल्ली में उन्होंने एक प्रेस कानफरेन्स में चीन के अपने अनुभव बयान किये। राजकुमारी अमृतकौर खुद डाक्टर नहीं हैं। लेकिन वह सारे देश के स्वास्थ्य विभाग की वजीर हैं। इसलिये डाक्टरी के काम से उनका गहरा सम्बन्ध है। अधिकतर उसी के सम्बन्ध में वह चीन गई थीं। फिर भी वहाँ के दूसरे आम हालात पर उन्होंने जो बातें कही हैं उनमें से कुछ हम निचे देते हैं।

राजकुमारी ने कहा कि—“जनता की तन्दुरुस्ती के उसूलों के बारे में, देश के अन्दर इस तरह की समाजी हवा पैदा कर देने के बारे में जिमें चोरी और शराब पीकर बहववासी की घटनाएँ हों, उस देश से लगभग गुम हो गई हैं, और इसी तरह की और बातों में भारत को चीन से बहुत कुछ सीखना है।”

वहाँ की तालीम के बारे में उन्होंने ने कहा कि—“चीन के अन्दर हर तरह की तालीम मुफ्त दी जाती है। विद्यार्थियों को रहने की जगह भी मुफ्त दी जाती है उन से केवल खाने का खर्च लिया जाता है जो एक विद्यार्थी पर बाईस रुपये माहवार से छब्बीस रुपये माहवार तक पड़ता है। मेडिकल स्कूलों और कालिजों में सरकार औसतन हर विद्यार्थी पर दो हजार रुपया सालाना खर्च करती है।”

“डाक्टरी की तालीम पाने वाले विद्यार्थियों को केवल अपने खाने और कितानों का खर्च देना होता है।”

हमारी समझ, हमारे तरीकों और हमारी योजनाओं में है। इसके लिये अगर हम गांधी जी के उपदेशों और उनके विचारों को फिर से कुछ प्रेम और भ्रष्टा के साथ पढ़ें, और रूस और चीन जैसे देशों की व्यवस्थाओं और उनके कामों को भी ध्यान से देखें और समझें तो हम बहुत सी मुसीबतों से बच सकते हैं। यदि हमारे रूसी मेहमानों की भारत यात्रा से यह नतीजा भी निकल सके कि हमारा लेन देन, सलाह, मशविरा रूस और चीन जैसे देशों के साथ बढ़े और हमारी निगाहें इस तरह के मामलों में पूँजीपति देशों की तरफ से कुछ हटें, तो इस में हमारा भी भला है, दूसरों का भी भला है और खुद आज के पूँजीपती देशों का भी भला है।

—सुन्दरलाल

3. 12. '55

राजकुमारी अमृतकौर के चीन के अनुभव

भारत की हेल्थ मिनिस्टर राजकुमारी अमृतकौर हाल में चीन गयी हुयी थीं। वहाँ से लौट कर 31 अक्टूबर को दली में अँहोंने एक प्रेस कानफरेन्स में चीन के अपने अनुभव बयान किये। राजकुमारी अमृतकौर खुद डाक्टर नहीं हैं। लेकिन वे सारे देश के स्वास्थ्य विभाग की वजीर हैं। इसलिये डाक्टरी के काम से अँ का गहरा सम्बन्ध है। अधिकतर उसी के सम्बन्ध में वह चीन गई थीं। फिर भी वहाँ के दूसरे आम हालात पर अँहोंने जो बातें कही हैं उनमें से कुछ हम निचे देते हैं।

राजकुमारी ने कहा कि—“जनता की तन्दुरुस्ती के उसूलों के बारे में, देश के अन्दर इस तरह की समाजी हवा पैदा कर देने के बारे में जिमें चोरी और शराब पीकर बहववासी की घटनाएँ हों, उस देश से लगभग गुम हो गई हैं, और इसी तरह की और बातों में भारत को चीन से बहुत कुछ सीखना है।”

वहाँ की तालीम के बारे में अँहोंने ने कहा कि—“चीन के अन्दर हर तरह की तालीम मुफ्त दी जाती है। विद्यार्थियों को रहने की जगह भी मुफ्त दी जाती है उन से केवल खाने का खर्च लिया जाता है जो एक विद्यार्थी पर बाईस रुपये माहवार से छब्बीस रुपये माहवार तक पड़ता है। मेडिकल स्कूलों और कालिजों में सरकार औसतन हर विद्यार्थी पर दो हजार रुपया सालाना खर्च करती है।”

“डाक्टरी की तालीम पाने वाले विद्यार्थियों को केवल अपने खाने और कितानों का खर्च देना होता है।”

انہوں نے بتایا کہ:—”گوں میں سواستھہ کھلدروں پر اور ماؤں اور بچوں کی تندرستی پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ شروع سے لیکر بچوں کی خبرگیری اور ان کی تندرستی کا خیال چین میں سب سے ضروری کام سمجھا جاتا ہے۔“

پکنگ میں پہلی اکتوبر کو چینی راشنریہ دیوس کے جلسوں میں چھ لاکھ لوگوں نے भाग लिया۔ راجکماری نے ان لوگوں کی شست کی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چین میں سب کے رہنے کے لئے نئے مکان جس تیزی سے بنائے جارہے ہیں اسے دیکھ کر وہ چکت رہ گئیں۔ اچھی اور چوری سڑکوں پر وہاں بہت زور دیا جاتا ہے۔ وہ یہ دیکھ کر خوش ہو گئیں کہ کھلی جگہوں میں جنگل لگانے اور چاروں طرف درخت لگانے کا چینوں کو کتنا زبردست شوق ہے۔ کوئی آدمی بنا اجازت کے کوئی درخت نہیں کاٹ سکتا۔ ”خاص خاص بڑی بڑی سڑکوں اور راستوں پر چلتے ہوئے بالکل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی درختوں کے کچھ میں سے چٹ جا رہا ہے۔ جہاں پرانے گھٹیا مکانوں کو گرایا اور صاف کیا گیا ہے وہاں اکثر بچوں کے لئے باغیچے اور کھیلنے کے میدان بنا دیئے گئے ہیں۔“

راجکماری کا کہنا ہے کہ:—”بھارت کے ساتھ دوستی کی इच्छा और शान्ति की इच्छा चीन والوں में सच्ची और साफ चमकती है۔ चीन کے لوگوں میں एकता और जोश उनकी उन्नति के खास कारण हैं۔“

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ:—”چین میں ’کمیلٹی پلیننگ‘ یعنی بچوں کی پیدائش کو روکنے کا پروگرام نہیں چلتا اور چینی سرکار کو آبادی کے بڑھ جانے کی کوئی چنتا نہیں ہے۔“ پر اس دیہ میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ کوئی ایک سے ادھک شادی نہ کرے۔ داشتہ یا دکھت رکھنے کا پرانا رواج بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ کوئی لڑکی اثارہ برس کی عمر سے پہلے اور کوئی لڑکا ایکس سال کی عمر سے پہلے شادی نہیں کر سکتا عورتوں کی ایک بڑی سلسلہ ہے جس کا نام ’ویمینس ڈیموکریٹک فیڈریشن‘ ہے۔ یہ سلسلہ بہت ہی شکتی شالی اور با اثر سلسلہ ہے۔ وہ دیکھتی رہتی ہے کہ شادی وغیرہ کے بارے میں کوئی اس طرح کا نیم نہ توڑنے پاوے۔

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی ان کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

انہوں نے یہ بھی بتایا کہ:—”چین میں ’کمیلٹی پلیننگ‘ یعنی بچوں کی پیدائش کو روکنے کا پروگرام نہیں چلتا اور چینی سرکار کو آبادی کے بڑھ جانے کی کوئی چنتا نہیں ہے۔“ پر اس دیہ میں اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ کوئی ایک سے ادھک شادی نہ کرے۔ داشتہ یا دکھت رکھنے کا پرانا رواج بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ کوئی لڑکی اثارہ برس کی عمر سے پہلے اور کوئی لڑکا ایکس سال کی عمر سے پہلے شادی نہیں کر سکتا عورتوں کی ایک بڑی سلسلہ ہے جس کا نام ’ویمینس ڈیموکریٹک فیڈریشن‘ ہے۔ یہ سلسلہ بہت ہی شکتی شالی اور با اثر سلسلہ ہے۔ وہ دیکھتی رہتی ہے کہ شادی وغیرہ کے بارے میں کوئی اس طرح کا نیم نہ توڑنے پاوے۔

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی ان کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی ان کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی ان کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

”چینی لڑکیاں اور چینی استریاں بہت آزاد ہیں اور ساتھ ہی ان کا سداچار کا آدھ (میار) اپنی آدھ اور آدھ کا میعار بھی بہت ہی اونچا ہے۔ پرشوں اور استریوں کو برابر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ تعلیم دونوں کو ساتھ ساتھ دی جاتی ہے۔ چوری کا چین میں کہیں نام نہیں ہے۔ ہوٹلوں کے کمروں کو کبھی نالہ

نہیں لگا دیا جاتا۔ ہسپتالوں کے بارے میں کبھی کوئی کسی کو ہناام یا بکشیہ نہیں لیتا دیتا۔ شراب پی کر بدحواس رہا تو کوئی دیکھائی نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی اس طرح شراب پیئے پایا جاتا ہے تو سماج میں اس کا بائیکاٹ ہو جاتا ہے۔“

یہاں تک تو ہم نے چین کے بارے میں راجکمار کی عام نوبہ بیان کئے ہیں۔ پر ان کے علاوہ راجکمار امرت نر نے چین میں نئی ڈاکٹری، وہاں کی پرانی ویدک دنیا آدی کے بارے میں کئی ایسی باتیں کہی ہیں جن میں سے کچھ کو پڑھکر ہمیں اچرچ اور دہ بھی ہوا۔ راجکمار دیش کی ہلیٹ منسٹر ہیں۔ انگریزی علاج، دیسی علاج وغیرہ کے بارے میں راجکمار کے بچار بھی سب کو معلوم ہیں۔ اس سبب سے چین کی باہت جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے اس سچائی کا ثبوت ملتا ہے کہ جن باتوں میں ہمارے بچار زوروں سے جہہ ہونے ہوتے ہیں ان میں ہم اندر وہی دیکھتے ہیں جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں اور وہی سنتے ہیں جو ہم سننا چاہتے ہیں۔ شاید ہم میں سے کوئی بھی نلکی انہوں سے دنیا کو نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارے اپنے پیلے سے بلے بچاروں، وشواسوں، مانتاؤں اور ہواؤں کا چشمہ ہماری آنکھوں پر برابر لگا ہی رہتا ہے، اور اسی چشمے کے اندر سے ہم دنیا کو دیکھتے ہیں۔ فرق کھول اٹا ہوتا ہے کہ کسی کے چشمے کا رنگ گہرا ہوتا ہے اور کسی کا ہلکا۔ پھر بھی راجکمار نے کچھ باتیں ایسی کہی ہیں جن سے کافی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

راجکمار نے کہا ہے کہ بھارت میں ڈاکٹری تعلیم کا اسٹر چین کے اسٹر سے اونچا ہے۔ اور یہاں ڈاکٹر بھی چین کے ڈاکٹروں سے گنتی میں ادھک اور ادھک یوگتہ ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ چین کی آبادی ساٹھ کروڑ ہے اور آجکل کی پچھلی ڈاکٹری میں یوگتا رکھنے والے ڈاکٹر وہاں کھول تیس ہزار اور چالیس ہزار کے بیچ میں ہیں۔ بھارت کی آبادی چین سے بہت کم ہے پر یہاں یوگتہ ڈاکٹروں کی تعداد ان کے انوسار اس سے لگ بھگ دوگنی ہے۔ اس سے راجکمار نے شاید یہ بتانا چاہا ہے کہ چننا کے سواستہ کی دیکھ ریکھ جتنی بھارت میں کی جاتی ہے اتنی چین میں نہیں کی جاتی۔

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گاؤں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

راجکمار نے کہا ہے کہ بھارت میں ڈاکٹری تعلیم کا اسٹر چین کے اسٹر سے اونچا ہے۔ اور یہاں ڈاکٹر بھی چین کے ڈاکٹروں سے گنتی میں ادھک اور ادھک یوگتہ ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ چین کی آبادی ساٹھ کروڑ ہے اور آجکل کی پچھلی ڈاکٹری میں یوگتا رکھنے والے ڈاکٹر وہاں کھول تیس ہزار اور چالیس ہزار کے بیچ میں ہیں۔ بھارت کی آبادی چین سے بہت کم ہے پر یہاں یوگتہ ڈاکٹروں کی تعداد ان کے انوسار اس سے لگ بھگ دوگنی ہے۔ اس سے راجکمار نے شاید یہ بتانا چاہا ہے کہ چننا کے سواستہ کی دیکھ ریکھ جتنی بھارت میں کی جاتی ہے اتنی چین میں نہیں کی جاتی۔

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گاؤں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گاؤں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

اس بات کا راجکمار کی نگاہ میں ادھک مہم نہیں ہے کہ نئی چینی سرکار پچھلی ڈاکٹری کے ان ماہروں کے علاوہ پرانی چھلی ویدک دنیا کے جانکار اور تجربہ کار حکیموں یا ویدوں سے لاپ اٹھانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ان کی مدد سے جگہ جگہ گاؤں کے اندر سواستہ کیندر بنے ہوئے ہیں، جہاں کھول روگیوں کا علاج ہی نہیں کیا جاتا، اس بات کی بھی کوشش کی جاتی ہے کہ

لوگ "بیمار نہ ہوں۔" یہ پرانے ڈنگ کے چینی حکیم اور وید ادھکتر علاج تو اپنے پرانے سستے طریقوں اور جڑی بوٹیوں سے ہی کرتے ہیں، پر راجکمار ہی کے انوسار سرکار ان سب کو لکھنؤ اور صفاٹی کے نئے سے نئے اصول، زخموں کی مرہم پٹی کے نئے سے نئے طریقے اور کچھ سیدھی سستی نئی دواؤں کا استعمال ہی سکھا دیتی ہے۔ راجکمار ہی کے انوسار سرکار کے دواؤں اہلانہ ہونے اس طرح کے حکیموں کی تعداد چھین میں لگ بھگ تین لاکھ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے ڈاکٹروں کے علاوہ چینی سرکار کچھ کم پڑے لکھے لیکن سستے ڈاکٹر بھی تین تین سال کی تعلیم دے کر تیار کر رہی ہے۔ راجکمار ہی کے انوسار اس طرح کے تین سال کے کورس میں پڑھنے والوں کی تعداد اس سے آٹھاون ہزار ہے۔ وہاں کے انٹیکس بڑے بڑے مڈیکل کالجوں میں اس سے چونتیس ہزار "یوگہ" ڈاکٹر بھی اور تیار ہو رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے ڈاکٹروں کے علاوہ چینی سرکار کچھ کم پڑے لکھے لیکن سستے ڈاکٹر بھی تین تین سال کی تعلیم دے کر تیار کر رہی ہے۔ راجکمار ہی کے انوسار اس طرح کے تین سال کے کورس میں پڑھنے والوں کی تعداد اس سے آٹھاون ہزار ہے۔ وہاں کے انٹیکس بڑے بڑے مڈیکل کالجوں میں اس سے چونتیس ہزار "یوگہ" ڈاکٹر بھی اور تیار ہو رہے ہیں۔

بات بڑی سیدھی سی ہے۔ راجکمار اور ان جیسے اونچے پتھے ہوئے لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان "یوگہ" پچھمی ڈھنگ کے ڈاکٹروں کا علاج، معمولی غریب آدمیوں کی تو بات ہی کیا ہمارے بیچ کے درجے کے دیہی واسیوں کے لئے بھی کتنا مہنگا اور مصیبت کا ہوتا ہے۔ ہمارے ایک متر کو جنہیں آٹھ سو روپیہ مہونہ دیتے ملتا ہے پیٹ کا آپریشن کرائے کی ضرورت پڑی۔ آپریشن کے خرچ کے علاوہ انہیں کئی ہزار کی اوپر سے استعمال کی پڑتھیت دواؤں خریدنی پڑیں، جن میں سے تین چوتھائی سے ادھک کسی بھی کام نہ آئیں اور پھینکی پڑیں۔ اپنے اس علاج میں انہیں اپنی پتنی کا زہر بیچنا پڑا، یہ کیوں ایک مثال نہیں ہے۔ لگ بھگ ہر مڈیکل کلاس کے گھر سے اسی طرح کی کہانی سنی جاسکتی ہے۔ ہمارے ادھکتر پچھمی ڈھنگ کے ڈاکٹر بیچارے آجکل کی حالت میں اس غریب دیہی کے اندر کروڑوں روپیہ کے بدیشی پتھیت دواؤں کے منکولے اور رکھنے والے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں اور ہمیں رشواس ہے کہ ان میں سے ادھکتر دواؤں نکسی ہی نہیں ہانپکر بھی ہیں۔ یہ 'ہانپکر' شدہ ہم لے سوچ سمجھکر ابلوگ کیا ہے۔ اُن دن کے اپنے تجربوں کو چھوڑ کر کچھ دن ہوئے ہم نے یورپ کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کی، جو چالیس سال تک دنیا کے ایک بہت بڑے اسپتال کے چارج میں رہ چکے تھے، پچھمی دواؤں کی بات یہ رائے پڑی تھی:—

"If the contents of all the apothecaries' shops could be emptied into the sea, the consequences to the fish may be dangerous, but mankind will be happier and healthier."

"If the contents of all the apothecaries' shops could be emptied into the sea, the consequences to the fish may be dangerous, but mankind will be happier and healthier."

جواباً—”یہ ڈاکٹری کی سب دکانوں کی ساری شیشیوں سمندر میں اٹ کر خالی کر لی جائیں تو نکتہ نہایت خطرناک ہو سکتا ہے لیکن مانو سماج ادھک سکے اور ادھک سوئے رہیں۔“

ہمیں دھیان رکھنا چاہئے کہ اوپر کے واقعہ میں ایلوپیتھک دواؤں کی بات کہی گئی ہے۔ پرانی ویدک یا یونانی جڑی بوٹیوں یا لہی لہی ہوئی ویدیک گولوں کی نہیں۔

ہم نے سنا تھا کہ آجکل جو بہت سے ہمارے ڈیپلکیشن چین اور روس جا رہے ہیں ان میں سے ایک ڈیپلکیشن کے ایک ہندستانی ممبر نے روس کے وزارت صحت سے پوچھا تھا کہ کیا آپ امریکی دوائیں اپنے دیہ میں نہیں اسپورٹ کرتے۔ سنا ہے روسی نے جواب دیا کہ ہم نہ ان کی دوائیں اسپورٹ کرتے ہیں اور نہ ان کی بیماریاں۔ اس جواب میں ادھامدق ضرور تھا پر اس کا ادھا سچ بہت گہرا ہے۔

ہمیں وشواس ہے کہ مہاتما گاندھی اس دیہ کے پچھلی تھلک کے ڈاکٹروں کو جب دیہ کے دو سب سے خطرناک اور ہانپکر گروہ میں گنا کرتے تھے تو ان کی بات میں بہت بڑی سچائی تھی۔ ہم آجکل پوری نیک نیکی کے ساتھ پر انہی ہی پوری ناسمجھی کے ساتھ اس معاملہ میں اسی خطرے کی طرف تھلکے چلے جا رہے ہیں جس سے گاندھی جی ہمیں بچانا چاہتے تھے۔

چینی شامک اس بارے میں ہم سے کہیں ادھک سنجیدار ہیں۔ جہاں تک عام جنتا کا سوال ہے چین آج اتنا غریب دیہ نہیں ہے جتنا بھارت۔ پھر بھی وہ ہر سال کروڑوں روپیہ ہمیشی دواؤں پر نہیں کھوتے اور—یہ ایک مانی ہوئی چیز ہے کہ—اپنی جنتا اور اپنے بچوں کو ہم سے کہیں ادھک تندرست، موٹا تازہ اور خوش رکھ رہے ہیں۔

چینی دیہ کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف چینی سرکار کا جو رخ ہے اس کی بابت راجکماری کے بیان سے کافی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ راجکماری نے کہا کہ چینی سرکار پرانے علاج کے طریقے کو ختم کر دینا اور اس کی جگہ پچھم کی نئی سائنسی ڈاکٹری کو ہی چلانا چاہتی ہے۔ اس پر کسی سماچار پر کے پرتی ندھی نے پوچھا ہی لیا کہ—”چین کی مثال کے خلاف، کیا بھارت سرکار آجکل آپرید اور دوسرے دیہی علاج کے طریقوں کو الگ طریقوں کی حیثیت سے بڑھاوا نہیں دے رہی ہے؟“ راجکماری نے مانا کہ سرکار بڑھاوا دے رہی ہے پر اسے غلطی سونپنا کرتے ہوئے راجکماری نے اس پر دھ پرکٹ کیا! کسی نے انہیں بتایا کہ حال میں یونین کوننگ مینسٹر شری گولچاری لال نندا نے آئیوے

ہمیں دھیان رکھنا چاہئے کہ اوپر کے واقعہ میں ایلوپیتھک دواؤں کی بات کہی گئی ہے۔ پرانی ویدک یا یونانی جڑی بوٹیوں یا لہی لہی ہوئی ویدیک گولوں کی نہیں۔

ہم نے سنا تھا کہ آجکل جو بہت سے ہمارے ڈیپلکیشن چین اور روس جا رہے ہیں ان میں سے ایک ڈیپلکیشن کے ایک ہندستانی ممبر نے روس کے وزارت صحت سے پوچھا تھا کہ کیا آپ امریکی دوائیں اپنے دیہ میں نہیں اسپورٹ کرتے۔ سنا ہے روسی نے جواب دیا کہ ہم نہ ان کی دوائیں اسپورٹ کرتے ہیں اور نہ ان کی بیماریاں۔ اس جواب میں ادھامدق ضرور تھا پر اس کا ادھا سچ بہت گہرا ہے۔

ہمیں وشواس ہے کہ مہاتما گاندھی اس دیہ کے پچھلی تھلک کے ڈاکٹروں کو جب دیہ کے دو سب سے خطرناک اور ہانپکر گروہ میں گنا کرتے تھے تو ان کی بات میں بہت بڑی سچائی تھی۔ ہم آجکل پوری نیک نیکی کے ساتھ پر انہی ہی پوری ناسمجھی کے ساتھ اس معاملہ میں اسی خطرے کی طرف تھلکے چلے جا رہے ہیں جس سے گاندھی جی ہمیں بچانا چاہتے تھے۔

چینی شامک اس بارے میں ہم سے کہیں ادھک سنجیدار ہیں۔ جہاں تک عام جنتا کا سوال ہے چین آج اتنا غریب دیہ نہیں ہے جتنا بھارت۔ پھر بھی وہ ہر سال کروڑوں روپیہ ہمیشی دواؤں پر نہیں کھوتے اور—یہ ایک مانی ہوئی چیز ہے کہ—اپنی جنتا اور اپنے بچوں کو ہم سے کہیں ادھک تندرست، موٹا تازہ اور خوش رکھ رہے ہیں۔

چینی دیہ کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف چینی سرکار کا جو رخ ہے اس کی بابت راجکماری کے بیان سے کافی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ راجکماری نے کہا کہ چینی سرکار پرانے علاج کے طریقے کو ختم کر دینا اور اس کی جگہ پچھم کی نئی سائنسی ڈاکٹری کو ہی چلانا چاہتی ہے۔ اس پر کسی سماچار پر کے پرتی ندھی نے پوچھا ہی لیا کہ—”چین کی مثال کے خلاف، کیا بھارت سرکار آجکل آپرید اور دوسرے دیہی علاج کے طریقوں کو الگ طریقوں کی حیثیت سے بڑھاوا نہیں دے رہی ہے؟“ راجکماری نے مانا کہ سرکار بڑھاوا دے رہی ہے پر اسے غلطی سونپنا کرتے ہوئے راجکماری نے اس پر دھ پرکٹ کیا! کسی نے انہیں بتایا کہ حال میں یونین کوننگ مینسٹر شری گولچاری لال نندا نے آئیوے

چینی دیہ کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف چینی سرکار کا جو رخ ہے اس کی بابت راجکماری کے بیان سے کافی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ راجکماری نے کہا کہ چینی سرکار پرانے علاج کے طریقے کو ختم کر دینا اور اس کی جگہ پچھم کی نئی سائنسی ڈاکٹری کو ہی چلانا چاہتی ہے۔ اس پر کسی سماچار پر کے پرتی ندھی نے پوچھا ہی لیا کہ—”چین کی مثال کے خلاف، کیا بھارت سرکار آجکل آپرید اور دوسرے دیہی علاج کے طریقوں کو الگ طریقوں کی حیثیت سے بڑھاوا نہیں دے رہی ہے؟“ راجکماری نے مانا کہ سرکار بڑھاوا دے رہی ہے پر اسے غلطی سونپنا کرتے ہوئے راجکماری نے اس پر دھ پرکٹ کیا! کسی نے انہیں بتایا کہ حال میں یونین کوننگ مینسٹر شری گولچاری لال نندا نے آئیوے

اور ہومیوپیتھی کے پکے میں رائے ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ علاج کے یہ دونوں طریقے ایلوپیتھک طریقے سے سست ہیں اور کارگر ہیں یعنی لوگ ان سے اچھے ہوتے ہیں۔ راجکمار نے اس پر صاف کہا:—”میں شری لنڈا کی رائے سے اتفاق نہیں کرتی۔“ آپریڈ، یونانی اور ہومیوپیتھی جیسے علاجوں کو سرکار جو کچھ بھی بڑھاوا یا مدد دے رہی ہے وہ راجکمار کی رائے میں غلط ہے! راجکمار نے اس بات پر بھی دم پرکٹ کیا کہ سوسائٹی کے معاملے میں الگ الگ پرائنٹ یا پردہس چونکہ آزاد ہیں اس لئے یونین سرکار انہیں اس طرح کی غلطیوں سے نہیں روک سکتی! ظاہر ہے ان کا بس چلے تو وہ سارے بھارت کے لئے ذرا ان جاری کر دیں کہ سوائے ایلوپیتھی کے ان سب اور ’نصولیات‘ کو بند اور ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس پر بھی استغش پرکٹ کیا کہ پرائنٹوں کی سرکاری کافی بڑی بڑی ڈانڈواہیں دیکر سچ میچ ’یوکیہ‘ ڈانڈروں کو ’گلوں گلوں‘ میں نیکٹ نہیں کر رہی ہیں!

راجکمار نے اسی طرح کی اور بھی کچھ باتیں نہیں جن پر ہمیں اُس سے کہیں ادھک دم ہوا جتنا راجکمار کی شری گزاری لال لنڈا کے بیان پر یا سرکار یا سرکاروں کے ایلوپیتھی کے علاوہ علاج کے دوسرے طریقوں کو بڑھاوا دینے پر ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کبول ’انڈاھی‘ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم راجکمار بہن سے بالکل اسہمت ہیں۔ چین میں وہاں کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف فنی چینی سرکار کا کیا رخ ہے یہ ایک صاف اور سیدھا سوال ہے۔ پینکگ سے انگریزی بھاشا میں ایک ماسک پٹرکا نکلتی ہے ’China Reconstructs‘ اترہات ’نئے چین‘ کی پھر سے تعمیر! اس میں وہاں کی سرکار بڑے گرو کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ وہ اپنے دیس کی نئے سرے سے تعمیر کس کس طرح کر رہی ہے، اور کیا کیا کر رہی ہے۔ اس پٹرکا کا حال کا انک راجکمار کی بات چیت کے ساتھ ساتھ ہمیں ملا ہے۔ سوہاگتھ سے اس میں چینی ودوان لی تاؤ کا ایک بڑا سندہ لیکم The Story of Chinese Medicine اترہات ’چینی علاج کی کہانی‘ پر ہے۔ ہم اس پورے لیکم کا ہندستانی انواد، ’’نہانند‘‘ میں دوسری جگہ دے رہے ہیں۔ اُس لیکم سے پاتھوں کو پتہ چلا کہ نئی چینی سرکار اپنے یہاں کے علاج کے پرانے طریقے کی کتنی قدر کرتی ہے، اُسے کتنا بڑھاوا دیتی ہے، اُسے ختم کرنے کے بجائے کس طرح اُسے امر بنانے کی فکر میں ہے، اپنی پرانی ویدک ودیا پر پرانی کتابوں کے لئے ایڈیشن نکال رہی ہے، یوجنائیں بنا رہی ہے کہ پرانے علاج کے طریقے دیس کے میڈیکل کالجوں میں سکھائے جائیں اور ان کی کتابیں سب کو پڑھائی جائیں۔ وہ نئی پچھلی ڈانڈری کو پرانی ویدیک ودیا کی جگہ دینا نہیں چاہتی بلکہ

اور ہومیوپیتھی کے پکے میں رائے ظاہر کی ہے اور کہا ہے کہ علاج کے یہ دونوں طریقے ایلوپیتھک طریقے سے سست ہیں اور کارگر ہیں یعنی لوگ ان سے اچھے ہوتے ہیں۔ راجکمار نے اس پر صاف کہا:—”میں شری لنڈا کی رائے سے اتفاق نہیں کرتی۔“ آپریڈ، یونانی اور ہومیوپیتھی جیسے علاجوں کو سرکار جو کچھ بھی بڑھاوا یا مدد دے رہی ہے وہ راجکمار کی رائے میں غلط ہے! راجکمار نے اس بات پر بھی دم پرکٹ کیا کہ سوسائٹی کے معاملے میں الگ الگ پرائنٹ یا پردہس چونکہ آزاد ہیں اس لئے یونین سرکار انہیں اس طرح کی غلطیوں سے نہیں روک سکتی! ظاہر ہے ان کا بس چلے تو وہ سارے بھارت کے لئے ذرا ان جاری کر دیں کہ سوائے ایلوپیتھی کے ان سب اور ’نصولیات‘ کو بند اور ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے اس پر بھی استغش پرکٹ کیا کہ پرائنٹوں کی سرکاری کافی بڑی بڑی ڈانڈواہیں دیکر سچ میچ ’یوکیہ‘ ڈانڈروں کو ’گلوں گلوں‘ میں نیکٹ نہیں کر رہی ہیں!

راجکمار نے اسی طرح کی اور بھی کچھ باتیں نہیں جن پر ہمیں اُس سے کہیں ادھک دم ہوا جتنا راجکمار کی شری گزاری لال لنڈا کے بیان پر یا سرکار یا سرکاروں کے ایلوپیتھی کے علاوہ علاج کے دوسرے طریقوں کو بڑھاوا دینے پر ہے۔ ان سب باتوں پر ہم کبول ’انڈاھی‘ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم راجکمار بہن سے بالکل اسہمت ہیں۔ چین میں وہاں کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف فنی چینی سرکار کا کیا رخ ہے یہ ایک صاف اور سیدھا سوال ہے۔ پینکگ سے انگریزی بھاشا میں ایک ماسک پٹرکا نکلتی ہے ’China Reconstructs‘ اترہات ’نئے چین‘ کی پھر سے تعمیر! اس میں وہاں کی سرکار بڑے گرو کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ وہ اپنے دیس کی نئے سرے سے تعمیر کس کس طرح کر رہی ہے، اور کیا کیا کر رہی ہے۔ اس پٹرکا کا حال کا انک راجکمار کی بات چیت کے ساتھ ساتھ ہمیں ملا ہے۔ سوہاگتھ سے اس میں چینی ودوان لی تاؤ کا ایک بڑا سندہ لیکم The Story of Chinese Medicine اترہات ’چینی علاج کی کہانی‘ پر ہے۔ ہم اس پورے لیکم کا ہندستانی انواد، ’’نہانند‘‘ میں دوسری جگہ دے رہے ہیں۔ اُس لیکم سے پاتھوں کو پتہ چلا کہ نئی چینی سرکار اپنے یہاں کے علاج کے پرانے طریقے کی کتنی قدر کرتی ہے، اُسے کتنا بڑھاوا دیتی ہے، اُسے ختم کرنے کے بجائے کس طرح اُسے امر بنانے کی فکر میں ہے، اپنی پرانی ویدک ودیا پر پرانی کتابوں کے لئے ایڈیشن نکال رہی ہے، یوجنائیں بنا رہی ہے کہ پرانے علاج کے طریقے دیس کے میڈیکل کالجوں میں سکھائے جائیں اور ان کی کتابیں سب کو پڑھائی جائیں۔ وہ نئی پچھلی ڈانڈری کو پرانی ویدیک ودیا کی جگہ دینا نہیں چاہتی بلکہ

دونوں کے میل سے ایک نیا سمندری یا سنگم بنانا چاہی ہے جس سے چین کی سرکار کو یقین ہے کہ کھول چھوڑنے کے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ کو بہت برا لاہ ہوگا۔ اُس لیے سے پانچوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اپنے دیہی کے علاج کے پرانے طریقوں کی طرف اور ایلو پیٹھی کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں کی طرف رجحان کی طرف کور اور ان کے ہم خیال شاکسوں کا ٹھیک دھبی رخ ہے جو چھانگ کانی شہک کے شاسن کے دنوں میں کومنگنگ شاکسوں کا چین کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف تھا۔ نئی چینی سرکا کا رخ اس معاملے میں بالکل دوسرا اور کہیں ادھک سمجھداری کا ہے۔

دلی کے چینی دوتاؤس سے بھی انگریزی سماچار بولتے نکلتا ہے۔ اُس کے دو نمبر سنہ 55ء کے انک میں مشہور چینی نیوز ایجنسی Hsinhua News کی طرف سے انسیفیلائٹس (Encephalitis) نام کی بیماری کے بارے میں، جس میں دماغ کے اندر سوجن آ جاتی ہے اور جس کا ٹھیک ٹھیک کارن یا علاج ایلو پیٹھک ڈاکٹروں کو بھی نہیں سوجھا، لیجے لہی خبر اسی سرنامہ کے ساتھ چھپی ہے:—

“انسیفیلائٹس کے علاج میں کامیابی“

چین کے انسٹیتوٹ ملستر آف ہیلتھ شری کوئزرو ہووا لے 20 اکتوبر کے پبلک کے سرکاری اخبار ”پیپلس ڈیلی“ میں ایک خاص لکھ میں بیان کیا ہے کہ اس سال جولائی اور اگست کے مہینوں میں انسیفیلائٹس کے روگ کے بیس روگی دیکھے گئے جن میں نوے فیصدی چین کے پرانے علاج کے طریقے سے اچھے ہو گئے۔

”ڈاکٹروں کا ایک گروہ تھا جن میں نئی پچھلی ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر اور پرانے ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر دونوں شامل تھے۔ اُس کے نیٹا تھے جن سواستہ کے نائب وزیر شری کوئزرو ہووا۔ ان لوگوں نے پچھلے اگست کے مہینے میں شہی چھا چوان کے ایک اسپتال میں جاکر انسیفیلائٹس کے علاج کا ادھن کیا۔

”نائب وزیر نے کہا ہے کہ ہم نے جن بیس روگیوں کو دیکھا ان کی عمریں چھ مہینے سے لیکر اکتھ سال تک کی تھیں۔ ان بیس روگیوں میں سے کھول تھیں مرے۔ ان تین میں سے ایک کو کچھ دوسری بیماریاں بھی تھیں۔ نائب وزیر نے یہ بھی کہا ہے کہ پچھلے سال اس اسپتال میں اسی طرح اکتھس روگیوں کا علاج کیا گیا تھا جن میں ادھ سے ادھک کی حالت بہت گھبر تھی۔ اسی علاج سے سو فیصدی یعنی سب کے سب اچھے ہو گئے۔

”کوئزرو ہووا نے دیکھا کہ پرانی چینی ویدک کی کتابوں میں اس بیماری (انسیفیلائٹس) کا ذکر ہے اور شہی چھا چوان کے اسپتال میں پرانے چینی ڈیننگ سے اس روگ

دونوں کے میل سے ایک نیا سمندری یا سنگم بنانا چاہی ہے جس سے چین کی سرکار کو یقین ہے کہ کھول چھوڑنے کے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لوگوں کے ساتھ کو بہت برا لاہ ہوگا۔ اُس لیے سے پانچوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اپنے دیہی کے علاج کے پرانے طریقوں کی طرف اور ایلو پیٹھی کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں کی طرف رجحان کی طرف کور اور ان کے ہم خیال شاکسوں کا ٹھیک دھبی رخ ہے جو چھانگ کانی شہک کے شاسن کے دنوں میں کومنگنگ شاکسوں کا چین کے پرانے علاج کے طریقے کی طرف تھا۔ نئی چینی سرکا کا رخ اس معاملے میں بالکل دوسرا اور کہیں ادھک سمجھداری کا ہے۔

دلی کے چینی دوتاؤس سے بھی انگریزی سماچار بولتے نکلتا ہے۔ اُس کے دو نمبر سنہ 55ء کے انک میں مشہور چینی نیوز ایجنسی Hsinhua News کی طرف سے انسیفیلائٹس (Encephalitis) نام کی بیماری کے بارے میں، جس میں دماغ کے اندر سوجن آ جاتی ہے اور جس کا ٹھیک ٹھیک کارن یا علاج ایلو پیٹھک ڈاکٹروں کو بھی نہیں سوجھا، لیجے لہی خبر اسی سرنامہ کے ساتھ چھپی ہے:—

”انسیفیلائٹس کے علاج میں کامیابی“

چین کے انسٹیتوٹ ملستر آف ہیلتھ شری کوئزرو ہووا لے 20 اکتوبر کے پبلک کے سرکاری اخبار ”پیپلس ڈیلی“ میں ایک خاص لکھ میں بیان کیا ہے کہ اس سال جولائی اور اگست کے مہینوں میں انسیفیلائٹس کے روگ کے بیس روگی دیکھے گئے جن میں نوے فیصدی چین کے پرانے علاج کے طریقے سے اچھے ہو گئے۔

”ڈاکٹروں کا ایک گروہ تھا جن میں نئی پچھلی ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر اور پرانے ڈیننگ کے چینی ڈاکٹر دونوں شامل تھے۔ اُس کے نیٹا تھے جن سواستہ کے نائب وزیر شری کوئزرو ہووا۔ ان لوگوں نے پچھلے اگست کے مہینے میں شہی چھا چوان کے ایک اسپتال میں جاکر انسیفیلائٹس کے علاج کا ادھن کیا۔

”نائب وزیر نے کہا ہے کہ ہم نے جن بیس روگیوں کو دیکھا ان کی عمریں چھ مہینے سے لیکر اکتھ سال تک کی تھیں۔ ان بیس روگیوں میں سے کھول تھیں مرے۔ ان تین میں سے ایک کو کچھ دوسری بیماریاں بھی تھیں۔ نائب وزیر نے یہ بھی کہا ہے کہ پچھلے سال اس اسپتال میں اسی طرح اکتھس روگیوں کا علاج کیا گیا تھا جن میں ادھ سے ادھک کی حالت بہت گھبر تھی۔ اسی علاج سے سو فیصدی یعنی سب کے سب اچھے ہو گئے۔

”کوئزرو ہووا نے دیکھا کہ پرانی چینی ویدک کی کتابوں میں اس بیماری (انسیفیلائٹس) کا ذکر ہے اور شہی چھا چوان کے اسپتال میں پرانے چینی ڈیننگ سے اس روگ

کا جو इलाज किया गया वह अठारहवीं सदी के एक चीनी इकीम यू शिह-यू की एक किताब के आधार पर था."

हम मानते हैं कि पच्छिम की ऐलोपैथिक डाक्टरी से भी हम बहुत कुछ फायदा उठा सकते हैं, हमें उठाना चाहिये और चीनी भी उस से पूरा पूरा फायदा उठा रहे हैं. नई और पुरानी हर चीज से हमें जो लाभ मिल सकता हो लेना चाहिये. पर हमें वैद्यक और यूनानी जैसे अपने पुराने तरीकों और होमियोपैथी, नेचुरोपैथी जैसे दूसरे नए तरीकों को भी हर तरह का मौका और बढ़ावा देना चाहिये और उनसे पूरा लाभ उठाना चाहिये. भारत जैसे देशों की जनता के लिये यही कल्याण का माग है. इसके खिलाफ पक्षपात संकीर्णता है, नासमझी है और देश की करोड़ों गरीब जनता के साथ और खुद विद्या के साथ अन्याय है.

5-11-55

—सुन्दरलाल

समझ की खूबी

बोड़े दिन हुए मध्यभारत के उत्तरी हिस्से में पुलिस और डाकुओं के एक गिरोह का मुकाबिला हुआ. उसमें दोनों तरफ के कई आदमियों की जानें गईं. जाने वालों में डाकू भी बताया जाता था जिसकी बहुत दिनों से तलाश थी और जिसकी गिरफ्तारी या मौत के लिये हजारों रुपयों की बाजी लगाई गई थी.

इस घटना के बाद मरने वाले की लाश का फोटो सरकार की तरफ से अखबारों में भेजा और छपाया गया. उसके बदन पर रस्सियां बंधी थीं, और भी निशान थे. चेहरा देखने में कोई ऐसा भयानक तो लगता नहीं था कि कई प्रदेशों की सरकारें उससे डरा करें या पुलिस वाले उसका पीछा करने से चबराया करें. लेकिन कोई ऐसी सुन्दर चीज भी नहीं थी कि जिसकी अच्छी या मीठी छाप देखने वालों पर पड़ती. शायद मध्यभारत की सरकार ने अपने निजाम का इसे सबसे बड़ा कारनामा समझा और उसका क्यादा से क्यादा प्रोपेगन्डा कराकर बाहवाही खूटने की कोशिश की. आजकल के वैज्ञानिक जमाने में, हुकूमतों या सरकारों का इस तरह एक व्यक्ति पर लट्टू हो जाना कोई क्यादा बहादुरी नहीं मानी जायेगी. और न इसमें राजनीतिक दूरअवैशी ही है.

लेकिन हमें क्यादा ताज्जुब तो तब हुआ जब हमने मध्यभारत के पुलिस मिनिस्टर का एक बयान पढ़ा. इसमें उन्होंने कहा कि मैंने कसम खाई थी कि अगर एक साल के अंदर वह (मरने वाला) नहीं मारा जाता है तो मैं मिनिस्त्री से इस्तीफा दे दूंगा. हमें पता नहीं कि उन्होंने अपना यह इरादा इस घटना के पहले जाहिर किया था या नहीं. अगर

का जो علاج کیا گیا وہ اٹھارہویں صدی کے ایک چینی حکیم یو . شیہ . یو کی ایک کتاب کے آدھار پر تھا .

ہم مانتے ہیں کہ پچھم کی ایلوپیتھک ڈاکٹری سے بھی ہم بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ہمیں اٹھانا چاہئے اور چینی بھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں . نئی اور پرانی ہر چیز سے ہمیں جو فائدہ مل سکتا ہو لینا چاہئے . پر ہمیں ہندک اور یونانی جیسے اپنے پرانے طریقوں اور ہومیوپیتھی، نیچوروپیتھی جیسے دوسرے نئے طریقوں کو بھی ہر طرح کا موقع اور بڑھاوا دینا چاہئے اور ان سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے . بھارت جیسے دیہوں کی جنگا کے لئے بھی کلہاں کا مارگ ہے . اس کے خلاف پکشتات سلہکرتا ہے، ناسمجھی ہے اور دیہی کی کروڑوں غریب جنگا کے ساتھ اور خود ودیا کے ساتھ اٹھائے ہے.

—سندھلال

5.11.55

سمجھ کی خوبی

تھوڑے دن ہوئے مدھیہ بھارت کے اتری حصے میں پولس اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ کا مقابلہ ہوا . اس میں دونوں طرف کے کئی آدمیوں کی جانیں گئیں، جانے والوں میں ایک ڈاکو بھی بتایا جاتا تھا جس کی بہت دنوں سے تلاش تھی اور جس کی گرفتاری یا موت کے لئے ہزاروں روپیوں کی بازی لگائی گئی تھی .

اس گھٹنا کے بعد مرنے والے کی لاش کا نوٹو سرکار کی طرف سے اخباروں میں بھیجا اور چھپایا گیا . اس کے بدن پر دسٹیاں بندھی تھیں، اور بھی نشان تھے . چہرہ دیکھنے میں کوئی ایسا بھانک تو لگتا نہیں تھا کہ کئی پردیشوں کی سرکاریں اس سے ڈرا کریں یا پولس والے اس کا پیچھا کرنے سے گھبرایا کریں . لیکن کوئی ایسی سندھ چیز بھی نہیں تھی کہ جس کی اچھی یا مٹیھی چھاپ دیکھنے والے پر پڑتی . شاید مدھیہ بھارت کی سرکار نے اپنے نظام کا اسے سب سے بڑا کارنامہ سمجھا اور اس کا زیادہ سے زیادہ پروپےگنڈا کرانہ واہی لوٹنے کی کوشش کی . آجکل کے دیکھانک زمانے میں، حکومتوں یا سرکاروں کا اس طرح ایک دیکھتی پر لٹو ہو جانا کوئی زیادہ بھاندی نہیں مانی جائیگی . اور نہ اس میں راجنیک دور - اندیشی ہی ہے .

لیکن ہمیں زیادہ تعجب تو تب ہوا جب ہم نے مدھیہ بھارت کے پولس منسٹر کا ایک بیان پڑھا . اس میں انہوں نے کہا کہ میں نے تم کھائی تھی کہ اگر ایک سال کے اندر وہ (مرنے والا) نہیں مارا جاتا ہے تو میں منسٹری سے استعفیٰ دے دوںگا . ہمیں پتہ نہیں کہ انہوں نے اپنا یہ ارادہ اس گھٹنا کے پہلے ظاہر کیا تھا یا نہیں . اگر

آہیر کیا تھا تو انہیں بدھائی کی امید کوئی چاہئے اور وہ ہم بھی دے دیئے۔ اگر نہیں ظاہر کیا تھا تو وہ چاہئے کہ 'چند سواروں' میں اُن کا نام بھی درج کر لیا جائے۔ سو ایسا کر لیا میں کسی کا کیا کہتا جاتا ہے؟ پر منسٹر صاحب اپنی قسم بتا کر ہی نہیں رہ گئے۔ انہوں نے (یا شاید اُن کے کسی کو لگے) یہ بھی کہا کہ آزادی کے بعد مدھیہ بھارت کی یہ سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ یہی نہیں 'مدھیہ بھارت'—'وشیش کر گوالہر'، 'بھنڈ'، 'موریل' اور اُس پلس کے لوگ—اب یہ سچ سچ محسوس کر لیتے کہ انہیں آزادی حاصل ہوئی!

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مدھیہ بھارت میں—منسٹر صاحب کی نگاہ سے—آزادی کا چراغ اب روشن ہوا۔ پر ہم اسے سچ مانے لیتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ مانے لیتے ہیں کہ یہ مدھیہ بھارت کی ان کئی برسوں کی سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ پر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مدھیہ بھارت میں جو 'وکاس' نام سے انہیک یوجناں چل رہی ہیں، تو کیا وہ کہیں یوجناؤں کا کوئی واسطہ مدھیہ بھارت کے جنوں سے نہیں ہے؟ اگر ایک ایک آدمی کی زندگی یا موت پر پورے علاقے کی آزادی یا غلامی منحصر تھی تو ہم جاننا چاہتے کہ اُس کے پیچھے ساری طاقت کیوں نہیں لگا دی گئی؟ اُس وقت تک یوجناؤں کا نائک کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اور نہ اب رنگ بھوم میں ضرورت رہ جاتی ہے جب وہ آزادی حاصل ہوگئی جس کے لئے مدھیہ بھارت کے لوگوں کو—اگر منسٹر صاحب کی باتوں پر ہم وہ اُس کریں—بڑی لالسا تھی۔ منسٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مرنے والے کو زندہ پکڑنا تو اس وجہ سے مشکل تھا کہ اُسے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہمدردی حاصل تھی۔ کوئی اُس کا راز بتاتا ہی نہیں تھا۔ تو کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ اُس علاقے میں سرکار سے زیادہ اثر اُس ایک آدمی کا تھا اور اُس نے عام یا غریب جتنا پر اپنا جادو کر رکھا تھا؟ تب پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے چلے جانے کے معنے یہ ہو گئے کہ مانو اُس علاقے کے لوگوں کو آزادی حاصل ہوگئی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ منسٹر صاحب کی سمجھ کی کیا تعریف کریں۔

شاید جانے والے کی موت پر منسٹر صاحب خوشی سے بھولے نہ سمائے اور آپ سے باہر ہو گئے۔ ایسے موقع پر تل کا تار کڑدینا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن جب ایک منسٹر کی ہی بات میں وزن نہ ہوگا تو کون اُس کا لحاظ کریگا اور تب کیسے کوئی حکومت قوی رہ سکتی ہے۔ مرنے والا چلا ہی گیا۔ ہمیں اُس سے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ نہ ہم بھی جانتے ہیں کہ اُس کا کہل، کیسا

شاہر کیا تھا تو انہیں بدھائی کی امید کوئی چاہئے اور وہ ہم بھی دے دیئے۔ اگر نہیں ظاہر کیا تھا تو وہ چاہئے کہ 'چند سواروں' میں اُن کا نام بھی درج کر لیا جائے۔ سو ایسا کر لیا میں کسی کا کیا کہتا جاتا ہے؟ پر منسٹر صاحب اپنی قسم بتا کر ہی نہیں رہ گئے۔ انہوں نے (یا شاید اُن کے کسی کو لگے) یہ بھی کہا کہ آزادی کے بعد مدھیہ بھارت کی یہ سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ یہی نہیں 'مدھیہ بھارت'—'وشیش کر گوالہر'، 'بھنڈ'، 'موریل' اور اُس پلس کے لوگ—اب یہ سچ سچ محسوس کر لیتے کہ انہیں آزادی حاصل ہوئی!

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مدھیہ بھارت میں—منسٹر صاحب کی نگاہ سے—آزادی کا چراغ اب روشن ہوا۔ پر ہم اسے سچ مانے لیتے ہیں۔ اور یہ بھی سچ مانے لیتے ہیں کہ یہ مدھیہ بھارت کی ان کئی برسوں کی سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ پر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مدھیہ بھارت میں جو 'وکاس' نام سے انہیک یوجناں چل رہی ہیں، تو کیا وہ کہیں یوجناؤں کا کوئی واسطہ مدھیہ بھارت کے جنوں سے نہیں ہے؟ اگر ایک ایک آدمی کی زندگی یا موت پر پورے علاقے کی آزادی یا غلامی منحصر تھی تو ہم جاننا چاہتے کہ اُس کے پیچھے ساری طاقت کیوں نہیں لگا دی گئی؟ اُس وقت تک یوجناؤں کا نائک کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اور نہ اب رنگ بھوم میں ضرورت رہ جاتی ہے جب وہ آزادی حاصل ہوگئی جس کے لئے مدھیہ بھارت کے لوگوں کو—اگر منسٹر صاحب کی باتوں پر ہم وہ اُس کریں—بڑی لالسا تھی۔ منسٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ مرنے والے کو زندہ پکڑنا تو اس وجہ سے مشکل تھا کہ اُسے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہمدردی حاصل تھی۔ کوئی اُس کا راز بتاتا ہی نہیں تھا۔ تو کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ اُس علاقے میں سرکار سے زیادہ اثر اُس ایک آدمی کا تھا اور اُس نے عام یا غریب جتنا پر اپنا جادو کر رکھا تھا؟ تب پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے چلے جانے کے معنے یہ ہو گئے کہ مانو اُس علاقے کے لوگوں کو آزادی حاصل ہوگئی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ منسٹر صاحب کی سمجھ کی کیا تعریف کریں۔

شاہر کیا تھا تو انہیں بدھائی کی امید کوئی چاہئے اور وہ ہم بھی دے دیئے۔ اگر نہیں ظاہر کیا تھا تو وہ چاہئے کہ 'چند سواروں' میں اُن کا نام بھی درج کر لیا جائے۔ سو ایسا کر لیا میں کسی کا کیا کہتا جاتا ہے؟ پر منسٹر صاحب اپنی قسم بتا کر ہی نہیں رہ گئے۔ انہوں نے (یا شاید اُن کے کسی کو لگے) یہ بھی کہا کہ آزادی کے بعد مدھیہ بھارت کی یہ سب سے بڑی گھٹنا ہے۔ یہی نہیں 'مدھیہ بھارت'—'وشیش کر گوالہر'، 'بھنڈ'، 'موریل' اور اُس پلس کے لوگ—اب یہ سچ سچ محسوس کر لیتے کہ انہیں آزادی حاصل ہوئی!

بکسر ہے۔ ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ اُس کا چل جانا بہت اچھا ہوا۔ لیکن اُس چیز کو ایک تاریخی مہم دینا اور اُس کو اتنی شہرت دینا کسی بھی طرح سے جائز نہیں۔

ایک بات اور بھی ہے۔ مسئلہ مراد ہے کہ کجس کا بے باک چور۔ تو آج جو ہمارے دیش میں چوریاں، ڈاکے بڑے رہے ہیں، کیا اسکے لیے ہمارے یہاں کا آئینی اور سماجی ڈاکہ جیمہ دار نہیں ہے؟ جب آئے دن پرائی دستکاریاں مٹائی جائیں گی، کریکر لوگوں کی روٹی ماری جائیگی—تب چوریاں اور ڈاکے نہیں بڑھیں گی تو اور کیا ہوگا؟ جب ہمارے یہاں آدیر کی اور نیچے کی تنخواہوں میں، آدیر کی اور نیچے کی آمدنیوں میں سینکڑوں اور ہزاروں کا فرق رہے گا، جب سماج میں دھلی کا دھن بڑھیکا اور دھلی کا دھن—تو سرکار اور پرچا میں تنازع بڑھیکا ہی اور آدمی وہ وہ کام کرنے پر مجبور ہوگا جنہیں وہ غلط اور نامناسب سمجھتا ہے۔ اگر ذرا باریک نگاہ سے دیکھیں تو کیا ہمارے سینکڑوں دیپاری، منسٹر، جج، وکیل اور پروفیسر دن کے ڈاکو یا لٹیرے نہیں ٹھہرائے جائیں گے۔ یہ تو انسانی کی بات ہے کہ دن دھارے کی چوری دیکھنے کو سہیٹا، شرافت اور پرچاکنڈر کا نام دے دیا گیا ہے۔ ان بہادروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جو بیچارے مجبوری سے رات میں اپنی گھر کھوجتے پھرتے ہیں انہیں سماج میں بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ دن والے اچھے ہیں اور رات والے برے؟

ہمیں یہاں رام کرشن پرم ہنس کی کہی ایک کथा یاد آ رہی ہے۔ ایک بار وہ سالانہ تہہ کہ کسی بڑے مندر کے پاس ہی ایک ویشیا رہتی تھی۔ مندر کے پوجاری بڑے بھگت مانے جاتے تھے۔ دن رات پوجا پات میں لکے رہتے اور کیرتن گراتے تھے۔ ان کے گھان، ان کے گلے، اور ان کے دھرم نیم کی تعریف بھی بہت تھی۔ ویشیا پوجاری کا کہنا ہی تھا، ویشیا ٹھہری۔ کسی طرح دن کاٹتی تھی۔ ہونہار کی بات کہ بڑے پوجاری جی اور اُس ویشیا کی موت ایک ہی گھڑی میں ہوئی تو دونوں کو لوانے ہم راج کے دوت پہنچے۔ پندت نے اُن سے پوچھا—”مجھے کہاں جانا ہے؟“ جواب دیا گیا—”نرک جانا ہے۔“ پندت جی فصہ میں آکر بولے—”کیا کہا، نرک جانا ہے؟ اور اُس چڑیل (ویشیا) کو کہاں لے جاؤ گے؟“ دوتوں نے کہا—”سورگ میں۔“ اب تو پندت جی کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور بولے—”یہ اندھیر نہیں چل سکتا۔ میں جاؤں نرک میں اور وہ ویشیا کی ذات جاتے سورگ میں! ضرور تمہارے گھڑوں میں کچھ اندراج غلط ہو گئے ہیں۔ ضرور کہیں دھوکا ہوا ہے۔ جاؤ تھیک سے تحقیقات کر کے آؤ کہ کسے کہاں لیجانا ہے۔“

ایک بات اور بھی ہے۔ مسئلہ مراد ہے کہ کجس کا بے باک چور۔ تو آج جو ہمارے دیش میں چوریاں، ڈاکے بڑے رہے ہیں، کیا اسکے لیے ہمارے یہاں کا آئینی اور سماجی ڈاکہ جیمہ دار نہیں ہے؟ جب آئے دن پرائی دستکاریاں مٹائی جائیں گی، کریکر لوگوں کی روٹی ماری جائیگی—تب چوریاں اور ڈاکے نہیں بڑھیں گی تو اور کیا ہوگا؟ جب ہمارے یہاں آدیر کی اور نیچے کی تنخواہوں میں، آدیر کی اور نیچے کی آمدنیوں میں سینکڑوں اور ہزاروں کا فرق رہے گا، جب سماج میں دھلی کا دھن بڑھیکا اور دھلی کا دھن—تو سرکار اور پرچا میں تنازع بڑھیکا ہی اور آدمی وہ وہ کام کرنے پر مجبور ہوگا جنہیں وہ غلط اور نامناسب سمجھتا ہے۔ اگر ذرا باریک نگاہ سے دیکھیں تو کیا ہمارے سینکڑوں دیپاری، منسٹر، جج، وکیل اور پروفیسر دن کے ڈاکو یا لٹیرے نہیں ٹھہرائے جائیں گے۔ یہ تو انسانی کی بات ہے کہ دن دھارے کی چوری دیکھنے کو سہیٹا، شرافت اور پرچاکنڈر کا نام دے دیا گیا ہے۔ ان بہادروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور جو بیچارے مجبوری سے رات میں اپنی گھر کھوجتے پھرتے ہیں انہیں سماج میں بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ دن والے اچھے ہیں اور رات والے برے؟

ہمیں یہاں رام کرشن پرم ہنس کی کہی ایک کथा یاد آ رہی ہے۔ ایک بار وہ سالانہ تہہ کہ کسی بڑے مندر کے پاس ہی ایک ویشیا رہتی تھی۔ مندر کے پوجاری بڑے بھگت مانے جاتے تھے۔ دن رات پوجا پات میں لکے رہتے اور کیرتن گراتے تھے۔ ان کے گھان، ان کے گلے، اور ان کے دھرم نیم کی تعریف بھی بہت تھی۔ ویشیا پوجاری کا کہنا ہی تھا، ویشیا ٹھہری۔ کسی طرح دن کاٹتی تھی۔ ہونہار کی بات کہ بڑے پوجاری جی اور اُس ویشیا کی موت ایک ہی گھڑی میں ہوئی تو دونوں کو لوانے ہم راج کے دوت پہنچے۔ پندت نے اُن سے پوچھا—”مجھے کہاں جانا ہے؟“ جواب دیا گیا—”نرک جانا ہے۔“ پندت جی فصہ میں آکر بولے—”کیا کہا، نرک جانا ہے؟ اور اُس چڑیل (ویشیا) کو کہاں لے جاؤ گے؟“ دوتوں نے کہا—”سورگ میں۔“ اب تو پندت جی کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور بولے—”یہ اندھیر نہیں چل سکتا۔ میں جاؤں نرک میں اور وہ ویشیا کی ذات جاتے سورگ میں! ضرور تمہارے گھڑوں میں کچھ اندراج غلط ہو گئے ہیں۔ ضرور کہیں دھوکا ہوا ہے۔ جاؤ تھیک سے تحقیقات کر کے آؤ کہ کسے کہاں لیجانا ہے۔“

ہمیں یہاں رام کرشن پرم ہنس کی کہی ایک کथा یاد آ رہی ہے۔ ایک بار وہ سالانہ تہہ کہ کسی بڑے مندر کے پاس ہی ایک ویشیا رہتی تھی۔ مندر کے پوجاری بڑے بھگت مانے جاتے تھے۔ دن رات پوجا پات میں لکے رہتے اور کیرتن گراتے تھے۔ ان کے گھان، ان کے گلے، اور ان کے دھرم نیم کی تعریف بھی بہت تھی۔ ویشیا پوجاری کا کہنا ہی تھا، ویشیا ٹھہری۔ کسی طرح دن کاٹتی تھی۔ ہونہار کی بات کہ بڑے پوجاری جی اور اُس ویشیا کی موت ایک ہی گھڑی میں ہوئی تو دونوں کو لوانے ہم راج کے دوت پہنچے۔ پندت نے اُن سے پوچھا—”مجھے کہاں جانا ہے؟“ جواب دیا گیا—”نرک جانا ہے۔“ پندت جی فصہ میں آکر بولے—”کیا کہا، نرک جانا ہے؟ اور اُس چڑیل (ویشیا) کو کہاں لے جاؤ گے؟“ دوتوں نے کہا—”سورگ میں۔“ اب تو پندت جی کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اور بولے—”یہ اندھیر نہیں چل سکتا۔ میں جاؤں نرک میں اور وہ ویشیا کی ذات جاتے سورگ میں! ضرور تمہارے گھڑوں میں کچھ اندراج غلط ہو گئے ہیں۔ ضرور کہیں دھوکا ہوا ہے۔ جاؤ تھیک سے تحقیقات کر کے آؤ کہ کسے کہاں لیجانا ہے۔“

पंडित जी के हुक्म पर दूत यमराज के पास लौटे और सब हाल कह सुनाया। यमराज ने उन्हें समझा दिया कि पहले बाला फैसला ही सही है। दूतों ने फरमान पंडित जी को सुना दिया। पंडित जी के काटो तो खून नहीं। लेकिन पंडित जी जो ठहरे, फिर खिद की और बोले कि, “मेरी समझ में नहीं आता तुम लोगों की हरकत क्या है। आखिर कोई बजह भी है जो मेरे साथ यह अन्याय हो रहा है। दुनिया में मेरी इज्जत है, मेरी अर्थी किस शान के साथ उठेगी, नगर का कोई बड़ा आदमी ऐसा नहीं है जो उसमें शरीक न हो। मेरा तो यह हाल। लेकिन उस चुड़ैल को वहाँ ले जाओगे और यहाँ उसे कोई पूछता तक नहीं। उस की लाश को उठाने वाला भी कोई नहीं। कुत्ते और कौबे खावेंगे।” यह सुन कर दूतों में जो सब से बुजुर्ग थे उन्होंने ने कहा, “पंडितजी! आप सही कह रहे हैं। दुनिया वाले आपकी बहुत भक्ति व इज्जत करते हैं और उस बेचारी को निची निगाह से देखते हैं। लेकिन इन दुनिया वालों को किसी के दिल के अन्दर का हाल क्या मालूम? वह तो बाहर का रूप-रंग देखते हैं और उसी के झुलावे में रहते हैं। पर मैं आप से पूछता हूँ। आप अपना दिल टटोल कर देखिये। आप ही कहिये कि किया आप उस वैश्या के जीवन पर ईर्ष्या की निगाह से नहीं देखते थे? उसे देख कर आप के हृदय में वासना की लपट नहीं उठती थी? आप यही चाहते रहे कि कहाँ पूजा-आरती के जंजाल में पड़ गया, ठाठ से उस वैश्या की तरह जीवन बिताता और आनन्द करता। लेकिन वह दुखिया पाप तो करती थी मगर मजबूरी से। समाज में उसके लिये दूसरा चारा नहीं। घर वाले उसे लेते नहीं थे। वह करती तो क्या करती? मगर उसकी नेकी देखिये कि उसे हमेशा आपके जीवन से ईर्ष्या होती थी। वह मन ही मन यही कहा करती कि कब मुझे इस पाप से छुट्टी मिले और आप (पंडितजी) की तरह भक्ति और पूजा की जिन्दगी बिताये। दुख में भी वह भगवान की याद किया करती पर आपको इतना समय कहाँ कि किसी को याद करें।” पंडितजी के पास कोई जवाब नहीं रहा और चुप हो गये।

जैसा हमने ऊपर कहा हम मध्यभारत सरकार को उसके कारनामे पर बर्खास्त देते हैं। मगर उससे इतना जरूर अपेक्षा करेंगे कि वह अपना बैलेंस न खोये, चीजों को उनके सही व असली रंग में देखकर ही लोगों के आगे रखला करे, और मध्यभारत के अन्दर जो आर्थिक असमानता और गरीबी है उसे बुनियाद से दूर करने की कोशिश करे।

—सुरेश रामभाई

पंडित जी के हुक्म पर दूत यमराज के पास लौटे और सब हाल कह सुनाया। यमराज ने उन्हें समझा दिया कि पहले बाला फैसला ही सही है। दूतों ने फरमान पंडित जी को सुना दिया। पंडित जी के काटो तो खून नहीं। लेकिन पंडित जी जो ठहरे, फिर खिद की और बोले कि, “मेरी समझ में नहीं आता तुम लोगों की हरकत क्या है। आखिर कोई बजह भी है जो मेरे साथ यह अन्याय हो रहा है। दुनिया में मेरी इज्जत है, मेरी अर्थी किस शान के साथ उठेगी, नगर का कोई बड़ा आदमी ऐसा नहीं है जो उसमें शरीक न हो। मेरा तो यह हाल। लेकिन उस चुड़ैल को वहाँ ले जाओगे और यहाँ उसे कोई पूछता तक नहीं। उस की लाश को उठाने वाला भी कोई नहीं। कुत्ते और कौबे खावेंगे।” यह सुन कर दूतों में जो सब से बुजुर्ग थे उन्होंने ने कहा, “पंडितजी! आप सही कह रहे हैं। दुनिया वाले आपकी बहुत भक्ति व इज्जत करते हैं और उस बेचारी को निची निगाह से देखते हैं। लेकिन इन दुनिया वालों को किसी के दिल के अन्दर का हाल क्या मालूम? वह तो बाहर का रूप-रंग देखते हैं और उसी के झुलावे में रहते हैं। पर मैं आप से पूछता हूँ। आप अपना दिल टटोल कर देखिये। आप ही कहिये कि किया आप उस वैश्या के जीवन पर ईर्ष्या की निगाह से नहीं देखते थे? उसे देख कर आप के हृदय में वासना की लपट नहीं उठती थी? आप यही चाहते रहे कि कहाँ पूजा-आरती के जंजाल में पड़ गया, ठाठ से उस वैश्या की तरह जीवन बिताता और आनन्द करता। लेकिन वह दुखिया पाप तो करती थी मगर मजबूरी से। समाज में उसके लिये दूसरा चारा नहीं। घर वाले उसे लेते नहीं थे। वह करती तो क्या करती? मगर उसकी नेकी देखिये कि उसे हमेशा आपके जीवन से ईर्ष्या होती थी। वह मन ही मन यही कहा करती कि कब मुझे इस पाप से छुट्टी मिले और आप (पंडितजी) की तरह भक्ति और पूजा की जिन्दगी बिताये। दुख में भी वह भगवान की याद किया करती पर आपको इतना समय कहाँ कि किसी को याद करें।” पंडितजी के पास कोई जवाब नहीं रहा और चुप हो गये।

जैसा हमने ऊपर कहा हम मध्यभारत सरकार को उसके कारनामे पर बर्खास्त देते हैं। मगर उससे इतना जरूर अपेक्षा करेंगे कि वह अपना बैलेंस न खोये, चीजों को उनके सही व असली रंग में देखकर ही लोगों के आगे रखला करे, और मध्यभारत के अन्दर जो आर्थिक असमानता और गरीबी है उसे बुनियाद से दूर करने की कोशिश करे।

—सुरेश रामभाई

گاؤں کی چاہ

گاؤں کی چاہ

حال ہی میں ہمارے راشٹری حیدرآباد گئے تھے۔ وہاں پر، کئی نچدیہ میں، وہ کسٹوربا سمارک نیچ سے دھات میں چلنے والے ایک کنڈر کو بھی دیکھنے گئے۔ بھنوں کے کام کی تارک کرتے دئے انھنے کہا کہ میں رھتا تو جرر شھر میں ہوں لیکن میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ ہی کی طرح دیہات میں جائز رہوں۔ راشٹری کے دل اور دماغ کی یہ تر بہت یرانی ہے۔ چادل سملن کے موقع یر بھی (مارچ 1953) انھوں نے اے ظاہر کیا تھا۔ اُس کر کے اگانار قائم رھتے ہوئے راشٹری اتنا زیادہ کم سنبھال لیتے رھیں۔ دل اور دماغ کو اس طرح الگ الگ رکھنا کسی معمولی آدمی کے بس کی تو بات ہو یہی نہیں سکتی۔

پر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف جہاں راشٹری نے بھنوں کو اپنے کام میں لکے رھنے کی نیک صلح دی، وہاں دوسری طرف حیدرآباد کو اپنی آپ راجدھانی بنا یا۔ حیدرآباد شھر کے نزدیک جو انگریزی ریڈیڈنٹ کا محل تھا، اُسے کیڈریہ سرکار کی طرف سے لیکر اُسے اپنے حیدرآباد ٹھرنے کا استھان بنایا اور نام دیا راشٹری نیلیم۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انگریزی سرکار کے جہاں دو ٹکالے تھے—نئی دلی اور شملہ، وہاں بھارت سرکار کے تین رھنے—نئی دلی، شملہ اور حیدرآباد۔ ظاہر بات ہے کہ اس سے حکومت کا خرچ اور بھی بڑھ جائگا اور جنت کو نیا رچہ اٹھانا پڑگا۔

گاؤں کی چاہ رھنے والے راشٹری سے امید تو یہ تھی کہ انگریزی سرکار کے دو اقدوں میں سے ایک کو ختم کر کے دیہات کا بھار ہلکا کرتے، لیکن ہو اٹھا ہی رھا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں اتر پردیش کی ایک خبر کا دھیان ہو آیا۔ پتہ نہیں وہ سچ ہے یا غلط۔ اگر سچ ہے تو بڑی دکھدانی ہے۔ انگریزی راج کال میں یہاں کی جنتا کہا، اُس کے نہتا کیا—سنہی انگریزی سرکار کو لعنت بھیجتے تھے کہ وہ نہنی نال میں گرمیوں میں دفترو لیکجا کر ناحق خرچ بڑھاتی اور حاتم محکم کے بیچ دہوار کھڑی کرتی ہے۔ ہماری کانگریس سرکار مائو اُس درد کو بھول گئی اور، نہنی نال کی گدی کر بدستور بنائے رکھا۔ شاید اُس کی ایک وجہ یہ بھی رھی ہو کہ یہاں کے پچھلے مکبہ منتری نہنی نال ضلع کے رھنے والے تھے۔ لیکن اب پتہ چلا ہے کہ اگلی گرمیوں میں اتر پردیش کے نئے مکبہ منتری اگلے سال گرمیوں میں پندرہ دن یا کچھ سٹھ کے لئے دفترو سہت مصوری رھنے اور اس سونی کی جانے والی بستی

کو ہندو-مذہب بنانا ہے۔ اس کے پیچھے کبھی کوئی مقصد ہو سکتا ہے—
یا تو بھارتیہ یا ساروچنک۔ بھارتیہ یہ کہ انہیں
انہیں وہاں سے بے شریعت پریم ہے اور اس لئے انہیں مصری
نہیں پڑتا ہے جس کی اہمیت کی سچی جوتھی شکایت
پہچم اتر پردیش والے کرتے ہیں اور انکے پردیش کی
مانگ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی اس شکایت کو دور کرنے کے
لئے اور اتر پردیش کی تقسیم روکنے کے لئے مصری ہی مکہ
ملتری کو رہنا چاہیئے؟ ہم نہیں جانتے اصلیت کیا ہے؟ لیکن
ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ مکہ ملتری کا مصری کو آپ -
راجدھانی بنانا سب سے ہاتھی کو رائے دینا ہے اور جتنا کے جملے
گہو پر نمک چھوٹا ہے۔

اس روشنی میں جب ہم پردھان منتری کی یہ نسیہت
کو دیکھتے ہیں—کہ مکہ ملتری میں رہنے کا خیال چھوڑ کر سرکاری
کرمچاریوں کو جتنا سے کھل مل جانا چاہیئے—تو ایسا لگتا ہے
کہ یہ نصیحت عمل کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک محض
خیال ہے جسے بڑھیا کفن پر لہ کر سلہر سلہر ہرگز سے سجا کر
آئے والی پیڑھوں کو دکھانے کی خاطر سنہال کر رکھا جائے۔ جس
سوگڑ کے حکم کو گلوں کی چاہ ہوگی اور دیہاتوں کا درجہ
اٹھاتا منظور ہوا وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔

—سوریش رامभाई

—سوریش رام भाई

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	لکھک	قیمت	نام کتاب	لکھک	قیمت
1. شہر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گولہ	8 0 0	1. شہر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گولہ	8 0 0
2. شہر و سخن	"	8 0 0	2. شہر و سخن	"	8 0 0
3. گھرے پانی پیتے	"	2 8 0	3. گھرے پانی پیتے	"	2 8 0
4. ہمارے آراء	شری بنارس داس چکرورتی	3 0 0	4. ہمارے آراء	شری بنارس داس چکرورتی	3 0 0
5. سنسکرت	"	3 0 0	5. سنسکرت	"	3 0 0
6. دو ہزار برس پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جین	3 0 0	6. دو ہزار برس پرانی کہانیاں	شری جگدیش چندر جین	3 0 0
7. ج्ञान गंगा	شری نارائن پرساد جین	6 0 0	7. ج्ञान गंगा	شری نارائن پرساد جین	6 0 0
8. पंच धिन्	شری شانتی پریم دوی	2 0 0	8. पंच धिन्	شری شانتی پریم دوی	2 0 0
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0
10. आकाश के तारे धरती के फूल	شری कल्याणल महर प्रभाकर	2 0 0	10. आकाश के तारे धरती के फूल	شری कल्याणल महर प्रभाकर	2 0 0
11. मुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0	11. मुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0
12. मिलन यामिनी	श्री बरचन	4 0 0	12. मिलन यामिनी	श्री बरचन	4 0 0
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुहारिया	2 8 0	14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुहारिया	2 8 0
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0	16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	17. भारतीय शासन	"	3 0 0
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0
19. साम्राज्य और जनता पतन	"	2 8 0	19. साम्राज्य और जनता पतन	"	2 8 0
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0
21. सर्वोदय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	21. सर्वोदय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0
22. हमारी आदिम जातियाँ	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	22. हमारी आदिम जातियाँ	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. श्री गजाधर प्रसाद, एम्बिस्ट, श्री भगवानदास केला	2 0 0	23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. श्री गजाधर प्रसाद, एम्बिस्ट, श्री भगवानदास केला	2 0 0
24. नागरिक शिक्षा	श्री भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	24. नागरिक शिक्षा	श्री भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0
26. जनानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	26. जनानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0
27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0	27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0
28. सखीना सच	"	0 8 0	28. सखीना सच	"	0 8 0
29. मेरे साथी	"	1 0 0	29. मेरे साथी	"	1 0 0

मिलने का पता—

मैनेजर 'बया हिन्ड'

145, मुलीगंज, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'بیا هند'

145، ملین گنج، الہ آباد-3.

میلے کا پتہ—

सांस्कृतिक साहित्य

सान्स्कृतिक साहित्य

हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा जयधुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

मेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

हिन्दुस्तानी कलचर रोसायन्ट

145 मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

हजरत मोहम्मद और इसलाम

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इसलाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—पण्डित सुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा जयधुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

मेर बाबुल और असुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आँसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अख्तर हुसेन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय फिराक, कीमत—तीन रुपया

मिलने का पता

हिन्दुस्तानी कलचर रोसायन्ट

145 मुट्ठीगंज, इलाहाबाद

हिन्दी घर

ہندی گھر

کلتچر پر ہر तरह کی کتابیں ملانے کا ایک بڑی کےन्द्र—پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی अपनी मन-पसन्द کتابों के लिये हमें लिखें।

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملانے کا ایک بڑا کیندر۔۔۔ پاٹھک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

हमारी नई کتابें

ہماری نئی کتابیں

महात्मा गान्धी की वसीयत

مہاتما گاندھی کی وصیت

(हिन्दी और उर्दू में)

(ہندی اور اردو میں)

लेखक—गान्धीवाद के माने ज्ञाने

لیکھک—گاندھی واں کے مانے جانے

विद्वान् : श्री मन्तर श्री. मारुता

ویدواں : شری منظر علی سوخته

सं० 225, कीमत दो रुपये

صفحہ 225 قیمت دو روپیہ

गान्धी वाचा

گاندھی بابا

(बच्चों के लिये बहुत दिलचस्प किताब)

(بچوں کے لئے بہت دلچسپ کتاب)

लेखिका—कुदसिया खैदी

لیکھیکا—کودسیہ خدی

भूमिका—पंडित जवाहरलाल नेहरू

بیومکا—پندت جواہر لال نہرو

मोटा कासत्र, मोटा टाउप, बहुत-सी रंगीन तमचीरें

मोना कलत्र, मोना ताम्र, बहुत सी रंगीन तमचीरें

दाम दो रुपये

दाम दो روپیہ

— : —

— : —

पंडित मुन्दरलाल श्री की लिखी किताबें

पंदत मुंदराल जी की लिखी کتابیں

गोता और कृगन

گیتا اور قرآن

275 صفحہ, दाम दो रुपये

275 صفحہ, दाम دو روپیہ

हिन्दू मुसलिम एकता

ہندو مسام ایکتا

100 صفحہ, दाम बारह आने

100 صفحہ, दाम بارہ آنے

महात्मा गान्धी के वलिदान से सबक

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبق

कीमत बारह आने

قیمت بارہ آنے

पंजाब हमें क्या सिखाता है

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

कीमत चार आने

قیمت چار آنے

बंगाल और उससे सबक

بنگال اور اُس سے سبق

कीमत दो आने

قیمت دو آنے

हिन्दुस्तानी कलचर सोसायटी

ہندستانی کلیچر سوسائٹی

145 मुद्रोगंज इलाहाबाद

145 مٹی گنج اہلآباد

